جلد 2

الخیر الشذی

شرح اردو

جامع الترمذی

باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال (تا)
ابواب الوتر، الجمعة، العیدین، السفر، الزکاة، الصوم

بحمد اللہ

ممتاز انفرادی خصوصیات
کے پیش نظر دیگر شروحات
سے بے نیاز کردینے والی
حضرات اکابر علمائے کرام
کی پسندیدہ شرح

تالیف
مولانا مفتی عبدالرشید
فاضل جامعہ خیرالمدارس ملتان
استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
061-4514929
0300-7301239

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

شرح اردو

جلد دوم

جامع الترمذی

ابواب الوتر، الجمعة، العیدین، السفر، الزکاة، الصوم

از

مولانا مفتی عبد الرشید صاحب مدظلہ
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ناشر
قرآن مجید • دینی کتب • اسلامی رسائل کا مرکز
ادارہ اشاعت الخیر
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
061-4514929,0300-7301239

الخیر الشذی

تالیف: مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ

تاریخ اشاعت: ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ

ناشر: ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ضروری گزارش اس کتاب کی تصحیح کی علماء کی زیر نگرانی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے اگر اس کے باوجود کہیں اغلاط نظر آئیں تو برائے مہربانی مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کی جا سکے۔ شکر الکم واجر کم علی اللہ (ادارہ)

فہرست الخیر الشذی

جلد دوم

ابواب الوتر، الجمعة، العیدین، السفر، الزکاة، الصوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمد النبی

الامی وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلٰوةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِينِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَغُطَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ هُلْبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ يَرَوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ فِي الصَّلَاةِ وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا فَوْقَ السُّرَّةِ وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَضَعَهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدَهُمْ وَاسِعٌ وَاسْمُ هُلْبٍ يَزِيدُ بْنُ قُنَافَةَ الطَّائِيُّ.

حضرت قبیصہ بن ہلب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری امامت کرتے اور اپنا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے۔اس باب میں حضرت وائل بن حجر، غطیف بن حارث، ابن عباس، ابن مسعود، اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ ہلب کی مروی حدیث حسن ہے صحابہ وتابعین اوران کے بعد کے اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ناف کے اوپر باندھے اور بعض کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے باندھے اوران کے نزدیک یہ سب جائز ہے اور ہلب کا نام یزید بن قنافہ طائی ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں چند مسائل ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: نماز کے اندر قیام میں ہاتھوں کا ارسال ہوگا یا وضع ہوگا؟

مسئلہ ثانیہ: مقام وضع الیدین کیا ہوگا؟ تحت السرۃ یا فوق السرۃ یا فوق الصدر؟

مسئلہ ثالثہ: کیفیت وضع، ہاتھ باندھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے۔ان تینوں مسائل کی وضاحت یہ ہے۔

مسئلہ اولیٰ: نماز میں ہاتھوں کا ارسال ہوگا یا وضع ہوگا؟۔اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ اور ایک قول امام مالکؒ کا ہے کہ قیام کی حالت میں ہاتھوں کی مسنون کیفیت وضع ہے ارسال نہیں ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ① مشہور روایت ارسال یدین کی ہے کہ دونوں ہاتھ باندھنے کے بجائے کھلے چھوڑ دیئے جائیں۔یہی قول صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن الزبیرؓ اور تابعین میں سے حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا ہے۔

② دوسری روایت امام مالکؒ کی یہ ہے کہ فرائض میں ارسال مسنون ہے اور نوافل میں وضع الیدین مسنون ہے ایک قول امام مالکؒ کا یہ بھی ہے کہ اگر ارسال میں تکلیف ہو تو ضرورت کی بناء پر وضع الیدین بھی کر سکتے ہیں۔

قول ثالث: امام لیث بن سعدؒ، امام اوزاعیؒ، ابن المنذرؒ کے ہاں وضع اور ارسال میں اختیار ہے چاہے تو ہاتھ باندھ لے اور چاہے تو ہاتھوں کو چھوڑ دے۔

امام مالکؒ کے دلائل: ان کے مسلک پر کوئی مرفوع روایت نہیں البتہ بعض آثار سے استدلال کرتے ہیں۔

دلیل اوّل: مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے شرح وقایہ کی شرح السعایۃ میں حدیث معاذ رضی اللہ عنہ نقل کی ہے **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ قبال اذنیہ فاذا کبر ارسلھما** اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ارسال کا تھا۔

جواب اوّل: یہ حدیث احادیث صحیحہ کے معارض ہونے کی وجہ سے واجب التاویل ہے اور تاویل یہ ہے کہ یہاں ارسال رفع کے مقابلے میں ہے وضع کے مقابلے میں نہیں۔

جواب ثانی: اس کی سند میں ایک راوی الحطب بن جحد ہے امام شعبہ اور یحییٰ بن سعید القطان نے اس کی تکذیب کی ہے۔

جواب ثالث: یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ارسال کیا بعد میں ہاتھوں کو باندھ لیا۔

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن زبیرؓ کا عمل ارسال کا ذکر کیا ہے **کان ابن الزبیر رضی اللہ عنہما اذا صلی یرسل یدیہ**۔

جواب: مرفوع حدیث کے مقابلے میں یہ موقوف روایت حجت نہیں۔

دلیل ثالث: وضع الیدین میں راحت ہے اور ہاتھ چھوڑنے میں عدم راحت اور مشقت ہے لہٰذا نماز میں عدم راحت راجح ہے کیونکہ جب مشقت زیادہ ہوگی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا۔

جواب: اس کا جواب بھی یہی ہے کہ احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں قیاس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے مقابلے میں مرفوع حدیث لاؤ جو کم از کم اس کے مساوی تو ہو۔

امام ابوحنیفہ و متبعین کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے **عن قبیصۃ بن ھلب عن ابیہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمنا فیاخذ شمالہ بیمینہ۔ قال الترمذی ھذا حدیث حسن۔** اس میں واضح معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کو باندھتے تھے ارسال نہیں کرتے تھے۔

دلیل ثانی: ابن ماجہ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فأخذ شمالہ بیمینہ** کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وہ نماز پڑھتے تو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے تھے۔ (ابن ماجہ ص ۵۸)

دلیل ثالث: بخاری شریف اور موطا امام مالکؒ میں روایت ہے: **عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعہ الیسری فی الصلوٰۃ قال ابو حازم لا اعلمہ الا یمنی ذٰلک الی النبی۔**

دلیل رابع: مسلم شریف میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے **انہ رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیہ حین دخل فی الصلوٰۃ کبّر وصفھما حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری۔** (مسلم جلد اول ص ۱۷۳ باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری)

دلیل خامس: ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **انہ کان یصلی فوضع یدہ الیسری علی الیمنی فرأہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی الیسری۔** (ابوداود جلد ا ص ۱۱۷ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ)

دلیل سادس: دارقطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **قال انا معاشر الانبیاء علیہم السلام امرنا ان نمسك بأیماننا فی الصلوٰۃ** کہ ہم انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہیں ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑیں۔

دلیل سابع: حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کا عمل ابوداؤد شریف میں ذکر کیا گیا ہے **قال ابن الزبیر صف القدمین ووضع الید علی الید من السنۃ** (ابوداؤد ج۱ ص۱۱۷) ہاتھوں کو باندھنا یہ سنن المرسلین میں سے ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضع الیدین اولیٰ ہے اس کے علاوہ کئی روایات ہیں جن میں ہاتھوں کے باندھنے کا ذکر ہے معارف السنن میں ہے کہ وضع الیدین کے متعلق روایات بیس تک پہنچتی ہیں۔ ان تمام روایات میں صرف دو روایات مرسل ہیں جبکہ باقی مرفوع ہیں۔ جن کی طرف امام ترمذیؒ نے **وفی الباب** کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔

مسئلہ ثانیہ: مقام وضع الیدین تحت السرۃ ہے یا فوق السرۃ یا فوق الصدر؟ اس میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، امام احمد بن حنبلؒ کی مشہور روایت اور ابو اسحاق مروزی شافعی کے نزدیک ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کی دو روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سینے سے نیچے ہاتھ باندھیں گے اور دوسری روایت میں علی الصدر ہاتھ باندھنا مسنون ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہی ہے۔ اور ایک روایت اختیار والی ہے۔

اختلاف کی وجہ: معارف السنن میں حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس اختلاف کا اصل سبب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ** اس روایت کو نصب الرایۃ، عمدۃ القاری، فتح الباری، بلوغ المرام، مسند بزار میں انہی الفاظ ''**عند صدرہ**'' کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ہی منقول ہے اس میں ''**تحت السرۃ**'' کے الفاظ ہیں شوافع دو روایت کو لیتے ہیں جبکہ احناف آخری روایت کو لیتے ہیں۔

سند کے اعتبار سے یہ تینوں روایات ضعیف ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ کی روایت کی ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل عن سفیان الثوری عن عاصم بن کلیب عن وائل بن حجر ہے۔ جو کہ ضعیف راوی ہے بقیہ جوابات شوافع کے دلائل میں آجائیں گے باقی رہی مسند بزار والی روایت عند صدرہ کا جواب یہ ہے کہ اس کا مدار محمد بن حجر پر ہے حافظ ذہبی فرماتے ہیں **لہ مناکیر** لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: حافظ ابن قیمؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں **قال علی رضی اللہ عنہ من السنۃ فی الصلوٰۃ وضع الاکف علی الاکف تحت السرۃ** اس روایت کو ابوداؤد ج۱ ص۱۱۷ باب وضع الیمنی علی الیسری کے ذیلی حاشیہ میں نقل کیا ہے) مسند احمد اور مصنف ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں **انّ من السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلوٰۃ تحت السرۃ**۔

دلیل ثانی: عن انس رضی اللہ عنہ قال ثلاث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار و تاخیر السحور ووضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰة تحت السرة. (الجوهر النقی جلد ۲ ص ۳۲)

دلیل ثالث: حجاج بن الحسان فرماتے ہیں سألت ابا مجلز کیف اصنع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة (ابن ابی شیبہ) یہ حدیث ابوداؤد میں بروایت ابن الاعرابی تعلیقاً مروی ہے۔

دلیل رابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے قال یضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرة۔

دلیل خامس: عقلی دلیل ہے اثر روایات سے جب فیصلہ نہیں ہوسکتا تو ہم قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور کہیں گے کہ تحت السرة وضع الیدین یہ اقرب الی التعظیم ہے لہٰذا یہی راجح ہوگا۔

شوافع کی دلیل اوّل: صحیح ابن خزیمہ میں حضرت وائل بن حجر کی روایت ہے قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یده الیمنی علی یده الیسری علی صدره، اس روایت میں علی صدره کے الفاظ ہیں یہ روایت ابھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

جواب اوّل: یہ بیان جواز پر محمول ہے۔

جواب ثانی: تقریب تام نہیں کیونکہ دعویٰ فوق السرة تحت الصدر ہے اور اس پر دلیل علی صدره ہے دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔

جواب ثالث: علی صدره کے الفاظ غیر محفوظ ہیں اس کو نقل کرنے والے صرف ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہیں دیگر ثقہ رواۃ میں سے کوئی بھی اس کو نقل کرنے والا نہیں۔

جواب رابع: وائل بن حجر کی دو روایات ہیں ایک ابن شیبہ کی، دوسری ابن خزیمہ کی ان دونوں روایات میں ابن ابی شیبہ والی راجح ہے کیونکہ اس کی سند اقویٰ ہے بعض نے کہا کہ قوی السند اور بعض نے جید السند کہا ہے اور دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ یہ اقرب الی التعظیم ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت کے اعتبار سے تقریب تام ہے بلکہ ابن خزیمہ والی روایت کے مطابق تقریب تام نہیں۔

دلیل ثانی: مسند حضرت ہلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے عن هلب رضی اللہ عنہ قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... یضع هذا علی صدره۔

جواب اوّل: اس کی سند میں سماک بن حرب ہے جو کہ متفرد ہے عبداللہ بن مبارک اور شعبہ نے اس کی تضعیف کی ہے امام احمد نے اس کو مضطرب الحدیث کہا ہے۔

جواب ثانی: علامہ نیموی نے آثار السنن میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس روایت میں تصحیف ہوئی ہے اور یہ اصل میں "یضع هٰذه علی هٰذه" تھا جس کو غلطی سے یضع هٰذه علی صدره بنا دیا۔ لہٰذا اس روایت سے استدلال درست نہیں۔

دلیل ثالث: سنن کبریٰ للبیہقی میں (جلد ۲ ص ۳۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی آیت "فصل لربك وانحر" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا وضع یده الیمنی علی وسط یده الیسری ثم وضعها علی صدره۔

جواب: اس کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے اس کی سند میں ابوالخریش کلابی مجہول ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کی سند میں روح بن المسیب ہے جس کے بارے میں ابن حبان کا قول ہے یروی الموضوعات لاتحل الروایة عنه۔ حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر جلد ۴ ص ۵۵۸ میں لکھتے ہیں۔ و قیل المراد بقوله و انحر وضع یده الیمنی علی الید الیسری

تحت النحر۔ یروی ھذا عن علی ولا یصح۔

دلیل رابع: سنن کبری جلد ۲ ص ۳۰ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے عن وائل قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الی أن قال ثم وضعھا علی صدرہ۔

جواب اوّل: اس کی سند میں محمد بن حجر بن عبد الجبار ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۱۱۹ میں لکھتے ہیں له مناکیر وقال البخاری فیه النظر، وقال احمد والحاکم لیس بقوی عندھم۔

جواب ثانی: علامہ ماردینی الجوہر النقی جلد ۲ ص ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں ام یحییٰ بھی ہے لما اعرف حالھا ولا اسمھا لہٰذا یہ مجہول ہوئی۔

جواب ثالث: اس کی سند میں ایک اور راوی سعید بن عبد الجبار بھی ہے اس کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی علامہ ابن حجر تقریب ص ۱۲۳ میں لکھتے ہیں یہ ضعیف راوی ہے۔

دلیل خامس: مراسیل ابوداؤد ص ۶ میں روایت ہے عن طاؤس قال کان النبی ﷺ یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری ثم یشبك بھما علی صدرہ وھو فی الصلوٰۃ۔

جواب اوّل: اس کی سند میں ایک ضعیف راوی ہے جس کا نام سلیمان بن موسیٰ ہے۔ امام بخاریؒ نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے امام نسائی نے کہا کہ یہ قوی نہیں ہے اور ابو حاتم نے کہا کہ وفی حدیثه بعض الاضطراب۔ (تھذیب جلد ۴ ص ۲۲۷)

جواب ثانی: طاؤس مرسل راوی ہیں اور عند الشوافع وغیر المقلدین مراسیل حجت نہیں۔

تحت الصدر ہاتھ باندھنے کی دلیل: ابوداؤد شریف میں جریر ضبی سے روایت ہے قال رأیت علیا رضی اللہ عنہ یمسك شماله بیمینه علی الرسغ فوق السرۃ۔ (ابوداود جلد اوّل ص ۱۱۷ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ ... فی الحاشیہ)

جواب: اس کی سند میں ابوزید منفرد ہے اور وہ لین الحدیث ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

مسئلہ: ثالثہ وضع الید علی الید کی مسنون کیفیت کیا ہے؟ اس بارے میں تین قسم کے الفاظ ہیں بعض روایات میں "وضع" کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں "اخذ" کے الفاظ آئے ہیں اور بعض روایات میں "قبض" کے الفاظ آئے ہیں۔ ان روایات میں بظاہر تعارض ہے لیکن دیکھا جائے تو حقیقت میں کوئی تعارض نہیں۔

ان روایات میں یوں تطبیق ممکن ہے کہ ایک ہاتھ کو دوسرے پر اس طرح رکھے کہ اس میں اخذ کی کیفیت آجائے اور انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے کلائی کو پکڑے تو قبض پر عمل ہو جائے گا اور کلائی کے اوپر تین انگلیاں رکھے تو وضع والی روایات پر عمل ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبیر کہتے تھے جب بھی جھکتے، اٹھتے،

اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَقِيَامٍ وَقُعُودٍ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ وَأَبِي مُوسَى وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَغَيْرُهُمْ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ.

کھڑے ہوتے یا بیٹھتے اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، حضرت انس، حضرت ابن عمر، ابو مالک اشعری، ابوموسی، عمران بن حصین، وائل بن حجر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبداللہ بن مسعود حسن صحیح ہے اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ہے ان میں سے ابوبکر، عمر اور عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی ہیں یہی قول ہے ان کے بعد کے تابعین اور عام فقہاء اور علماء کا۔

تشریح: **تکبیرات انتقالات!** ایک رکن سے دوسرے رکن یا ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتے وقت تکبیر پڑھنا فقہاء کی اصطلاح میں اس کو تکبیرات انتقالات کہا جاتا ہے۔ تکبیرات کا مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی حصہ بھی ذکر سے خالی نہ جائے۔

تکبیرات انتقالات کا حکم: **قول اوّل:** جمہور حضرات کے نزدیک یہ سنت ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت جابر، قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہم، دوسرے فقہاء میں امام شعبیؒ، امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اسی طرح ابن بطال نے حضرت عثمان، علی، ابن مسعود، ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔

قول ثانی: اہل ظواہر کے نزدیک یہ تکبیرات انتقالات واجب ہیں۔ امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

اہل ظواہر یہ استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان کو ترک نہیں کیا ان پر ہمیشہ مواظبت اختیار فرمائی ہے۔ جو کہ وجوب کی دلیل ہے۔

ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ فعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور اس پر مواظبت بھی ہے لیکن محض مواظبت سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جب تک اس کے ترک پر وعید نہ آئی ہو۔ وجوب تب ثابت ہوگا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے چھوڑنے پر وعید سنائی ہو۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد مواظبت سے نفل پڑھے ہیں ان کے ترک کرنے والے کو وجوب کا ترک کرنے والا کیوں نہیں کہتے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ ترک واجب پر وعید نہیں آئی۔

تکبیرات انتقالات کے مواضع: اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک ہر خفض ورفع (جھکتے اور اٹھتے وقت) کے وقت تکبیر کہی جائے گی سوائے رکوع سے اٹھتے وقت کیونکہ اس میں "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا جاتا ہے۔ یہ قول صحابہ کرامؓ میں سے حضرت ابن مسعود، حضرت ابوہریرہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء بن ابی ارباحؒ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ کا ہے فقہاء میں سے امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کے نزدیک عند الرفع تکبیر مسنون ہے۔ عند الخفض مسنون نہیں یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ، بنی امیہ اور تابعین

میں سے بعض حضرات کا ہے۔

قول ثالث: بعض حضرات نے کہا کہ تکبیر تحریمہ کے سوا کوئی تکبیر نہیں۔

قول رابع: بعض نے فرق کیا ہے منفرد اور جماعت کا کہ اگر منفرد ہے تو کوئی تکبیرات نہیں کیونکہ تکبیرات مشروع ہیں امام کے ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف تبدیلی سے آگاہ کرنے کیلئے جبکہ منفرد کو اس کی احتیاج نہیں اور اگر جماعت کے ساتھ ہے تو امام تکبیرات کہے گا۔

انہی لوگوں کی تردید کیلئے امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا جو تکبیر انتقالات کو بالکل نہیں مانتے یا پھر عند الخفض کی صورت میں نہیں مانتے۔ ان حضرات کا خیال یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ، زیاد بن سفیان اور دوسرے بنوامیہ عند الخفض تکبیر نہیں کہتے تھے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ حضرت عثمانؓ خفض کے وقت تکبیر بہت آہستہ کہتے تھے جس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ بالکل تکبیر نہیں کہتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق ان کی اقتداء کی اور زیاد نے حضرت معاویہؓ کی لیکن بعد میں احادیث کثیرہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل کے بناء پر اس پر اجماع منعقد ہو گیا کہ انتقالات کے وقت تکبیرات کہی جائیں گی۔ جو حضرات تکبیر انتقالات کو واجب کہتے ہیں ان کو کہا جائے گا کہ اگر واجب ہوتیں تو خلفائے بنوامیہ اس کو نہ چھوڑتے۔ نیز ان کا چھوڑنا بھی برا ہے کیونکہ یہ سنت ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ الْحَسَنِ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ وَهُوَ يَهْوِي قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ قَالُوا يُكَبِّرُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَهْوِي لِلرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھکتے وقت تکبیر کہتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہی قول ہے صحابہ، تابعین اور بعد کے اہل علم کا وہ کہتے ہیں کہ آدمی رکوع اور سجدے میں جاتے وقت تکبیر کہے۔

تشریح: هوی يهوی هويا اذا هبط أو سقط۔ یہ لفظ کسی چیز کے جھکنے یا نیچے گرنے کے معنی میں آتا ہے یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نیچے جھکنے کے وقت بھی تکبیرات انتقال مسنون ہیں۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ تکبیرات انتقال کے وقت مقتدی امام کے ساتھ ساتھ اگلے رکن میں منتقل نہ ہوں کہ کہیں وہ امام سے سبقت کر جائیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ مقتدی آگے بڑھنے لگے ہیں تو انہیں پیچھے رہنے کا حکم دیا چونکہ مقتدی تکبیر سنتے ہی انتقال کر دیتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے لوگوں کو پیچھے رکھنے کے لئے تکبیرات کو انتقال کے بعد کہنا شروع کیا۔ اس کی مزید تفصیل آگے **باب ما جاء في كراهية ان يبادر الامام في الركوع** میں آجائے گی۔

بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ مَنْكِبَيْهِ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَزَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِ وَكَانَ لَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي عُمَرَ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَمَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي أُسَيْدٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَجَابِرٍ وَعُمَيْرٍ اللَّيْثِيِّ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهٰذَا يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمُ ابْنُ عُمَرَ وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَأَنَسٌ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الزُّبَيْرِ وَغَيْرُهُمْ وَمِنَ التَّابِعِينَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَمُجَاهِدٌ وَنَافِعٌ وَسَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَغَيْرُهُمْ وَبِهِ يَقُولُ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَدْ ثَبَتَ حَدِيثُ مَنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ وَذَكَرَ حَدِيثَ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَلَمْ يَثْبُتْ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْفَعْ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.

وآلہ وسلم نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے پھر رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے بھی اسی طرح کرتے حضرت ابن ابی عمرؓ نے اپنی حدیث میں (وَكَانَ لَا يَرْفَعُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ) کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں فضل بن صباح بغدادی سفیان بن عیینہ سے اور وہ زہری سے اسی سند سے ابن عمر کی روایت کے مثل روایت کرتے ہیں اس باب میں حضرت عمر، علی، وائل بن حجر، مالک بن حویرث، انس، ابوہریرہ، ابوحمید، ابواسید، سہل بن سعد، محمد بن سلمہ، ابوقتادہ، ابوموسیٰ اشعری، جابر اور عمیر لیثی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے اور صحابہ میں سے اہل علم جن میں ابن عمر، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ، انس، ابن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے حضرت حسن بصری، عطاء، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن عبداللہ، سعید بن جبیر اور ائمہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ ان سب کا یہی قول ہے اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا کہنا ہے کہ جو شخص رفع یدین کرتا ہے اس کی حدیث ثابت ہے جسے زہری نے بواسطہ سالم ان کے والد سے روایت کیا اور ابن مسعود کی یہ حدیث ثابت نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف پہلی مرتبہ رفع یدین کیا۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَبِهِ يَقُولُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ

حضرت علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں پھر آپ نے نماز پڑھی اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین نہیں کیا اس باب میں حضرت براء بن عازب سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث ابن مسعود حسن ہے اور یہی قول ہے صحابہ و تابعین میں سے اہل

وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ علم کا اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اختلاف سے قبل چند باتیں سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی بات: اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ رفع یدین تکبیر تحریمہ کے وقت مسنون ہے۔ البتہ سجدہ میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت کسی زمانے میں رفع یدین تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا لہٰذا رفع یدین ایک جگہ کے مسنون اور ایک جگہ کے منسوخ ہونے پر اتفاق ہے البتہ رکوع میں جاتے اور آتے وقت رفع یدین میں اختلاف ہے۔

دوسری بات: یہ اختلاف جواز اور عدم جواز میں نہیں ہے بلکہ افضلیت وغیر افضلیت میں ہے دونوں جانب احادیث ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ رفع یدین کرنے سے یا نہ کرنے سے نماز میں فساد و عدم فساد لازم آئے گا یا رفع یدین پر نماز کی صحت موقوف ہے۔

تیسری بات: اختلاف کا مقصد: رفع یدین کا انکار یا رفع یدین کے ثبوت کے لئے نہیں بلکہ ہم رفع یدین کی بقاء اور دوام کے منکر ہیں کہ آپ ﷺ کی وفات تک رفع یدین پر دوام نہیں رہا۔ لہٰذا ہمارے مقابلے میں رفع یدین کے ثبوت پر ایسی احادیث قابل استدلال نہ ہوں گی۔ نیز رفع یدین کے مسئلہ پر آنے والی تحریر کا منشأ یہ ثابت کرنا نہیں کہ رفع یدین ناجائز ہے یا احادیث سے ثابت نہیں بلکہ ہمارا منشأ محض یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ترک رفع بھی احادیث سے ثابت ہے اور یہی راجح اور افضل ہے۔

اس باب کے ذیل میں چند مسائل ہیں جو زیر بحث ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: رکوع کو جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین کا کیا حکم ہے سنت ہے واجب ہے یا فرض؟

قول اوّل: امام نوویؒ شرح مسلم جلد اوّل ص ۱۶۸ میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین اور اہل کوفہ کی ایک جماعت کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع یدین مسنون نہیں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین بالاتفاق مسنون ہے۔ شرح مہذب میں اس کے استحباب پر اجماع نقل کیا ہے۔

قول ثانی: امام اوزاعیؒ، امام حمیدیؒ، امام ابن خزیمہؒ رکوع کے وقت رفع یدین کو واجب کہتے ہیں۔

قول ثالث: امام مالکؒ سے ایک روایت عدم استحباب کی ہے لیکن مالکیہ کی کتب میں اس بات کی تصریح ہے کہ امام مالکؒ استحباب کے قائل ہیں ان کا مختار مذہب یہی ہے۔

قول رابع: روافض کا ایک فرقہ زیدیہ رفع یدین کا بالکل قائل نہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ یہ نقل درست نہیں۔

مسئلہ ثانیہ: عند الرکوع عند الرفع من الرکوع رفع یدین کرنا چاہیے یا نہیں؟

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ، امام طبریؒ اور جماعۃ من اہل الحدیث کے نزدیک رکوع کو جاتے وقت اور اٹھتے وقت رفع یدین کرنا چاہیے۔

قول ثانی: جبکہ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، امام نخعیؒ، امام شعبیؒ، علقمہؒ کے نزدیک رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرنا چاہیے۔

امام شافعیؒ و امام احمد بن حنبلؒ کی اوّل: یہی حدیث الباب ہے **قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ یرفع**

یدیہ حتیٰ یحاذی منکبیہ واذا رکع واذا رفع رأسہ من الرکوع۔

جواب: حدیث ابن عمر میں رفع یدین کے مواقع میں اضطراب ہے اس میں چھ قسم کی روایات ہیں۔

① وہ روایات جن میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع یدین کا ذکر ہے۔ جیسا کہ شرح معانی الآثار جلد اوّل ص ۱۱۰ میں ہے۔

② وہ روایات جن میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ عند الرفع من الرکوع ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے جیسا کہ موطا امام مالک ص ۵۹ میں ہے۔

③ وہ روایات جن میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ اور عند الرکوع وعند الرفع من الرکوع ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔

④ وہ روایات جن میں ان مواقع کے ساتھ ساتھ عند القیام الی الرکعۃ الثالثۃ میں بھی رفع یدین کا ذکر ہے جیسا کہ بخاری شریف جلد اوّل ص ۱۰۲ باب رفع الیدین ''اذا قام من الرکعتین'' میں ہے۔

⑤ وہ روایات جن میں ان مواقع کے ساتھ ساتھ رفع یدین عند السجود کا ذکر بھی ہے جیسا کہ امام بخاری کی کتاب جزء رفع الیدین میں ہے۔ ⑥ وہ روایات جن میں ''عند کل خفض ورفع'' رفع یدین کا ذکر ہے۔

ان تمام روایات میں کس کو لیا جائے اور کس کو چھوڑا جائے لہٰذا اس اضطراب کی وجہ سے روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما معمول بہ نہیں ہے۔ اس کو امام طحاوی نے مشکل الآثار میں نقل کیا ہے۔

مذکورہ چھ روایات میں امام شافعیؒ نے تیسری روایت پر عمل کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ دوسری روایات بھی قابل استدلال ہیں اور صحیح یا کم از کم حسن ہیں.... اگر حنفیہ نے ایک روایت کو لیا تو ان پر اعتراض کیوں کیا گیا جبکہ احناف کی روایت پر عمل کرنے سے دوسری روایات کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ افعال صلوٰۃ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے احکام حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوئے۔ دیکھئے ابتدائے اسلام میں نماز کے اندر چلنا پھرنا، کلام کرنا، سلام کا جواب دینا اور آنے والے کا رکعات کے متعلق پوچھنا اور نمازی کا جواب دینا سب جائز تھا پھر تدریجاً یہ ختم ہو گیا اور اسی طرح پہلے عمل کثیر سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی اب فاسد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شروع میں رفع یدین ہوتا تھا اور ہر انتقال تکبیر کے ساتھ ہوتا تھا پھر ان میں کمی آتی گئی یہاں تک کہ وہ صرف تکبیر افتتاح کے وقت باقی رہ گیا۔ اس پر شوافع نے ایک حدیث بطور اعتراض کے پیش کی۔

امام نیمویؒ نے آثار السنن ص ۱۰۱، ۱۰۲ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے: **عن ابن عمر انّ رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ و اذا رکع و اذا رفع رأسہ عن الرکوع و کان لا یفعل ذٰلک فی السجود فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالٰی۔** اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا آخری عمل تین مرتبہ رفع یدین کا تھا۔ اور یہی طریقہ پچھلے تمام طریقوں کے لئے ناسخ تھا اس لئے رفع یدین اب تک باقی ہے۔

جواب اوّل: اس حدیث میں ''فما زالت تلک صلوٰۃ'' کی زیادتی انتہائی ضعیف ہے بلکہ موضوع ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عصمہ بن محمد الانصاری اور عبد الرحمٰن بن قریش راوی انتہائی ضعیف اور متہم بالوضع ہیں۔ لہٰذا اس روایت کا کوئی اعتبار نہیں خصوصاً جبکہ طحاوی کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد صرف تکبیر افتتاح کے وقت رفع یدین کیا اگر یہ طریقہ منسوخ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا نہ کرتے۔

جواب ثانی: اس میں رفعا اور وقفا اختلاف ہے حضرت سالم اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور حضرت نافع اس کو موقوف بیان کرتے ہیں کہ یہ عمل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے موقوف روایت ابوداؤد میں موجود ہے محدثین کے نزدیک جب سالم کی روایت اور نافع کی روایت میں تعارض ہو جائے تو روایت نافع کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں روایت نافع کو ترجیح ہوگی۔

جواب ثالث: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما قابل استدلال نہیں کیونکہ انکا اپنا عمل اس کے خلاف ثابت ہے طحاوی شریف میں ہے کہ مجاہد کہتے ہیں "**صحبت ابن عمر فلم یرفع یدیه الا فی اوّل مرّة**" کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دو برس سے زائد رہا لیکن پہلی بار کے علاوہ ان کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب صحابی کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ روایت یا تو منسوخ ہے یا مصروف عن الظاہر ہے ورنہ انکی عدالت پر بات آئے گی کہ عمل نبی کو اور کچھ نقل کریں اور خود عمل اسکے خلاف کریں۔

سوال: مجاہد اس عمل کو نقل کرنے میں متفرد ہیں۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اوّل: متفرد نہیں بلکہ یہ زیادتی ثقہ کی قبیل سے ہے۔

جواب ثانی: مجاہد کے متابع موجود ہیں۔

جواب ثالث: حدیث ابن عمر کا چوتھا جواب یہ ہے کہ سالم عن المعارض نہیں بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث اس کے معارض موجود ہے اور اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے یہ حدیث **المتعلق بترك رفع اليدين** مسند حمیدی اور مسند ابوعوانہ میں موجود ہے۔

جواب رابع: امام مالک رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اس پر عمل نہیں کر رہے، اہل مدینہ کی تقلید کرتے ہوئے۔ لہٰذا امام مالک رحمہ اللہ کی اس حدیث سے استدلال کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ وہ خود اس پر عمل نہیں کر رہے اگر یہ قابل استدلال ہوتی تو امام مالک اس پر عمل کرتے۔

جواب خامس: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وجود رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔ دوام و استمرار اس سے ثابت نہیں ہوتا اور وجود رفع یدین کے تو ہم بھی قائل ہیں لیکن جو چیز محل نزاع ہے اس پر یہ حدیث دلالت نہیں کرتی اور جس چیز پر حدیث دلالت کرتی ہے وہ مختلف فیہ نہیں (بلکہ اس میں اتفاق ہے کہ رفع یدین مسنون ہے)۔

قائلین رفع یدین کی دلیل اوّل: قائلین رفع کہتے ہیں کہ دوام پر یہ دلیل موجود ہے کہ **کان** مضارع پر داخل ہو کر دوام کا فائدہ دیتا ہے اور حدیث میں **کان** کا لفظ موجود ہے جیسا کہ آگے دلائل میں آجائے گا۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ بہت سارے مقامات پر **کان** کا استعمال ہوا ہے لیکن وہ عمل مداومت والا نہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے **کان النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **یطوف علی نسائه** حالانکہ یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک یا دو بار ہوا لیکن اس پر **کان** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "**کنت اطیب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **عند احرامه**" حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج ایک بار کیا اور یہ واقعہ ایک ہی بار پیش آیا **فما ھو جوابکم فھو جوابنا**۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں ابوحمید الساعدی کے طریق سے روایت ہے "**فی عشرة من اصحاب رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **منهم ابو**

قتادۃ قال ابو حمید انا اعلمکم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ (جلد اول ص ۱۱۳ باب افتتاح الصلوٰۃ) ''اس میں آگے بھی روایت ہے کہ رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت آپؐ نے رفع یدین کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رفع یدین عندالرفع من الرکع بھی مسنون ہے۔

جواب اوّل: امام طحاویؒ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ روایت منقطع ہے اس میں ایک راوی محمد بن عمرو بن عطاء ہے جسکا سماع ابوحمید ساعدی سے ثابت نہیں ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ (کتاب العلل لابن ابی حاتم جلد اول ص ۱۶۳)

جواب ثانی: اس روایت میں اضطراب ہے ابوداؤ د جلد اوّل ص ۱۱۳ باب افتتاح الصلوٰۃ میں یوں روایت ہے: **محمد بن عمرو بن عطاء قال سمعت اباحمید الساعدی** اور سنن کبری جلد ۲ ص ۱۱۸ میں اسی طرح روایت ہے۔ **محمد بن عمرو بن عطاء عن عباس بن سهل او عیاش.** محدثین کا اصول ہے کہ جس روایت میں اضطراب ہو وہ قابل استدلال نہیں ہوتی۔

علامہ ابن حبان نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ محمد بن عمرو نے یہ حدیث حضرت ابوحمید سے براہ راست بھی سنی ہو اور بواسطہ عباس بن سہل بھی سنی ہو۔ لیکن روایت ابی حمید کو نہ تو امام بخاری نے نقل کیا ہے جس میں رفع یدین کا ذکر ہو لہٰذا اس روایت سے رفع یدین کا ثبوت نہیں ہوتا۔

دلیل ثالث: بخاری شریف میں بطریق سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے **قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا قام فی الصلوٰۃ ویفعل ذٰلک اذا رفع راسه من الرکوع۔** (جلد اوّل ص ۱۰۲)

اس کے جوابات بھی ماقبل میں دلیل اوّل کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ شوافع کہتے ہیں کہ یہی طریقہ پچھلے تمام طریقوں کے لئے ناسخ تھا اس لئے رفع یدین اب تک ہے۔

دلیل رابع: نسائی شریف میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''**انه رای النبی ﷺ رفع یدیه فی صلوٰۃ اذا رکع واذا رفع رأسه من الرکوع واذا سجد واذا رفع رأسه من السجود**'' (جلد اوّل ص ۱۲۸) یہ روایت ابوعوانہ میں بھی ہے۔

جواب: اس روایت میں رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع یدین کا جہاں ذکر ہے تو سجدہ میں جانے اور سجدہ سے اٹھنے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے اس پر تم عمل کیوں نہیں کرتے گویا تمہارے نزدیک آدھی روایت قابل عمل ہے اور آدھی روایت قابل عمل نہیں۔

شوافع کا استدلال: ابوحمید الساعدی کی روایت طحاوی شریف جلد اوّل ص ۱۰۹، حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۱۱۲ باب رفع الیدین سے بھی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث الباب حضرت حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''**الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اوّل مرّۃ**'' یہ حدیث حنفیہ کے مسلک پر صریح اور صحیح روایت ہے چونکہ یہ شوافع کے خلاف تھی اس لئے امام ترمذیؒ نے اس پر چند اعتراضات کئے ہیں۔

اعتراض ①: عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے ثابت نہیں امام ترمذیؒ نے اس اشکال کو ذکر کیا ہے ''**قد ثبت حدیث من یرفع وذکر حدیث الزهری عن سالم عن ابیه ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اوّل مرّۃ**''۔

جواب: آپ کا یہ اشکال غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے ایک ان کی قولی روایت ہے اور دوسری فعلی روایت ہے... قولی روایت یہ ہے: ''ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اوّل مرۃ'' اور دوسری روایت فعلی ہے ''الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی اوّل مرۃ''۔ مذکورہ آپ کا اعتراض حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قولی روایت پر ہے جبکہ ہمارا استدلال حضرت ابن مسعود کی فعلی روایت سے ہے جسکے دو قرینے ہیں۔

① نسائی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فعلی روایت مروی ہے جس کو خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ روایت کرتے ہیں: **اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبداللہ بن مبارك عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمة عن عبداللہ قال: الا اخبرکم بصلوٰۃ رسول اللہ ﷺ قال فقام فرفع یدیه اوّل مرة ثم لم یعد. (جلد اوّل ص ۱۵۸ باب ترك ذٰلك)**۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا لم یثبت والا قول پہلی روایت (قولی) سے متعلق ہے دوسری روایت (فعلی) سے متعلق نہیں۔

② امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد صحیح سند کے ساتھ فعلی روایت نقل کی ''**الا اصلی بکم**''۔

اعتراض ②: حدیث کی سند پر کیا جاتا ہے کہ اس حدیث کا دارومدار عاصم بن کلیب پر ہے اور یہ ان کا تفرد ہے جس وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

جواب: عاصم بن کلیب ثقہ راویوں میں سے ہیں اور یہ مسلم کے رواۃ میں سے ہیں لہٰذا ان کا تفرد مضر نہیں کیونکہ ان کی متابعت امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے چنانچہ مسند امام اعظم میں یہ حدیث حماد عن ابراہیم عن الاسود کے طریق سے مروی ہے کلیب اور امام صاحب کا درجہ برابر ہے صرف استاد میں فرق ہے۔ لہٰذا تفرد والا اعتراض نہ ہوگا۔

اعتراض ③: اس حدیث کو عاصم بن کلیب سے نقل کرنے والے سفیان اور ان سے روایت کرنے والے وکیع ہیں اور وکیع اس میں متفرد ہیں۔

جواب اوّل: سفیان اور وکیع دونوں حدیث کے بڑے اماموں میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا ان دونوں میں سے کسی کا تفرد مضر نہیں۔ کیونکہ بڑے آدمی کو کسی کی متابعت کی ضرورت نہیں ہوتی اگر ان کا تفرد معتبر نہیں تو پھر کس کا تفرد معتبر ہے۔

جواب ثانی: اگر ہم سفیان کے تفرد کو مان لیں تو وکیع تو متفرد نہیں کیونکہ نسائی شریف جلد اوّل ص ۱۵۸ میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور ابوداؤد ص ۱۰۹ میں معاویہ، خالد بن عمرو اور ابوحذیفہ وغیرہ نے ان کی متابعت کی ہے۔

جواب ثالث: امام صاحبؒ کے پاس وکیع اور سفیان دونوں کے علاوہ بھی سند تھی کیونکہ یہ دونوں عاصم بن کلیب کے درجہ کے ہیں اور دونوں نے علقمہ سے روایت کیا ہے۔

اعتراض ④: عبدالرحمٰن بن الاسود کا سماع علقمہ سے ثابت نہیں۔

جواب: عبدالرحمٰن بن الاسود ابراہیم نخعی کے معاصر ہیں اور ابراہیم نخعی کا سماع علقمہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا عبدالرحمٰن بھی علقمہ کے معاصر ہوئے جبکہ امام مسلم کی شرط کے مطابق نفس معاصرت کافی ہے۔ ثبوت لقاء ضروری نہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح علی شرط مسلم ہے اس کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ حدیث عبدالرحمٰن بن الاسود کے بجائے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے لہٰذا علقمہ سے عبدالرحمٰن بن

اسود کے عدم سماع والا اعتراض بھی نہیں ہوگا۔

اعتراض ⑤: امام بخاریؒ نے یہ اعتراض اپنی کتاب جزء رفع الیدین میں کیا ہے وہ یہ کہ یہ حدیث معلول ہے اور معلول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں عاصم بن کلیب کے شاگردوں میں سے صرف ایک شاگرد سفیان ثوری روایت میں یہ الفاظ نقل کرتے ہیں "**ثم لم یعد**" جبکہ عاصم بن کلیب کے دوسرے شاگردوں عبداللہ بن ادریس وغیرہ کی کتابوں میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

جواب: اس زیادتی کے بغیر ہی ہمارا استدلال تام ہے لیکن یہ زیادتی تو حقیقت میں ثابت ہے اس لئے کہ یہ سفیان ثوری کی زیادتی ہے اور سفیان ثوری عبداللہ بن ادریس کے مقابلے میں احفظ ہیں۔ نیز تعجب کی بات یہ ہے کہ سفیان جب آمین بالجہر کے متعلق روایت کریں تو احفظ الناس کہلاتے ہیں اور جب ترک رفع یدین کے متعلق روایت ذکر کریں تو "**أنسی الناس**" کہلاتے ہیں۔

اعتراض ⑥: ابوبکر بن اسحاق شافعیؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جس طرح حضرت ابن مسعودؓ کو تطبیق فی الرکوع کے نسخ کا علم نہیں ہوا تھا اسی طرح ہوسکتا ہے کہ وہ ترک رفع یدین کے مسئلہ میں لاعلم رہے ہوں۔

جواب: یہ اعتراض لغو ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبر الامۃ کہلاتے ہیں ان کی طرف عدم علم کی نسبت خود معترض کے اوپر اعتراض ہے کہ جو شخص اتنی عمر اور کئی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے رہے ہوں تو کیا ان کو نماز کے مسائل کا علم نہیں ہو گا؟ ان جوابات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تمام روایات صحیح ہیں۔ جیسا کہ امام ترمذیؒ اور دوسرے محدثین نے آپ کی روایات کو صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ لہٰذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس دلیل میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف جلد اوّل ۱۱۶ **باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع** میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من أذنیہ ثم لایعود**۔ اس حدیث پر امام ابوداؤد چند اعتراضات کرتے ہیں۔

اعتراض ①: امام ابوداؤد اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں "**قال ابوداؤ ھٰذا الحدیث لیس بصحیح**"۔

جواب: یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ امام ابوداؤد اس حدیث کو تین طرق سے نقل کرتے ہیں اس میں تیسرے طریق کا ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی ہیں جو کہ ضعیف ہیں امام ابوداؤدؒ نے "**ھٰذا الحدیث لیس بصحیح**" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ دوسرے دونوں طرق پر امام ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہے اور جس طریق پر سکوت ہو وہ صحیح ہوتا ہے۔

اعتراض ②: اس حدیث میں یہ الفاظ "**ثم لایعود**" کی زیادتی شریک اکیلا ذکر کرتا ہے اس کے بارے میں امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ **روی ھٰذا الحدیث ھشیم و خالد و ابن ادریس عن یزید و لم یذکروا** "**ثم لایعود**"۔

جواب: اس روایت کے ذکر کرنے میں شریک متفرد نہیں ہے بلکہ اس کے بہت سے متابعات ہیں مثلاً کامل لابن عدی میں ہشیم اور اسرائیل بن یونس نے یہ زیادتی ذکر کی ہے اور اسی طرح معجم طبرانی اوسط میں حمزہ الزیات نے شریک کی متابعت کی ہے لہٰذا ان کا تفرد معتبر ہے۔

اعتراض ③: سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ یزید بن ابی زیاد بھی اس میں راوی ہیں ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جب یہ مکہ میں تھے اس وقت تک براء بن عازب کی یہ روایت "**ثم لایعود**" کی زیادتی کے بغیر روایت کرتے تھے لیکن جب کوفہ آئے

تو وہاں انہوں نے یہ جملہ روایت کرنا شروع کر دیا۔ امام بیہقی نے سفیان عیینہ کا قول نقل کیا ہے۔

''اظن ان اھل الکوفۃ لقنوہ فتلقن'' گویا اہل کوفہ نے اس تلقین کے ذریعے اس زیادتی کی روایت کرنے پر مجبور کر دیا۔

جواب اوّل: یہ حضرت سفیان عیینہ پر تہمت بالکذب ہے یہ ان کا قول نہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے نیل الفرقدین میں لکھا ہے کہ اس کا مدار رمادی والبر بھاری پر ہے میزان میں ان کے حالات واضح ہیں۔ علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں کہا ''**معروف واہ**'' حدیث گھڑنے میں مشہور ہیں برقانی نے کہا ''**کَانَ کَذَّابًا**'' رمادی کے بارے میں علامہ ذہبی نے میزان میں کہا ''**لیس بالمتقن ولہ مناکیر**''۔ (معارف السنن جلد ۲ ص ۴۹۱)

جواب ثانی: کہ اگر سفیان بن عیینہ کا قول مان بھی لیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید بن ابی زیاد پہلے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے بعد میں کوفہ میں آئے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ یزید بن ابی زیاد کی ولادت ہی کوفہ میں ہوئی تھی اور وہ ساری عمر کوفہ میں رہے مکہ میں رہنا ثابت ہی نہیں جبکہ سفیان بن عیینہ کی ولادت ۱۰۷ھ میں ہوئی اور یزید بن ابی الزیاد کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی گویا یزید بن ابی زیاد کی وفات کے وقت سفیان بن عیینہ کی عمر انتیس یا تیس برس کے برابر ہوئی اور سفیان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ مکہ مکرمہ ۱۶۳ھ میں گئے لہٰذا جب یہ مکہ گئے اس وقت یزید بن ابی الزیاد کی وفات کو ستائیس سال گزر گئے تھے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سفیان بن عیینہ یزید بن ابی زیاد سے یہ روایت مکہ میں سن لیں اور اس کے بعد کوفہ میں بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ من گھڑت ہے۔

دلیل ثالث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جسے طبرانی اور مصنف ابن ابی شیبہ جلد اوّل ص ۲۳۶، ۲۳۷ ''**باب من کان یرفع یدیہ فی اوّل تکبیرۃ ثم لایعود**'' میں ذکر کیا ہے ''**عن النبی ﷺ ترفع الایدی فی سبعۃ مواطن افتتاح الصلوٰۃ واستقبال البیت والصفا والمروۃ والموقفین و عند الحجر**''. (نیل الفرقدین ص ۱۱۹) جن سات مقامات میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے ان میں سے نماز میں صرف تکبیر تحریمہ کا ذکر ہے رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت کا ذکر نہیں۔

اس دلیل پر بھی دو اعتراض کئے گئے ہیں۔

اعتراض ①: یہ حدیث ''**الحکم عن المقسم**'' کے طریق سے مروی ہے محدثین کا قول ہے کہ حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں..... یہ حدیث ان چار میں سے نہیں ہیں۔

جواب: حنفی المسلک محدثین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حکم نے مقسم سے ان چار احادیث کے علاوہ دوسری احادیث بھی سنی ہیں۔ امام احمدؒ نے ان کی احادیث کی تعداد پانچ بتلائی ہے جبکہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں متعدد ایسی احادیث نقل کی ہیں جو ان پانچوں کے علاوہ ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم کا مقسم سے سماع صرف انہی چار یا پانچ روایات میں منحصر نہیں۔ لہٰذا اس بناء پر اس حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

اعتراض ②: یہ حدیث مضطرب ہے مرفوع اور موقوف ہونے کے اعتبار سے۔

جواب: یہ اضطراب نہیں بلکہ حدیث دونوں طرح سے مروی ہے کہ بسا اوقات ایک صحابی کسی حدیث کو آنحضرت ﷺ کی

طرف منسوب کردیتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا۔ طبرانی نے مرفوع حدیث امام نسائی کے طریق سے روایت کی ہے اور ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ "انه لا یروی ساقطا ولا عن ساقط" لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال ہے۔

دلیل رابع: مسلم شریف جلد اوّل ص ۱۸۱ "کتاب الصلوٰۃ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ والنهی عن الاشارة بالید ورفعها عند السلام" میں حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے "قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰۃ" اس روایت سے ترک رفع یدین پر استدلال کیا جاتا ہے۔

اعتراض: حافظ ابن حجر تلخیص الحبیر جلد اوّل ص ۲۲۱ باب صفة الصلوٰۃ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے "من احتج بحدیث جابر بن سمرة علی منع الرفع عند الرکوع فلیس له حظ من العلم" کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق ترک رفع یدین عند السلام سے ہے نہ کہ عند الرکوع وعند الرفع من الرکوع سے۔ لہٰذا اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ سلام کے وقت ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ نیز یہ روایت عبید اللہ بن قبطیہ سے مروی ہے جس میں سلام کا ذکر ہے۔

جواب اوّل: علامہ زیلعیؒ نصب الرایہ جلد اوّل ص ۳۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ان دونوں احادیث کا سیاق جدا جدا ہے۔ لیکن ایک کو دوسرے کی تفسیر نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم مسجد میں مشغول بالصلوٰۃ تھے۔ آپ باہر سے تشریف لائے دوسری روایت میں ہے "کنا اذا صلینا مع رسول الله ﷺ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عند السلام جس رفع یدین سے آپ نے منع کیا اس وقت آپ خود موجود تھے اور نماز میں شریک تھے۔

جواب ثانی: اصول اور قاعدہ ہے "العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب" اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ آپ ﷺ نے "اسکنوا فی الصلوٰۃ" فرمایا ان الفاظ کے عموم سے اور ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد عند الرکوع وعند الرفع منہ اور عند السلام کسی وقت بھی رفع یدین نہ کرو۔

دلیل خامس: رفاعہ بن رافع کی حدیث مسئ الصلوٰۃ جس میں آپ ﷺ نے خلاد بن رافع کو باقی چیزوں کی تعلیم دی لیکن رفع یدین کی خاص اہمیت ہوتی تو آپ ﷺ ضرور اس کی تعلیم دیتے آپ ﷺ کا ان کو رفع یدین کی تعلیم نہ دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ مسنون نہیں ہے۔ (ترمذی جلد اوّل ص ۶۶ باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ)

دلیل سادس: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل ترک رفع یدین کا تھا مصنف ابن ابی شیبہ میں اور اسی طرح طحاوی شریف میں حسن بن عیاش کے طریق سے حضرت اسود سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رأیت عمر بن الخطاب یرفع یدیه فی اوّل تکبیرة ثم لا یعود۔

(رواہ ابن ابی شیبه والطحاوی جلد اوّل ص ۱۳۳/معارف السنن ج ۲ ص ۴۹۴) ظاہر ہے ان کا یہ عمل زمانہ خلافت میں ہوا ہوگا اور موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انکار بھی نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلافت فاروقی میں صحابہ کرامؓ کا ترک رفع یدین پر اجماع منعقد ہوگیا۔

دلیل سابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں عاصم بن کلیب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ترک رفع یدین کا نقل کیا ہے ان علیاً رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیه فی اوّل تکبیرة من الصلوٰۃ ثم لا یرفع بعد. (طحاوی جلد اوّل ص ۱۳۲)

اس میں بھی وہی تفصیل ہے کہ ان کا یہ عمل اپنے زمانہ خلافت میں ہوگا۔ اور موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انکار بھی نہیں کیا تو اس

سے معلوم ہوا کہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی عدم رفع یدین پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع باقی تھا۔

دلیل ثامن: عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی ترک رفع یدین والا تھا چنانچہ صاحب بدائع والصنائع نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عشرہ مبشرہ کا یہی عمل نقل کرتے ہیں کہ ان کا عمل ترک رفع یدین والا تھا۔

دلیل تاسع: امام مالکؒ کے زمانہ میں بھی اہل مدینہ کا عمل ترک رفع یدین کا تھا چنانچہ ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں ”رجح مالك ترك رفع اليدين لتعامل اهل المدينة“۔

دلیل عاشر: تمام اہل کوفہ کا ترک رفع یدین پر متفق ہونا جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر، محمد بن نصر مروزی سے نقل کرتے ہیں کہ ہمیں کوفہ کے علاوہ کوئی ایسا شہر معلوم نہیں کہ جس میں پورے شہر نے ترک رفع یدین پر اتفاق کر لیا ہو جبکہ اہل کوفہ ہزاروں محدثین اور فقہاء کے عمل کو لئے ہوئے ہیں کوفہ علماء محدثین کا مرکز رہا ہے۔

دلیل حادی عشرۃ: عقلی دلیل ہے کہ نماز میں ہر رکن کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسنون ذکر ہے مثلاً تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے وقت اللہ اکبر ہے اور قیام کی حالت میں قراءت کا ذکر اور رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کا ذکر رکوع سے اٹھتے وقت تسمیع کا ذکر ہے۔ اگر رکوع سے اٹھتے وقت اور جاتے وقت رفع یدین قرار دیں تو یہ بغیر ذکر کے فعل کرنا لازم آئے گا جبکہ نماز میں کوئی فعل ذکر سے خالی نہیں۔ اس لئے عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رفع یدین نہیں ہونا چاہیے۔

رفع یدین کے مسئلہ میں احناف کی وجوہ ترجیح: ① احنافؒ اختلافی مسائل میں ان روایات کو ترجیح دیتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہوں لہٰذا احناف اس مسئلہ میں ترک رفع یدین کو ترجیح دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”**وقوموا لله قانتين**“ کی وجہ سے ”**قانتين اى ساكتين**“ اور رفع یدین ساکتین کے منافی ہے۔

② رفع یدین بہت سارے مقامات میں تھا جب اور مقامات میں منسوخ ہو گیا تو یہاں بھی منسوخ ہو جانا چاہئے ”**اوفق بالسنة**“ یعنی ”**اسكنوا فى الصلوٰة**“ کی وجہ سے۔

③ عدم رفع یدین اوفق بالقیاس بھی ہے کیونکہ تکبیر تحریمہ کے رفع یدین میں کسی کو اختلاف نہیں۔ ایسے ہی سجدے کے رفع یدین کے منسوخ ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ رکوع کے رفع یدین مختلف فیہ ہیں۔ ہم نے رکوع کی تکبیر کو دیکھا آیا یہ تکبیر تحریمہ کے مشابہ ہے یا سجدے کی تکبیر کے مشابہ ہے تو ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ رکوع کی تکبیر سجدے کی تکبیر کے مشابہ ہے کیونکہ یہ دونوں سنت ہیں۔ تکبیر تحریمہ کے ساتھ اس کی مشابہت نہیں کیونکہ وہ فرض ہے اور جب اس کی حیثیت تحریمہ والی نہیں تو پھر اس کا حکم بھی تحریمہ والا نہیں ہونا چاہیے اس کا حکم سجدے جیسا ہونا چاہیے جیسے سجدے کی رفع یدین منسوخ ہے ایسے ہی رکوع کی بھی رفع یدین منسوخ ہونی چاہیے۔

④ نماز حرکات سے سکنات کی طرف منتقل ہوتی ہے چنانچہ ابتداءً نماز میں سلام، کلام چلنا وغیرہ سب مباح تھا پھر منسوخ ہو گیا لہٰذا تعارض روایات کے وقت اقرب الی السکون کو ترجیح دی جائے گی۔

⑤ فعلی احادیث متعارض ہیں اور قولی حدیث ”**اسكنوا فى الصلوٰة**“ کے مقابلے میں کوئی روایت معارض نہیں لہٰذا قول حدیث کو ترجیح ہوگی۔

⑥ جب فعلی اور قولی حدیث میں تعارض ہو تو قولی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے۔

⑦ ترک رفع یدین کے رواۃ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو صف اوّل میں کھڑے ہوتے تھے لہٰذا ان کی روایت مقدم ہے۔

⑧ ترک رفع یدین کی حدیث کے راوی مہاجرین وانصار اور فقیہ حضرات صحابہ ہیں جبکہ رفع یدین کی حدیث کے ناقل یا بچے ہیں یا مسافر۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چھوٹی عمر کے بچے تھے اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ مسافر تھے اسلئے بھی ترک رفع یدین راجح ہے۔

⑨ حضرات خلفاء راشدین کا عمل بھی تکبیر تحریمہ کے علاوہ ترک رفع یدین کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الرُّكْبَتَيْنِ فِي الرُّكُوعِ

ربط: ماقبل میں رفع یدین عندالرکوع اور عندالرفع من الرکوع کا تذکرہ چل رہا تھا اب یہاں سے رکوع میں جانے کی کیفیت اور طریقہ کا ذکر ہے کہ رکوع میں جائیں تو ہاتھوں کو کہاں رکھیں؟ اس باب میں اسی مسئلہ کا ذکر ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ لَنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّ الرُّكَبَ سُنَّتْ لَكُمْ فَخُذُوا بِالرُّكَبِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي أُسَيْدٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَأَبِي مَسْعُودٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ فِي ذٰلِكَ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَبَعْضِ أَصْحَابِهِ أَنَّهُمْ كَانُوا يُطَبِّقُونَ وَالتَّطْبِيقُ مَنْسُوخٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ كُنَّا نَفْعَلُ ذٰلِكَ فَنُهِينَا عَنْهُ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ الْأَكُفَّ عَلَى الرُّكَبِ

ابوعبدالرحمن سلمی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم سے عمر بن خطاب نے فرمایا تمہارے لئے گھٹنوں کو پکڑنا سنت ہے لہٰذا تم گھٹنوں کو پکڑو اس باب میں حضرت سعد، انس ابوحمید ابواسید، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ اور ابومسعود سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث عمر حسن صحیح ہے اور اسی پر صحابہ تابعین اور بعد کے اہل علم کا عمل ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں البتہ ابن مسعود اور ان کے بعض اصحاب کے متعلق ہے کہ وہ تطبیق کرتے تھے تطبیق اہل علم کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ ہم تطبیق کیا کرتے تھے پھر اس سے روک دیئے گئے اور یہ حکم دیا گیا کہ ہم ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ سَعْدٍ بِهٰذَا

قتیبہ، ابوعوانہ، ابویعفور، مصعب بن سعد، ہم سے روایت کی قتیبہ نے وہ ابوعوانہ سے وہ ابویعفور سے وہ مصعب بن سعد سے اپنے والد سعد بن ابی وقاص سے اسی طرح روایت کرتے ہیں

تشریح: ابتدائی زمانہ میں رکوع کے اندر تطبیق مشروع تھی پھر اس کو منسوخ کر کے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنے کا حکم ہوا۔

رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا یہ قول امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور جمہور ائمہ کا ہے کہ نمازی جب رکوع میں جائے گا تو اپنے ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑے گا اور اپنی انگلیوں کو کشادہ کرے گا ان کے دلائل وہ احادیث ہیں جن کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک تطبیق ہے پھر تطبیق میں بھی دو طریقے ہیں۔

① ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر دونوں گھٹنوں کے درمیان حالت رکوع میں رکھنا۔

② بغیر تشبیک کے دونوں ہاتھوں کو ملا کر گھٹنوں کے درمیان رکھنا۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب شریعت نے نماز کے لئے جانے کی حالت میں تشبیک سے منع کیا تو پھر نماز کے اندر تشبیک کیسے جائز ہوسکتی ہے۔

رہی یہ بات کہ... تطبیق کا طریقہ یہود کا تھا نبی کریم ﷺ نے اسی لئے اس سے منع فرمایا حالانکہ جس حکم کے بارے میں وحی نازل نہ ہوئی ہو اس کے بارے میں آپ ﷺ اہل کتاب کی موافقت کرتے تھے لیکن آپ ﷺ کا آخری امر اہل کتاب کے احکام کی مخالفت کا تھا۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کیسے تطبیق کے قائل ہو گئے۔

جواب: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح تطبیق کے قائل تھے اس وجہ سے نہیں کہ نسخ کا علم نہیں پہنچا بلکہ وہ وضع الیدین کو رخصت سمجھتے تھے اور تطبیق کو عزیمت۔ کیونکہ تطبیق کی صورت میں مشقت زیادہ ہے اور وضع الیدین کی صورت میں راحت ہے۔ لہٰذا وضع کی صورت رخصت پر اور تطبیق کی صورت عزیمت پر محمول ہے۔

اس پر دلیل ابوداؤد، ترمذی اور طحاوی شریف میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے سجدہ میں جانے سے مشقت کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے حکم فرمایا: ''**استیعنوا بالرکب**'' کہ گھٹنوں کو پکڑ کر مدد حاصل کرو۔

مسند احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۴۲۶ میں لیث بن ابی سلیم کے طریق سے مروی ہے **عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن عبداللہ قال خرج النبی ﷺ لحاجۃ لہ فقال ائتنی بشیءٍ استنجی بہ ولا تقربنی حائلا ولا رجیعاً ثم اتیتہ بماء فتوضأ ثم قام فصلی فحلی ثم طبق یدیہ حین رکع و جعلھا بین فخذیہ.** (فتح الباری باب **لا یستنجی بروث**) میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اور اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے عاصم بن ضمرہ کے طریق سے ''**عن علی** رضی اللہ عنہ **قال اذا رکعت فان شئت قلت ھٰکذا یعنی وضعت یدیك علی رکبتیك وان شئت طبقت**''. (عمدۃ القاری ج۳ ص۱۲۶)

علامہ عینیؒ نے اس سے تخییر کا استدلال کیا ہے کہ جب علقمہ اور اسود نے نماز میں تطبیق کی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا تھا۔

لہٰذا تطبیق والا حکم منسوخ ہو گیا نسخ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تلامذہ کو نماز پڑھائی اور تطبیق کی۔ کسی نے یہ بات حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ ہم پہلے ایسا کیا کرتے تھے مگر بعد میں اس سے روک دیئے گئے اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔ یعنی یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

پھر سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو تطبیق کر کے کیوں دکھائی تو اس کا جواب یہ ہے تا کہ تلامذہ آپ ﷺ کے اس عمل سے واقف ہو جائیں اور اس کی حفاظت کریں کیونکہ تمام احادیث کی حفاظت کی ضرورت ہے اگر چہ وہ حدیث منسوخ ہی کیوں نہ ہو اور اس زمانہ میں یاد رکھنے کا طریقہ عمل کر کے دکھانا ہی تھا کیونکہ یہ طریقہ اوقع فی النفس ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُجَافِي يَدَيْهِ عَنْ جَنْبِهِ فِي الرُّكُوعِ

ربط: رکوع کے متعلق مسائل کا تذکرہ چل رہا ہے اسی مناسبت سے اگلا باب قائم کیا ہے۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ وَأَبُو أُسَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ كَأَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَوَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يُجَافِيَ الرَّجُلُ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ.

حضرت عباس بن سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوحمید، ابواسید، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا تذکرہ شروع کیا حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع میں اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھا گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو پکڑا ہوا ہے اور انہیں کمان کی تانت کی طرح کس کر رکھتے اور پسلیوں سے علیحدہ رکھتے۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث انس صحیح ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ آدمی رکوع وسجود میں اپنے ہاتھوں کو پسلیوں سے جدا رکھے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں رکوع وسجدہ میں پیٹھ سیدھی کرنے اور ہاتھ رکھنے کا ذکر ہے کہ رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں گے اس طور پر کہ گھٹنے کو مضبوطی سے پکڑیں گے۔ **ووتر یدیہ** اور ہاتھوں کے ساتھ شدت سے اس کو پکڑیں گے۔

فنحاھما عن جنبیہ۔ بازو کو پہلو سے دور رکھیں گے۔ یہ ساری ہیئت رکوع میں کمر کو سیدھا رکھنے کیلئے ہے کمر کا رکوع میں سیدھا رکھنا سنن صلوٰۃ میں سے ہے۔ جیسا کہ وابصہ بن معبد کی حدیث ابن ماجہ میں ہے فرماتے ہیں "**رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی فکان اذا رکع سوی ظھرہ حتی لو صب علیہ الماء لا ستقر**" آپ ﷺ جب رکوع کرتے تو اپنی پیٹھ کو ایسا برابر رکھتے کہ اگر پیٹھ مبارک پر پانی ڈال دیا جائے تو وہ رک جائے۔ اسی طرح کنز العمال جلد ۴ ص ۲۱۲ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "**قال کان النبی ﷺ اذا رکع لو وضع قدح من ماء علی ظھرہ لم یھراق**" اگر پانی کا پیالہ آپ ﷺ کی کمر مبارک پر حالت رکوع میں رکھ دیا جاتا تو وہ نہ گرتا۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۶) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب میں رکوع کی جس ہیئت کا ذکر ہے اس کا سبب کمر کا رکوع کے وقت سیدھا کرنا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آپ ﷺ کے رکوع کو بیان کر دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

ربط: رکوع وسجدہ کے طریقہ کا بیان چل رہا تھا۔ اب یہاں سے رکوع وسجود میں ذکر کا بیان ہوگا کہ رکوع وسجود میں کیا پڑھیں گے؟

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ إِسْحَقَ بْنِ يَزِيدَ الْهُذَلِيِّ عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَكَعَ أَحَدُكُمْ فَقَالَ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوعُهُ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُودُهُ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ حُذَيْفَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ لَمْ يَلْقَ ابْنَ مَسْعُودٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لَا يَنْقُصَ الرَّجُلُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ مِنْ ثَلَاثِ تَسْبِيحَاتٍ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ أَسْتَحِبُّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُسَبِّحَ خَمْسَ تَسْبِيحَاتٍ لِكَيْ يُدْرِكَ مَنْ خَلْفَهُ ثَلَاثَ تَسْبِيحَاتٍ وَهٰكَذَا قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے پھر تین مرتبہ (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ) پڑھے تو اس کا رکوع مکمل ہوگیا اور یہ اس کی کم سے کم مقدار ہے اور جب سجدہ کرے پھر تین مرتبہ (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى) کہے اس کا سجدہ پورا ہوگیا اور یہ اس کی کم از کم مقدار ہے۔ اس باب میں حذیفہؓ اور عقبہ بن عامرؓ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند متصل نہیں ہے اس لئے کہ عون بن عبداللہ بن عتبہ کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ رکوع اور سجدے میں کم از کم تین تسبیحات پڑھنا مستحب ہے اور عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ امام کے لئے کم از کم پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھنا مستحب ہے تاکہ نمازی تین تسبیحات پڑھ سکیں اور اسی طرح کہا ہے اسحاق بن ابراہیم نے بھی۔

تشریح: رکوع وسجود میں ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا فرض ہے اور تسبیح پڑھنا سنت ہے ایک مرتبہ تسبیح پڑھنے سے سنت پوری ہو جاتی ہے لیکن تین بار یا اس سے زائد بار پڑھنا کمال سنت ہے۔ بعض حضرات نے تین بار پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

حدیث مبارک میں تین بار پڑھنے کو ادنیٰ قرار دینے کا مطلب یہی ہے کہ یہ ادنیٰ مقدار مستحب ہے۔ رکوع وسجود میں تسبیحات اور قیام کی حالت میں قراءت کا ہونا شریعت کی طرف سے اس میں ایک خاص حکمت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کے لئے قیام مناسب تھا اس لئے ایسی حالت میں قراءت کو مقرر کیا ہے اور رکوع وسجود کی حالتیں تذلل وپستی کی ہیں ان میں تسبیحات مناسب ہیں رکوع میں تذلل بنسبت سجدہ کے کم ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں **سبحان ربی العظیم** کا ذکر رکھا اور سجدہ میں چونکہ عاجزی وتذلل بنسبت رکوع کے زیادہ ہوتا ہے۔ انسان اپنا چہرہ اللہ کی خاطر زمین پر خاک آلود کرتا ہے اس لئے اس کے مناسب حال "**سبحان ربی الاعلی**" ہے چونکہ اعلیٰ کا لفظ عظیم کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی عظمت پر زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اسے سجدہ میں رکھا گیا۔

اس تفصیل سے رکوع وسجود میں قراءت قرآن کے ممنوع ہونے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی جس کا ذکر اگلے باب میں آرہا ہے۔

قال ابو عیسیٰ حدیث ابن مسعود لیس اسنادہ بمتصل ..... ابن مسعود والی روایت کی سند متصل نہیں۔ کیونکہ اس میں ایک راوی عون بن عبداللہ بن عتبہ ہیں جن کا لقاء ابن مسعودؓ سے ثابت نہیں۔

والعمل علی ھٰذا عند اھل العلم۔ امام ترمذیؒ بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ رکوع وسجود میں تین تسبیحات سے کم

تسبیح نہ کہی جائیں۔ ابن المبارک فرماتے ہیں امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ سجدہ یا رکوع میں پانچ تسبیحات پڑھے تاکہ مقتدی آسانی سے تین تسبیح تو پوری کر سکیں یہی قول اسحاق بن ابراہیم (اسحاق بن راہویہ) کا بھی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ عُبَيْدَةَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَفِي سُجُودِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى وَمَا أَتٰى عَلٰى آيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ وَسَأَلَ وَمَا أَتٰى عَلٰى آيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ نَحْوَهُ.

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجود میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے اور جب کسی رحمت کی آیت پر پہنچتے تو ٹھہرتے اور اللہ تعالیٰ سے (رحمت) مانگتے اور جب عذاب کی آیت پر پہنچتے تو وقف کرتے اور عذاب سے پناہ مانگتے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس کے مثل حدیث محمد بن بشار نے عبدالرحمن بن مہدی سے اور انہوں نے شعبہ سے روایت کی ہے۔

تشریح: وما اتی علی اٰیۃ رحمۃ الا وقف: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اس دعا کو نوافل و فرائض دونوں میں عام سمجھتے ہیں ترغیب و ترہیب کے لئے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ایسی دعاؤں کا تعلق نوافل سے ہے نہ کہ فرائض سے کیونکہ فرائض میں وقت مختصر ہوتا ہے۔ اور نمازیوں کی رعایت بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

شوافع حضرات کہتے ہیں کہ حدیث الباب میں فرائض اور نوافل کی اس میں کوئی تفصیل نہیں۔

حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ روایت کا واقعہ صلوٰۃ اللیل سے متعلق ہے لہٰذا شوافع و حنابلہ کا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

بَابُ مَا جَآءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْقِرَاءَةِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُنَيْنٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الرُّكُوعِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریشمی کپڑے اور زرد رنگ کے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی پہننے اور رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث حضرت علی حسن صحیح ہے اور صحابہ و تابعین

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَمَنْ بَعْدَهُمْ كَرِهُوا الْقِرَاءَةَ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ. میں سے اہل علم کا یہی قول ہے کہ وہ رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

تشریح: لبس القسی: القسی منسوب الی قس۔ قس مصر کی بستیوں میں سے ایک بستی ہے جہاں یہ کپڑا تیار ہوتا تھا اس لئے اس کو قسی کہتے ہیں یہ کپڑا سرخ ہوتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ممانعت کی وجہ اس کا سرخ ہونا ہے۔

بعض نے کہا القس قز کا معرب ہے جس کے معنی ریشم کے ہیں ممانعت کی وجہ واضح ہے کہ ریشم مردوں کے لئے حرام ہے۔

والمعصفر: ھو ما صبغ بالعصفر جس کپڑے کو عصفر سے رنگا گیا ہو اس میں ممانعت کی وجہ غیروں کی مشابہت ہے۔

منیۃ المصلی میں ہے کہ مصلی کے لئے مکروہ ہے کہ قیام کی حالت کے علاوہ رکوع وسجود وقعود میں قراءۃ قرآن کرے۔

ملا علی قاریؒ نے شرح مشکوٰۃ جلد اوّل ص ۵۴۱ میں یہ روایت نقل کی ہے **"ألا انی نهیت أن اقرأ القرآن راكعًا او ساجدًا"۔** بعض نے کہا کہ یہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں۔ بعض نے کہا کہ نہی تحریمی ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جو شخص رکوع وسجدہ میں قراءت قرآن کرے تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا کیونکہ سجدہ سہو کا حکم تب لگے گا جب یہ واجبات صلوٰۃ میں سے ہو۔

اس کی مثال یہ ہے کہ البحر الرائق جلد ۲ ص ۳۲ میں سورتوں کی ترتیب کے دوران فرماتے ہیں کہ قراءت کے دوران سورتوں کی ترتیب واجب ہے اور اسکے ساتھ اس بات کی صراحت کر دی کہ اگر کسی نے نماز کے دوران سورتوں کی ترتیب کا خیال نہ رکھا تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا کیونکہ ترتیب سور یہ واجبات تلاوت میں سے ہے نہ کہ صلوٰۃ کے واجبات میں سے۔ تجنیس میں ہے اگر کسی نے پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھی پھر اگلی رکعت میں بھول کر اس سے پہلے والی سورۃ پڑھی تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں **"لان مراعاۃ ترتیب السور من واجبات نظم القرآن لا من واجبات الصلوٰۃ فترکھا لا یوجب سجود السھو"۔** (معارف السنن جلد ۳ ص ۱۴)

مسئلہ: نہی عن القراءۃ فی الرکوع و السجود کا منشا کیا ہے؟

اوّل: بعض حضرات نے کہا کہ رکوع وسجود کی حالتیں تذلل اور خضوع کی ہیں رکوع وسجود میں سے ہر ایک کیلئے تسبیح اور ذکر خاص کیا ہے جو کہ مخلوق کا کلام ہے جبکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اگر رکوع وسجود میں قراءۃ قرآن کرینگے تو کلام اللہ اور کلام الخلق دونوں جمع ہو جائینگے۔

ثانی: قیام صفات باری تعالیٰ کے مناسب ہے کیونکہ وہ قیوم ہے قیام کے علاوہ رکوع وسجود اللہ پاک کی صفات کے مناسب نہیں۔ لہٰذا قرآن کو خاص کریں گے اسی حالت کے ساتھ جو اللہ پاک کی صفات کے مناسب ہے اور وہ قیام ہے۔

ثالث: حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ قراءۃ کے لئے اصل استماع ہے رکوع وسجود میں استماع ممکن نہیں کیونکہ رکوع وسجود ہر ایک میں اپنا شغل (تسبیح) ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۱۵)

بَابُ مَاجَآءَ فِيْ مَنْ لَّا يُقِيْمُ صُلْبَهٗ فِي الرُّكُوْعِ وَ السُّجُوْدِ

ربط: رکوع وسجود میں "نہی عن القراءۃ" کا تذکرہ چل رہا ہے اب یہاں یہ بیان کر رہے ہیں کہ رکوع وسجود اطمینان سے کرنا

چاہئیں۔ اقامت صلب کنایہ ہے تعدیل ارکان اور طمانینت سے، مطلب یہ ہے کہ نماز کا ہر رکن اتنے اطمینان سے ادا کیا جائے کہ تمام اعضاء اپنے اپنے مقام پر مستقر ہو جائیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ فِيهَا يَعْنِي صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَرِفَاعَةَ الزُّرَقِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ يَرَوْنَ أَنْ يُقِيمَ الرَّجُلُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ مَنْ لَا يُقِيمُ صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فَصَلَاتُهُ فَاسِدَةٌ لِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ فِيهَا صُلْبَهُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَأَبُو مَعْمَرٍ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَخْبَرَةَ وَأَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ الْبَدْرِيُّ اسْمُهُ عُقْبَةُ بْنُ عَمْرٍو.

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع اور سجود میں اپنی کمر کو سیدھا نہیں کرتا۔ اس باب میں حضرت علی بن شیبان، انس، ابو ہریرہ اور رفاعہ زرقی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابو مسعود انصاری حسن صحیح ہے اور اس پر صحابہ اور بعد کے اہل علم کا عمل ہے کہ آدمی رکوع اور سجدہ میں کمر کو سیدھا رکھے امام شافعی احمد اور اسحاق کہتے ہیں کہ جو آدمی رکوع اور سجود میں اپنی کمر کو سیدھا نہیں کرتا اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی بنا پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں رکوع اور سجدے میں اپنی کمر سیدھی نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی اور ابو معمر کا نام عبد اللہ بن سخبرہ ہے اور ابو مسعود انصاری بدری کا نام عقبہ بن عمرو ہے۔

تشریح: **مسئلہ: تعدیل ارکان کا کیا حکم ہے:** اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور امام یوسفؒ کے نزدیک تعدیل ارکان نماز میں فرضیت کا درجہ رکھتے ہیں اس کے ترک کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، اور امام محمدؒ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے اس کے ترک کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ سجدہ سہو لازم آئے گا۔

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے **"قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوٰة لا يقيم الرجل فيها يعني صلبه في الركوع والسجود"**

جواب اوّل: یہ حدیث خبر واحد ہے خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی اس سے زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔

احناف حدیث کے الفاظ **"لا تجزئ"** کے معنی یہ کرتے ہیں کہ نماز واجب الاعادہ رہے گی۔

جواب ثانی: **لا تجزئ** کمال کی نفی پر محمول ہے۔

سوال: یہ اصول تو امام ابو یوسفؒ کے ہاں بھی ہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر امام ابو یوسف فرضیت کے قائل کیسے ہو گئے؟

جواب: علامہ شامیؒ نے یہ دیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ قرآن کی آیت ''**وار کعوا واسجدوا**'' کو مجمل قرار دیتے ہیں اور اس کی تفصیل حدیث (میں جو آیا ہے اس) کو سمجھتے ہیں۔ اس طرح اس کا ثبوت آیت ہی کی طرف منسوب کیا جائے گا نہ کہ خبر واحد کی طرف۔ برخلاف طرفین کے وہ آیت کو مجمل نہیں سمجھتے اس لئے حدیث میں ثابت ہونے والی فرضیت کے قائل نہیں۔

دلیل ثانی: حضرت خلاد بن رافع والا واقعہ جو مسئی الصلوۃ کے نام سے مشہور ہے جس کا ذکر بخاری شریف جلد اوّل ص ۱۰۹ کتاب الاذان ''**باب أمر النبی ﷺ الذی لا یُتِمُّ رکوعه بالاعادۃ**'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی شریف ''**باب ما جاء فی وصف الصلوٰۃ** ج ا ص ٦٦'' میں رفاعہ بن رافع کی روایت ذکر کی ہے کہ انہوں نے تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''**ارجع فصل فانك لم تصل**''۔

اس حدیث کے جواب کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمارا بھی مستدل ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے ''**وار کعوا واسجدوا**'' رکوع اور سجدہ کو مطلق ذکر کیا۔ رکوع کہتے ہیں صرف جھکنے کو اور سجدہ کہتے ہیں ''**وضع الجبهة علی الارض**'' کو۔

دلیل ثانی: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: **ان اسوأ السرقة من یسرق من صلوٰته** کہ زیادہ برا چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا نماز میں کس طرح چوری کرنا ہوتا ہے فرمایا کہ رکوع اور سجدہ کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان کے ترک سے پوری نماز خراب نہیں ہوتی بلکہ کچھ نماز خراب ہوتی ہے جو سجدہ سہو سے صحیح ہو جاتی ہے۔

دلیل ثالث: آپ ﷺ کی تعدیل ارکان پر مواظبت اس کے وجوب کی دلیل ہے نہ کہ فرض ہونے کی۔

دلیل رابع: حضرت ابو عبد اللہ الاشعری سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مثال اس شخص کی جو رکوع کو پوری طرح ادا نہیں کرتا اور سجدہ میں ٹھونگیں مارتا ہے اس بھوکے کی طرح ہے جو ایک کھجور یا اکٹھی دو کھجوریں کھاتا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعدیل ارکان کے فوت ہونے سے نماز باقی رہتی ہے۔

دلیل خامس: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے ''**لا ینظر الله الی صلوٰۃ عبد لا یقیم صلبه فیما بین رکوعها وسجودها**'' یعنی اللہ اس بندے کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود اچھی طرح نہیں کرتا۔

دلیل سادس: حضرت خلاد بن رافعؓ والا واقعہ ہے کہ اس میں جہاں تعدیل ارکان کے ترک پر آپ ﷺ کا فرمان موجود ہے **فارجع فانك لم تصل** وہاں تعدیل ارکان کی تاکید کے بعد آخر میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے **فاذا فعلت ذٰلك فقد تمت صلوٰتك وان انتقصت منه شیئًا انتقصت من صلوٰتك** اس میں آپ ﷺ نے تعدیل ارکان کے ترک پر بطلان کا حکم نہیں لگایا بلکہ نقصان کا حکم لگایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کا مطلب یہی سمجھے کہ تعدیل ارکان کے ترک کرنے سے نماز باطل نہیں ہوگی البتہ اس میں نقصان آئے گا ترمذی کی روایت کے بعد آخر میں راوی کا بیان ہے **وان کان هٰذا اهون علیهم من الاولی من انتقص من ذٰلك شیئًا انتقص من صلوٰته ولم تذهب کلها**. (باب ما جاء فی وصف الصلوٰۃ)

سوال: اس دلیل پر ایک سوال وارد ہوتا ہے سوال سے پہلے ایک بات سمجھ لیں۔ جس چیز کا ثبوت قطعی الثبوت یا قطعی الدلالت نہ

ہو وہ واجب ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو وہ فرض ہے اس اصول کی بناء پر فرض اور واجب کی یہ تفریق ہمارے لحاظ سے تو درست ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لحاظ سے ہر مامور بہ فرض ہونا چاہیے کیونکہ انہوں نے براہ راست تمام مامورات کا حکم سنا۔ لہٰذا تمام مامورات ان کے لحاظ سے قطعی الثبوت ہیں لہٰذا تعدیل ارکان بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک فرض ہونی چاہیے تھی نہ کہ واجب۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر وجوب کا حکم کیسے لگالیا؟

جواب: علامہ بحر العلوم نے رسائل الارکان میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ درحقیقت حنفیہ کے نزدیک واجب کا ثبوت دو طریقے سے ہوتا ہے۔ ① بعض مرتبہ واجب اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ مامور بہ قطعی الثبوت نہیں ہوتا تو اس کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ صرف ہمارے لئے واجب ہے اور صحابہ کرامؓ جن کو وہ حکم قطعی الثبوت طریقے سے پہنچا ان کے لئے واجب نہیں بلکہ فرض ہے۔ ② اس میں خود آپ ﷺ نے اس بات کی تصریح فرمادی کہ تعدیل ارکان کا ترک مبطل عمل نہیں بلکہ منقص عمل ہے۔ اس میں ہمارے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی فرق نہیں یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں بھی واجب تھا اور ہمارے حق میں بھی واجب ہے۔ تعدیل ارکان والا مسئلہ اس دوسری قسم میں داخل ہے۔

قال ابو عیسیٰ حدیث ابی مسعود حدیث حسن صحیح: امام ترمذیؒ اس حدیث کی تحسین فرمارہے ہیں۔

وابومعمر اسمه: ابومعمر کا نام عبداللہ بن سخبرہ ہے۔

وابومسعود الانصاری: ان کا نام عقبہ بن عمرو ہے ان کے بدری ہونے میں اختلاف ہے۔ امام بخاریؒ نے جزم کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بدری صحابہؓ میں سے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ بدر میں حاضر ہوئے اور وہیں قیام کیا۔ ابن سعد کا قول ہے کہ یہ جنگ احد میں حاضر ہوئے۔ (کمافی الطبقات جلد ۶ ص ۹) ابن سعد کا قول ہے کہ یہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے۔ ان کی وفات میں بھی اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ان کی وفات حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر میں مدینہ میں ہوئی اور بعض حضرات نے کہا کہ انہوں نے کوفہ میں وفات پائی۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ الْمَاجِشُونُ حَدَّثَنَا عَمِّي عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے (اور فرماتے) اے ہمارے پروردگار آپ کے لئے تعریف ہے آسمانوں اور زمین کو بھر کر اور جو چیز ان کے درمیان ہے اور ان چیزوں کو بھر کر جن کو آپ ان کے علاوہ چاہیں۔ اس باب میں ابن عمر، ابن عباس، ابن ابی اوفی، ابوجحیفہ اور ابی سعید رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث علی حسن صحیح ہے

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ قَالَ يَقُولُ هٰذَا فِي الْمَكْتُوبَةِ وَالتَّطَوُّعِ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ يَقُولُ هٰذَا فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ وَلَا يَقُولُهُ فِي صَلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ.

اور اس پر بعض اہل علم کا عمل ہے اور یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے فرماتے ہیں کہ یہ فرائض اور نوافل میں بھی کہہ سکتا ہے اور بعض اہل کوفہ کہتے ہیں کہ یہ نفل نماز ہی میں کہہ سکتے ہیں فرائض میں نہیں۔

تشریح: **مسئلہ: تسمیع اور تحمید کس کا وظیفہ ہے؟** اس بات میں تو اتفاق ہے کہ اکیلا شخص تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔ اور مقتدی کے بارے میں بھی اتفاق ہے کہ وہ صرف تحمید کرے گا۔ امام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور ابن سیرینؒ کا مسلک ہے کہ امام بھی منفرد کی طرح تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی مشہور روایت اور امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام صرف تسمیع کہے گا تحمید نہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے **"عن علی بن ابی طالب قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع رأسه من الرکوع قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا ولك الحمد"**۔ اس روایت میں صاف واضح ہے کہ امام کے لئے دونوں کہنا ضروری ہے۔ شوافع یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان **صلوا کما رأیتمونی اصلی** یہ مقتدیوں کے لئے بھی ثابت ہے۔

جواب: یہ حدیث منفرد پر محمول ہے کہ جب آپ ﷺ اکیلے نماز پڑھتے تھے تو تسمیع اور تحمید دونوں کیا کرتے تھے۔

احناف کی دلیل اوّل: اگلے باب "**باب منه اخر**" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**ان رسول اللہ ﷺ قال: اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا: ربنا ولك الحمد**" آپ ﷺ نے مقتدی اور امام دونوں کے لئے الگ الگ وظائف تقسیم کر دیئے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے۔

دلیل ثانی: عقلی ہے اگر امام بھی **ربنا لك الحمد** کہے گا تو امام کا مقتدیوں کے تابع ہونا لازم آئے گا، اس طرح کہ جب امام "**سمع اللہ لمن حمدہ**" کہے گا تو مقتدی فوراً "**ربنا لك الحمد**" کہیں گے۔ اب اگر امام "**ربنا لك الحمد**" کہے گا تو لامحالہ امام کی تحمید مقتدیوں کی تحمید سے مؤخر ہوگی۔ اسی طرح امام مقتدیوں کا تابع بن جائے گا جو کہ درست نہیں۔

ربنا ولك الحمد: یہ الفاظ چار طرق سے مروی ہیں۔

① واو کے بغیر "**ربنا لك الحمد**" ② واو کے ساتھ "**ربنا ولك الحمد**" ③ صرف "**اللّٰھم**" کے ساتھ "**اللّٰھم ربنا لك الحمد**" ④ دونوں (**اللّٰھم** اور واوؔ) کے ساتھ "**اللّٰھم ربنا ولك الحمد**" علامہ ابن قیمؒ نے **اللّٰھم** اور واو کے ساتھ کو تسلیم نہیں کیا کہ احادیث میں دونوں کے جمع کرنے کا ذکر نہیں۔

مِلأ السموات والارض میم کے کسرہ اور ہمزہ کے نصب کے ساتھ راجح ہے اور بعض نے ہمزہ کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس صورت میں یہ حمد کی صفت ہوگی۔ معنی یہ ہوگا کہ حمد اگر مجسم ہوتی تو اس کی عظمت کی وجہ سے آسمان و زمین بھر جاتے۔

ملأ ما شئت من شیٔ بعد: **بعد** کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے عبارت یہ ہوگی "**أی بعد السموات والارض، و بعدهما مثل العرش والکرسی وما فوقهما وما تحت الارضین السفلی مما لا یعلمه الا اللہ سبحانه وتعالٰی**۔

بَابٌ مِنْهُ اٰخَرُ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ أَنْ يَقُولَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَيَقُولُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ قَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَغَيْرُهُ يَقُولُ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ مِثْلَ مَا يَقُولُ الْإِمَامُ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب امام (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو تم (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہو کیونکہ جس کا قول فرشتوں کے قول کے موافق ہو گیا اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ و تابعین میں سے بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ امام (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو مقتدی (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہیں اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے ابن سیرین فرماتے ہیں کہ مقتدی بھی امام کی طرح ہی کہے (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) اور امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث احناف کا متدل ہے جس کی تفصیل ماقبل باب کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ فِي السُّجُودِ

ربط: ماقبل ابواب میں رکوع اور رکوع سے اٹھنے کے بارے میں مسائل کا تذکرہ چل رہا تھا۔ اب یہاں سے سجدہ میں جانے اور سجدہ کے احکام کا تذکرہ ہوگا۔ ہمارے نسخوں میں ترجمۃ الباب یہی ہے لیکن حدیث کے مطابق ترجمۃ الباب یوں ہونا چاہیے "باب ماجاء فی وضع الرکبتین قبل الیدین"۔

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُنِيرٍ وَأَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ يَضَعُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں جاتے ہوئے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے رکھتے اور جب اٹھتے تو ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے۔ حسن بن علی نے اپنی روایت میں یزید بن ہارون کے یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں کہ شریک نے عاصم بن کلیب

رُكْبَتَيْهِ زَادَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فِي حَدِيثِهِ قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَلَمْ يَرْوِ شَرِيكٌ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا رَوَاهُ غَيْرَ شَرِيكٍ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَوْنَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ وَرَوٰى هَمَّامٌ عَنْ عَاصِمٍ هٰذَا مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ.

سے صرف یہی حدیث روایت کی ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب حسن ہے اس کو شریک کے علاوہ کسی دوسرے نے روایت نہیں کیا اور اکثر اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھا جائے اور سجدہ سے اٹھتے وقت ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھائے۔ ہمام نے یہ حدیث عاصم سے مرسل روایت کی اور اس میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ سجدہ میں جانے کا طریقہ اور صورت کیا ہوگی؟

مسئلہ: سجدہ میں جانے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھا جائے گا یا ہاتھوں کو پہلے رکھا جائے گا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں:

قول اوّل: امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت اور حسن بصریؒ کے نزدیک سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھیں گے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت ان دونوں میں تخییر کی بھی ہے۔ (کمافی فتح الباری ج ۲ ص ۲۴۱)

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھیں گے پھر ہاتھ رکھیں گے عام فقہاء اور اہل کوفہ کا یہی مسلک ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: اگلے باب منہ اخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**أن النبی ﷺ قال یعمد احدکم فیبرك فی صلاته برك الجمل**" اس روایت میں "یعمد" سے پہلے ہمزہ استفہام انکاری محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ کیا تم میں سے کوئی ایک اپنی نماز میں اونٹ کے بیٹھنے کی طرح بیٹھتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اونٹ کی طرح بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے اور اونٹ بیٹھتے وقت پہلے گھٹنے رکھتا ہے۔ لہٰذا گھٹنوں کو پہلے زمین پر رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسکے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن الحسن ہے اس کا سماع ابوالزناد سے ثابت نہیں۔

جواب ثانی: اس میں دوسرے طریق سے ایک اور راوی جو عبداللہ بن سعید المقبری ہیں وہ ضعیف ہیں۔

جواب ثالث: یہ حدیث معلول ہے اس لئے قابل استدلال نہیں۔ معلول ہونے کی وجوہات بہت ہیں۔

① محمد بن الحسن متفرد راوی ہے اس کا متابع موجود نہیں جیسا کہ دراوردی کا قول ہے۔

② امام نسائی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اس میں "**ولیضع یدیه**" کے الفاظ ہی نہیں۔

③ یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے معارض ہے جو طحاوی شریف میں عبداللہ بن سعید المقبری کے طریق سے مروی ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں **فلیبدأ بر کبتیه قبل یدیه، ولا یبرك بروك الفحل** اور مقبری ضعیف ہے **عند الترمذی**۔

④ ابن خزیمہ میں ابن سعد کی حدیث میں ہے کہ یہ منسوخ ہے **قال کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فأمرنا**

بالرکبتین قبل الیدین۔

جواب رابع: علامہ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ اسی حدیث کا اوّل حصہ ثانی حصے کے خلاف ہے کیونکہ پہلے حصہ میں ہے کہ اونٹ کے بیٹھنے کی مانند نہ بیٹھو اور دوسرے حصہ میں ہے کہ ہاتھ پہلے رکھو حالانکہ یہی بروک ہے لہٰذا اوّل حصہ ثانی کے معارض ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جواب خامس: یہ حدیث سنداً منقطع ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

جواب سادس: بعض نے کہا کہ متن میں اضطراب ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔ متن میں اضطراب یہ ہے کہ بعض حضرات ''**ولیضع رکبتیه قبل یدیه**'' اور بعض اس کا عکس ''**ولیضع یدیه قبل رکبتیه**'' اور بعض ''**ولیضع یدیه علی رکبتیه**'' نقل کر رہے ہیں۔

جواب سابع: یہ حدیث وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔ اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ زیادہ اثبت ہے جیسا کہ اگلی حدیث میں ذکر ہے۔

جواب ثامن: امام ترمذیؒ نے اس روایت کو معلول قرار دیا ہے اسکے معلول ہونے کی علت جواب نمبر ۴، ۵، ۶، ۷ کے تحت گزر چکی ہے۔

جواب تاسع: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت معذور کے لئے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

جواب عاشر: حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ موافق قیاس ہونے کی وجہ سے راجح ہے اور وہ قیاس یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت وضع الیدین پہلے ہو اور وضع الجبھۃ بعد میں ہو اور اس بات پر بھی اجماع ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے ''رفع الجبھۃ'' پہلے ہے اور رفع الیدین بعد میں اس سے ایک اصول معلوم ہوتا ہے کہ جو عضو وضع میں مقدم ہے وہ رفع میں مؤخر ہوگا اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ رفع میں یدین کو پہلے اٹھائیں گے پھر گھٹنے اٹھائیں گے اس لحاظ سے وضع میں معاملہ الٹ ہوگا ورنہ اٹھتے وقت پہلے گھٹنے اٹھاؤ پھر ہاتھ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ ایسا کوئی کرتا ہے۔

جواب حادی عشر: اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو پھر ہم کہیں گے کہ اونٹ بیٹھتے وقت اپنے ہاتھوں کو پہلے زمین پر رکھتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ہمارا مستدل یہی ہے کہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھو کہ پہلے ہاتھ رکھو اور پچھم اونچا ہو جائے بلکہ پہلے گھٹنے رکھو پھر ہاتھ۔ لہٰذا حدیث میں ممانعت یہی ہے کہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھو۔

بَابٌ اٰخَرُ مِنْهُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ فَيَبْرُكُ فِي صَلَاتِهِ بَرْكَ الْجَمَلِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم سے کوئی نماز میں اونٹ کی طرح بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہے؟ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ غریب ہے ہم اسے ابوزناد کی سند کے علاوہ نہیں جانتے اس حدیث کو عبداللہ بن سعید مقبری نے اپنے والد سے

أَبِي الزِّنَادِ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ ضَعَّفَهُ يَحْيٰى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَغَيْرُهُ

روایت کیا انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ عبداللہ بن سعید مقبری کو ضعیف کہتے ہیں۔ اس حدیث الباب کے متعلق تفصیلی بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

تشریح: بعض حضرات نے پچھلے باب کی حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس باب کی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے۔

① حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں احادیث میں ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھنا اور گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے رکھنے کے متعلق بحث نہیں بلکہ یہاں اونٹ کے بیٹھنے کی طرح بیٹھنے سے ممانعت آئی ہے کہ اعلیٰ سے اسفل کی طرف اپنے آپ کو گرا دینا اور اسفل کو اونچا کر دینا درست نہیں چونکہ اونٹ کے بیٹھنے کی ہیئت اسی طرح ہو جاتی ہے کہ وہ سافل کو عالی اور عالی کو سافل کر دیتا ہے۔

② بعض نے کہا کہ ان احادیث کی غرض یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں کو زمین پر رکھنے سے پہلے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا ہے۔ پھر زمین پر پہلے گھٹنے رکھے جائیں گے۔ پھر ہاتھ۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہاں پاؤں اور ہاتھوں کے رکھنے میں تقدیم و تاخیر کا مسئلہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی یہی غرض ہے اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کی غرض یہ ہے کہ گھٹنوں کو پہلے زمین پر رکھنا ہاتھ زمین پر رکھنے سے پہلے۔ لیکن اس روایت میں گھٹنوں کے زمین پر رکھنے سے پہلے ہاتھوں کے گھٹنوں پر رکھنے کے متعلق یہ حدیث خاموش ہے۔ جیسا کہ حدیث ابو ہریرہؓ میں ہاتھوں کا زمین پر (قبل الرکبتین) رکھنے سے سکوت ہے تو دونوں احادیث کا مآل ایک ہی ہے۔ دونوں روایات میں سے ہر ایک نے وہ چیز ذکر کر دی جو دوسرے راوی نے ذکر نہیں کی اس صورت میں یہ دونوں جمع کے قریب قریب ہیں۔ (کمافی معارف السنن جلد ۳ ص ۳۱۔ ۳۲/ نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۴۸)

③ علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث "**كان يضع يديه قبل ركبتيه ففيه اضطراب**" کہ اس حدیث کو تو اضطراب کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ لہٰذا ہم حدیث وائلؓ کی طرف رجوع کریں گے یہ حدیث اولیٰ ہے کیونکہ اس کے شواہد کثیر ہیں۔ نیز یہ حدیث حضرت عمر فاروقؓ سے بھی ثابت ہے "**انه كان يضع ركبتيه قبل يديه**" اس میں اور بھی کئی شواہد موجود ہیں اور یہ کہ اس میں اضطراب بھی نہیں ہے اور اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۳۳)

قال ابو عيسىٰ حديث ابو هريرة رضی اللہ عنہ حديث غريب لانعرفه من حديث ابی الزناد:

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبداللہ بن سعید المقبری سے مروی ہے جو کہ یحییٰ بن سعید القطان کے ہاں ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْأَنْفِ

ربط: ماقبل میں سجدہ میں جانے کا طریقہ ذکر کیا گیا تھا۔ اب یہاں سے سجدہ کے احکام بیان کر رہے ہیں کہ سجدہ کس طرح کیا جائے گا۔ ناک اور پیشانی دونوں کا زمین پر رکھنا ضروری ہے یا ان دونوں میں سے ایک کا زمین پر رکھنا کفایت کر جائے گا۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَجَدَ أَمْكَنَ أَنْفَهُ وَجَبْهَتَهُ الْأَرْضَ وَنَحَّى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي حُمَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَسْجُدَ الرَّجُلُ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ فَإِنْ سَجَدَ عَلَى جَبْهَتِهِ دُونَ أَنْفِهِ فَقَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ يُجْزِئُهُ وَقَالَ غَيْرُهُمْ لَا يُجْزِئُهُ حَتَّى يَسْجُدَ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْأَنْفِ.

حضرت ابوحمید ساعدی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سجدہ کرتے تو ناک اور پیشانی کو زمین پر جما کر رکھتے بازوؤں کو پہلوؤں سے جدا رکھتے اور ہتھیلیوں کو کندھوں کے برابر رکھتے تھے۔اس باب میں حضرت ابن عباس، وائل بن حجر اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابی حمید حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی پر کیا جائے اگر کوئی صرف پیشانی پر کرے یعنی ناک کو زمین پر نہ رکھے تو بعض اہل علم کے نزدیک یہ جائز ہے اور بعض دوسرے اہل علم کے قول ہے کہ ناک زمین پر رکھنا ضروری ہے صرف پیشانی پر سجدہ کرنا کافی نہیں۔

تشریح: مسئلہ: پیشانی اور ناک کو سجدہ میں رکھنے کا حکم: اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ سجدہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر رکھنا مسنون ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ سات اعضاء سے ہوتا ہے یدین، رکبتین، قدمین اور وجہ، پھر وجہ میں تفصیل ہے کہ پیشانی اور ناک دونوں سے سجدہ کریں گے یا ایک سے اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک ان میں سے کسی ایک پر اکتفاء درست نہیں بلکہ دونوں کا سجدہ میں رکھنا ضروری ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سجدہ میں پیشانی پر اقتصار کرنا جائز ہے۔صرف ناک پر اقتصار کرنا جائز نہیں۔ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی ہے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ اور بعض مالکیہ کے نزدیک چہرے کا جو حصہ بھی ہیئت تعظیم کے ساتھ زمین پر رکھ دیا جائے اس سے سجدہ ادا ہو جاتا ہے یہ قید اس لئے لگائی کہ سجدہ میں ایسی ہیئت اختیار کرنا جس سے استہزاء ظاہر ہو اس سے سجدہ نہیں ہوگا۔اس تفصیل کے مطابق امام صاحب کے نزدیک کسی ایک پر اقتصار کرنا اگرچہ مکروہ ہے مگر سجدہ ہو جائے گا۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے جس میں آپ ﷺ سے جبھہ اور انف دونوں پر سجدہ کرنا ثابت ہے ''كان اذا سجد امكن انفه وجبهته الارض ونحا يديه عن جنبيه''۔

جواب: اس حدیث سے ''وضع الجبهة والانف على الارض'' کا وجود تو معلوم ہوا ہے وجوب معلوم نہیں ہوتا لہٰذا استحباب پر محمول ہے۔

امام شافعی کی دلیل: آگے باب آرہا ہے اس میں یہ روایت ہے ''امر النبی ﷺ ان يسجد على سبعة اعضاء'' اس میں سات اعضاء پر سجدہ کا ذکر ہے انف کا ذکر نہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں پیشانی کا رکھنا ضروری ہے ناک کا رکھنا ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: قرآن کریم کی آیت ہے ''واركعوا واسجدوا'' امر کا صیغہ ہے سجدہ کہتے ہیں ''وضع الوجه على الارض بما لا سخرية فيه'' لہٰذا صرف ناک رکھنے یا پیشانی رکھنے سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

یہ امام صاحب کا قول قدیم ہے قول جدید امام مالک اور شوافع کے مطابق ہے اور امام صاحب کا رجوع الی الصاحبین ثابت ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ سے مطلق "وضع الجبهة على الارض" معلوم ہوتا ہے اور یہی مقصد **سبعة اعضاء** والی حدیث سے معلوم ہورہا ہے۔ لہٰذا حدیث کی وجہ سے جبھۃ کی تعین فرضیت کے درجہ میں نہیں ہوگی زیادہ سے زیادہ وجوب ہوگا جس کے امام صاحب بھی قائل ہیں۔ یہ ساری بحث تب ہے جب امام صاحب کا رجوع ثابت نہ ہو جبکہ امام صاحب نے رجوع فرمالیا تھا۔

قوله حذو منكبيه: سجدہ میں ہاتھوں کو منکبین کے برابر میں رکھا جائے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان چہرے کو رکھے یا یوں کہیں کہ ہاتھوں کو کانوں کی لَو کے برابر رکھیں گے۔ اس کی مزید تفصیل ابھی اگلے باب میں آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ أَيْنَ يَضَعُ الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ

ربط: ماقبل باب کی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ گزرے تھے "**ووضع كفيه حذو منكبيه**" اس جملہ کی وضاحت کے لئے امام ترمذی علیحدہ سے باب لائے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ قُلْتُ لِلْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَيْنَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ وَجْهَهُ إِذَا سَجَدَ فَقَالَ بَيْنَ كَفَّيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَأَبِي حُمَيْدٍ حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ تَكُونَ يَدَاهُ قَرِيبًا مِنْ أُذُنَيْهِ.

حضرت ابواسحاق کہتے ہیں میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں چہرہ کہاں رکھتے تھے انہوں نے فرمایا دونوں ہتھیلیوں کے درمیان۔ اس باب میں حضرت وائل بن حجر اور حمید رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے براء بن عازب کی حدیث حسن غریب ہے اور اسی کو بعض علماء نے اختیار کیا ہے کہ ہاتھ کانوں کے قریب رہیں۔

تشریح: مسئلہ: سجدہ میں ہاتھوں کو کہاں رکھا جائے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ میں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھیں گے۔ (کما ذکرہ النووی فی شرح المسلم)

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سجدہ میں ہاتھوں کو کانوں کے برابر رکھیں گے۔ (کما فی المغنی)

امام شافعیؒ کی دلیل: پچھلے باب میں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**ان النبی ﷺ کان اذا سجد أمكن أنفه وجبهته الارض ونحا يديه عن جنبيه ووضع كفيه حذو منكبيه**"۔

جواب: اس میں ایک راوی فلیح ابن سلیمان ہے جو ضعیف ہے اگرچہ یہ صحاح ستہ کا راوی ہے لیکن امام نسائی اور ابن معین، ابوحاتم، ابوداؤد، یحییٰ القطان نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے "**قلت للبراء بن عازب: أين كان لنبي يضع وجهه اذا سجد فقال بين كفيه**"

دلیل ثانی: مسلم شریف باب **وضع يده اليمنى على اليسرى** میں روایت ہے "**فسجد فوضع وجهه بين كفيه**"۔

دلیل ثالث: طحاوی شریف میں یہ الفاظ ہیں من طریق حفص بن غیاث عن الحجاج عن ابی اسحاق "کانت یداہ حیال اذنیه" ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ حذاء اذنیه افضل طریقہ ہے۔

بعض حضرات نے ان مختلف روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ ہاتھوں کا وہ حصہ جو کلائی سے متصل ہے اسے منکبین کے برابر رکھا جائے اور بقیہ حصے کو اذنین اور وجہ کے برابر رکھا جائے اس طرح تمام روایات پر عمل ہو جائے گا کوئی روایت نہیں چھوٹے گی۔

(معارف السنن جلد ۳ ص ۳۶-۳۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِي السُّجُودِ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَجَدَ الْعَبْدُ سَجَدَ مَعَهُ سَبْعَةُ آرَابٍ وَجْهُهُ وَ كَفَّاهُ وَرُكْبَتَاهُ وَقَدَمَاهُ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْعَبَّاسِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے سات اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں چہرہ دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں۔ اس باب میں حضرت ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، جابرؓ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسی ترمذی نے کہا حدیث عباس حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُمِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ وَلَا يَكُفَّ شَعْرَهُ وَلَا ثِيَابَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں، بالوں اور کپڑوں کو نہ روکیں۔

تشریح: سجدہ میں کتنے اعضاء کو زمین پر رکھیں گے اس کے متعلق کچھ بحث پچھلے باب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ اس باب میں ان اعضاء کا زمین پر رکھنے کا حکم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مسئلہ: **سجدہ میں سات اعضاء کے رکھنے کا کیا حکم ہے؟** مسنون ہے یا فرض ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک اعضاء سبعہ کا سجدہ میں رکھنا واجب ہے وفی روایۃ قول امام شافعیؒ۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چہرے کا رکھنا سجدہ میں فرض ہے رجلین کے رکھنے کے بارے میں تین روایات ہیں۔

① پاؤں کا رکھنا ② دونوں میں سے ایک کا رکھنا ③ پاؤں کا رکھنا فرض نہیں بلکہ مسنون ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۳۴)

سوال: امام صاحب کے اس تیسرے قول پر اعتراض ہے کہ فقہاء کے نزدیک حالت سجدہ میں رفع القدمین سے نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ سنت کے ترک سے تو نماز فاسد نہیں ہونی چاہیے۔

جواب: یہ فساد اس وجہ سے نہیں کہ وضع القدمین فرض ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ صورت استہزاء کے مشابہ ہو جائے گی۔

امام احمد کی دلیل: اس باب کی دوسری روایت اور بخاری و مسلم شریف **باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر** میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے **امرت ان اسجد علی سبعة اعظم الجبھة و اشار بیدہ علی انفه والیدین والرجلین واطراف القدمین ولا نکفت الثیاب والشعر** اس میں حکم دیا گیا ہے اور حکم وجوب کیلئے ہوتا ہے۔

امام صاحب کی دلیل: **وارکعوا واسجدوا** سجدہ کہتے ہیں **وضع الجبھة (الوجه) علی الارض** کو۔ لہٰذا پیشانی یا چہرے کا رکھنا تو فرض ہے آیت کی وجہ سے اور باقی اعضاء کے بغیر چونکہ سجدہ ممکن نہیں اس لئے ان کا رکھنا مسنون کے درجہ میں ہے۔

قوله سبعة آراب: آراب جمع ہے ارب کی عضو کو کہتے ہیں بعض روایات میں سبعۃ اعضاء کا ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں سبعۃ اعظم کے الفاظ آئے ہیں۔

وَلَا يَكُفَّ شَعْرَهٗ وَلَا ثِيَابَهٗ: پہلی وجہ: مٹی سے بچانے کے لئے کپڑوں کو سمیٹنے اور بالوں کو سیدھا کرنے سے نہی کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں فعل خشوع و خضوع کے خلاف ہیں۔

دوسری وجہ: جب زمین پر رفع یدین میں مشغول ہوگا تو سجدہ کو کما حقہ ادا کرنے میں کمی لازم آئے گی کیونکہ جب انسان سجدہ کرتا ہے تو گویا اس کا ہر عضو سجدہ کرتا ہے۔ نیز سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کا زمین پر رکھنا ضروری ہے اگر سجدے میں دونوں پاؤں اٹھالئے تو سجدہ نہیں ہوگا۔ اگر سجدہ میں ایک پاؤں زمین پر رکھا اور دوسرا پاؤں اٹھائے رکھا تو سجدہ مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّجَافِي فِي السُّجُودِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَقْرَمِ الْخُزَاعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ أَبِي بِالْقَاعِ مِنْ نَمِرَةَ فَمَرَّتْ رَكَبَةٌ فَإِذَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي قَالَ فَكُنْتُ أَنْظُرُ إِلَى عُفْرَتَيْ إِبْطَيْهِ إِذَا سَجَدَ وَأَرَى بَيَاضَهٗ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ بُحَيْنَةَ وَجَابِرٍ وَأَحْمَرَ بْنِ جَزْءٍ وَمَيْمُونَةَ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي أُسَيْدٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَعَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَقْرَمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ وَلَا نَعْرِفُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ أَقْرَمَ الْخُزَاعِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

حضرت عبید اللہ بن عبداللہ بن اقرم خزاعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نمرہ کے مقام پر قاع میں تھا کہ کچھ سوار گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ کرتے تھے میں ان کے بغلوں کی سفیدی کو دیکھتا۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، ابن بحینہ، جابر، احمر بن جزء، میمونہ، ابوحمید، ابواسید، ابومسعود، سہل بن سعد، محمد بن مسلمہ، براء بن عازب، عدی بن عمیرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں عبداللہ بن اقرم کی حدیث حسن ہے ہم اسے داؤد بن قیس کے علاوہ کسی اور روایت سے نہیں جانتے اور نہ ہی ہم حضرت عبداللہ بن

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَأَحْمَرُ بْنُ جَزْءٍ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ حَدِيثٌ وَاحِدٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَرْقَمَ الزُّهْرِيُّ كَاتِبُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَقْرَمَ الْخُزَاعِيُّ إِنَّمَا يُعْرَفُ لَهُ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اقرم رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس کے علاوہ کوئی روایت جانتے ہیں اور اسی پر عمل ہے اہل علم کا احمر بن جزء صحابی ہیں اور ان سے ایک حدیث منقول ہے اور عبداللہ بن اقرم خزاعی رضی اللہ عنہ اسی حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: **عفرتی ابطیہ:** اس کا معنی مٹیالہ رنگ دیکھنے والوں کو بالوں کی وجہ سے ایسا نظر آتا تھا ورنہ آپ کا رنگ ایسا تھا بلکہ سفید (سرخی مائل) تھا۔ سجدہ کی حالت میں مجافاۃ ہو یعنی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھ کر بازوؤں، رانوں پیٹ کو بھی رانوں سے دور رکھا جائے۔ اس حدیث کے راوی عبداللہ بن اقرم ہیں ارقم نہیں ان کی نسبت خزاعی ہے۔

سوال: حدیث سے ترجمۃ الباب کا ثبوت کیسے ہوگا؟

جواب: بغلوں کی سفیدی تب ہی دکھائی دی جائے گی جب بازوؤں کو پہلو سے دور رکھا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِعْتِدَالِ فِي السُّجُودِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلْيَعْتَدِلْ وَلَا يَفْتَرِشْ ذِرَاعَيْهِ افْتِرَاشَ الْكَلْبِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ وَالْبَرَاءِ وَأَنَسٍ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ الْاِعْتِدَالَ فِي السُّجُودِ وَيَكْرَهُونَ الْاِفْتِرَاشَ كَافْتِرَاشِ السَّبُعِ. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطَنَّ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ فِي الصَّلَاةِ بَسْطَ الْكَلْبِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اعتدال کے ساتھ کرے اور بازوؤں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔ اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن شبل، براء، انس، ابوحمید اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں حدیث جابر حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ سجدہ میں اعتدال کرے اور درندوں کی طرح ہاتھ بچھانے کو یہ حضرات مکروہ جانتے ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سجدہ میں اعتدال کرو تم میں سے کوئی بھی نماز میں اپنے بازوؤں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **اعتدال فی السجود:** اس کا معنی یہ ہے کون السجدة على هيئة مسنونة من التوسط بين الافتراش والقبض۔ سجدہ مسنون حالت پر ہونا چاہیے جو افتراش اور قبض کے درمیان درمیان ہو۔ (کما فی عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۱۶۱)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں اعتدال کا لفظ طمانینت پر دلالت کرتا ہے اور تعدیل فی السجود اور تعدیل ارکان پر بحث ماقبل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

ولا یفترش ذراعیہ افتراش الکلب: شریعت مطہرہ نے نماز کے اندر حیوانات کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے مثلاً: ① **افتراش السبع:** (درندے کی طرح ہاتھوں کو بچھانے سے) مسلم شریف میں روایت ہے **وینھی أن یفترش الرجل ذراعیہ افتراش السبع**۔ ② **اقعاء الکلب** (کتے کی طرح بیٹھنے سے)۔ ③ **التفات الثعلب** (لومڑی کی طرح جھانکنے سے)۔ ④ **ونقرۃ الدیك** (مرغ کی طرح ٹھونگیں مارنے سے "وفی روایۃ" **نقرۃ الغراب**۔ کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے۔ ان تین سے ممانعت کی حدیث امام احمدؒ نے اور ابن خزیمہؒ نے تخریج کی ہے **عن ابی ھریرۃ نھانی رسول اللہ ﷺ عن ثلاث: عن نقرۃ الدیك، واقعاء کاقعاء الکلب، والتفات کالتفات الثعلب، واسنادہ حسن** اور اقعاء الکلب سے نہی والی حدیث الباب بھی ہے۔

⑤ **وبروك البعیر** (اونٹ کی طرح بیٹھنے سے) اس سے نہی کی حدیث ماقبل میں ابوہریرہؓ کی روایت گزر چکی ہے **عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال یعمد احدکم فیبرك فی صلوتہ بروك الجمل**۔

⑥ **وتدبیح الحمار** (گدھے کی طرح سر جھکانے سے) اس سے ممانعت کی طویل حدیث بیہقی میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے باب صفۃ الرکوع میں نقل کی ہے **اذا رکع احدکم فلا یدبح تدبیح الحمار ولیقم صلبہ**. (کنز العمال جلد ۴ ص ۹۳)

⑦ **عقبۃ الشیطان** (جلسہ میں سرین کے بل بیٹھنے سے) اس سے ممانعت کی حدیث مسلم شریف باب الاعتدال فی السجود میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے "**وکان ینھی عن عقبۃ الشیطان**"۔

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ ساتویں چیز ان امور سے متعلق ہو جس سے نماز میں روکا گیا ہو اور وہ ہے رفع الیدین کا **ذناب الخیل الشمس** جیسا کہ مسلم شریف کی روایت جابر بن سمرہؓ سے منقول ہے "**مالی اراکم رافعی أیدیکم کأنھا أذناب خیل شمس، اسکنوا فی الصلوٰۃ**"۔ یہ سات اشیاء جن کا تذکرہ حیوانات کے ساتھ تشبیہ کے متعلق تھا۔ یہ تمام امور یا تو انسان کی سستی کی وجہ سے یا نماز کے آداب کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں بعض حضرات نے ان کو اشعار میں بند کیا ہے۔

غراب ودیك بعیر وفرس ... حمار و کلب ثم قرد و ثعلب

پھر اس کی تفصیل معارف السنن جلد ۳ ص ۷۴ میں یہ اشعار بند کیے۔

فنقر غراب والتفات کثعلب ... واقعاء کلب أوکقرد فیجتنب

بروك بعیر وافتراش کسبع ... وتدبیح حمر دفع خیل

فھذہ أمور فی الصلوٰۃ قبیحۃ ... تخالف شرعًا للبھائم تنسب

فمن رام ھدیًا للرسول فیقتدی ... بما یشبہ الملك الکرام و یرغب

خلاصہ اس باب کا یہ ہے کہ سجدہ میں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنے کے بعد بازوؤں کو زمین پر بچھانے سے منع کیا گیا ہے اگر

بازوؤں کو زمین پر بچھا دیا جائے تو درندوں کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی اسی طرح سجدہ میں اپنے بازوؤں کو پہلوؤں سے دور کھا جائے۔ اگر صف میں جگہ تنگ ہو تو پھر بازوؤں کو پہلو کے ساتھ ملا لینا چاہیے تاکہ ساتھ والے دوسری نمازی کو تکلیف نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ فِي السُّجُودِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ قَالَ عَبْدُ اللهِ وَقَالَ الْمُعَلَّى حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْيَدَيْنِ وَنَصْبِ الْقَدَمَيْنِ مُرْسَلٌ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ وُهَيْبٍ وَهُوَ الَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَاخْتَارُوهُ

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھوں کو زمین پر رکھنے اور پاؤں کو کھڑا رکھنے کا حکم دیا عبداللہ نے کہا کہ معلّٰی نے حماد بن مسعدہ سے انہوں نے محمد بن عجلان سے انہوں نے محمد بن ابراہیم سے اور انہوں نے عامر بن سعد سے اسی حدیث کی مثل روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دونوں ہاتھ زمین پر رکھنے کا حکم دیا اس حدیث میں انہوں نے عامر بن سعد کے باپ کا ذکر نہیں کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید قطان اور کئی حضرات محمد بن عجلان سے وہ محمد بن ابراہیم سے اور وہ عامر بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہاتھوں کو زمین پر رکھنے اور پاؤں کو کھڑا رکھنے کا یہ حدیث مرسل ہے اور وہیب کی حدیث سے اصح ہے اسی پر اہل علم کا اجماع ہے اور اہل علم نے اس کو پسند کیا ہے۔

تشریح: ابواب میں سجدہ کی ہیئت کا مسئلہ چل رہا ہے۔ اس باب میں ہاتھوں اور پاؤں کے رکھنے کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔ ہاتھوں کے بارے میں تو ماقبل میں وضاحت گزر چکی ہے۔ اس باب میں پاؤں کے رکھنے کے بارے میں وضاحت دیکھ لیجئے۔ عام طور پر لوگ سجدہ میں پاؤں رکھنے میں احتیاط نہیں کرتے۔ بعض لوگ تو سرے سے سجدہ میں پاؤں رکھتے ہی نہیں ان کی نماز نہیں ہوتی اور بعض لوگ تھوڑی دیر کے لئے رکھ کر دونوں پاؤں اٹھا لیتے ہیں اور بعض صرف ایک پاؤں رکھتے ہیں ان صورتوں میں نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے اسی طرح بعض لوگ سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کے سرے رکھتے ہیں یہ بھی مسنون نہیں بلکہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ پورے سجدہ میں دونوں پاؤں اس طرح دبا کر رکھے جائیں کہ انگلیاں مڑ کر قبلہ رخ ہو جائیں۔

قال ابو عیسی وروی یحییٰ بن سعید القطان: یہ حدیث مسند اور مرسل دونوں طرح مروی ہے۔

امام ترمذیؒ نے مرسل والے طریق کو اصح اور مسند والے طریق کو غیر اصح کہا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ایک راوی وہیب ہیں جو اس کو متصل کہتے ہیں اور وہ ثقہ راوی ہیں اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہوتی ہے۔ وہیب والی سند اس طرح ہے **وھیب بن خالد**

البصری عن محمد بن عجلان الخ یہ متصل ہے۔ اس کو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔

اور مرسل روایت کی دو سندیں ہیں ایک یہ ہے **حماد بن مسعدۃ عن محمد بن عجلان عن محمد بن ابراھیم عن عامر بن سعد.** اس کو عامر بن سعد رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے جو تابعی ہے۔ انہوں نے درمیان میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واسطہ چھوڑ دیا۔ دوسری سند **یحییٰ بن سعید القطان وغیر واحد عن محمد بن عجلان عن محمد بن ابراھیم عن عامر بن سعد.** یہ سند بھی مرسل ہے۔

مرسل محدثین کی اصطلاح میں اسے کہا جاتا ہے جس میں تابعی صحابی کا واسطہ چھوڑ کر کہے **قال النبی** صلی اللہ علیہ وسلم۔

اہل اصول فقہ کے نزدیک مرسل وہ ہے جس کی سند میں کوئی ایک راوی گرا دیا جائے چاہے۔ ابتداء سند میں یا وسط سند میں یا اخیر سند میں۔ گویا ان کے نزدیک مرسل عام ہے خواہ منقطع ہو یا معضل ہو۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۵۰) اس کی وضاحت مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِقَامَةِ الصُّلْبِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ

ترجمۃ الباب کی غرض قومہ اور جلسہ میں تعدیل ارکان کا اثبات ہے یہی حنفیہ کا قول ہے۔

اقامۃ الصلب: پیٹھ کو سیدھا کرنا رکوع اور سجدہ سے اٹھنے کے بعد اطمینان سے کھڑے ہو جانا یا آخری رکعت میں قعدہ کے لئے اطمینان سے بیٹھ جانا تا کہ پیٹھ برابر ہو جائے اور ہر عضو اپنی جگہ ساکن ہو جائے۔ رکوع و سجدہ میں ٹھہرنا رکوع و سجدہ کی تعدیل ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَإِذَا سَجَدَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے دوران جب رکوع کرتے یا رکوع سے سر اٹھاتے اور جب سجدہ کرتے یا سجدے سے سر اٹھاتے تو یہ تقریباً ایک دوسرے کے برابر ہوتے۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے محمد بن بشار محمد بن جعفر سے اور وہ شعبہ سے اسی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث براء بن عازب حسن صحیح ہے۔

تشریح: قریبًا من السواء: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی دیر سجدہ میں لگاتے اتنی دیر جلسہ میں لگائے اور جتنی دیر جلسہ میں لگاتے اتنی دیر دوسرے سجدہ میں لگاتے اسی طرح جتنی دیر رکوع میں لگاتے اتنی دیر قومہ میں لگاتے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی دیر قراءۃ میں لگاتے اتنی دیر دوسرے ارکان صلوٰۃ میں لگاتے۔ مثلاً مغرب کی نماز میں قراءت مختصر ہوتی ہے اس لئے یہ ارکان اربعہ بھی مختصر کرتے اور اسی طرح تہجد کی نماز میں چونکہ قراءت طویل ہوتی تو ارکان اربعہ بھی طویل کرتے۔ ابوداؤد شریف میں قیام سے مراد قومہ ہے اور بخاری میں قیام کا استثناء ہے۔ قیام کے ماسوا میں مساوات ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يُبَادِرَ الْإِمَامُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ لَمْ يَحْنِ رَجُلٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَسْجُدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَسْجُدَ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَمُعَاوِيَةَ وَابْنِ مَسْعَدَةَ صَاحِبِ الْجُيُوشِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ أَهْلُ الْعِلْمِ إِنَّ مَنْ خَلْفَ الْإِمَامِ إِنَّمَا يَتْبَعُونَ الْإِمَامَ فِيمَا يَصْنَعُ وَلَا يَرْكَعُونَ إِلَّا بَعْدَ رُكُوعِهِ وَلَا يَرْفَعُونَ إِلَّا بَعْدَ رَفْعِهِ وَلَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي ذَلِكَ اخْتِلَافًا.

حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم سے حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ سچے ہیں حضرت براء نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے سر اٹھاتے تو ہم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کمر کو نہ جھکاتا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں نہ چلے جاتے پھر ہم سجدہ کرتے اس باب میں حضرت انس، معاویہ، ابن مسعدہ، صاحب الجیوش اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث براء حسن صحیح ہے اور اہل علم کا یہی قول ہے کہ مقتدی امام کے ہر فعل میں تابعداری کریں اور اس وقت تک رکوع میں نہ جائیں جب تک امام نہ چلا جائے اور اس وقت تک رکوع سے سر نہ اٹھائیں جب تک امام کھڑا نہ ہو جائے اور ہمیں اس مسلک میں علماء کے درمیان اختلاف کا علم نہیں۔

تشریح: وھو غیر کذوب: یہ کس کا مقولہ ہے اس میں محدثین کرام کا اختلاف ہے۔ یحییٰ بن معین، حمیدی، اور ابن جوزی کا قول ہے کہ یہ مقولہ ابواسحاق السبیعی کا ہے عبداللہ بن یزید کے حق میں۔

علامہ خطابی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی عیاض اور امام نووی نے کہا کہ یہ کلام عبداللہ بن یزید کا ہے براء کے حق میں اسکی تائید ابن حزیمہ کی صحیح میں محارب بن دثار کے طریق سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن یزید کو منبر پر کہتے ہوئے سنا "**حدثنی البراء و کان غیر کذوب**"۔ تفصیل کیلئے عمدۃ القاری (جلد ۲) ملاحظہ کریں۔ اس پر مشہور اشکال ہوتا ہے۔

اشکال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارے کے سارے عادل ہیں تو یہاں پر ان کی طرف سے کذب کے تزکیہ کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: کبھی مسئلہ اہم ہوتا ہے تو وہاں اس کی تحقیق اور تیقن کے لئے ایسا کیا جاتا ہے وہاں راوی پر تہمت لگانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کے حقیقی صدق کو واضح کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور کبھی کبھار راوی کی تاکید علمی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کر دیتے ہیں۔ اس کے بہت سارے نظائر موجود ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "**سمعت خلیلی الصادق المصدوق**" حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امین ہی ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ فرماتے ہیں کہ "**حدثنی الصادق المصدوق**" اور اسی طرح ابومسلم الخولانی فرماتے ہیں **حدثنی الحبیب الامین عوف بن مالک الاشجعی** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا **حدثنا رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم **وھو الصادق المصدوق**۔ یہاں حدیث میں اگرچہ "

وهو غیر کذوب'' مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن اس میں نفس کذب کی نفی بھی ہے جیسے قرآن کریم کی آیت ''وما ربك بظلام للعبید'' میں ہے۔ اس آیت میں نفس ظلم کی نفی ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۵۵۔۵۶)

مسئلہ: مقتدی امام کے ساتھ مقارنت اختیار کرے گا یا معاقبت؟

اقتداء کی تین صورتیں ہیں۔ ① مسابقت ② مقارنت ③ معاقبت۔

مسابقت یہ ہے کہ مقتدی اپنے ارکان امام سے پہلے ادا کرے یہ بالاجماع جائز نہیں۔ البتہ مقارنت اور معاقبت دونوں جائز ہیں درج ذیل مسئلہ میں بحث افضلیت میں ہے۔ مقارنت کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کا امام کے ارکان کے ساتھ مقتدی کا ارکان کی ادائیگی کرنا اور معاقبت کا مطلب یہ ہے کہ امام کے رکن میں جانے کے بعد مقتدی کا امام کی اقتداء کرنا مثلاً امام تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا پھر مقتدی جائے وعلی ① القیاس فی سائر ارکان الصلوۃ۔

قول اول: امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک معاقبت افضل ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ تحریمہ اور سلام میں معاقبت ہونی چاہیے ان کے علاوہ باقی تمام ارکان میں مقارنت ہونی چاہیے۔

شوافع کی دلیل اول: یہی حدیث الباب ہے ''قال کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ ﷺ فرفع رأسه من الرکوع لم یحن رجل مناظهره حتیٰ یسجد رسول اللہ فنسجد'' کہ ہم میں سے کوئی بھی رکوع سے اپنی پیٹھ سیدھی نہ کرتے یہاں تک کہ آپ ﷺ سجدے میں نہ چلے جاتے یہ معاقبت ہے۔

دلیل ثانی: ابن ماجہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں یوں الفاظ ہیں قال قال رسول اللہ ﷺ لا تبادرونی بالرکوع ولا بالسجود مجھ سے رکوع و سجود میں مسابقت مت کرو۔ (ابن ماجہ ص ۶۸ باب النھی ان یسبق الامام بالرکوع والسجود)

جواب اول: یہ روایات آپ ﷺ کے ضعف کے زمانہ پر محمول ہیں جب نبی کریم کا جسم مبارک کمزور ہو گیا تھا بڑھاپے کی وجہ سے ارکان صلوۃ میں جلدی سے انتقال نہیں ہوتا تھا ایسے زمانہ میں نوجوان صحابہ کے متعلق اندیشہ تھا کہ مقارنت کی صورت میں مسابقت نہ ہو جائے تو احتیاطاً ایسا حکم دیا گیا۔

جواب ثانی: علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے مسابقت سے منع کیا مقارنت سے منع نہیں کیا جبکہ شوافع نے مفہوم مخالف نکال کر یہ معنی کیا کہ پیچھے پیچھے رہو۔ حالانکہ اس کا دوسرا مفہوم مخالف یہ بھی ہے کہ ساتھ ساتھ رہو۔

دلیل ثالث: مسلم شریف میں روایت ہے ''فان الامام یسجد قبلکم ویرفع قبلکم''۔

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عبادات میں بہت حریص تھے کہ امام کے ساتھ پورے پورے شریک ہوں۔ ذرہ برابر بھی کمی نہ ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ ولولہ بھی پیدا ہوا کہ ہم جتنی بھی احتیاط کریں پوری متابعت پھر بھی نہیں کر سکیں گے۔ امام پھر بھی تھوڑا بہت آگے نکل جاتا ہے اس کا ذکر آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں کہ اگر امام رکوع میں تم سے پہلے جاتا ہے تو تم سے پہلے اٹھتا بھی ہے فتلك بتلك یہ الفاظ ہماری تائید کر رہے ہیں لہٰذا اس سے مقارنت ثابت ہوتی ہے

نہ کہ معاقبت جو کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتے ہیں۔

امام صاحب و مالکیہ کی دلیل: **انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ** سے امام کی مخالفت کی ممانعت معلوم ہوتی ہے کہ امام رکوع یا سجدہ میں ہو اور مقتدی قیام کی حالت میں کھڑے ہوں۔ "**واذا رکع فارکعوا**" **فاء تعقیب مع الوصل** کے لئے ہے یعنی مقتدیوں کا رکوع امام کے ساتھ ہو۔ البتہ تحریمہ اور سلام میں احتیاطاً معاقبت بہتر ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْإِقْعَاءِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِي لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ وَقَدْ ضَعَّفَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْحَارِثَ الْأَعْوَرَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ الْإِقْعَاءَ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے علی میں تمہارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے اس چیز کو برا سمجھتا ہوں جس چیز کو اپنے لئے برا سمجھتا ہوں تم دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء نہ کرو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کو ہمیں ابواسحاق عن الحارث کے علاوہ کسی اور کے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے کا علم نہیں اور بعض اہل علم نے حارث اعور کو ضعیف کہا ہے اور اکثر اہل علم اقعاء کو مکروہ سمجھتے ہیں اس باب میں حضرت عائشہ، انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی روایت ہے۔

تشریح: مسئلہ: اقعاء بین السجدتین کی وضاحت؟ محدثین کرام نے اقعاء کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

① امام طحاویؒ سے منقول ہے کہ سرین کو زمین سے لگا کر دونوں رانوں کو کھڑا کر کے بیٹھنا اور دونوں ہاتھوں کو زمین پر رکھنا۔ ایسا کرنا تمام ائمہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ اقعاء الکلب کے مشابہ ہے۔

② سرین کو زمین سے لگا کر دونوں رانوں اور قدموں کو زمین پر رکھنا۔

③ آدمی کا اقعاء یہ ہے کہ گھٹنوں کے بل اس طرح بیٹھے کہ سینہ زمین پر لگے اور سرین اونچی ہو اس سے منع فرمایا۔

④ دیہاتیوں کی طرح آگ تاپتے وقت بیٹھنے کی طرح بیٹھنا۔ وہ اس طرح بیٹھتے ہیں کہ اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگا کر ٹانگوں کو پیٹ سے چپکا دیتے ہیں اور سرین کے بل بیٹھ جاتے ہیں اس سے منع کیا۔ کیونکہ اس سے ستر عورت کا اندیشہ ہے۔

⑤ علامہ کرخیؒ سے منقول ہے کہ دونوں قدموں کو سیدھا کر کے ایڑی پر بیٹھنا۔

اس آخری تفسیر میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں:

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں سجدوں کے درمیان دونوں طریقے مسنون ہیں افتراش بھی اور اقعاء بھی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور حنابلہ کے نزدیک یہ بھی علی الاطلاق مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: اگلے باب کی حدیث ہے باب فی الرخصة فی الاقعاء میں طاؤس کی روایت ہے قلنا لابن عباس فی الاقعاء علی القدمین قال هی السنة فقلنا انا لنراه جفاء بالرجل قال بل هی سنة نبیکم۔

جواب اوّل: علامہ خطابی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کو منسوخ کہا ہے۔

جواب ثانی: مرفوع حدیث کے مقابلے میں قول صحابی قابل استدلال نہیں۔

جواب ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ تھا کہ کبھی کبھار آپ ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا لیکن اس سے استمرار اور دوام ثابت نہیں ہوتا۔

جمہور کی دلیل: حدیث الباب ہے "قال رسول الله ﷺ یا علی احب لك ما احب لنفسی ...... لا تقع بین السجدتین" یہ حدیث چونکہ شوافع کے خلاف تھی اس لئے امام ترمذیؒ نے اس پر اعتراض کیا۔

اعتراض: اس حدیث کا مدار حارث اعور پر ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔

جواب: یہ حدیث دوسری متعدد روایات سے مؤید ہے جن میں سے بعض صحیح اور حسن ہیں۔ مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے جس میں کسی قسم کا اعتراض نہیں، نهانی رسول الله ﷺ عن الاقعاء فی الصلوٰة۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

① حدیث ابی ہریرۃ نهانی رسول الله ﷺ عن ثلاث. کما تقدم۔

② حدیث عائشہ عند مسلم و کان ینهی عن عقبة الشیطان۔ یہ حدیث بھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

③ ابن ماجہ میں حدیث انس ہے اذا رفعت رأسك من السجود فلا تقع کما یقع الکلب۔

④ حدیث حسن عن سمرة عند الحاکم۔ نهانی رسول الله ﷺ الاقعاء فی الصلوٰة وقال صحیح علی شرط الشیخین۔

⑤ حدیث انس مرفوعاً: نهی عن الاقعاء والتورك فی الصلوٰة۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اقعاء مکروہ ہے۔

اس کے علاوہ تعامل صحابہؓ بھی مؤید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی اقعاء کا قائل نہیں تھا۔

بَابُ فِی الرُّخْصَةِ فِی الْإِقْعَاءِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا يَقُولُ قُلْنَا لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْإِقْعَاءِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ قَالَ هِيَ السُّنَّةُ فَقُلْنَا إِنَّا لَنَرَاهُ جَفَاءً بِالرَّجُلِ قَالَ بَلْ هِيَ سُنَّةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دونوں پاؤں پر اقعاء کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا یہ سنت ہے ہم نے کہا ہم اسے آدمی پر ظلم سمجھتے ہیں تو فرمایا بلکہ یہ تمہارے نبی کی سنت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے

وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ بِالْإِقْعَاءِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ مَكَّةَ مِنْ أَهْلِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ الْإِقْعَاءَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ.

بعض اہل علم صحابہ میں سے اسی حدیث پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اقعاء میں کوئی حرج نہیں یہ اہل مکہ میں سے بعض علماء وفقہاء کا قول ہے اور اکثر اہل علم سجدوں کے درمیان اقعاء کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

تشریح: ھی السنة: اس کا سنت ہونا منسوخ ہو گیا یا یہ حالت عذر پر محمول ہے جیسا کہ اسکی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

جفاء بالرجل: الرجل بالکسر ہو تو اس کا معنی ہوگا پاؤں پر ظلم کرنا اور اگر دا ء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنی ہوگا آدمی کا دیہاتی پن کہ دیہاتی لوگ اس طرح بیٹھتے ہیں۔

سنة نبیکم: امام نوویؒ نے اس سے استدلال کیا ہے جس کا ذکر ماقبل باب کے ذیل میں گزر چکا ہے جب کہ ہمارا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے ہے۔ موطا امام مالک "**باب العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ ص ۳۰**" میں صدقہ بن یسار عن مغیرہ بن حکیم سے مروی ہے: **انہ رأی عبداللہ بن عمر یرجع فی السجدتین فی الصلوٰۃ علی صدور قدمیہ فلما انصرف ذکر ذٰلك له فقال: انها لیست سنة الصلوٰۃ وانما افعل من اجل أن اشتکی۔** صدقہ بن یسار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سجدوں کے درمیان قدموں کے بل بیٹھتے ہوئے دیکھا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان سے اس کا ذکر کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ نماز کی سنتوں میں سے نہیں ہے بلکہ میں نے یہ جو کام کیا یہ بیماری کی وجہ سے کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اقعاء مسنون نہیں۔ مغنی جلد اول ص ۶۵۸ میں حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے فرماتے ہیں **لا تقتدوا بی فانی قد کبرت** اھ۔ کہ تم لوگ نماز میں میری اقتداء نہ کرو کیونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک سنن کے ابواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما زیادہ اوثق ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کبھی کبھار اپنے اجتہاد اور رائے سے کوئی فعل کرتے ہیں پھر اس کو سنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے محدثین اصول حدیث نے ایک ضابطہ قائم کیا ہے کہ اگر صحابی من السنة کذا کہے تو وہ حدیث حکماً مرفوع ہو جاتی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ احوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کبھی کبھار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مجتہدات کے لئے بھی من السنة کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ابھی ماقبل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول گزر چکا ہے۔

لہٰذا کہا جائے گا کہ حدیث میں بھی السنة کہہ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی رائے قائم کی ہے۔ "**بل سنة نبیکم**" کا صرف اتنا معنی ہے کہ اقعاء جائز ہے اس پر دلیل ماقبل باب کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اس کام سے روکا ہے معلوم ہوا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔

اور دوسری بات یہ کہ اگر **ھی السنة** کہنے سے حدیث مرفوع ہو جاتی تو تلامذہ آگے **انا لنراہ جفاء بالرجل** نہ کہتے کیونکہ حدیث کا معارضہ جائز نہیں۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقعاء کیا ہو اگر یہ طریقہ مسنون ہوتا تو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوع ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل ضرور مروی ہوتا۔ لہٰذا لامحالہ اس حدیث کو ہم عذر

پر محمول کریں گے۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ھی السنۃ کہہ کر معذور کے لئے اس کے جواز کی صورت نکال لی۔

قال ابوعیسٰی: یہاں امام ترمذی نے اقعاء کے متعلق ائمہ کے اقوال کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ اقعاء کی صورت میں کوئی حرج نہیں یہی بعض اہل علم کا قول ہے اور اکثر اہل علم سجدوں کے درمیان ایڑیوں پر بیٹھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

بَاب مَا يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ

حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي. حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ الْحُلْوَانِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ زَيْدِ بْنِ حُبَابٍ عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ يَرَوْنَ هٰذَا جَائِزًا فِي الْمَكْتُوبَةِ وَالتَّطَوُّعِ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ كَامِلٍ أَبِي الْعَلَاءِ مُرْسَلًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے **اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی وَارْحَمْنِی وَاجْبُرْنِی وَاھْدِنِی وَارْزُقْنِی** حسن بن علی خلال نے یزید بن ہارون سے انہوں نے زید بن حباب سے انہوں نے کامل ابو علاء سے اسی کے مثل روایت کی ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور یہ اسی طرح مروی ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اور امام شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے کہ یہ دعا فرائض ونوافل تمام نمازوں میں پڑھنا جائز ہے اور بعض راوی حضرات نے یہ حدیث ابو العلاء کامل سے مرسل روایت کی ہے۔

تشریح: مسئلہ: بین السجدتین ذکر مسنون ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بین السجدتین جلسہ میں ذکر مسنون ہے۔ حنابلہ کے ہاں ایک بار ذکر واجب ہے اور بار بار مستحب ہے کمال کا ادنیٰ درجہ تین مرتبہ کہنا ہے۔ (مغنی جلد اوّل ص ۵۶۸)

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک دونوں سجدوں کے درمیان فرائض میں کوئی ذکر مسنون نہیں۔ بلکہ نوافل وغیرہ میں پڑھ سکتے ہیں۔ بعض حنفیہ اس کو فرائض میں پڑھنے کے قائل ہیں۔

امام شافعیؒ کا استدلال: یہی حدیث الباب ہے اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں سجدوں کے درمیان دعا کا پڑھنا ثابت ہے: "**اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی**" اسی طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالابدمنہ میں جلسہ کی دعا یہ ذکر کی ہے **اللّٰھم اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی واجبرنی وارفعنی**۔

جواب: احناف کے نزدیک یہ دعائیں نوافل پر محمول ہیں کیونکہ فرائض میں اختصار ہوتا ہے۔ البتہ اگر کسی نے اختلاف سے بچنے کے لئے پڑھ لیا تو بہتر ہے تاکہ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے اور اطمینان کا یقین ہوجائے۔

بعض حضرات نے کہا کہ بین السجدتین صرف "**اللّٰھم اغفرلی**" کہنا اختلاف سے خروج کے لئے کافی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِعْتِمَادِ فِي السُّجُودِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اشْتَكَى أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشَقَّةَ السُّجُودِ عَلَيْهِمْ إِذَا تَفَرَّجُوا فَقَالَ اسْتَعِينُوا بِالرُّكَبِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ أَبِي عَيَّاشٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا وَكَأَنَّ رِوَايَةَ هٰؤُلَاءِ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ اللَّيْثِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی کہ انہیں سجدے کی حالت میں اعضاء کو علیحدہ علیحدہ رکھنے میں تکلیف ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے گھٹنوں سے مدد لے لیا کرو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ہم اس حدیث کو ابوصالح عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اس سند کے علاوہ نہیں جانتے۔ یعنی لیث اسے اسی سند سے ابوالعجلان سے روایت کرتے ہیں سفیان بن عیینہ اور کئی حضرات نے سمی سے وہ نعمان بن ابی عیاش سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کے مثل روایت کرتے ہیں اور ان کی روایت لیث کی روایت سے اصح ہے۔

تشریح: قتیبة: یہ قتیبہ بن سعید ہیں رجال صحاح ستہ میں سے ہیں اور امام ترمذی کے شیوخ میں سے اور ثقہ ہیں۔

واللیث: یہ ابن سعد المصری ہیں یہ رجال صحاح ستہ میں سے ہیں یہ مشہور امام ہیں فقیہ ہیں، ثقہ ہیں امام شافعیؒ ان کو امام مالکؒ پر ترجیح دیتے ہیں۔

ابن عجلان: محمد بن عجلان ہیں مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

عن سمی: یہ مولیٰ ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ھشام المخزومی ہیں یہ بھی رجال صحاح ستہ میں سے ہیں۔

ابوصالح: یہ ذکوان السمان ہیں صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جب سجدہ کی حالت میں ہم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے دور اور کہنیوں کو زمین سے بلند رکھیں تو سجدہ طویلہ کی وجہ سے ہمیں اس میں مشقت ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **استعینوا بالرکب** جب تم تھک جاؤ تو کہنیوں کو گھٹنوں سے ملا کر راحت حاصل کرلو (زمین پر کہنیوں کو نہ رکھو ورنہ کتے کی مشابہت لازم آئے گی)۔

ترمذی شریف کے اکثر نسخوں میں یہی ترجمۃ الباب ہے اور حدیث بھی اسی طرح ہے جیسا کہ وضاحت کردی گئی ہے۔ البتہ بعض قدیم نسخوں میں ترجمۃ الباب اس طرح قائم کیا گیا ہے ''**باب ما جاء فی الاعتماد اذا قام من السجود**'' جب کہ اس کے مطابق حدیث میں **اذا تفرجوا** کے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ اس صورت میں حدیث مبارکہ کا تعلق سجدہ سے نہیں بلکہ رفع من

السجود کے وقت سے ہے اور مشقت کا مطلب یہ ہے کہ اگر سجدہ سے اٹھتے وقت مشقت ہو تو گھٹنوں سے سہارا لیکر کھڑے ہو جایا کرو۔

اگر موجودہ نسخہ اور حدیث الباب کو دیکھا جائے تو اس میں "**اذا تفرجوا**" کے الفاظ بھی ہیں۔ لہٰذا اسی حدیث الباب اور عنوان باب کو ترجیح دی جائے گی۔

امام نوویؒ شرح المہذب جلد ۳ ص ۴۴۲ میں فرماتے ہیں کہ اعتماد کی دونوں اقسام مسنون ہیں۔ ہمارے اصحاب فرماتے ہیں کہ نمازی خواہ جلسہ سے کھڑا ہو یا سجدہ سے اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ زمین پر سہارا لے کر کھڑا ہو۔ اسی طرح تشہد اولیٰ سے کھڑا ہو برابر ہے کہ یہ سہارا لینا کمزور کے لئے ہو یا ضعیف کے لئے۔ مرد کے لئے ہو یا عورت کے لئے۔ سب کے لئے مسنون ہے۔ یہی مذہب امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۷۲) باقی تفصیل اگلے باب کے ذیل میں آ رہی ہے۔

قال ابو عیسٰی ھٰذا حدیث لا نعرفه من حدیث ابی صالح.

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دو اسناد سے مروی ہے۔

① **حدثنا قتیبة نا اللیث عن ابن عجلان عن سمی عن ابی صالح عن ابی ھریرة۔**

② **وقد روی ھذا الحدیث سفیان بن عیینة عن سمی عن النعمان بن ابی عیاش عن النبی ﷺ۔**

پہلی سند میں سمی کے استاد ابو صالح ہیں۔ دوسری سند میں سمی کے استاد نعمان ہیں اور پہلی سند کے اعتبار سے یہ روایت متصل ہے اور دوسری سند کے اعتبار سے یہ روایت مرسل ہے۔ امام ترمذیؒ نے سفیان کے طریق کو ترجیح دی ہے وجہ ترجیح رواۃ کا ثقہ ہونا ہے۔

وجوہ ترجیح یہ ہیں:

① ابن عجلان اگرچہ سفیان سے اوثق ہیں لیکن عجلان متفرد ہیں جبکہ سفیان متفرد نہیں بلکہ بیہقی میں ان کا متابع موجود ہے۔ اور وہ سفیان ثوری ہیں۔ اس اعتبار سے سفیان بن عیینہ اوثق ہیں۔

② سفیان بن عیینہ کی مرسل روایات کو امام بخاریؒ نے بھی صحیح کہا ہے۔ ابن عجلانؒ کے بارے میں تقریب میں کہا گیا ہے کہ اگرچہ یہ صدوق ہیں لیکن آخری عمر میں ان سے احادیث ابو ہریرہؓ مختلط ہو گئی تھیں۔

③ ابن عجلان کی روایت شاذ ہے اور شاذ روایت کے مقابلے میں مرسل اصح ہوتی ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۷۴)

بَابُ کَیْفَ النُّهُوْضُ مِنَ السُّجُوْدِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَكَانَ إِذَا كَانَ فِي وِتْرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ

حضرت مالک بن حویرث لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے دوران طاق رکعات میں اس وقت تک کھڑے نہ ہوتے جب تک اچھی طرح بیٹھ نہ جاتے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں مالک بن حویرثؓ کی

حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهٖ يَقُوْلُ أَصْحَابُنَا. حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے اور ہمارے رفقاء بھی اس کے قائل ہیں۔

تشریح: امام ترمذیؒ کا مقصود اس باب سے جلسہ استراحت کو ثابت کرنا ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے قدموں کی انگلیوں پر سہارا لیا جائے گا یا نہیں؟

مسئلہ: جلسہ استراحت کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت کے بعد اور رباعی نماز میں تیسری رکعت کے بعد اٹھتے ہوئے کچھ دیر بیٹھ کر اٹھنا مسنون ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلی یا تیسری رکعت کے بعد اٹھتے ہوئے قدموں کے پنجوں کے بل کھڑا ہونا چاہیے بیٹھنا مسنون نہیں۔ البتہ اگر کسی نے یہ عمل کر لیا تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ (کمافی الشافیہ) یہی روایت حضرت ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم کی بھی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے **انه رأى رسول الله ﷺ يصلي فكان اذا كان في وتر من صلوته لم ينهض حتى يستوي جالسا**...۔

جواب: حدیث الباب بیان جواز یا حالت عذر پر محمول ہے.... یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری عمر میں متبدن ہو گئے تھے ہو سکتا ہے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہو اگر یہ سنت صلوٰۃ ہوتی تو ہرگز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے نہ چھوڑتے۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل اوّل: مسئ الصلوٰۃ والا واقعہ جو حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا اس میں آپ ﷺ نے ان کو نماز کا طریقہ سکھلایا اور نماز میں سجدہ کی تعلیم کے بعد بتایا۔ **ثم ارفع حتى تستوي قائما ثم افعل ذلك في صلوتك كلها**۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے سجدے کے بعد سیدھے کھڑے ہونے کا حکم دیا بیٹھنے کا ذکر نہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ امام بخاریؒ نے دوسرے طریق سے یہ روایت بیان کی ہے جس میں "**حتی تستوی قائما**" کے بجائے "**حتی تطمئن جالسا**" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ صحیح روایت **حتی تستوی قائما** کی ہے۔

دلیل ثانی: اگلے "**باب منه ايضا**" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**كان النبي ﷺ ينهض في الصلوٰة على صدور قدميه**" چونکہ یہ احناف کا مستدل ہے اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

اعتراض: اس میں ایک راوی خالد بن الیاس ضعیف ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **و خالد بن اياس ضعيف عند اهل الحديث**۔ محدثین کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔

جواب: شیخ ابن ہمام فتح القدیر میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مؤید ہے اس لئے اس سے استدلال قابل قبول ہے۔

چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں تاکہ حدیث کا ضعف دور ہو جائے۔

① مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے **عن عبد الرحمن بن یزید قال کان عبد الله ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه**. ② یہی مضمون حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں منقول ہے۔

امام شعبیؒ کا قول ہے: **ان عمر و علیا و اصحاب رسول الله ﷺ کانوا ینهضون فی الصلوة علی صدور اقدامهم.** (مصنف ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۳۹۴)

④ حضرت نعمان بن عیاش رضی اللہ عنہ کا قول مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کیا گیا ہے **ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ فکان اذا رفع رأسه من السجدة فی اوّل رکعة والثالثة قام کما هو لم یجلس.** (ایضا)

دلیل ثالث: عقلی دلیل یہ ہے کہ عبادت میں خشوع و خضوع اور مشقت ہونی چاہیے جیسا کہ آپ ﷺ کی نماز کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ﷺ اتنی عبادت فرماتے کہ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا تھا۔ اس طرح ورم آنے اور استراحت میں منافات ہے۔

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ اَيَاسٍ وَ يُقَالُ خَالِدُ بْنُ اِلْيَاسٍ عَنْ صَالِحٍ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَضُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ أَنْ يَنْهَضَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى صُدُورِ قَدَمَيْهِ وَخَالِدُ بْنُ اَيَاسٍ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَيُقَالُ خَالِدُ بْنُ اِلْيَاسٍ وَصَالِحٌ مَوْلَى التَّوْأَمَةِ هُوَ صَالِحُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ وَأَبُو صَالِحٍ اسْمُهُ نَبْهَانُ مَدَنِيٌّ.

صالح مولی التوأمۃ (صالح کو ایک عورت نے آزاد کیا تھا اس لئے اسے مولی التوأمۃ کہتے ہیں)، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز میں دونوں پاؤں کی انگلیوں پر زور دے کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ہی اہل علم کا عمل ہے کہ آدمی پاؤں کی انگلیوں پر زور دے کر کھڑا ہو جائے اور وہ اسی کو پسند کرتے تھے خالد بن ایاس محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اور انہیں خالد بن الیاس بھی کہا جاتا ہے صالح مولی توامہ سے مراد صالح بن ابو صالح ہے اور ابوصالح کا نام نبہان مدنی ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ جہاں بھی باب بلا ترجمہ قائم کرتے ہیں وہ باب سابق کا تتمہ ہوتا ہے۔

حدیث الباب احناف کا مستدل ہے جس کا تذکرہ ماقبل میں ہو چکا ہے۔

قال ابو عیسیٰ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک راوی خالد بن ایاس ضعیف راوی ہے۔ بعض حضرات نے اس کا نام خالد بن الیاس ذکر کیا ہے۔ صالح سے مراد صالح بن ابی صالح ہے اور ابوصالح کا نام نبہان مدنی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ

ربط: ماقبل ابواب میں رکوع اور سجود کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں سے تشہد کا بیان کر رہے ہیں چونکہ سجود کے بعد آخر میں تشہد پڑھی جاتی

ہے۔اس لئے امام ترمذی تشہد کو ذکر کررہے ہیں۔

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَنْ نَقُولَ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَأَبِي مُوسٰى وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَهُوَ أَصَحُّ حَدِيثٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّشَهُّدِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سکھایا کہ جب ہم دوسری رکعت میں بیٹھیں تو یہ پڑھیں (التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ) اس باب میں حضرت ابن عمر، جابر، ابوموسیٰ، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ان سے کئی اسناد سے مروی ہے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تشہد کے باب میں مروی تمام احادیث میں اصح ہے اور اسی پر اکثر علماء صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے تابعین کا عمل ہے۔حضرت سفیان ثوری، ابن مبارک، احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں۔

تشریح: چند ضروری ابحاث سے قبل تشہد کے الفاظ کی وضاحت سمجھ لیں۔

التحیات للہ: تحیات تحیۃ کی جمع ہے جس کے معنی سلام کے ہیں۔تحیۃ للہ کے معنی نماز پڑھ کر اللہ کے لئے نیازمندی کا اقرار کرنے کے ہیں۔تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء اسی سے ماخوذ ہے۔یہاں مراد تمام قولی عبادتیں ہیں۔

والصلوات: تمام نمازیں اللہ کے لئے ہیں اس سے مراد فعلی عبادات ہیں۔

والطیبات: تمام پاکیزہ چیزیں اسی کے لئے ہیں۔اس سے مراد صدقات ہیں مطلب یہ ہوگا کہ تمام مالی عبادتیں اسی کے لئے ہیں۔گویا تمام قولی عبادتیں، فعلی عبادتیں، مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں۔

السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: آپ ﷺ پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

السلام کے الف لام کے بارے میں تین احتمال ہیں:۔

① السلام پر الف لام عہد ذہنی کا ہے یعنی وہ سلام جو دوسرے انبیاء ورسول کی طرف متوجہ کیا گیا اے نبی! آپ پر ہو اور جو دوسری امتوں کی طرف متوجہ کیا گیا وہ ہم پر ہو۔

② الف لام جنس کا ہو۔یعنی وہ سلام کہ جس کی حقیقت کو ہر کوئی جانتا ہے آپ پر اور ہم پر نازل ہو۔

③ الف لام عہد خارجی کا ہو اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی جانب اشارہ ہوگا "**وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ**"۔

بخاری شریف باب الاخذ بالیدین میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی **السلام علیك** کے بجائے **السلام علی النبی** کہتے تھے۔ جمہور علماء کرام اس تبدیلی کو قبول نہیں کرتے۔ اب بھی امت محمدیہ **السلام علیك ایھا النبی** کہتے ہیں کیونکہ یہ جملے شب معراج کی یادگار ہیں اور یہ جملے پڑھے جاتے ہیں کہے نہیں جاتے جیسے **قل ھو اللہ احد** میں قل کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہا نہیں جاتا ورنہ قل کی ضرورت نہیں تھی۔

اس روایت کی بناء پر بعض اہل ظواہر نے کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صیغہ خطاب منسوخ ہے۔ لیکن محققین نے اس کی تردید کی ہے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی یہ کثیر روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ وہ روایات جن میں خطاب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی صیغہ خطاب کے ساتھ ہی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس روایت میں حضرت مجاہد وغیرہ سے غلطی ہوئی ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کسی موقع پر بیان جواز کے لئے غائب کا صیغہ استعمال کر لیا ہو۔ بہر حال اب بھی صیغہ خطاب ہی کے ساتھ ہے اور یہ واقعہ معراج کی یاد کے طور پر ہے یا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔

السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین: سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔ بخاری شریف باب التشہد میں ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی شخص اس کلمہ کو کہتا ہے تو آسمان وزمین میں موجود تمام نیک بندوں تک اللہ کا سلام پہنچ جاتا ہے۔ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ مجھ پر تو سلام آگیا مگر میری امت محروم نہ رہے، اس پر یہ جملے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے۔

اشھد أن لا الٰہ الا اللہ واشھد أن محمدًا عبدہ ورسولہ: شہادتین کا یہ جملہ شب معراج کے مکالمہ کے بعد یادگار کے طور پر اضافہ کیا گیا اسی کی مناسبت سے اس کا نام تشہد رکھا گیا۔

تشہد کی روایات چوبیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان تمام تشہدات کے الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے اس بات میں اتفاق ہے کہ جو بھی تشہد پڑھا جائے جائز ہے لیکن ان سب میں افضل کون سا ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عمر فاروق، عبداللہ بن عمر، حضرت عائشہ، عبداللہ بن زبیر، جابر بن عبداللہ، ابو سعید خدری، ابو موسیٰ اشعری، معاویہ، سلمان، سمرہ، ابوحمید رضی اللہ عنہم۔ (تفصیل عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۱۸۷ میں موجود ہے)

چند تشہدات کی تفصیل یہ ہے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تشہد: **بسم اللہ التحیات للہ الصلوات للہ الزاکیات للہ السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.** (موطا امام مالک)

تشہد عائشہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم: **بسم اللہ وباللہ التحیات للہ الصلوات والطیبات السلام علیك الی قولہ عبدہ ورسولہ وبعدہ اسئل اللہ الجنۃ واعوذ باللہ من النار۔**

ان تمام تشہدات میں مشہور تین ہیں۔

① **حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد:** **التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیك ایھا النبی**

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...الخ اس کو احناف اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے۔

② حضرت عمر فاروقؓ کا تشہد: التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات الصلوات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس کو امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے۔

③ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا تشہد: باب منہ میں آرہا ہے التحیات المبارکات الصلوات الطیبات للہ سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سلام علینا۔الخ اس کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔

وجوہ ترجیح ہر ایک نے بیان کی ہیں لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کی وجوہ ترجیح راجح ہیں۔

علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن میں بارہ ذکر کی ہیں۔

① عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد اصح مافی الباب ہے اور اس پر محدثین کا اتفاق ہے۔

② صحاح ستہ کے محدثین کے نزدیک یہی تشہد لفظاً و معنیً متفق ہے۔تشہد کے الفاظ اور معنی میں کہیں بھی کسی راوی کا اختلاف نہیں۔اور یہ نادر ہوتا ہے۔تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما صرف امام مسلم نے بیان کیا ہے۔

③ تشہد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحاح ستہ میں موجود ہے حالانکہ جس حدیث کو صرف بخاری و مسلم نقل کردیں وہ اصح ہوتی ہے لیکن یہ تشہد تمام کتابوں میں موجود ہے۔

④ تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جب تعلیم دی گئی تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر دی گئی جسے محدثین کی اصطلاح میں مسلسل بالید کہتے ہیں۔ایسا تشہد دوسری روایات میں نہیں پایا جاتا۔

⑤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے یہ تشہد مجھے ایک ایک کلمہ کرکے سکھلایا **فدل علی مزید الاتقان والضبط**

⑥ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے یہ تشہد سکھایا اور آگے سکھانے کا حکم دیا جبکہ باقی تشہدات کے بارے میں ایسا حکم نہیں ہے۔

⑦ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں ہر جملہ کے بعد واو ہے جو عطف کے لئے ہے اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتی ہے جس کی وجہ سے ہر جملہ مستقلاً ثناء پر دلالت کرتا ہے۔

⑧ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد نقل کرنے والے کثیر صحابہؓ ہیں اس کے ثبوت اور قوت کے لئے جو رواۃ موجود ہیں وہ دوسرے کسی تشہد کے لئے نہیں۔

⑨ عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کے الفاظ میں کسی کا اختلاف نہیں جبکہ دوسرے تشہدات کے الفاظ میں رواۃ کا اختلاف ہے اور متفق رواۃ والی روایات اولیٰ ہیں مختلف رواۃ والی سے۔

⑩ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد کا ثبوت صیغہ امر سے ہے چنانچہ احادیث میں اس کے لئے "فلیقل" "قولوا" اور "فقولوا" کے الفاظ آئے ہیں جبکہ دوسرے تشہدات میں امر کا صیغہ نہیں آیا۔

⑪ آپ ﷺ کے تشہد کی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد ہے۔آپ ﷺ کی سنت قولیہ اور سنت فعلیہ کے موافق ہے۔

⑭ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد پر اکثر صحابہ وتابعین اور ان کے بعد آنے والے علماء کرام اور ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔

(معارف السنن جلد ۳ ص ۹۱-۹۲) درج بالا تمام وجوہ ترجیح معارف السنن سے لی گئی ہیں۔ تا کہ قارئین کو کامل استفادہ ہو جائے۔ وگرنہ مکررات کو حذف کر کے چند وجوہ ترجیح بنتی ہیں۔

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَطَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ فَكَانَ يَقُولُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ سَلَامٌ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ سَلَامٌ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حُمَيْدٍ الرُّؤَاسِيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ نَحْوَ حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَرَوَى أَيْمَنُ بْنُ نَابِلٍ الْمَكِّيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَذَهَبَ الشَّافِعِيُّ إِلَى حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي التَّشَهُّدِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں تشہد اس طرح سکھاتے تھے جس طرح قرآن سکھاتے اور فرماتے **التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ** سے آخر حدیث تک تمام بابرکت تعریفات اور (ترجمہ) تمام مالی وبدنی عبادات اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلام میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس حسن صحیح غریب ہے عبدالرحمن بن حمید رواسی نے بھی یہ حدیث ابوزبیر سے لیث بن سعد کی روایت کے مثل بیان کی ہے اور ایمن بن نابل مکی نے بھی یہ حدیث ابوزبیر سے روایت کی ہے لیکن یہ غیر محفوظ ہے امام شافعی تشہد میں اس حدیث کی طرف گئے ہیں۔

تشریح: اس باب میں تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر ہے۔ تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تشہد ابن عباس رضی اللہ عنہ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

① تشہد ابن عباس میں **التحیات للہ المبارکات** کے الفاظ ہیں جو کہ تکرار پر دلالت کرتے ہیں کہ التحیات سے مراد بھی قولی عبادتیں اور مبارکات سے مراد بھی قولی عبادتیں ہیں۔ لہٰذا ایک جملہ میں تکرار آ گیا جو کہ درست نہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں تکرار نہیں ہے۔ ② اس میں واو مذکور نہیں ہے جبکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں واو کا ذکر موجود ہے۔

③ اس میں دونوں جگہ **سلام** نکرہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تشہد میں سلام معرف باللام استعمال ہوا ہے۔

④ اس میں **عبدہ** کا لفظ نہیں گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت کا تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان وجوہ کے لحاظ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد افضل ہے۔

قال ابو عیسٰی...... عبدالرحمٰن بن حمید الرواسی: یہ منسوب ہے رواس بن کلاب کی طرف۔ لغت میں رواس

العظیم الرأس (بڑے سر والے) کو کہتے ہیں۔

غیر محفوظ: کیونکہ اس میں ایک راوی ابن نابل ہے اگرچہ خود یہ راوی ثقہ ہے لیکن کسی نے اس کی متابعت اختیار نہیں کی۔ امام نسائیؒ اسکی روایت تخریج کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ **لا نعلم احداً تابع ایمن علی ھذا وھو خطأ** ایمن کی کسی نے متابعت نہیں کی۔

بَابُ مَا جَآءَ أَنَّهُ يُخْفِي التَّشَهُّدَ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يُخْفِيَ التَّشَهُّدَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تشہد آہستہ پڑھنا سنت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے۔

تشریح: **تشھد** کا آہستہ پڑھنا مسنون ہے ''**عندھم جمیعًا**'' اور جہراً پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر کسی نے جہراً پڑھ لی تو اس پر سجدہ سہو نہیں آئے گا کیونکہ سجدہ قراءۃ میں واجب ہوتا ہے کہ جہاں جہراً پڑھنے کا حکم ہے وہاں اخفاء کے ساتھ پڑھے اور جہاں اخفاء قراءت کا حکم ہے وہاں جہراً پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور ہمارے نزدیک سجدہ سہو واجب کے ترک کرنے سے لازم ہوتا ہے سنت کے ترک کرنے سے لازم نہیں آتا۔ جبکہ تشہد کو آہستہ پڑھنا سنن صلوٰۃ میں سے ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۹۳)

بَابُ كَيْفَ الْجُلُوسُ فِي التَّشَهُّدِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى يَعْنِي عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز ضرور دیکھوں گا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد کے لئے بیٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ابن مبارک اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: **تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت:** اس حدیث میں آپ ﷺ کے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ بتلا رہے ہیں کہ آپ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں پیر بچھایا کرتے تھے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے تھے۔

افتراش وتورک کی تعریف: افتراش یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا دے۔ اور تورک کی تعریف یہ ہے

کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں کو ایک طرف نکال دے یا دونوں پاؤں کو ایک طرف نکال دے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا افضل طریقہ یہی ہے جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا یا ''تورك'' افضل ہے۔ تورک وافتراش میں سے افضل کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک سلام والے قعدہ میں تورّک اور پہلے قعدہ میں افتراش مسنون ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک اگر دو قعدے ہوں تو دوسرے قعدہ میں تورّک اور پہلے قعدہ میں افتراش مسنون ہے اور اگر ایک ہی قعدہ ہے تو اس میں افتراش ہی ہوگا۔ امام مالکؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورّک ہے۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش مسنون ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: اگلی حدیث ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''**فاذا جلس فی الرکعة الاخرة قدم رجله الیسریٰ ونصب الاخری وقعد علی مقعدته**''۔

جواب: یہ حدیث حالت عذر پر محمول ہے۔ **جواب ثانی:** بیان جواز کے لئے ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: حضرت عبیداللہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ وہ مطلقاً تورّک کیا کرتے تھے۔

جواب: یہ بھی حالت عذر پر محمول ہے اسکی دلیل موطا امام مالک میں یہ الفاظ ہیں ''**وانما افعل هٰذا من اجل انی اشتکی**''

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **عَنْ وائل ابْنِ حُجْرٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى صَلَاةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى يَعْنِي عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى.** آگے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **هٰذا حديث حسن صحيح والعمل عليه عند اكثر اهل العلم وهو قول سفيان الثوری وابن المبارك وأهل الكوفة**۔

شوافع حضرات اس قعدہ کو قعدہ اولیٰ پر محمول کرتے ہیں لیکن یہ تاویل بعید ہے کیونکہ اس میں حضرت وائل کا فرمان **لا نظرن الی صلوٰة رسول الله** ﷺ آپ ﷺ کی نماز کو اہتمام کے ساتھ دیکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر ان دونوں حالتوں میں کچھ فرق ہوتا تو حضرت وائل ﷺ اُسے ضرور بیان فرماتے۔ لہٰذا شوافع کا یہ جواب دینا مفید استدلال نہیں ہوسکتا۔

دلیل ثانی: حدیث رفاعہ ''**ان النبی** ﷺ **قال للاعرابی اذا جلست فاجلس علی رجلك اليسری**'' (رواہ ابوداؤد)

آپ ﷺ نے ایک اعرابی کو فرمایا کہ جب تو (تشہد کیلئے) بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھ۔

دلیل ثالث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ ''**من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم اليمنی واستقبال باصابعها القبلة والجلوس علی اليسری**'' (رواہ النسائی)۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ افتراش افضل ہے تورک سے۔

بَاب مِنْهُ أَيْضًا

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ حضرت عباس بن سہل ساعدی فرماتے ہیں کہ ابوحمید، ابواسید،

سُلَيْمَانَ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنِي عَبَّاسُ بْنُ سَهْلٍ السَّاعِدِيُّ قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حُمَيْدٍ وَأَبُو أُسَيْدٍ وَسَهْلُ بْنُ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَعْنِي لِلتَّشَهُّدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأُصْبُعِهِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالُوا يَقْعُدُ فِي التَّشَهُّدِ الْآخِرِ عَلَى وَرِكِهِ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ أَبِي حُمَيْدٍ قَالُوا يَقْعُدُ فِي التَّشَهُّدِ الْأَوَّلِ عَلَى رِجْلِهِ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ الْيُمْنَى.

سہل بن سعد اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا تذکرہ شروع کر دیا پس ابوحمید رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے متعلق تم سب سے زیادہ جانتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشہد کے لئے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا اور سیدھے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کیا پھر سیدھا ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہی بعض علماء کا قول ہے اور یہی امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ آخری تشہد میں اپنی سیرین پر بیٹھے۔ ابوحمید کی حدیث سے انہوں نے استدلال کیا اور کہا کہ پہلے قعدہ میں بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی روایت ذکر کی ہے جس کا کچھ تذکرہ ماقبل میں گزر چکا ہے اس میں ہے کہ انہوں نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھ کر دکھائی اور سب نے اسکی تائید کی، یہاں اس روایت کا مضمون یہی ہے کہ آپ ﷺ جب تشہد کے لئے بیٹھے تو آپ ﷺ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ گئے اور دایاں پاؤں کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ رخ کر دیں اور دائیں ہتھیلی دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث میں آپ ﷺ کے تورک کا ذکر نہیں کیا (بلکہ مختصر روایت ذکر کی) وگرنہ امام ترمذی اس کو ضرور ذکر کرتے کیونکہ باب قائم کرنے کا مقصد یہی ہے۔ اس حدیث کی مزید تفصیل آگے **باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ** میں آ رہی ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ کا قعدہ اخیرہ میں تورک کرنا مروی ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل وہی حدیث ہے لیکن اس حدیث میں انقطاع ہے جس کا ذکر باب کے ذیل میں آ جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِشَارَةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ گھٹنے پر رکھتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی کو اٹھاتے اور دعا کرتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بایاں ہاتھ گھٹنے پر ہوتا اور اس کی

رُكْبَتِهٖ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الَّتِي تَلِي الْإِبْهَامَ يَدْعُو بِهَا وَيَدُهُ الْيُسْرَى عَلَى رُكْبَتِهٖ بَاسِطَهَا عَلَيْهِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَنُمَيْرٍ الْخُزَاعِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ يَخْتَارُونَ الْإِشَارَةَ فِي التَّشَهُّدِ وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا

انگلیاں پھیلی ہوئی ہوتیں۔اس باب میں حضرت عبداللہ بن زبیر، نمیرہ خزاعی، ابوہریرہ، ابوحمید اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حدیث ابن عمر حسن غریب ہے اور اس حدیث کو عبیداللہ بن عمر سے اس سند کے علاوہ نہیں جانتے بعض صحابہ اور تابعین کا بھی اسی پر عمل ہے وہ تشہد میں اشارہ کرنا پسند کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا مسنون ہے اور اس پر چاروں فقہاء کا اتفاق ہے۔اس کی سنیت پر بہت ساری روایات موجود ہیں۔چونکہ روایات مختلف ہیں اس لئے ائمہ کرام رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔

مسئلہ اولیٰ: تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا حکم: اس میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

قول اوّل: جمہور فقہاء ائمہ اربعہ متقدمین اس بات پر متفق ہیں کہ تشہد میں شہادت توحید کے وقت اشارہ **بالمسبحة** مسنون ہے۔

قول ثانی: البتہ بعض متاخرین ماوراء النہر اس کی مسنونیت کے قائل نہیں ہیں۔چونکہ حنفیہ کی ظاہر الروایۃ اور متون معتبرہ میں اشارہ بالسبابہ کا ذکر نہیں ملتا نہ اثباتاً اور نہ ہی نفیاً، اس کی بناء پر بعض متاخرین نے اشارہ بالسبابہ کو غیر مسنون قرار دیا ہے۔نفی کرنے والوں میں حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی ہیں۔بعض حضرات نے اتنی تشدید کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بدعت ہے اور بعض حضرات نے اس کو مکروہ کہا ہے اور بعض نے حرام تک کہا ہے۔لیکن یہ درست نہیں اس لئے کہ امام محمدؒ نے موطا میں تصریح کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اشارہ مسنون ہے اور اس کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے کہ قاضی ابو یوسف صاحب کا بھی یہی مذہب منقول ہے کہ یہ مسنون ہے۔

جمہور فقہاء کی دلیل: احادیث کثیرہ صحیحہ ہیں جن میں سے ایک حدیث امام ترمذیؒ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی نقل کی ہے اور باقی پانچ کا حوالہ دیا ہے ان روایات میں اشارہ کا اثبات ہے ان روایات کا حاصل یہ ہے کہ شہادت توحید کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ بالمسبحہ ثابت ہے۔

عدم قائلین کی دلیل اوّل: احادیث متعلقہ بالاشارہ بالمسبحہ فی التشہد میں اضطراب ہے اور اضطراب عمل سے مانع ہوتا ہے۔یہ ایسے ہے جیسے حدیث قلتین میں اضطراب ہے اور اسی اضطراب کی وجہ سے احناف نے اس پر عمل نہیں کیا۔

جواب: یہ اضطراب ہمیں مسلّم نہیں کیونکہ اضطراب تو تب ہو کہ جب حدیث ایک ہو اور الفاظ کئی ہوں جبکہ اشارہ کے متعلق تو احادیث کئی ہیں اور اس کو حدیث قلتین پر قیاس بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہاں تطبیق نہیں ہوسکتی برخلاف اس حدیث کے کہ کیفیت اشارہ میں تطبیق ہوسکتی ہے جس کیفیت پر بھی عمل کیا جائے جائز ہے۔اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

دلیل ثانی: اگر تشہد میں اشارہ بالمسبحہ کیا جائے تو پھر ان احادیث کی مخالفت لازم آئے گی جن میں بسط الاصابع کا ذکر ہے مثلاً

یہی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے اس میں **باسطها اصابعه** کے الفاظ ہیں۔

جواب: بسط اصابع کا ذکر ابتداء تشہد کے اعتبار سے ہے وقت اشارہ کے اعتبار سے نہیں۔

دلیل ثالث: اگر اشارہ بالمسبحہ کیا جائے تو انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف سے ہٹا ہوا ہوگا حالانکہ ہر عضو قبلہ کی طرف ہونا چاہیے جیسا کہ سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کا ذکر ہے حالانکہ وہاں مشقت بھی ہے۔

جواب: اشارے کے وقت انگلیوں کا قبلہ رخ نہ رہنا یہ باعث عیب نہیں جیسے قیام کی حالت میں انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف نہیں رہتا۔ لہٰذا جمیع احوال میں استقبال قبلہ مطلوب نہیں ہوتا۔

دلیل رابع: اشارہ بالمسبحہ کی ضرورت نہیں اور اس کو تکبیر تحریمہ والی رفع یدین پر قیاس بھی نہیں کر سکتے کیونکہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین کی ضرورت ہے بہروں کو بتلانے کے لئے اور یہاں پر تو بتلانے کی ضرورت نہیں۔

جواب: اگر اشارہ کی ضرورت نہ ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کرتے مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے **هی اشد علی الشیطان من الحدید**۔ اس میں حکمت بھی ہے کہ جس طرح توحید کا اقرار زبان سے ہے اسی طرح عمل سے بھی ہونا چاہیے۔

دلیل خامس: اشارہ بالمسبحہ کیا جائے تو اس سے فرق باطلہ کے ساتھ مشابہت لازم آئے گی کیونکہ وہ دوران عبادت انگلیاں ہلاتے رہتے ہیں۔

جواب: جو امر شرعاً ثابت ہو اگر اس کو فاسق لوگ کرنے لگ جائیں تو اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

نیز حضرت مجدد الف ثانیؒ نے جو انکار فرمایا ہے ہوسکتا ہے ان تک یہ احادیث نہ پہنچی ہوں۔

مسئلہ ثانیہ: اشارہ بالمسبحہ کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے تین طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔ ① دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اس طرح سے رکھے کہ ترپین (۵۳) کا ہندسہ بن جائے۔ ترپین (۵۳) کا عقد اس طرح سے بنتا ہے کہ چھوٹی اور اس کے ساتھ والی دو انگلیاں ملا کر یہ تینوں بند کر لے اور شہادت کی انگلی سیدھی رکھے اور درمیان کی انگلی انگوٹھے کی جڑ میں رکھے۔

② چھوٹی اور اس کے ساتھ والی انگلی بند کرے اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور جب اشارہ کا وقت آئے تو شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔

③ تمام انگلیوں کو بند کر لے اور بوقت اشارہ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔

مسئلہ ثالثہ: اشارہ کے لئے ہاتھ کی ہیئت شروع نماز سے بنائے گا یا اشارہ کے وقت بنائے گا؟ ان دونوں طریقوں میں سے جس کو بھی اختیار کرے گا درست ہے۔

مسئلہ رابعہ: اس اشارہ کی ہیئت کب تک باقی رکھے گا یا اشارہ کرتے ہی ختم کر دے گا؟ اس بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ احناف فرماتے ہیں کہ اشارہ کرنے کے بعد انگلی کو ساکن کر دے حرکت نہ دیتا رہے کیونکہ فقہ کی کتابوں میں لفظ یضع آیا ہے یعنی انگلی رکھ دے۔ بعض حضرات نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ انگلی کو اخیر تک حرکت دیتا رہے۔ لیکن یہ قول اگر تھانویؒ کا تھا بھی تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا جس کا ذکر امداد الفتاوی جلد ا ص ۲۰۷ میں ہے۔ امام شافعیؒ کا قول

یہ ہے کہ انگلی کو آخر صلوٰۃ تک حرکت دیتا رہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک انگلی کو دائیں اور بائیں حرکت دیتا رہے گا۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۱۰۶)

مسئلہ خامسہ: اشارہ بالمسبحہ کا وقت کیا ہے کس وقت اشارہ کرے گا؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ **لا الٰہ** پر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور اثبات **الا اللہ** پر رکھ دے۔ احناف فرماتے ہیں کہ اس اشارہ میں حکمت یہ ہے کہ **لا الٰہ** سے مطلق نفی ہوتی ہے اور ایک انگلی کے اشارے سے اللہ کی الوہیت کا استثناء ہوتا ہے اور **الا اللہ** پر شہادت کی انگلی رکھ دے کیونکہ اب فعلی اثبات کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۰۵)

جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ انگلی اثبات کے وقت اٹھائے تاکہ قول وفعل میں مطابقت ہو جائے۔

واضح رہے کہ اشارہ ایک انگلی سے کیا جائے گا دو انگلیوں سے نہیں مشکوٰۃ کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے دو انگلیوں سے اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے اس کو ٹوکا اور فرمایا اَحِّدْ اَحِّدْ ایک انگلی سے اشارہ کر، ایک انگلی سے اشارہ کر۔" رواہ النسائی فی باب النھی عن الاشارۃ باصبعین" ص ۱۸۷ ترمذی ص ۹۰۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْلِيمِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَالْبَرَاءِ وَعَمَّارٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَعَدِيِّ بْنِ عَمِيرَةَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ **قَالَ أَبُو عِيسٰى** حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دائیں اور بائیں سلام پھیرتے اور فرماتے **اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ** یعنی تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔ اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، جابر بن سمرہ، براء، عمار، وائل بن حجر، عدی بن عمیرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اسی پر صحابہ اور بعد کے اکثر اہل علم کا عمل ہے یہ قول سفیان ثوری ابن مبارک احمد اور اسحاق کا بھی ہے۔

تشریح: سلام کے متعلق دو مسئلوں کا بیان ہے ایک مسئلہ سلام کے عدد کتنے ہیں؟ دوسرا مسئلہ سلام کا حکم کیا ہے؟

مسئلہ اولیٰ: نماز کے آخر میں کتنے سلام ہیں ایک سلام ہے یا دو؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہر نمازی کے لئے دو سلام ہیں ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ یہی مسلک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمارؓ، ابن مسعودؓ کا ہے اور تابعین میں عبدالرحمٰن السلمی، عطاء بن ابی الرباح، شعبی، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ اور ابن المنذر کا قول ہے۔ (کمافی المغنی جلد اوّل ص ۵۹۲)

قول ثانی: امام مالکؒ، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا مسلک یہ ہے کہ امام کے ذمہ ایک سلام ہے اور مقتدیوں کے ذمہ تین سلام

ہیں ایک سامنے کی طرف اور ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔صحابہؓ میں سے حضرت عمارؓ اور ابی عمارؓ کا یہی قول ہے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ اگر مسجد چھوٹی ہو تو امام کے ذمہ ایک سلام ہے اور مسجد بڑی ہو تو امام کے ذمہ دو سلام ہیں۔

(معارف السنن ج ۳ ص ۱۱۰) .....ان اقوال میں اصل اختلاف قول اوّل اور قول ثانی کا ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل اوّل: اگلے باب منہ ایضاً میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **اِنّ رسول اللہ ﷺ کان یسلم فی الصلٰوۃ تسلیمۃ واحدۃ تلقاء وجھہ ثم یمیل الی الشق الایمن شیئًا۔**

جواب اوّل: یہ حدیث ضعیف ہے اس میں ایک راوی زہیر بن محمد موجود ہیں ان کے بارے میں امام بخاریؒ کا مقولہ ہے کہ ان سے اہل شام منکر احادیث روایت کرتے ہیں اور یہ روایت بھی اہل شام ہی کی ہے۔لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں۔

جواب ثانی: رسول کریم ﷺ کے سلام کی ابتداء تلقاء وجہہ سے ہوتی پھر گردن دائیں اور بائیں جانب پھیر لیتے تھے۔

جواب ثالث: بعض حضرات نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ دائیں طرف تو جہراً سلام پھیرتے تھے تاکہ سب سن لیں اور بائیں طرف آہستہ سلام پھیرتے تھے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ چونکہ آخری صفوں میں یا حجرے میں ہوتی تھیں اس لئے وہ یہ سمجھیں کہ سلام ایک ہی ہے۔

جواب رابع: اس حدیث کے مقابلے میں دو سلام کے متعلق احادیث مثبت للزیادۃ ہونے کی وجہ سے راجح ہیں۔

جواب خامس: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقابلہ میں دیگر اکابر رجال صحابہؓ سے دو سلام منقول ہیں اور ظاہر ہے کہ اکابر رجال صحابہؓ پر یہ بات زیادہ منکشف ہوگی بنسبت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ تو پچھلی صفوں میں ہوتی تھیں۔یا حجرہ مبارکہ میں۔

دلیل ثانی: سنن نسائی جلد اوّل ص ۹۹ **باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء** ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اس میں سالم بن عبداللہ اپنے والد حضرت ابن عمرؓ کی صلٰوۃ سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں **فصلی العشاء الاخرۃ ثم سلم واحدۃ تلقاء وجھہ ثم قال قال رسول اللہ ﷺ اذا حضر احدکم امر یخشی فوتہ فلیصل ھذہ الصلٰوۃ۔**

جواب: بعض حضرات نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ یہ حالت عذر پر محمول ہے جیسا کہ روایت میں آخری جملہ اس پر دلالت کررہا ہے۔لیکن یہ جواب احناف کے نزدیک اس لئے درست نہیں کہ ان کے ہاں دونوں سلام واجب ہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب **عن عبد اللہ عن النبی ﷺ أنہ کان یسلم عن یمینہ وعن یسارہ. السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ.** امام ترمذی اس حدیث کو حسن صحیح بھی کہہ رہے ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں **کنت اری رسول اللہ ﷺ یسلم عن یمینہ وعن یسارہ۔** (مسلم، طحاوی)

دلیل ثالث: مسلم شریف اور طحاوی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں **ثم یسلم عن یمینہ و شمالہ** اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دو سلام ہیں۔

دلیل رابع: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ’’**صلیت مع النبی ﷺ یسلم عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ**

الله، و عن شماله السلام علیکم ورحمة الله'' اسکے علاوہ بھی علامہ عینی ۲۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لکھ کر فرماتے ہیں فھولاء عشرون صحابیا رووا عن رسول الله ﷺ ان المصلی یسلم فی آخر صلوته تسلیمتین. (عمدۃ القاری جلد ۶ ص ۱۲۴)

مسئلہ ثانیہ: سلام کا کیا حکم ہے؟ سنت ہے یا واجب ہے؟ اس بارے میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔ پہلا سلام تو بالاتفاق واجب ہے دوسرا سلام شوافع اور مالکیہ کے نزدیک مسنون ہے۔ احناف کے ہاں دو قول ہیں۔ ① واجب ہے یا ② سنت ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فرض یا سنت ہے۔

بَابُ مِنْهُ أَيْضًا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ زُهَيْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهِ ثُمَّ يَمِيلُ إِلَى الشِّقِّ الْأَيْمَنِ شَيْئًا قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ عَائِشَةَ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ زُهَيْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَهْلُ الشَّامِ يَرْوُونَ عَنْهُ مَنَاكِيرَ وَرِوَايَةُ أَهْلِ الْعِرَاقِ عَنْهُ أَشْبَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ كَأَنَّ زُهَيْرَ بْنَ مُحَمَّدٍ الَّذِي كَانَ وَقَعَ عِنْدَهُمْ لَيْسَ هُوَ هٰذَا الَّذِي يُرْوَى عَنْهُ بِالْعِرَاقِ كَأَنَّهُ رَجُلٌ آخَرُ قَلَبُوا اسْمَهُ وَقَدْ قَالَ بِهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي التَّسْلِيمِ فِي الصَّلَاةِ وَأَصَحُّ الرِّوَايَاتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمَتَانِ وَعَلَيْهِ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَرَأَى قَوْمٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً فِي الْمَكْتُوبَةِ قَالَ الشَّافِعِيُّ إِنْ شَاءَ سَلَّمَ تَسْلِيمَةً وَاحِدَةً وَإِنْ شَاءَ سَلَّمَ تَسْلِيمَتَيْنِ.

حضرت ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ، اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ایک سلام چہرہ کے سامنے کی طرف پھیرتے پھر تھوڑا سا دائیں طرف مائل ہو جاتے، اس باب میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اہل شام زہیر بن محمد سے منکر احادیث روایت کرتے ہیں اہل عراق کی اس سے روایات بہتر ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ زہیر بن محمد جو شام گئے شاید وہ یہ نہیں ہیں جن میں اہل عراق روایت کرتے ہیں شاید وہ کوئی اور ہیں جن کا نام تبدیل کر دیا گیا ہے بعض اہل علم نماز میں ایک سلام پھیرنے کے قائل ہیں جبکہ دو سلام پھیرنے کی روایات اصح ہیں اور اسی پر اہل علم کی اکثریت کا عمل ہے جن میں صحابہ تابعین اور بعد کے علماء شامل ہیں صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ کی ایک جماعت فرض نماز میں ایک سلام پھیرنے کی قائل ہے امام شافعی فرماتے ہیں اگر چاہے تو ایک سلام پھیر لے اور دو سلام پھیرنا چاہے تو دو سلام پھیر لے۔

تشریح: یہ حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے اس کے متعلق جوابات ماقبل میں گزر چکے ہیں۔ یہاں سند پر تھوڑی سی بحث کی جائے گی۔

قال محمد بن اسماعیل زھیر بن محمد اھل الشام: زہیر بن محمد نے شام میں قیام کے دوران اپنے حافظہ پر

اعتماد سے روایات بیان کی تھیں اور وہاں احادیث کی روایت کا یہی طریقہ تھا۔ اسی لئے ان سے غلطی صادر ہو جاتی اور جب وہ عراق تشریف لائے تو وہاں کے رواج و طریقے کے مطابق کاپیوں سے روایات بیان کرنا شروع کر دیں اسلئے ان میں اغلاط نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے فرمایا کہ زہیر بن محمد کی وہ روایات جو شامی تلامذہ بیان کرتے ہیں وہ معتبر نہیں اور وہ روایات جو عراقی تلامذہ بیان کرتے ہیں وہ معتبر ہیں۔

قال محمد وقال احمد بن حنبل: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ زہیر بن محمد دو ہیں ایک شامی ہیں اور دوسرے عراقی ہیں۔ شامی تلامذہ جن زہیر بن محمد سے روایت کرتے ہیں وہ علیحدہ ہیں جن کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور وہ زہیر بن محمد جن سے عراقی تلامذہ روایات کرتے ہیں وہ علیحدہ ہیں۔ گویا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں۔ ناموں کے اشتباہ کی وجہ سے ان کو ایک سمجھ لیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ حَذْفَ السَّلَامِ سُنَّةٌ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ الْهِقْلُ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ حَذْفُ السَّلَامِ سُنَّةٌ قَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ يَعْنِي أَنْ لَا يَمُدَّهُ مَدًّا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ التَّكْبِيرُ جَزْمٌ وَالسَّلَامُ جَزْمٌ وَهِقْلٌ يُقَالُ كَانَ كَاتِبَ الْأَوْزَاعِيِّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلام کو حذف کرنا سنت ہے علی بن حجر کہتے ہیں کہ ابن مبارکؒ فرماتے تھے اس میں مدنہ کیا کرو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم اس کو مستحب کہتے ہیں ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا تکبیر اور سلام دونوں میں وقف کیا جائے اور ہقل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امام اوزاعی کے کاتب تھے۔

تشریح: حذف السلام: اس کا معنی ہے سلام کے آخر میں وقف کرنا بغیر مد کے۔ ورحمۃ اللہ کی ''ہ'' پر وقف کیا جائے۔ یعنی اس کی حرکت کو ظاہر نہ کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ اس کے آخر میں مدنہ کی جائے۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ سلام کے آخر میں جزم ہونی چاہیے جس طرح تکبیر میں اگر ایک سانس میں دو یا چار کلمات ادا کئے جائیں تو ہر کلمہ مجزوم ہوتا ہے اسی طرح سلام کے آخر میں بھی حرکت ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں سنّۃ کہا اس سے حدیث کا مرفوع ہونا معلوم ہو گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس حدیث میں ایک راوی قرہ بن عبدالرحمٰن ہیں بعض حضرات نے کہا کہ ان کو قرہ بن جوئیل کہا جاتا ہے یہ مختلف فیہ راوی ہے اکثر حضرات نے اس کی تضعیف کی ہے تقریب میں کہا ہے کہ **صدوق له مناکیر**۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۱۱۷)

بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلَاةِ

اس ترجمۃ الباب میں نماز کے بعد جو اذکار مسنون ہیں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ چند اذکار مسنون یہ ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سلام پھیرتے تو صرف اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر میں یہ دعا

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَا يَقْعُدُ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَقَالَ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ ثَوْبَانَ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى خَالِدٌ الْحَذَّاءُ هٰذَا الْحَدِيثَ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ نَحْوَ حَدِيثِ عَاصِمٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ بَعْدَ التَّسْلِيمِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ وَرُوِيَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

پڑھتے (اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ)۔ ہناد، مروان بن معاویہ اور ابو معاویہ سے اور وہ عاصم سے اسی سند کی مثل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ اس باب میں حضرت ثوبان، ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید، ابوہریرہ اور مغیرہ بن شعبہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حسن صحیح ہے نبی صلی کریم اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد فرماتے (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں بادشاہت اور تعریفیں اسی کے لئے ہیں وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو عطا کرے اسے روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو نہ دینا چاہے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کام نہیں آتی) اور یہ بھی پڑھتے (ترجمہ) آپ کا رب بڑی عظمت والا اور ان باتوں سی پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔

تشریح: **پہلا ذکر:** حدیث عائشہ ﷞ میں ہے کہ آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اتنی مقدار بیٹھتے تھے جس میں یہ دعا پڑھی جاسکتی ہو اللّٰھم انت السلام و منک السلام تبارکت ذاالجلال والاکرام پہلے سلام سے مراد اللہ کی صفات اور دوسرے سلام سے مراد لغوی معنی ہے۔ ایک معنی تو یہ ہے کہ اے اللہ! آپ سلامتی دینے والے ہیں۔ اور اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! آپ عیوب سے محفوظ اور سالم ہیں۔ اور آپ کی ہی طرف سے سلامتی حاصل ہوتی ہے اور آپ کی ذات بڑی بابرکت ہے یعنی آپ عالی مرتبہ ہیں۔ اے جلالت وعظمت اور عزت واکرام والے اس حدیث میں ذوالجلال سے پہلے حرف ندا ''یا'' محذوف ہے۔ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ فرض نمازوں کے بعد باقاعدہ دعا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی مانند کوئی دوسرا ذکر کر کے گھر تشریف لے جاتے اور وہاں سنت ادا فرماتے۔

اس حدیث میں یہ الفاظ نہیں ''حینا ربنا بالسلام و ادخلنا دار السلام'' لہٰذا یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ اگر کسی نے ان کا اضافہ کر دیا ہے تو جائز ہے البتہ ماثورہ الفاظ میں تبدیلی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

دوسرا ذکر: جسکا حوالہ امام ترمذیؒ نے دفی الباب کے ذیل میں دیا ہے **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔**

''جدّ'' کے مختلف معنی کیے گئے ہیں۔ ① ''**بفتح الجیم**'' بمعنی عظمت، مالداری، نسب۔

امام تور بشتیؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی غنی کا غنا اس کو نفع نہیں دے سکتا۔ یا معنی یہ ہے کہ اس غنی شخص کا غنا اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ عظمت والا معنی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کسی آدمی کی عظمت اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

② بعض نے کہا کہ اس کا عطف ماقبل پر ہے تو معنی یہ ہوگا ''**ای ولا ینفع عطاء ہ کما لا یضر منعہ**'' یعنی جس طرح اس کا دینا نفع نہیں دے سکتا اسی طرح اس کا روکنا ضرر نہیں پہنچا سکتا اور ''**ذا الجد**'' منادی ہے۔

③ بعض نے کہا ''جد'' سے مراد ابو الاب یا ابو الام ہے۔ مطلب یہ ہوگا کسی کا ذی نسب ہونا اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

④ بعض روایات میں بکسر الجیم بھی ہے مطلب یہ ہوگا نہیں نفع دے گی کسی کوشش کرنے والے کو اس کی کوشش آپ کے مؤاخذہ کے بدلہ میں جب تک کہ آپ کی توفیق اور قبول شامل حال نہ ہو۔ نیز مخلوق جو نفع و نقصان پہنچاتی ہے وہ اللہ کے حکم اور ارادہ سے ہے ...... یہ ناممکن ہے کہ کوئی خدا کا مقابلہ کر کے کسی کو نفع نقصان پہنچائے۔

تیسرا ذکر: **وروی أنہ کان یقول سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین.**

چوتھا ذکر: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر جب گھر کی طرف لوٹنے کا ارادہ فرماتے تو پہلے تین بار **استغفر اللہ** فرماتے اس کے بعد فرماتے **انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔**

اس بات کو سمجھنے کے بعد چند مسائل سمجھ لیں۔ ① فرائض نماز کے بعد دعا ثابت من السنۃ ہے یا نہیں۔ ② فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت اور اس پر دلائل:

مسئلہ اولیٰ: **فرض نماز کے بعد دعا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے؟** یہ مسنون ہے۔ اور نوافل کے بعد اجتماعی دعا نہ آپ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ کسی دلیل سے، نمازوں کے بعد دعا مانگنے کے متعلق حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے ایک رسالہ مستجاب الدعوات عند عقیب الصلوٰت مرتب کیا ہے جو امداد الفتاویٰ کی جلد اوّل میں موجود ہے تفصیل کیلئے وہاں مراجعت کر لیں۔

اس مسئلہ کے بارے میں حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے بلاد پاک و ہند میں دعا کو خصوصی جامہ پہنایا جاتا ہے کہ امام پہلے مقتدیوں کی طرف رخ موڑتا ہے پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتا ہے پھر امام بلند آواز سے کہتا ہے ''الفاتحۃ'' پھر امام اور مقتدی سب فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں پھر بعض امام پھر بلند آواز سے کہتے ہیں **الی روح النبی الکریم الفاتحۃ** پھر اس پر مواظبت اختیار کی جاتی ہے اور اس التزام کو واجب کا درجہ دیا جاتا ہے۔ اگر اس دوران کوئی اس کی مخالفت کر لے تو شدید جھگڑا کھڑا ہو جائے۔ پھر جب دعا کا اختتام ہوتا ہے تو اسی طرح سورۂ فاتحہ کے جہراً پڑھنے کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۱۲۴۔۱۲۵)

اب دوسری جانب نوافل و سنن کے بعد کی دعا کو بدعت کہنے والوں نے بھی غلو کرتے ہوئے فرائض کے بعد کی دعا کو بدعت کہنا

شروع کر دیا حالانکہ یہ سنت سے ثابت ہے۔آپ ﷺ نے اجتماعی دعا مانگی ہے اور جہراً مانگی ہے بعض لوگوں نے اس کو بدعت کہہ کر اس کو ترک کرنے پر التزام کیا ہے یہ بھی درست نہیں۔

اس کے بارے میں افراط وتفریط سے بچنے کے لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن فرائض کے بعد سنن ہیں ان فرائض سے فارغ ہونے کے بعد مختصراً دعا مانگی جائے پھر سنن ونوافل سے فارغ ہو کر اذکار مسنونہ پڑھ کر انفراداً دعا مانگی جائے۔اور جن فرائض کے بعد نوافل وسنن نہیں ان نمازوں کے سلام کے بعد کچھ اذکار سبحان اللہ، ۳۳بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ کر سراً دعا مانگے۔تاکہ ہر آدمی اپنی حاجت براری کے لئے دعا مانگ سکے،اس میں یہ خاص خیال کیا جائے کہ اس میں دعا التزام نہیں ہونا چاہیے کبھی چھوڑ دی جائے۔اور شخص جانا چاہے تو بغیر دعا کے جا بھی سکتا ہے اس پر نکیر نہ کی جائے۔اور یہ بات ضروری نہیں کہ امام کی دعا کے اختتام پر مقتدی بھی اپنی دعا ختم کر دے بلکہ مقتدی دعا کو طویل بھی کر سکتا ہے اور بسا اوقات مقتدیوں کو دعا سکھلانے کے لئے جہراً پڑھی جائے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔آپ ﷺ نے جہراً دعائیں مانگی ہیں تو ہم تک ان کا ثبوت پہنچا ہے۔

گویا اس تفصیل سے دو باتیں قابل غور ہیں ایک ہیئت اجتماعی نہ ہو اور دوسرا التزام نہ ہو۔

جب امام سراً دعائیں کرے گا تو ہر شخص اپنی مراد خود مانگے گا اس سے ہیئت اجتماعی خود بخود ختم ہو جائے گی اور جن نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں چونکہ لوگ نوافل سے فارغ ہو کر دعا مانگیں گے تو سب لوگ نوافل سے ایک ساتھ فارغ تو نہیں ہوں گے اس لئے اس میں بھی ہیئت اجتماعی خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔اور التزام کو ختم کرنے کے لئے امام کو وقتاً فوقتاً مقتدیوں کو یہ سمجھانا چاہیے کہ امام اور مقتدیوں کا تعلق ورابطہ سلام پر ختم ہو جاتا ہے کسی کو کوئی ضروری کام یا جلدی جانا ہو تو وہ جا سکتا ہے بلکہ خود امام کو اگر جانا ہو تو وہ بھی جا سکتا ہے اور دوسرے لوگ اپنی تسبیحات مکمل کر کے دعا کر کے جا سکتے ہیں۔اس سے یہ التزام بھی ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ ثانیہ: دعا کی کیفیت کیا ہوگی؟ اس بات کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھیں کہ اذکار کی دو قسمیں ہیں۔اذکار متواردہ۔دوسرے اذکار غیر متواردہ۔اذکار متواردہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی فعل کے ساتھ ساتھ کوئی ذکر مسنون ہو۔مثلاً کھانا کھانے سے پہلے تسمیہ پڑھنا، کھانے کے بعد الحمد للہ کہنا، چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا اور اس کے جواب میں **یرحمك الله** کہنا، بیت الخلاء جانے سے پہلے ''**اللّٰھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث**'' کہنا اور جب باہر نکلے تو **غفرانك** کہنا اس طرح کی تمام دعائیں اذکار متواردہ کہلاتی ہیں ان کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

دوسرے اذکار غیر متواردہ: مثلاً فرائض کے بعد دعا کرنا یا کسی کی حاجت براری کیلئے دعا کرنا۔ایسی دعاؤں کیلئے ہاتھ اٹھانا مسنون ہے۔

فرائض کے بعد کی دعا چونکہ دوسری اقسام میں سے ہے لہٰذا اس کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے اس کے لئے چند دلائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

دلیل اوّل: ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت تخریج کی ہے ''**ان رسول الله ﷺ رفع يديه بعدما سلم وهو مستقبل القبلة فقال: اللهم خلص الوليد ابن الوليد، ذكره ابن كثير في قوله تعالىٰ الا المستضعفين من الرجال والنساء**''۔

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں اسود عامری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: **صليت مع رسول الله ﷺ الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا۔**

دلیل ثالث: ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: **ان النبی ﷺ قال ما من عبد يبسط كفيه فی دبر كل صلوة يقول: اللّٰهم الهی واله ابراهيم و اسحاق و يعقوب الا كان حقاً على الله أن لا يرد يديه خائبين۔** (معارف السنن ج۳ ص ۱۲۳)

دلیل رابع: طبرانی الکبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طبرانی اوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ **صلى رسول الله ﷺ الفجر ثم اقبل على القوم فقال اللّٰهم بارك لنا فی مدينتنا و بارك لنا فی مدنا و صاعنا.**

(ذكرهما السمهوی فی الوفاء جلد اوّل ص ۳۷۔۳۸)

بَابُ مَا جَآءَ فِي الْاِنْصِرَافِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَنْصَرِفُ عَلَى جَانِبَيْهِ جَمِيعًا عَلَى يَمِينِهِ وَعَلَى شِمَالِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ هُلْبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ يَنْصَرِفُ عَلَى أَيِّ جَانِبَيْهِ شَاءَ إِنْ شَاءَ عَنْ يَمِينِهِ وَإِنْ شَاءَ عَنْ يَسَارِهِ وَقَدْ صَحَّ الْأَمْرَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُرْوَى عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ إِنْ كَانَتْ حَاجَتُهُ عَنْ يَمِينِهِ أَخَذَ عَنْ يَمِينِهِ وَإِنْ كَانَتْ حَاجَتُهُ عَنْ يَسَارِهِ أَخَذَ عَنْ يَسَارِهِ.

حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری امامت کرتے اور پھر دونوں جانب گھوم کر بیٹھتے کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود، انس، عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ہلب کی حدیث حسن ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ جس طرف چاہے گھوم کر بیٹھے چاہے تو دائیں جانب سے اور چاہے تو بائیں جانب سے یہ دونوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آپ کو داہنی طرف سے کوئی حاجت ہوتی تو دائیں طرف اور اگر بائیں طرف سے کوئی حاجت ہوتی تو بائیں طرف سے گھوم کر بیٹھتے۔

تشریح: **فَيَنْصَرِفُ:** اِنْصِرَاف کا بعض حضرات نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سلام کے بعد دائیں طرف سے پھر کر یا بائیں طرف سے پھر کر مقتدیوں کی طرف رخ کرنا اور قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے بعد دائیں طرف جانا یا بائیں طرف جانا حضور ﷺ سے دونوں طرف جانا ثابت ہے کسی ایک جہت کو خاص کرنا بدعت ہے۔ یہاں پر معنی ثانی مراد ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس باب سے امام ترمذیؒ کا مقصد یہ ہے کہ امام جانب یمین کے انصراف کو

ضروری نہ سمجھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے **لا یجعل احد کم للشیطان حظه فی صلاته** کہ تم میں کوئی بھی شیطان کے لئے اپنی نماز میں حصہ نہ بنائے۔۔۔۔حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں وارد ہونے والی احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان کو دائیں طرف جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو دائیں جانب سے چلا جائے اور اگر ضرورت بائیں جانب ہو تو پھر بائیں جانب سے چلا جائے اور اگر حاجت نہ دائیں جانب میں ہو اور نہ ہی بائیں جانب میں ہو تو پھر دائیں جانب کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔لیکن دائیں جانب کو لازم نہ سمجھے بغیر لازم سمجھے دائیں طرف سے مڑے حضرت عائشہؓ کی حدیث کی وجہ سے **کان رسول اللہ ﷺ یحب التیامن**۔ پھر اگر امام کا اٹھ کر جانے کا ارادہ نہ ہو بلکہ وہیں بیٹھنا چاہتا ہے تو پھر قبلہ رخ ہو کر نہ بیٹھے تاکہ آنے والے مقتدیوں کو یہ شبہ نہ پڑے کہ امام نماز میں موجود ہے اس لئے امام کو مقتدیوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے بشرطیکہ کوئی نمازی امام کی سیدھ میں نماز نہ پڑھ رہا ہو۔

نماز کے بعد بیٹھنے اور جانے کے متعلق تین روایات ہیں ایک دائیں جانب جانے کے متعلق اور ایک بائیں جانب اور ایک مقتدیوں کی جانب جانے کے متعلق بخاری شریف ''**باب یستقبل الامام الناس اذا سلم**'' میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں: **کان النبی ﷺ اذا صلی صلوۃ أقبل علینا بوجھه**۔اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے۔

جبکہ حدیث الباب میں ہے کہ آپ ﷺ دائیں بائیں طرف سے تشریف لے جاتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ بائیں طرف تشریف لے جاتے تھے **کما فی روایة عبداللہ بن مسعودؓ**۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اکثر دائیں طرف تشریف لے جاتے تھے ان روایات میں اختلاف ہے۔بعض حضرات نے وجوہ ترجیح اختیار کیں اور بعض نے تطبیق کی کوشش کی۔

جواب اوّل: بطریقِ ترجیح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہ **اعلم بالسنة** اور **اکثر ملازمة للنبی ﷺ** تھے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ آپ ﷺ کی نماز سے واقف تھے۔حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سند میں کلام کیا گیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند متفق علیہ ہے۔نیز حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ظاہر حال کے موافق ہے کہ آپ ﷺ کا حجرہ بائیں طرف تھا۔

یہ چند وجوہ ہیں جن کی وجہ سے حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح ہوگی۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے ان دونوں میں تطبیق دی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت **اقامة مدینة** پر محمول ہے اور حدیث انس رضی اللہ عنہ سفر کی حالت پر محمول ہے۔یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت **ھیئة علی الصلوۃ** یعنی قبلہ رخ سے ہی دائیں جانب جانے پر محمول ہے جبکہ حدیث انس رضی اللہ عنہ محمول ہے جب آپ ﷺ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے تشریف فرما ہوں پھر بقیہ اعمال سے فارغ ہو کر بائیں جانب تشریف لے جائیں۔(معارف السنن جلد ۳ ص ۱۲۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادِ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ يَوْمًا قَالَ رِفَاعَةُ وَنَحْنُ مَعَهُ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ كَالْبَدَوِيِّ فَصَلَّى فَأَخَفَّ صَلَاتَهُ ثُمَّ انْصَرَفَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ فَارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَعَافَ النَّاسُ وَكَبُرَ عَلَيْهِمْ أَنْ يَكُونَ مَنْ أَخَفَّ صَلَاتَهُ لَمْ يُصَلِّ فَقَالَ الرَّجُلُ فِي آخِرِ ذٰلِكَ فَأَرِنِي وَعَلِّمْنِي فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُصِيبُ وَأُخْطِئُ فَقَالَ أَجَلْ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَتَوَضَّأْ كَمَا أَمَرَكَ اللهُ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَأَقِمْ أَيْضًا فَإِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْآنٌ فَاقْرَأْ وَإِلَّا فَاحْمَدِ اللهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ ارْكَعْ فَاطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ اعْتَدِلْ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ فَاعْتَدِلْ سَاجِدًا ثُمَّ اجْلِسْ فَاطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ قُمْ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ وَإِنِ انْتَقَصْتَ مِنْهُ شَيْئًا انْتَقَصْتَ مِنْ صَلَاتِكَ قَالَ وَكَانَ هٰذَا أَهْوَنَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْأُولَى أَنَّهُ مَنِ انْتَقَصَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا انْتَقَصَ مِنْ صَلَاتِهِ وَلَمْ تَذْهَبْ كُلُّهَا قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ رِفَاعَةَ

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے رفاعہ کہتے ہیں ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک دیہاتی شخص آیا اور ہلکی نماز پڑھ کر فارغ ہوا اور آپ ﷺ کو سلام کیا پس نبی کریم ﷺ نے فرمایا جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ شخص واپس ہوا اور دوبارہ نماز پڑھی پھر آیا اور سلام کیا آپ ﷺ نے فرمایا تجھ پر بھی سلام ہو، جاؤ اور نماز پڑھو تو نے نماز نہیں پڑھی دو یا تین مرتبہ ایسا ہوا ہر مرتبہ وہ آتا اور سلام کرتا اور آپ ﷺ اسے یہی کہتے کہ جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی اس پر لوگ گھبرا گئے اور ان پر یہ بات شاق گزری کہ جس نے ہلکی نماز پڑھی گویا کہ اس نے نماز پڑھی ہی نہیں چنانچہ اس شخص نے آخر میں عرض کیا مجھے سکھا دیجئے میں تو انسان ہوں صحیح بھی کرتا ہوں اور مجھ سے غلطی بھی ہوتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے اسی طرح وضو کرو پھر اذان دو اور اقامت کہو پھر اگر تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہو تو پڑھو ورنہ اللہ کی تعریف اور اسکی بزرگی بیان کرو اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ پڑھو پھر رکوع کرو اور اطمینان کے ساتھ کرو پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو پھر اطمینان کے ساتھ بیٹھو پھر کھڑے ہو جاؤ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری نماز مکمل ہو گئی اور اگر اس میں کچھ کمی ہوئی تو وہ تمہاری نماز میں کمی ہو گئی۔ رفاعہ کہتے ہیں کہ یہ چیز ہم لوگوں کیلئے پہلی چیز سے آسان تھی کہ جو کمی رہ گئی وہ تمہاری نماز میں کمی ہوئی اور پوری کی پوری نماز بے کار نہیں ہوئی۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت رفاعہ کی حدیث

هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ. حسن ہے اور یہ حدیث انہی سے کئی سندوں سے مروی ہے۔

تشریح: بینما هو جالس فی المسجد: مستدرک حاکم میں ہے کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے بعض حضرات نے کہا کہ مسجد کے ایک کنارے پر تشریف فرما تھے۔

اذ جاءہ رجل کالبدوی: رجل سے مراد حضرت خلاد بن رافع ہیں، یہ تو صحابی رسول ہیں ان کو بدوی کس وجہ سے کہا گیا۔ دراصل انہوں نے نماز کو جلدی جلدی پڑھا تعدیل ارکان کا خیال نہیں رکھا اس لئے ان کو بدوی کہا گیا۔

سوال: یہ حدیث تو تعدیل ارکان کو فرض کہنے والوں کی دلیل ہے کہ عدم تعدیل ارکان کی وجہ سے آپ ﷺ نے نماز کی نفی فرمادی۔

جواب: لم تصل: صلوٰۃً کاملاً کے معنی میں ہے اور قرینہ یہ ہے کہ حدیث کے آخر میں **ان انتقصت من ذٰلك شيئًا** فرمایا۔ تعدیل ارکان چھوڑنے سے نماز کو نقصان سے تعبیر کیا اگر اس سے نماز باطل ہوجاتی تو بطلان کا حکم لگاتے نقصان کا نہیں۔

دوسرا قرینہ نبی کریم ﷺ کا مذکورہ صحابی کو بار بار تکرار کرانا ہے اگر یہ نماز نہ ہوتی تو بار بار کیسے پڑھواتے۔

سوال: پھر آپ ﷺ نے اس کو پہلی بار ہی تعلیم کیوں نہ دی جبکہ وہ دو تین دفعہ اسی طرح کراہت کے ساتھ پڑھتا رہا۔

جواب اوّل: کراہت تحریمی کے ساتھ جو نماز ادا کی جائے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے اگر چہ اصولاً وہ قابل اعادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس مذکورہ صحابی کو بار بار نماز پڑھوائی جب تک وہ نماز پڑھتا رہا تو اس کو ثواب ملتا رہا۔

جواب ثانی: آپ ﷺ کا اس کو دوبارہ نماز پڑھنے کے لئے کہنا وہ غلطی کے اثبات کے لئے نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ یہ غلطی کر رہا ہے یا اس کی عادت ہے جب آپ ﷺ کو اس کی عادت کا معلوم ہوگیا اسی طرح نماز پڑھتا ہے تو پھر آپ ﷺ نے اس کو مسئلہ سمجھا دیا۔

جواب ثالث: آپ ﷺ نے اس کو دو تین بار اسی لئے مہلت دی تا کہ وہ مسئلہ از خود معلوم کرلے مگر پھر بھی اس نے نماز کا طریقہ معلوم کرنا ضروری نہیں سمجھا، کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس کو نماز کا طریقہ آتا ہے جب بار بار اس کو کہا گیا تو اس کو یقین ہوا کہ مجھے نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں آتا۔

جواب رابع: عظمت علم کو بتلانے کے لئے پہلی مرتبہ تعلیم نہیں دی تا کہ علم کا وقار باقی رہے کیونکہ احتیاج کے بعد علم کی قدر ہوتی ہے۔ اور وہ کبھی بھولتا بھی نہیں۔

سوال: اس آدمی نے آپ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا "**وعليك فارجع**" حالانکہ قرآن پاک میں ہے "**فحيوا باحسن منها**"، تو یہاں پر "**وعليك رد بالمثل**" بھی نہیں چہ جائیکہ **احسن منها** ہو۔

جواب اوّل: یہ راوی کا اختصار ہے مسلم کی روایت میں **وعليك السلام** کے الفاظ موجود ہیں۔

جواب ثانی: اگر اس روایت کو صحیح بھی سمجھیں تو پھر نبی کریم ﷺ کا اکتفاء کرنا زجراً ہے یعنی جو ایسی نماز پڑھے اسکے سلام کا جواب بھی ایسا ہی دیا جائیگا۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر کوئی آدمی مسجد میں ناقص نماز پڑھے گا تو بھی نماز ناقص ہی رہے گی۔

حدیث کے الفاظ کی وضاحت: ثم تشهد فاقم ایضًا: تشہد کا مطلب عام طور پر اذان بتلایا جاتا ہے اگر یہ مطلب بیان

کیا جائے تو پھر یہ سوال ہوگا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے تو اذان مستحب ہے جبکہ یہاں پر صیغہ امر کا ہے اس اشکال کی بناء پر ملاعلی قاریؒ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تشہد سے مراد وضوء کے بعد شہادتین کا پڑھنا اور اقامت سے مراد تکبیر نہیں بلکہ نماز پڑھنا ہے لیکن یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں کیونکہ لفظ **ایضاً** اس کی تردید کر رہا ہے اس لئے بظاہر پہلے ہی معنی مراد ہیں۔ باقی رہا امر کا صیغہ تو یہ بحیثیت جماعت کے فردِ واحد کو دیا جا رہا ہے کہ نماز کا معروف طریقہ یہی ہے۔

فان کان معك قرآن فاقرأ: اس لفظ سے بعض احناف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قراءت فاتحہ فرض نہیں اگر فرض ہوتی تو آپ ﷺ فاتحہ کا بطورِ خاص ذکر فرماتے۔

لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ اس روایت کے بعض طرق میں فاتحہ کا ذکر صراحۃً موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں فاتحہ اور سورت دونوں مراد ہیں کیونکہ فاتحہ اگرچہ فرض نہیں لیکن واجب ہونے کی حیثیت سے اسکا ترک مکروہ تحریمی اور موجب اعادہ ہے اور حدیث مبارکہ میں بھی آپ ﷺ حضرت خلاد رضی اللہ عنہ کو واجب کے ترک کرنے پر تنبیہ فرما رہے ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ خود نماز کا طریقہ بتلاتے ہوئے کسی واجب کو چھوڑ دیں۔ لہٰذا یہی کہیں گے کہ جہاں پر سورۂ فاتحہ کا ذکر موجود نہیں وہاں **اقرأ ما تیسر من القرآن** کی مراد میں سورۂ فاتحہ بھی شامل ہے اور جہاں تک سورۂ فاتحہ کے فرض نہ ہونے کی بات ہے اسکے دلائل اپنی جگہ موجود ہیں۔

والا فاحمد الله و کبره وهلله: جو شخص قراءت نہیں کر سکتا وہ تحمید، تکبیر یا تہلیل کہے یہ حکم بالاتفاق اس شخص کے لئے ہے جو کوشش کے باوجود قراءت پر قادر نہیں ہو سکتا یا کوئی کافر مسلمان ہوا ہو، اسلام لے آیا اور اسلام لانے کے بعد قراءت کی تعلیم حاصل نہیں کر سکا تو اس کے لئے یہ مسئلہ ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَالَ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ الرَّجُلُ فَصَلَّى كَمَا كَانَ صَلَّى ثُمَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ حَتَّى فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَ هٰذَا فَعَلِّمْنِي فَقَالَ إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک آدمی اور بھی داخل ہوا اور اس نے نماز پڑھی پھر آیا رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ نے جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی وہ شخص واپس گیا اور اسی طرح نماز پڑھی جس طرح پہلے نماز پڑھی تھی پھر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا آپ ﷺ نے سلام کا جواب دیا اور اس سے فرمایا جاؤ اور نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو سچا دین دیکر بھیجا ہے میں اس سے بہتر نہیں پڑھ سکتا مجھے سکھایئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو تکبیر کہو اور قرآن میں سے جو کچھ یاد ہو پڑھو پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو پھر اٹھو اور اطمینان کے ساتھ بیٹھو اور

رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ ذٰلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوٰى ابْنُ نُمَيْرٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَرِوَايَةُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَصَحُّ وَسَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ قَدْ سَمِعَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَرَوٰى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبُو سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيُّ اسْمُهُ كَيْسَانُ وَسَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ يُكْنٰى أَبَا سَعْدٍ.

پوری نماز میں اسی طرح کرو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو ابن نمیر نے عبیداللہ بن عمر سے انہوں نے سعید مقبری سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے سعید المقبری کے والد کا ذکر نہیں کیا کہ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یحییٰ بن سعید کی روایت عبیداللہ بن عمر سے اصح ہے سعید مقبری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سنی ہیں اور وہ اپنے والد سے بحوالہ ابوہریرہ روایت کرتے ہیں اور سعید مقبری کے والد کا نام کیسان ہے اور سعید مقبری کی کنیت ابوسعد ہے۔

تشریح: وافعل ذٰلك فی صلٰوتك كلها: اس جملہ سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ قراءت چاروں رکعات میں فرض ہے۔ جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک صلوٰۃ خمسہ کی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔ جبکہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت واجب ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اکثر رکعات (تین) میں قراءت فرض ہے امام زفر، حسن بصری کے نزدیک ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: قرآن وحدیث میں مطلق قراءت ذکر کی گئی۔

امام زفر کی دلیل: فاقرءوا امر کا صیغہ ہے اور اس میں تکرار نہیں لہٰذا ایک رکعت میں قراءت فرض ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: "للاکثر حکم الکل" والا ضابطہ ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل اوّل: حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم ان حضرات سے اسی طرح مروی ہے۔

دلیل ثانی: "**عن عبداللہ بن ابی قتادة عن ابیه قال کان رسول اللہ ﷺ یقرء فی الظهر والعصر فی الرکعتین الاولیین بام القرآن وسورتین وفی الاخرین بام القرآن وکان یسمعنا.** (سنن النسائی جلد اوّل ص ۱۶۸ باب القرأة فی الرکعتین الاولیین من صلوۃ العصر) ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرضوں کی دو رکعتوں میں قراءت فرض ہے۔

وفتح اصابع رجلیه: اسکے لغوی معنی ہیں نرم کرنا اور یہاں مراد ہے نرمی کے ساتھ انگلیوں کو قبلہ رخ کر دینا اور یہی مسنون ہے۔

حتیٰ اذا قام من سجدتین: سجدتین سے مراد دو رکعتیں ہیں جیسا کہ امام ترمذیؒ نے بھی تصریح کی ہے اس موقع پر رفع یدین امام شافعیؒ کا مسلک نہیں لہٰذا رفع یدین کے باب میں یہ حدیث ان کا مستدل نہیں بن سکتی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ سَمِعْتُهُ وَهُوَ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

ابوحمید ساعدی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید کو کہتے ہوئے سنا اس وقت وہ دس صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں ابوقتادہ ربعی بھی تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں صحابہ نے فرمایا تم نہ حضور کی صحبت

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمْ أَبُو قَتَادَةَ بْنُ رِبْعِيٍّ يَقُولُ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا مَا كُنْتَ أَقْدَمَنَا لَهُ صُحْبَةً وَلَا أَكْثَرَنَا لَهُ إِتْيَانًا قَالَ بَلَى قَالُوا فَاعْرِضْ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اعْتَدَلَ قَائِمًا وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ وَرَكَعَ ثُمَّ اعْتَدَلَ فَلَمْ يُصَوِّبْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُقْنِعْ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ أَهْوَى إِلَى الْأَرْضِ سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ جَافَى عَضُدَيْهِ عَنْ إِبْطَيْهِ وَفَتَحَ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ ثَنَى رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَيْهَا ثُمَّ اعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ هَوَى سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ اللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ثَنَى رِجْلَهُ وَقَعَدَ وَاعْتَدَلَ حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ فِي مَوْضِعِهِ ثُمَّ نَهَضَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا صَنَعَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ صَنَعَ كَذَلِكَ حَتَّى كَانَتِ الرَّكْعَةُ الَّتِي تَنْقَضِي فِيهَا صَلَاتُهُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ عَلَى شِقِّهِ مُتَوَرِّكًا ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَمَعْنَى قَوْلِهِ إِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ يَعْنِي إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشَرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

میں ہم سے پہلے آئے اور نہ ہی تمہاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں زیادہ آمد ورفت تھی ابوحمید نے کہا کیوں نہیں! صحابہ ؓ نے فرمایا اچھا! پھر بیان کرو ابوحمید نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے اور دونوں ہاتھ کندھوں تک لے جاتے جب رکوع کرنے لگتے تو دونوں ہاتھ کندھوں تک لے جاتے اور اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرتے اور اعتدال کے ساتھ رکوع کرتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ اونچا کرتے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے پھر **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے اور ہاتھوں کو اٹھاتے اور معتدل کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پہنچ جاتی پھر سجدہ کے لئے زمین کی طرف جھکتے اور اللہ اکبر کہتے اور بازوں کو بغلوں سے علیحدہ رکھتے اور پاؤں کی انگلیوں کو کھول دیا کرتے تھے پھر اپنا بائیں پاؤں بچھاتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے اور اطمینان سے بیٹھتے تھے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر لوٹ آتی پھر سجدے کے لئے سر جھکاتے اور اللہ اکبر کہتے تھے پھر اپنا پاؤں بچھاتے تھے اور اسی پر اطمینان سے بیٹھتے تھے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ واپس لوٹ جاتی تھی۔ پھر کھڑے ہو جاتے تھے (اور ہر رکعت میں اسی طرح کرتے تھے یہاں تک کہ جب دونوں سجدوں (دوسری رکعت) سے اٹھتے تو تکبیر کہتے تھے اور دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے جیسے کہ نماز کے شروع میں کیا تھا پھر اسی طرح کرتے یہاں تک کہ ان کی نماز کی آخری رکعت آجاتی چنانچہ بائیں پاؤں کو ہٹاتے اور سیرین پر بیٹھ جاتے اور پھر سلام پھیر دیتے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور إِذَا السَّجْدَتَيْنِ سے مراد یہ ہے کہ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے۔

محمد بن عمرو بن عطاء کہتے ہیں کہ میں نے دس صحابہ جن میں ابوقتادہ بن ربعی بھی تھے کی موجودگی میں ابوحمید ساعدی سے سنا اس کے بعد یحییٰ بن سعید کی روایت کی مثل حدیث بیان کرتے ہیں اس حدیث میں عاصم نے عبدالحمید بن جعفر کے حوالے

وَسَلَّمَ فِيهِمْ أَبُو قَتَادَةَ بْنُ رِبْعِيٍّ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ فِيهِ أَبُو عَاصِمٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ هٰذَا الْحَرْفَ قَالُوا صَدَقْتَ هٰكَذَا صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سے یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا (صَدَقْتَ) تم نے سچ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح نماز پڑھی۔

تشریح: اس حدیث میں تین مسائل ہیں اور تینوں احناف کے خلاف ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ اس حدیث میں مواقع اربعہ میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دوسرا مسئلہ جلسہ استراحت کا بیان ہے اور تیسرا مسئلہ آخری قعدہ میں تورک ہے۔

رفع یدین کے متعلق بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔ دوسرا مسئلہ جلسہ استراحت کا بیان ہے اس کے دو جواب ہیں۔

جواب اوّل: جلسہ استراحت عذر کی وجہ سے کیا اور تورک بھی عذر کی وجہ سے کیا۔

جواب ثانی: یہ حدیث سنداً وزنی نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی عبدالحمید بن جعفر متکلم فیہ ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں محمد بن عمرو بن عطاء ہیں ان کی ابوحمید ساعدی سے ملاقات ثابت نہیں کیونکہ روایت میں ہے کہ اس مجلس میں ابوقتادہ بھی تھے اور جس مجلس میں حضرت ابوقتادہ ہوں اس مجلس میں محمد بن عمرو کی شرکت متصور نہیں ہوسکتی کیونکہ محدثین کا اتفاق ہے کہ محمد بن عمرو کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی جبکہ ان کی پیدائش ۴۰ھ میں ہوئی۔ حضرت ابوقتادہ کی وفات کے بارے میں دو قول ہیں: ① ۳۸ھ اس قول کے مطابق محمد بن عمرو کی پیدائش دو سال بعد میں ہوئی۔ جس شخص کی پیدائش سے پہلے ایک آدمی کی وفات ہوگئی تو پھر اس کی مجلس میں شرکت کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ شرکت تو عالم برزخ میں متصور ہوسکتی ہے، اس سے پہلے نہیں ہوسکتی۔

② دوسرے قول کے مطابق ۴۰ھ اس صورت میں بھی شرکت کا احتمال بھی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حجرؒ نے جواب دیا کہ ابوقتادہ کی وفات کے متعلق ۵۴ھ کا قول ہے اس صورت میں تحمل ولقاء ممکن ہے۔ امام طحاویؒ نے پہلے دو قول ذکر کیے اور حافظ ابن حجرؒ نے ۵۴ھ کا قول ذکر کیا ہے ہم کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کے مقابلے میں امام طحاوی کا قول زیادہ معتبر ہے۔

اس حدیث کے اخیر میں "**قالوا صدقت**" کے الفاظ ہیں یہ تصدیق صرف ابو عاصم ذکر کر رہے ہیں تمام رواۃ ذکر نہیں کرتے لہٰذا یہ معتبر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ وَسُفْيَانَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ عَمِّهِ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ (وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ) فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ وَأَبِي بَرْزَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ

حضرت زیاد بن علاقہ رضی اللہ عنہ اپنے چچا قطبہ بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں **والنخل باسقات** پڑھتے ہوئے سنا۔ اس باب میں حضرت عمرو بن حریث، جابر بن سمرہ، عبداللہ بن سائب، ابوبرزہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث قطبہ بن مالک حسن صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں سورۂ واقعہ کا

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ بِالْوَاقِعَةِ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ مِنْ سِتِّينَ آيَةً إِلَى مِائَةٍ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَرَأَ (إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ) وَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنِ اقْرَأْ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَعَلَى هٰذَا الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ.

پڑھنا بھی مروی ہے اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ فجر میں ساٹھ سے لے کر سو تک آیتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ) (التکویر:۱) پڑھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے اور سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: یہاں سے امام ترمذیؒ قراءت کے ابواب کو شروع کر رہے ہیں ابواب کی وضاحت سے قبل چند باتیں سمجھ لیں۔

① قرآن پاک کے پڑھنے اور یاد کرنے کے لئے چند سہولیات قرآن میں رکھی ہیں۔ قرآن کو پارہ پارہ ذکر کیا کل تیس پارے بنائے ہیں پھر ہر پارے میں رکوع کی علامت رکھی گئی ہے یہ رکوع والی علامت اس بات کی نشانی ہے کہ یہاں پر ایک بات ختم ہو رہی ہے۔ اس کے بعد دوسری بات شروع ہو جاتی ہے قرآن میں کل ۵۴۰ رکوع ہیں پانچ سو چالیس رکوع رکھنے کی ایک حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر قاری رمضان میں ہر رکعت میں ایک رکوع تلاوت کرے گا تو ستائیسویں رمضان کو قرآن ختم ہو جائے گا۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین شوق سے قرآن کو جلدی ختم کر دیتے تھے اس اعتبار سے انہوں نے روزانہ کی تلاوت کے بقدر ایک حد مقرر کر دی جسے حزب اور منزلیں کہا جاتا ہے اس کو آسانی سے یاد کرنے کے لئے فمی بشوق بھی کہا جاتا ہے۔ فاء سے سورۂ فاتحہ، میم سے سورۂ مائدہ، ی سے سورۂ یونس، ب سے سورۂ بنی اسرائیل، ش سے سورۂ شعراء، واو سے سورۂ والصافات، اور ق سے سورۂ قٓ مراد ہے۔ یہ سات منزلیں ہیں۔ روزانہ ایک منزل پڑھی جائے تو سات دنوں میں قرآن ختم ہو جاتا ہے۔ بعض حضرات نے اس کو تین منزلوں میں تقسیم کیا ہے جسے منزل فیل کہا جاتا ہے فاء سے سورۂ فاتحہ، ی سے سورۂ یونس، اور لام سے سورۂ لقمان، اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو آنحضور ﷺ نے کم از کم تین دن میں قرآن پورا کرنے کی اجازت دی تھی۔

③ اس تقسیم کے علاوہ ایک اور تقسیم بھی کی گئی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ چار اقسام پر قرآن پاک مشتمل ہے۔ طوال، مئین، مثانی، مفصلات۔ شروع کی سات سورتیں طوال کہلاتی ہیں سات اس صورت میں ہوں گی۔ جب سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کو درمیان میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ایک شمار کیا جائے اگر الگ الگ شمار کیا جائے تو پھر آٹھ ہو جائیں گی۔

مئین میں گیارہ سورتیں ہیں وہ سورتیں جن میں سو سے زائد آیتیں ہیں پھر اس کے بعد مثانی ہیں۔ یہ سورتیں بھی بیس کے قریب ہیں یہ وہ سورتیں ہیں جن میں سو سے کم آیات ہیں۔ اس کے بعد مفصلات ہیں۔ مفصلات سے مراد چھوٹی چھوٹی آیتوں والی سورتیں۔ مفصلات کی تین قسمیں ہیں۔ ① طوال مفصل، ② اوساط مفصل، ③ قصار مفصل، ان کی تفصیل میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ تفصیل کے لئے علامہ سیوطیؒ کی کتاب الاتقان دیکھیں۔ ان تمام اقوال میں مشہور قول یہ ہے۔

طوال مفصل سورۂ حجرات یا سورۂ قٓ سے لے کر سورۂ بروج تک۔ اوساط مفصل سورۂ بروج سے لے کر سورہ البینۃ یا سورۂ

زلزال تک قصار مفصل سورۂ بینہ یا سورۂ زلزال سے لے کر آخر قرآن تک۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۱۸۱)

④ چاروں ائمہ کا اتفاق ہے کہ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل قراءت کریں گے اور عصر وعشاء کی نماز میں اوساط مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھیں گے۔

اب طوال، اوساط، وقصار پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ نمازوں میں تلاوت صرف مفصلات سے ہی کی جائے باقی پاروں سے تلاوت نہ کی جائے۔ نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پورے قرآن میں سے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا طوال اوساط اور قصار کے پڑھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ پورے قرآن میں سے فجر وظہر کی نماز میں طوال مفصل کے بقدر اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل کے بقدر اور مغرب میں قصار مفصل کے بقدر پڑھے۔ بعض لوگ پہلے والا مطلب سمجھ کر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ اصل مسئلہ سے وہ واقف نہیں ہوتے۔

⑤ ان تین طوال، اوساط، قصار پڑھنے میں اصل الاصول وہ مکتوب فاروقی ہے جو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا اس میں سورتوں کی تفصیل میں یہی مذکور ہے۔ اس خط کے چند حصوں کو امام ترمذیؒ نے ان چار ابواب میں ذکر کیا ہے اس باب میں فجر کی نماز میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ وَشِبْهِهِمَا قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ خَبَّابٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي قَتَادَةَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الظُّهْرِ قَدْرَ تَنْزِيلِ السَّجْدَةِ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قَدْرَ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً وَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنِ اقْرَأْ فِي الظُّهْرِ بِأَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ وَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْقِرَاءَةَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ كَنَحْوِ الْقِرَاءَةِ فِي

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر اور عصر کی نماز میں سورۂ بروج اور وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے اس باب میں خباب، ابوسعید، ابوقتادہ، زید بن ثابت اور براء رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث حسن صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ پڑھی اور ایک اور جگہ مروی ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں کے برابر پڑھتے اور دوسری رکعت میں پندرہ آیتوں کے برابر پڑھتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ ظہر کی نماز میں اوساط مفصل پڑھا کرو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ عصر کی قراءت مغرب کی قراءت

صَلَاةِ الْمَغْرِبِ يَقْرَأُ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ تَعْدِلُ صَلَاةُ الْعَصْرِ بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ فِي الْقِرَاءَةِ و قَالَ إِبْرَاهِيمُ تَضْعَفُ صَلَاةُ الظُّهْرِ عَلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ فِي الْقِرَاءَةِ أَرْبَعَ مِرَارٍ.

کی طرح ہے اس میں قصار مفصل پڑھے ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا عصر کی نماز قراءت میں مغرب کی نماز کے برابر رکھی جائے اور ابراہیم کہتے ہیں کہ ظہر میں عصر سے چار گنا زیادہ قراءت کی جائے۔

تشریح: یہ حدیث الباب ان ائمہ کا مستدل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پانچوں نمازوں میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا مسنون ہے اس کے ضمن میں ایک مسئلہ سمجھ لیں کہ فجر کی نماز میں پہلی رکعت کا دوسری رکعت کے مقابلے میں طویل ہونے میں تو اتفاق ہے اور باقی نمازوں میں اس کا کیا حکم ہے تمام نمازوں کے متعلق اختلافی مسئلہ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: رکعت اولیٰ کو رکعت ثانیہ سے طویل کرنے کا حکم: اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دیگر رکعات سے طویل کرنا چاہیے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف نماز فجر میں پہلی رکعت کو طویل کرنا چاہیے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: امام شافعیؒ باقی نمازوں کو فجر کی نماز پر قیاس کرتے ہیں۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب ہے اس میں آپ ﷺ پہلی دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت کو طویل کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت کو طویل کرنا فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس وقت لوگ نیند کی وجہ سے غفلت میں ہوتے ہیں۔ اسلئے پہلی رکعت کو طویل کیا جائے تا کہ بعد میں آنے والے بھی جماعت میں شرکت کر سکیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب: یہاں طوالت ثناء تعوذ وتسمیہ کے اعتبار سے ہے نہ کہ قراءت کے اعتبار سے۔ بہرحال احنافؒ کا فتویٰ اسی پر ہے کہ تمام نمازوں میں اوّل رکعت بنسبت دوسری رکعت سے قدرے طویل ہو لہٰذا یہ حدیث احنافؒ کی مؤید ہوئی نہ کہ خلاف۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ أُمِّهِ أُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ خَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَاصِبٌ رَأْسَهُ فِي مَرَضِهِ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ فَقَرَأَ بِالْمُرْسَلَاتِ قَالَتْ فَمَا صَلَّاهَا بَعْدُ حَتَّى لَقِيَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَفِي الْبَابِ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي أَيُّوبَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أُمِّ الْفَضْلِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ ام فضلؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیماری میں ہماری طرف تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر پٹی باندھے ہوئے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ مرسلات پڑھی اور اس کے بعد وفات تک نماز (مسجد میں) نہ پڑھی اس باب میں حضرت جبیر بن مطعم، ابن عمر، ابوایوب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ام فضل حسن صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالْأَعْرَافِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّورِ وَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى أَبِي مُوسَى أَنِ اقْرَأْ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ قَالَ وَعَلَى هٰذَا الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَذُكِرَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ يَكْرَهُ أَنْ يُقْرَأَ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ بِالسُّوَرِ الطِّوَالِ نَحْوَ الطُّورِ وَالْمُرْسَلَاتِ قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا أَكْرَهُ ذٰلِكَ بَلْ أَسْتَحِبُّ أَنْ يُقْرَأَ بِهٰذِهِ السُّوَرِ فِي صَلَاةِ الْمَغْرِبِ.

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورۂ اعراف پڑھی۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ مغرب میں سورۂ طور پڑھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوموسیٰ کولکھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھا کرو۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے مغرب میں قصار مفصل پڑھی امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اس پر اہل علم کا عمل ہے اور ابن مبارک، احمد اور اسحاق کا قول بھی یہی ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں امام مالک کے متعلق ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ مغرب میں لمبی سورتوں کو مکروہ سمجھتے تھے جیسے کہ سورت طور اور مرسلات امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ میں مستحب سمجھتا ہوں کہ یہ سورتیں مغرب کی نماز میں پڑھی جائیں۔

تشریح: ام الفضل: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ محترمہ ہیں ان کا اسم گرامی لبابۃ بنت الحارث ہے زوجہ عباس رضی اللہ عنہ ہیں یہ حضرت اُم میمونہ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن ہیں۔ (کمافی عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۷۹)

خرج الینا رسول اللہ: حدیث الباب کا واقعہ ہے یہ مرض الوفات کا ہے۔ حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو آخری نماز پڑھی وہ مغرب کی نماز تھی۔ لیکن یہ بات درست نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات والی نمازوں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ ایک یہی حدیث الباب ہے جس میں مغرب کی نماز کا ذکر ہے۔

② حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اس میں ظہر کی نماز کا ذکر ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں **فخرج بین رجلین احدھما العباس** دوسرے شخص کا نام نہیں لیا۔

③ عشاء کی نماز جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ہوشی کا ذکر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے لئے نکلے اور نماز پڑھائی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔

④ صبح کی نماز جیسا کہ مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں ہے۔ یہ چار نمازیں ہیں جو مرض وفات میں ادا کی گئیں۔ ان چار میں تین نمازیں تو مسجد ہی میں ادا کی گئیں اور چوتھی نماز گھر میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی۔

اس باب میں یہ ذکر کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مرسلات تلاوت فرمائی اور ایک حدیث میں مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورۂ اعراف پڑھنا بھی مروی ہے اور سورۂ طور پڑھنا بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ پوری سورت پڑھنا مراد نہیں بلکہ سورت کا کچھ حصہ پڑھنا مراد ہے۔ راوی نے مجازاً اس کو مرسلات اور اعراف وغیرہ پڑھنا کہہ دیا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورتیں مکمل پڑھنا مراد ہے اس لئے ان کے نزدیک مغرب کی نماز میں لمبی قراءت بھی کی جاسکتی ہے۔

امام شافعیؒ کا قول امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کا ایک قول مالکیہ کی طرح تھا کہ مغرب کی نماز میں طوال مفصل کو پڑھنا ناپسند سمجھتے تھے پھر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں اس کو ناپسند نہیں سمجھتا بلکہ میں مغرب میں مذکورہ سورتوں کے پڑھنے کو پسند کرتا ہوں ان

کے نزدیک ان سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی الْقِرَاءَةِ فِی صَلَاةِ الْعِشَاءِ

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَنَحْوِهَا مِنَ السُّوَرِ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ بُرَيْدَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ بِسُورَةِ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَرُوِيَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِسُوَرٍ مِنْ أَوْسَاطِ الْمُفَصَّلِ نَحْوِ سُورَةِ الْمُنَافِقِينَ وَأَشْبَاهِهَا وَرُوِيَ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ أَنَّهُمْ قَرَءُوا بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا وَأَقَلَّ كَأَنَّ الْأَمْرَ عِنْدَهُمْ وَاسِعٌ فِي هٰذَا وَأَحْسَنُ شَيْءٍ فِي ذٰلِكَ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ بِالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں سورۃ الشمس اور اسی طرح کی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث بریدہ حسن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء میں (وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ) پڑھی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے جیسے سورۂ منافقون اور اسی طرح کی سورتیں۔ صحابہ اور تابعین کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اس سے کم اور زیادہ دونوں طرح پڑھا ہے گویا ان کے نزدیک اس باب میں وسعت ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث میں سب سے بہتر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا اور وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ) پڑھی۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء میں والتین والزیتون پڑھتے تھے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز میں (وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ) پڑھی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ بیان فرمارہے ہیں کہ عشاء کی نماز میں مسنون قراءت کیا ہوتی تھی۔

حضرت انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا یہ گمان ہے۔ یہاں بعض حضرات سے مراد معلوم نہیں عند البعض ہے یا اس سے مراد غیر مقلدین ہیں جن کو احناف پر اعتراض کرنے کے لئے کوئی موقع ملنا چاہیے، جس سے وہ اعتراض کریں۔ عناد کی بناء پر ہو یا جہالت کی بناء پر۔ بہر حال بعض کا گمان ہے کہ احناف نمازوں میں مسنون سورتوں کا اعتبار نہیں کرتے اور نہ ہی احناف کے ہاں اس کی کوئی اہمیت ہے ''نعوذ باللہ'' اسی لئے احناف کا قول ہے کہ نماز کے لئے قرآن میں کسی حصہ کو متعین نہیں کرنا چاہیے یا اگر

کوئی تعیین کر بھی لے تو یہ اس کے لئے مکروہ ہے۔

علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہم فاسد ہے کیونکہ البحر الرائق میں **صفة الصلوة** میں **قبیل الامامة** میں اس بات کی تصریح ہے کہ نمازوں میں جو سورتیں آپ ﷺ نے پڑھی ہیں ان کو بھی کبھی کبھار پڑھ لینا چاہیے اور اس کے علاوہ بھی قرآن سے پڑھنا چاہیے تا کہ ناسمجھ انسان یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ نمازوں میں صرف یہی سورتیں پڑھنی جائز ہیں ان کے علاوہ جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جن سورتوں کا نماز میں پڑھنا سنت سے ثابت ہے ان کا پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ مقتدیوں پر مشکل نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرَءُونَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ إِي وَاللهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِي قَتَادَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عُبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ الزُّهْرِيُّ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهٰذَا أَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ يَرَوْنَ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے قراءت میں مشکل پیش آئی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے کہا ہاں یا رسول اللہ، اللہ کی قسم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس باب میں ابوہریرہ، عائشہ، انس، ابوقتادہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عبادہؓ کی حدیث حسن ہے اس حدیث کو امام زہری نے محمود بن ربیع سے انہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اور یہ اصح ہے اکثر صحابہ و تابعین کا قراءت خلف الامام کے بارے میں اس حدیث پر عمل ہے اور امام مالک بن انس، ابن مبارک، شافعی احمد بن حنبل اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں کہ قراءت خلف الامام جائز ہے۔

تشریح: ربط: ماقبل ابواب میں قراءت کا تذکرہ چل رہا تھا اسی مناسبت سے یہاں قراءۃ خلف الامام کو بیان کر رہے ہیں۔

قراءۃ خلف الامام کا مسئلہ معرکۃ الآراء ہے کیونکہ اس مسئلہ کو نماز کے مسائل میں سے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اس میں اختلاف افضلیت اور غیر افضلیت، جواز عدم جواز کا نہیں بلکہ وجوب و تحریم کا ہے۔ اس مسئلہ پر بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں۔

جیسا کہ امام بخاریؒ کا مستقل رسالہ ''جزء القراءۃ خلف الامام'' کے نام پر ہے۔ اسی طرح علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ''امام الکلام فی القراءۃ خلف الامام'' اور اس کا حاشیہ ''غیث الغمام علی حواشی امام الکلام'' لکھا ہے۔ اسی طرح مولانا قاسم نانوتویؒ نے ''الدلیل المحکم فی ترک القراءۃ للمؤتم'' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ''ہدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی'' اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ نے ''الدلیل القوی علی ترک القراءۃ الکلام'' اور علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ''فصل الخطاب فی مسئلۃ أم الکتاب'' تحریر فرمایا اور اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے اعلاء السنن میں رسالہ ''فاتحۃ الکلام فی القراءۃ خلف الامام'' لکھا اور زمانہ حال میں امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحبؒ نے ''أحسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام'' کے عنوان سے دو جلدیں تحریر فرمائی ہیں۔ اگر اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا جائے تو کتاب باقی مباحث سے رہ جائے گی۔ اس لئے اس تفصیلی مسئلہ کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔

مسئلہ: قراءۃ خلف الامام کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں:

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قراءۃ خلف الامام مطلقاً مکروہ تحریمی ہے۔ چاہے سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت ہو خواہ نماز جہری ہو یا سری ہو امام کی آواز آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قراءۃ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ بعض حضرات نے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سری نماز میں قراءت خلف الامام کے متعلق چند اقوال نقل کئے ہیں۔

① وجوب کا ہے یعنی مقتدی پر سری نماز میں قراءت کرنا واجب ہے ② استحباب کا ہے صاحب ہدایہ نے یہ قول امام محمدؒ کی طرف منسوب کیا ہے ③ اباحت کا ہے قراءت کرنا جائز ہے ④ کراہت تنزیہی کا ہے ⑤ کراہت تحریمی کا ہے۔ یہی مشہور قول ہے۔

قول ثانی: حافظ ابن حجرؒ نے مالکیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام مطلقاً مکروہ تحریمی ہے مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ چاہے امام کی قراءت کی آواز پہنچ رہی ہو یا نہ پہنچ رہی ہو۔ البتہ سری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام مستحب ہے۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ کا قول حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے کہ اگر مقتدی امام کی قراءت سن رہا ہو تو مقتدی قراءت نہ کرے اگر مقتدی امام کی قراءت نہیں سن رہا سری نماز کی وجہ سے یا نماز تو جہری ہے لیکن زیادہ ہجوم کی وجہ سے آواز نہیں پہنچ رہی تو مقتدی کیلئے قراءت مستحب ہے۔

قول رابع: امام شافعیؒ، داؤد ظاہری، امام بخاریؒ اور بعض اہل ظواہر کے نزدیک قراءۃ خلف الامام مطلقاً واجب ہے۔ اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔

امام ترمذیؒ کا تسامح: امام ترمذیؒ پہلے باب (باب ما جاء فی القراءۃ خلف الامام) میں فرما رہے ہیں: **وھو قول مالک بن انس و ابن المبارک و الشافعی و احمد و اسحاق یرون القراءۃ خلف الامام۔** اگلے باب میں ارشاد فرما رہے ہیں **و اما احمد بن حنبلؒ فقال معنی قول النبی ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہٗ۔** دونوں میں تضاد ہے پہلے باب میں مطلق قراءت خلف الامام کا ذکر ہے جبکہ اگلے باب میں ہے کہ جب منفرد ہو تو قراءت کرے گا۔

شوافع کی دلیل اوّل: امام شافعیؒ کی قوی دلیل یہی حدیث الباب ہے **عن عبادۃ بن صامت قال صلی رسول**

اللہ ﷺ الصبح فثقلت علیہ القراءۃ فلما انصرف قال انی اراکم تقرءون وراء امامکم قال قلنا یا رسول اللہ ای واللہ قال لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا. اس حدیث مبارک کے دو جز ہیں ایک جز ہے لا تفعلوا الا بام القرآن دوسرا جو حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پر فجر میں قراءت بھاری ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا کہ شاید تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ احناف نے اس حدیث کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

جواب: محدثین نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے معلول ہونے کی ایک وجہ یہ ہے یہ حدیث تین طرق سے مروی ہے۔

① بخاری و مسلم میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔**

② ابن ابی شیبہ نے مصنف میں، امام طحاوی نے احکام القرآن میں محمود بن الربیع سے نقل کیا ہے **قال صلیت صلاۃ والی جنبی عبادۃ بن صامت قال فقرأ بفاتحۃ الکتاب قال فقلت یا ابا الولید ألم اسمعک تقرأ بفاتحۃ الکتاب؟ قال اجل انہ لا صلوٰۃ الا بھا۔** ③ تیسرا طرق یہی ترمذی شریف میں ہے۔

پہلے طریق کا جواب: ان تینوں طرق میں پہلا طریق بالاتفاق صحیح ہے لیکن اس سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں۔ چنانچہ احناف اس کی توجیہ کرتے ہیں کہ یہ منفرد یا امام کے حق میں ہے۔

دوسرے طریق کا جواب: یہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے کیونکہ انہوں نے **لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ** والی حدیث کو امام اور مقتدی دونوں کے لئے عام سمجھا لیکن ان کا یہ اجتہاد احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔ یہ تو احناف کا متدل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اکثر عدم قراءۃ خلف الامام پر کاربند تھے اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت عبادہ بن صامتؓ کو قراءت کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت محمود بن ربیع تعجب سے سوال نہ کرتے ان کا تعجب سے سوال کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا یہ عمل صحابہ و تابعین کے عام عمل کے خلاف تھا اس کے علاوہ حضرت محمود بن ربیع نے فاتحہ کی قراءت نہیں کی اس کے باوجود حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ان کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کے نزدیک بھی قراءت فاتحہ خلف الامام مقتدی کے لئے واجب نہیں۔

تیسرے طریق کا جواب اوّل: تیسرا طریق جو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے اگرچہ یہ شافعیہ کے مذہب پر صریح ہے لیکن صحیح نہیں امام احمدؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس کو اعتراضات کی بناء پر غیر صحیح قرار دیا ہے۔

جواب ثانی: کسی راوی نے وہم اور غلطی کی بناء پر پہلی دونوں روایتوں کو خلط ملط کر کے تیسری روایت بنادی یہ مکحول کا اپنا وہم ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث محمود بن ربیع کے بہت سے شاگردوں نے بیان کی ہے لیکن وہ سب اس کو یا تو پہلے طریق سے روایت کرتے ہیں یا دوسرے طریق سے یعنی ان میں سے کسی نے بھی قراءت خلف الامام کا حکم صراحۃً آپ ﷺ کی طرف منسوب نہیں کیا یہ نسبت صرف مکحول نے کی ہے۔

جواب ثالث: اس حدیث کے سند اور متن میں شدید اضطراب پایا جاتا ہے۔ سند میں اضطراب مندرجہ ذیل ہے:

① بعض طرق میں اس طرح مروی ہے "مکحول عن عبادۃ بن الصامت" اس بات میں اتفاق ہے کہ عبادہؓ سے مکحول

کا سماع ثابت نہیں ہے۔ (دار قطنی جلد ا ص ۳۱۹)

۲ و تارة یروی عن نافع بن محمود عن عبادة. بسا اوقات اس سند سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ ابوداؤد جلد ا ص ۱۱۹ باب من ترك القراءة فی صلوته میں ہے۔

۳ بعض طرق میں یہ سند نقل کی گئی ہے ''عن محمود بن الربیع عن عبادة'' جیسا کہ ترمذی کی سند میں ہے۔

۴ بعض طرق میں سند یہ ہے ''عن محمود عن ابی نعیم انه سمع عبادة''۔ (سنن دار قطنی جلد ا ص ۳۱۹)

۵ اور بعض طرق میں یہ سند نقل کی گئی ہے ''عن نافع عن محمود بن الربیع عن عبادة'' (کما ھو فی الاصابة)

۶ اور بعض طرق میں یہ سند ذکر کی گئی ہے ''مکحول عن عبد الله بن عمرو'' مکحول براہ راست حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کما اشار الیه الماردینی. (ایضا)

۷ بعض طرق میں یہ سند بیان کی گئی ہے "یروی مکحول عن رجاء بن حیوة عن عبد الله بن عمرو" یہاں مکحول رجاء بن حیوۃ کے واسطے سے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں جبکہ اوپر والے طریق میں بغیر واسطے کے نقل کر رہے تھے۔

۸ اور ایک طریق میں اس سند سے نقل کرتے ہیں "یروی رجاء عن محمود موقوفاً علی عبادة" عند الطحاوی رجاء سے محمود بن ربیع سے موقوفاً حضرت عبادہؓ سے نقل کرتے ہیں۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۲۰۳)

ان آٹھ وجوہ اضطراب سے معلوم ہوا کہ اس کی سند میں رفعاً و وقفاً انقطاعاً و اتصالاً، شدید اضطراب ہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے راوی حضرت نافع ہیں یا محمود ہیں یا ابو نعیم ہیں اور یہ کہ کیا یہ قصہ حضرت عبادہؓ کا ہے یا عبداللہ بن عمروؓ کا ہے یا اس واقعہ کا تعلق ان دونوں کے ساتھ ہے پھر ان کے بارے میں کہا گیا کہ نافع مجہول ہیں اور ابو نعیم کی تعیین میں اختلاف ہے کیا اس شدید اضطراب کے باوجود یہ حدیث حجت ہو سکتی ہے؟

جواب رابع: اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب پایا جاتا ہے۔ ① دار قطنی میں سعید بن عبد العزیز عن مکحول سے یہ روایت ہے هل تقرءون فی الصلوٰة معی: قال نعم قال لا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب یہاں مکحول سے یہ روایت ہے۔

۲ دار قطنی میں ہی عن مکحول عن عبادة مرسلاً منقول ہے ''فلا تقرءوا الا بام القرآن سراً فی انفسکم'' کہ وہ آہستہ پڑھتے تھے اور یہ روایت مرسل ہے۔

۳ دار قطنی میں ہے حرام بن حکیم و مکحول عن نافع قال منکم من احد یقرأ شیئًا من القرآن اذا جهرت بالقرآن قلنا نعم یا رسول الله فقال رسول الله ﷺ وانا اقول مالی انازع القرآن فلا یقرأن احد منکم شیئًا من القرآن اذا جهرت بالقراءة الا بام القرآن۔

۴ طبرانی میں یہ الفاظ ہیں: "من صلی خلف الامام فلیقرأ بفاتحة الکتاب" من تخییر کے لئے آتا ہے۔

۵ ابن اسحاق کی سند میں اس کا متن یہ ہے فلا علیکم أن تفعلوا الا بفاتحة الکتاب فإنه لا صلوٰة الا بها.

یہاں پر متن میں یہ الفاظ ہیں۔

⑥ طبرانی اوسط میں یہ الفاظ ہیں "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب و آیتین معھا"۔ (طبرانی فی الاوسط)

⑦ بیہقی میں کتاب القراءۃ میں یہ الفاظ ہیں "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام۔

⑧ ولفظ اسماعیل بن سعید الشالنجی صاحب الامام احمد امرنا رسول اللہ ﷺ ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب فی کل رکعۃ۔

⑨ دارقطنی میں ابن شہاب کے طریق سے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے ان النبی ﷺ قال: ام القرآن عوض من غیرھا ولیس غیرھا منھا بعوض. (معارف السنن جلد ۳ ص ۲۰۳ تا ۲۰۵)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ متن میں بہت سارے اضطرابات ہیں۔ کہیں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا ذکر ہے اور کہیں اس کے ساتھ سورت ملانے کا ذکر ہے اور کہیں دونوں نہ پڑھنے کا ذکر ہے اور کہیں مقتدی کے لئے حکم ہے اور کہیں امام کے لئے اور کہیں اختیار دیا گیا ہے کہیں یہ قصہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا بیان کیا جاتا ہے اور کہیں کسی دوسرے صحابی کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جواب خامس: مکحول کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ مدلسین میں سے ہے اور یہ ان کا عنعنہ ہے۔

جواب سادس: مکحول کے شاگرد محمد بن اسحاق ہیں ان کے بارے میں ذکر ہے کہ ان کے تفردات اور عنعنہ مشکوک ہے۔

جواب سابع: حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ سے منقول ہے کہ اگر اس حدیث کو سو فیصد صحیح بھی مان لیا جائے تب بھی اس سے امام شافعیؒ کا مسلک ثابت نہیں ہوتا کیونکہ "لا تفعلوا الا بام القرآن"، نہی سے استثناء ہے اور یہ اباحت اور استحباب پر دلالت کرتا ہے نہ کہ وجوب وفرضیت پر جبکہ امام شافعیؒ اس سے لزوم کو ثابت کر رہے ہیں۔

جواب ثامن: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی ایک بہترین توجیہ کی ہے جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب "فصل الخطاب"، میں فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں فصاعداً کی زیادتی صحیح روایات سے ثابت ہے گویا پوری حدیث یوں ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا جیسا کہ مسلم شریف جلد ا ص ۱۶۹ اور سنن نسائی جلد ا ص ۱۴۵ میں نقل کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضم سورت کا بھی وہی حکم ہے جو فاتحہ کا ہے حالانکہ ضم سورۃ کو ان حضرات میں سے کوئی بھی فرض نہیں کہتا، تو وہ حضرات ضم سورت کے بارے میں جو جواب دیں گے۔ وہی جواب ہماری طرف سے قراءۃ فاتحہ خلف الامام کا ہوگا۔

لہٰذا اس سے احناف پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوگا کیونکہ اس سے تو احناف کی تائید ہوتی ہے اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص مطلق قراءت نہ کرے یعنی نہ فاتحہ پڑھے نہ اس کے علاوہ کچھ اور تو اس کی نماز نہیں ہوتی جبکہ اس کے احناف بھی قائل ہیں کہ مطلق قراءت فرض ہے۔

اعتراض: اس پر امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں ایک اعتراض کیا ہے کہ فصاعداً کی زیادتی یہ صرف معمر کا تفرد ہے لہٰذا یہ زیادتی قابل اعتبار نہیں۔

جواب اوّل: معمر تو ثقہ راوی ہے ان کو "اثبت الناس فی الزھری" قرار دیا گیا ہے اور یہ حدیث زہری ہی سے مروی ہے لہٰذا ان کا تفرد قابل قبول ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

جواب ثانی: فصاعداً کی زیادتی صرف معمر سے مروی نہیں ہے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے رواۃ سے بھی یہ زیادتی منقول ہے جس کو حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فصل الخطاب میں ثابت کیا ہے۔ دیکھیے ان کے علاوہ امام اوزاعیؒ، سفیان بن عیینہؒ، عبدالرحمٰن بن اسحاقؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، صالح بن کیسانؒ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

ان تمام وجوہ کی وجہ سے فقط قراءۃ فاتحہ خلف الامام کا وجوب اس حدیث سے ثابت نہیں کر سکتے۔

دلیل ثانی: شوافع حضرات کی دوسری دلیل مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔ **عن النبی ﷺ انه قال من صلی صلوٰۃ لم یقرء فیها بام القرآن فهی خداج ثلاثاً غیر تمام فقیل لابی هریرۃ انا نکون وراء الامام فقال اقرأ بها فی نفسك.** (مسلم شریف جلد اوّل ص ۱۶۹ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ)

جواب اوّل: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے علاء بن عبدالرحمٰن اس پر محدثین نے جرح کی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

جواب ثانی: اگر اس جرح سے قطع نظر کر دیں تو پھر ہم کہیں گے کہ سند کے دو حصے ہیں: ① مرفوع، ② موقوف۔

مرفوع: **من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیها بام القرآن فهی خداج غیر تمام** اس کو منفرد پر محمول کیا جائے گا۔

موقوف: **فقال له حامل الحدیث انی اکون احیاناً وراء الامام قال اقرأ بها فی نفسك۔** یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے جو مرفوع احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس ارشاد کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تلفظ کے بغیر دل دل میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ اور بعض اوقات "**فی نفسه**" کا محاورہ حالت انفراد پر بھی بولا جاتا ہے۔ لہٰذا "**اقرأ بها فی نفسك**" کے معنی ہوئے **اقرأ بها حال کونك منفرداً**۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے "**فان ذکرنی فی نفسی ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملا خیر منهم**" یہاں پر بھی **فی نفسه** حالت انفراد پر محمول ہے۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں ابوقلابہ کی روایت ہے **ان رسول الله ﷺ قال لاصحابه هل تقرءون خلف امامکم فقال بعض نعم، و قال بعض لا، فقال ان کنتم لا بد فاعلین فلیقرأ احدکم فاتحة الکتاب فی نفسه۔** (جلد ا ص ۳۷۴)

جواب: اس سے تو **فاتحه خلف الامام** کے وجوب کے بجائے ترک فاتحہ کا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث شافعیہ کیخلاف ہے اگر یہ کہا جائے کہ اس سے بہرحال قراءت خلف الامام کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حنفیہ کیخلاف ہے تو اسکا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ سرّی نمازوں کے بارے میں ہو اور سری نمازوں کے بارے میں حنفیہ کا مسلک مختار جواز قراءت خلف الامام کا ہے۔

دلیل رابع: سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶ میں حضرت ابوقتادہؓ ہی سے روایت ہے "**ان رسول الله ﷺ قال أتقرءون خلفی قالوا نعم قال فلا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب**"۔

جواب: اس کی سند میں ایک راوی مالک بن یحییٰ ضعیف ہے یا یہ صلوات سریہ پر محمول ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت **و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون.** یہ آیت

کریمہ قرآن کی تلاوت کے دوران استماع و انصات کے وجوب پر صریح ہے اور سورۂ فاتحہ کا قرآن ہونا مجمع علیہ ہے۔لہٰذا اس سے قراءت خلف الامام کی بھی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

اس دلیل پر متعدد اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

اعتراض ①: اس آیت کا تعلق خطبہ کے ساتھ ہے نہ کہ نماز کے ساتھ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب امام خطبہ کہے جس میں قرآن پاک کی آیت بھی ہوتی ہے اس وقت تم خاموش رہو۔

جواب اول: امام بیہقی نے کتاب القراءۃ میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم قراءت خلف الامام کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جو کہ نماز کے بارے میں صریح ہے اگرچہ یہ روایت مرسل ہے لیکن حضرت مجاہدؒ کی مرسل روایت ہے جن کو **اعلم الناس بالتفسیر** کہا گیا۔یہ امام المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص شاگرد ہیں۔

اس کے علاوہ ابن جریر طبریؒ وغیرہ نے یسیر بن جابرؓ سے روایت نقل کی ہے جس میں حضرت ابن مسعودؓ امام بنے اور مقتدیوں نے قراءۃ خلف الامام کی روایت یوں ہے **قال صلی ابن مسعود سمع ناسًا یقرءون مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقھوا اما آن لکم ان تعقلوا، و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امرکم الله** (**اعلاء السنن جلد** ۴ ص ۴۳) اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اس آیت قرآن کو نماز کے متعلق قرار دیتے ہیں۔لہٰذا یہ آیت نماز کے بارے میں ہے نہ کہ خطبہ کے بارے میں۔

جواب ثانی: امام ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں منقول ہے کہ اس آیت میں تین احتمال ہیں: ① نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ ② خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ ③ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔اگر صرف نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہو تو یہ ہمارا دعویٰ بنے گا۔اگر دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو تو پھر بھی یہ ہمارا مستدل بنے گا۔اگر صرف خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو تو پھر ہمارا یہ استدلال تام نہیں ہوگا لیکن یہ احتمال پہلے دو احتمالوں کے مقابلے میں مرجوح ہے اس پر دو قرائن ہیں ایک یہ کہ خطبہ جمعہ مدینہ میں شروع ہوا جبکہ یہ آیت مکی ہے۔دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اگر خطبہ کے ساتھ خاص کریں تو خود شوافع حضرات بھی سورۂ فاتحہ کے بعد والی سورت کی قراءۃ خلف الامام کا منع ہونا اس آیت سے ثابت کرتے ہیں۔لہٰذا ان کا یہ اعتراض باقی نہ رہا۔

جواب ثالث: اصولی جواب یہ ہے کہ قاعدہ ہے **العبرۃ لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب۔**

اعتراض ②: اس کا تعلق صلوٰۃ جہریہ کے ساتھ ہے صلوٰۃ سریہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

جواب: آپ کی دلیل سے تقریب تام نہیں ہوتی، کیونکہ **فانصتوا، فاستمعوا** اس میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ایک استماع کا اور دوسرا انصات کا۔استماع کا تعلق صلوٰۃ جہریہ کے ساتھ ہے اور انصات کا تعلق صلوٰۃ سریہ کے ساتھ ہے۔

دلیل ثانی: مسلم شریف جلد اوّل ص ۱۷۴ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اور نسائی شریف جلد ۱ ص ۱۴۶ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امام کی اقتداء کی ترغیب دے رہے ہیں **فاذا کبر فکبروا و اذا قرء فانصتوا** جب امام قراءت کرے تو خاموش ہو جایا کرو۔نسائی شریف کی روایت یوں ہے **عن ابی ھریرۃ قال قال**

رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبّر فکبّروا و اذا قرء فانصتوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللّٰھم ربنالك الحمد۔ اس دلیل پر بھی اشکال وارد ہوتا ہے۔

اشکال: اسی مضمون کی روایت ترمذی شریف جلد ۲ ص ۷۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بخاری شریف جلد اوّل میں ۱۵۰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے باب صلوٰۃ القاعد و فیہ و قال انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا رکع فارکعوا و اذا رفع فارفعوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ لیکن ان دونوں روایات میں و اذا قرأ فانصتوا کے الفاظ نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ راوی کا ادراج ہے جبکہ دونوں روایتوں میں متابعت والا مضمون معلوم ہو رہا ہے

جواب: حضرت انور شاہ صاحبؒ نے دیا ہے جس کو معارف السنن میں بیان کیا گیا ہے اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ دونوں روایات الگ الگ ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت کا سیاق الگ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا سیاق الگ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ بخاری، ترمذی میں آپ ﷺ کا گھوڑے سے گرنے کا واقعہ ہے اس وقت آپ ﷺ گھر کے بالا خانہ میں مقیم تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں آئے اپنی نماز پڑھ کر آپ ﷺ کی عیادت کے لئے گئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ نوافل یا کوئی دوسری نماز پڑھ رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے پیچھے اقتداء کی آپ ﷺ نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا: **واذا صلی قاعدًا فصلوا قعودًا اجمعون۔**

یہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے اس واقعہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ یہاں آپ ﷺ متابعت امام کا پورا ضابطہ بیان نہیں کر رہے بلکہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر امام بیٹھا ہو تو مقتدیوں کو بھی اس کی اقتداء میں بیٹھ جانا چاہیے۔ چونکہ یہ واقعہ پانچ ہجری کا ہے اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ سات ہجری میں اسلام لائے اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی اس وقت حبشہ میں تھے اور وہ بھی ۷ ہجری میں حبشہ سے واپس آئے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری میں سے کوئی بھی اس واقعہ (سقوط عن الفرس کے موقع) پر موجود نہیں تھے۔ لہٰذا یہ حضرات جس حدیث کو متدل بنا رہے ہیں اس میں اس وقت صرف بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم بیان نہیں ہو رہا بلکہ صرف یہ قاعدہ کلیہ بیان کرنا تھا کہ مقتدی کو امام کی متابعت کرنی چاہیے۔ اس لئے یہاں صرف متابعت کا طریقہ بتایا۔ جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ۷ھ یا اس کے بعد کی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں اگرچہ **و اذا قرأ فانصتوا** کا جملہ نہیں ہے لیکن بات کوئی تعجب والی نہیں کیونکہ احادیث میں ایسی مثال بہت ملتی ہیں جن میں کسی صحابی نے ایک زیادتی ذکر کی ہے اور کسی نے یہ زیادتی ذکر نہیں کی تو یہاں پر جو زیادتی ذکر کی گئی ہے وہ ثقہ کی زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

اور یہ اعتراض کہ قتادہ سے "**واذاقرأفانصتوا**" کی زیادتی نقل کرنے میں سلیمان تیمی متفرد ہے تو وہ بالاتفاق ثقہ ہے "**زیادۃ الثقۃمقبولۃ**" ہی کے قاعدہ سے اسکا تفرد مضر نہیں۔ کیونکہ سلیمان تیمی کے متابع عمر بن عامر، سعید بن ابی عروبۃ اور ابوعبیدہ ہیں۔

دلیل ثالث: اگلے باب میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ایک جہری نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے

سوال کیا کہ تم میں سے میرے پیچھے قراءت کس نے کی ہے ایک شخص نے کہا **نعم** تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں خیال کر رہا تھا کہ قرآن کے متعلق میرے ساتھ نزاع کیا جا رہا ہے "**فانتھی الناس**" جب اس کو حضور ﷺ نے منازعت قرار دیا تو لوگ جہری نمازوں میں قرآن سے باز آ گئے۔

یہ حدیث، حدیثِ منازعت کے نام سے مشہور و معروف ہے اس سے ہمارا استدلال چند وجوہ کی بناء پر ہے۔

① آپ ﷺ نے سوال کیا کہ تم میں سے میرے ساتھ کس نے قراءت کی ہے لہٰذا حضور ﷺ کا سوال کرنا قرینہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہلے قراءۃ خلف الامام سے ممانعت فرما دی تھی وگرنہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ اس حدیث کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو سات ہجری میں اسلام لائے اور وہ اس واقعہ میں شامل ہیں اور سورۂ اعراف مکی ہے اور یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ ممانعت پہلے ہو چکی تھی۔

② نبی کریم ﷺ نے جب سوال کیا تو حاضرین میں سے صرف ایک ہی شخص نے اعتراف کیا۔ اب ایک شخص کا ہی اعتراف کرنا قرینہ ہے کہ قرأت خلف الامام صحابہؓ کا عام معمول نہ تھا۔

③ نبی کریم ﷺ نے قراءت خلف الامام کو منازعت قرار دیا۔ امام کے حق کو چھیننا قرار دیا اور اس کو بغاوت قرار دیا۔ یہ امام کا حق ہے یہ بھی دال ہے کہ قراءت صرف امام کا حق ہے۔

سوال: یہ منازعت تو صرف جہری نمازوں میں ہوگی۔ **جواب:** اس کا حصر صرف جہری نمازوں میں مسلّم نہیں بلکہ جس طرح جہری نمازوں میں ہے اسی طرح سرّی نمازوں میں بھی ہے بلکہ سری نمازوں میں بطریق اولیٰ ہوگی کیونکہ جہری نمازوں میں امام اپنے عمل میں مشغول علیٰ وجہ الکمال اور سرّی نمازوں میں بھی مشغول ہے لیکن اس درجہ کا نہیں جتنا جہری نمازوں میں ہے جس کی نظیر مشکوٰۃ شریف میں ایک واقعہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ فجر میں سورۂ روم کو شروع کیا تو قراءت مشتبہ ہونے لگی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کیا حال ہے ان لوگوں کا جو لوگ نماز کے لئے کما ینبغی وضو نہیں کرتے ان کی وجہ سے ہم پر قراءت مشتبہ ہو جاتی ہے جب وضو نہ کرنے سے قراءت مشتبہ ہو سکتی ہے تو قراءت خلف الامام سے بطریق اولیٰ متاثر ہو سکتی ہے۔

④ راوی کہتے ہیں کہ **فانتھی الناس** میں **الناس** سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں۔ جب آپؐ کے فرمان کا حکم آیا تو کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اب صحابہ کرامؓ کا رک جانا بھی دلیل ہے کہ قراءۃ خلف الامام کی ممانعت ہو چکی تھی اور یہ احناف کی وزنی دلیل ہے۔ اس دلیل پر بھی شوافع کی جانب سے چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

اعتراض ①: یہ حدیث ابن اکیمہ اللیثی سے مروی ہے اور وہ مجہول ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔ بہت سارے محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہٰذا اس پر جہالت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اور یہ کہ امام ترمذیؒ نے خود اس کو حسن قرار دیا ہے اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی تو اس کی تحسین نہ کرتے۔

جواب: امام ابوداؤد اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد سکوت اختیار کرتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ اصول ہے کہ جس حدیث کے بارے میں امام ابوداؤد سکوت کریں وہ قابل استدلال ہوتی ہے۔

اعتراض ②: اس حدیث میں **فانتھی الناس** والے جملہ سے استدلال تب ہو سکتا ہے جب یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہو حالانکہ یہ امام زہری کا مقولہ ہے۔ لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں ہو سکتا۔

جواب اوّل: اقرب الی التحقیق یہ ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہی ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ موطین میں یہ روایت موجود ہے اس روایت میں ہے **قال انی اقول مالی انازع القرآن فانتھی الناس** ان کے درمیان **قال** کا لفظ موجود نہیں ہے۔ اب اس روایت کے مطابق دو احتمال ہیں یا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان تو ہو نہیں سکتا لہٰذا لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے۔

جواب ثانی: سنن ابوداؤد میں تصریح ہے **''قال معمر قال ابو ھریرۃ فانتھی الناس''** اور امام زہریؒ کا مقولہ مؤول ہے کہ **قال الزھری روایۃً فانتھی الناس** اس پر قرینہ یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں معمر کا مقولہ موجود ہے **''قال معمر فانتھی الناس''** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معمر کا مقولہ ہے اور اس کی تاویل پر اتفاق ہے تو ہم کہتے ہیں کہ **قال الزھری** میں بھی تاویل مان لی جائے۔

اعتراض ③: یہ حدیث قابل استدلال نہیں کیونکہ راوی کا اپنا فتوی روایت کے خلاف ہے اور ایسی صورت میں روایت قابل استدلال نہیں ہوتی۔

جواب اوّل: ان کی روایت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ **''اقرأ بھا فی نفسك''** سے مراد قراءت لفظیہ نہیں بلکہ قراءت نفسیہ ہے کہ دل میں غور و فکر کر لیا کرو اس سے دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

سوال: قراءۃ کا اطلاق کیا قراءت نفسیہ پر ہوتا ہے؟

جواب اوّل: یہ فصحاء کے کلام میں ہوتا ہے اور حدیث منازعت بھی اسی پر قرینہ ہے **انی اقول مالی** میں قول کرنا بھی دل میں ہے لہٰذا حدیث میں ممانعت قراءت لفظیہ کی ہے جس قراءت کا حکم دیا جا رہا ہے وہ قراءت نفسیہ ہے۔ لہٰذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔

جواب ثانی: یا ہم کہیں گے کہ یہ مؤول ہے اور تاویل یہ ہے کہ **اقرأ بھا فی نفسك حال کونك منفرداً۔**

سوال: کیا **فی نفسك** کے معنی منفرداً کے بھی ہوتے ہیں۔ **جواب:** حدیث قدسی میں اسکی صراحت ہے **ان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی**۔ یہاں فی نفسی بمعنی منفرداً کے ہے کیونکہ تقابل جماعت کے ساتھ ہے اور ایسے ہی قرآن میں ہے **قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً** اس کا معنی یہ ہے کہ تنہائی میں قول بلیغ کی تبلیغ کرو اور ایسے ہی حضرت ابو ہریرہؓ کے فتوی میں ہے۔

جواب ثالث: ایک طرف حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے دوسری طرف فتوی ابو ہریرہؓ ہے لہٰذا استدلال رسول اللہؐ کے قول سے ہوگا۔

اعتراض ④: حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت جو کہ حدیث المناداۃ کے نام سے مشہور ہے اس پہلی روایت کے معارض موجود ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں **رواہ ابو عثمان النھدی عن ابی ھریرۃ امرنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان انادی ان لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب** لہٰذا حدیث مناداۃ حدیث المنازعۃ کے معارض موجود ہے۔ یہ حدیث سالم عن المعارض نہ ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

جواب اوّل: ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حدیث المناداۃ مقتدی کے ماسوا پر محمول ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابوداؤد میں ہے "**أنادي ان لا صلوٰۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد**" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق وہ شخص ہے جس کے ذمہ ضم سورت بھی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی مقتدی کے ماسوا ہے۔

جواب ثانی: حدیث مناداۃ سنداً وزنی نہیں ہے اس میں ایک راوی جعفر بن میمون ہے امام نسائیؒ اور امام احمدؒ نے اس پر جرح کی ہے لہٰذا حدیث ابوہرہ سالم عن المعارض ہے۔

اعتراض ⑤: تقریب تام نہیں کیونکہ اس حدیث سے صرف جہری نمازوں میں ممانعت معلوم ہوتی ہے جبکہ دعویٰ عام ہے کہ سرّی اور جہری دونوں نمازوں میں قراءۃ خلف الامام ممنوع ہے جبکہ روایت میں ہے "**فانتھی الناس عن القراءۃ فیما یجھر فیہ رسول اللہ ﷺ**"۔

جواب: حدیث میں جہر کا تذکرہ صرف اس لئے ہے کہ یہ واقعہ جہری نمازوں میں پیش آیا اس کا قرینہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس واقعہ کو منازعت مع الامام قرار دیا یہ علت عام ہے اس کا تحقق سرّی اور جہری نمازوں دونوں میں ہوتا ہے۔

اعتراض ⑥: اس واقعہ میں فاتحہ کے ماسوا کی قراءت خلف الامام ہوئی تھی اس سے انکار کیا تھا جبکہ ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے صرف فاتحہ کی قراءت کرے گا تو کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا۔

جواب اوّل: یہ بھی احتمال ناشی من غیر دلیل ہے کیونکہ حضور ﷺ نے **ھل قرأ معی** فرمایا جو کہ سورۂ فاتحہ اور ماسوا دونوں کو شامل ہے۔

جواب ثانی: جو آداب فاتحہ کے ماسوا کے ہیں مثلاً سامع کا خاموش ہونا وہی آداب فاتحہ کے ہیں اُم القرآن ہونے کی وجہ سے۔

دلیل رابع: سنن ابن ماجہ ص ۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۳۷۶، مصنف عبدالرزاق جلد ۲ ص ۱۳۶ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "**من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ وقال ھٰذا اسناد صحیح متصل رجالہ کلھم ثقات**" یہ حدیث احناف کے نزدیک صحیح بھی ہے اور صریح بھی ہے کیونکہ اس میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت کے لئے کافی ہے لہٰذا مقتدی کو قراءت کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسرا یہ کہ حدیث میں مطلق قراءت بیان کی گئی ہے خواہ وہ قراءت سورۂ فاتحہ کی ہو یا کسی دوسری سورت کی۔ یہ دونوں کو شامل ہے دونوں میں امام کی قراءت حکماً مقتدی کی قراءت سمجھی جائے گی۔ اس حدیث پر بھی مخالفین نے چند اعتراضات کئے ہیں۔

اعتراض ①: محدثین نے اس حدیث جابرؓ کو موقوف قرار دیا ہے اور کہا کہ کسی ثقہ اور قوی راوی نے اسے مرفوع بیان نہیں کیا۔

جواب: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور دوسرے حضرات نے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض نہ کیا جائے گا۔

اعتراض ②: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پہلے عبداللہ بن شداد ہیں۔ اس راوی کا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ نے الاصابۃ میں لکھا ہے **لہ رؤیۃ** لہٰذا یہ حضرت جابرؓ کے معاصر ہوئے اگرچہ صغار صحابہؓ میں سے ہیں اور "مسلمؒ" کے نزدیک سند کے متصل ہونے کے لئے امکان لقاء بھی کافی ہے امام مسلمؒ کا قول تسلیم کرنا چاہیے۔ اگر بالفرض اس کا سماع حضرت جابرؓ سے ثابت نہ ہو تب بھی یہ حدیث زیادہ سے زیادہ مرسل صحابی ہوگی اور مرسل صحابی بالاجماع حجت ہے۔

اعتراض ③: عبداللہ بن شداد اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوالولید کا واسطہ ہے جو کہ مجہول ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب: ابوالولید خود حضرت عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے اصل میں روایت یوں تھی **عن عبداللہ بن شداد بن الھاد ابی الولید عن جابر**۔ کسی کاتب نے غلطی سے ابی الولید سے پہلے عن کا اضافہ کر دیا۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن شداد اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔

اعتراض ④: حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو بیان کرنے والے امام ابوحنیفہؒ اور حسن بن عمارہؒ ہیں۔ اور اسی طرح لیث بن ابی سلیم یا جابر جعفی ہیں بقول دارقطنی یہ سب ضعیف ہیں۔

جواب: جہاں تک امام ابوحنیفہؒ کی تضعیف کا ذکر ہے اس کے متعلق تفصیلی بحث وجوابات جلد اوّل کے مقدمے میں گزر چکے ہیں۔ حسن بن عمارہؒ مختلف فیہ راوی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ انکی حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔ باقی رہے لیث بن ابی سلیم یہ بھی مختلف فیہ راوی ہیں۔ علامہ ہیثمیؒ نے مختلف مقامات پر ان کی توثیق کی ہے اور فرمایا ہے **ثقة مدلس** امام ترمذیؒ نے ایک مقام پر انکی تحسین کی ہے دیکھیے **باب التمتع** ہیں۔ اور اسی طرح ترمذی جلد ثانی ۱۹۹ باب منہ جو **باب ماجاء فیمن یقرأ من القرآن عند المنام** ہیں۔ لہٰذا انکی حدیث حسن سے کم نہیں ہے۔ اور جابر جعفی بھی بلاشبہ ضعیف ہے اور خود امام ابوحنیفہؒ نے اسکی تضعیف کی ہے۔ لیکن حدیث کا مدار اس پر نہیں ہے بلکہ ہمارے پاس تو اس حدیث کے متعدد طرق ایسے موجود ہیں جس میں نہ جابر جعفی ہے اور نہ دوسرا کوئی مذکورہ بالا متکلم فیہ راوی۔

پہلا طریق مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے **حدثنا مالك بن اسماعيل عن حسن بن صالح عن ابی الزبير عن جابر** رضی اللہ عنہ **عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **قال كل من كان له امام فقراءته له قراءة**۔

اعتراض: بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں حسن بن صالح کا سماع ابوالزبیر سے ثابت نہیں ہے۔

جواب: حسن بن صالح کی ولادت ۱۰۰ھ میں ہوئی اور ابوالزبیر کی وفات ۱۲۸ھ میں ہوئی۔ ان دونوں میں معاصرت ثابت ہے جو کہ امام مسلمؒ کے نزدیک صحت حدیث کے لئے کافی ہے۔

دوسرا طریق روح المعانی جلد ۵ ص ۱۵۱ میں ہے **حدثنا ابو نعيم حدثنا الحسن بن صالح عن ابی الزبير عن جابر عن النبی** صلی اللہ علیہ وسلم علامہ آلوسی نے اس کو صحیح علی شرط مسلم قرار دیا۔

تیسرا طریق ابن ہمامؒ نے فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۳۹ میں یہ حدیث نقل کی ہے **اخبرنا اسحاق الأزرق حدثنا سفيان و شريك عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد عن جابر قال قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم یہ سند سلسلۃ الذھب صحیح علی شرط الشیخین ہے کیونکہ اسحاق الازرق صحیحین کے رجال میں سے ہے۔

یہ تمام طرق بالکل صحیح ہیں ان میں سے کسی میں بھی جابر جعفی، حسن بن عمارہ اور لیث بن ابی سلیم حتیٰ کہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان طرق پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اعتراض ⑤: اس حدیث سے استدلال تب تام ہو جب لہ ضمیر کا مرجع من ہو حالانکہ اس کا مرجع امام ہے اب اس کا مدلول یہ ہے

کہ امام کی قراءت سے دھوکہ نہ کھاؤ اس کی قراءت اپنی قراءت ہے تمہیں اپنی مستقل قراءت کرنی چاہیے۔

جواب: اس اعتراض کا منشا نحو پر مکمل عبور نہ رکھنا ہے وگرنہ یہ بات تو واضح ہے کہ جملہ خبریہ جب صلہ ہو تو عائد ضمیر کا مرجع ضروری ہے اگر اس کا مرجع امام کو بنائیں گے تو من بلا عائد ہوگا۔

دلیل خامس: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **الذی اشار الیه الترمذی تحت فی الباب** اور امام ابوداؤد نے اس کی تفصیل سے تخریج کی ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مقتدی ہونے کی حالت میں قراءت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخالجت قرار دیا۔ اس روایت میں **خالجنی** کے الفاظ ہیں اس کا معنی منازعت کے لئے ہے یعنی امام کے حق کو اس نے چھینا ہے۔ معلوم ہوا کہ سرّی نمازوں میں بھی قراءت خلف الامام جائز نہیں اور امام مسلمؒ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

دلیل سادس: حدیث ابن مسعود **الذی اخرجه الامام الترمذی فی هٰذا الباب** اور امام احمدؒ نے مسند احمد میں اس کی تخریج کی ہے **کانو یقراءون خلف الامام فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلطتم القرآن علیّ**۔

دلیل سابع: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الوفات سے متعلق ہے جس کی امام ابن ماجہ نے تخریج کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے **فقام الی جنب ابی بکر** اور امام بن گئے **واخذ من السورة حیث بلغ ابوبکر** اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحہ نہیں پڑھی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام ہونے کی حیثیت سے سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام کی فاتحہ کفایت کر جاتی ہے۔

دلیل ثامن: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس کو امام دارقطنی نے تخریج کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''**یکفیك قراءة الامام خفض اوجهر**'' امام کی قراءت خواہ آہستہ ہو یا جہری ہو تم کو قراءت امام کافی ہے۔

دلیل تاسع: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل۔ علامہ عینی بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں ''**روی منع القراءة خلف الامام عن ثمانین من الصحابة الکبار**'' یہ وزنی دلیل ہے۔ اسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قرات خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

دلیل عاشر: مسئلہ اجماعی حدیث پاک **من ادرك الرکوع ادرك الرکعة** کی وجہ سے اس بات پر اجماع ہے کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے باوجود اس کے کہ اس نے نہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کی اور نہ ساتھ سورت ملائی اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت کے لئے کافی ہے۔

دلیل حادی عشر: قیاس ہے۔ امام کی اقتداء میں فاتحہ کے علاوہ قرآن کی قراءت خلف الامام جائز نہیں تو قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ فاتحہ کی قراءت بھی نہیں ہونی چاہیے۔

دلیل ثانی عشر: بہت سارے نظائر ایسے ہیں جن میں امام کے لئے جو چیز کافی ہوتی ہے وہی مقتدی کے لئے کافی ہوتی ہے مثلاً امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہے امام کا سہو مقتدی کا سہو ہے ضابطہ ہے **کلام الوکیل کلام الموکل**۔

مناظرہ: ایک بار امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس چند لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ کرنا ہے تو امام

صاحبؒ نے ان کو فرمایا کہ اس کی صورت کیا ہوگی؟ پھر خود ہی امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم سب اکٹھے مجھ سے بات تو کر نہیں سکتے اور نہ ہی اس طرح بات ہوسکتی ہے۔ لہٰذا تم اپنی طرف سے ایک شخص مقرر کرو جو میرے ساتھ بات چیت کرے۔ انہوں نے اتفاق رائے سے ایک آدمی کو منتخب کرلیا۔ جب اس کو امام صاحبؒ کے سامنے لائے تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ تم سب کو اس کی بات پر اعتماد اور یقین ہے جو کچھ یہ کہے گا وہ تم سب کو منظور ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اس پر امام صاحبؒ نے کہا کہ میں نے مناظرہ جیت لیا۔ وہ لوگ کہنے لگے ابھی تو بات ہی شروع نہیں ہوئی۔ امام صاحبؒ نے کہا کہ جب تم نے اس شخص کو اپنا وکیل اور مناظر مان لیا اور اسکی ہر بات پر اعتماد کرلیا تو اسی کو کہتے ہیں کہ امام کی ہر بات مقتدی کے لئے کافی ہوتی ہے جیسا کہ تم نے یہاں پر اس کی بات اس کا فیصلہ اپنا فیصلہ مان لیا تو نماز میں بھی بطریق اولیٰ امام کی قرأت کو مقتدیوں کی قرأت سے ماننا پڑے گی۔ اس پر وہ خاموش ہوگئے۔

سوال: اس اعتبار سے امام کا ہر رکن مقتدی کے لئے کافی ہونا چاہیے۔ مقتدی وہ رکن ادا نہ بھی کرے تو اس کی نماز ہو جانی چاہیے حالانکہ اس کے قائل تو تم بھی نہیں کیونکہ اگر امام رکوع کرے مقتدی رکوع نہ کرے تو اس کی نماز ہو جانی چاہیے۔ حالانکہ مقتدی کی نماز نہیں ہوگی تو یہاں پر صرف ایک رکن کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** نماز کی نوعیت مختلف ہے ابتداءً جو نماز ہے وہ آداب شاہی کو بجالانا ہے اور ظاہر ہے آداب کو بجالانا سب کے ذمہ ہے پھر سورۂ فاتحہ بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کرنا ہے اور درخواست پیش کرنے کا اصول یہ ہوتا ہے کہ قوم کا نمائندہ درخواست پیش کرے۔ اس لئے کہا کہ امام اقرأ اعلم اور اورع ہونا چاہیے) درخواست پیش کرنے کے بعد تصدیق ضروری ہوتی ہے۔ اس پر ضرورت یہ ہے کہ سب تصدیق کریں اور سب کی تصدیق امین کہنا ہے۔ اسی لئے امام بھی امین کہتا ہے اور مقتدی بھی۔ پھر جب سورت کی قراءت شروع ہوتی ہے تو امام حق تعالیٰ کا نمائندہ ہے۔ سورۂ فاتحہ میں جس ہدایت کی درخواست تھی گویا وہ قبول ہوگئی۔ اب امام نمائندہ بن کر صراط مستقیم کی تعلیم دے رہا ہے اور تعلیم میں اصول یہ ہے کہ معلّم بولے اور باقی سب خاموش رہیں۔ اب اس کے بعد مقام شکر ہے کہ اے میرے رب تو نے ہماری درخواست کو قبول کیا اور یہ شکر سب کے ذمہ ہے۔ اور رکوع وسجود شکر کو بجالانا ہے یہ سب کے ذمہ ہے اس لئے رکوع وسجود سب کے ذمہ ہے۔

دلیل ثالث عشر: علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں تحریر کیا ہے کہ **ترک القراءۃ خلف الامام** کا مسلک تقریباً اسّی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے جن میں بعض صحابہ کرامؓ اس بارے میں کافی متشدد تھے جن میں خلفاء اربعہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور بہت سارے صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا ہے یہاں پر چند آثار صحابہ ذکر کئے جاتے ہیں۔

حضرت جابرؓ کا اثر: ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام**۔ (جلد اوّل ص ۴۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر: دارقطنی میں ہے **ان عبداللہ بن عمر کان اذا سئل ھل یقرء احد خلف الامام قال اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام و اذا صلی وحدہ فلیقرأ و کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام**۔ (جلد ا ص ۱۵۴)

حضرت زید بن ثابتؓ کا اثر: مسلم شریف، طحاوی شریف میں ہے **عن عبید اللہ بن مقسم سئل عبداللہ بن عمرو**

زید بن ثابت و جابر فقالوا لا یقرأ خلف الامام فی شیءٍ من الصلوٰۃ۔ (مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵/طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر: الجوہر النقی میں ہے کہ ابو جمرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا اقرأ والامام بین یدی قال لا۔ (جلد ۲ ص ۱۷۱)

خلفاء راشدین کے آثار: عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۶۷ میں ہے ان ابابکر و عمر و عثمان کانوا ینهون عن القراءۃ خلف الامام اور الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۹ اور طحاوی جلد اوّل ص ۱۲۹ میں ہے قال علی من قرأ مع الامام فلیس علی الفطرۃ۔

سعد بن ابی وقاصؓ کا اثر: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیه جمرۃ۔

فاتحہ خلف الامام کے بارے میں حضرت علامہ رشید احمد گنگوہی کی تقریر: الکوکب الدری میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں چونکہ نماز کی ابتداء صلوٰۃ اللیل سے ہوئی تھی اور شروع میں صرف وہی فرض تھی اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قراءت کے عادی ہو چکے تھے اس کے بعد جب صلوٰۃ خمسہ فرض ہوئیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرائض میں خلف الامام بھی قراءت کرتے رہے۔ اسی اثناء میں آیت کریمہ "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلّکم ترحمون" کا نزول ہوا اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز مختلف ہو گیا۔ بعض حضرات نے تو قراءت خلف الامام کو مطلقاً ترک کر دیا لیکن بعض حضرات ثواب کی حرص میں سکتات امام میں اپنی رائے و اجتہاد سے قراءت فرماتے رہے تا کہ قراءت اور استماع دونوں کی فضیلت حاصل ہو جائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے رہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قراءت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت میں خلجان واقع ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس قراءت سے منع فرمایا ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرمایا کہ سورۂ فاتحہ چونکہ سب کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے شاید اس میں منازعت اور التباس نہ ہو، صرف اس کی قراءت کی اجازت دے دی کچھ روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کی قراءت سے بھی منازعت ہوتی ہے، تب آپؐ نے اس سے بھی منع فرما دیا لیکن صرف جہری نمازوں میں جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ میں صلوٰۃ الفجر کے واقعہ میں ہے "فانتهی الناس عن القراءۃ فیما جهر فیه الامام" چنانچہ اب سرّی نمازوں میں قراءت رہ گئی لیکن آخر میں اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنا پڑا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے جو کہ صلوٰۃ ظہر میں ہے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف میں دو باب ابوداؤدؒ نے اسی ترتیب پر قائم کئے ہیں۔ الحاصل یہ کہ یہ نسخ تدریجاً تدریجاً ہوا آخر میں آپؐ کا فرمان من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ اور اذا قرء فانصتوا والا امر آ گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ إِذَا جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلَاةٍ جَهَرَ فِيهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ جہری نماز سے فارغ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قراءت کی ہے ایک شخص نے عرض

بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِي أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مَا لِي أُنَازَعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا يَجْهَرُ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الصَّلَوَاتِ بِالْقِرَاءَةِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَابْنُ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِيُّ اسْمُهُ عُمَارَةُ وَيُقَالُ عَمْرُو بْنُ أُكَيْمَةَ وَرَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ وَذَكَرُوا هٰذَا الْحَرْفَ قَالَ قَالَ الزُّهْرِيُّ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ حِينَ سَمِعُوا ذٰلِكَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مَا يَدْخُلُ عَلَى مَنْ رَأَى الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ لِأَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ هُوَ الَّذِي رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَرَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ فَقَالَ لَهُ حَامِلُ الْحَدِيثِ إِنِّي أَكُونُ أَحْيَانًا وَرَاءَ الْإِمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فِي نَفْسِكَ وَرَوَى أَبُو عُثْمَانَ النَّهْدِيُّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنَادِيَ أَنْ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَاخْتَارَ أَكْثَرُ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ أَنْ لَا يَقْرَأَ الرَّجُلُ إِذَا جَهَرَ الْإِمَامُ بِالْقِرَاءَةِ وَقَالُوا يَتَّبِعُ سَكَتَاتِ الْإِمَامِ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ فَرَأَى أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمُ الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کرنے والے راوی نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تب ہی تو میں کہتا ہوں کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑا کیوں کیا جاتا ہے راوی کہتے ہیں پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہری نمازوں میں قراءت سے رک گئے اس باب میں حضرت ابن مسعود، عمران بن حصین، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے ابن اکیمہ لیثی کا نام عمارہ ہے اور انہیں عمرو بن اکیمہ بھی کہا جاتا ہے زہری کے بعض اصحاب نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں کہ زہری نے کہا اس کے بعد لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قراءت کرتے ہوئے سنتے تو قراءت کرنے سے باز رہتے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قراءت خلف الامام کے قائلین پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس حدیث کو بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور انہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہے، حضرت کہا کہ میں کبھی کبھی امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں تو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دل میں پڑھ لیا کر۔ حضرت ابوعثمان نہدی نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اعلان کروں کہ جو شخص نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی محدثین نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ اگر امام زور سے قراءت کرے تو پھر امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے اور انہوں نے کہا کہ سکتوں کے درمیاں پڑھ لے اہل علم کا امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے قراءت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے اکثر صحابہ وتابعین اور بعد کے اہل علم کے نزدیک امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز ہے امام مالک رحمہ اللہ، ابن مبارک رحمہ اللہ، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں امام کے پیچھے قراءت کرتا ہوں اور دوسرے لوگ بھی امام کے پیچھے قراءت

وَإِسْحٰقَ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ أَنَا أَقْرَأُ خَلْفَ الْإِمَامِ وَالنَّاسُ يَقْرَءُونَ إِلَّا قَوْمٌ مِنَ الْكُوفِيِّينَ وَأَرٰى أَنَّ مَنْ لَمْ يَقْرَأْ صَلَاتُهُ جَائِزَةٌ وَشَدَّدَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَرْكِ قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ كَانَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَقَالُوا لَا تُجْزِءُ صَلَاةٌ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَحْدَهُ كَانَ أَوْ خَلْفَ الْإِمَامِ وَذَهَبُوا إِلٰى مَا رَوٰى عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَرَأَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَ الْإِمَامِ وَتَأَوَّلَ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِقِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَإِسْحٰقُ وَغَيْرُهُمَا وَأَمَّا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَقَالَ مَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ إِذَا كَانَ وَحْدَهُ وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ حَيْثُ قَالَ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَهٰذَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَأَوَّلَ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ أَنَّ هٰذَا إِذَا كَانَ وَحْدَهُ وَاخْتَارَ أَحْمَدُ مَعَ هٰذَا الْقِرَاءَةَ خَلْفَ الْإِمَامِ وَأَنْ لَا يَتْرُكَ الرَّجُلُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَإِنْ كَانَ خَلْفَ الْإِمَامِ۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَقُولُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

کرتے ہیں۔سوائے اہل کوفہ کے لیکن جو شخص امام کے پیچھے قراءت نہ کرے میں اس کی نماز کو بھی جائز سمجھتا ہوں اہل علم کی ایک جماعت نے سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے کے مسئلہ میں شدت سے کام لیا اور کہا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی چاہے اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہوانہوں نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول پر عمل کیا کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی امام شافعیؒ اور اسحاقؒ وغیرہ کا یہی قول ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اکیلے نماز پڑھنے والے پر محمول ہے ان کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ انہوں نے فرمایا جس شخص نے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی گویا کہ اس نے نماز پڑھی ہی نہیں سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہوا امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث (لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی) کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو لیکن اس کے باوجود امام احمد بن حنبلؒ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ امام کے پیچھے ہوتے ہوئے بھی کوئی آدمی سورۂ فاتحہ نہ چھوڑے۔

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں جس نے ایک رکعت بھی سورت فاتحہ کے بغیر پڑھی گویا کہ اس نے نماز ہی نہیں پڑھی سوائے اس کے کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

تشریح: **فھی خداج:** لفظ خداج کا جو یہ معنی کیا گیا ہے کہ نماز نہیں ہوتی یہ معنی ہمیں تسلیم نہیں کیونکہ عورت یا جانور اگر مدت حمل پوری ہونے سے پہلے بچہ جن دے اور بچہ تام الخلقت نہ ہو۔ خدج اگر مجرد سے ہو تو کہتے ہیں **خدجت الناقة** اور **خدجت المرأة** یعنی اونٹنی نے قبل از وقت بچہ جنا اور عورت نے مدت حمل پوری ہونے سے پہلے بچہ جنا۔ اور اگر باب افعال سے

ہو تو معنی یہ ہوگا کہ اونٹنی نے ناتمام بچہ جنا۔ بہر حال اس لفظ میں ناتمامیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے نماز پڑھی اور سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز اگر چہ ہوگئی مگر کامل نہیں ہوئی، ناقص ہوئی۔ اسی وجہ سے احناف نے سورۂ فاتحہ کے فرض ہونے کی نفی کی اور واجب ہونے کا حکم لگایا اور اس کے بعد جو لفظ غیر تمام آیا ہے وہ خداج کی تفسیر ہے۔ قراءت خلف کے مسئلہ سے متعلق اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح اس حدیث کے بعد والا جملہ ''اقرأ بها في نفسك'' کا ترجمہ کیا گیا ''سراً پڑھ'' یہ ترجمہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ قرآنی نفسہ، قال فی نفسہ ایک محاورہ ہے اس کے معنی ہیں دل و دماغ میں پڑھنا اور سوچنا اور یہ سرّ کے ادنیٰ درجہ سے بھی نیچے کا درجہ ہے اور جہر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ دائیں بائیں موجود لوگ سن لیں اور جہر کے اعلیٰ درجہ کی کوئی حد نہیں۔ اور سرّ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تصحیح حروف یعنی زبان حرکت کرے مخارج پر جا کر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو اس سے نیچے والی قراءت نفسی ہے اس میں نہ ہونٹ حرکت کریں اور نہ ہی زبان بلکہ مقتدی دل و دماغ میں اس کو پڑھ رہا ہو۔ فاتحہ پڑھنے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس لئے فرمایا تاکہ دماغ اِدھر اُدھر نہ بھٹکے اور آدمی نماز میں مشغول رہے۔

وقد اختلف اهل العلم: یہاں سے امام ترمذیؒ نے قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے متعلق جو بحث ہے اس کے متعلق مذاہب کو بیان کیا ہے جس کا تفصیلی ذکر باب اوّل فی قراءۃ خلف الامام میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ دُخُولِ الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ أُمِّهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ و قَالَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ فَلَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَسَنِ بِمَكَّةَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِي بِهِ قَالَ كَانَ إِذَا دَخَلَ قَالَ رَبِّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَإِذَا خَرَجَ قَالَ رَبِّ افْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي أُسَيْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ

حضرت عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ اپنی والدہ فاطمہ بنت حسین سے اور وہ اپنی دادی فاطمہ کبریٰ سے نقل کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو درود پڑھتے اور یہ دعا پڑھتے اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو درود شریف پڑھتے اور یہی دعا فرماتے (رَبِّ اغْفِرْ لِي.... الخ) علی بن حجر نے کہا کہ اسماعیل بن ابراہیم نے مجھ سے کہا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن حسن سے ملاقات کی اور ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے اے ہمارے رب ہمارے لئے رحمت کے دروازے کھول دے اور جب مسجد سے باہر نکلتے تو فرماتے اے ہمارے رب میرے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔ اس باب میں ابوحمید، ابواسید اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی

فَاطِمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ وَفَاطِمَةُ ابْنَةُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرَى إِنَّمَا عَاشَتْ فَاطِمَةُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهُرًا.

روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث فاطمہ حسن ہے اور اس کی سند متصل نہیں کیونکہ فاطمہ بنت حسین فاطمہ کبریٰ سے ملاقات ثابت نہیں اس لئے کہ حضرت فاطمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صرف چند ماہ تک زندہ رہیں۔

تشریح: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رحمہا اللہ کا اپنی دادی حضرت فاطمۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے لقاء وسماع ثابت نہیں کیونکہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے وقت حضرات حسنین بالغ نہیں ہوئے تھے اس کے علاوہ لیث بن سلیم بھی اچھے راوی نہیں ہیں۔

صلّی علی محمد وسلم وقال رب اغفرلی: سوال: بعض حضرات نے یہاں پر یہ کہا ہے کہ یہاں درود کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے دعا مانگی اسی طرح ہر شخص مسجد میں داخل ہوتے ہوئے اپنے لئے دعا مانگ سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے داعی و معلّم ہیں تو آپ کی پیروی لازمی ہے۔

جواب: اس کے بالمقابل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قولی موجود ہے جو ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے **قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل احدكم المسجد فليسلم على النبى صلی اللہ علیہ وسلم ثم ليقل "اللّٰهم افتح لى أبواب رحمتك واذا خرج فليقل" "اللّٰهم إنى اسئلك من فضلك"** اصول حدیث ہے کہ جب قول اور فعل میں تعارض آجائے تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

دوسرا یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت صرف دارمی نے ذکر کی اور کسی نے ذکر نہیں کی۔ البتہ امام مسلم اور امام احمد نے بھی ذکر کی ہے لیکن اس میں لفظ سلام ذکر نہیں کیا۔ جبکہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نسائی شریف، ابن حبان، ابن السنی اور حاکم نے ذکر کی ہے جیسا کہ حصن حصین میں ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۲۹۱۔ ۲۹۲)

أبواب فضلك: مسجد سے نکلنے کے ساتھ فضل کو خاص کیا جیسا کہ مسجد میں داخل ہونے کے لئے رحمت کو خاص کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد میں دخول کے ساتھ انسان کو ثواب کی امید ہوتی ہے اس کے مناسب رحمت کو ذکر کیا ہے اور انسان جب مسجد سے نکلتا ہے تو اپنے رزق کی تلاش کرتا ہے اس مناسبت سے فضل کو ذکر کیا۔ (کمافی المرقاۃ جلد ا ص ۴۵۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''**حجة الله البالغة**'' میں فرماتے ہیں کہ رحمت سے مراد روحانی واُخروی نعمتیں ہیں جیسا کہ ولایت، نبوت وغیرہ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے **ورحمة ربك خير مما يجمعون**۔ اور فضل سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **وابتغوا من فضل الله** پس مسجد میں دخول سے اللہ کا قرب مطلوب ہوتا ہے اور خروج سے رزق کی تلاش ہوتی ہے۔ **انتهى ملخصًا** (معارف السنن جلد ۳ ص ۲۹۲)

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي ذَرٍّ وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ نَحْوَ رِوَايَةِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَرَوَى سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَالصَّحِيحُ حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا اسْتَحَبُّوا إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ الْمَسْجِدَ أَنْ لَا يَجْلِسَ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهُ عُذْرٌ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَحَدِيثُ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ خَطَأٌ أَخْبَرَنِي بِذٰلِكَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ.

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ اس باب میں حضرت جابر، ابوامامہ، ابوہریرہ، ابوذر اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے محمد بن عجلان اور کئی راویوں نے اس حدیث کی مثل روایت کیا ہے۔ سہیل بن ابی صالح نے اس حدیث کو عامر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے اور وہ عمر بن سلیم وہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور صحیح حدیث ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں ہمارے اصحاب کا اس حدیث پر عمل ہے کہ جو آدمی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے یہ اس کے لئے مستحب ہے بشرطیکہ اسے کوئی عذر نہ ہو علی بن مدینی نے کہا کہ سہیل بن ابی صالح کی حدیث غلط ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ مجھے اس کی خبر اسحاق بن ابراہیم نے علی بن مدینی کے حوالے سے دی ہے۔

تشریح: **هٰذه الصلوة تسمى تحية المسجد و فی الحقيقة "تحية رب المسجد"**۔ تحیۃ المسجد سے مقصود تقرب الی اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ قرب صرف مسجد میں ہی ملے گا گھر میں نہیں مل سکتا۔ اس نماز کو تحیہ اس حدیث کی وجہ سے کہا گیا جو صحیح ابن حبان میں مذکور ہے **"یا أباذر ان للمسجد تحية و ان تحيته ركعتان فقم فاركعهما" (كما فی الحليه)**۔

اے ابوذر! مسجد کے لئے تحیہ ہے اور وہ تحیہ دو رکعتیں ہیں، لہٰذا تم کھڑے ہو کر دو رکعت نماز (تحیۃ المسجد) پڑھو۔ کمافی ردالمحتار۔

مسئلہ: تحیۃ المسجد کا حکم: اس کے حکم میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے ہاں ان رکعتین کا حکم استحباب کا ہے۔ بعض احناف کی طرف سنت والا قول منسوب کیا گیا ہے اور بعض کتابوں میں استحباب کی تعبیر ہے۔ شوافع کی کتب میں سنن کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے سنت و استحباب کی جو بھی صورت ہو بہر حال اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

قول ثانی: داؤد ظاہری کے نزدیک تحیۃ المسجد کا حکم واجب کا ہے ابن حزم ظاہری نے المحلی میں عدم وجوب کو ترجیح دی ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل: حدیث الباب ہے جس میں یہ الفاظ ہیں **"فليركع ركعتين قبل أن يجلس" "فليركع** امر کا صیغہ

ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

جواب: جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ امر ہر جگہ وجوب کے لئے نہیں ہوتا خصوصاً جہاں پر قرینہ صارفہ عن الوجوب موجود ہو۔ اور وہ یہاں پر موجود ہے۔ جیسا کہ جمہور حضرات کے دلائل میں آرہا ہے۔

جمہور کی دلیل اوّل: بخاری و مسلم شریف میں حدیث اعرابی ہے کہ ایک اعرابی نے آپ ﷺ سے نمازوں کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں۔ اعرابی نے پھر سوال کیا **ھل علیّ غیرھا** تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ”**لا الا أن تطوع**“۔

دلیل ثانی: طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن ایک شخص تخطی رقاب (لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوئے) کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا آپ ﷺ نے اس کو فرمایا ”**اجلس فقد أذیت**“ حالانکہ اس نے ابھی تحیۃ المسجد نہیں پڑھی تھی۔ اگر تحیۃ المسجد پڑھنا واجب ہوتا تو آپ ﷺ اس کو ضرور حکم فرماتے۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت زید بن اسلم سے روایت ہے **قال کان اصحاب النبی ﷺ یدخلون المسجد ثم یخرجون ولا یصلون ورأیت ابن عمر یفعله.** (جلد اص ۳۴۰)

مسئلہ ثانیہ: قبل ان یجلس: یہ تحیۃ المسجد کے وقت مستحب کا بیان ہے اگر کوئی شخص مسجد میں آکر بیٹھ جائے تو کیا اس سے تحیۃ المسجد کا حکم ختم ہو جائے گا؟ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھنے سے تحیۃ المسجد فوت نہیں ہوگی بلکہ جلوس کے بعد بھی پڑھ سکتا ہے جبکہ شوافع کے نزدیک جلوس سے تحیۃ المسجد فوت ہو جاتی ہے۔

احناف کا استدلال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو باب کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

فائدہ: اگر کسی شخص کو تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع نہ ملے تو چاہیے کہ ایک مرتبہ ”**سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر**“ پڑھ لے وہ بھی کافی ہو جائے گا۔

مسئلہ ثالثہ: اوقات مکروہہ میں تحیۃ المسجد کا حکم؟ اس کے متعلق بھی ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: شوافع کے نزدیک اوقات مکروہہ میں بھی تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک اوقات مکروہہ میں تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہیں۔

شوافع کی دلیل: حدیث الباب میں عموم ہے اوقات مکروہہ وغیر مکروہہ کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا اوقات مکروہہ میں پڑھنا جائز ہے۔

جواب: یہاں پر دو عموم متعارض ہیں۔ ① ۔ احادیث نہی کا عموم۔ ② ۔ احادیث رکعتین عند دخول المسجد کا عموم۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم جب بھی مسجد میں آؤ تحیۃ المسجد پڑھو۔ یہ عام ہے خواہ وقت مکروہ ہو یا نہ ہو ”**اذا کان الامر کذلك**“ اب ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ یہاں حرمت اور اباحت میں تعارض ہے۔ لہٰذا عند الاحناف حرمت کو ترجیح ہوگی۔

جبکہ شوافع حضرات نے اباحت کو ترجیح دی۔ **جواب:** حرام سے بچنا اولیٰ ہے اباحت کے بجالانے سے۔

فائدہ: تمام مساجد کے لئے تحیۃ المسجد دو رکعت نماز ہے سوائے مسجد حرام کے، اس کے لئے تحیۃ المسجد طواف کرنا ہے۔ کیونکہ تمام ائمہ کے نزدیک مسجد حرام کا تحیہ طواف ہے۔

قال ابوعیسٰی وحدیث ابی قتادۃ حدیث حسن صحیح: یہاں سے امام ترمذیؒ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث محمد بن عجلان سے بھی مروی ہے۔ یہاں پر یہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہے ایک طریق مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرا طریق سہیل بن ابی صالح کا ہے۔

فرق: دونوں میں یہ ہے کہ بطریق مالک بن انس رضی اللہ عنہ یہ مسندات قتادہ رضی اللہ عنہ میں سے ہے اور سہیل بن ابی صالح والے طریق کے مطابق یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مسندات سے ہے یہاں پر امام ترمذیؒ نے پہلے طریق کو ترجیح دی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْأَرْضَ كُلَّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَأَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَحُذَيْفَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَأَبِي ذَرٍّ قَالُوا إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ قَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ مُحَمَّدٍ رِوَايَتَيْنِ مِنْهُمْ مَنْ ذَكَرَهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ يَذْكُرْهُ وَهٰذَا حَدِيثٌ فِيهِ اضْطِرَابٌ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَكَانَ عَامَّةُ رِوَايَتِهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَكَأَنَّ رِوَايَةَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَثْبَتُ وَأَصَحُّ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ساری زمین مسجد ہے سوائے قبرستان اور حمام کے۔ اس باب میں حضرت علی، عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ، جابر، ابن عباس، حذیفہ، انس، ابوامامہ اور ابوذر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے یہ سب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے لئے تمام روئے زمین مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث عبدالعزیز بن محمد سے دو طریق سے مروی ہے بعض نے اس میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور بعض نے نہیں اور اس حدیث میں اضطراب ہے سفیان ثوری عمرو بن یحییٰ سے وہ اپنے والد وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں محمد بن اسحاق اسے عمرو بن یحییٰ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جبکہ ان کی اکثر روایات حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مروی ہیں لیکن انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا گویا کہ سفیان ثوری کی روایت بواسطہ عمرو بن یحییٰ ان کے والد سے اور ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی حدیث زیادہ ثابت اور اصح ہے۔

تشریح: زمین ساری کی ساری مسجد ہے یہ اس امت کی خصوصیت ہے کیونکہ پہلے امتوں کیلئے عبادت خانے سے باہر عبادت کرنا

جائز نہیں تھا۔ آپ ﷺ کو جو خصوصیات عطا کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پوری زمین کو آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی امت کیلئے پاک کر دیا گیا ہے جہاں پر نماز پڑھیں، عبادت کریں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کوئی مانع نہ ہو مثلاً زمین نجس ہو وغیرہ۔

الا المقبرۃ: حدیث الباب میں دو اشیاء کا استثناء کیا گیا ہے ان میں سے پہلی چیز قبرستان ہے۔ مقبرۃ تاء کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں بہت ساری قبریں ہوں۔ اور اگر مقبر بغیر تاء کے ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں ایک قبر ہو تو وہاں بھی نماز نہیں پڑھنی چاہیے یہ فرق لغوی ہے۔

نیز مقبرہ میں نماز کی ممانعت تب ہے جب قبر سامنے ہو اور قبر و مصلی کے درمیان کچھ حائل نہ ہو لیکن اگر مسجد مقبرے میں ہو یا سامنے دیوار میں یا قبر دائیں یا بائیں ہو یا پیچھے ہو تو نماز پڑھنا مکروہ نہیں۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۹۷)

والحمام: حمام نہانے کے بڑے ہوٹل کو کہتے ہیں جس طرح ہمارے دیار میں کھانے اور ٹھہرنے کیلئے ہوٹل ہوتے ہیں۔ اسی طرح جن ملکوں میں پانی کم ہے وہاں نہانے اور کپڑے دھونے کیلئے بھی ہوٹل ہوتے ہیں وہاں مرد و عورت سب جا کر نہاتے ہیں ایک تو وہاں بے حیائی و فحاشی ہوتی ہے لوگوں کا ستر نظر آتا ہے۔ اس وجہ سے وہاں نماز جائز نہیں۔ دوسرا یہ کہ ایسی جگہیں اکثر نجاست سے خالی نہیں ہوتیں اسلئے ایسی جگہوں پر نماز جائز نہیں۔ بعض فقہاء نے ایسی جگہوں پر مطلق نماز پڑھنے کو توہین سمجھا ہے کیونکہ یہ عظمت کی جگہ نہیں۔

مسئلہ: مقبرۃ اور حمام میں نماز کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام احمدؒ اور اہل ظواہر کے نزدیک نماز پڑھنے سے نہی، نہی تحریمی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ کے نزدیک ایسی جگہوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ اس کیلئے کچھ فرق بیان کرتے ہیں کہ اگر قبرستان کی زمین میں قبریں کھلی ہوئی ہوں اور زمین مردوں کے گوشت پوست سے ملی ہوئی ہو تو پھر اس زمین پر نماز پڑھنا جائز نہیں اور اگر زمین پاک ہو تو پھر قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے (کما فی العمدۃ جلد ۲ ص ۳۱۵) فتویٰ تو اسی قول پر ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنی جائز نہیں کیونکہ وہاں نماز پڑھنا شرک کے شائبہ سے خالی نہیں واللہ اعلم۔

قال ابو عیسٰی حدیث ابی سعید قد روی عن عبد العزیز بن محمد روایتین......وھٰذا حدیث فیہ اضطراب:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اضطراب ہے اس کو عمرو بن یحییٰ سے سفیان ثوری، حماد بن سلمہ، عبد العزیز بن محمد دراوردی اور محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں۔ دراوردی سے یہ حدیث متصل اور مرسل دونوں طرح مروی ہے اور سفیان ثوری نے اس کو مرسل روایت کیا ہے اور حماد بن سلمہ متصل روایت کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ عمرو بن یحییٰ عن ابیہ کی سند سے اکثر حدیثیں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہیں مگر یہاں ان کا واسطہ نہیں یعنی یہ حدیث مرسل ہے جبکہ امام ترمذیؒ نے سفیان ثوری کی مرسل روایت کو اصح قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَنَى لِلهِ مَسْجِدًا بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ وَأُمِّ حَبِيبَةَ وَأَبِي ذَرٍّ وَعَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ وَوَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُثْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ بَنَى لِلهِ مَسْجِدًا صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ. حَدَّثَنَا بِذَلِكَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى قَيْسٍ عَنْ زِيَادٍ النُّمَيْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا وَمَحْمُودُ بْنُ لَبِيدٍ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمَا غُلَامَانِ صَغِيرَانِ مَدَنِيَّانِ.

فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے اسی کی مثل گھر بنائے گا۔ اس باب میں حضرت ابوبکر، عمر، علی، عبداللہ بن عمر، انس، ابن عباس، عائشہ، اُم حبیبہ، ابوذر، عمر بن عبسہ، واثلہ بن اسقع، ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عثمان رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے جس نے اللہ کے لئے چھوٹی یا بڑی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ محمود بن لبید نے آپ ﷺ کا زمانہ پایا ہے اور محمود بن الربیع نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے اور یہ دونوں چھوٹے صحابی ہیں اور یہ دونوں مدینہ کے رہنے والے تھے۔

تشریح: من بنی: بناء عام ہے خواہ پہلی مرتبہ مسجد بنائے یا مسجد کی توسیع کرائے یا اس کا رنگ روغن کرائے، یا پرانی بناء توڑ کر نئی تعمیر کرائے یا اسی کی اصلاح کرائے تو ان چیزوں کا ثواب وہی ہے جو نئی مسجد بنانے کا ہے۔

للہ: اس نے مسجد اللہ کی خوشنودی کے لئے بنائی، دنیاوی کوئی غرض نہیں تھی نہ دکھاوا اور نہ ہی کوئی دوسرا کام۔ ابن جوزیؒ نے فرمایا جس نے مسجد بنا کر اپنے نام کا کتبہ لگایا تو یہ کام اخلاص سے بہت بعید ہے اور جو لوگ اجرت لے کر یا دیہاڑی لے کر مسجد تعمیر کرتے ہیں وہ اس وعدہ ثواب کے مستحق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی اجرت لے لی ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۲۹۹)
لیکن علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مزدور وغیرہ اس میں ثواب کی نیت بھی کر لیں تو وہ کچھ نہ کچھ ثواب کے حقدار ہوں گے۔ نیت کے احوال سے تو اللہ تعالیٰ بخوبی واقف ہے۔ مزدوروں کے ثواب کی نیت کی نشانی یہ ہے کہ مزدور وغیرہ چستی اور خوشی سے کام کریں یا وقت مقررہ کی اجرت لیں یا جتنا وقت مقرر ہے اس سے ایک آدھ گھنٹہ زائد دے دیں یا اپنی طرف سے کچھ زائد کام کر لیں۔ مثلاً اگر ایک مزدور ایک دن میں جو کام کرتا ہے اتنا کام آدھے دن یا تہائی دن میں مکمل کر کے زائد کام کر لے۔
نیز ابن جوزیؒ کی بات مان لی جائے کہ مزدور نے اجرت لے لی تو کوئی ثواب نہیں ملے گا تو پھر ہم کہیں گے کہ دنیا میں جتنے بھی نیک کام کرنے والے تنخواہ لیتے ہیں تو پھر ان کو ثواب نہیں ملنا چاہیے کیونکہ انہوں نے تنخواہ جو لے لی۔ مثلاً امام ہے، مدرس ہے، خطیب ہے، قاری ہے، قرآن پڑھانے میں لگا ہوا ہے۔ جس طرح فقہاء کرام نے ان کو وظیفہ لینے کی اجازت دی ہے اسی طرح بناء مسجد میں مزدور کا بھی حکم ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

مسجدًا: تنوین تنکیر کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ثواب ہر مسجد بنانے کا ہے خواہ مسجد بڑی ہو یا چھوٹی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں **صغیرًا او کبیرًا** کی صراحت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ایک طریق میں **ولو کمفحص قطاۃ** کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اگر قطاہ پرندہ "بٹیر یا چھوٹا تیتر" کے انڈے دینے کی جگہ (گھونسلا) کے بقدر مسجد بنائے گا تو بھی مسجد بنانے کا ثواب ملے گا۔ اس جملہ کے محدثین نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ ① چھوٹا ہونے میں مبالغہ ہے۔ ② یہ کہ مساجد کو چندہ کی رقم سے تعمیر کیا جائے تا کہ معمولی چندہ دینے والے کو بھی ایک اینٹ کے بقدر ثواب مل جائے۔

بنی اللہ لہ بیتًا مثلہ فی الجنۃ: اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا بناء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت مجازی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے **بنی الامیر المدینۃ** امیر نے شہر تعمیر کیا حالانکہ وہ تو مزدوروں نے تعمیر کیا ہوتا ہے مگر چونکہ وہ تعمیر امیر کے حکم سے ہوتی ہے اس لئے بناء کی نسبت امیر کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی نسبت ہے۔

مثلہ: المماثلۃ فی الثواب یہ مماثلت ثواب کے اعتبار سے ہے بناء کے اعتبار سے نہیں مطلب یہ ہے کہ جنت میں اس کے گھر کی فضیلت دوسرے گھروں سے اس طرح زیادہ ہوگی جس طرح دنیا میں مسجد کی فضیلت گھروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ بندہ اپنی گنجائش اور لوگوں کی حاجت کے بقدر مسجد بناتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اسکے لئے محل بنائیں گے۔ جیسا کہ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حدیث کے الفاظ ہیں **بنی اللہ لہ بیتًا فی الجنۃ افضل منہ۔** (معجم طبرانی)

مسئلہ: اس باب کے ضمن میں ایک مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ کیا مسجد کے چندہ سے مسجد کی تزئین و آرائش کی جائے گی یا نہیں؟ اس کے متعلق خلاصہ یہ ہے کہ اگر متولی اپنے مال و دولت سے تزئین و آرائش کرے تو کر سکتا ہے مسجد کے مال سے نہیں کر سکتا۔ البتہ ایک صورت یہ ہے کہ مسجد کا اتنا پیسہ ہو کہ ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر تزئین جائز ہے۔ لیکن علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آج کل چندہ سے مسجد کی تزئین و آرائش جائز ہے کیونکہ چندہ دینے والے مسجد کی تزئین کو بھی مسجد کی بناء میں داخل سمجھتے ہیں۔

قال ابو عیسیٰ: محمود بن لبید رحمہ اللہ و محمود بن الربیع رحمہ اللہ یہ دونوں چھوٹے لڑکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت محمود بن لبید پانچ سال کے تھے اور محمود بن ربیع اس سے چھوٹے تھے۔ یہ دونوں صحابی رسول ہیں۔ اور صغار صحابہ میں سے ہیں۔ سند میں تو صرف محمود بن لبید کا ذکر ہے لیکن مصنف رحمہ اللہ نے ان کے ساتھ ابن ربیع کو بھی ذکر کر دیا ہے ایک تو اس لئے کہ یہ بھی صغار صحابہ میں سے ہیں اور دوسرا اس لئے کہ دونوں ہم نام بھی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَتَّخِذَ عَلَى الْقَبْرِ مَسْجِدًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی قبروں کی زیارت کرنے

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ وَفِی الْبَاب عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ وَعَائِشَۃَ قَالَ أَبُوْ عِیسٰی حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

والی عورتوں پر، قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر اور چراغ جلانے والوں پر۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس حسن ہے۔

تشریح: حدیث مبارک میں تین جملے ہیں۔ ① زائرات القبور پر آپ ﷺ کا لعنت فرمانا۔ ② **والمتخذین علیھا المساجد**۔ ③ **والسرج**۔

زائرات قبور کے لیے آپ ﷺ کا فرمان: آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی اور زیارت قبور کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ یہ ممانعت ابتداء اسلام میں تھی جب لوگوں کو مسائل کا علم نہیں تھا اور کفر وشرک میں مبتلا ہونے کا گمان تھا لیکن جب لوگوں کو مسائل کا علم ہو گیا اور اسلام میں پختہ ہو گئے تو پھر زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے **انّی نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔ (مشکوٰۃ: باب زیارۃ القبور)**۔ جب اجازت دے دی تو اس میں علماء کی دو رائے ہو گئیں۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اجازت صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے اب بھی ممانعت ہے لیکن بعض علماء نے کہا کہ پہلے ممانعت دونوں کے لئے تھی۔ اس لئے اب اجازت بھی دونوں کے لئے ہوگی۔ اس پر دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنے بھائی حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی قبر پر جانا ہے اور اپنے اکابر میں سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ اور متاخرین علماء نے لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے اب بھی زیارت قبور ناجائز اور منع ہے۔ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو قبرستان نہیں جانا چاہیے۔ حلت وحرمت کے متعلق جو الفاظ احادیث میں آئے ہیں ان سے حضرات نے قطع نظر کر کے یہ حکم لگایا ہے کہ عورتوں کو قبرستان نہیں جانا چاہیے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عورتیں کمزور دل اور کمزور عقیدہ ہوتی ہیں۔ اگر وہ کسی رشتہ دار کی قبر پر جائیں گی تو جزع فزع کریں گی اور اگر کسی بزرگ کی قبر پر جائیں گی تو خرافات میں مبتلا ہوں گی اس لئے عورتوں کو قبرستان نہیں جانا چاہیے۔

والمتخذین علیھا المساجد: قبر کے پاس مسجد بنانے کے بارے میں قاضی بیضاویؒ نے شرح مصابیح میں فرمایا ہے کہ قبر کی تعظیم کی غرض سے اس کے قریب اس طرح مسجد بنانا کہ دوران نماز قبر کا مواجہہ ہو تو یہ شرک جلی ہے۔ اور اگر قبر دائیں بائیں ہو اور صاحب قبر کی تعظیم ہو تو یہ شرک خفی ہے۔ اور اگر زائرین کے قیام، نماز اور دیگر سہولتوں کی بناء پر مسجد بنائی جائے تو جائز ہے۔

امام توربشتی شارح مصابیح السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں صورتیں ناجائز ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر مسجد اس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو کہ بزرگ کی تعظیم ہو تو یہ شرک جلی ہے اگر اس کی روحانیت سے استفادہ ہو تو یہ شرک خفی ہے اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پھر بھی قبرستان میں ہے اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے جائز نہیں۔ (کمافی معارف السنن جلد ۳ ص ۳۰۵۔۳۰۶)

والسرج: قبرستان میں چراغاں کرنے کا حکم: چراغاں کرنے سے مقصود اگر مُردوں کو نفع یا راحت پہنچانے کی نیت ہو جیسا کہ آج کل چند مقبروں پر جمعرات کے روز ایسا کیا جاتا ہے یہ ناجائز اور بدعت ہے اور یہاں حدیث الباب میں یہی مراد ہے۔ البتہ کسی بہت بڑے بزرگ عالم کی قبر ہے اور وہاں روزانہ بلاناغہ بغیر کسی دن کی تعیین کے روشنی کی جاتی ہے تاکہ زائرین کو مشکلات نہ

ہو، تو اس کی گنجائش ہے۔ لیکن اِس کے لئے بھی شرط ہے کہ اس میں اسراف نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی النَّوْمِ فِی الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَنَامُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَنَحْنُ شَبَابٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي النَّوْمِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا يَتَّخِذُهُ مَبِيتًا وَلَا مَقِيلًا وَ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى قَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد میں سو جایا کرتے تھے اور ہم جوان تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے بعض اہل علم نے مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مسجد کو سونے اور قیلولہ کرنے کی جگہ نہ بناؤ بعض اہل علم کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر عمل ہے۔

تشریح: **مسئلہ: مسجد میں سونے کا کیا حکم ہے؟** اس بات میں سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ اعتکاف والا مسجد میں سو سکتا ہے اس کے لئے کوئی ممانعت نہیں اور اسی طرح وہ مسافر جس کا کوئی ٹھکانہ نہیں یا ایسا شخص جس کا کوئی گھر نہیں وہ بھی مسجد میں سو سکتا ہے نیز معتکف کے علاوہ مسجد میں سونے والے کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ بھی نفل اعتکاف کی نیت کرے۔ علامہ شامیؒ نے اس حکم کو مسافر اور غیر مسافر دونوں کے لئے عام رکھا ہے کہ جب کسی کا مسجد میں سونے کا ارادہ ہو تو وہ اعتکاف کی نیت کرلے اور پہلے کچھ عبادت کرلے پھر سو جائے۔ ان کے علاوہ باقی لوگوں کے بارے میں مسئلے کی تفصیل یہ ہے۔

قول اوّل: جمہور فقہاء میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کا مسلک یہ ہے کہ مسجد میں سونا مکروہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور تابعین میں امام طاؤسؒ، مجاہدؒ، اوزاعیؒ کا مسلک یہی ہے۔ ان کے نزدیک مسئلہ کی وہی تفصیل ہے جو ابھی اوپر گزری ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک نوم فی المسجد مطلقاً جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں اور اسی طرح یہی حدیث بخاری شریف جلد ا ص ۶۳ میں ہے نیز اہل عرینہ کو مسجد میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرایا تھا اسی طرح اصحاب صفہ بھی مسجد میں رہتے تھے۔

جواب: جمہور حضرات ان تمام واقعات کو مسافر پر محمول کرتے ہیں اور حضرت ابن عمرؓ اگرچہ مسافر نہیں تھے لیکن گھر نہ ہونے کی وجہ سے مسجد میں آرام فرمایا کرتے تھے۔

جمہور حضرات کی دلیل: مسند دارمی میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے **اتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و انا نائم فی المسجد فضربنی برجله فقلت یانبی الله غلب عینی النوم.** (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۱۔۲۲) یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف معمول سختی سے

اٹھانا اور حضرت ابوذرؓ کا عذر پیش کرنا کہ مجھ پر نیند نے غلبہ کیا تھا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول کریمؐ کو بھی مسجد میں سونا ناپسند تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَإِنْشَادِ الضَّالَّةِ وَالشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَنَاشُدِ الْأَشْعَارِ فِي الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ فِيهِ وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ فِيهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَعَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ رَأَيْتُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَذَكَرَ غَيْرَهُمَا يَحْتَجُّونَ بِحَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَقَدْ سَمِعَ شُعَيْبُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى وَمَنْ تَكَلَّمَ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ إِنَّمَا ضَعَّفَهُ لِأَنَّهُ يُحَدِّثُ عَنْ صَحِيفَةِ جَدِّهِ كَأَنَّهُمْ رَأَوْا أَنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ مِنْ جَدِّهِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَذَكَرَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ قَالَ حَدِيثُ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عِنْدَنَا وَاهٍ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ فِي الْمَسْجِدِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ رُخْصَةٌ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ فِي الْمَسْجِدِ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَيْرِ حَدِيثٍ رُخْصَةٌ فِي إِنْشَادِ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ.

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں شعر پڑھنے خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے حلقہ بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت بریدہ، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے ۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی حدیث حسن ہے اور عمرو بن شعیب، وہ عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں میں نے امام احمدؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کو دیکھا اور آپ نے ان دونوں کے علاوہ دیگر محدثین کا تذکرہ کیا یہ سب حضرات عمرو بن شعیب کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ امام محمد البخاریؒ فرماتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کا سماع محمد بن عبداللہ بن عمرو سے ثابت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جس نے عمرو بن شعیب کی اس حدیث میں کلام کیا اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضرت عمرو بن شعیب اپنے دادا کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں گویا کہ ان لوگوں کے نزدیک عمرو بن شعیب نے یہ احادیث اپنے دادا سے نہیں سنیں، علی بن عبداللہ المدینیؒ نے فرمایا اور انہوں نے یہ بات یحییٰ بن سعید القطان سے روایت بھی کی انہوں نے فرمایا عمرو بن شعیب کی حدیث ہی نزدیک واہی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے مسجد میں خرید و فروخت کو مکروہ کہا ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں بعض تابعین اس کی اجازت دیتے ہیں اور خود نبی کریم ﷺ سے مروی کئی احادیث سے مسجد میں شعر کہنے کی اجازت ثابت ہے۔

تشریح: اس باب و حدیث میں چند مسائل ہیں۔ ① مسجد میں شعر و شاعری کا حکم۔ ② مسجد میں خرید و فروخت کا حکم۔ ③ جمعہ کے دن جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے سبق یا وعظ کے حلقے لگانے کا حکم۔ ④ گم شدہ چیز کے اعلان کا حکم۔

مسئلہ اولیٰ: مسجد میں شعر و شاعری کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں:

قول اوّل: ابراہیم نخعیؒ اور مسروقؒ کے نزدیک مسجد میں اشعار پڑھنا مکروہ ہے۔ **قول ثانی:** جمہور حضرات کے نزدیک جن اشعار میں فحش کلام اور شرکیہ الفاظ ہوں ان اشعار کا پڑھنا نا جائز ہے اچھے اور مدح وتعریف والے اشعار پڑھنا جائز ہیں۔

ابراہیم نخعی کی دلیل اوّل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے اشعار پڑھنے سے منع کیا ہے۔

دلیل ثانی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**لان یمتلی جوف احد کم قیحا خیر له من ان یمتلی شعرًا**" کہ اپنے پیٹ کو قے سے بھر لینا بہتر ہے اشعار سے اپنے پیٹ کو بھرنے سے۔

جمہورؒ کی دلیل: آپ ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو منبر پر بٹھا کر اپنی مدح میں اشعار کہنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ مدح وتعریف والے اشعار کہنا جائز ہیں۔ باقی فریق مخالف نے جو احادیث پیش کی ہیں وہ مضمون کے فساد پر محمول ہیں۔

مسئلہ ثانیہ: مسجد میں خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ مسجد میں بیع وشراء معتکف کے لئے جائز ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ سامان کو مسجد میں حاضر نہ کیا جائے اور معتکف کے ماسوا کے لئے نہی تنزیہی کا درجہ ہے بشرطیکہ سامان کا احضار نہ ہو اگر مسجد میں سامان حاضر ہو تو پھر یہ نہی تحریمی ہوگی۔

مسئلہ ثالثہ: جمعہ کے دن جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے سبق یا وعظ کے حلقے لگانے کا کیا حکم ہے؟

وَأَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ علامہ تورپشتیؒ نے اس کے تین مطلب بیان کئے ہیں۔

① اس طرح بیٹھنا جس سے نمازیوں کے بیٹھنے کی مخالفت ہوتی ہو۔

② اس طرح حلقہ بنا کر بیٹھنے سے مسجد میں آنے والے شخص کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملے گی اس لئے اس سے منع فرمایا۔

③ حلقہ بنا کر بیٹھنے کی حالت خطبہ سننے سے غافل کر دیگی اور مسجد میں شور شرابا برپا ہو سکتا ہے۔

مسئلہ رابعہ: گمشدہ چیز کے اعلان کا کیا حکم ہے؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ① سامان خارج مسجد میں گم ہوا پھر مسجد میں تلاش کیا جائے یعنی اعلان کروایا جائے یہ جائز نہیں ② دوسری صورت یہ ہے کہ سامان مسجد میں ہی گم ہوا تو پھر اسکے اعلان کرنے کی گنجائش ہے۔

قال ابو عیسٰی حدیث عبدالله بن عمرو بن العاص حدیث حسن..... وعمرو بن شعیب هو ابن محمد.

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عن رسول الله.... الخ: عن ابیہ عن جدہ کی ضمیریں پہلے نام کی طرف لوٹتی ہیں۔ لیکن یہاں ضمائر میں انتشار ہے پہلی ضمیر عمرو کی طرف لوٹتی ہے اور دوسری ضمیر شعیب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی عمرو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ شعیب کے والد کا نام محمد ہے اور وہ کوئی راوی نہیں ہے یہ رہی یہ بات کہ سند قابل استدلال ہے کہ نہیں تو امام بخاریؒ اور محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ سند قابل استدلال ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ کا مقولہ نقل کر دیا۔ **سمعت احمد واسحاق....** امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ان کے بعد کون سے محدثین ہیں جن کو کامل کہیں گے۔ یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ یہ سند قابل استدلال نہیں بلکہ ضعیف ہے کہ اس سند میں انقطاع ہے۔ کیونکہ شعیب نے اپنے دادا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے براہ راست حدیثیں نہیں سنیں بلکہ انہوں نے صحیفہ صادقہ سے روایتیں کی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شعیب صحیفہ صادقہ سامنے رکھ کر احادیث بیان کرتے تھے اگر انہوں نے دادا سے

حدیثیں سنی ہوتیں تو اپنی کاپی تیار کی ہوتی جیسا کہ اس زمانہ میں رواج تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شعیب کا اپنے دادا سے سماع تو ثابت نہیں۔ البتہ دادا کے بیاض سے روایت بیان کرتے تھے اور بدوں سماع روایت کرنا یہ روایت بطریق وجادہ ہے اور اس کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ ان وجوہ کی وجہ سے یہ سند حجت نہیں۔

جواب: سماع ثابت نہ ہونے کی بات ہمارے ہاں مسلّم نہیں کیونکہ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ شعیب کا اپنے دادا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔ جب سماع کا ثبوت موجود ہے تو پھر وجادہ کے حجت ہونے میں جو ائمہ کا اختلاف ہے وہ بھی رفع ہو گیا لیکن اس کے باوجود شیخین اپنی صحیحین میں اس سند کو نقل نہیں کرتے اس لئے کہ بعض روایات ایسی ہیں جن کا سماع ثابت ہے اور بعض کا سماع ثابت نہیں اور احتیاطاً صحیحین میں اس سند کا اندراج نہیں کیا اور امام احمد کا قول یہ بھی ہے کہ محدثین اگر چاہیں تو استدلال کرتے ہیں اگر چاہیں تو نہیں کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ أُنَيْسِ بْنِ أَبِي يَحْيٰى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ امْتَرٰى رَجُلٌ مِنْ بَنِي خُدْرَةَ وَرَجُلٌ مِنْ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى فَقَالَ الْخُدْرِيُّ هُوَ مَسْجِدُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ الْآخَرُ هُوَ مَسْجِدُ قُبَاءٍ فَأَتَيَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ هُوَ هٰذَا يَعْنِي مَسْجِدَهُ وَفِي ذٰلِكَ خَيْرٌ كَثِيرٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَأَلْتُ يَحْيٰى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي يَحْيٰى الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَمْ يَكُنْ بِهِ بَأْسٌ وَأَخُوهُ أُنَيْسُ بْنُ أَبِي يَحْيٰى أَثْبَتُ مِنْهُ.

حضرت انیس بن ابو یحییٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی خدرہ اور بنی عمرو بن عوف کے دو آدمیوں کا اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے خدری شخص نے کہا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے اور دوسرے نے کہا کہ وہ مسجد قبا ہے پھر وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہی ہے اور اس میں بہت سی بھلائیاں ہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ابو بکر، علی بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے یحییٰ بن سعید سے محمد بن ابی یحییٰ اسلمی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا ان میں کوئی حرج نہیں اور ان کے بھائی انیس بن ابی یحییٰ ان سے اثبت ہیں۔

تشریح: امتراء یہ مراء سے ہے بمعنی جھگڑا کرنا اس باب سے اس آیت شریفہ (جو سورۂ توبہ میں مذکور ہے) کی وضاحت مقصود ہے کہ اس میں **اسس علی التقوی** کا مصداق کس کو قرار دیا گیا۔ آیت یہ ہے **لمسجد اسس علی التقوی من اوّل یوم احق أن تقوم فیه. (سورہ توبہ)**۔ اس آیت کے مصداق کی تعیین میں صحابہؓ میں تھوڑا سا اختلاف پیدا ہوا قبیلہ بنو خدرہ کے ایک صحابی اور قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے ایک صحابی کے درمیان بحث ہوئی۔ خدری صحابیؓ نے آیت کا مصداق مسجد نبوی کو قرار دیا کیونکہ اس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھی ہے اور بنو عمرو بن عوف کے صحابی نے مسجد قباء کو آیت کا مصداق قرار دیا کیونکہ

آیت کا سیاق وسباق اور شان نزول اس پر دلالت کر رہا ہے پھر یہ دونوں صحابی اپنے موقف کی تائید کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئے اس وقت نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے ان دونوں کی بات سن کر ارشاد فرمایا کہ آیت کا مصداق یہی مسجد ہے **وفی ذٰلك خیر كثیر** اور اس مسجد میں خیر کثیر بھی ہے۔

سوال: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ **لمسجد اسس علی التقوی** سے مراد مسجد نبوی ہے جبکہ جمہور مفسرین اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے۔

جواب اوّل: علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ آیت تو مسجد قباء کے بارے میں ہی نازل ہوئی تھی لیکن اس حدیث میں آپ ﷺ نے القول بالموجب کے طور پر مسجد نبوی کو آیت کے مفہوم میں داخل فرمایا **القول بالموجب** کا مطلب یہ ہے کہ جو صفت کسی ادنیٰ شیء میں ثابت کی گئی ہو تو اسے اعلیٰ میں بطریق اولیٰ ثابت کیا جائے یہ بلاغت کی ایک اصطلاح ہے۔

دراصل دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی کے انداز سے آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ وہ مسجد نبوی کو **اسس علی التقوی** کا مصداق نہیں سمجھتے۔ اس لئے آپ ﷺ نے علی اسلوب الحکیم جواب دیا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مسجد قباء کے بارے میں اور ایک مرتبہ مسجد نبوی کی فضیلت میں لیکن اوّل قول اصح ہے۔

جواب ثانی: العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد اگر نص کے الفاظ عام ہوں تو حکم شان نزول کے ساتھ خاص نہیں رہتا بلکہ عام ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا مقصد اس جواب سے یہ تھا کہ یہ عنوان میری مسجد کو بھی شامل ہے تو مسجد قباء کا اس عنوان کے تحت داخل ہونا اولاً ہے اور میری مسجد کا داخل ہونا ثانیاً ہے کیونکہ مسجد ضرار کے مقابلے والی صفات جس طرح مسجد قباء میں پائی جاتی ہیں اسی طرح مسجد نبوی میں بھی بطریق اولی اور اتم طور پر پائی جاتی ہیں۔ الحاصل آیت کے دونوں جملے مسجد قباء کو اولاً شامل ہیں اور مسجد نبوی کو ثانیاً شامل ہے۔ یا اس کا عکس مراد لیا جائے مسجد نبوی کو اولاً اور مسجد قباء کو ثانیاً شامل ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو كُرَيْبٍ وَسُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَبْرَدِ مَوْلَى بَنِي خَطْمَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أُسَيْدَ بْنَ ظُهَيْرٍ الْأَنْصَارِيَّ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أُسَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَلَا نَعْرِفُ لِأُسَيْدِ بْنِ ظُهَيْرٍ شَيْئًا يَصِحُّ

حضرت ابو الابرد کہتے ہیں کہ انہوں نے اسید بن ظہیر انصاری سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسجد قباء میں نماز پڑھنا اس طرح ہے جیسے کسی نے عمرہ ادا کیا۔ اس باب میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث اسید بن ظہیر حسن غریب ہے اور ہم نہیں جانتے کہ اسید بن ظہیر کی اس کے علاوہ بھی کوئی حدیث صحیح ہو اور ہم اس حدیث کو صرف

غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ أَبِي أُسَامَةَ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ وَأَبُو الْأَبْرَدِ اسْمُهُ زِيَادٌ مَدِيْنِيٌّ.

ابواسامہ عن عبدالحمید بن جعفر کی روایت سے جانتے ہیں اور ابوالابرد کا نام زیاد مدنی ہے۔

تشریح: اس باب میں مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔صحیح احادیث کے مطابق تین مساجد میں نماز پڑھنا سب سے افضل ہے مسجد حرام، مسجد اقصی، مسجد النبیؐ، اور اس باب میں مسجد قباء کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے۔

مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے بقدر ملتا ہے۔اور مسجد نبوی میں نماز کا ثواب کا ذکر دیگر روایات میں آیا ہے ایک روایت میں پچاس ہزار نمازوں کے بقدر اور دوسری روایت میں ایک ہزار نمازوں کے بقدر آیا ہے۔اور بیت المقدس میں نماز کے ثواب کے متعلق دو روایات ہیں، ایک روایت میں پچیس ہزار نمازوں کے برابر اور دوسری روایت میں پانچ سو نمازوں کے برابر ثواب آیا ہے۔اور مسجد قباء میں نماز کا ثواب ایک عمرہ کے برابر حدیث الباب میں ذکر کیا گیا ہے۔مسجد نبوی اور مسجد قباء میں نماز کا تناسب حج وعمرہ کے درمیان تناسب کی طرح ہے۔جیسا کہ حج میں ثواب عمرہ سے زیادہ ہوتا ہے اور عمرہ میں ثواب کم ہوتا ہے اسی طرح قباء میں نماز پڑھنے کا ثواب کم اور مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔

سوال: مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے متعلق مختلف روایات ہیں ایک روایت میں ہے کہ دو رکعت پڑھنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے جبکہ دوسری روایت میں ہے چار رکعت پڑھنے سے عمرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے ان دونوں میں اختلاف ہے۔

جواب اوّل: پہلے چار رکعات کا حکم تھا لیکن بعد میں لوگوں کی آسانی کے لئے دو رکعات کا حکم دیدیا۔

جواب ثانی: اشخاص کا اعتبار ہے جو شخص دور سے جائے گا وہ اگر دو رکعات ہی پڑھ لے تو عمرہ کا ثواب مل جائے گا لیکن جو قریب کے ہیں ان کیلئے چار رکعات پڑھنے پر عمرہ کا ثواب ہے۔

سوال: رسول کریم ﷺ کون سے نوافل پڑھتے تھے؟ **جواب:** زیادہ راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ چاشت کے نوافل ادا کرتے تھے۔

قال ابو عیسٰی حدیث اسید حدیث حسن غریب: یہ حدیث مرفوع ہے حضرت اسید رضی اللہ عنہ تنہا اسی ایک حدیث کے راوی ہیں اور یہ غریب حدیث ہے کیونکہ اس کو روایت کرنے والے صرف حضرت ابواسامہ ہیں۔آگے امام ترمذی نام کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ ابوالابرد کا نام زیاد ہے یہ مدینہ کے باشندے تھے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کو غالباً ایک دوسرے نام سے شبہ ہوا ہے اور یہ راوی نام کے اعتبار سے غیر معروف ہے اور امام ترمذیؒ نے اس راوی کا نام موسیٰ بن سلیم ذکر کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَيِّ الْمَسَاجِدِ أَفْضَلُ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح و حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ وَعُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ عَنْ أَبِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار درجے بہتر

هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَلَمْ يَذْكُرْ قُتَيْبَةُ فِي حَدِيثِهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَإِنَّمَا ذَكَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ الْأَغَرِّ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَبْدِ اللهِ الْأَغَرُّ اسْمُهُ سَلْمَانُ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَمَيْمُونَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي ذَرٍّ.

ہے سوائے مسجد حرام کے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں قتیبہ نے اپنی حدیث میں عبداللہ کے بجائے زید بن رباح کا ذکر کیا ہے اور وہ ابوعبداللہ اغر سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوعبداللہ اغر کا نام سلمان ہے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے کئی اسناد سے مروی ہے اور اس باب میں حضرت علی، میمونہ، ابوسعید، جبیر بن مطعم، عبداللہ بن زبیر، ابن عمر اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

تشریح: صلوۃ فی مسجدی هٰذا خیر من الف صلوۃ: روایات میں تعارض: اس روایت میں ''خیر من الف صلوۃ'' کا ذکر ہے جبکہ ابن ماجہ میں ''خمسین الف'' کا ذکر ہے تو دونوں روایات میں تعارض ہے۔

جواب اوّل: عدد اقل اکثر کے منافی نہیں ہوتا۔ **جواب ثانی:** تفاوت اخلاص کے اعتبار سے ہے۔

جواب ثالث: پہلے آپ ﷺ کو ایک ہزار نمازوں کے ثواب کا علم دیا گیا تھا پھر بعد میں پچاس ہزار ثواب کا علم دیا گیا۔

جواب رابع: قریب سے آنے والوں کو الف صلوٰۃ کا ثواب، دور سے آنے والوں کو خمسین الف صلوٰۃ کا ثواب۔

جواب خامس: ثواب دو قسم پر ہے ① اصلی ② انعامی۔ اصلی ثواب ایک ہزار نمازوں کا اور انعامی ثواب پچاس ہزار نمازوں کا باقی ثواب سے یہاں اصل ثواب مراد ہے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا اصل ثواب دوسری کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے اصل ثواب سے پچاس ہزار گنا زیادہ ہوگا۔ فضل ثواب کے ساتھ حدیث کا تعلق نہیں ہے۔

قولہ صلوٰۃ فی مسجدی هٰذا: کیا یہ فضیلت اصل مسجد نبوی کے ساتھ خاص ہے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یہ فضیلت اس خاص مسجد نبوی کیلئے ہے جو آپ ﷺ کے زمانے میں موجود تھی یا بعد میں مسجد نبوی میں جو اضافہ کیا گیا وہ بھی اس میں شامل ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ فضیلت مسجد نبوی کے اس حصے کیلئے ہے جو آپ ﷺ کے زمانے میں بنائی گئی کیونکہ ''**مسجدی هٰذا**'' میں اشارہ خاص اسی مسجد کیلئے ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھی۔

امام ابن تیمیہؒ اور امام طبریؒ نے کہا کہ تضعیف ثواب کی یہ فضیلت آپ ﷺ کے زمانہ کی مسجد تک محدود نہیں بلکہ آپ ﷺ کے بعد جو اضافہ ہوا اس کو بھی یہ فضیلت شامل ہے۔ امام مالکؒ سے کسی نے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر یہ تخصیص آپ ﷺ کے زمانے تک خاص ہوتی تو بعد میں آنے والے خلفاء راشدین اس میں اضافہ نہ فرماتے اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس اضافہ کو قبول کرتے۔

بعض کتب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے اضافہ کی تعمیر سے جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اگر مسجد نبوی ذوالحلیفہ مقام تک پہنچ جائے تو وہ بھی مسجد نبوی ہی کہلائے گی۔

جبکہ احنافؒ اور جمہورؒ کے نزدیک یہ فضیلت پوری مسجد نبوی کے لئے ہے خواہ حضور ﷺ کے زمانے والی ہو یا بعد میں اضافہ شدہ۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "ولو مد مسجدی الی صنعاء لکان مسجدی" اگر میری یہ مسجد صنعاء شہر تک لمبی ہو جائے تو پھر بھی میری مسجد ہوگی۔

امام نوویؒ کی دلیل کا جواب: ہذا کا اشارہ مسجد نبوی کے غیر کو نکالنے کے لئے ہے۔ اس سے حد بندی مقصود نہیں۔

قولہ الا المسجد الحرام: مسئلہ: مسجد نبوی افضل ہے یا مسجد حرام۔ امام مالکؒ مسجد نبوی کی افضلیت کے قائل ہیں جمہورؒ احنافؒ کے نزدیک مسجد حرام افضل ہے۔ وجہ افضلیت مندرجہ ذیل ہیں: ① **لقولہ تعالی "ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا"** ② مسجد حرام کی زیارت فرض ہے جبکہ مسجد نبوی کی زیارت فرض نہیں ③ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے جبکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور بیت المقدس میں نماز کا ثواب پچیس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ اگر چہ بعض فضائل مسجد نبوی کے بھی ہیں ④ مسجد حرام کا واضع اللہ ہے ⑤ اہل جہان کیلئے مسجد حرام کو ہدایت قرار دیا گیا ہے ⑥ مسجد حرام کو جائے امن قرار دیا گیا ہے۔

مسئلہ: مسجد حرام میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں نماز ادا کرنے پر اتنا ثواب ملتا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: ① پورا حرم شریف اس برکت کا حامل ہے ② حرم میں جس جگہ نماز ہوتی ہے یہ فضیلت اسکو حاصل ہے احناف کے نزدیک زیادتی ثواب کا تعلق فرائض کیساتھ ہے نہ کہ نوافل کیساتھ ③ صرف کعبہ شریف ہی اس برکت وفضیلت کا حامل ہے لیکن یہ قول درست نہیں۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي هٰذَا وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر نہ کیا جائے مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد اقصی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: یہ حدیث "**حدیث شد الرحال**" کے نام سے مشہور ہے۔ شد کہتے ہیں باندھنے کو اور رحال کے معنی کجاوا کے آتے ہیں۔ کجاوا باندھنا کنایہ ہے سفر کرنے سے تو مطلب یہ ہوگا سفر نہیں کیا جائے گا مگر تین مسجدوں کی طرف۔

قولہ لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد: اس کے متعلق شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

① جمہور علماء کے نزدیک یہاں مستثنیٰ عموم مراد ہے اور عموم سے عموم امکنہ مراد نہیں بلکہ عموم مساجد ہے اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی "**لا تشدوا الرحال الی مساجد الا الی ثلاثۃ مساجد**" یعنی ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لئے بطور خاص سفر نہ کیا جائے کیونکہ باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں۔ گویا اس توجیہ سے سفر کی ممانعت کا تعلق مساجد سے ہے دیگر اسفار سے نہیں کیونکہ نحو کا اصول ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس میں سے ہوتا ہے لہٰذا مستثنیٰ منہ مساجد ہی ہوں گی۔

② شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مختلف توجیہات ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس استثناء سے ان تین مساجد کی فضیلت وشان بڑھانا مقصود ہے کہ اور مساجد کی بنسبت ان تین مساجد کی شان افضل ہے لہٰذا اگر کوئی مساجد کی طرف سفر کرنا

چاہے تو خاص کر انہی تین مساجد کی طرف سفر کا اہتمام کرے۔

④ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ چند خاص مقامات کو متبرک سمجھ کر ان کی عظمت کی وجہ سے ان کا سفر کیا کرتے تھے اور اس سفر کو باعث برکت تصور کرتے تھے ظاہر ہے ایسا عقیدہ رکھنا فتنہ وفساد سے خالی نہیں اس لئے حدیث میں ایسے اسفار سے منع فرمادیا تاکہ شعائر اللہ کے ساتھ غیر شعائر کا التباس لازم نہ آئے اور آدمی غیر اللہ کی عبادت میں پڑ کر مشرک نہ ہو جائے۔ اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ مزارات اولیاء اور ان حضرات کے عبادت کے مقامات کی طرف حتیٰ کہ کوہِ طور کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا یہ سب ممانعت میں برابر ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغۃ)

مسئلہ: روضہ رسولؐ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: جمہور علماء کے نزدیک زیارت قبور اور روضہ اقدس وغیرہ کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔

قول ثانی: ابن تیمیہؒ وغیرہ کے نزدیک ناجائز ہے ان کا مستدل مستثنیٰ منہ عام ہے۔

جواب اول: اگر مطلق سفر کو ممنوع قرار دیں تو طلب علم وجہاد کے لئے سفر کرنا اور ہجرت کرنا جائز نہ ہوگا۔ حالانکہ ایسے سفر جائز ہیں لہٰذا اس سے مراد خاص سفر ہے اس لئے مستثنیٰ منہ خاص محذوف مانا جائے گا۔

جواب ثانی: اگر مستثنیٰ منہ کو عام مانا جائے تو پھر بھی روضہ اقدس کی زیارت کے لئے سفر کرنا اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ یہ زیارت مکان نہیں بلکہ مکین کی زیارت ہے اور مکین کی زیارت سے سفر کی ممانعت نہیں۔

الحاصل ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لئے سفر نہیں کر سکتے۔

جمہور کی دلیل اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "**من زار قبری وجبت له شفاعتی**" (رواہ ابن خزیمہ)

دلیل ثانی: حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی**" یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

دلیل ثالث: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ "**کنت نهیتکم عن زیارة القبور فزوروها**" (رواہ ابن ماجۃ مشکوۃ ج ۱ ص ۱۵۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زیارت قبور سے نہی فرمائی تھی لیکن بعد میں اجازت فرمادی۔ مذکورہ بالا دلائل کے پیش نظر روضہ اقدس کی طرف سفر کرنا باعث ثواب اور جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جب جماعت کھڑی ہو جائے تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون کے ساتھ آؤ پس جو مل جائے پڑھ لو اور رہ جائے

إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَلٰكِنِ ائْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَمْشُونَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةُ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ فَمِنْهُمْ مَنْ رَأَى الْإِسْرَاعَ إِذَا خَافَ فَوْتَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى حَتَّى ذُكِرَ عَنْ بَعْضِهِمْ أَنَّهُ كَانَ يُهَرْوِلُ إِلَى الصَّلَاةِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَ الْإِسْرَاعَ وَاخْتَارَ أَنْ يَمْشِيَ عَلَى تُؤَدَةٍ وَوَقَارٍ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَا الْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَالَ إِسْحٰقُ إِنْ خَافَ فَوْتَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى فَلَا بَأْسَ أَنْ يُسْرِعَ فِي الْمَشْيِ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَدِيثِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِمَعْنَاهُ هٰكَذَا قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ يَزِيدَ بْنِ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.

اسے پورا کرلو اس باب میں حضرت ابوقتادہ، ابی بن کعب، ابوسعید، زید بن ثابت، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں مسجد کی طرف جانے میں علماء کا اختلاف ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر تکبیر اولیٰ کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو جلدی چلے بلکہ بعض سے دوڑ کر آنا بھی منقول ہے بعض حضرات کے نزدیک تیز چلنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آہستہ اور وقار کے ساتھ جانا بہتر ہے یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس مسئلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کیا جائے اسحاق کہتے ہیں کہ اگر تکبیر اولیٰ کے فوت ہوجانے کا خوف ہو تو تیز چلنے میں کوئی حرج نہیں۔ حسن بن علی خلال، عبدالرزاق سے وہ معمر سے وہ زہری سے وہ سعید بن مسیب سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابوسلمہ کی حدیث کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں اسی طرح عبدالرزاق، سعید بن مسیب سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں اور یہ یزید بن زریع کی حدیث سے اصح ہے۔ ابن ابی عمر، سفیان سے وہ، زہری سے وہ، سعید بن مسیب سے وہ، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اذا اقیمت الصلوۃ فلا تأتوھا: نماز کے لئے آنے کا ادب یہ ہے کہ وقار اور اطمینان سے آؤ بھاگ کر نہ آؤ کہ کہیں تمہیں تکلیف ہوجائے یا تمہارا اس طرح جانا لوگوں کے سامنے مذاق بن جائے۔

سوال: اگر آرام آرام سے آئے گا تو پھر رکعت نکل جائے گی۔

جواب: اس کے جواب میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے جو تمہیں مل جائے اسے ادا کرو اور جو رکعت نکل جائے اس کو پورا کرو۔

فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا: مسئلہ: مسبوق کی نماز امام کیساتھ ابتدائی ہوتی ہے یا اخیری؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک مسبوق کی امام کے ساتھ پڑھی ہوئی آخری نماز شمار ہوتی ہے اور بقیہ نماز جو مسبوق کی صورت میں ادا کرتا ہے وہ مقتدی کی اوّل نماز ہوتی ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسبوق مقتدی جو امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے وہ مقتدی کی اوّل نماز ہے اور بعد میں جو ادا کرے گا وہ مقتدی کی آخری نماز ہوگی۔

شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اس حدیث میں **فاتموا** کے الفاظ ہیں اور اتمام کہتے ہیں کسی شئی کے بقیہ حصے کو مکمل کرنا اور ظاہر ہے کہ باقی ماندہ آخری نماز پر صادق آتا ہے لہٰذا امام کے ساتھ مسبوق جو نماز ادا کرے گا وہ اوّل شمار ہوگی۔

جواب: اتمام کا یہ معنی مسلّم نہیں کیونکہ اتمام کا معنی ہے نفس شئی کی تکمیل، عام ہے کہ ابتداء کے اعتبار سے ہو یا درمیان کے اعتبار سے یا اخیر کے اعتبار سے جیسے **واتموا الحج والعمرة لله** اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ اپنے گھر سے احرام باندھ کر نکلنا یہ اتمام ہے ابتداء کے اعتبار سے۔

احناف کا استدلال: یہی حدیث الباب ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **فاتموا** اسی طرح بعض روایات میں **فاقضوا** کے الفاظ بھی ہیں۔ اور قضاء کہتے ہیں اس چیز کو عمل میں لانا جو اپنے وقت معین سے مؤخر ہوگئی ہو اور ظاہر ہے کہ مسبوق کی جو نماز مؤخر ہوگئی ہے وہ ابتدائی نماز ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسبوق امام کے ساتھ جو نماز پڑھتا ہے وہ آخری ہے امام کے بعد جو ادا کرے وہ ابتدائی ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُعُودِ فِي الْمَسْجِدِ وَانْتِظَارِ الصَّلَاةِ مِنَ الْفَضْلِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَ يَنْتَظِرُهَا وَلَا تَزَالُ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي الْمَسْجِدِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَمَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ فُسَاءٌ أَوْ ضُرَاطٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب تک کسی نماز کا انتظار کرتا ہے گویا کہ وہ اس وقت تک نماز ہی میں ہے اور اس کے لئے فرشتے ہمیشہ دعائے رحمت مانگتے ہیں جب تک وہ مسجد میں بیٹھا رہے اور جب تک اسے حدث لاحق نہ ہو یوں کہتے رہتے ہیں (اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ) پس حضر موت کے ایک آدمی نے عرض کیا اے ابو ہریرہ حدث کیا ہے آپؓ نے فرمایا ہوا کا خارج ہونا خواہ آواز سے ہو یا بغیر آواز سے اس باب میں حضرت علی، ابوسعید، انس، عبداللہ بن مسعود اور سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہؓ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مسجد میں انتظار کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کے لئے مسجد میں ہی بیٹھا رہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ نماز کے بعد کام میں مشغول ہو جائے لیکن قلب معلق فی المسجد ہو اس کے متعلق کچھ تفصیل کتاب الطہارت میں گزر چکی ہے۔

سوال: مالحدث کے سوال کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: حدث کا ایک معنی ہے بدعت اور ایک معنی ہے نئی چیز کو ایجاد کرنا اب پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ جب تک بدعت کا ارتکاب نہیں کرے گا دعا کا مستحق ہوگا اور اگر بدعت کا ارتکاب کرے تو استحقاق ختم ہو جائے گا اگر حدث بمعنی نئی چیز کو پیدا کرنا ہو تو پھر معنی یہ ہوگا کہ جب تک نئی چیز کو پیدا نہ کرے مثلاً ہیئت کو بدل دینا محض ہیئت کو بدل دینا دعا سے محرومی کی کوئی وجہ نہیں اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نہ اس کا یہ معنی ہے اور نہ وہ معنی ہے بلکہ اس کا معنی ہے فساء اور ضراط اور ظاہر ہے کہ یہ معنی ملائکہ کی دعا سے محرومی کا سبب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْخُمْرَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَأُمِّ سلمة وَعَائِشَةَ وَمَيْمُونَةَ وَأُمِّ كُلْثُومٍ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الْأَسَدِ وَلَمْ تَسْمَعْ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ و قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَدْ ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ عَلَى الْخُمْرَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالْخُمْرَةُ هُوَ حَصِيرٌ صَغِيرٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چٹائی پر نماز پڑھتے تھے (اس باب میں) حضرت اُم حبیبہ، ابن عمر، ام سلمہ، عائشہ میمونہ ام کلثوم بنت ابی سلمہ بن عبد الاسد سے بھی روایت ہے اور بنت ابوسلمہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماع ثابت نہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس حسن صحیح ہے اور یہی قول ہے بعض اہل علم کا ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چٹائی پر نماز پڑھنا ثابت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں خمرہ چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں۔

تشریح: یہاں پر تین ابواب قائم کئے ہیں پہلا **صلوٰۃ علی الخمرۃ** دوسرا باب **صلوٰۃ علی الحصیر** اور تیسرا باب **صلوٰۃ علی البسط** ان تینوں ابواب میں مسئلہ ہے کہ زمین پر کوئی چیز بچھا کر اس پر نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟۔

قولِ اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک فرض نماز میں زمین پر یا زمین کی جنس پر سجدہ کرنا ضروری ہے۔ جنس زمین سے مراد وہ چیز ہے جو جلانے سے نہ جلے اور پگھلانے سے نہ پگھلے جیسے اینٹ پتھر وغیرہ اور جو چیز آگ میں جل جاتی ہے وہ زمین کی جنس سے نہیں مثلاً چٹائی اور کپڑا وغیرہ۔ لہٰذا ان پر اس طرح فرض نماز پڑھنا کہ سجدہ بھی انہی چیزوں پر کیا جائے صحیح نہیں البتہ نوافل میں گنجائش ہے۔ ان میں سجدہ زمین کی جنس پر بھی ہو سکتا ہے اور غیر جنس پر بھی۔

قولِ ثانی: جمہور حضرات کا مسلک یہ ہے کہ فرض نماز میں زمین یا جنس زمین پر سجدہ کرنا نہ تو فرض ہے اور نہ مستحب بلکہ ہر چیز پر سجدہ کرنا جائز ہے کیونکہ صحیح احادیث میں فرض اور نفل میں فرق کے بغیر آپ ﷺ سے چھوٹی چٹائی پر اور بساط یعنی بڑی چٹائی پر اور دیگر بچھونوں پر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

فرق: خمرۃ لغت میں اس چٹائی کو کہتے ہیں جس پر سجدہ کر سکے پھر توسع پیدا کر کے اس چٹائی کو کہنے لگے جس پر ایک آدمی نماز پڑھ سکے۔

حصیر: اس چٹائی کو کہتے ہیں جس پر ایک سے زائد آدمی نماز پڑھ سکیں۔

بساط: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر بچھائی جائے خواہ وہ کپڑے کی ہو یا کسی اور چیز کی۔ نیز یہ فرق اہل لغت کے ہاں ہے عام عرف اور محاورہ میں کوئی فرق نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْحَصِيرِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى حَصِيرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَّا أَنَّ قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ اخْتَارُوا الصَّلَاةَ عَلَى الْأَرْضِ اسْتِحْبَابًا

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی چٹائی پر نماز پڑھی۔ اس باب میں حضرت انس اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث حضرت ابوسعید حسن ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے جبکہ اہل علم کی ایک جماعت نے زمین پر نماز پڑھنے کو مستحب کہا ہے۔

حصیر کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے اسکے متعلق اس باب میں امام ترمذیؒ حدیث لائے ہیں۔ سند میں ابوسفیان کا نام طلحہ بن نافع ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْبُسُطِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ الضُّبَعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَالِطُنَا حَتّٰى كَانَ يَقُولُ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ وَنُضِحَ بِسَاطٌ لَنَا فَصَلَّى عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ لَمْ يَرَوْا بِالصَّلَاةِ عَلَى الْبِسَاطِ وَالطُّنْفُسَةِ بَأْسًا وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَاسْمُ أَبِي التَّيَّاحِ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے خوش طبعی کرتے یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے اے ابوعمیر تیری بلبل کیا ہوئی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر ہمارا بچھونا دھویا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر صحابہ اور بعد کے اہل علم کا عمل ہے کہ بچھونے یا قالین وغیرہ پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے ابوتیاح کا نام یزید بن حمید ہے۔

تشریح: بساط یہ لفظ عام ہے چٹائی، کپڑے کا مصلّی رومال وغیرہ سب کو شامل ہے۔ اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چھوٹے بھائی کو مغموم دیکھا تو پوچھا یہ بچہ مغموم کیوں ہے گھر والوں نے بتایا کہ اس کی چڑیا مرگئی ہے اس کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لاتے تو ان سے بطور مذاق اور دل لگی کے کہتے

کہ یا اباعمیر مافعل النغیر تو ان کو اپنی چڑیا یاد آجاتی تو وہ خاموش ہو جاتے لفظوں کو بھی کیسا ہم وزن رکھا نغیر کی مناسبت سے عمیر کنیت رکھی یہ لفظ عمر کی تصغیر ہے یعنی تھوڑی زندگی والا۔ چنانچہ وہ تھوڑی عمر میں ہی وفات پا گئے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ فِي الْحِيطَانِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الصَّلَاةَ فِي الْحِيطَانِ قَالَ أَبُو دَاوُدَ يَعْنِي الْبَسَاتِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ مُعَاذٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْحَسَنِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ وَالْحَسَنُ بْنُ أَبِي جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَّفَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُهُ وَأَبُو الزُّبَيْرِ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ تَدْرُسَ وَأَبُو الطُّفَيْلِ اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ وَاثِلَةَ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغ میں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے ابوداؤد رحمہ اللہ تعالی علیہ نے کہا کہ حیطان یعنی باغات میں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث معاذ غریب ہے اور ہم اسے حسن بن ابوجعفر کی روایت کے علاوہ کسی اور سے نہیں جانتے اور حسن بن ابوجعفر کو یحیٰی بن سعید القطان وغیرہ نے ضعیف کہا ہے ابوزبیر کا نام محمد بن مسلم بن تدرس ہے اور ابوطفیل کا نام عامر بن واثلہ ہے۔

تشریح: حیطان حائط کی جمع ہے چاردیواری والا باغیچہ یا پھلوں کا باغ جو غیر مسقف ہو۔

سوال: باغ میں تو گوبر ڈالا جاتا ہے تو پھر اس میں نماز کیسے درست ہوگی؟

جواب: چونکہ وہ نجاست زمین میں مل جاتی ہے اور وہ نجاست اپنی ہیئت اولیٰ پر برقرار نہیں رہتی اسی لئے طہارت کا حکم دیا جائیگا۔

ابوداؤد میں ایک روایت ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ صحراء میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا ثواب پچاس گنا ملتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آبادی سے دور نکل جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ صحراء میں خوبصورت منظر، سکون، خاموشی ہوتی ہے اور وہاں درخت پہاڑ وغیرہ قیامت کے دن گواہی دیں گے اس لئے اس میں اجر زیادہ ہے۔ نیز حضور ﷺ سے باغ میں نماز پڑھنا ثابت ہے۔

قال ابوعیسیٰ: امام ترمذیؒ دو ناموں کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

① ابوالزبیر ان کا نام محمد بن مسلم بن تدرس ہے۔ ② ابوالطفیل کا نام عامر بن واثلہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سُتْرَةِ الْمُصَلِّي

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَضَعَ

حضرت موسیٰ بن طلحہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے سامنے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی طرح کوئی چیز رکھ لے تو نماز

أَحَدُكُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلَ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ فَلْيُصَلِّ وَلَا يُبَالِي مَنْ مَرَّ وَرَاءَ ذٰلِكَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَسَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ طَلْحَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالُوا سُتْرَةُ الْإِمَامِ سُتْرَةٌ لِمَنْ خَلْفَهُ.

پڑھ لے اور پرواہ نہ کرے اس کی جو اس کے آگے سے گزر جائے اس باب میں ابو ہریرہ سہل بن ابو حثمہ ابن عمر سبرہ بن معبد ابو جحیفہ اور عائشہ سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث طلحہ حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ امام کا سترہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کے لئے کافی ہے

تشریح: اس باب میں چند مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: سترہ کی تعریف: السترۃ فی الاصل مایستر بہ مطلقاً ثم غلب علی ما ینصب قدام المصلی "طحطاوی"

مسئلہ ثانیہ: سترہ واجب ہے یا سنت؟ ائمہ اربعہ کے نزدیک سترہ قائم کرنا سنت ہے اگر چہ ابن العربی نے امام احمدؒ سے وجوب کا قول نقل کیا ہے لیکن یہ درست نہیں سنت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بعض مواقع پر حضور ﷺ سے بغیر سترہ کے نماز پڑھنا ثابت ہے۔

مسئلہ ثالثہ: سترہ کی حکمت کیا ہے؟ چونکہ کھلی جگہ پر نماز پڑھنے سے نگاہ جمتی نہیں تو اس کیلئے سترہ قائم کیا جاتا ہے تاکہ نگاہ اور خیال دونوں مجتمع رہیں۔ دوسری حکمت اعلام موضع السجود ہے نمازی کے سجدہ کی جگہ متعین ہوتا کہ نمازی کے سامنے سے کوئی نہ گزر سکے۔

مسئلہ رابعہ: مقدار سترہ: لمبائی میں کم از کم ایک ذراع ہو ورنہ سترہ نہ دینے کی وجہ سے مقصود حاصل نہیں ہوگا کیونکہ حدیث میں مثل مؤخرۃ الرحل کے الفاظ ہیں اور مؤخرۃ الرحل کی لمبائی اتنی ہی ہوتی ہے اور موٹائی میں کم از کم ایک انگلی کے برابر ہو اس سے باریک ہوگا تو وہ نظر نہیں آئے گا۔

مسئلہ خامسہ: سترہ کا فائدہ؟ بعض حضرات نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس سے نمازی کا خشوع وخضوع باقی رہے گا۔ نیز سترہ ہونے کی وجہ سے نمازی کے آگے گزرنے والے کو روکنا نہیں پڑے گا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کا فائدہ گزرنے والے کے لئے ہوگا کہ وہ گنہگار نہیں ہوگا۔ بہر حال سترہ سے دونوں فوائد مقصود ہیں۔

مسئلہ سادسہ: سترہ نہ ہونے کی صورت میں نمازی کے کتنے آگے سے گزرنا جائز ہے؟

جمہور حضرات کے نزدیک تین ذراع کی مقدار ہے جو تقریباً نمازی کے محل قیام سے موضع سجود تک ہے اس سے آگے گزرنا جائز ہے احناف کا ایک قول یہ ہے کہ دو صفوں سے آگے اور ایک قول کے مطابق تین صفوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔ شیخ ابن الہمام اور صاحب بدائع نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ اگر مصلی خشوع سے نماز پڑھے تو بدوں قصد جہاں تک نگاہ جاتی ہے اس حصہ سے گزرنا جائز نہیں۔ یہ تفصیل صحرا کے متعلق تھی جہاں تک مسجد کا تعلق ہے تو بعض حضرات نے کہا کہ مسجد خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو نمازی کے آگے سے گزرنا جائز نہیں۔ اور بعض نے بڑی مسجد کو صحراء کے قائم مقام قرار دیا۔

نیز مسجد کے صغیر اور کبیر ہونے میں فرق یہ ہے کہ جس مسجد کا طول پچیس گز ہو وہ بڑی مسجد ہے۔ بہر حال عام عمل تین صفوف کا ہے اور نگاہ بھی عموماً تین صفوف تک جاتی ہے اور یہ مقدار موضع قیام سے شمار ہوگی۔

مسئلہ سابعہ: امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہے یا نہیں؟ اس بات میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ باجماعت نماز میں صرف امام کے لئے سترہ قائم کرلینا کافی ہے مقتدیوں کے لئے مستقل سترہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں البتہ تھوڑا سا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہے جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ترجمۃ الباب میں ذکر ہے "**باب سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ**"۔

قول ثانی: مالکیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں، مثل جمہور کے اور زیادہ معتمد قول یہ ہے کہ امام کا سترہ تو صرف امام کے لئے ہے قوم کا سترہ خود امام ہے۔

ثمرہ اختلاف: اگر کوئی شخص صف اوّل یا صف ثانی کے سامنے سے گزرے تو مالکیہ کے نزدیک ناجائز ہے جبکہ جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ چونکہ مالکیہ کے نزدیک مقتدیوں کا سترہ امام ہے۔ اس لئے سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرنا لازم آئے گا جبکہ جمہور کے نزدیک صفِ اوّل اور امام کے درمیان سے گزرنا جائز ہے جیسا کہ کسی کو نکسیر آگئی یا وضوٹوٹ گیا تو وہ صف اوّل کے سامنے سے گزرسکتا ہے کیونکہ مقتدی کے لئے سترہ امام کا سترہ ہے لیکن امام اور اس کے سترہ کے درمیان سے گزرنا درست نہیں۔ یہ ثمرہ اختلاف صرف مالکیہ کے مذہب کے مطابق ہے یہ قول مالکیہ اور صاحب منہل نے نقل کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور علامہ سندھی نے حاشیہ بخاری میں ثمرہ اختلاف کے ذیل میں لکھا ہے کہ مرور علی الامام جس طرح امام کے حق میں مضر ہے۔ اس طرح مقتدیوں کے حق میں مضر ہے کیونکہ امام و مقتدیوں کا سترہ ایک ہے برخلاف مالکیہ کے کہ انکے نزدیک مرور علی الامام صرف امام کے حق میں مضر ہوگا۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مرور بین المصلی وسترتہ مطلقاً ممنوع ہے خواہ حائل ہو یا نہ ہو۔

لیکن شرح بخاری عینی میں قلب واقع ہوا ہے کیونکہ انہوں نے لکھا ہے کہ مرور علی الامام جمہور کے مسلک کے مطابق صرف امام کے حق میں مضر ہوگا اور مالکیہ کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کے حق میں مضر ہوگا۔

مسئلہ ثامنہ: سترہ نہ ملے تو کیا خط کافی ہے؟ ایک حدیث میں ہے **فلیخط خطا** (ابوداؤد) اگرچہ امام احمد سے منقول ہے **حدیث الخط ضعیف** پھر بھی ان کا عمل اسی پر ہے۔

امام مالکؒ سترۃ الخط کے قائل نہیں امام شافعیؒ کے اس میں دو قول ہیں:

حنفیہ کا مشہور قول تو یہی ہے کہ خط کا اعتبار نہیں کیونکہ وہ دور سے نظر نہیں آتا اور جو سترہ کا فائدہ ہے اعلام موضع السجود اس سے حاصل نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع)

البتہ دوسری روایت یہ ہے کہ خط معتبر ہے علامہ شامیؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے **سن الخط** کہ اس سے اگرچہ مذکورہ بالا فائدہ تو حاصل نہیں ہوسکتا لیکن اس کے علاوہ فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ مثلاً "**کف البصر عن ورائہا**" وغیرہ۔

پھر اس میں بھی دو قول ہیں کہ اگر خط کھینچا جائے تو کیسا ہوگا؟ بعض نے کہا عرضاً کھینچا جائے مثل الہلال والمحراب۔ اور بعض نے کہا کہ طولاً کھینچا جائے۔

مسئلہ تاسعہ: سترہ نہ ہونے کی صورت میں گزرنے والے کو روکنے کا کیا حکم ہے؟

ہاتھ کے اشارہ یا تسبیح سے روکنا عند الجمہور مسنون ہے۔ ہدایہ اور شرح وقایہ میں اس کی تفصیل حنفی مسلک سے یہی ظاہر ہوتی ہے۔

عورت کی آواز میں چونکہ پردہ ہے اسلئے اس کو تصفیق کا حکم دیا گیا ہے جبکہ مرد کی آواز میں پردہ نہیں، اسلئے اس کیلئے تسبیح کا حکم ہے۔

موطا امام محمد میں ہے **ویدرءُ المار** در مختار میں روکنا رخصت اور نہ روکنا عزیمت اور افضل قرار دیا ہے لیکن بدائع میں اسے بعض مشائخ کا قول قرار دیا ہے۔

مسئلہ عاشر: نمازی کا گزرنے کی جگہ پر نماز پڑھنا اور گزرنے والے کیلئے کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ذرا تفصیل ہے کہ نمازی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں پر سے دوسرے آدمی کا گزرنا ضروری ہو اسکے علاوہ کوئی اور جگہ نہ ہو۔ اس صورت میں اگر نمازی کیلئے دوسری جگہ بھی موجود تھی جہاں سے آگے گزرنے والے کا اندیشہ نہیں تھا تو اس صورت میں نمازی نے راستے میں ہی نماز پڑھ لی تو اس کے آگے سے گزرنے والے کو گناہ نہیں ہوگا بلکہ نمازی کو ہوگا کیونکہ اس کے پاس تو اور بھی جگہ تھی جہاں وہ نماز پڑھ سکتا تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ گزرنے والے کے لئے کوئی اور راستہ تھا جس سے وہ گزر جائے لیکن وہ پھر بھی نمازی کے سامنے سے گزرا تو اس صورت میں گزرنے والا گناہ گار ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نمازی کے لئے بھی راستے سے ہٹ کر دوسری جگہ نماز پڑھنے کی موجود تھی اور گزرنے والے کے لئے بھی گزرنے کی دوسری جگہ تھی تو اس صورت میں دونوں گناہ گار ہوں گے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ نہ تو نمازی کے لئے کوئی اور جگہ ہے جس جگہ پر وہ نماز پڑھ سکے اور گزرنے والے کے لئے بھی دوسرا راستہ نہیں تو ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دونوں گناہگار نہیں ہوں گے۔ یہ تفصیل تو مالکیہ کے نزدیک ہے جبکہ عام فقہاء کہتے ہیں کہ اور راستہ ہو یا نہ ہو گزرنے والے پر گناہ ہوگا۔ اس کی دلیل وہی حدیث ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ کتنا بڑا گناہ ہے تو چالیس سال تک کھڑا رہے (نمازی کی نماز کے ختم ہونے تک انتظار کرے۔)

مسئلہ حادی عشر: مسجد حرام میں سترہ کا مسئلہ: مسجد حرام میں سترہ کی ضرورت ہے کہ نہیں؟۔ اسی بارے میں امام بخاریؒ نے "**باب السترة بمكة وغيرها**" کا باب قائم کیا ہے۔ اور امام ابوداؤدؒ نے "**باب في مكة**" ذکر کر کے اس کے ذیل میں یہ حدیث ذکر کی ہے جو مطلب بن وداعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا "**والناس يمرون بين يديه ليس بينه وبين الكعبة سترة**" امام ابوداؤدؒ چونکہ حنبلی المسلک ہیں اس لئے یہی مسئلہ ثابت فرمایا کہ مسجد حرام میں سترہ کی حاجت نہیں، یہی حنابلہ کا قول مختار ہے۔ اور جمہور حضرات کے نزدیک اس مسئلہ میں مکہ وغیر مکہ برابر ہیں۔ البتہ حنفیہ کا ایک قول حنابلہ کے موافق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسجد حرام چونکہ مسجد کبیر ہے اور مسجد کبیر صحراء کے حکم میں ہے اس لئے مسجد حرام میں موضع سجود سے آگے گزر سکتے ہیں (جیسا کہ صحراء میں ایک قول یہی ہے)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمُرُورِ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا بسر بن سعید کہتے ہیں کہ زید بن خالد جہنی نے ایک شخص کو ابوجہیم

مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ الْجُهَنِيَّ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لَا أَدْرِي قَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ سَنَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَبِي جُهَيْمٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَأَنْ يَقِفَ أَحَدُكُمْ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ أَخِيهِ وَهُوَ يُصَلِّي وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا الْمُرُورَ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي وَلَمْ يَرَوْا أَنَّ ذٰلِكَ يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ.

کے پاس بھیجا یہ بات پوچھنے کے لئے کہ انہوں نے نماز کے آگے گزرنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا سنا ہے ابوجہیم نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی سزا کیا ہے تو وہ چالیس تک کھڑا رہنے کو نمازی کے سامنے سے گزرنے پر ترجیح دے ابوالنضر کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے یا چالیس سال اس باب میں ابوسعید خدری ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث ابوجہیم حسن صحیح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو سو سال کھڑا رہنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے نمازی بھائی کے آگے سے گزرے اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنا مکروہ ہے لیکن اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

تشریح: نمازی کے سامنے سے گزرنے کے بارے میں ماقبل میں تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔

ارسل الی أبی جھیم: یہاں پر مرسل سائل ''بھیجنے والے پوچھنے والے'' زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ ہیں اور مرسل الیہ جن کے پاس بھیجا جا رہا ہے وہ ابوالجہیم انصاری رضی اللہ عنہ ہیں یہ دونوں صحابی رسول ہیں۔

بعض حضرات نے مرسل ابوالجہیم کو بتایا ہے اور مرسل الیہ زید بن خالد الجہنی کو بتلایا ہے یہ بزار میں نقل کیا گیا ہے ''**کمارواہ ابن عیینہ**'' ابن قطان نے کہا کہ یہ خطا ہے ان دونوں احتمالات کو متعین کرنے میں، وجہ یہ ہوئی تھی کہ ابوجہیم نے بُسر کو زید بن خالد الجہنی کے پاس پوچھنے کے لئے بھیجا پھر اس کی مزید تحقیق وتثبیت کے لئے زید بن خالد الجہنی نے بُسر کو ابوجہیم کے پاس بھیجا ہر ایک نے دوسرے سے پوچھا لہٰذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اس مسئلہ میں شک تھا اور دوسرے پر یقین تھا۔ (کمافی العمدۃ القاری جلد ۲ ص ۴۸۹)

خیر لہ من أن یمر: ترمذی شریف کے نسخہ میں ''خیرٌ'' رفع کے ساتھ ہے۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ ''**کان**'' کا اسم یا موصوف ہونے کی وجہ سے یا نکرہ مبتدا ہونے کی وجہ سے **خیرٌ** پر رفع آ گیا۔ صحیح روایت میں نصب ہے ''**کان**'' کی خبر ہونے کی وجہ سے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے کہ ''**کان**'' کا اسم ضمیر شان ہے اور آگے جملہ اس کی خبر ہے۔

ان یقف اربعین: راوی کہتے ہیں کہ بسر بن سعید نے چالیس سال کہا تھا یا چالیس مہینے یا چالیس دن، مجھے یاد نہیں رہا۔ لیکن عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۴۸۹ میں یہ الفاظ ذکر کئے ہیں "**لکان أن یقف اربعین خریفا**"۔ ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گناہ کے ڈر سے سو سال تک اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا ذکر ہے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہیم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی چالیس سال ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ رَدِيفَ الْفَضْلِ عَلَى أَتَانٍ فَجِئْنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ بِمِنًى قَالَ فَنَزَلْنَا عَنْهَا فَوَصَلْنَا الصَّفَّ فَمَرَّتْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ فَلَمْ تَقْطَعْ صَلَاتَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ قَالُوا لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالشَّافِعِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں فضل کے ساتھ گدھی پر سوار تھا ہم منی میں پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے ہم اترے اور صف میں مل گئے گدھی ان کے آگے پھرنے لگی اور اس سے ان کی نماز نہیں ٹوٹی۔ اس باب میں حضرت عائشہ، فضل بن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے اور صحابہ وتابعین اور بعد اہل علم کا اسی پر عمل ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نماز کسی چیز سے نہیں ٹوٹتی سفیان ثوری اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے جیسا کہ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں تصریح کی ہے **من روایة معمر عن الزهری حیث قال: و ذٰلك فی حجة الوداع او الفتح**۔ گزشتہ باب میں گزرنے والے کے متعلق تفصیلی مباحث گزر چکی ہیں اس باب میں اور آنے والے باب میں گزرنے والے کے بعد نماز کا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ نمازی کے آگے سے کسی چیز کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس باب کی حدیث میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ اپنے بڑے بھائی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک گدھی (أتان) پر سوار ہو کر منیٰ میں آئے۔ حضرت ابن عباسؓ پیچھے بیٹھے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور یہ دونوں صف میں شامل ہو گئے۔ گدھی لوگوں کے سامنے سے گزرتی رہی اس سے کسی کی نماز فاسد نہیں ہوئی۔ چونکہ عرب میں گدھا ہمارے ہاں خچر کے برابر ہوتا ہے اس لئے کسی کے ذہن میں یہ اشکال نہ آئے کہ دو آدمی گدھی پر کیسے سوار ہوئے۔ دوسرا یہ کہ گدھی پر سوار ہونا کوئی معیوب نہیں۔ اس باب کے متعلق باقی مباحث آنے والے باب میں دیکھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ إِلَّا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ وَمَنْصُورُ بْنُ زَاذَانَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا ذَرٍّ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ وَلَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَآخِرَةِ الرَّحْلِ أَوْ كَوَاسِطَةِ الرَّحْلِ قَطَعَ صَلَاتَهُ الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ فَقُلْتُ لِأَبِي ذَرٍّ مَا بَالُ الْأَسْوَدِ مِنَ الْأَحْمَرِ مِنَ الْأَبْيَضِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي سَأَلْتَنِي كَمَا سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَالْحَكَمِ الْغِفَارِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَيْهِ قَالُوا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ قَالَ أَحْمَدُ الَّذِي لَا أَشُكُّ فِيهِ أَنَّ الْكَلْبَ الْأَسْوَدَ يَقْطَعُ الصَّلَاةَ وَفِي نَفْسِي مِنَ الْحِمَارِ وَالْمَرْأَةِ شَيْءٌ قَالَ إِسْحٰقُ لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ إِلَّا الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ.

حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کے سامنے کجاوے کی پچھلی لکڑی کے برابر یا فرمایا درمیانی لکڑی کے برابر کوئی چیز نہ ہو تو اس کی نماز کالے کتے، گدھے یا عورت کے گزرنے سے ٹوٹ جائے گی حضرت عبداللہ بن صامت کہتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کالے اور سفید یا سرخ کی کیا قید ہے تو انہوں نے فرمایا اے بھتیجے تو نے مجھ سے ایسا ہی سوال کیا ہے جس طرح میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کالا کتا شیطان ہے اس باب میں حضرت ابوسعید، حکم غفاری، ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابوذر حسن صحیح ہے۔ اور بعض اہل علم کا یہی خیال ہے کہ گدھے عورت یا کالے کتے کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز ٹوٹنے میں تو مجھے شک نہیں البتہ گدھے اور عورت کے بارے میں مجھے شک ہے امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ سوائے کالے کتے کے کسی چیز سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

تشریح: مسئلہ: عورت گدھے، کتے کے گزرنے سے نماز کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ان تینوں اشیاء کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ البتہ گدھے اور عورت کے گزرنے کے بارے میں امام احمدؒ شک کا اظہار فرماتے ہیں کیونکہ ان کے بارے میں حدیث آئی ہے۔ عورت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے اور گدھی کے متعلق ماقبل میں روایت گزر چکی ہے۔

قول ثانی: جمہور علماء امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالک کے نزدیک نمازی کے سامنے کسی چیز کے گزرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

اہل ظواہر اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں ان تین اشیاء کے گزرنے سے نماز کے قطع کا حکم لگایا ہے۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف کی روایت ابن عباسؓ ہے اس میں کتا اور عورت دونوں کو قاطع الصلوٰۃ قرار دیا۔

حنابلہ کے دلائل کا جواب اوّل: یہ حدیث منسوخ ہے جیسا کہ امام طحاویؒ نے فرمایا ہے۔

جواب ثانی: ان کے مقابلے میں ایسی احادیث ہیں جن سے عدم قطع ثابت ہوتا ہے لہٰذا احادیث قطع الصلوٰۃ منسوخ ہیں۔

جواب ثالث: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء سے خوف قطع صلوٰۃ ہے یعنی یہ اسباب قطع ہیں کیونکہ عورت فتنہ میں ڈالتی ہے کلب حملہ کرتا ہے اور گدھا دفع کرنے سے دفع نہیں ہوتا تو ان پر اطلاق قطع بطور مبالغہ ہوا۔

جواب رابع: اس سے مراد قطع خشوع صلوٰۃ ہے نہ کہ قطع صلوٰۃ **لشغل القلب بها لان الشيطان لا يفارق بهذه الثلاثة.** کیونکہ اس حدیث الباب کے آخر میں ہے **ان الکلب الاسود شیطان** و فی حدیث **أخر النساء حبائل الشيطان.** باقی رہا گدھا تو وہ بوقت نحیق شیطان کو دیکھتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے **اذا سمعتم نحيق الحمار فتعوذوا بالله من الشيطان الرجيم فانه رأى شيطاناً.** در منثور جلد اوّل ص ۱۸۴ میں ہے **عن ابن عباس كل شيء يسبح بحمده الا الحمار والكلب۔**

جواب خامس: یہ اشیاء **قاطع وصلة بين العبد و بين الرب** ہیں **كما قال امام الشعرانی۔**

جواب سادس: علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ کلب اسود زیادہ ضرر والا ہوتا ہے تو جب نمازی اس کو دیکھ لے گا تو اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز سے غافل ہو جائے گا۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: ماقبل باب "**باب ما جاء لا يقطع الصلوٰة شیٔ**" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزر چکی ہے کہ نمازوں کے آگے سے گدھی گزرتی رہی کسی نے نماز نہیں توڑی۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **لا يقطع الصلوٰة شيء، وادرؤوا ما استطعتم فانما هو شيطانٌ۔**

دلیل ثالث: ابوداؤد شریف میں فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال أتانا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و نحن فی بادية لنا و معه عباس فصلى في صحراء ليس بين يديه سترة وحمارة لنا و كلبة تعبثان بين يديه فما بالى بذلك۔**

دلیل رابع: نسائی شریف (جلد اوّل ص ۳۸) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو میں سامنے سوئی ہوتی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام کرتے تو میں اپنی ٹانگیں سیدھی کر دیتی۔ حجرہ مبارک اتنا چھوٹا سا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عورت کے سامنے لیٹنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو عورت کے سامنے سے گزرنے سے نماز کیسے ٹوٹے گی۔

سوال: بعض حنابلہ اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حنابلہ کے مستدلات قولی ہیں جبکہ دیگر حضرات کے مستدلات فعلی ہیں اصول یہ ہے کہ جب قولی اور فعلی میں تعارض ہو جائے تو قولی کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب اوّل: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث قولی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

جواب ثانی: ترجیح کا مذکورہ اصول اس وقت لاگو ہوتا ہے جب ان دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو، جبکہ یہاں تطبیق ممکن ہے کہ اس

حدیث میں قطع سے مراد قطع صلوٰۃ نہیں بلکہ قطع خشوع ہے۔ خصوصا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے بلکہ بعض وہ صحابہ کرام جو قطع صلوٰۃ کی حدیث کے راوی ہیں وہ خود ان اشیاء کے مرور سے قطع صلوٰۃ کے قائل نہیں ہیں۔ جیسے حضرت ابن عباس، ابن عمر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ بیہقی اور طحاوی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قطع صلوٰۃ کی تردید مروی ہے کہ ان سے ان اشیاء سے قطع صلوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا **الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ** یہ اشیاء عمل صالح کے رفع سے مانع کیسے ہوسکتی ہیں۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ حدیث سنائی گئی کہ عورت، گدھے اور کتے کے گزرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ تم نے ہم عورتوں کو گدھوں اور کتوں کے برابر کردیا۔

امام ابوداؤد ان ابواب کے بارے میں بعد میں یہ عبارت لائے ہیں۔ **قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبی ﷺ نظرً الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ** تو تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

سوال: ان تین اشیاء کا خاص طور پر ذکر کیوں کیا؟ **جواب:** ان تینوں اشیاء کے ساتھ شیطان ہمیشہ رہتا ہے جدا نہیں ہوتا۔ اسلئے ان کو خاص کیا۔ عورتوں کے متعلق حدیث میں کہا گیا "**النساء حبائل الشیطان**" نیز سامنے سے جب عورت گزرے گی تو ذہن میں طرح طرح کے خیال شیطان لائے گا۔ اسی طرح حمار کے بارے حدیث میں ہے کہ اسکے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور جب یہ آواز نکالے تو تم تعوذ پڑھو کیونکہ اس نے شیطان کو دیکھا ہے تو گدھا گزرے گا تو اسکی نجاست اور اسکے اثرات کی وجہ سے شیطان کئی وساوس لائے گا۔ کتے کے گزرنے سے کمال نجاست کی وجہ سے بھی خشوع ختم ہوگا اور نمازی کو ڈر ہوگا کہ مجھے کاٹ نہ لے۔ درمنثور کی ایک روایت میں ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہے سوائے گدھے اور کتے کے۔ حدیث میں ان کو شیطان کہا گیا۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں قطع سے مراد باطنی وصل کا قطع ہے جو اللہ اور بندے کے درمیان ہوتا ہے یہاں حقیقی صلوٰۃ کا قطع مراد نہیں۔

اس حدیث کے پیش نظر اسی کی مناسبت سے بہشتی زیور کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

فائدہ: عام مشہور ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر نماز میں آپ ﷺ کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر عورت گدھے کا خیال آجائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس پر بریلوی حضرات بڑا شور کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کردی۔ اس کا ہمارے علماء نے جواب دیا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے یہ بات بجا کہی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کا خیال نماز میں آئے گا تو نمازی آپ ﷺ کے جامع صفات، کمالات، بہادری، حسن صورت اور آپ ﷺ کے جمالات کے تصور میں چلا جائے گا نماز کا خیال ہی نہیں رہے گا تو نماز ٹوٹ جائیگی اور اگر عورت یا گدھے کا خیال آئے گا تو خیال فوراً واپس چلا جائے گا۔ اس سے نماز کا قطع ہونا لازم نہیں آئے گا اس لئے نماز نہ ٹوٹے گی تو اس قول کی بنیاد تو عین عشق رسول ﷺ پر ہے نہ کہ گستاخی پر۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت عمر بن ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ مُشْتَمِلًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَأَنَسٍ وَعَمْرِو بْنِ أَبِي أَسِيدٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَكَيْسَانَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ وَأُمِّ هَانِئٍ وَعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ وَطَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يُصَلِّي الرَّجُلُ فِي ثَوْبَيْنِ.

ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا اس باب میں حضرت ابوہریرہ، جابر، سلمہ بن اکوع، انس، عمرو بن ابواسید، ام ہانی، عمار بن یاسر، طلق بن علی اور عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث عمر بن ابوسلمہ حسن صحیح ہے اور صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آدمی دو کپڑوں میں نماز پڑھے۔

تشریح: نماز تین کپڑوں میں مسنون ہے ازار، رداء اور عمامہ میں، تین کپڑے نہ ہوں تو ایک کپڑے میں ضرورت کی بناء پر نماز درست ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا عمل ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک چادر میں نماز اس وقت جائز ہے جبکہ چادر کا کنارہ کندھے کے اوپر ہو۔

ان کی دلیل موطا امام مالک کی روایت ہے جس میں ایسی صورت میں **فلا صلوٰۃ له** کی وعید ہے۔ جمہور کے نزدیک ایسا ضروری نہیں البتہ مناسب ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ابْتِدَاءِ الْقِبْلَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ صَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى { قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ } فَوَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ وَكَانَ يُحِبُّ ذٰلِكَ فَصَلَّى رَجُلٌ مَعَهُ الْعَصْرَ ثُمَّ مَرَّ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَهُمْ رُكُوعٌ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَقَالَ هُوَ يَشْهَدُ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ قَدْ وَجَّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ

حضرت حضرت براء بن عازب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور آپ ﷺ بیت اللہ کی طرف منہ کرنا پسند کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ) (البقرۃ: 144) لہٰذا آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا جسے آپ ﷺ پسند کرتے تھے ایک آدمی نے آپ ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی ان کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا اس صحابی نے کہا کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے پھر وہ انصار کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو رکوع میں تھے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا راوی کہتے ہیں اس پر ان

قَالَ فَانْحَرَفُوا وَهُمْ رُكُوعٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُمَارَةَ بْنِ أَوْسٍ وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانُوا رُكُوعًا فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

لوگوں نے رکوع ہی میں اپنے رخ کعبہ کی طرف پھیر لئے اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، عمارہ بن اوس عمرو بن عوف مزنی اور انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث براء حسن صحیح ہے اسے سفیان ثوری نے بھی ابواسحاق سے روایت کیا ہناد وکیع سے وہ سفیان سے اور وہ عبداللہ بن دینار سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا وہ لوگ فجر کی نماز کے رکوع میں تھے امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: والقبلة فی الاصل: اس حالت کا نام ہے جس کے مقابل بیٹھنے والا اپنا چہرہ (رخ) کر کے بیٹھتا ہے۔ یا اس جہت کا نام ہے جس کی طرف انسان رخ کرتا ہے۔ جیسا کہ عرب کے ہاں گمراہ شخص کے لئے یہ بولا جاتا ہے کہ ایسے شخص کے لئے نہ کوئی کعبہ ہے اور نہ ہی قبلہ۔ پھر اس میں توسع کر کے عرف میں اس مکان اور جگہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا جس کی طرف رخ کر کے نمازی نماز ادا کرتا ہے یا جس جہت کی طرف نمازی رخ کر کے نماز پڑھتا ہے۔

بیت المقدس: مقدس مفعل کے وزن پر ہے دال کے کسرہ، میم کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ مصدر میمی ہے۔ یا قدس میں ایک جگہ کا نام ہے۔

اس باب کے ذیل میں چند مسائل زیر بحث ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: قبلہ کا نسخ ہوا یا نہیں اگر نسخ ہوا تو کتنی بار ہوا؟ اس میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: یہ جمہور حضرات کا قول ہے اور مشہور بھی یہی ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ مکہ میں تھے تو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا کسی حکم کی بناء پر نہیں تھا بلکہ یہاں قریش کے لوگ بناء ابراہیمی کے نقش قدم پر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تو آپ ﷺ بھی بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگ گئے۔ پھر جب آپ ﷺ مدینہ میں آئے تو وہاں یہود کا قبلہ بیت المقدس تھا اور ان کا گمان تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ بیت المقدس ہے لہٰذا وہ لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی یہی قبلہ مقرر ہوا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تو آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ مبارک کیا اس صورت میں نسخ مرۃً ہوا ہے۔

قول ثانی: علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر نسخ قبلہ ہوا ہی نہیں اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ ﷺ جب مکہ میں تھے تو اس وقت کعبہ کی طرف رخ کرتے تھے کیونکہ وہ آپ کی قوم کا قبلہ تھا اور جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے آئے تو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے کیونکہ یہ اہل مدینہ کا قبلہ تھا اس وقت لوگ اپنی قوم کے قبلے کی طرف متوجہ تھے جب مکہ میں تھے تو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم نہیں تھا اور جب مدینہ میں گئے تو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا کوئی حکم نہیں تھا

بلکہ پہلا حکم اس آیت میں اترا قد نری تقلب وجهك في السماء تو اس قول کا مطلب یہ ہے کہ نسخ قبلہ ہوا ہی نہیں کیونکہ نسخ تب ہوتا کہ پہلے ایک حکم ہو پھر دوسرا حکم دیا جائے حالانکہ یہاں پہلے کوئی حکم نہیں تھا۔

قول ثالث: یہ قول تطبیق والا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے تو آپ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا لیکن آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف اس طرح رخ کرتے کہ کعبہ بھی درمیان میں آجاتا کیونکہ آپ ﷺ کی زیادہ رغبت وخواہش کعبہ کی طرف رخ کرنے کی تھی اسی وجہ سے آپ ﷺ رکنین یمانیین کے درمیان کھڑے ہوتے (یعنی حجر اسود اور رکن یمانی کے درمیان) اس صورت میں کعبہ اور بیت المقدس دونوں سامنے ہوتے اسی کی تائید عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے **كان رسول الله ﷺ يصلي وهو بمكة نحو بيت المقدس والكعبة بين يديه.** (کمافی فتح الباری جلد ا ص ۹۰)۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے اظہار نہ ہوسکا کہ بیت اللہ کی طرف توجہ ہے یا بیت المقدس کی طرف۔ لیکن جب مدینہ ہجرت کر کے گئے تو وہاں دونوں کی رعایت ممکن نہیں تھی اس لئے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم وہاں واضح ہو گیا۔ اور وہاں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے لیکن اس دوران آپ ﷺ بار بار آسمان کی طرف اپنا چہرہ انور اٹھاتے اور بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کو پسند کرتے اور وحی کے منتظر رہے حتیٰ کہ اسی میں سولہ یا سترہ ماہ گزر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم آ گیا۔ اس قول کے مطابق یہ نسخ مرۃ واحدۃً ہوا۔ اس قول میں اور قول اوّل میں فرق یہ ہے کہ اس قول میں قبلہ کا حکم مکہ میں دیا گیا اور قول اوّل میں قبلہ کا حکم مدینہ میں دیا گیا۔

قول رابع: بعض حضرات نے کہا کہ قبلہ کا نسخ مرتین ہوا جیسا کہ معارف السنن میں ہے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مکہ میں قریش کی آبادی زیادہ تھی ان کی رعایت کے لئے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا گیا اور جب مدینہ آئے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم آ گیا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو تاکہ اہل کتاب کی رعایت ہو اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوں کیونکہ اہل کتاب کو اس بات کا علم تھا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اگر حضور ﷺ بیت المقدس کا رخ نہ فرماتے تو وہ سمجھتے کہ یہ ان انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

اس لئے جب وہ لوگ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور اپنے ایمان میں خوب پختہ ہو گئے تو پھر یہ حکم آیا کہ اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر دو یہ دوسرا نسخ ہے اس کو نسخ السنۃ بالسنۃ کہتے ہیں۔

مسئلہ ثانیہ: نسخ کس سن ہجری میں ہوا؟ نسخ کا حکم سن ۲ ھ میں ہوا اس وقت نبی کریم ﷺ بنی سلمہ کی مسجد میں تھے۔ وہاں ایک صحابی بشر بن براء بن معرور فوت ہوئے تھے انکے جنازے کیلئے آپ تشریف لے گئے تھے اس مسجد کو ذو قبلتین بھی کہتے ہیں۔

مسئلہ ثالثہ: تحویل قبلہ کا حکم کس نماز میں ہوا؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات میں ظہر کی نماز کا ذکر ہے اور بعض روایات میں عصر کی نماز کا ذکر ہے اور بعض روایات میں فجر کی نماز کا ذکر ہے۔

بعض حضرات نے اس میں یوں تطبیق دی ہے کہ تحویل قبلہ کے وقت آپ ﷺ نے ظہر کی نماز مسجد بنی سلمہ (جس کو مسجد قبلتین بھی کہا گیا ہے) میں پڑھی۔ نماز کے دوران تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور آپ ﷺ نے حضرت بشر بن براء بن معرور کے جنازے

سے فراغت کے بعد مسجد نبوی میں عصر کی نماز پڑھائی۔ لہٰذا جن لوگوں نے عصر کی نماز قبلہ کی طرف پڑھی تو انہوں نے عصر کی نماز کا ذکر کر دیا۔ پھر ایک صحابیؓ مسجد نبوی میں نماز عصر پڑھ کر بنو حارثہ کی مسجد کے پاس سے گزرے وہاں لوگ سابقہ قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے تھے انہوں نے گواہی دی کہ قبلہ بدل گیا چنانچہ سب نماز کے اندر ہی بیت اللہ کی طرف گھوم گئے پھر اگلے دن ایک صحابی مسجد نبوی میں فجر پڑھ کر قباء پہنچے جو مدینہ سے تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر ہے وہاں لوگ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے تحویل کی خبر دی تو وہ سب حضرات نماز ہی کے اندر کعبہ شریف کی طرف پھر گئے۔ جن لوگوں کو فجر کی نماز میں تحویل قبلہ کا علم ہوا تو انہوں نے فجر والی روایت نقل کر دی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی میں فجر کی نماز غلس میں ہوتی تھی مگر مدینہ کے اطراف کی مساجد میں اسفار میں نماز ہوتی تھی کیونکہ یہ صحابی فجر کی نماز مسجد نبوی میں با جماعت پڑھ کر قباء پہنچے تو اس وقت قباء میں فجر کی نماز ہو رہی تھی۔

دوسرا یہاں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کوئی حکم منسوخ ہوتا تھا تو وہ نسخ کسی حکم میں نقص کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک شے حسن کی جگہ احسن کو اختیار کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ اس لئے اس کا باقاعدہ اعلان نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ جوں جوں لوگوں کو اطلاع ہوتی جاتی تھی عمل میں تبدیلی آتی رہتی تھی۔ اس وقت مدینہ میں کل ۹ مساجد تھیں۔ ان سب میں یہ اطلاع با آسانی دی جا سکتی تھی مگر نہیں دی گئی کیونکہ یہ نسخ کسی خرابی کے باعث نہیں ہوا تھا بلکہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہوا۔

مسئلہ رابعہ: ہجرت کے کتنے عرصے بعد تحویل قبلہ کا حکم ہوا؟ اس بارے میں بھی مختلف روایات ہیں۔ بعض روایات میں سولہ ماہ کا ذکر ہے اور بعض روایات میں سترہ ماہ کا ذکر ہے۔ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام نوویؒ نے مسلم کی روایت کو ترجیح دی ہے جس میں سولہ ماہ کا ذکر ہوا ہے۔

قول ثانی: قاضی عیاضؒ نے سترہ ماہ کا ذکر کیا ہے۔

قول ثالث: علامہ ابن حجرؒ نے تردد کی روایت کو ترجیح دی ہے اسی کو بہت سارے علماء نے اختیار کیا ہے۔

تطبیق بین الاقوال: بعض حضرات نے ان اقوال میں تطبیق دی ہے کہ آپ ﷺ ربیع الاوّل کے درمیان میں مدینہ پہنچے اور ہجرت کے دوسرے سال رجب میں قبلہ کے نسخ کا حکم آیا تو کچھ دن رجب کے اور کچھ دن ربیع الاوّل کے۔ ان دنوں کو شمار کریں تو سترہ ماہ بنتے ہیں اور اگر ان دنوں کو شمار نہ کریں تو سولہ ماہ بنتے ہیں۔ لہٰذا جنہوں نے کسر کو شمار کیا انہوں نے سترہ ماہ کا ذکر کیا اور جنہوں نے کسر کو شمار نہیں کیا انہوں نے سولہ ماہ ذکر کئے۔

مسئلہ خامسہ: نسخ قبلہ کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی جانیوالی نمازوں کا کیا حکم ہے؟ ظہر کی نماز میں نسخ قبلہ کا حکم ہوا اس کے بعد جن لوگوں کو اس نسخ کا علم نہیں ہوا اور وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے تو ان کی نمازوں کا کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں ائمہ کے دو قول ہیں:

قول اوّل: بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ ان کیلئے نسخ تب معتبر ہے جب ان کو اطلاع مل جائے تو ان کے لئے نمازوں کے اعادہ کا حکم نہیں ہوگا کیونکہ اطلاع دیر سے پہنچی ہے۔

قول ثانی: بعض مکلفین تک نسخ کا علم پہنچ جائے تو اس کا حکم ثابت ہو جاتا ہے اب اس صورت میں جنہوں نے قبلہ منسوخہ کی طرف نماز ادا کی ان کے ذمہ نمازوں کا اعادہ لازم ہے۔

سوال اوّل: حضرت عباد بن بشر نے اہل قباء کے لوگوں سے کہا کہ قبلہ بدل گیا تو انہوں نے نماز میں اپنا رخ موڑ لیا۔ سوال یہ ہے کہ بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا حکم قطعی تھا اور ایک آدمی کی اطلاع خبر واحد ہے جو کہ ظنی ہے تو ظنی سے قطعی حکم کو کس طرح چھوڑ دیا گیا۔

جواب اوّل: اس وقت امانت و دیانت عام تھی اس لئے خبر واحد کو قطعی سمجھا گیا۔

جواب ثانی: حضرت انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب خبر واحد مقرون بالقرائن ہو تب وہ قطعی ہو جاتی ہے۔ جبکہ آپ ﷺ کی مجالس میں تحویل قبلہ کا تذکرہ چلتا رہتا تھا۔ اور لوگوں کو بھی تحویل قبلہ کا انتظار رہتا تھا اس لئے ایک فرد کی بات مانی گئی۔

سوال ثانی: فقہ میں یہ مسئلہ ہے کہ نمازی باہر سے لقمہ لے لے یا باہر والے کا حکم تسلیم کر لے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے تو یہاں پر اہل قباء اور دوسرے لوگوں نے نماز سے باہر والے آدمی کی بات پر قبلہ رخ بدل دیا تو نماز فاسد ہو جانی چاہیے حالانکہ ان کی نماز کے فساد کا حکم کسی نے نہیں لگایا۔

جواب: یہ مسئلہ اس وقت نہیں تھا بلکہ اس وقت نماز میں اتنی اجازت تھی یہ قواعد بعد میں بنے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي مَعْشَرٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي مَعْشَرٍ مِثْلَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي أَبِي مَعْشَرٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَاسْمُهُ نَجِيحٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا وَقَدْ رَوَى عَنْهُ النَّاسُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ الْمَخْرَمِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَخْنَسِيِّ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَقْوَى وَأَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مَعْشَرٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے انہوں نے محمد بن ابی معشر سے اوپر کی روایت کی مثل روایت کی۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا حدیث ابو ہریرہؓ ان سے کئی سندوں سے مروی ہے اور بعض علماء نے ابو معشر کے حافظے میں کلام کیا ہے ان کا نام نجیح مولی بن ہاشم ہے امام بخاریؒ نے کہا کہ میں ان سے کوئی روایت بیان نہیں کرتا جبکہ کچھ حضرات ان سے روایت کرتے ہیں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے کہا عبداللہ بن جعفر مخرمی جو روایت کرتے ہیں عثمان بن محمد اخنسی سے اور وہ سعید مقبری سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو وہ روایت ابو معشر کی حدیث سے قوی تر اور اصح ہے۔

تشریح: یہ حدیث بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ اس حدیث کے مطالب میں مختلف اقوال ہیں۔

① ابن المبارکؒ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرق دو ہیں ایک سردی میں سورج طلوع ہونے کی جگہ اور دوسرا گرمی میں

طلوع ہونے کی جگہ۔ اور مغرب بھی دو ہیں، سردیوں میں سورج غروب ہونے کی جگہ اور گرمیوں میں غروب ہونے کی جگہ۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ مغرب شتاء اور مشرق صیف کے درمیان قبلہ ہے۔

② بعض نے کہا کہ یہ حکم اس کیلئے ہے جو مکہ کے جنوب یا شمال کی جانب میں ہو اس کیلئے قبلہ مشرق اور مغرب کے درمیان ہوگا۔

③ بعض نے کہا جس طرح آیت "رب المشرقین ورب المغربین" میں دو جہت بول کر جہات اربعہ کو مراد لیا گیا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی مشرق ومغرب کی جہات اربعہ مراد لی گئی ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ قبلہ جہات اربعہ کے درمیان میں ہے کسی کا کسی طرف اور کسی کا کسی طرف۔

④ طیبیؒ نے کہا کہ یہاں قبلہ سے مراد اہل مدینہ کا قبلہ ہے جو مشرق ومغرب کے درمیان واقع ہے اور یہ مغرب کے ایک جانب میں ہے۔ یہ حدیث بھی انہی کی تائید ہے "لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها ولكن شرقوا اوغربوا"۔

مسئلہ: عین قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے یا جہت قبلہ کی طرف: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے چند اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں عین کعبہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے اس سے ذرا بھی انحراف کرنا جائز نہیں۔

قول ثانی: جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک مسجد حرام اور اس کے آس پاس میں تو عین کعبہ شرط ہے دور کے لئے جہت کعبہ ضروری ہے عین کعبہ نہیں ورنہ حرج لازم آئے گا "والحرج في الشريعة مدفوع"۔ البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر یا بھول کر قبلہ سے اس قدر منحرف ہو گیا کہ ربع قوس سے زیادہ ہو گیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر ربع قوس (۴۵ ڈگری) سے کم انحراف کیا تو وہ معاف ہے۔

قال ابو عيسى حديث ابي هريرة قد روى عنه غير وجه: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہ معشر کی وجہ سے ضعیف ہے ان کا نام نجیح مولی بنی ہاشم ہے البتہ امام ترمذیؒ نے اس سند کے علاوہ دوسری سند بھی بیان کی ہے جو حسن صحیح ہے۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر المخرمی کی روایت کی سند یہ ہے **عن عثمان بن محمد الاخنسي، عن سعيد المقبري، عن ابي هريرة** یہ **سند ابی معشر** کی سند سے قوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فِي الْغَيْمِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سَعِيدٍ السَّمَّانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَلَمْ نَدْرِ أَيْنَ الْقِبْلَةُ فَصَلَّى كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا عَلَى حِيَالِهِ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَ {فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ}

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا ہم ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اندھیری رات میں سفر کر رہے تھے اور قبلہ کا رخ نہیں جانتے تھے پس ہر شخص نے اپنے سامنے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جب صبح ہوئی تو ہم نے اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی **(فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ)** (البقرۃ: ۱۱۵) تم جس طرف بھی منہ کرو اسی طرف اللہ کا چہرہ ہے

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَشْعَثَ السَّمَّانِ وَأَشْعَثُ بْنُ سَعِيدٍ أَبُو الرَّبِيعِ السَّمَّانُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَقَدْ ذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا قَالُوا إِذَا صَلَّى فِي الْغَيْمِ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ ثُمَّ اسْتَبَانَ لَهُ بَعْدَ مَا صَلَّى أَنَّهُ صَلَّى لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فَإِنَّ صَلَاتَهُ جَائِزَةٌ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ہم اس حدیث کو صرف اشعث سمان کی روایت سے جانتے ہیں اور اشعث بن سعید ابوالربیع سمان کی حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے اکثر اہل علم کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص اندھیرے میں قبلہ کی طرف منہ کئے بغیر نماز پڑھ لے پھر نماز پڑھ لینے کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس نے قبلہ رخ ہوئے بغیر نماز پڑھی ہے تو اس کی نماز جائز ہے اور سفیان ثوری ابن مبارک احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں قبلہ مشتبہ ہونے کے متعلق مسئلہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ کوئی شخص بادل یا اندھیرے کی وجہ سے قبلہ معلوم نہ کر سکے اور اس دوران اس نے نماز ادا کر لی تو اس کا کیا حکم ہے۔

اس مسئلہ میں تفصیل ہے اگر خود قبلہ کی جہت معلوم نہ ہو تو دوسرے مقامی شخص سے پوچھ لے اگر کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو خود تحری کر لے یعنی غور و فکر کر لے۔ پھر اس کے بعد جس جانب قبلہ ہونے کا ظن غالب ہو تو اس طرف نماز پڑھ لے اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی۔ اگر نماز کے دوران قبلہ کی صحیح سمت معلوم ہو جائے تو دوران نماز ہی پھر جائے لیکن اگر تحری کرنے کے بعد نماز پڑھ لی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جس طرف اس نے رخ کر کے نماز پڑھی اس طرف قبلہ نہیں ہے تو اکثر فقہاء کے نزدیک اعادہ واجب نہیں خواہ وقت باقی ہو یا نہ ہو۔ حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے البتہ امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اس پر اعادہ واجب ہے جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک اگر وقت باقی ہو تو نماز کا لوٹانا مستحب ہے۔

لیکن اگر اس شخص نے ان تمام صورتوں میں سے کسی صورت کو اختیار نہیں کیا یعنی نہ تو اس نے کسی سے قبلہ کے متعلق پوچھا اور نہ ہی تحری کی بلکہ غلط سمت نماز پڑھ لی تو اس صورت میں اس کی نماز فاسد ہے اور اعادہ واجب ہے۔

یہ مسئلہ تو اکیلے نماز پڑھنے کے بارے میں تھا اگر پوری جماعت نے تحری کر کے نماز پڑھی تو اگر سب کا رخ ایک ہی سمت میں تھا تو نماز ہو گئی اگر مختلف افراد کی تحری مختلف سمتوں میں واقع ہوئی تو جو شخص امام سے آگے نکل گیا ہو تو اس کی نماز مطلقاً فاسد ہے نیز اگر کسی شخص کو دوران نماز معلوم ہوا کہ اس کا رخ امام کے رخ کے مخالف ہے تو اس کی نماز بھی فاسد ہو گئی لیکن اگر نماز کے بعد معلوم ہوا کہ تحری کے باوجود انہوں نے غلط سمت نماز پڑھی ہے یا ان میں سے کسی کا رخ امام کے رخ کے مخالف تھا تو سب کی نماز ہو گئی کسی کی نماز فاسد نہیں ہوئی اور نہ ہی اعادہ واجب ہے۔

فصلی کل رجل منا علی حیاله: حدیث باب میں اگر منفرداً نماز مراد لی جائے تو اس سے سب کی نماز کی صحت ظاہر ہے اور اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی تو پھر اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ مختلف افراد نے مختلف سمتوں کا رخ کر رکھا تھا اس صورت میں حدیث باب کا محمل یہ ہے کہ ان کو مخالفت امام کا علم نماز کے بعد ہوا ہوگا۔

یہ حدیث الباب شوافع کے خلاف حجت ہے جو اعادہ کو واجب کہتے ہیں۔ دوسرا یہ حدیث اگرچہ اشعث سمان کی وجہ سے

ضعیف ہے۔لیکن اس کے متابعات موجود ہیں اگر چہ وہ ضعیف ہیں لیکن یہ ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

فاینما تولوا فثم وجه الله: اس آیت کی دو تفاسیر منقول ہیں۔ایک تفسیر یہ ہے کہ اشتباہ قبلہ کی حالت مراد ہے خواہ یہ اشتباہ اندھیری رات میں نماز پڑھنے سے واقع ہو یا جس شخص کو قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو وہ تحری کے ساتھ نماز ادا کرے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ بعض حضرات نے اس کو **صلٰوۃ النافلة علی الدابة** پر محمول کیا ہے۔اس کے متعلق اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب یہ فرمائیں کہ یہ آیت اس کے بارے میں اتری ہے تو اس کے دو مطلب ہوتے ہیں ایک یہ کہ یہ اسی واقعہ کے لئے اتری ہے۔دوسرا یہ کہ یہ اس واقعہ پر بھی منطبق ہو سکتی ہے۔بہر حال جو بھی تفسیر مراد لی جائے اس کے بارے میں حدیث مروی ہے اور اس میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ قبلہ کی طرف رخ کرنا ہر ایک کی اپنی استطاعت اور کوشش کے مطابق ہوتا ہے۔لہٰذا جہاں قدرت نہ ہو وہاں جہت قبلہ ہوتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے **و قبلة العاجز عنها جهة قدرته**۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَا يُصَلّٰى إِلَيْهِ وَفِيهِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا الْمُقْرِءُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ زَيْدِ بْنِ جَبِيرَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُصَلّٰى فِي سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِي الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَفِي الْحَمَّامِ وَفِي مَعَاطِنِ الْإِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللهِ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ زَيْدِ بْنِ جَبِيرَةَ عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ وَقَدْ تُكُلِّمَ فِي زَيْدِ بْنِ جَبِيرَةَ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَقَدْ رَوَى اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِيِّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْبَهُ وَأَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ الْعُمَرِيُّ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات مقامات پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا گوبر ڈالنے کی جگہ پر، مذبح خانے میں، قبر پر، راستے میں، حمام میں، اونٹ باندھنے کی جگہ میں اور بیت اللہ کی چھت پر۔علی بن حجر نے سوید بن عبدالعزیز سے انہوں نے زید بن جبیرہ سے انہوں نے داؤد بن حصین سے انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوپر کی حدیث کے مثل اور ہم معنی روایت کی۔اس باب میں حضرت ابو مرثد، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمر کی سند قوی نہیں زید بن جبیر کے حفظ میں کلام ہے لیث بن سعد بھی اس حدیث کو عبداللہ بن عمر عمری سے روایت کرتے ہیں وہ نافع سے وہ ابن عمر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مثل روایت کرتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث لیث بن سعد کی حدیث سے اشبہ اور اصح ہے محدثین عبداللہ بن عمر عمری کو حافظے کی بناء پر ضعیف

حِفْظِهٖ مِنْهُمْ يَحْيٰى بْنُ سَعِيْدٍ الْقَطَّانُ. کہتے ہیں جن میں یحییٰ بن سعید قطان بھی شامل ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ ان مقامات کا ذکر کر رہے ہیں جہاں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے وہ سات جگہیں ہیں:

① **المزبلة:** یہ زبل سے ہے اس کے معنی ہیں گوبر ڈالنے کی جگہ یا گندگی کوڑا ڈالنے کی جگہ، معنی یہ ہوگا کہ گوبر ڈالنے کی جگہ نماز مکروہ ہے۔ اس جگہ پر نماز پڑھنے کی ممانعت جگہ کی پاکی اور ناپاکی کا قرب ہے اگر کپڑا وغیرہ بچھا کر نماز پڑھے تو بھی نجاست کے قرب کی وجہ سے مکروہ ہوگی۔ یہاں سے ماکول اللحم جانوروں کے فضلہ جات کے نجس ہونے کی طرف اشارہ ہے اسی کے قائل جمہور حضرات ہیں۔

② **والمجزرة:** جذر کے معنی ہیں ذبح کرنا یعنی وہ مقام جہاں جانور ذبح کئے جاتے ہیں اور ان کی گندگی وہیں پڑی رہتی ہے جیسا کہ بعض شہروں میں ذبح خانے بنے ہوتے ہیں۔ یہاں پر بھی نماز کی ممانعت گندگی کے قرب کی وجہ سے ہے۔

③ **والمقبرة:** قبرستان میں نماز پڑھنا۔ اس کے متعلق مکمل تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

④ **قارعة الطريق:** راستے کے بیچ میں نماز پڑھنے سے ممانعت ہے کیونکہ وہاں گزرنے والوں کی وجہ سے اس کو اطمینان اور خشوع نہیں ہوگا بار بار گزرنے والے کی طرف دھیان متوجہ ہوگا۔ یہی حکم مسجد میں فرائض کے بعد سنن پڑھنے کا ہے کہ مسجد میں ایسی جگہ سنن نہ پڑھے جہاں پر نمازیوں کو گزرنے میں تکلیف ہو بلکہ کنارے پر پڑھے۔ کما مر

⑤ **والحمام:** جہاں پر لوگ غسل کرتے ہوں یہاں ممانعت اس وجہ سے ہے کہ شاید کسی کا ستر کھل جائے اور یہ جگہ گندگی کا بھی باعث ہے یا ایسی جگہ مراد ہے جہاں مرد وعورت اکٹھے نہاتے ہوں تو ایسی جگہ بے حیائی کی ہوتی ہے جبکہ نماز تو بے حیائی اور فحاشی کو مٹانے والی ہے اس کے متعلق بھی بحث گزر چکی ہے تفصیلاً۔

⑥ **معاطن الابل:** "معاطن" عطن کی جمع ہے "عطن" اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ پانی وغیرہ پی کر آرام کرتے ہیں یا اونٹوں کے باڑے کو کہتے ہیں۔ اس جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے اگر زمین پر پڑھ لی تو نماز فاسد ہوگی اگر کسی نے مصلّٰی، کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو مکروہ ہوگی اگرچہ یہ نجاست کی جگہ تو نہیں لیکن بدبو تو آ رہی ہے یہ اس صورت میں حکم تھا جب اونٹ باڑے میں موجود نہ ہوں اور اگر اونٹ موجود ہوں تو پھر مکروہ ہونے کی دو وجہیں ہیں ① اگر اونٹ پیشاب کرے گا تو دور دور تک اس کے چھینٹے جائیں گے کیونکہ وہ اونچا جانور ہے ② بسا اوقات اونٹ کو غصہ آ جاتا ہے جس کی وجہ سے نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہے ان وجوہات کی بناء پر وہاں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

مسئلہ: امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سبعۃ مواطن میں نماز پڑھنے سے جو نہی آئی ہے نہ نہی تحریمی ہے یا نہی تنزیہی۔ بعض نے اس کو نہی تحریمی کہا ہے بہر حال اس بناء پر یہاں اختلاف ہوا کہ آپ ﷺ کی نہی کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس میں چند اقوال ہیں۔

قول اوّل: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس لفظ سے مطلقاً عدم جواز اور فساد کی طرف اشارہ ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے فساد اور عدم جواز کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اس سے کم کی طرف اشارہ ہے۔

قول ثالث: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر نہی عبادات میں آ جائے تو وہ عدم جواز کی طرف اشارہ ہے اور اگر معاملات میں نہی

آجائے تو عدم جواز کی طرف اشارہ نہیں ہے۔

قول رابع: بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر نہی کا متعلق نفس فعل ہو جیسے عیدین میں روزہ رکھنے کی ممانعت تو اس صورت میں عدم جواز کی طرف اشارہ ہوتا ہے اگر نہی نفس فعل کے متعلق نہ ہو بلکہ کسی واسطے سے ہو تو جیسے مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنا، اعطان ابل میں نماز پڑھنا اور جمعہ کی آذان کے وقت بیع کرنا تو اس صورت میں عدم جواز مراد نہیں ہوگا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۸)

⑦ وفوق ظهر بيت الله: بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا سوء ادب ہے یہاں پر نماز کی ادائیگی کے لئے چھت پر چڑھنے کو بے ادبی لکھا ہے اگر کوئی وقت کا ظالم جابر سلطان بیت اللہ کی چھت پر چڑھ جائے تو یہ اس کے صالح ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔ **فافهم**

حنفیہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھ لی تو جائز مع الکراہت ہوگی۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فرائض تو صحیح نہیں البتہ نوافل صحیح ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک فرائض کے علاوہ طواف کی دو رکعات اور وتر اور فجر کی دو رکعتیں بھی کعبہ کی چھت پر نہیں پڑھ سکتے۔ فقہاء نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ عام مساجد کی چھتوں پر بلا ضرورت چڑھنا مکروہ ہے البتہ مسجد میں جگہ نہ ہونے کی بناء پر مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

علامہ نجم الدین طرطوطی نے ان سات اشیاء کو اشعار میں بند کیا ہے (معارف السنن جلد ۳ ص ۳۸۴ میں مذکور ہے)

نهى الرسول احمد خير البشر — عن الصلوٰة فى بقاع تعتبر
معاطن الجمال ثم مقبرة — مزبلة طريق ثم مجزرة
و فوق بيت الله والحمام — و الحمد لله على التمام

قوله المقرئ: یہ عبد اللہ بن یزید المقری ابو عبد الرحمٰن ہیں یہ بصرہ کی ایک بستی کے رہائشی تھے پھر انہوں نے اھواز میں سکونت اختیار کی۔ مقریؒ شہر مقری کے باشندے کو کہتے ہیں یہاں وہ مقری مراد نہیں جو قرآن پاک کے پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔ ابو عبد الرحمٰن کو یہ وصف کیسے ملا۔ انہوں نے چھتیس سال بصرہ اور پینتیس سال مکہ میں قرآن مجید کی تعلیم دی۔ (کمافی التہذیب جلد ۶ ص ۸۴)

قال ابو عيسٰى: یہاں امام ترمذیؒ نے تین مزید سندیں پیش کی ہیں۔ ایک سند حدیث الباب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے اس کی بھی دو سندیں پیش کی ہیں۔ کل اسناد چار ہو گئیں۔ ایک سند یحییٰ بن ایوب کے حوالے سے ہے جو اوپر باب کی حدیث میں بیان ہوئی اور دوسری سند سوید بن عبد العزیز کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ جس کا ذکر دوسری حدیث میں ہے ان دونوں سندوں میں زید بن جبیرہ ہیں جو ضعیف ہیں کیونکہ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ امام ترمذی ان دونوں پر یہ حکم لگاتے ہیں کہ یہ دونوں ضعیف ہیں اس کے علاوہ دو اسناد اور پیش کی ہیں۔ ① **و قدروى الليث بن سعد هٰذا الحديث عن عبد الله بن عمر العمرى، عن نافع، عن ابن عمر، عن عمر عن النبى ﷺ. ② وحديث داؤد عن نافع عن ابن عمر عن النبى ﷺ اشبه واصح۔**

پہلی سند کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سند میں عبد اللہ بن عمر العمری ہیں یہ بھی امام ترمذیؒ کے نزدیک ضعیف ہیں۔

پھر امام ترمذی نے دوسری سند لا کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ روایت ابن عمرؓ کی ہے حضرت عمرؓ کی نہیں۔ یعنی لیث کی سند صحیح نہیں۔

عمری کو بعض محدثین نے ضعیف کہا ہے جیسے یحییٰ قطان کہتے ہیں کہ اس راوی کی حدیثیں اچھی طرح محفوظ نہیں ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَأَعْطَانِ الْإِبِلِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوا فِي أَعْطَانِ الْإِبِلِ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ أَوْ بِنَحْوِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَالْبَرَاءِ وَسَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ أَصْحَابِنَا وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَحَدِيثُ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفًا وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَاسْمُ أَبِي حَصِينٍ عُثْمَانُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَسَدِيُّ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ الضُّبَعِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَأَبُو التَّيَّاحِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ حُمَيْدٍ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور تم اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو۔ روایت کی ہم سے ابوکریب نے انہوں نے یحییٰ بن آدم سے انہوں نے ابوبکر بن عیاش سے انہوں نے ابوحصین سے انہوں نے ابوصالح سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوپر کی حدیث کے مثل۔ اس باب میں حضرت جابر بن سمرۃ براء سبرہ بن معبد جہنی عبداللہ بن مغفل ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اور ہمارے اصحاب کا اسی پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے ابوحصین کی ابوصالح سے بواسطہ ابوہریرہ نبی کریم ﷺ سے مروی حدیث غریب ہے اور اسے اسرائیل نے ابوحصین سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوف روایت کیا ہے نہ کہ مرفوع اور ابوحصین کا نام عثمان بن عاصم اسدی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ابوالتیاح کا نام یزید بن حمید ہے۔

تشریح: مرابض الغنم: بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور معاطن الابل میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے۔ **اوّل:** بکری شریف جانور ہے نقصان نہیں پہنچاتی۔ جبکہ اونٹ شریر جانور ہے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے نماز میں خشوع نہ ہوگا۔ **ثانی:** بکری جب پیشاب کرتی ہے تو تھوڑا پست ہو کر کرتی ہے چھینٹے دور نہیں جاتے۔ اونٹ جب پیشاب کرتا ہے تو اس کے چھینٹے دور دور تک جاتے ہیں۔ اس لئے نجاست کا زیادہ خطرہ ہے۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ممانعت کی جو علت ہے وہ نجاست کا موجود ہونا اور نجاست کا قریب ہونا ہے لہٰذا ہر اس جگہ میں نماز پڑھنا منع ہے جہاں نجاست ہو نیز ایسی جگہ پر اگر کوئی مصلّٰی بچھا دیا جائے پھر بھی نماز پڑھنا منع ہے۔

مسئلہ: معاطن ابل میں نماز پڑھنے کا حکم؟ اگر کوئی اونٹ کے باڑے میں نماز پڑھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام احمدؒ کے نزدیک نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

قول ثانی: دیگر ائمہ کے نزدیک اگر کسی نے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لی تو وہ نماز ہو جائے گی۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عارضی مصلحت سے معاطن ابل میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، کمامر۔

قال ابو عیسٰی: حدیث ابو ہریرہ حدیث حسن صحیح وعلیہ العمل عند اصحابنا۔ حدیث ابو ہریرہؓ میں دو اسناد ہیں۔

① **ابو کریب عن یحیٰی بن آدم عن ابی بکر بن عیاش، عن ہشام، عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ۔**

② **ابو کریب عن یحیٰی بن آدم، عن ابی بکر بن عیاش، عن ابی حصین، عن ابی صالح، عن ابی ہریرۃ۔**

پہلی سند میں حدیث مرفوع اور اعلیٰ درجہ کی ہے **وعلیہ العمل عند اصحابنا وبہ یقول أحمد واسحاق** جبکہ دوسری سند غریب ہے کیونکہ اسرائیل نے ابو حصین سے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے اور اس کو مرفوع نہیں کیا ابو حصین کا نام عثمان بن عاصم اسدی ہے۔

ابی التیاح الضبعی ابو التیاح کا نام یزید بن حمید ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهَتْ بِهِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَيَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ فَجِئْتُهُ وَهُوَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَالسُّجُودُ أَخْفَضُ مِنَ الرُّكُوعِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمُ اخْتِلَافًا لَا يَرَوْنَ بَأْسًا أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ عَلَى رَاحِلَتِهِ تَطَوُّعًا حَيْثُ مَا كَانَ وَجْهُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ أَوْ غَيْرِهَا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ایک کام کے لئے بھیجا جب میں واپس آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر مشرق کی جانب نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے۔ اس باب میں حضرت انس، ابن عمر، ابوسعید اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں جابر کی حدیث حسن صحیح ہے اور یہ کئی سندوں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس پر سب اہل علم کا عمل ہے ہمیں اس مسئلے میں اختلاف کا علم نہیں یہی قول ہے علماء کا کہ نفل نماز سواری پر پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں خواہ قبلہ رخ ہو یا نہ ہو۔

تشریح: یہاں پر دابہ سے مراد اونٹ ہیں گھوڑے پر نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ اس کا سوار خود ڈرائیور ہوتا ہے جبکہ اونٹوں میں معاملہ اسکے برعکس ہے کہ وہ سب ایک لائن میں چلتے ہیں جو اونٹ سب سے آگے ہوتا ہے اسکو ایک شخص لیکر چلتا ہے یا اس پر بیٹھ کر

چلاتا ہے اور باقی سب اونٹ فارغ ہوتے ہیں۔ باقی لوگ ان اونٹوں پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اونٹ کی پیٹھ کا پاک ہونا اور استقبال قبلہ شرط نہیں اسی طرح کار اور بس کا حکم ہے کہ ان میں بیٹھ کر نوافل پڑھ سکتے ہیں قبلہ کی طرف رخ ہونا شرط نہیں۔ البتہ ریل گاڑی کا مسئلہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ ریل گاڑی میں بیٹھ کر نوافل پڑھنا جائز نہیں۔ چونکہ کار، بس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہیں جبکہ ریل گاڑی میں ممکن ہے اور بھیڑ عارضی عذر ہے اسلئے ریل گاڑی میں استقبال قبلہ اور رکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھنا ضروری ہے۔

یہ مسئلہ تو نوافل کا ہے فرائض کے بارے میں تفصیل ہے کہ اگر سواری ایسی ہے جس میں قیام قعود، استقبال قبلہ ممکن ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اگر قیام اور رکوع وسجود ممکن نہ ہوں اور وقت سے پہلے اتر کر پڑھنا ممکن نہ ہو تو پھر بیٹھ کر بھی جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن بعد میں اس کا اعادہ لازم ہوگا اگر وقت میں گنجائش تھی لیکن ابتداء وقت میں ہی بیٹھ کر نماز پڑھ لی سواری سے اترنے کا انتظار نہیں کیا تب علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے۔ اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ وقت کا انتظار کیا جائے۔ حتیٰ کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہو جائے یا پھر وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو۔ (باب الوتر والنوافل درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۴۷۲)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى إِلَى بَعِيرِهِ أَوْ رَاحِلَتِهِ وَكَانَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ حَيْثُ مَا تَوَجَّهَتْ بِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِالصَّلَاةِ إِلَى الْبَعِيرِ بَأْسًا أَنْ يَسْتَتِرَ بِهِ.

حضرت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ کی طرف یا فرمایا اپنی سواری کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے خواہ اس کا رخ کسی بھی طرف ہو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کا یہی قول ہے کہ اونٹ کو سترہ بنا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: الراحلة: اس اونٹ کو کہتے ہیں جس پر کاٹھی یا ہودج بندھا ہوا ہو ایسے اونٹ کو بٹھا کر سترہ بنا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ الراحلة کا لفظ مذکر ومؤنث دونوں کو شامل ہے۔ آپ ﷺ کی ناقہ کا نام قصویٰ تھا۔ (کمافی القاری عمدۃ جلد ۲ ص ۳۵۵)

حیوان کا سترہ بنا کر نماز پڑھنا جائز ہے اس سے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ معاطن ابل میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے تو یہاں پر کیسے جانور کو سترہ بنانے کی اجازت دے دی تو اس کا جواب یہ ہے کہ معاطن الابل جانوروں کے اقامت کی جگہ ہوتی ہے اور وہاں نہی کی علت نجاست کی بدبو ہوتی ہے جبکہ صحراء وغیرہ اور سفر میں اقامت اور معاطن والا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ چند منٹوں کے لئے قیام کر کے مسافر چل پڑتا ہے وہاں بدبو نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ

حضرت انسؓ سے روایت ہے اور وہ اس حدیث کو نبی کریم ﷺ تک

الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَأُمِّ سَلَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَابْنُ عُمَرَ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ يَقُولَانِ يَبْدَأُ بِالْعَشَاءِ وَإِنْ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ فِي الْجَمَاعَةِ سَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ يَبْدَأُ بِالْعَشَاءِ إِذَا كَانَ طَعَامًا يُخَافُ فَسَادُهُ وَالَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَشْبَهُ بِالِاتِّبَاعِ وَإِنَّمَا أَرَادُوا أَنْ لَا يَقُومَ الرَّجُلُ إِلَى الصَّلَاةِ وَقَلْبُهُ مَشْغُولٌ بِسَبَبِ شَيْءٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ لَا نَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَفِي أَنْفُسِنَا شَيْءٌ. وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ قَالَ وَتَعَشّٰى ابْنُ عُمَرَ وَهُوَ يَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

پہنچاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر کھانا حاضر ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھالو۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عمر سلمہ بن اکوع اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث انس رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اسی پر صحابہ کرامؓ میں سے بعض اہل علم کا عمل ہے جیسے ابوبکر، عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں اور امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی یہی کہتے ہیں ان دونوں حضرات کے نزدیک کھانا پہلے کھالے اگرچہ جماعت نکل جائے جارود کہتے ہیں میں نے وکیع سے سنا وہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کھانا اس وقت پہلے کھایا جائے جب خراب ہونے کا خطرہ ہو امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام اور دیگر فقہاء کا قول اتباع کے زیادہ لائق ہے کیونکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ جب آدمی نماز کیلئے کھڑا ہو تو اس کا دل کسی چیز کی وجہ سے مشغول نہ ہو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہم نماز کیلئے اس وقت کھڑے نہیں ہوتے جب ہمارا دل کسی اور چیز میں لگا ہوا ہو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا تیار ہو اور نماز بھی تیار ہو جائے تو کھانے سے ابتداء کی جائے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ عشاء کا کھانا کھا رہے ہوتے اس حال میں کہ وہ امام کی قراءت سن رہے ہوتے تھے اسی طرح بیان کیا ہناد نے اور عبدہ نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔

تشریح: حضر العشاء: عشاء اگر عین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب عشاء کی نماز ہے اور عشاء عین کے فتحہ کیساتھ ہے اس کا مطلب ہے شام کا کھانا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں شدید بھوک لگ رہی ہو اور عشاء کی نماز کا وقت بھی ہو رہا ہو تو پہلے کھانا کھالو پھر نماز پڑھ لو۔ اگر شدید بھوک کی حالت میں نماز پڑھی جائے تو نماز کے اندر توجہ کھانے کی طرف رہے گی اور نماز کھانا بن جائیگی اور اگر شدید بھوک کی حالت میں پہلے کھانا کھالیا جائے تو دوران کھانا نماز کی فکر رہے گی گویا کھانا نماز بن جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا **لان یکون طعامی کله صلوة أحب ألی من ان یکون صلوتی کلها طعامًا** کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا کھانا نماز بن جائے نہ یہ کہ نماز کھانا بن جائے۔ طعام کا حضور ترک جماعت کے اعذار میں سے ہے جنکی تفصیل ماقبل باب **اذا اقیمت الصلوة و وجد احد کم الخلاء فابدءوا بالخلاء** کے عنوان میں گزر چکے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ قید صرف مغرب کی نماز میں ہے کہ لوگ روزہ رکھنے کے بعد بوقت افطاری بھوک اور پیاس میں ہوتے ہیں اور یہ صورت عام طور پر رمضان کے علاوہ روزے رکھنے والوں کو پیش آتی ہے۔ کیونکہ رمضان میں تو تقریباً ہر مسجد میں اتنا وقفہ ہوتا ہے کہ بقدر رمق ہر شخص کچھ کھا پی لیتا ہے۔ اس لئے اگر روزے دار کو شدید بھوک لگ رہی ہو اور افطار کے وقت کھانا بھی حاضر ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے کھانا کھالے پھر جماعت میں شریک ہو اگر کھانا کھانے کی وجہ سے جماعت فوت ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ ترک جماعت کے اعذار میں سے ہے۔

مسئلہ: **اب اگر ایسی حالت میں نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟** اس بارے میں تمام فقہاء کا یہ قول ہے کہ نماز ہو جائے گی۔ البتہ قاضی شوکانی اور امام احمد، امام اسحاق کے نزدیک ایسی صورت میں پہلے کھانا واجب ہے اگر نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہوگی۔ لیکن حنابلہ کی کتب مغنی ابن قدامہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ان کے نزدیک بھی درست ہو جائے گی۔ لہٰذا علامہ شوکانی والا قول امام احمد کا مفتیٰ بہ نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی علت کیا ہے؟: امام غزالیؒ نے اس کی علت یہ لکھی ہے کہ کھانا سامنے آنے کے بعد اگر نماز میں مشغول ہو جائیں تو کھانا خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ علت حدیث کی وضاحت سے بعید ہے کہ ایسا کون سا کھانا ہو سکتا ہے جو نماز پڑھنے کی دیر تک خراب ہو جائے اگر وہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس کو دوبارہ گرم کر لیا جائے گا اس میں کیا حرج ہے۔

آگے قال ابو عیسیٰ میں امام ترمذیؒ نے وکیع بن جراحؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کھانا خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے کھانا کھالے۔ اور اگر کھانا خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر نماز میں شریک ہونا ہی اولیٰ ہوگا۔

اس کے علاوہ امام ترمذیؒ اسی باب میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو اثر بیان کیا ہے کہ **لا نقوم الی الصلوٰۃ وفی انفسنا شیٔ** ہمیں اس حال میں نہیں کھڑا ہونا چاہیے کہ ہمارے دلوں میں کوئی چیز ہو۔

حدیث کے راوی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ کھانا کھانے کے دوران امام کی قراءت سنتے رہتے حضرت ابن عمرؓ نے اپنے عمل سے یہ بات بتلائی کہ بھوک کے وقت پہلے کھانا کھا لینا چاہیے تاکہ بھوک کی وجہ سے نماز کا خشوع وخضوع زائل نہ ہو۔

الحاصل امام ترمذی یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ امام وکیع کی مذکورہ وضاحت صحیح نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ النُّعَاسِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ الْكِلَابِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلّٰى وَهُوَ يَنْعَسُ فَلَعَلَّهُ يَذْهَبُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ سو جائے یہاں تک کہ اس کی نیند جاتی رہے کیونکہ اگر تم میں سے کوئی اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو ممکن ہے کہ وہ استغفار کرنے کے بجائے بے خبری میں اپنے آپ کو گالیاں دینے لگے۔ اس باب میں

يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نیند کا غلبہ ہو تو پہلے سو جائے بعد میں نماز پڑھ لے اس کا مطلب یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ صبح کی نماز کے وقت نیند آ رہی ہو تو پہلے نیند پوری کی جائے بعد میں نماز پڑھ لی جائے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نیند نہ کئے ہوئے ایک دو دن گزر گئے یا وہ سفر سے تھکا ہوا آیا ہے نیند غالب ہے تو اس کو آرام کر لینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نیند میں نماز پڑھ رہا ہو اور زبان سے کچھ کا کچھ پڑھ رہا ہو جہاں اپنے لئے دعا کرنی چاہیے وہاں بددعا کے الفاظ نکل رہے ہوں۔

دوسرا یہ کہ یہ نوبت خاص کر نوافل میں پیش آتی ہے یا تہجد کے وقت پیش آتی ہے۔ ہاں اگر **کذا فی عرف الشذی عام لغویین** ان میں فرق نہیں کرتے جماعت کی صورت میں یہ نوبت پیش آئے تو وہ (مقتدی) دوران جماعت کچھ نہ بھی پڑھے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔

نعاس، سنۃ، نوم میں فرق: نعاس کا تعلق سر (دماغ) سے ہے **سِنَةٌ** کا تعلق آنکھ سے ہے اور **نوم** کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ امام قرطبیؒ نے تفسیر قرطبی میں لکھا ہے کہ ''سِنَةٌ'' کا تعلق دماغ سے ہے اور ''نعاس'' کا تعلق آنکھ سے ہے، اور نوم کا تعلق قلب سے ہے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۳ ص ۲۷۲ / معارف السنن جلد ۳ ص ۴۰۲)

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يُصَلِّ بِهِمْ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَ مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أَبَانَ بْنِ يَزِيدَ الْعَطَّارِ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ رَجُلٍ مِنْهُمْ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يَأْتِينَا فِي مُصَلَّانَا يَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ يَوْمًا فَقُلْنَا لَهُ تَقَدَّمْ فَقَالَ لِيَتَقَدَّمْ بَعْضُكُمْ حَتَّى أُحَدِّثَكُمْ لِمَ لَا أَتَقَدَّمُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا يَؤُمَّهُمْ وَلْيَؤُمَّهُمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا صَاحِبُ الْمَنْزِلِ أَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ مِنَ الزَّائِرِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا أَذِنَ لَهُ فَلَا بَأْسَ أَنْ

حضرت ابوعطیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہماری مسجد میں آیا کرتے تھے اور ہمیں احادیث سناتے چنانچہ ایک روز نماز کا وقت ہو گیا تو ہم نے ان سے کہا آپ نماز پڑھائیں انہوں نے کہا تم میں سے کوئی نماز پڑھائے تاکہ میں تمہیں بتاؤں کہ میں کیوں امامت نہیں کر رہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو کسی کی زیارت کیلئے جائے تو وہ انکی امامت نہ کرے بلکہ انہی میں سے کوئی آدمی نماز پڑھائے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحابہ کرام میں سے اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ صاحب منزل امامت کا زیادہ حقدار ہے بعض اہل علم کے نزدیک اگر صاحب منزل اجازت دے دے تو امامت کرانے میں کوئی حرج نہیں امام اسحاق

يُصَلِّيَ بِهٖ و قَالَ إِسْحٰقُ بِحَدِيثِ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ وَشَدَّدَ فِي أَنْ لَا يُصَلِّيَ أَحَدٌ بِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ وَإِنْ أَذِنَ لَهٗ صَاحِبُ الْمَنْزِلِ قَالَ وَ كَذٰلِكَ فِي الْمَسْجِدِ لَا يُصَلِّي بِهِمْ فِي الْمَسْجِدِ إِذَا زَارَهُمْ يَقُوْلُ لِيُصَلِّ بِهِمْ رَجُلٌ مِنْهُمْ

کا بھی اسی حدیث پر عمل ہے انہوں نے اس بارے میں سختی سے کام لیا وہ فرماتے ہیں کہ صاحب منزل کی اجازت سے بھی نماز نہ پڑھائے اور اسی طرح اگر انکی مسجد میں انکی ملاقات کیلئے جائے تو بھی نماز نہ پڑھائے بلکہ انہیں میں سے کوئی شخص نماز پڑھائے۔

تشریح: حدیث الباب کی غرض زائر کے ادب کا بیان ہے کہ اس کو چاہیے کہ وہ مزور (صاحب البیت) کی رعایت کرے۔ اس کے پاس جا کر خود سے امام نہ بن جائے اگرچہ زائر کتنا بڑا عالم قاری ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ صاحب البیت میں بھی امامت کی شرائط پائی جاتی ہوں۔ اگر صاحب البیت اجازت دے دے تو زائر پھر امامت کرا سکتا ہے اپنی طرف سے خود امام نہ بنے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "**ولا یؤم الرجل فی سلطانه**" پھر یہ حکم عام ہے کہ اگر صاحب البیت راضی ہو یا وہ اجازت دے دے تو زائر امام بن سکتا ہے جبکہ یہاں پر حکم اس شخص کے لئے ہے جس کو اجازت نہ دی گئی ہو۔

باقی یہاں پر مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے صاحب البیت کی اجازت کے بعد بھی امامت نہیں کروائی حالانکہ اجازت کے بعد تو زائر کے لئے امام بننا جائز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو یا حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ چاہتے ہوں کہ لوگ اس واقعہ کے ذریعہ سے حدیث کو یاد رکھیں۔

بعض حضرات نے متعین امام کی جگہ زائر کے نماز نہ پڑھانے کی ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ اگر باہر سے آنے والا مہمان امامت کروائے اور اسکی قراءت امام سے اچھی ہو تو اس سے امام کی چھٹی کا اندیشہ ہے اور اگر اسکی قراءت اچھی نہیں تو لوگ مہمان کیلئے برا منائیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ يَخُصَّ الْإِمَامُ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاءِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ حَدَّثَنِي حَبِيبُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِي حَيٍّ الْمُؤَذِّنِ الْحِمْصِيِّ عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَنْظُرَ فِي جَوْفِ بَيْتِ امْرِئٍ حَتّٰى يَسْتَأْذِنَ فَإِنْ نَظَرَ فَقَدْ دَخَلَ وَلَا يَؤُمَّ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهٗ بِدَعْوَةٍ دُونَهُمْ فَإِنْ فَعَلَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَقُومُ إِلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ حَقِنٌ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ثَوْبَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر جھانکے اگر اس نے دیکھ لیا تو گویا کہ وہ اس کے گھر میں داخل ہو گیا اور کوئی شخص کسی کی امامت کرتے ہوئے ان لوگوں کو چھوڑ کر اپنے لئے دعا کو مخصوص نہ کرے اگر کسی نے ایسا کیا تو اس نے ان سے خیانت کی اور نماز میں قضائے حاجت کو روک کر کھڑا نہ ہو۔ اس باب میں ابو ہریرہ ابو امامہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ حسن ہے

صَالِحٍ عَنِ السَّفْرِ بْنِ نُسَيْرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَنَّ حَدِيثَ يَزِيدَ بْنِ شُرَيْحٍ عَنْ أَبِي حَيِّ الْمُؤَذِّنِ عَنْ ثَوْبَانَ فِي هٰذَا أَجْوَدُ إِسْنَادًا وَأَشْهَرُ.

اور یہ حدیث معاویہ بن صالح نے بھی مروی ہے وہ سفر بن نسیر سے وہ یزید بن شریح سے وہ ابوامامہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں یزید بن شریح کی حدیث ابوحی موذن کی ثوبان سے مروی حدیث سے سند کے اعتبار سے اجود اور زیادہ مشہور ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں چند مسائل کا بیان ہے۔ ① مسئلہ **صلوۃ الحاقن** اس کا ذکر ماقبل "**باب ما اذا اقیمت الصلوۃ ووجد احدکم الخلاء فلیبدأ بالخلاء**" میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ ② مسئلہ **النهی عن الدعاء خاصة لنفسه اذا كان اماماً**۔

مسئلہ اولیٰ: ولا یقوم الی الصلوۃ وھو حقن: یہاں پر چند الفاظ کی وضاحت کی جاتی ہے۔ ① حاقن جس شخص نے پیشاب روک رکھا ہو۔ ② الحاقب جس نے پاخانہ روک رکھا ہو۔ جس شخص نے ریح روک رکھی ہو۔ اس کو حاقب بھی کہتے ہیں۔ ③ حازق جو بول اور غائط دونوں کو روکنے والا ہو۔ ان میں سے ہر ایک نماز میں خشوع وخضوع سے مخل ہے۔

مسئلہ ثانیہ: دعا کو اپنے لئے خاص کرنے کا حکم: چونکہ امام قوم کا نمائندہ ہے اس لئے نماز میں اس کو اپنی تخصیص نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ قوم کے بارے میں خیانت ہے۔ لہٰذا امام کو چاہیے کہ عموم کے صیغوں سے دعا کرے۔

سوال: اس حدیث میں دعا کو اپنے لئے خاص کرنے سے نہی آئی ہے۔ حالانکہ بہت ساری ماثورہ دعائیں نماز میں اور خارج نماز میں ایسی منقول ہیں جن میں صیغہ متکلم کا ہے جمع کا صیغہ نہیں مگر الاقلیل۔ چند دعاؤں میں جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ استسقاء کے بارے میں ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اس نے کہا **هلك المال وجاع العيال** كما فی حدیث انس فی الصحاح. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی **اللّٰهم اسقنا** اور اسی طرح دعا قنوت میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے "**اللّٰهم انا نستعينك و نستغفرك و نؤمن بك**" اس میں جمع متکلم کا صیغہ نقل کیا گیا ہے۔ ورنہ اکثر دعاؤں میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: اس سے مراد وہ دعائیں ہیں جو نماز میں پڑھی جاتی نہیں مثلاً دعا قنوت وغیرہ ان میں واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرنا درست نہیں۔

جواب ثانی: امام اپنے لئے دعا خاص نہ کرے بلکہ غیر کے لئے دعا کرے اس پر علامہ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ **وهذا مما لا يلتفت اليها قول لم اعرف قائله ولا مأخذه** لہٰذا یہ مطلب نہیں لے سکتے۔

جواب ثالث: اس سے مراد وہ دعائیں ہیں جو جمع کے صیغہ کے ساتھ منقول ہیں جیسے قرآن میں مذکور دعائیں اور استسقاء اور اس کے ہم مثل دعائیں ان میں امام اپنے لئے خاص دعا نہیں مانگ سکتا یعنی مفرد الفاظ استعمال نہیں کرسکتا۔ البتہ جو دعائیں مفرد منقول ہیں جیسا کہ احادیث میں اس کا ثبوت کثرت سے ملتا ہے تو امام ایسی دعاؤں میں مفرد صیغے ہی پڑھے۔ اس کے بارے میں

علامہ محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں و کذا لم اقف علی القائل و المأخذ۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۸۰۴،۴۰۷)

جواب رابع: حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کو چاہیے کہ ان مقامات پر دعا نہ کرے جن مقامات پر مقتدی دعا نہیں کرتے۔ مثلاً رکوع و سجدہ، قومہ و جلسہ اگر ان مواقع میں دعا کرے گا تو دعا میں تنہا ہوگا خواہ کوئی بھی صیغہ استعمال کرے تو مقتدیوں کی شرکت نہ ہونے کی بناء پر دعا کی ممانعت ہے۔

جواب خامس: ایک بہترین توجیہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے فرمائی ہے کہ ایسی دعاؤں سے منع کیا گیا ہے جو صرف ذاتی اور گھریلو قسم کی خواہشات پر مشتمل ہوں اور ان کے مفہوم میں عموم نہ ہو جیسا کہ کوئی یہ دعا کرے: **اللّٰھم زوجنی فلانة** یا **اللّٰھم اعطنی دارًا فلانیة** وغیرہ باقی ایسی دعائیں جن میں عموم ہو سکتا ہو وہ دعائیں ممنوع نہیں خواہ صیغہ واحد متکلم سے ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً **اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلمًا کثیرًا**۔ چونکہ امام قوم کا نمائندہ ہے اس حیثیت سے وہ واحد کا صیغہ بھی استعمال کرے تب بھی اس کی دعا کے مفہوم میں پوری قوم شامل ہوگی۔

فائدہ: اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کی وہ دعائیں جو واحد کے صیغہ کے ساتھ منقول ہیں اجتماعی دعاؤں میں وہ دعائیں بھی مانگی جا سکتی ہیں ان کو جمع کے صیغہ کے ساتھ بدلنا اگرچہ جائز ہے لیکن مستحسن نہیں ہے کیونکہ اصل ماثورہ الفاظ کی اپنی برکات ہیں۔ باقی قرآن پاک کے واحد کے صیغہ کو جمع سے بدلنا فقہاء نے جائز لکھا ہے کیونکہ بنیت دعا پڑھنے سے وہ آیت قرآنیت سے خارج ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے جنبی وغیرہ کے لئے بھی بنیت دعا ایسی آیات کا پڑھنا جائز ہے لیکن مستحسن صورت وہی ہے کہ جن الفاظ سے دعائیں منقول ہیں انہی الفاظ سے پڑھی جائیں جیسے کہ **لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین** پڑھا جائے نہ کہ انا کنا من الظالمین۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ وَاصِلِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ الْأَسَدِيُّ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ دَلْهَمٍ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةً رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَرَجُلٌ سَمِعَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ثُمَّ لَمْ يُجِبْ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَطَلْحَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلٌ قَالَ أَبُو

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت انسؓ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے جو شخص کسی قوم کی امامت کرائے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں، وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور وہ شخص جو (حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ) سنے اور اس کا جواب نہ دے اس باب میں ابن حضرت عباس، طلحہ، عبد اللہ بن عمرو اور ابوامامہ سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ صحیح نہیں اسلئے کہ یہ حدیث حضرت حسن نے رسول اللہ ﷺ سے مرسلاً روایت کی ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام احمد نے محمد

عِيسٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ تَكَلَّمَ فِيهِ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَضَعَّفَهُ وَلَيْسَ بِالْحَافِظِ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَؤُمَّ الرَّجُلُ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ فَإِذَا كَانَ الْإِمَامُ غَيْرَ ظَالِمٍ فَإِنَّمَا الْإِثْمُ عَلَى مَنْ كَرِهَهُ وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ فِي هٰذَا إِذَا كَرِهَ وَاحِدٌ أَوْ اثْنَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ فَلَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ حَتّٰى يَكْرَهَهُ أَكْثَرُ الْقَوْمِ.

بن قاسم کے متعلق کلام کیا ہے اور وہ انہیں ضعیف کہتے ہیں اور یہ حافظ نہیں ہیں اہل علم کے ایک گروہ کے نزدیک مقتدیوں کے نہ چاہتے ہوئے بھی انکی امامت کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ظالم نہ ہو تو گناہ اسی پر ہوگا جو اسکی امامت کو ناپسند کرے گا امام احمد اور اسحاق اسی مسئلے میں کہتے ہیں اگر ایک یا دو یا تین آدمی نہ چاہتے ہوں تو امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں یہاں تک کہ اکثریت اس کو ناپسند کرے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے اس باب میں تین احادیث ذکر کی ہیں۔ جس میں چار شخصوں کا علیحدہ علیحدہ حکم بیان کیا ہے۔ اور ہر حدیث میں مختلف الفاظ استعمال کئے کسی میں لعن کے الفاظ اور کسی میں سخت عذاب اور کسی میں نماز کی عدم قبولیت کا ذکر ہے۔ وہ چار اشخاص یہ ہیں۔ (۱) عبد آبق بھگوڑا غلام جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ (۲) وہ عورت جس پر ایک رات ایسی گزر جائے کہ خاوند اس سے ناراض ہو۔ (۳) وہ شخص جو لوگوں کی اس حال میں امامت کرائے کہ لوگ اسے ناپسند سمجھتے ہوں۔ (۴) جو شخص حی علی الفلاح کی آواز سنے اور وہ جواب نہ دے (یعنی نماز کیلئے نہ آئے)۔

ثَلَاثَةٌ رَجُلٌ أَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ: وہ شخص جو قوم کی امامت کرائے اور لوگ اس کی امامت کو ناپسند سمجھتے ہوں یہ ناپسندیدگی دنیاوی اغراض و مقاصد کے لئے نہ ہو بلکہ کسی دینی و شرعی مصلحت کی بناء پر ہو۔ ملا علی قاریؒ نے مشکوٰۃ کی شرح میں اس کی چند وجوہ لکھی ہیں۔

وجہ اوّل: امام جاہل ہو عالم نہ ہو، مسائل سے واقفیت نہ ہو اور نہ ہی قرآن صحیح پڑھتا ہو اس بناء پر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناپسند سمجھتے ہوں۔

وجہ ثانی: امام بدعات کا مرتکب ہو اور مقتدی اہل سنت ہوں اس کی بدعات کی وجہ سے لوگ اس سے متنفر ہو رہے ہوں تو ایسے شخص کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

وجہ ثالث: امام فاسق و فاجر ہو وہ برملا گناہ کرتا ہے سر عام ٹی وی اور کرکٹ میچ دیکھتا ہے یا سینما میں چلا جاتا ہے یا کسی اور برائی میں مشغول ہے جس کی وجہ سے لوگ اس کی امامت کو ناپسند سمجھتے ہیں ان برائیوں کی وجہ سے وہ اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناپسند سمجھتے ہیں تو ایسے امام کے لئے حدیث میں لعنت آئی ہے۔ اللّٰهم احفظنا۔

لیکن اگر ناپسندیدگی کی وجہ امام کی بجائے مقتدیوں میں پائی جاتی ہے یا دنیاوی انا پسندی کی وجہ سے مقتدی امام کو پسند نہیں کرتے تو اس صورت میں امام ملعون نہیں بلکہ مقتدی ملعون ہوں گے۔ ایسے مقتدیوں کی ناراضگی کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (مرقاۃ جلد ۲ ص ۹۱)

وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ: عورت اس حال میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے خفا ہو تو اس پر بھی لعنت ہے حدیث پاک میں رات کی قید ہے اگر دن کو شوہر ناراض ہو تو عورت لعنت کی مستحق نہیں ہوگی کیونکہ عورت کو دن میں شوہر کیساتھ تنہائی کا موقع نہیں ملتا مگر رات میں میاں بیوی تنہائی میں ہو جاتے ہیں پھر بھی عورت شوہر کو راضی نہ کر سکے تو وہ لعنت کی مستحق ہے۔

ملاعلی قاریؒ نے بھی اس کی چند وجوہ لکھی ہیں۔ ① عورت شوہر کی نافرمانی کرتی ہے اس کا کہنا نہیں مانتی اس وجہ سے نافرمان ہے۔ ② بداخلاقی کرتی ہے یعنی عورت بے ادب ہے شوہر کے ساتھ رکھ رکھاؤ نہیں رکھتی۔ ③ اس میں بددینی زیادہ ہے بے پردہ پھرتی ہے۔ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتی۔ اگر ان وجوہ میں سے کوئی وجہ ہو تو اسے چاہیے کہ رات پوری ہونے سے پہلے شوہر کو راضی کرلے وگرنہ وہ گناہ گار ہوگی۔ لیکن اگر ناراضگی کی وجہ شوہر خود ہے مثلاً وہ بداخلاق ہے اس کا برتاؤ گھر والوں کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے وہ بددین ہے بغیر وقت گھر پہنچتا ہے اس لئے وہ ناراض ہے تو اس پر ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ پھر حکم برعکس ہوگا اب ملعون اور گناہ گار شوہر ہوگا عورت گناہ گار نہیں ہوگی۔ (مرقاۃ جلد ۲ ص ۹۱)

وَرَجُلٌ سَمِعَ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ ثُمَّ لَمْ یُجِبْ: جو شخص حی علی الفلاح سنے اور جواب نہ دے یہاں پر اجابت قولی مراد نہیں بلکہ اجابت فعلی مراد ہے ورنہ یوں کہا جاتا کہ جو اذان سنے اور جواب نہ دے اس لئے جو شخص اذان سن کر مسجد میں نہ جائے بلکہ بلاعذر گھر ہی میں نماز پڑھ لے وہ ملعون ہے۔ اور اگر کوئی عذر ہو جس کی وجہ سے وہ جماعت سے پیچھے رہ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہاں پر تارک جماعت کو ملعون کہا گیا حالانکہ جماعت تو سنت مؤکدہ ہے۔

سوال: تارک سنت کو کیسے ملعون کہا گیا؟ اس بناء پر امام احمدؒ نے یہاں اجابت فعلی کو فرض پر محمول کیا ہے اور ابن الہمامؒ نے واجب کہا ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ سنت کے تارک پر لعنت روا نہیں اور جمہور حضرات سنت مؤکدہ کے چھوڑنے والے کو ملعون کہتے ہیں۔

جواب: خلاصہ یہ کہ گھر میں نماز پڑھنا امام احمد اور امام ابن الہمامؒ کے نزدیک صحیح نہیں بلکہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوگی جبکہ جمہور کے نزدیک تارک جماعت کی نماز گھر میں پڑھنے سے ذمہ سے ساقط ہو جائیں گی۔

قال ابو عیسٰی: حدیث انس لا یصح: یہ حدیث انس صحیح نہیں کیونکہ یہ مرسل ہے اس میں تابعی نے صحابی کا واسطہ ترک کیا ہے لانہ قد روی ھذا عن الحسن عن النبی ﷺ مرسلٌ۔

قال ابو عیسٰی و محمد بن القاسم تکلم فیہ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مرسل روایت اصح ہے مرفوع سے کیونکہ مرفوع روایت میں ایک راوی محمد بن القاسم الاسدی ہے جو امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک متکلم فیہ راوی ہے۔

اس کی محدثین نے تضعیف کی ہے لیکن اس ضعف کا اثر اس پر نہیں پڑے گا کیونکہ اس باب میں دوسری روایات بھی موجود ہیں۔

امام ترمذیؒ نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ اگر امام میں کوتاہی نہ ہونے کے باوجود پھر بھی کوئی شخص امام کو برا کہے گا تو گناہ اسی پر ہوگا۔

امام ترمذیؒ نے امام احمد، امام اسحاق کا قول نقل کیا ہے کہ جب ایک شخص یا دو یا تین امام کی مخالفت کریں تو ان کی مخالفت کا اعتبار نہیں البتہ اگر امام سے کثیر لوگ ناراض ہوں تو پھر ایسے امام کی امامت مکروہ ہے جبکہ احناف قلت و کثرت کا اعتبار نہیں کرتے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ عَنْ زِيَادِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُصْطَلِقِ قَالَ كَانَ يُقَالُ أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اثْنَانِ امْرَأَةٌ عَصَتْ زَوْجَهَا وَإِمَامُ قَوْمٍ

حضرت عمرو بن حارث بن مصطلق سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ کہا جاتا تھا کہ سب سے زیادہ عذاب دو شخصوں کیلئے ہے اس عورت کیلئے جو شوہر کی نافرمانی کرے اور وہ امام جو مقتدیوں کے ناراض ہونے کے باوجود امامت کرے جریر منصور کے متعلق

وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ قَالَ جَرِيرٌ قَالَ مَنْصُورٌ فَسَأَلْنَا عَنْ أَمْرِ الْإِمَامِ فَقِيلَ لَنَا إِنَّمَا عَنَى بِهٰذَا الْأَئِمَّةَ الظَّلَمَةَ فَأَمَّا مَنْ أَقَامَ السُّنَّةَ فَإِنَّمَا الْإِثْمُ عَلَى مَنْ كَرِهَهُ۔

کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے امام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس سے مراد ظالم امام ہے پس اگر وہ سنت پر قائم ہوتو مقتدی گناہگار ہونگے یعنی جو اس سے بیزار ہونگے۔

تشریح: أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: اس حدیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن سخت عذاب ہوگا دو شخصوں کو۔ ایک وہ عورت جو اپنے خاوند کی نافرمانی کرے اور دوسرا وہ شخص جو قوم کی امامت کرائے اور لوگ اسے ناپسند سمجھتے ہوں ماقبل حدیث میں لعنت کا ذکر کیا گیا جبکہ اس حدیث میں سخت عذاب کا ذکر ہے۔ محدث جریر فرماتے ہیں کہ ہم نے امام کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا کہ یہاں مراد ظالم ائمہ (حکمران) ہیں سنتوں کے قائم کرنیوالے ائمہ کو ناپسند سمجھنے والے خود گناہ گار ہونگے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ حَدَّثَنَا أَبُو غَالِبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمْ الْعَبْدُ الْآبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَإِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو غَالِبٍ اسْمُهُ حَزَوَّرٌ

حضرت ابو غالب فرماتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ کو فرماتے ہوئے سنا وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی نماز ان کے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی بھاگا ہوا غلام جب تک واپس نہ آجائے اور وہ عورت جو اس حالت میں رات گزارے کہ اس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور کسی قوم کا امام جس کے مقتدی اس کو ناپسند کرتے ہوں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اس طریق سے اور ابو غالب کا نام خزور ہے۔

تشریح: ثَلَاثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُهُمْ آذَانَهُمْ: آذان جمع ہے اذن کی بمعنی کان یعنی ایسے تین آدمیوں کی نماز ان کے کانوں سے آگے تک نہ جانے کی وجہ سے کامل قبول نہیں ہوتی یا مطلب یہ ہے کہ قبولیت تو کیا بارگاہِ الٰہی میں پیش بھی نہیں ہوتی جیسے دوسری نیکیاں پیش ہوتی ہیں "لقولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب"۔

علامہ تورپشتیؒ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک نیک اعمال کرنے والوں کے اعمال صالحہ کو ایک مقام حاصل ہے۔ لیکن ان تین اشخاص کے اعمال کو وہ مقام حاصل نہیں ہوگا جیسا کہ بے عمل ریاکار قراء کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے "یقرءون القرآن لا تجاوز تراقیھم" "قرآن پڑھیں گے مگر وہ قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں تجاوز کرے گا۔ امام طیبیؒ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح قیامت کے دن اور لوگوں کو اعمال صالحہ کا سایہ حاصل ہوگا اس طرح ان تین لوگوں کو اعمال صالحہ کا سایہ حاصل نہیں ہوگا۔

① عبد آبق: بھاگا ہوا غلام۔ اس وقت تک اس کی عبادت قابل قبول نہیں ہوگی جب تک آقا کے پاس واپس نہیں آئے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صالح والدین سے بھاگنے والی اولاد کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ والدین کا حق آقا سے کہیں بڑھ کر ہے۔ باقی دو شخصوں کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

قال ابو عیسیٰ ھٰذا حدیث حسن غریب: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے ابو غالب کا نام حزوّر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ فَصَلَّى بِنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُودًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ إِنَّمَا الْإِمَامُ أَوْ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعُونَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَابْنِ عُمَرَ وَمُعَاوِيَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَّ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ مِنْهُمْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَأُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَغَيْرُهُمْ وَبِهَذَا الْحَدِيثِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحَقُ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا لَمْ يُصَلِّ مَنْ خَلْفَهُ إِلَّا قِيَامًا فَإِنْ صَلَّوْا قُعُودًا لَمْ يُجْزِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گرے اور آپ ﷺ کو چوٹ آ گئی تو آپ ﷺ نے ہمیں بیٹھ کر نماز پڑھائی چنانچہ ہم نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر ہی نماز ادا کی پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بے شک امام اسلئے ہے یا فرمایا بے شک امام اسلئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو جب رکوع سے اٹھے تو تم بھی رکوع اٹھو جب وہ (سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے تو تم (رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ) کہو جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو اس باب میں حضرت عائشہ، ابوہریرہ، جابر، ابن عمر اور معاویہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث انس حسن صحیح ہے بعض صحابہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے ان میں سے جابر بن عبداللہ اسید بن حضیر اور ابوہریرہ بھی ہیں امام احمد اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر پڑھیں ان کی نماز بیٹھ کر جائز نہیں حضرت سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس موقع پر امام ترمذیؒ نے دو فعلی روایات اور ایک قولی روایت نقل کی ہے۔

اس باب میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جبکہ اگلے باب میں دوسرا واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو مرض الوفات کا ہے۔

اس باب میں آپ ﷺ کے گرنے کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے یہ واقعہ سن ۵ ہجری کا ہے۔ اس میں آپ ﷺ گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے اچانک گھوڑا بدک گیا اور آپ ﷺ کو لے کر بہت بھاگا اور ایک کھجور کے درخت کے پاس اتنی تیزی کے ساتھ گزرا کہ آپ ﷺ کا پاؤں درخت سے رگڑ کھا کر زخمی ہو گیا اور آپ ﷺ بھی گھوڑے سے گر گئے جس کی وجہ سے کمر سے نیچے کا حصہ زخمی ہو گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نماز پڑھانے کے لئے نہیں تشریف لاتے تھے۔ آپ ﷺ کی اس بیماری میں کس نے

امامت کرائی اس کا ذکر کہیں بھی نہیں ملتا۔ آپ ﷺ ایک بار اپنے بالا خانہ میں تشریف فرما تھے اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عیادت کرنے کے لئے تشریف لے گئے دیکھا کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے موقع غنیمت جان کر آپ ﷺ کے پیچھے اقتداء کر لی آپ ﷺ نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور نماز کے بعد یہ مسئلہ بتایا کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے کہ جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔ آپ ﷺ کا صحابہ کرامؓ کو بیٹھنے کا اشارہ فرمانا فعلی حدیث ہے پھر مسئلہ بتایا کہ امام کی پیروی کی جائے یہ قولی حدیث ہے۔

دوسرا واقعہ آگے **باب منه** میں ذکر کیا ہے جو کہ مرض الوفات کا ہے۔ مرض الوفات میں آپ ﷺ کو بار بار غشی آتی تھی۔ آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امامت سپرد کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چند نمازیں پڑھائیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا تو آپ ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے تشریف لائے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کا پتہ چلا تو وہ پیچھے ہٹ گئے.... آپ ﷺ نے ان کو اشارہ کیا کہ آپ پیچھے نہ ہٹیں بلکہ آپ نماز پڑھاتے رہیں مگر ان کی ہمت نہ ہوئی۔ آپ ﷺ کو امام کے بائیں جانب بٹھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے درمیان سے نماز پڑھانی شروع کی مقتدیوں نے کھڑے کھڑے اقتداء کی۔ ان دونوں ابواب میں ایک اختلافی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: قاعد امام کی اقتداء حالت قیام میں درست ہے کہ نہیں؟ اس بات میں تو ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ امام اور منفرد کے لئے بغیر عذر کے فرض نماز بیٹھ کر ادا کرنا درست نہیں اگر بیٹھ کر ادا کر لی تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ امام معذور ہو اور بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہو تو مقتدی اس کی اقتداء کیسے کریں؟ اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ امام قاعد کی اقتداء کسی حال میں جائز نہیں نہ بیٹھ کر جائز ہے اور نہ ہی کھڑے ہو کر۔ البتہ اگر مقتدی بھی معذور ہوں کھڑے نہ ہو سکتے ہوں تو وہ بیٹھ کر قاعد امام کی اقتداء کر سکتے ہیں یہی قول امام محمدؒ کی طرف منسوب ہے۔

قول ثانی: امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحاقؒ اور اہل ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ اگر امام مریض ہو اور بیٹھ کر امامت کرے تو اس کی اقتداء جائز ہے لیکن مقتدیوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ، سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، ابن المبارکؒ، ابوثور اور امام بخاریؒ کا مسلک یہ ہے کہ قاعد امام کے پیچھے اقتداء درست ہے لیکن جو مقتدی معذور نہیں ہیں وہ کھڑے ہو کر اقتداء کریں گے بیٹھ کر اقتداء درست نہیں۔

امام مالکؒ کی دلیل اوّل: مصنف عبدالرزاق جلد ۲ ص ۴۶۳ اور سنن بیہقی کی مرفوع روایت ہے جو مرسلاً مروی ہے **ولا یؤمن رجل بعدی جالسًا۔**

جواب: اس حدیث کا مدار جابر جعفی پر ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔ دارقطنی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں **لم یروہ غیر جابر الجعفی عن الشعبی وھو متروك، والحدیث مرسل لا تقوم به حجة.** لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

دلیل ثانی: **ولان القیام رکن فلا یصح ائتمام القادر علیه بالعاجز عنه کسائر الارکان۔**

جواب: عقلی دلیل مرفوع روایات کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتی۔

امام احمدؒ، امام اوزاعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ بالا خانہ میں آپ ﷺ نے خود بیٹھ کر نماز پڑھائی بلکہ دوسروں کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا کہ **اذا صلّٰی قاعدًا فصلوا قعودًا اجمعون**۔

جواب اوّل: یہ واقعہ سقوط عن الفرس کا ہے جو کہ پانچ ہجری کا ہے لیکن مرض الوفات کے موقع پر آپ ﷺ نے اسے منسوخ کر دیا۔ اس پر حنابلہ نے اعتراض کر دیا۔

اعتراض: ابوداؤد میں اسکی تصریح موجود ہے **اذا صلی الامام جالسًا فصلوا اجلوسًا واذا صلی قائمًا فصلوا قیامًا** کے حکم کیساتھ اس باب کی تصریح موجود ہے کہ **ولا تفعلوا کما یفعل أھل فارس بعظمائھا**۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کا بیٹھ کر قاعد امام کی اقتداء کی علت اہل فارس کے تشبہ سے بچنا ہے اور یہ علت اب بھی باقی ہے اسلئے اس حکم کے منسوخ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

جواب اوّل: یہ اس وقت تھا جب لوگوں میں اسلام اچھی طرح راسخ نہیں ہوا تھا جب اسلام اچھی طرح راسخ ہو گیا تو پھر اس کی ضرورت نہ رہی لہٰذا مرض الوفات کے واقعہ سے اسے منسوخ سمجھا جائے گا۔

جواب ثانی: یہ روایت نوافل پر محمول ہے فرائض پر محمول نہیں۔ کیونکہ نوافل میں امام قاعد کی اقتداء میں مقتدی غیر معذور بھی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس پر بھی اعتراض کیا گیا ہے۔

اعتراض: ابوداؤد شریف میں ایک روایت کے اندر فرض کی تصریح موجود ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں **فقمنا خلفه فسکت عنا ثم اتیناہ مرّۃً اخری نعودہ فصلی المکتوبة جالسًا فقمنا خلفه فأشار الینا فقعدنا قال فلما قضی الصلٰوۃ قال: اذا صلی الامام جالسًا فصلوا اجلوسًا**. اس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز فرض تھی۔

جواب: اگرچہ آپ ﷺ کی نماز فرض تھی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز نفل تھی اس پر دلیل یہ ہے کہ سقوط عن الفرس کے واقعہ میں آپ ﷺ کئی روز تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مشربہ میں مقیم رہے اور مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ اور یہ بات بھی بعید ہے کہ ان تمام ایام میں مسجد نبوی جماعت سے خالی رہی ہو۔ مسجد نبوی میں برابر جماعت ہوتی رہی۔ البتہ اس بات کی تصریح نہیں ملتی کہ اس دوران امام کون تھا؟ اور دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر بھی اتنا وسیع نہیں تھا کہ لوگ وہاں جماعت کرا سکیں تو اسلئے ظاہر یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں اپنے وقت سے باجماعت نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے تھے اور آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کی اقتداء کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے بنیت نفل آپ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نماز فرض تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز نفل تھی۔ **اقتداء المتنفل بالمفترض** بالاتفاق جائز ہے۔

جواب ثالث: حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب مسبوق کے بارے میں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی جماعت سے ایک آدھ رکعت رہ جاتی تو وہ امام کے ساتھ اپنی رکعات کو شمار نہ کرتا بلکہ اپنی رکعات کی تعداد کا اعتبار کرتا تھا۔ مثلاً اگر امام کی دوسری رکعت میں مقتدی شامل ہوا امام اپنی دوسری رکعت کے بعد بیٹھ کر التحیات پڑھتا اور یہ مسبوق کھڑے ہو کر دوسری رکعت پڑھتا اور امام جب تیسری رکعت کے لئے اٹھتا تو یہ دوسری رکعت کی التحیات میں ہوتا لیکن ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ کے خلاف قیام وقعود میں امام کی اقتداء کی تو

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان ابن مسعود سن لکم سنة فاستنوا بها. علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ حدیث باب میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد واذا صلی قاعدًا فصلوا قعودًا اجمعون مسبوق کی صورت سے متعلق ہو۔

جواب رابع: صلی قاعدًا فصلوا قعودًا والا حکم صرف اس صورت کے ساتھ مخصوص تھا جب کہ آپ ﷺ بنفس نفیس امام ہوں۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت سے استدلال ہے **وقوموا لله قانتین.** (بقرة:۲۳۸) اس میں مطلقًا قیام کو فرض قرار دیا گیا ہے لہٰذا معذور لوگ اس حکم کی وجہ سے مستثنیٰ ہوں گے **لا یکلف الله نفسًا الا وسعها.** (بقرة:۲۸۶)

دلیل ثانی: سنن ابی داؤد جلد ا ص ۱۳۷ باب فی صلوٰۃ القاعد میں حضرت عمران بن حصین ؓ کی روایت ہے جو آگے ترمذی شریف ص ۵۸ پر بھی آرہی ہے: **قال سالت رسول الله ﷺ عن صلوة المریض فقال صل قائمًا فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فعلی جنب۔**

دلیل ثالث: اگلے باب کی روایت میں آپ ﷺ کی مرض الوفات والا واقعہ جس میں آپؐ نے بیٹھ کر امامت فرمائی۔ جب کہ تمام صحابہ ؓ نے کھڑے ہوکر اقتداء کی پھر چونکہ یہ مرض وفات کا واقعہ ہے اس لئے حدیث باب کے لئے ناسخ ہوگا۔ اس لئے یہ حدیث الباب کے لئے ناسخ ہے اس دلیل پر وارد ہونے والا اعتراض اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

بَابُ مِنْهُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ نُعَيْمِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ قَاعِدًا قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا وَرُوِيَ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِي مَرَضِهِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَصَلَّى إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّونَ بِأَبِي بَكْرٍ وَأَبُو بَكْرٍ يَأْتَمُّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ قَاعِدًا وَرُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ قَاعِدٌ. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عائشہ ؓ کی حدیث حسن صحیح غریب ہے حضرت عائشہ ؓ سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو ام المومنین حضرت عائشہ ؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مرض وفات میں باہر تشریف لائے اور ابوبکر ؓ لوگوں کی امامت کروا رہے تھے آپ ﷺ نے ان کے پہلو میں نماز پڑھی لوگ ابوبکر ؓ کی اقتدا کر رہے تھے اور ابوبکر نبی کریم ﷺ کی اور ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ حضرت انس سے روایت ہے

شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ قَاعِدًا فِي ثَوْبٍ مُتَوَشِّحًا بِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَهَكَذَا رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ ثَابِتٍ وَمَنْ ذَكَرَ فِيهِ عَنْ ثَابِتٍ فَهُوَ أَصَحُّ.

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ابوبکر کے پیچھے بیٹھ کر ایک ہی کپڑے میں لپٹے ہوئے نماز پڑھی امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ایسا ہی روایت کیا ہے اس کو یحیی بن ایوب نے حمید سے انہوں نے انس سے اور روایت کیا ہے اس حدیث کو کئی لوگوں نے حمید سے انہوں نے انس سے اور اس حدیث میں ثابت کا ذکر نہیں کیا اور جس راوی نے سند میں ثابت کا ذکر کیا ہے وہ زیادہ صحیح ہے

تشریح: اس باب میں مصنف کئی روایات لائے ہیں۔ بعض وہ روایات بھی ذکر کی ہیں جن کا باب سے تعلق تھا اور بعض وہ روایات بھی لائے ہیں جن کا باب سے تعلق نہیں تھا۔ یہ حدیث الباب چونکہ احناف کا مستدل تھی اس وجہ سے حنابلہ نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

اعتراض: حنابلہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عطاء سے مرسلاً مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بیٹھ کر امامت فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتداء کی آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا **لو استقبلت من أمری ما استدبرت ما صليت الا قعودًا بصلوٰة امامكم ما كان يصلى قائمًا فصلوا قيامًا و ان صلى قاعدًا فصلوا قعودًا** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی آخری رائے بھی یہی تھی کہ مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

جواب: یہ روایت مرسل ہے اور حضرت عطاء بن ابی رباح کی مراسیل حضرت حسن بصری کی مراسیل کی طرح ضعیف سمجھی جاتی ہیں۔ چنانچہ ان دونوں کی مرسل روایت کے بارے میں مشہور ہے **ليس فى المرسلات أضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن أبي رباح۔** اب یہ ممکن ہے کہ عطاء کی اس روایت میں کسی راوی کو مغالطہ ہو گیا ہو اور اس نے واقعہ سقوط عن الفرس اور واقعہ مرض الوفات کو ملا کر بیان کر دیا ہو۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ امام تھے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ مقتدی تھے۔

جواب اوّل: اس اعتراض کا جواب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے دیا ہے کہ نماز کی ابتداء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام تھے اور آپ ﷺ نے ان کی اقتداء کی لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ پر حصر طاری ہو گیا۔ تو پھر آپؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ تکبیر کہتے رہے۔

جواب ثانی: امام ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر تیرہ دن مرض رہا ان ایام میں جب آپ ﷺ کو مرض میں خفت محسوس ہوتی تو آپ ﷺ بنفس نفیس خود تشریف لاتے اور امامت فرماتے رہے جب آپ کو مرض میں ثقل ہوتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرائض امامت سرانجام دیتے گویا آپ ﷺ سے امامت اور اقتداء دونوں ثابت ہیں۔

❀❀❀❀❀

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِمَامِ يَنْهَضُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ نَاسِيًا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَنَهَضَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَسَبَّحَ بِهِ الْقَوْمُ وَسَبَّحَ بِهِمْ فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَهُوَ جَالِسٌ ثُمَّ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ بِهِمْ مِثْلَ الَّذِي فَعَلَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَسَعْدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ابْنِ أَبِي لَيْلَى مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ قَالَ أَحْمَدُ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى هُوَ صَدُوقٌ وَلَا أَرْوِي عَنْهُ لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي صَحِيحَ حَدِيثِهِ مِنْ سَقِيمِهِ وَكُلُّ مَنْ كَانَ مِثْلَ هٰذَا فَلَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَوَى سُفْيَانُ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُبَيْلٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَجَابِرٌ الْجُعْفِيُّ قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ تَرَكَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَغَيْرُهُمَا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا قَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مَضَى فِي صَلَاتِهِ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ مِنْهُمْ مَنْ رَأَى قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَأَى بَعْدَ التَّسْلِيمِ وَمَنْ رَأَى قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَحَدِيثُهُ أَصَحُّ لِمَا رَوَى الزُّهْرِيُّ وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ۔

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ہماری امامت کی اور دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے چنانچہ لوگوں نے ان سے تسبیح کہی اور انہوں نے لوگوں سے تسبیح کہی جب نماز پوری ہوئی تو سلام پھیرا اور سجدہ سہو کیا جبکہ وہ بیٹھے ہوئے تھے پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انکے ساتھ ایسا ہی کیا تھا جیسا انہوں نے کیا۔ اس باب میں حضرت عقبہ بن عامر، سعد اور عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں مغیرہ بن شعبہ کی حدیث انہی سے کئی طریق سے مروی ہے اور بعض لوگوں نے ابن ابی لیلیٰ کے حفظ میں کلام کیا ہے امام احمد ان کی حدیث کو حجت نہیں مانتے امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ سچے ہیں لیکن میں ان سے روایت اسلئے نہیں کرتا کہ وہ صحیح اور ضعیف میں پہچان نہیں رکھتے انکے علاوہ بھی جو اس طرح کا راوی ہو میں اس سے روایت نہیں کرتا یہ حدیث کئی طرق سے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور روایت کی سفیان نے جابر سے انہوں نے مغیرہ بن شبیل سے انہوں نے قیس بن ابوحازم سے انہوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اور جابر جعفی کو بعض اہل علم نے ضعیف کہا ہے اور یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کوئی شخص دو رکعتوں کے بعد کھڑا ہو جائے تو نماز پوری کرے اور سہو کے دو سجدے کرے بعض حضرات کہتے ہیں کہ سلام پھیرنے سے پہلے سجدے کرے اور بعض کی رائے ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو جو حضرات سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں ان کی حدیث اصح ہے اس حدیث کو زہری نے یحییٰ بن سعید انصاری سے انہوں نے عبدالرحمٰن اعرج سے اور انہوں نے عبداللہ بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

تشریح: تین رکعات یا چار رکعت والی نماز میں امام دوسری رکعت کے بعد قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو اسے واپس نہیں لوٹنا چاہیے بلکہ وہ اپنی نماز کو جاری رکھے اور آخر میں سجدہ سہو کرے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ البتہ اگر وہ شخص تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے کے بعد واپس قعدہ اولیٰ کی طرف لوٹ آئے تو بعض کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ وہ (اعلیٰ سے ادنیٰ) فرض سے واجب کی طرف لوٹا ہے اس لئے اس کی نماز باطل ہوگئی مگر یہ بات صحیح نہیں کھڑے ہونے کے بعد قعدہ کی طرف لوٹنا اگرچہ غلط ہے مگر نماز باطل نہیں ہوتی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قعدہ کی طرف لوٹنا اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہے نہ کہ فساد صلوٰۃ کے لئے۔ اس لئے نماز باطل نہ ہوگی، اور یہی مفتی بہ قول ہے البتہ سجدہ سہو واجب ہوگا۔

نیز اگر امام قعدہ اولیٰ بھول گیا اور تیسری رکعت کی طرف اٹھنے لگا اب اگر اس وقت یاد آیا جب ابھی وہ اقرب الی القعود تھا تو وہ بیٹھ جائے اور سجدہ لازم نہیں ہوگا۔ **معارف السنن** میں قرب قعود کی ایک تعریف یہ ہے کہ سرین اٹھا لے اور رکبتین ابھی تک زمین پر لگے ہوئے ہوں۔

دوسری تعریف **أو مالم ینتصب النصف الاسفل** نصف اسفل سیدھا کھڑا نہ ہوا ہو اس وقت تک اقرب الی القعود شمار ہوگا لیکن نصف اسفل مکمل سیدھا کھڑا ہو جائے تو وہ **اقرب الی القیام** شمار ہوگا۔ **اقرب الی القعود** شمار نہیں ہوگا۔

اگر وہ **اقرب الی القیام** تھا یا پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد یاد آیا کہ قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو وہ اپنی نماز جاری رکھے اور اخیر میں سجدہ سہو کر لے یہ سجدہ سہو امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں اس کا جبیرہ ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک قعدہ اولیٰ فرض ہے اس کا نقصان سجدہ سہو سے پورا ہو جائے گا۔ اور احناف کے نزدیک چونکہ قعدہ اولیٰ واجب ہے اس لئے ان کے نزدیک بھی سجدہ سہو ہوگا شوافع کے نزدیک قعدہ اولیٰ مسنون ہے ان کے نزدیک بھی سجدہ سہو واجب ہوگا۔ باقی سجدہ سہو کب کرے گا، قبل السلام کرے گا یا بعد السلام؟ اس کے بارے میں آگے مستقل باب آرہا ہے "**باب ما جاء فی سجدتی السهو قبل السلام**" وہاں اس مسئلہ کی تفصیل کی جائے گی۔

قال ابو عیسیٰ حدیث المغیرة بن شعبة: امام ترمذیؒ اس حدیث کی دو سندیں لائے ہیں۔

① **حدثنا احمد بن منیع حدثنا هشیم، حدثنا ابن ابی لیلی، عن الشعبی قال صلی بنا المغیرة بن شعبة.**

② **وروی سفیان، عن جابر، عن المغیرة بن شبیل، عن قیس بن ابی حازم، عن المغیرة بن شعبة.**

پہلی سند کے متعلق امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **حدیث المغیرة بن شعبه قد روی من غیر وجه عن المغیرة بن شعبة و قد تکلم بعض اهل العلم فی ابن ابی لیلی من قبل حفظه** ابن ابی لیلیٰ صغیر کے بارے میں حافظہ کے بابت کلام کیا ہے گیا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ صغیر کی حدیث سے مسائل میں استدلال نہیں کیا جائے گا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کو بیان نہیں کرتا اس لئے کہ یہ صحیح اور ضعیف حدیث کے درمیان امتیاز نہیں کرتا پھر امام بخاریؒ نے ایک قاعدہ کلیہ ذکر کر دیا کہ جس راوی کا یہی حال ہو یعنی ضعیف اور صحیح میں فرق نہ کرتا ہو میں اس کی روایتیں سبق میں بیان نہیں کرتا۔

دوسری سند کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی جابر جعفی ہے۔ بعض اہل علم نے اس کی تضعیف کی ہے اس کو یحییٰ قطان اور ابن مہدی نے متروک قرار دیا ہے اور اس حدیث پر علماء کا عمل ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَلَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَامَ وَلَمْ يَجْلِسْ فَسَبَّحَ بِهِ مَنْ خَلْفَهُ فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ قُومُوا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ سَلَّمَ وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَقَالَ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھائی جب وہ دو رکعت پڑھ چکے تو بیٹھنے کی بجائے کھڑے ہو گئے چنانچہ مقتدیوں نے سُبْحَانَ اللّٰهِ کہہ کر اشارہ کیا ان کی طرف کہ کھڑے ہو جاؤ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سلام پھیرا اور دو سجدے کئے سہو کے اور پھر سلام پھیرا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ایسا ہی کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور مغیرہ بن شعبہ ہی سے کئی طرق سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مِقْدَارِ الْقُعُودِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ هُوَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ حَرَّكَ سَعْدٌ شَفَتَيْهِ بِشَيْءٍ فَأَقُولُ حَتَّى يَقُومَ فَيَقُولُ حَتَّى يَقُومَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِلَّا أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ أَنْ لَا يُطِيلَ الرَّجُلُ الْقُعُودَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وَلَا يَزِيدَ عَلَى التَّشَهُّدِ شَيْئًا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وَقَالُوا إِنْ زَادَ عَلَى التَّشَهُّدِ فَعَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ هٰكَذَا رُوِيَ عَنِ الشَّعْبِيِّ وَغَيْرِهِ.

حضرت سعد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہوئے سنا وہ اپنے والد سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دو رکعتیں پڑھنے پر تشہد اول میں بیٹھتے تو گویا کہ وہ گرم پتھروں پر بیٹھے ہوں شعبہ کہتے ہیں پھر سعد نے اپنے ہونٹ ہلائے اور کچھ کہا پس میں نے کہا یہاں تک کہ کھڑے ہوئے تو سعد نے بھی کہا یہاں تک کہ کھڑے ہوئے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے مگر ابوعبیدہ کو اپنے والد سے سماع نہیں اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ پہلا قعدہ لمبا نہ کیا جائے اور اس میں تشہد میں اضافہ نہ کیا جائے اگر اضافہ کر لیا تو سجدہ سہو کرے شعبی وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تشریح: الرکعتین الاولیین: رکعتین اولیین سے کیا مراد ہے اس کے مصداق میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

اوّل: معارف السنن میں ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس سے مراد پہلی اور دوسری رکعت ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ کا خیال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلی دو رکعتوں کے بعد تشہد میں بیٹھا کرتے تھے اور اس پر جمہور کا اجماع ہے کہ تشہد کے اختتام تک بیٹھتے تھے اس کے بعد بیٹھنا جائز نہیں۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۳۷)

اگر تشہد سے زائد پڑھ لیا تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا کتنی مقدار میں پڑھنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ احناف کے اس میں متعدد اقوال ہیں۔ ① سجدہ سہو اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک وہ یہ نہ کہہ دے "و علی آل محمد" یہی اکثر کا قول ہے اور اصح ہے "کما فی شرح المنیة"۔ ② بعض نے کہا کہ اس پر سجدہ سہو اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک یہ نہ پڑھ لے "حمید مجید"۔ (کمافی التاتارخانیہ حکاہا ابن عابدین فی ردالمحتار) ③ بعض نے کہا کہ سجدہ سہو لفظ "اللّٰھم" سے واجب ہوتا ہے۔ ④ اللھم صلی علی محمد کہا تو سجدہ سہو واجب ہوگا کما اختارہ الزیلعی فی شرح الکنز اور یہی احتیاطی قول ہے۔

ثانی: مرقاۃ جلد ا ص ۵۶۰ شرح مشکوٰۃ المصابیح میں علامہ حافظ توربشتی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ رکعتین اولیین سے مراد رکعت اولیٰ اور رکعت ثالثہ ہے یہ حضرات اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ رکعت اولیٰ اور رکعت ثالثہ کے بعد جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے بلکہ جلدی اٹھتے تھے گویا کہ گرم پتھر پر تشریف فرما ہوں۔

کانه علی الرضف: وہ پتھر جو دھوپ یا آگ کی وجہ سے گرم ہو گیا ہو۔ آپ ﷺ تشہد اولیٰ کے بعد جلدی کھڑے ہو جاتے شعبہ کہتے ہیں کہ علی الرضف تک میں نے اپنے استاد سعد سے یہ حدیث سنی اس کے بعد انہوں نے ہونٹ ہلائے مگر سمجھ نہیں آیا کہ کیا لفظ کہا میں نے گمان کیا کہ کانه علی الرضف حتی یقوم کہا ہوگا بعد میں جب تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حتی یقوم ہی کہا تھا۔

قال ابو عیسٰی هذا حدیث حسن الا ان ابا عبیدة لم یسمع من ابیه: ابوعبیدہ کا سماع ان کے والد سے ثابت ہے کہ نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے عدم سماع پر اتفاق نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات سماع من ابیہ راجح ہوتا ہے جیسا کہ معجم اوسط للطبرانی میں روایت ہے **عن حدیث زیاد بن سعد عن ابی الزبیر قال حدثنی یونس بن عتاب الکوفی سمعت ابا عبیدة بن عبدالله یذکر انه سمع أباه یقول کنت مع النبی ﷺ فی سفر. (الحدیث)**۔ اسی طرح دوسری حدیث ذکر کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِشَارَةِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ نَابِلٍ صَاحِبِ الْعَبَاءِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ إِلَيَّ إِشَارَةً وَقَالَ لَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ إِشَارَةً بِإِصْبَعِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ بِلَالٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَعَائِشَةَ. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے میں ان کے پاس سے گزرا تو سلام کیا آپ ﷺ نے مجھے اشارے سے جواب دیا راوی کو شک ہے کہ شاید صہیب نے یہ بھی کہا کہ آپ ﷺ نے انگلی سے اشارہ کر کے جواب دیا۔ اس باب میں حضرت بلال، ابوہریرہ، انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا نبی کریم ﷺ نماز کی حالت میں تمہارے سلام کا جواب کیسے دیا

عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ كَانَ يُشِيرُ بِيَدِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ صُهَيْبٍ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ عَنْ بُكَيْرٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حَيْثُ كَانُوا يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ فِي مَسْجِدِ بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ كَانَ يَرُدُّ إِشَارَةً وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ عِنْدِي صَحِيحٌ لِأَنَّ قِصَّةَ حَدِيثِ صُهَيْبٍ غَيْرُ قِصَّةِ حَدِيثِ بِلَالٍ وَإِنْ كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَوَى عَنْهُمَا فَاحْتَمَلَ أَنْ يَكُونَ سَمِعَ مِنْهُمَا جَمِيعًا.

کرتے تھے انہوں نے فرمایا ہاتھ سے اشارہ کرتے تھے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صہیب کی حدیث حسن ہے ہم اسے لیث عن بکیر کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے زید بن اسلم سے مروی ہے کہ ابن عمر نے فرمایا میں نے بلال سے کہا جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو مسجد بنوعمرو بن عوف میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کرتے تو آپ ﷺ کس طرح جواب دیتے تھے انہوں نے کہا کہ اشارہ کر دیتے تھے امام ترمذی فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ دونوں حدیث صحیح ہیں کیونکہ صہیب اور واقعہ بلال دونوں الگ الگ ہیں اگرچہ ابن عمر ان دونوں سے روایت کرتے ہیں ہوسکتا ہے ابن عمر نے ان دونوں سے سنا ہو۔

تشریح: اس باب کی تمام احادیث میں اشارہ فی الصلوۃ سے مراد عام اشارہ نہیں بلکہ اشارہ لرد السلام ہے۔دوران نماز اگر کسی نے سلام کیا اور نمازی نے زبان سے جواب دیا تو بالاتفاق اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

بعض ائمہ سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ اور قتادہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔اگرچہ زبان کے ساتھ سلام کا جواب دے بھی دے۔

مسئلہ: ردالسلام باشارۃ الید فی حالۃ الصلوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ یعنی اگر سلام کا جواب اشارے کے ساتھ دے دیا تو پھر اس کا کیا حکم ہے ائمہ مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بغیر کراہت کے جائز ہے بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ردالسلام کے لئے اشارہ کرنا تو مفسد صلوۃ نہیں بلکہ نماز ادا ہو جائے گی لیکن مع الکراہت۔

اگر کسی نے سلام کے ساتھ ساتھ مصافحہ بھی کر لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

جمہور حضرات کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے **عن صهيب قال مررت برسول الله ﷺ وهو يصلى فسلمت عليه فرد الى اشارة وقال لا اعلم الا انه قال اشارة باصبعه۔**

جواب اوّل: یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جب نماز میں اس قسم کی حرکات جائز تھیں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ناسخ کی حیثیت رکھتا ہے۔امام طحاویؒ کا رجحان اس طرف ہے **کلام فی الصلوٰۃ** کے نسخ کے ساتھ ردالسلام بالاشارہ بھی منسوخ ہو گیا۔

جواب ثانی: یا یہ اشارہ ردالسلام کا نہیں ہوتا تھا بلکہ صلوٰۃ کے دوران سلام کرنے والوں کو سلام سے منع کرنا ہوتا تھا۔

امام طحاویؒ نے اس کا محمل اور قرینہ یہ بتلایا ہے کہ اس کا اشارہ الی التحت ہوا ہے الی الفوق نہیں ہوا جبکہ ردالسلام کا اشارہ الی الفوق ہوتا ہے۔

جواب ثالث: جتنی مضبوط اور قوی **لم یرد الیّ** والی حدیث ہے اتنی قوی یہ نہیں اور معارضہ کیلئے قوت میں مساوات چاہیے۔

جواب رابع: ابوداؤد والی روایت جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ **اولویت** پر محمول ہے اور یہ جواز پر

محمول ہے یا وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور یہ جواز پر محمول ہے اور جواز و کراہت دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جب وہ حبشہ سے واپس تشریف لائے تو فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ نماز میں تھے آپ ﷺ نے جواب نہ دیا نہ تو زبان سے اور نہ ہی اشارہ کے ساتھ جواب دیا تو جب میں نے یہ بات محسوس کی تو آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ ناراضگی کی کوئی بات نہیں **ولکن اللہ یحدث فی امرہ مایشاء** کہ اللہ جو چاہے امر نازل کر دیں۔ اسلئے اللہ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم نماز میں باتیں مت کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ التَّسْبِيحَ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقَ لِلنِّسَاءِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عُمَرَ و قَالَ عَلِيٌّ كُنْتُ إِذَا اسْتَأْذَنْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي سَبَّحَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مردوں کیلئے تسبیح اور عورتوں کیلئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔ اس باب میں حضرت علی، سہیل بن سعد، جابر، ابوسعید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ سے اندر آنے کی اجازت مانگتا اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ ﷺ سبحان اللہ کہتے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: دوران نماز اگر کوئی معاملہ پیش آ جائے یا امام بھول جائے تو اس کو متنبہ کرنے کا طریقہ بتلایا جا رہا ہے یا کوئی شخص گھر پر نماز پڑھ رہا ہے کوئی آگے سے گزر رہا ہے یا کسی نے دروازہ بجا دیا تو اسے چاہیے کہ زور سے تسبیح کہے جیسا کہ باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہے۔

والتصفیق للنساء: تصفیق کا اصل معنی تالی بجانا ہے اس کا مروجہ طریقہ مراد نہیں بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی دو انگلیاں بائیں ہاتھ کی پشت پر ماری جائیں۔ عورت نماز میں تسبیح نہ کرے اس لئے بعض کتب میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عورت نے زبان سے لقمہ دے دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ عورت کی آواز ستر ہے اور ستر کو ظاہر کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں **صوت العورۃ ستر** عورت کا مطلب یہ ہے کہ عورت پر بدن کی طرح اپنی آواز کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اجنبیوں کے سامنے اپنی آواز ظاہر کرنے سے بھی اسے اجتناب کرنا چاہیے۔

اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مردوں کے لئے تسبیح اور عورتوں کے لئے تصفیق ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی تسبیح کا حکم ہے عورتوں کے لئے تصفیق جائز نہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حدیث الباب میں جو یہ ذکر کیا ہے **التسبیح للرجال والتصفیق للنساء**۔ یہ عورتوں کی عادت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ خارج صلوٰۃ وہ اس طرح کرتی ہیں ان کے لئے یہ حکم شرعی بیان نہیں کیا جا رہا گویا عورتوں کی حالت مذمومہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تالی بجاتی ہیں۔

جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تاویل بعید ہے کیونکہ جب حدیث کے پہلے جملے میں حکم کا بیان ہے تو دوسرے جملہ میں بھی حکم کا بیان ہوگا۔ دلیل کے طور پر حماد بن زید عن ابی حازم کی حدیث بیان کی ہے (**باب الاحکام بصیغة الامر**) میں یہ الفاظ ہیں **فلیسبح الرجال ولتصفق النساء** عورتوں کے لئے تسبیح کو مکروہ قرار دیا ہے اسلئے کہ انکی آواز فتنہ ہے اس وجہ سے عورتوں کو اذان واقامت اور نماز میں جہر سے منع کیا گیا ہے اس حدیث میں امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۶۲)

کنت اذا استأذنت: یہ واقعہ نوافل کی نماز میں پیش آتا۔ آپ ﷺ نوافل کی نماز میں ہوتے تو تسبیح پڑھتے اور یہ اب بھی جائز ہے بعض طرق میں کھنکارنے کا بھی ذکر آیا ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۴۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّثَاؤُبِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَجَدِّ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ التَّثَاؤُبَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنِّي لَأَرُدُّ التَّثَاؤُبَ بِالتَّنَحْنُحِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز میں جمائی لینا شیطان کی طرف سے ہے پس اگر تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے منہ بند کر کے روکنے کی کوشش کرے۔ اس باب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور عدی بن ثابت کے دادا سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اہل علم کی ایک جماعت نے نماز میں جمائی لینے کو مکروہ کہا ہے ابراہیم کہتے ہیں کہ میں کھنکار کے ذریعے جمائی کو لوٹا دیتا ہوں۔

تشریح: التثاؤب: مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے کہا جاتا ہے **التنفس الذی ینفتح منه الغم لدفع البخارات المنخنقة فی عضلات الفك وهو ینشأ من امتلاء المعدة وثقل البدن. کما فی البحر الرائق** (معارف السنن ج ۳ ص ۴۴۴) جمائی بدن کے بوجھل (سست) ہونے اور معدہ کے پُر ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ نیز جمائی ان افعال میں سے ہے جس میں انسان کے فعل کا دخل نہیں۔

سوال: جب اس میں انسان کے عمل کا دخل نہیں تو پھر اس کی کراہت کا کیا مطلب ہے۔ **جواب:** یہ کیفیت سستی کی وجہ سے طاری ہوتی ہے اور سستی اس لئے آتی ہے کہ انسان فضولیات میں مشغول ہوتا ہے جس کی وجہ سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں جمائی کا آنا شیطانی اثرات کی بناء پر ہوتا ہے اس کا علاج حدیث شریف

میں یہ بتایا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اسے روکے ہونٹ کو دبا لے پھر بھی نہ رکے تو قیام کی حالت میں دائیں ہاتھ سے روکے اور اگر قعود میں پیش آئے تو بائیں ہاتھ سے رُوکنا چاہیے۔

علامہ شامیؒ نے اس سے بچنے کی ایک تدبیر یہ لکھی ہے کہ اگر اس کی ابتداء میں یہ خیال کرے کہ جمائی انبیاء علیہم کو نہیں آئی وہ اس سے محفوظ رہتے تھے تو پھر بھی یہ رک جائے گی۔ فرماتے ہیں میں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور اس کو مفید پایا ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ کھانسنے سے بھی جمائی دور ہو جاتی ہے۔

حدیث پاک میں جمائی کی نسبت شیطان کی طرف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان ہی انسان کو اسی کیفیت تک پہنچاتا ہے۔ جمائی نماز میں مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کیونکہ منافقین کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں جو شخص نماز میں جمائی لے رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز خشوع و خضوع سے نہیں پڑھ رہا بلکہ نماز میں سستی کر رہا ہے اس لئے اس کو منافقین کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **ان اللہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب**. کہ عطاس (چھینک) اللہ کی جانب سے ہے اور تثاءب (جمائی) شیطان کی طرف سے۔ یہ فرق خارج نماز ہے داخل نماز میں کوئی فرق نہیں **وأما فی داخلھا فکلاھما من الشیطن اخرجہ الترمذی فی الاداب** چنانچہ ابو الیقظان کے طریق سے مروی ہے **عن عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ رفعہ قال العطاس، والنعاس، والتثاؤب فی الصلوۃ والحیض والقیٔ والرعاف من الشیطان سندہ ضعیف** (کما فی الفتح ۱۰ ص ۵۰۱) اور کنز العمال میں پانچ اشیاء کو شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے **خمس فی الصلوۃ من الشیطان العطاس والنعاس والتثاؤب والرعاف والحیض** (جلد ۴ ص ۱۱۱)

اس کے برعکس ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **انّ اللہ یکرہ التثاؤب و یحب العطاس فی الصلوۃ**۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کی سند میں بھی ضعف ہے اور وہ موقوف ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ صَلَاةَ الْقَاعِدِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ صَلَاةِ الْقَائِمِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ الْمُعَلِّمُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ مَنْ صَلَّى قَائِمًا فَهُوَ أَفْضَلُ وَمَنْ صَلَّاهَا قَاعِدًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلَّاهَا نَائِمًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَاعِدِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَنَسٍ وَالسَّائِبِ قَالَ أَبُو عِيسَى

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے شخص کے بارے میں پوچھا فرمایا جو کھڑے ہو کر نماز پڑھے وہ افضل ہے جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کیلئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے سے نصف اجر ہے اور جو لیٹ کر نماز پڑھے اس کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنے والے سے آدھا ثواب ہے۔ اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر، انس اور سائب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ

حَدِيثُ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ إِلَّا أَنَّهُ يَقُولُ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الْمَرِيضِ فَقَالَ صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو عِيسٰى لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوٰى عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ نَحْوَ رِوَايَةِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ طَهْمَانَ وَقَدْ رَوٰى أَبُو أُسَامَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ نَحْوَ رِوَايَةِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ وَمَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ إِنْ شَاءَ الرَّجُلُ صَلّٰى صَلَاةَ التَّطَوُّعِ قَائِمًا وَجَالِسًا وَمُضْطَجِعًا وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي صَلَاةِ الْمَرِيضِ إِذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ جَالِسًا فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ انه يُصَلِّي عَلٰى جَنْبِهِ الْأَيْمَنِ و قَالَ بَعْضُهُمْ يُصَلِّي مُسْتَلْقِيًا عَلٰى قَفَاهُ وَرِجْلَاهُ إِلَى الْقِبْلَةِ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مَنْ صَلّٰى جَالِسًا فَلَهُ نِصْفُ أَجْرِ الْقَائِمِ قَالَ هٰذَا لِلصَّحِيحِ وَلِمَنْ لَيْسَ لَهُ عُذْرٌ فَأَمَّا مَنْ كَانَ لَهُ عُذْرٌ مِنْ مَرَضٍ أَوْ غَيْرِهِ فَصَلّٰى جَالِسًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ الْقَائِمِ وَقَدْ رُوِيَ فِي بَعْضِ هٰذَا الْحَدِيثِ مِثْلُ قَوْلِ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ.

عمران بن حصین کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ابراہیم بن طہمان سے اسی سند سے مروی ہے مگر یہ کہ اس کا متن اس سے ذرا مختلف ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے مریض کی نماز کے بارے میں سوال کیا فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر۔ اس حدیث کو ہناد وکیع سے وہ ابراہیم بن طہمان سے اور وہ حسین معلم سے اسی اسناد سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ہم کسی اور کو نہیں جانتے کہ اس نے حسین معلم سے ابراہیم بن طہمان کی روایت کی مثل روایت کی ہو اور ابو اسامہ اور کئی راوی حسین معلم سے عیسیٰ بن یونس کی مثل روایت کرتے ہیں بعض اہل علم کے نزدیک یہ حدیث نفل نمازوں کے بارے میں ہے۔ محمد بن بشار، ابن ابی عدی سے وہ اشعث بن عبدالملک سے اور وہ حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے کہا آدمی نفل نماز چاہے کھڑے ہو کر پڑھے چاہے بیٹھ کر چاہے لیٹ کر اور مریض کی جو بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اسکے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں اگر وہ بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ سیدھا لیٹ کر پاؤں قبلہ کی طرف پھیلا کر نماز پڑھے اس حدیث کے متعلق سفیان ثوری کہتے ہیں کہ جو بیٹھ کر نماز پڑھے اس کیلئے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ہے یہ تندرست شخص کیلئے ہے اور جو معذور ہو یا مریض ہو تو اگر وہ بیٹھ کر پڑھے تو اسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے برابر اجر ملے گا اور بعض احادیث کا مضمون سفیان ثوری کے اس قول کے مطابق ہے۔

تشریح: اس باب میں دو احادیث کا بیان ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کے ثواب سے کم اور آدھا اجر ملے گا کیونکہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا مشقت ہے اور بیٹھ کر نماز پڑھنا اس کے بنسبت راحت ہے اس لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو مکمل ثواب ملے گا۔

اس باب میں ایک مشہور اشکال ہے جس کو معارف السنن میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ (کمانی عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۷۷ ۱۵ فتح الباری جلد ۲ ص ۴۷۱)

اشکال: حدیث الباب میں دونوں روایتوں کے مصداق میں شارحین نے مختلف شرحیں کی ہیں یہ دونوں روایتیں فرض نماز کے متعلق ہوں یا دونوں روایتیں نفل نماز کے متعلق ہوں یا ان دونوں نمازوں کا تعلق مریض کے ساتھ ہو یا دونوں کا تعلق تندرست کی نماز کے متعلق ہو۔ پھر اس میں تفصیل ہے۔

اگر ان کا مصداق مفترض کے حق میں مانا جائے وہ اگر قیام پر قادر ہے تو اس کے لئے قاعداً نماز پڑھنا ہی جائز نہیں۔ **''فکیف ذکر صلٰوتہ قاعدًا'' وان کان غیر قادر علیہ فصلاتہ قاعدًا کصلاتہ قائمًا فی الاجر۔** اگر وہ قیام پر قادر نہیں تو پھر اس کا بیٹھ کر نماز پڑھنا ثواب میں کمی کا باعث نہیں وہ ایسے ہی ہے جیسے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا اجر ہے تو پھر اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں نصف اجر کیوں ملے گا۔ بلکہ پورا ثواب ملنا چاہیے۔

اور اگر اس کا مصداق نفل نماز ہو اور معذور شخص کے متعلق ہو تو پھر بھی یہ معنی درست نہیں کیونکہ معذور شخص کو جب فرض نماز بیٹھ کر پڑھنے کی صورت میں پورا ثواب ملتا ہے تو نفل بیٹھ کر پڑھنے والے کو بطریق اولیٰ پورا ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کو متنفل غیر معذور پر محمول کیا جائے تو پھر ''من صلاھا نائما'' کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ کیونکہ تندرست آدمی کے لئے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کی تو گنجائش ہے مگر اس کے لئے لیٹ کر نفل پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ حضرت حسن بصریؒ کے مسلک پر کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک نفل نماز لیٹ کر پڑھنا بھی جائز ہے خواہ بغیر عذر کے ہو۔

جواب اوّل: علامہ رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا متنفل ہے جو قیام وقعود پر قادر تو ہو لیکن مشقت کے ساتھ۔

جواب ثانی: علامہ سندھیؒ حاشیہ کوکب الدریؒ میں لکھتے ہیں کہ جو نماز قاعداً درست ہے اس کا ثواب بنسبت قائماً کے نصف ہے اور جو نماز نائماً (لیٹ کر پڑھنا) درست ہے اس کا ثواب بنسبت قاعداً نصف ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ عذر کی صورت میں پورا ثواب ملتا ہے یہ ہمیں تسلیم نہیں۔

جواب ثالث: علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ درحقیقت معذور کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو قیام یا قعود پر مطلقاً قادر ہی نہ ہو۔ دوسرا وہ جو قادر تو ہو لیکن انتہائی مشقت و تکلیف کے ساتھ۔ حدیث الباب میں دوسری قسم کا بیان ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ جو شخص شدید مشقت کے ساتھ قیام وقعود پر قادر ہو اس کے لئے قعود یا اضطجاع جائز تو ہے لیکن عزیمت پر عمل کرنا افضل ہے۔ نصف اجر سے مراد یہ ہے کہ اگر معذور شخص انتہائی مشقت سے کھڑے ہو کر نماز پڑھتا تو اس کو جو اجر ملتا اس سے آدھا اجر بیٹھ کر نماز پڑھنے میں ملے گا۔ اس معذور کا مشقت کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا تندرست کے مقابلے میں زیادہ ثواب ہے۔ اس کا بیٹھ کر نماز پڑھنا تندرست کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے برابر ہے۔ گویا عزیمت کی صورت میں ایسا شخص تندرستوں سے دوگنے ثواب کا مستحق ہوگا۔

اس توجیہ کی تائید موطا امام مالک ص ۱۹ ''**فضل صلٰوۃ القائم علی صلٰوۃ القاعد**'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو معارف السنن جلد ۳ ص ۴۴۸ پر مذکور ہے **عن عبد اللہ**

بن عمرو بن العاص أنه قال لما قدمنا المدينة نالنا وباء من وعكها شديد فخرج رسول الله ﷺ على الناس وهم يصلون في سبحتهم قعودًا فقال رسول الله ﷺ صلوٰة القاعد مثل نصف صلوٰة القائم کہ آپ ﷺ نے یہ حدیث اس وقت ارشاد فرمائی تھی جبکہ شدید بخار میں مبتلا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ حدیث باب کا محل معذورین ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص فرائض بیٹھ کر ادا نہ کر سکتا ہو تو پھر لیٹ کر ادا کرے: اب کس طرح لیٹے اس کے متعلق جمہور حضرات کا قول یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹے گا یہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے احناف کا ایک قول یہی ہے اور دوسرا یہ ہے چت لیٹ جائے پاؤں قبلہ کی طرف کر کے اشارہ سے نماز ادا کرے۔ نیز نوافل بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھنا جمہور کے نزدیک جائز نہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک نوافل لیٹ کر پڑھنا جائز ہے یہی قول متاخرین کا ہے۔

بَابُ فِي مَنْ يَتَطَوَّعُ جَالِسًا

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا حَتّٰى كَانَ قَبْلَ وَفَاتِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَامٍ فَإِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ حَفْصَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ جَالِسًا فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَاعِدًا فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَاعِدٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَالْعَمَلُ عَلٰى كِلَا الْحَدِيثَيْنِ كَأَنَّهُمَا رَأَيَا كِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحًا مَعْمُولًا بِهِمَا.

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا زوج النبی فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی بھی نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ ﷺ وفات سے ایک سال قبل نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے لگے اور اس میں جب کوئی سورت پڑھتے تو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے یہاں تک کہ وہ طویل سے طویل ہوتی جاتی۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث حفصہ رضی اللہ عنہا حسن صحیح ہے اور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ رات کو بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے جب ان کی قراءت تیس یا چالیس آیتیں رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر پڑھنے لگتے پھر رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھتے اگر آپ ﷺ کھڑے ہو کر قراءت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی کھڑے ہو کر کرتے اور اگر بیٹھ کر قرأت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر ہی کرتے امام احمد اور اسحاق فرماتے ہیں دونوں حدیثوں پر عمل ہے گویا کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں اور ان پر عمل ہے۔

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذَلِكَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے پس قرأت بھی بیٹھ کر کرتے اور جب تیس یا چالیس آیات باقی رہ جاتیں تو کھڑے ہو کر قرأت شروع کرتے پھر رکوع وسجود کرتے اور دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ وَهُوَ الْحَذَّاءُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ سَأَلْتُهَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کافی رات کھڑے ہو کر اور کافی رات تک بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اگر کھڑے ہو کر قرأت فرماتے تو رکوع وسجود بھی کھڑے ہو کر کرتے اور اگر بیٹھ کر قرأت فرماتے تو رکوع وسجود بھی بیٹھ کر ہی کرتے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ اور محمد بن الحسن کے نزدیک نوافل بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے چاہے چارزانو ہوں مگر قعدہ کی حالت میں ہوں۔ کیونکہ قعدہ کی حالت میں بیٹھا جاتا ہے لیکن دوسرے بعض حضرات نے کہا کہ قعدہ کی حالت میں بیٹھنا ضروری ہے۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۴۵۲)

پہلی حدیث حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر تہجد پڑھتے نہیں دیکھا البتہ وفات سے ایک سال قبل آپ بیٹھ کر تہجد پڑھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی سورت بھی ترتیل کے ساتھ اس طرح پڑھتے تھے کہ وہ لمبی سے لمبی سورت کے مانند ہو جاتی تھی۔

دوسری حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر تہجد پڑھتے تو آپؐ بیٹھ کر تلاوت فرماتے جب تیس یا چالیس کے بقدر آیات تلاوت رہ جاتی تو آپؐ کھڑے ہو جاتے اور اتنی مقدار میں تلاوت کر کے رکوع وسجود کرتے۔

تیسری حدیث بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی رات تک کھڑے کھڑے اور لمبی رات تک بیٹھے بیٹھے نفلیں پڑھتے تھے یعنی کبھی کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر تہجد پڑھتے تھے اور آپؐ جب بیٹھ کر نماز پڑھتے تو رکوع وسجود میں بیٹھ کر کرتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو رکوع وسجود بھی کھڑے ہو کر کرتے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِنِّي لَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فِي الصَّلَاةِ فَأُخَفِّفُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللهِ إِنِّي لَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ فَأُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَتَنَ أُمُّهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم جب نماز کے دوران میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خوف سے نماز ہلکی کر دیتا ہوں کہ کہیں اس کی ماں فتنے میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اس باب میں حضرت قتادہ، ابوسعید اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث انس حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث باب میں قراءت کے بابت جس طرح تطویل کا حکم ہے اسی طرح تخفیف کا حکم بھی ہے اس کی تفصیل ماقبل باب "**باب ما جاء اذا امّ أحد كم النّاس فليخفف**" میں گزر چکی ہے۔ رکعت اولیٰ میں طویل قراءت بھی ثابت ہے جیسا کہ عبدالرزاق اور ابن خزیمہ سے مروی ہے جس کی تفصیل فتح الباری جلد ۲ ص ۲۰۳ میں ہے **و کان یطول فی الرکعة الاولی مالا یطول فی الثانیة** ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے پہلی رکعت کو طویل اس لئے کرتے ہوں گے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ پہلی رکعت میں شامل ہو سکیں۔

فقہاء کا اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ دورانِ جماعت مقتدی کو نماز میں شامل کرنے کے لئے امام کا نماز کو لمبا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعیؒ نے حدیث الباب سے تخفیف قراءت پر قیاس کیا ہے اسے قیاس عکس کہتے ہیں کہ پہلی رکعت کو بنسبت دوسری رکعت سے طویل کریں گے۔ امام نوویؒ نے اس کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ (کمافی معارف جلد ۳ ص ۴۵۶)

ان تفتتن أمه: افتتان سے ماخوذ ہے ماں کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو کیونکہ بچے کے رونے کی وجہ سے ماں کو نماز توڑنی پڑ سکتی ہے اس لئے حضور ﷺ جب کسی بچے کے رونے کو سنتے تو نماز کو مختصر کر دیتے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ الْحَائِضِ إِلَّا بِخِمَارٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ صَفِيَّةَ بنت الْحَارِثِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلَاةُ الْحَائِضِ إِلَّا بِخِمَارٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا بالغہ عورت کی نماز بغیر چادر کے قبول نہیں ہوتی۔ اس باب میں عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عائشہؓ حسن ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ عورت جب بالغ ہو جائے اور نماز پڑھے تو ننگے بالوں سے نماز جائز نہیں

أَدْرَكَتْ فَصَلَّتْ وَشَيْءٌ مِنْ شَعْرِهَا مَكْشُوفٌ لَا تَجُوزُ صَلَاتُهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ لَا تَجُوزُ صَلَاةُ الْمَرْأَةِ وَشَيْءٌ مِنْ جَسَدِهَا مَكْشُوفٌ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَقَدْ قِيلَ إِنْ كَانَ ظَهْرُ قَدَمَيْهَا مَكْشُوفًا فَصَلَاتُهَا جَائِزَةٌ.

ہوگی یہی امام شافعیؒ کا قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ عورت کے جسم سے کچھ حصہ بھی ننگا ہو تو نماز نہیں ہوگی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ اگر اس کے پاؤں کھلے رہ جائیں تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی۔

تشریح: عورت اگر بالغہ ہو تو تمام ائمہ کے نزدیک اس کا مکمل جسم ستر عورت ہے یہاں باب میں حائضہ عورت سے مراد بالغہ ہے۔ بالغہ عورت کا نماز کی حالت میں کچھ اعضاء کا استثناء کیا ہے۔ قرآن پاک میں استثناء کو **الا ماظھر منھا** سے ذکر کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے **الا ماظھر** کی تشریح کی کہ اس سے وجہ، کفین، قدمین مراد ہیں کہ چہرہ، قدمین اور کفین کھلے ہوئے ہوں اور اسی حالت میں نماز پڑھے تو جائز ہوگا۔ ان اعضاء کا کھلنا صرف جواز صلوٰۃ کے لئے مستثنیٰ ہے وگرنہ باقی حالات میں پورا بدن عورت ہے۔ اسی وجہ سے اجنبی کے لئے عورت کے چہرے، قدمین اور کفین کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

دوران نماز ان تین اعضاء کا استثناء ہے اس کے علاوہ بقیہ بدن ستر میں شامل ہے۔ لہٰذا اگر چوتھائی سر یا اس سے زیادہ کھلا رہ جائے تو نماز باطل ہو جائے گی نیز سر پر لگے ہوئے بال اور لٹکے ہوئے بال یہ الگ الگ عضو کی حیثیت سے ہیں۔

قال ابو عیسٰی: امام ترمذیؒ ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ عورت کی نماز صحیح نہیں اس حال میں کہ اسکے جسم سے کچھ حصہ بھی کھلا ہوا ہو یعنی تھوڑا سا کشف بھی معاف نہیں۔ جبکہ احناف کے نزدیک چوتھائی سے کم معاف ہے جب کوئی عضو چوتھائی یا اس سے زائد کھل جائے تو نماز باطل ہو جائیگی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں پاؤں کا بالائی حصہ کھلا رہ جائے نماز باطل نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عِسْلِ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَطَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِسْلِ بْنِ سُفْيَانَ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي السَّدْلِ فِي الصَّلَاةِ فَكَرِهَ بَعْضُهُمُ السَّدْلَ فِي الصَّلَاةِ وَقَالُوا هٰكَذَا تَصْنَعُ الْيَهُودُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا كُرِهَ السَّدْلُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ إِلَّا ثَوْبٌ وَاحِدٌ فَأَمَّا إِذَا سَدَلَ عَلَى الْقَمِيصِ فَلَا بَأْسَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں سدل سے منع فرمایا اس باب میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ کی حدیث کو ہم عطاء کی سند سے صرف عسیل بن سفیان کی روایت سے جانتے ہیں۔ اہل علم کا نماز میں سدل کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک نماز میں سدل مکروہ ہے اور انہوں نے فرمایا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ تب مکروہ ہے جبکہ آدمی پر کپڑا نہ ہو اگر قمیص کے دو پر سدل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں یہ امام احمدؒ کا قول ہے ابن مبارکؒ کے

وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَكَرِهَ ابْنُ الْمُبَارَكِ السَّدْلَ فِي الصَّلَاةِ۔ نزدیک بھی نماز میں سدل مکروہ ہے۔

تشریح: نهی عن السدل: سدل کی ائمہ حضرات نے مختلف تعریفیں کی ہیں۔

① کپڑے کو سر پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے جانبین کو کھلا چھوڑ دیا جائے اس کو باندھا نہ جائے یا کسی کپڑے کو کندھے پر اس طرح ڈال دیا جائے کہ اس کے جانبین سینے کی طرف لٹک جائیں۔ (کمافی شرح الوقایہ)

اسی طرح کوئی جبہ وغیرہ اپنے کندھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کفین لٹک رہے ہوں اور بازوؤں کو کفین میں داخل نہ کیا ہو یہ طریقہ بعض یہود وغیرہ کا بھی ہے اور بعض غیر مقلدین کا شیوہ بھی۔

② سدل سے مراد شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہے۔ اس تعریف کے مطابق صلوٰۃ اور غیر صلوٰۃ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

③ اپنے اوپر کسی چادر یا کپڑے کو اسی طرح لپیٹنا کہ ہاتھ باہر نہ نکل سکیں جیسا کہ عام طور پر سردیوں میں ہوتا ہے کہ آدمی صحیح طریقے سے تکبیر تحریمہ اور اسی طرح رکوع وسجود بھی ٹھیک طرح سے نہیں کر پاتا۔

④ یہ تعریف امام احمدؒ کے نزدیک ہے کہ ایک ہی کپڑے میں اپنے جسم کو لپیٹنا کہ اگر بازو نکالے جائیں تو ننگ ظاہر ہو جائے یا وہ کپڑا اگر ہٹ جائے تو ننگ ظاہر ہو جائے اس طرح کپڑا رکھنا سدل کہلاتا ہے۔ اگر ایک سے زائد کپڑے ہوں تو پھر ممانعت نہیں۔ جبکہ جمہور کے نزدیک کپڑوں کے اوپر بھی سدل ممنوع ہے۔

⑤ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ تعریف لکھی ہے کہ کپڑے کو اس ہیئت کے خلاف پہننا جو اس سے مطلوب ہے مثلاً کرتے کو پگڑی بنانا وغیرہ لہٰذا جو بھی کپڑا اپنی ہیئت کے خلاف پہنا جائے تو وہ بھی کراہت میں شامل ہوگا۔

قال ابو عیسٰی ....عسل بن سفیان: سند کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ عسل بن سفیان متفرد ہونے کی وجہ سے غریب ہے ان کا نام ابوقرہ البصری ہے، جمہور حضرات کے نزدیک یہ ضعیف ہیں اگرچہ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

جواب: ولكن الامر ليس كذالك سے انور شاہ صاحبؒ معارف السنن میں فرمارہے ہیں کہ یہ راوی ضعیف نہیں ہیں کیونکہ سلیمان احول نے ان کی متابعت کی ہے ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے اس میں انہوں نے یہ بات ذکر نہیں کی کہ کوئی شخص نماز میں اپنے چہرے کو رومال سے ڈھانپ دے تو وہ بھی سدل ہے۔ امام ذہبیؒ نے کہا علی شرطهما۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۶۲)

اذا سدل على القميص فلا بأس: ہماری کتب فقہ میں اشتمال صماء کو ایک ہی کپڑے میں مکروہ کہا ہے دو کپڑے ہوں تو وہ مکروہ نہیں اس کی تفصیل البحر الرائق میں ہے کہ ایک کندھے کے نیچے سے گزار کر دوسرے کندھے کے اوپر سے چادر کو ڈالنا جیسا کہ احرام میں ہوتا ہے جب کہ تہبند نہ ہو۔ بعض حضرات نے کہا کہ کبھی کبھار سدل کا اطلاق اشتمال صماء پر بھی ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سدل مکروہ ہے قمیص کا ہو یا تہبند کا۔ کیونکہ یہ اہل کتاب کا شیوہ ہے اور اگر سدل تہبند کے علاوہ ہو تو پھر کشف عورت کا احتمال ہے عند الرکوع والسجود۔ اور اگر تہبند کے ساتھ سدل ہو تو پھر بھی مکروہ ہے اہل کتاب کی مشابہت کی وجہ سے۔ یہ علی الاطلاق مکروہ ہے خواہ تکبر کی علامت ہو یا نہ ہو۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۶۲) اسکی وضاحت ماقبل "باب الصلوة فی

الثوب الواحد'' میں گزر چکی ہے۔

باب ما جاء في كراهية مسح الحصى في الصلاة

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهُ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَ مُعَيْقِيبٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَسْحِ الْحَصَى فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَمَرَّةً وَاحِدَةً قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَحُذَيْفَةَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَ مُعَيْقِيبٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَرِهَ الْمَسْحَ فِي الصَّلَاةِ وَقَالَ إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَمَرَّةً وَاحِدَةً كَأَنَّهُ رُوِيَ عَنْهُ رُخْصَةٌ فِي الْوَاحِدَةِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوتو وہ کنکری کو نہ چھوئے کیونکہ اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ حضرت معیقیب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز میں کنکریاں ہٹانے کے بارے میں پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ضروری ہوتو ایک مرتبہ ہٹالو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے اس باب میں علی بن ابی طالب، حذیفہ، جابر بن عبداللہ اور معیقیب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابوذر حسن ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں کنکریاں ہٹانے کو مکروہ کہا ہے اور فرمایا اگر ضروری ہوتو ایک مرتبہ ہٹالے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ کنکریاں ہٹانے کی اجازت دی ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔

تشریح: حدیث الباب اور ترجمۃ الباب کا مقصد یہ ہے کہ کبھی آدمی ایسی جگہ سجدہ کرتا ہے جہاں کنکریاں یا کوئی اور چیز پڑی ہوتی ہے جو اس کے لئے اذیت کا باعث بنتی ہے اس اذیت دینے والی چیز کو ہاتھ سے ہٹانے کو **مسح الحصى** کہتے ہیں۔

نماز میں ایسا کرسکتا ہے یا نہیں اس کے لئے کیا حکم ہے؟ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر برابر کرنا بھی ہوتو ایک مرتبہ برابر کرسکتے ہو کیونکہ بار بار عمل کرنے سے عمل کثیر بن جاتا ہے جو کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

نیز اگر نماز میں کنکریوں کو ہٹانے کی ضرورت نہ ہو بلکہ نمازی کنکریوں کے ساتھ کھیل رہا ہو تو یہ عبث ہو جائے گا بسا اوقات یہ انسان کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ عمل کثیر ہو جانے کی صورت میں مفسد صلوٰۃ ہو جاتا ہے۔

فان الرحمة تواجهه: مسح الحصی کے ترک کرنے کی وجوہ ① مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے **اذا سجدت فلا تمسح الحصى فان كل حصاة تحب أن يسجد عليها.** جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو کنکریوں کو نہ ہٹائے کیونکہ ہر

کنکری یہ پسند کرتی ہے کہ اس پر سجدہ کیا جائے ۲ مشقت کے ساتھ سجدہ کرنے کی صورت میں رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

اس باب کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ کام جو نماز میں خشوع وخضوع کے خلاف ہو تو اس کی طرف رحمت متوجہ نہیں ہوتی جیسا کہ ایک حدیث مبارک میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کپڑوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح میں بھی ہوتا کپڑوں سے کھیلنا اس وجہ سے ہے کہ اس کا دھیان نماز کی طرف نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ حَدَّثَنَا مَيْمُونٌ أَبُو حَمْزَةَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ مَوْلَى طَلْحَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا لَنَا يُقَالُ لَهُ أَفْلَحُ إِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ يَا أَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَكَرِهَ عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ النَّفْخَ فِي الصَّلَاةِ وَقَالَ إِنْ نَفَخَ لَمْ يَقْطَعْ صَلَاتَهُ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَبِهِ نَأْخُذُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ هَذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ مَوْلًى لَنَا يُقَالُ لَهُ رَبَاحٌ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مَيْمُونٍ أَبِي حَمْزَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَقَالَ غُلَامٌ لَنَا يُقَالُ لَهُ رَبَاحٌ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ وَمَيْمُونٌ أَبُو حَمْزَةَ قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي النَّفْخِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنْ نَفَخَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَقْبَلَ الصَّلَاةَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يُكْرَهُ النَّفْخُ فِي الصَّلَاةِ وَإِنْ نَفَخَ فِي صَلَاتِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو جسے ہم افلح کہتے تھے دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا تو پھونک مارتا تھا آپ ﷺ نے فرمایا اے افلح اپنے چہرے کو خاک آلود ہونے دے۔ احمد بن منیع فرماتے ہیں کہ عباد بن العوام نماز میں پھونکنے کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی احمد بن منیع کہتے ہیں کہ ہم اسی قول پر عمل کرتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں بعض حضرات نے اس حدیث کو ابوحمزہ سے روایت کیا ہے اور کہا کہ وہ لڑکا ہمارا مولی تھا اس کو رباح کہتے تھے۔ احمد بن عبدہ ضبی، حماد بن زید سے وہ میمون سے وہ ابوحمزہ سے اسی اسناد سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لڑکا ہمارا غلام تھا اسے رباح کہا جاتا تھا امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی سند قوی نہیں بعض علماء میمون ابوحمزہ کو ضعیف کہتے ہیں۔ نماز میں پھونکیں مارنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک اگر کوئی نماز میں پھونک مار دے تو دوبارہ نماز پڑھے یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نماز میں پھونکیں مارنا مکروہ ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔

تشریح: ماقبل میں مسح الحصی کے ذریعے کنکریوں کو ہٹانے کا ذکر تھا۔ اب یہاں سے پھونک مار کر مٹی وغیرہ ہٹانے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ حدیث الباب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے گھر میں ایک لڑکا تھا جس کا نام افلح تھا اور ایک روایت میں رباح نام آتا ہے وہ جب بھی سجدہ میں جاتا تو پھونک مار کر جگہ صاف کرتا پھر سجدہ کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے افلح

اپنی پیشانی خاک آلود کر یعنی پھونک مت مار اگر پیشانی پر مٹی لگ جائے تو لگنے دے۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ دوران نماز اگر کوئی شخص پھونک مارتا ہے تو احناف کے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ ایسی پھونک مارے کہ اس سے حروف پیدا ہو جائیں تو یہ مفسد صلوٰۃ ہے لیکن اگر ایسی پھونک مارے کہ اس سے آواز وغیرہ کچھ بھی پیدا نہ ہو اور نہ ہی حروف پیدا ہوں تو یہ مکروہ ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الِاخْتِصَارِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الِاخْتِصَارَ فِي الصَّلَاةِ وَالِاخْتِصَارُ هُوَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ عَلَى خَاصِرَتِهِ فِي الصَّلَاةِ وَ كَرِهَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَمْشِيَ الرَّجُلُ مُخْتَصِرًا وَيُرْوَى أَنَّ إِبْلِيسَ إِذَا مَشَى يَمْشِي مُخْتَصِرًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلو پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے بعض علماء کے نزدیک نماز میں اختصار مکروہ ہے اور اختصار کا معنی یہ ہے کوئی شخص نماز میں اپنی کوکھ پر ہاتھ رکھے بعض فقہاء پہلو پر ہاتھ رکھ کر چلنے کو بھی مکروہ کہتے ہیں روایت کیا جاتا ہے کہ ابلیس جب چلتا ہے تو پہلو پر ہاتھ رکھ کر چلتا ہے۔

تشریح: اختصار کی تفسیر میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

① اس سے مراد قراءت میں تخفیف کرنا ہے کہ قراءت مسنونہ سے بھی کم پر اختصار کرے۔

② بعض حضرات نے اختصار کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ہر رکعت میں سورت کی آخری چند آیات پڑھے یعنی ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر تلاوت کرے اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورت کی آخری چند آیات تلاوت کرے۔

③ **وقیل أن یمسك بیدہ مختصرۃ (ای عصًا)** نماز میں ایک طرف سہارا لے کر کھڑا ہونا لاٹھی وغیرہ یا کسی اور چیز سے۔

④ **ھو وضع الید علی الخاصرۃ** کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔ ان تمام تفاسیر کے اعتبار سے اختصار مکروہ ہے۔ البتہ کراہت میں کچھ فرق ہے۔ **وضع الیدین علی الخاصرۃ** میں کراہت زیادہ ہے اور اس سے کم کراہت **وضع الید علی المختصرۃ** میں ہے۔ اس سے کم کراہت آخری آیات پڑھنے میں ہے اور اس سے کم کراہت قراءت مسنونہ سے کم پڑھنے میں ہے۔

یمشی مختصرًا: کوکھ پر ہاتھ رکھ کر چلنا۔ نماز اور خارج صلوٰۃ دونوں صورتوں میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ جب شیطان کو جنت سے دھتکار کر نکالا گیا تھا تو اس وقت اس نے کوکھ پر ہاتھ رکھا تھا۔ جیسا کہ **مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲** ص ۳۹ میں روایت موجود ہے **ان ابلیس بعد لعنه و نزوله فی الارض وضع یدہ علی الخاصرۃ**۔ اس کی کراہت کا قول ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ، تابعین میں امام نخعیؒ، امام مجاہدؒ کا ہے اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام اوزاعیؒ کا

بھی مسلک ہے کہ اس نہی کی وجہ سے نماز اور غیر نماز دونوں صورتوں میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۴۶۸)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ كَفِّ الشَّعْرِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ أَنَّهُ مَرَّ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَهُوَ يُصَلِّي وَقَدْ عَقَصَ ضَفِرَتَهُ فِي قَفَاهُ فَحَلَّهَا فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ الْحَسَنُ مُغْضَبًا فَقَالَ أَقْبِلْ عَلَى صَلَاتِكَ وَلَا تَغْضَبْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذٰلِكَ كِفْلُ الشَّيْطَانِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي رَافِعٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَهُوَ مَعْقُوصٌ شَعْرُهُ وَعِمْرَانُ بْنُ مُوسَى هُوَ الْقُرَشِيُّ الْمَكِّيُّ وَهُوَ أَخُو أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى.

حضرت سعید بن ابو سعید مقبری اپنے والد اور وہ ابورافع سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور اپنے بالوں کو گدی پر چوٹی کی شکل میں باندھا ہوا تھا ابورافع نے اسے کھول دیا۔ حسن رضی اللہ عنہ نے نماز ہی کی حالت میں انکی طرف غضبناک نظروں سے دیکھا تو ابورافع نے کہا اپنی نماز پڑھتے رہو اور غصہ نہ کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ یہ (بالوں کو باندھ کر نماز پڑھنا) شیطان کا حصہ ہے۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابورافع حسن ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ نماز میں بالوں کو باندھنا مکروہ ہے عمران بن موسیٰ قریشی مکی ہیں اور ایوب بن موسیٰ کے بھائی ہیں۔

تشریح: نماز میں بالوں کو سنبھالنے کا حکم: مردوں کے لئے مکروہ ہے۔ البتہ عورتوں کے لئے اولیٰ اور مستحب یہ ہے کہ وہ بالوں کو سنبھال کر نماز پڑھیں تا کہ نماز میں بال کھلنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور نماز کے دوران عورت کے بال ایک رکن میں اتنی مقدار تک کھلیں جتنی مقدار میں تین بار تسبیح پڑھی جا سکے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ **شارح ابوداؤد المنهل العذب المورود جلد ۵ ص ۳۷** میں علامہ محمود خطاب سبکی نے لکھا ہے۔

مرد کیلئے بالوں کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے بالوں کو کھلا رہنے دے تا کہ جب سجدہ کیا جائے تو اسکے بال بھی سجدہ میں شریک ہوں یہی حکم کپڑوں کا ہے کہ انکو بھی نماز میں سمیٹنا نہیں چاہیے تا کہ وہ بھی سجدہ میں شامل ہوں۔ اگر دوران نماز بالوں یا کپڑوں کو سمیٹا جائے تو یہ تکبر ہے جبکہ نماز میں عاجزی و خشوع مطلوب ہے۔ مردوں کیلئے بالوں کو روکنا یا ان کو پیچھے باندھنا مکروہ ہے اسکی کراہت پر اجماع ہے۔

وذٰلك كفل الشيطان: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابورافع نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے بال کھولے اور فرمایا **ذالك كفل الشيطان** حاشیہ مطبوعہ مع الکتاب بالہند میں اس کی وضاحت بین السطور اس طور پر کی گئی ہے کہ کفل کا معنی حظ اور نصیب ہے یعنی یہ گناہ میں شیطان کا حصہ ہے یہاں اگرچہ کفل نصیب کے معنی میں آیا ہے۔ لیکن حضرت علامہ انورشاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہاں کفل سے نصیب والا معنی مراد لینا ٹھیک نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ "**ان الشعر اذا لم يسجد كان ذٰلك نصيب الشيطان فصح ذٰلك المعنى**" کہ بال جب سجدہ میں شامل نہ ہوں تو یہ شیطان کا حصہ ہیں کہ اس نے انکو سجدہ میں شامل ہونے سے روک رکھا۔

واضح رہے کہ کفل اصل میں کہا جاتا ہے ''ھو الکساء الملفوف حول سنام البعیر لکی یرکب علیه'' جب آدمی اونٹ پر سوار ہوتا ہے تو اس کی کوہان پر کپڑا ڈالتا ہے تاکہ اس پر سوار ہو جائے تو یہاں بالوں کو پیچھے باندھ کر شیطان کے لئے بیٹھنے کی جگہ کو نرم کیا جاتا ہے۔اس لئے اسی کو کفل سے تعبیر کیا۔واللہ اعلم جیسا کہ شاعر کا قول ہے ۔

و راکب علی البعیر مکتفل یمشی علی آثارہ وینتعل

امام خطابی نے معالم السنن میں اور ابن اثیر نے نہایہ میں اور افریقی نے لسان میں کفل الشیطان کا معنی ''مقعدہ'' اس کے بیٹھنے کا کیا ہے۔(ھکذا فی معارف السنن جلد ۳ ص ۴۷۰)

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّخَشُّعِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهٖ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِي أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ نَافِعِ ابْنِ الْعَمْيَاءِ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ مَثْنٰى مَثْنٰى تَشَهَّدُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَتَخَشُّعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَمَسْكُنٌ وَتُقْنِعُ يَدَيْكَ يَقُولُ تَرْفَعُهُمَا إِلٰى رَبِّكَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُونِهِمَا وَجْهَكَ وَتَقُولُ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَذَا وَكَذَا قَالَ أَبُو عِيسٰى و قَالَ غَيْرُ ابْنِ الْمُبَارَكِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهِيَ خِدَاجٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ يَقُولُ رَوٰى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ رَبِّهٖ بْنِ سَعِيدٍ فَأَخْطَأَ فِي مَوَاضِعَ فَقَالَ عَنْ أَنَسِ بْنِ أَبِي أُنَيْسٍ وَهُوَ عِمْرَانُ بْنُ أَبِي أَنَسٍ وَقَالَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ وَإِنَّمَا هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعِ ابْنِ الْعَمْيَاءِ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الْمُطَّلِبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنَّمَا هُوَ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُحَمَّدٌ

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے اور ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے، خشوع، عاجزی، سکون اور دونوں ہاتھوں کو اٹھانا ہے راوی کہتے ہیں دونوں ہاتھوں کو اٹھانا اپنے رب کی طرف کہ ان کا اندرونی حصہ اپنے منہ کی طرف رہے اور پھر کہنا اے رب اے رب اور جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ ابن مبارک کے علاوہ دوسرے راوی اس حدیث میں یہ کہتے ہیں (مَنْ لَّمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَهُوَ خِدَاجٌ) جو اسطرح نہ کرے اس کی نماز ناقص ہے امام ترمذی کہتے ہیں میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا ہے کہ شعبہ نے یہ حدیث عبد ربہ سے روایت کرتے ہوئے کئی جگہ غلطی کی ہے اور کہا کہ روایت ہے انس بن ابوانس سے حالانکہ وہ عمران بن ابوانس ہیں دوسرا کہا روایت ہے عبداللہ بن حارث سے حالانکہ وہ دراصل عبداللہ بن نافع بن العمیاء ہیں کہ وہ روایت کرتے ہیں ربیعہ بن حارث سے تیسرے انہوں نے کہا شعبہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن حارث سے وہ مطلب سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دراصل روایت ہے ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب سے وہ روایت کرتے ہیں فضل بن عباس سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امام محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں کہ

وَحَدِیْثُ اللَّیْثِ بْنِ سَعْدٍ أَصَحُّ مِنْ حَدِیْثِ شُعْبَةَ. حدیث لیث بن سعد شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: تشهد فی کل رکعتین: ہر دو رکعات پر تشہد ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تہجد پڑھنے والے حضرات دو رکعات کے بعد تشہد پڑھ لیا کریں یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا کریں جیسا کہ یہ مسئلہ آگے آئے گا کہ نفل نماز ایک سلام سے چار رکعتیں پڑھنا افضل ہے یا دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے دو رکعات کی افضلیت کے قائلین اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

و تخشع و تضرع و تمسکن و تقنع یدیك: خشوع اور خضوع یہ دونوں لفظ مشہور ہیں خشوع وخضوع کسے کہتے ہیں؟

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ مترادف ہیں دونوں کے معنی عاجزی اور بندگی کے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ خشوع اقرب ہے خضوع سے۔ ابن الاثیر الجزری نے کہا کہ خشوع کا تعلق صوت اور بصر کے ساتھ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے **"وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا همسًا"** دوسری آیات میں ہے **"أبصارهم خاشعة" "خشعًا ابصارهم"**۔ بعض حضرات نے کہا کہ خشوع کا تعلق قلب سے ہے جیسا کہ قرآن پاک میں **"تخشع قلوبهم"** اور خضوع کا تعلق بدن کے ساتھ ہے۔ قرآن پاک کی آیت **"فظلت اعناقهم لها خاضعين" "فلا تخضعن بالقول"**۔ الحاصل یہ الفاظ قرآن میں مستعمل ہوئے ہیں۔ خشوع بصر، قلب، صوت کے ساتھ مستعمل ہوا۔ اور خضوع اعناق اور قول کے ساتھ مستعمل ہوا۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۷۰۔۴۷۱)

خلاصہ یہ ہوا کہ خشوع وخضوع کا استعمال کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان میں عموم ہے۔ مزید آسانی سے سمجھیں کہ خشوع وخضوع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق قلب کیساتھ ہے اس کا حکم استحباب کے درجہ میں ہے کیونکہ فعل قلب افعال اختیاریہ میں سے نہیں ہے۔ عرف میں قلب کے خشوع کو گڑ گڑانا کہا جاتا ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ ﷺ جب تہجد کی نماز میں تلاوت فرمایا کرتے تھے تو آپ ﷺ کے اندر سے ہانڈی کے کھولنے کی آواز نکلتی تھی اس کو خشوع کہتے ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے یہ انسان کے اختیار میں ہے اس لئے یہ خشوع وخضوع واجب ہے۔ پہلی قسم کو صوفیاء کرام ذکر کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم کو فقہاء کرام ذکر کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں ظاہر کے ساتھ احکام کا تعلق ہوتا ہے۔

و تقنع یدیك: یہ اقناع سے ہے ہاتھوں کو بلند کرنا پھر فرمایا کہ نماز سے فراغت کے بعد دونوں ہاتھ بارگاہ خداوندی میں اٹھاؤ اور خوب گڑ گڑا کر دعا مانگو یہ دعا مانگنا نماز کا مغز ہے۔ لہٰذا جو شخص نماز کے بعد دعا نہ مانگے اس کی نماز خاک ہے۔

اس لفظ سے بعض حضرات نے موجودہ زمانہ میں فرائض کے بعد ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے پر استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال تام نہیں کیونکہ یہ دعا ہیئت اجتماعیہ کے لئے نہیں۔ البتہ کوئی شخص نوافل سے فارغ ہونے کے بعد دعا مانگنا چاہے تو ہاتھ اٹھا کر اکیلے خوب مانگ سکتا ہے انفرادی حالت میں ممانعت نہیں نوافل کے بعد اجتماعی حالت میں دعا مانگنے کی ممانعت ہے۔

قال ابو عیسٰی: فهي خداج ، خداج کا لفظ نماز میں مندوب کے ترک پر بولا جاتا ہے۔ لہٰذا خداج کے لفظ سے نماز میں سورۂ فاتحہ کی فرضیت کے قائلین کا استدلال ضعیف ہے۔ جیسا کہ یہاں لفظ خداج سے نماز کی نفی مقصود نہیں تو وہاں پر سورۂ فاتحہ کے

ترک پر خداج کے لفظ سے انتفاء صلوٰۃ مقصود نہیں ہوگی۔ اس کی تفصیل ماقبل میں بیان ہو چکی ہے۔

قال ابو عیسٰی سمعت محمد بن اسماعیل: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ شعبہ نے اس حدیث کو عبدربہ سے نقل کرتے ہوئے سند میں تین غلطیاں کی ہیں۔ ① انہوں نے استاذ الاستاذ کا نام انس بن ابی انس لیا ہے جبکہ صحیح نام عمران بن انس ہے۔ ② دوسری غلطی یہ کی کہ راوی کا نام عبداللہ بن حارث بتایا ہے جبکہ صحیح نام عبداللہ بن نافع بن العمیاء ہے۔ ③ شعبہ نے صحابی کا نام "مطلب" بتایا ہے جبکہ راوی حدیث فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں پھر امام بخاریؒ نے فرمایا کہ امام لیثؒ کی سند امام شعبہ کی سند سے اصح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّشْبِيكِ بَيْنَ الْأَصَابِعِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ رَجُلٍ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَإِنَّهُ فِي صَلَاةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ مِثْلَ حَدِيثِ اللَّيْثِ وَرَوَى شَرِيكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا الْحَدِيثِ وَحَدِيثُ شَرِيكٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ.

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اچھی طرح وضو کرے اور پھر مسجد کا ارادہ کر کے نکلے تو ہرگز اپنی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے اس لئے کہ وہ نماز میں ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو کئی راویوں نے ابن عجلان سے لیث کی حدیث کے مثل نقل کیا ہے اور شریک محمد بن عجلان سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی حدیث کے مثل روایت کرتے ہیں اور شریک کی حدیث غیر محفوظ ہے۔

تشریح: تشبیک بین الاصابع: ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنا۔ چند مواقع ہیں جن میں تشبیک منع ہے۔ ① **الکراھۃ حالۃ السعی الی الصلوٰۃ** کہ جب وضو کر کے نماز کے ارادے سے چلے اس دوران تشبیک ممنوع ہے۔ ② **و کرہ فرقۃ الاصابع و تشبیکھا ولو منتظر الصلوٰۃ** جب مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھا ہو اس وقت بھی تشبیک مکروہ ہے۔ یا وہ نماز کے لئے جا رہا ہو تو پھر بھی تشبیک مکروہ ہے۔ اس کا ذکر پہلی صورت میں گزر چکا ہے۔ ③ **کراھیۃ التشبیک فی الصلوٰۃ** نماز کے اندر تشبیک الاصابع مکروہ ہے۔ پہلی دو صورتوں میں کراہت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ حقیقۃً نماز میں داخل تو نہیں لیکن حکماً نماز میں داخل ہے لیکن تیسری صورت میں وہ حقیقۃً نماز میں داخل ہے۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۷۵)

کراہت کی وجہ اور سبب کیا ہے؟ بعض حضرات نے کہا کہ یہ مکروہ ہے جیسا کہ بالوں کے ساتھ کھیلنا، اشتمال الصماء والاحتباء مکروہ ہے۔ بعض نے کہا کہ اشتباک اور احتباء نوم کو کھینچتا ہے اس لئے اس سے منع فرمایا۔

بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے أن تشبيك اليد كناية عن ملابست الخصومات والخوض فيها

تشبیک کنایہ ہے اختلاف اور خصومات میں پڑنے سے۔ جبکہ یہ تینوں مواقع اتفاق کے ہیں۔

عن رجل: امام ترمذیؒ کی اس روایت میں یہ رجل مبہم ہے ایسا ہی امام احمدؒ، ابوداؤد اور دارمی نے ذکر کیا ہے۔

امام بیہقی نے السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۲۳۰ کتاب الجمعہ میں رجل مجہول کا نام "عن ابی ثمامة الحناط عن کعب" ذکر کیا ہے۔ ابوثمامہ کے بارے میں صاحب المیز ان نے کہا کہ ان کے بارے میں ہم نہیں جانتے جبکہ ابن حبان نے ثقات میں کہا ہے کہ یہ تابعی کبیر حجازی ہیں۔ حافظ الدولابی نے "الکنیٰ" میں ذکر کیا ہے کہ ابوثمامہ دو ہیں۔ ① محمد بن مسلم۔ ② ملت بن امیہ۔ اور یہ دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں یہاں کون مراد ہیں؟ اس کے بارے میں کسی نے حتمی فیصلہ نہیں دیا۔

مسند احمد، بیہقی اور طیالسی میں اس طرح روایت ہے **عن مولى لبني سالم عن ابيه عن كعب.**

بیہقی کے بعض طرق میں اس طرح روایت ہے **عن رجل من بني سليم عن ابيه عن كعب.**

امام احمدؒ کی ایک روایت میں اس طرح سند ذکر کی گئی ہے **عن بعض بني كعب بن عجرة عن كعب.**

طیالسی کی روایت میں سند یوں ہے **عن موسى الهلالي عن ابيه عن كعب.**

بہر حال ان تمام روایات میں رجل مبہم کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ آخری سند میں موسیٰ ہلالی سے مراد ابن مطیر ہیں كما في الميزان ولسان الميزان وهو ضعيف اور وہ ضعیف ہیں۔ لیکن یہ ضعف اس کیلئے مضر نہیں کیونکہ یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے جس کی تخریج امام احمدؒ نے اپنی مسند جلد ۴ ص ۲۴۳ میں ذکر کی ہے **عن شريك بن عبد الله عن محمد بن عجلان عن المقبري عن كعب بن عجرة.** اس سے رجل مبہم والا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۴۷۷)

دوسری سند امام بیہقی نے السنن الکبریٰ میں ذکر کی ہے **من طريق عبد الرحمن بن ابي ليلى عن كعب بن عجرة۔**

ان تمام اسناد کا خلاصہ یہی ہوا کہ اگر یہاں رجل مجہول معلوم نہیں تو ہم اس سند کو چھوڑ کر دوسری سند لے لیں گے تاکہ اعتراض نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طُولِ الْقِيَامِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طُولُ الْقُنُوتِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ حُبْشِيٍّ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لمبے قیام والی نماز۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن حبشی اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حدیث کئی طرق سے حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔

تشریح: طول القنوت: قنوت کے متعدد معانی ہیں جیسا کہ طاعت، خشوع، صلوٰۃ، دعاء، عبادت، قیام، طول، قیام، سکوت ہیں۔ جمہور حضرات نے قنوت کو قیام کے معنی میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ: طول قیام افضل ہے یا کثرت رکعات وکثرت سجود؟ یہ اختلاف جواز اور عدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ اور غیر اولیٰ، افضل اور غیر افضل کا ہے اس بات پر اتفاق ہے کہ طول قیام بھی ہو اور کثرت رکوع اور سجود بھی ہو یہ افضل ترین صورت ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ صرف طول قیام ہو اور ایک صورت یہ ہے کہ صرف کثرت سجود ہو ان دو میں سے افضل کونسا ہے؟ اس میں ائمہ مجتہدین کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طول قیام افضل ہے کثرت رکعات سے امام صاحب سے ایک روایت کثرت رکوع اور کثرت سجود کی افضلیت کے بارے میں ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک کثرت رکوع وسجود افضل ہے کثرت رکعات سے اور ایک روایت میں ان کے نزدیک بھی طول قیام افضل ہے۔

قول ثالث: امام ابو یوسفؒ، اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک دن میں تکثیر رکعات (کثرت رکوع وسجود) افضل ہے اور رات میں طول قیام افضل ہے گویا انہوں نے تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے۔

قول رابع: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ کی دلیل اول: آنے والا باب "**باب ما جاء فی کثرۃ الرکوع والسجود**" میں حضرت ثوبان کی روایت ہے **لقیت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ فقلت لہ دلنی علی عمل ینفعنی اللہ بہ ویدخلنی اللہ الجنۃ فسکت عنی ملیا ثم التفت الی فقال: علیک بالسجود فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ما من عبد یسجد للہ سجدۃً الا رفعہ اللہ بہا درجۃ وحط عنہ بہا خطیئۃً.**

جواب اوّل: یہاں سجدہ بول کہ پوری نماز مراد لی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیت **وارکعوا مع الراکعین** میں رکوع بول کر پوری نماز مراد لی ہے۔ **جواب ثانی:** یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مسلک پر صریح نہیں۔

دلیل ثانی: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد (مسلم)** اسی طرح دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی روایات موجود ہیں مثلاً حضرت ابو الدرداء کی روایت ہے۔

جواب: علامہ شوکانیؒ نے جواب دیا کہ **افعل التفضیل** کا صیغہ صرف طول قیام کے باب میں وارد ہے رکوع وسجود کی صرف فضیلت وارد ہے فضیلت سے افضلیت لازم نہیں آتی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے **عن جابر قال قیل للنبی ﷺ ای الصلوٰۃ افضل قال طول القنوت.** قنوت سے بالاتفاق قیام مراد ہے۔

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن حبشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے **وفی الباب** کے عنوان سے اشارہ کیا ہے

ان النبی ﷺ سئل ای الاعمال افضل فقال طول القیام. آپ ﷺ سے افضل عمل کے بارے میں پوچھا گیا تو جواب میں فرمایا نماز میں طول قیام سب سے افضل عمل ہے۔

دلیل ثالث: احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ کثرت سجود ورکوع کے بجائے طول قیام فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم ہوتا ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب آپ سجدے میں آتے تو میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب قیام کرتے تو میں پاؤں پھیلا دیتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام لمبا ہوتا تھا اور رکوع وسجود زیادہ نہیں ہوتے تھے۔

دلیل رابع: یہ دلیل عقلی ہے کہ قیام میں قراءت قرآن ہوتی ہے اور رکوع وسجود میں تسبیح ہوتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ قراءت تسبیح سے افضل ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ قیام بھی افضل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَثْرَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي الْوَلِيدُ بْنُ هِشَامٍ الْمُعَيْطِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي مَعْدَانُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيُّ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَهُ دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ يَنْفَعُنِي اللهُ بِهِ وَيُدْخِلُنِي اللهُ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ عَنِّي مَلِيًّا ثُمَّ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالسُّجُودِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً قَالَ مَعْدَانُ فَلَقِيتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ عَمَّا سَأَلْتُ عَنْهُ ثَوْبَانَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِالسُّجُودِ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي فَاطِمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ثَوْبَانَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ فِي كَثْرَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ طُولُ الْقِيَامِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنْ كَثْرَةِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

حضرت ولید بن ہشام معیطی فرماتے ہیں کہ معدان بن ابی طلحہ یعمری ہم سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور پوچھا مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع بخشے اور جنت میں داخل فرمائے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا سجدہ لازم پکڑو میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے جب کوئی شخص اللہ کیلئے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کے سبب اس کا ایک درجہ بلند کرتا اور ایک گناہ مٹا دیتا ہے معدان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے بھی یہی سوال کیا جو حضرت ثوبان سے کیا تھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ سجدہ لازم پکڑو اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی ارشاد سنایا جو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے بتایا تھا کہ جو بھی شخص اللہ کیلئے سجدہ کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور ایک گناہ مٹا دیتے ہیں۔ اس باب مین حضرت ابوہریرہ اور ابو فاطمہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت منقول ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ثوبان اور ابودرداء رضی اللہ عنہما کی حدیث کثرت سجود کے بارے میں حسن صحیح ہے اس

وَ قَالَ بَعْضُهُمْ كَثْرَةُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ أَفْضَلُ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ وَ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا حَدِيثَانِ وَلَمْ يَقْضِ فِيهِ بِشَيْءٍ وَ قَالَ إِسْحٰقُ أَمَّا بِالنَّهَارِ فَكَثْرَةُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَأَمَّا بِاللَّيْلِ فَطُولُ الْقِيَامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ لَهُ جُزْءٌ بِاللَّيْلِ يَأْتِي عَلَيْهِ فَكَثْرَةُ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ فِي هٰذَا أَحَبُّ إِلَيَّ لِأَنَّهُ يَأْتِي عَلَى جُزْئِهِ وَقَدْ رَبِحَ كَثْرَةَ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَإِنَّمَا قَالَ إِسْحٰقُ هٰذَا لِأَنَّهُ كَذَا وُصِفَ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ وَوُصِفَ طُولُ الْقِيَامِ وَأَمَّا بِالنَّهَارِ فَلَمْ تُوصَفْ مِنْ صَلَاتِهِ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ مَا وُصِفَ بِاللَّيْلِ

مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک قیام طویل افضل ہے جبکہ بعض رکوع وسجود کی کثرت کو افضل قرار دیتے ہیں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے دونوں قسم کی روایات مروی ہیں چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیا امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ دن کو لمبا قیام اور رات کو کثرت سے رکوع وسجود افضل ہیں سوائے اسکے کہ کسی شخص نے عبادت کیلئے رات کا کچھ حصہ مقرر کر رکھا ہو پس میرے نزدیک اس میں رکوع وسجود کی کثرت افضل ہے کیونکہ وہ وقت معینہ بھی پورا کرتا ہے اور رکوع وسجود کی کثرت سے مزید نفع بھی حاصل کرتا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام اسحاقؒ نے یہ بات اس لئے کہی کہ نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز اسی طرح بیان کی گئی کہ آپ ﷺ رات کو لمبا قیام فرماتے لیکن دن کو طویل قیام کے بارے میں آپ ﷺ سے کچھ منقول نہیں۔

تشریح: یہ دونوں ابواب ملتے جلتے ہیں پہلے باب میں طویل قیام کا تذکرہ تھا اسی باب میں کثرت سجود کا تذکرہ ہے۔ اسکی افضلیت کے متعلق اختلافی مسئلہ پچھلے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اس باب میں ایک حدیث کا بیان ہے جسکی کچھ وضاحت مطلوب ہے۔

حضرت معدان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ مولی رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سے پوچھا کہ مجھے ایسے عمل کی طرف رہنمائی فرمائیں جس سے مجھے فائدہ حاصل ہو اور اس کی وجہ سے مجھے جنت ملے تو حضرت ثوبان نے ارشاد فرمایا کہ کثرت سجود کو لازم پکڑو۔ حضرت معدان فرماتے ہیں کہ میں کچھ عرصہ رکا رہا پھر کچھ عرصے کے بعد میری ملاقات حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی میں نے بغیر کسی توقف کے یہی سوال ان سے کیا تو انہوں نے مجھے یہی جواب دیا جو حضرت ثوبانؓ نے دیا تھا اور انہوں نے وہی حدیث سنائی جو حضرت ثوبان نے سنائی تھی۔ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی سائل کا مقصد کسی عالم کا امتحان لینا مقصود ہو تو یہ جائز نہیں اور کبھی سائل کا مقصود اس مسئلہ میں آسانی تلاش کرنا تو یہ بھی جائز نہیں۔ البتہ پہلے ایک عالم سے مسئلہ پوچھنا پھر اس مسئلہ پر دل مطمئن نہ ہو تو پھر دل کے اطمینان کے لئے دوسرے سے پوچھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں حدیث میں حضرت معدان نے دوبارہ مسئلہ اس نیت سے پوچھا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس پر کوئی اور عمل بتلائیں اور میں اس پر عمل کروں تاکہ ثواب زیادہ حاصل ہو اسے تنافس کہتے ہیں۔ نیکی کے کام میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنا یہ مطلوب اور مستحسن کام ہے۔

قال ابو عیسٰی حدیث ثوبان وابو الدرداء: یہاں امام ترمذیؒ ائمہ کرام کے اقوال کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جن کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے۔ ان اقوال میں امام ترمذیؒ نے امام اسحاق بن راہویہؒ کے قول کو پسند کیا ہے کہ دن میں کثرت رکعات اور رات میں طول قیام افضل ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے صلوٰۃ اللیل کے لئے کچھ وقت مخصوص کیا ہو تو رات میں بھی تطویل قیام کے

بجائے تکثیر رکعات افضل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بات قیاس کے موافق بھی ہے کہ بندہ اگر دن میں لمبی قراءت کرے گا تو طبیعت ساتھ نہیں دے گی جبکہ رات کے وقت مزاج میں انبساط ہوتا ہے۔ لہٰذا رات کے نوافل میں طول قنوت افضل ہے۔

البتہ امام احمدؒ نے ان دونوں احادیث کے بارے میں صرف اتنی بات کہی ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں مگر اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

قال ابو عیسیٰ وانما قال اسحاق هذا: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بات وہی ہے جو حضرت اسحاق بن راہویہؒ نے کہی ہے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کی رات کی نماز کی یہی کیفیت بیان کی گئی ہے کہ رات میں طول قیام کرتے تھے اور دن کے نوافل میں طول قیام نہیں کرتے تھے اس لئے دن کے نوافل میں طول قیام کا حکم نہیں دیا گیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلِ الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلٰوةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ ضَمْضَمِ بْنِ جَوْسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْأَسْوَدَيْنِ فِي الصَّلَاةِ الْحَيَّةُ وَالْعَقْرَبُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي رَافِعٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَتْلَ الْحَيَّةِ وَالْعَقْرَبِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ إِبْرَاهِيمُ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں دو سیاہ چیزوں بچھو اور سانپ کو مارنے کا حکم دیا اس باب میں حضرت ابن عباس اور ابو رافع رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے البتہ بعض علماء کے نزدیک نماز میں سانپ اور بچھو کو مارنا مکروہ ہے ابراہیم نے فرمایا نماز میں شغل ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اسودین: اس سے مراد سانپ اور بچھو ہیں۔ اسودین اغلب کی بناء پر کہا گیا ہے ورنہ بعض سانپ ڈبل رنگ کے ہوتے ہیں اور بعض سانپ سفید ہوتے اور بعض سفید اور کالے رنگ کے ہوتے ہیں چونکہ سانپ اکثر کالا ہوتا ہے تو اس اعتبار سے اسودین کہا گیا۔ یا اسودین اس اعتبار سے کہا گیا کہ یہ اکثر رات کے وقت اندھیرے میں نکلتے ہیں اور نقصان پہنچاتے ہیں۔ بہر حال اغلباً ان کو اسودین کہا گیا.... نیز ان دونوں کو نماز میں قتل کرنا جائز ہے سانپ جیسا بھی ہو اسکو قتل کر سکتے ہیں جیسا کہ امام طحاویؒ نے فرمایا **لا بأس بقتل الکل**. کیونکہ آپ ﷺ نے جنوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے گھروں میں داخل نہیں ہونگے اور اپنے آپ کو گھر میں ظاہر نہیں ہونے دینگے۔ اگر وہ کسی شکل میں اپنے آپ کو ظاہر کردینگے تو گویا انہوں نے اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔ لہٰذا انکے بارے میں کوئی ذمہ باقی نہیں رہے گا۔ اسی کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ **ویستوی جمیع انواع الحیات هو الصحیح**. البتہ فقیہ ابو جعفر الہندوانی نے سفید سانپ کو مارنے سے منع کیا ہے کہ یہ سانپ اس حکم سے مستثنیٰ

ہے اسکا نام جنیۃ ہے۔ لقولہ علیہ السلام اُقتلوا ذا الطفیتین والابتر وایاکم والحیۃ البیضاء فانہا من الجن۔

اس حدیث کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حکم نماز کے علاوہ کا ہے اگر یہ تمہیں گھر میں نظر آئیں تو ان کو ڈراؤ اور عہد یاد دلاؤ پھر اگر گھر سے نہ نکلیں تو مارو۔

بعض حضرات نے کہا سفید سانپ کو مارنے سے رکنا تب ہے جب اس میں جن ہونے کی علامت موجود ہو کیونکہ اگر وہ جن ہوا تو ضرر کا اندیشہ ہے، لہٰذا اس حدیث سے اس کے نہ مارنے کی حرمت کا بیان نہیں **فلیفھم**۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۸۳)

دوران نماز اسودین کے قتل کا حکم: نماز کے دوران اگر کسی نے ان دونوں کو دیکھ لیا تو حدیث میں ہے کہ دوران نماز ان کو مار دے اگر ان کو چھوڑ دیا جائے گا تو وہ کسی سوراخ میں گھس جائیں گے اور بعد میں نقصان پہنچائیں گے۔ حدیث شریف میں صرف اتنا ہی ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ان کو مارنے سے نماز باقی رہے گی یا نہیں؟ اب ظاہر ہے بچھو تو ایک ضرب سے مٹی ہو جائے گا البتہ سانپ کو مارنے کے لئے کئی ضربوں کی ضرورت ہوگی تو پھر نماز کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: شمس الائمہ سرخسیؒ مبسوط میں فرماتے ہیں کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی اگر چہ ان کے مارنے میں عمل کثیر بھی ہو جائے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک ان دونوں کو نماز میں قتل کرنا جائز ہے اگر عمل قلیل سے ان کو مارا گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر عمل کثیر کے ساتھ مارا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

قول ثالث: ابراہیم نخعیؒ کا قول یہ ہے کہ **ان فی الصلوۃ لشغلا** بے شک نماز میں مشغولیت ہے اب اس جملہ کے دو مطلب ہیں۔

اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ نماز کے افعال و اعمال طے شدہ ہیں ان کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا جائز نہیں۔ لہٰذا ان کو مارنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز میں ان دونوں کو مارنا نہیں چاہیے بلکہ نماز کے کاموں میں مشغول رہنا چاہیے پھر اس صورت میں ان کا قول اوّل اصح ہے۔

بعض حضرات نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کی طرف سے ضرر کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ دے اور پھر ان کو قتل کر دے۔

بعض احناف کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اگر عمل قلیل سے قتل کیا جا سکے تو قتل کر سکتا ہے اور اگر عمل کثیر ہو تو پھر جائز نہیں۔ بہر حال احناف کا محقق قول یہ ہے کہ عمل قلیل ہو یا کثیر دوران نماز قتل کر سکتا ہے۔

پھر سوال ہوگا کہ عمل کثیر سے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت بنص شرعی مستثنیٰ ہے جیسا کہ کسی شخص کا نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو نص شرعی کی وجہ سے اس کے لئے چلنا پھرنا، انصراف عن القبلہ جائز ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اگر چہ ان دونوں کو مارنے سے عمل کثیر لازم آئے گا مگر یہ مفسد صلوۃ نہیں ہوگا۔ نیز یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب وہ سانپ قریب سے جا رہا ہو اگر وہ دور سے جا رہا ہو ضرر کا اندیشہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے پیچھے دوڑنا جائز نہیں۔

واضح رہے کہ اگر سانپ کو مارتے وقت عمل کثیر سے نماز ٹوٹ بھی جائے تو نماز کے بطلان کا گناہ نہیں ہوگا کیونکہ ان کو مارنے کے لئے عذر شرعی موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قال ابو عیسٰی: امام ترمذیؒ نے چند ائمہ کرام کے اقوال کی طرف اشارہ کیا ہے ابراہیم نخعیؒ کا قول ان فی الصلاۃ لشغلا کی

وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ والقول الاوّل اصح کی وضاحت بھی گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْأَعْرَجِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْأَسَدِيِّ حَلِيفِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ وَعَلَيْهِ جُلُوسٌ فَلَمَّا أَتَمَّ صَلَاتَهُ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ وَهُوَ جَالِسٌ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ وَسَجَدَهُمَا النَّاسُ مَعَهُ مَكَانَ مَا نَسِيَ مِنَ الْجُلُوسِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى وَأَبُو دَاوٗدَ قَالَا حَدَّثَنَا هِشَامٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَالسَّائِبَ الْقَارِيَّ كَانَا يَسْجُدَانِ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ بُحَيْنَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ يَرٰى سُجُوْدَ السَّهْوِ كُلَّهُ قَبْلَ السَّلَامِ وَيَقُوْلُ هٰذَا نَاسِخٌ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْأَحَادِيثِ وَيَذْكُرُ أَنَّ آخِرَ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلٰى هٰذَا وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنَّهُ يَسْجُدُ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ عَلٰى حَدِيثِ ابْنِ بُحَيْنَةَ وَعَبْدُ اللهِ ابْنُ بُحَيْنَةَ هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَالِكٍ ابْنُ بُحَيْنَةَ مَالِكٌ أَبُوهُ وَبُحَيْنَةُ أُمُّهُ هٰكَذَا أَخْبَرَنِي إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمَدِينِيِّ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ مَتٰى يَسْجُدُهُمَا الرَّجُلُ قَبْلَ السَّلَامِ أَوْ بَعْدَهُ فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يَسْجُدَهُمَا بَعْدَ السَّلَامِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ

حضرت عبداللہ بن بحسینہ اسدی حلیف بنی عبدالمطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر میں تشہد اول کی بجائے کھڑے ہو گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پوری کر چکے تو سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے دو سجدے کئے اور ہر سجدے میں تکبیر کہی لوگوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سجدے کئے اور یہ سجدے قعدہ اولیٰ کے بدلے میں تھے جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھول گئے تھے۔ اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہیں۔ محمد بن بشار، عبدالاعلیٰ، ابوداؤد سے ہشام سے یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ محمد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سائب القاری سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کیا کرتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ ابن بحسینہ کی حدیث حسن ہے اور بعض علماء کا اسی پر عمل ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرے ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم دوسری احادیث کے لئے ناسخ کا درجہ رکھتا ہے اور مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری فعل یہی تھا امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص دو رکعتوں کے بعد تشہد پر بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے تو سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یعنی ابن بحسینہ کی حدیث کے مطابق اور عبداللہ بن بحسینہ یہ عبداللہ بن مالک بن بحسینہ ہیں مالک انکے والد اور بحسینہ انکی والدہ ہیں امام ترمذی کہتے ہیں مجھے اسحاق بن منصور سے بواسطہ علی بن مدینی اسی طرح معلوم ہوا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سجدہ سہو سلام کے بعد کیا

وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وقَالَ بَعْضُهُمْ يَسْجُدُهُمَا قَبْلَ السَّلَامِ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مِثْلِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَرَبِيعَةَ وَغَيْرِهِمَا وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا كَانَتْ زِيَادَةٌ فِي الصَّلَاةِ فَبَعْدَ السَّلَامِ وَإِذَا كَانَ نُقْصَانًا فَقَبْلَ السَّلَامِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ و قَالَ أَحْمَدُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ فَيُسْتَعْمَلُ كُلٌّ عَلَى جِهَتِهِ يَرَى إِذَا قَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ عَلَى حَدِيثِ ابْنِ بُحَيْنَةَ فَإِنَّهُ يَسْجُدُهُمَا قَبْلَ السَّلَامِ وَإِذَا صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَإِنَّهُ يَسْجُدُهُمَا بَعْدَ السَّلَامِ وَإِذَا سَلَّمَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَإِنَّهُ يَسْجُدُهُمَا بَعْدَ السَّلَامِ وَكُلٌّ يُسْتَعْمَلُ عَلَى جِهَتِهِ وَكُلُّ سَهْوٍ لَيْسَ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذِكْرٌ فَإِنَّ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ و قَالَ إِسْحٰقُ نَحْوَ قَوْلِ أَحْمَدَ فِي هٰذَا كُلِّهِ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ كُلُّ سَهْوٍ لَيْسَ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذِكْرٌ فَإِنْ كَانَتْ زِيَادَةٌ فِي الصَّلَاةِ يَسْجُدُهُمَا بَعْدَ السَّلَامِ وَإِنْ كَانَ نُقْصَانًا يَسْجُدُهُمَا قَبْلَ السَّلَامِ.

جائے یا سلام سے پہلے بعض اہل علم کے نزدیک سجدہ سلام کے بعد کیا جائے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے اور یہ اکثر فقہائے مدینہ کا قول ہے جیسے یحیٰی بن سعید اور ربیعہ وغیرہ۔امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ اگر نماز میں زیادتی ہو تو سلام کے بعد اور اگر نماز میں کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا جائے گا یہ مالک بن انسؒ کا قول ہے اور اس صورت میں امام احمدؒ فرماتے ہیں سجدہ سہو کے متعلق جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اسی پر عمل کیا جائیگا انکے نزدیک اگر دو رکعتوں کے بعد تشہد میں بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے ابن بحینہ کی حدیث کے مطابق تو اس صورت میں سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے گا اور اگر ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھ لے تو سجدہ سہو سلام کے بعد کرے اور اگر ظہر یا عصر کی نماز میں دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیر لیا تو سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو کرے پس جو جس طرح نبی کریم ﷺ سے مروی ہے اس پر عمل کیا جائے اسحاق بھی امام احمد کے قول ہی کے قائل ہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں سجدہ سہو کے متعلق آپ ﷺ سے کوئی روایت نہیں وہاں دیکھا جائے اگر نماز میں زیادتی ہو تو سلام کے بعد اور اگر کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے۔

تشریح: وَإِذَا صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا: اس حدیث سے یہ بات تو معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھ لیں البتہ یہ بات اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی کہ آپ ﷺ نے قعدہ اخیرہ کیا تھا یا نہیں۔

اس وجہ سے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پانچویں رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے خواہ قعدہ اخیرہ کیا ہو یا نہ کیا ہو سجدہ سہو ہر حال میں ہوگا۔

امام صاحبؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر پانچویں رکعت کیلئے قعدہ اخیرہ کے بغیر کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کو رکوع اور سجود کے ساتھ ملانے سے پہلے پہلے واپس آ سکتا ہے اور سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے تو نماز صحیح ہو جائے گی لیکن اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ ملا لیا تو پھر پانچویں رکعت کے ساتھ ساتھ چھٹی رکعت بھی ملائے اور یہ نفل ہو جائیں گے ان دو رکعتوں کے ساتھ چار رکعت بھی نفل بن جائیں گے۔

اختلاف سے قبل یہ بات سمجھ لیں کہ آپ ﷺ کو چار مقامات پر سجدہ سہو ہوا تھا۔

① آپ ﷺ چار رکعتوں والی نماز میں پہلی دو رکعتوں کے بعد بغیر تشہد کے کھڑے ہو گئے تھے۔
② آپ ﷺ نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر لیا تھا۔
③ آپ ﷺ چار رکعت نماز پڑھ کر پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔
④ دوران قراءت آپ ﷺ سے ایک آیت رہ گئی تھی۔

پہلی صورت کا ذکر حدیث الباب حضرت بحینہ والی حدیث میں ہے۔ اور دوسری صورت کا ذکر حدیث ذوالیدین میں ہے۔ اور تیسری صورت کا ذکر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے یہ تینوں روایات صحاح میں موجود ہیں۔ اور امام ترمذیؒ نے ان کی تخریج فرمائی ہے۔ چوتھی صورت علامہ انور شاہ صاحب نے ذکر فرمائی ہے جو ابوداؤد میں مسور بن یزید اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے۔ بعض حضرات نے پہلی تین صورتوں کے ساتھ دو صورتیں اور ملائی ہیں۔

اوّل: السجود علی الشك جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

ثانی: رباعی رکعات والی نماز میں تین رکعت پر سلام پھیرا جیسا کہ عمران بن حصین کی روایت ہے یہ کل پانچ صورتیں ہو گئیں۔

اس اختلاف کا جواب یہ ہے کہ بعض نے کہا کہ قصہ ذوالیدین والی حدیث اور عمران بن حصین والی حدیث الگ الگ ہیں یا ایک ہیں راجح قول یہی ہے کہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (معارف السنن جلد ۳ ص ۴۸۶)

مسئلہ: سجدہ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام؟ اس مسئلے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً سجدہ سہو قبل السلام ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک القاف بالقاف والدال وبالدال ہے اگر نماز میں نقصان کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوا ہو تو سلام پھیرنے سے پہلے ادا کیا جائے گا اور اگر نماز میں زیادتی کی وجہ سے سجدہ سہو واجب ہوا ہے تو بعد السلام سجدہ سہو واجب ہوگا۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مسنون عمل کیا جائے جہاں قبل السلام مروی ہے وہاں قبل السلام اور جہاں بعد السلام مروی ہے وہاں بعد السلام ہوگا۔

قول رابع: امام ابوحنیفہؒ، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقاً بعد السلام ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن بحینہؓ کی روایت ہے: **ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام في صلوٰة الظهر و عليه جلوس فلما اتما صلوته سجد سجدتين يكبر في كل سجدتين او جالس قبل ان يسلم و سجدها الناس معه مكان ما نسي من الجلوس مسلم جلد ١ ص ٢١١ فصل اذا نسي الجلوس في ركعتين فليسجد سجدتين قبل ان يسلم**

کہ آپ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کے بعد نہیں بیٹھے آخر میں "**فسجد سجدتين قبل ان يسلم**" سلام سے قبل دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔

دلیل ثانی: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم شریف میں ہے "**ثم يسجد سجدتين قبل ان يسلم**"۔

شوافع کے دلائل کا جواب اوّل: سجدہ سہو قبل السلام والی احادیث بیان جواز پر محمول ہیں اور بعد السلام والی احادیث بیان اولویت پر محمول ہیں مسئلہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ **جواب ثانی:** احادیث قبل السلام میں سلام سے مراد سلام فراغت ہے۔

جواب ثالث: یہ روایات مجمل ہیں اس میں یہ وضاحت نہیں کہ سجدہ سہو پہلے سلام سے پہلے ہوا ہے یا دوسرے سلام سے پہلے۔ لہٰذا اس احتمال کے بعد اس روایت سے استدلال درست نہیں۔

جواب رابع: احادیث قبل السلام اور احادیث بعد السلام میں تعارض ہے تو بعد السلام والی روایات راجح ہیں اور وجوہ ترجیح مندرجہ ذیل ہیں۔

① حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث قولی ہے اور سنداً اصح ہے جبکہ حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ مرسل ہے ② سجدہ سہو بعد از سلام نماز میں اضافہ ہے جبکہ سجدہ سہو قبل السلام اضافہ نہیں تو اضافہ والی روایت راجح ہے کیونکہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔

باقی سجدہ سہو سے قبل ایک سلام دائیں طرف ہے پھر بعد سجدہ سہو کے التحیات بھی ہے جیسا کہ آگے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے۔ **فسجد سجدتین ثم تشھد ثم سلّم** اس میں تشہد کا ذکر ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: حدیث ذی الیدین ہے، طحاوی شریف میں کچھ اضافہ کے ساتھ یوں الفاظ ہیں "**فقال له الخرباق: یا رسول اللہ انك صلیت ثلاثا قال فجاء فصلی رکعة ثم سلم. ثم سجد سجدتی السھو ثم سلم**" اس حدیث میں سجدہ سہو تیسری رکعت کے بعد قعدہ کرنے کی وجہ سے کیا چونکہ یہ سجدہ نماز میں اضافے کی وجہ سے واجب ہوا تھا اس لئے سلام کے بعد کیا اور سجدہ سہو نماز میں نقصان کی صورت میں سلام سے قبل کریں گے اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن بحینہ کی روایت ہے جو امام شافعیؒ کی مستدل ہے۔

جواب: اس حدیث کے مقابلے میں بہت ساری روایات مروی ہیں اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: آنیوالے باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّی الظھر خمسا فقیل له ازید فی الصلوٰۃ ام نسیت، فسجد سجدتین بعد ما سلم قال ابو عیسیٰ ھٰذا حدیث حسن صحیح۔**

دلیل ثانی: ترمذی شریف کے علاوہ تمام صحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے **و اذا شك احدکم فی صلوته فلیتحر الصواب فلیتم علیه ثم یسلم ثم یسجد سجدتین.** (بخاری شریف جلد ا ص ۵۷۔۵۸)

دلیل ثالث: ترمذی شریف ماقبل میں ص ۴۷ **باب ما جاء فی الامام ینھض فی الرکعتین ناسیا** میں حضرت شعبیؒ کی روایت گزر چکی ہے۔ **قال صلی بنا المغیرة بن شعبة فنھض فی الرکعتین فسبح به القوم وسبح بھم فلما قضی صلوته سلم ثم سجد سجدتی السھو و ھو جالس ثم حدثھم أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل بھم مثل الذی فعل** اس میں سجدہ سہو بعد السلام کی صراحت ہے۔

دلیل رابع: ابوداؤد جلد اوّل ۱۴۸ **باب من نسی أن یتشھد وھو جالس** کی آخری حدیث حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم **قال لکل سھو سجدتین بعد ما یسلم۔** اس میں بھی سجدہ سہو بعد السلام کی صراحت ہے۔

اعتراض: اس دلیل پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کا مدار اسماعیل بن عیاش پر ہے جو کہ ضعیف راوی ہیں۔

جواب: اسماعیل بن عیاش حفاظ شام میں سے ہیں اور اس کے بارے میں پیچھے یہ قول گزر چکا ہے کہ ان کی روایات اہل شام سے مقبول ہیں غیر اہل شام سے مقبول نہیں۔ جبکہ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن عبید اللہ الکلاعی سے روایت کی ہے جو کہ رواۃ شام میں سے ہیں لہٰذا یہ حدیث مقبول ہوئی۔

دلیل خامس: سنن نسائی جلد اوّل ص ۱۸۵ باب التحری، کتاب السہو میں حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت مروی ہے **قال قال رسول اللہ ﷺ من شك فی صلوته فلیسجد سجدتین بعد ما یسلم۔**

دلیل سادس: ترمذی شریف میں آگے باب **ما جاء فی الرجل یسلم فی الرکعتین من الظهر والعصر** میں حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں بھی نبی کریم ﷺ کا عمل سجدہ سہو بعد السلام بتلایا گیا ہے اس میں یہ الفاظ مروی ہیں **فصلی اثنتین اخریین ثم سلم ثم کبر فسجد۔**

دلیل سابع: احناف کے دلائل میں دلائل قولی بھی ہیں اور دلائل فعلی بھی ہیں اس کے برخلاف ائمہ ثلاثہ کے دلائل صرف فعلی احادیث ہیں جو جواز پر محمول ہیں لہٰذا احناف کے دلائل راجح ہوں گے۔

دلیل ثامن: امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ بعد السلام سجدہ کرنے میں عبادت زیادہ ہے کیونکہ اس صورت میں تشہد دو بار پڑھنا پڑتا ہے پس اس صورت کو افضل قرار دینا اولیٰ ہے۔

قال ابو عیسٰی حدیث ابن بحینة: امام شافعیؒ کے نزدیک ان احادیث کے درمیان ناسخ ومنسوخ کی بات ذکر کرتے ہیں اور قبل السلام والی احادیث کو ناسخ قرار دیتے ہیں اس پر ان کے دو دلائل اور بھی ہیں۔

دلیل اوّل: ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے قبل السلام اور بعد السلام سجدہ کرنا مروی ہے اور آخری عمل قبل السلام سجدہ کرنے کا ہے۔

جواب: یہ حدیث امام زہریؒ کے مراسیل میں سے ہیں اور مراسیل زہری بالاتفاق ضعیف ہیں۔ یحییٰ قطان نے ان کے بارے میں فرمایا **شبهٌ لاشیءٌ۔**

دلیل ثانی: بعد التسلیم سجدہ سہو والی حدیث حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ کے قصہ سے مروی ہے اور وہ بھی شہدائے بدریین میں سے ہیں اور یہ واقعہ ۲ ہجری ابتدائے اسلام کا ہے۔

جواب: یہ مضبوط دلیل نہیں کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث میں بعد التسلیم سجدہ سہو کرنا ثابت ہے۔

مسئلہ: سجدہ سہو میں سلام ایک ہے یا دو؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: ایک ہی سلام ہے **"تلقاء وجه"** قبلہ کی طرف یہ فخر الاسلام بزدویؒ کا قول ہے اور یہی قول شیخ الاسلام خواہرزادہ وصاحب الایضاح وصاحب المحیط کا ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کا قول ہے کہ دو سلام ہیں دائیں اور بائیں جانب میں یہ عام مشائخ کا قول ہے اسی کو شمس الائمہ السرخسی

اور صدر الاسلام نے اختیار کیا ہے۔

قول ثالث: بعض حضرات کا قول ہے کہ ایک طرف سجدہ سہو کا سلام کریں گے فقط دائیں طرف یہ قول امام کرخیؒ کا ہے اور یہی قول امام نخعیؒ کا ہے۔ (معارف السنن)

مسئلہ: سجدہ سہو کے لئے علیحدہ سے تکبیر کہیں گے یا نہیں؟

قول اول: امام مالکؒ کے نزدیک سجدہ سہو کے لئے علیحدہ سے تکبیر تحریمہ کہیں گے پھر سجدہ کی تکبیر کہیں گے۔ (کمافی عمدۃ القاری)

امام مالکؒ دلیل یہ دیتے ہیں کہ قصہ ذوالیدین کے متعلق ہشام فرماتے ہیں **انه كبر ثم كبر وسجد (ابوداؤ، باب سجدة السهو جلد اوّل ص ۱۴۵)** جواب یہ ہے کہ یہ حماد بن زید کا تفرد ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ صرف سجدہ سہو کی تکبیر پر اکتفاء کرنا چاہیے تمام احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ مالکیہ حضرات نے جو زائد تکبیر کی قید لگائی ہے وہ مطلقاً نہیں لگائی بلکہ اس سجدہ سہو کی لگائی ہے جو بعد السلام ہو۔ (کمافی العمدۃ)(معارف السنن)

و عبد الله بن بحينة هو عبدالله بن مالك ابن بحينة مالك ابوه: بحینۃ باء کے ضمہ کے ساتھ اور حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے بحینہ ان کی والدہ کا نام ہے بعض نے کہا کہ اسم ام ابیہ آپ کی دادی کا نام ہے اور عبداللہ کے والد کا نام مالک ہے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ یہاں ابن بحینۃ الف کے ساتھ لکھا جائے۔ یہاں عبداللہ ابن بحینہ میں ابن کا ہمزہ لکھنا ضروری ہے کیونکہ الف وہاں ساقط ہوتا ہے جہاں علمین متناسلین کے درمیان ہو۔ اس کی تفصیل مقدمہ کتاب میں گزر چکی ہے تفصیل سے وہاں دیکھ لیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ السَّلَامِ وَالْكَلَامِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بَعْدَ الْكَلَامِ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاوِيَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعتیں ادا کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کیا نماز میں اضافہ ہو گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے؟ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد دو سجدے کئے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کرنے کے بعد سہو کے دو سجدے کئے۔ اس باب میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد دونوں سجدے

أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَهُمَا بَعْدَ السَّلَامِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ أَيُّوبُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ وَحَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ الظُّهْرَ خَمْسًا فَصَلَاتُهُ جَائِزَةٌ وَسَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ وَإِنْ لَمْ يَجْلِسْ فِي الرَّابِعَةِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ و قَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا وَلَمْ يَقْعُدْ فِي الرَّابِعَةِ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ فَسَدَتْ صَلَاتُهُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَبَعْضِ أَهْلِ الْكُوفَةِ

کئے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کو ایوب اور کئی راویوں نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی پر بعض علماء کا عمل ہے کہ اگر ظہر کی نماز پانچ رکعتیں پڑھ لے تو اس کی نماز جائز ہے بشرطیکہ سجدہ سہو کرے اگر چہ چوتھی رکعت میں نہ بیٹھا ہو امام شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اگر ظہر کی نماز میں پانچ رکعتیں پڑھ لیں اور چوتھی رکعت میں تشہد (التحیات) کی مقدار میں نہیں بیٹھا تو نماز فاسد ہوگئی، سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں دو مسائل اہتمام کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک مسئلہ کلام فی الصلوٰۃ کے متعلق شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق تفصیلی گفتگو آگے چند ابواب کے بعد آرہی ہے **فلینتظر**۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چوتھی رکعت سے فارغ ہو کر پانچویں رکعت اس کے ساتھ ملالے تو اس کے لئے کیا حکم ہے اس مسئلہ میں ایک صورت یہ ہے کہ وہ چوتھی رکعت کے بعد بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو اس صورت میں بالاتفاق اس کی نماز ہو جائے گی اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔.... دوسری صورت یہ ہے کہ وہ چوتھی رکعت پر بالکل بیٹھا ہی نہ ہو تو اس صورت میں تفصیل ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جب اسے اس رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے یاد آجائے تو قعدہ کی طرف واپس لوٹ آئے اور آخر میں سجدہ سہو کرے سجدہ سہو کے بعد نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر اس رکعت کا سجدہ کرلیا تو اور ایک رکعت ملالے اور یہ ساری نفل ہو جائیں گی۔ لیکن بعض حضرات نے کہا کہ پانچویں رکعت ملانے سے یہ نماز باطل ہو جائے گی بطلان کی چند وجوہات ہیں۔

① قعدہ اخیرہ فرض ہے اور فرض چھوٹ جائے تو نماز نفل نہیں ہوتی بلکہ باطل ہو جاتی ہے۔

② جب اس نے چار رکعت فرض کے ساتھ دو نفل ملالئے تو ایک ہی تحریمہ کے ساتھ دو نمازوں کی بناء لازم آتی ہے جو کہ درست نہیں کہ تحریمہ ایک ہو بناء دو نمازوں کی ہو۔

③ آپ ﷺ نے بتیراء سے منع فرمایا ہے جب وہ پانچویں رکعت پڑھے گا تو ایک رکعت اکیلی نفل ہوگی اسکے بارے میں منع فرمایا گیا ہے۔

④ فرض کی چار رکعات کے بعد سلام فرض ہے وہ فرض بھی چھوٹ گیا ان تمام وجوہ کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ نماز نفل نہیں ہوگی بلکہ نماز باطل ہو جائے گی۔

جبکہ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ دو رکعت نوافل ملانے کے بعد سجدہ سہو کرلے تو فرض ادا ہو جائے گا از سر نو فرض پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

دلیل: ان حضرات کا استدلال حدیث الباب سے ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے عصر میں پانچ رکعات پڑھیں اور سجدہ سہو پر اکتفاء فرمایا۔

جواب: ہوسکتا ہے آپ ﷺ اس میں بقدر تشہد بیٹھے ہوں۔

سوال: یہ جواب کمزور ہے کیونکہ ایک روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ ﷺ چوتھی رکعت میں نہیں بیٹھے تھے بلکہ سیدھے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہو گئے تھے۔

جواب: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس معنیٰ میں گنجائش ہے کہ نہ بیٹھنے سے مراد یہ ہو کہ آپ ﷺ سلام کے لئے تو نہ بیٹھے ہوں۔ البتہ قعدہ کے لئے بیٹھے ہوں یہ تاویل بامر مجبوری ضروری ہے وگرنہ یہ مسئلہ پیچیدہ ہے۔

شوافع کے قول پر یہ مسئلہ ظہر یا عشاء میں حل ہو جائے گا کہ ان نمازوں کے بعد نوافل ہیں البتہ فجر، عصر اور مغرب میں وضاحت یہ ہے۔

یہاں مسئلہ تو ظہر کا ہے اگر یہ صورت فجر یا عصر میں پیش آجائے تو پھر اس میں بھی دو رکعت مزید ملانے سے تمام رکعات نفل ہو جائیں گی سوال ہوگا کہ عصر و فجر کے بعد نفل تو جائز نہیں یہاں کیسے جائز ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب تک فرض نماز مکمل نہیں ہوئی لہٰذا یہ نفل بعد الفرض نہیں ہوئے بلکہ قبل الفرض ہوئے لہٰذا عصر کی نماز میں یہ مسئلہ حل ہو جائے گا لیکن فجر کی نماز میں پھر بھی اشکال ہے کہ فجر کی اذان کے بعد صرف دو رکعت سنت پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے نوافل ثابت نہیں۔ البتہ شوافع حضرات کے نزدیک تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے اور اگر یہ صورتیں مغرب کی نماز میں پیش آئیں تو وہاں ایک رکعت ملا کر چار نفل ہو جائیں گے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں قعدہ اخیرہ کا ذکر نہیں لہٰذا ہر دو صورت میں اس پر سجدہ سہو آئے گا۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں صلی الظہر سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھا چکے تھے قعدہ اخیرہ ہو چکا تھا پھر پانچویں رکعت کیلئے کھڑے ہو گئے تھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشَهُّدِ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى ابْنُ سِيرِينَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ وَهُوَ عَمُّ أَبِي قِلَابَةَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوَى مُحَمَّدٌ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ وَأَبُو الْمُهَلَّبِ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں بھول گئے پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو سجدے کئے اور پھر تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیر۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے محمد ابن سیرین ابو مہلب سے جو کہ ابو قلابہ کے چچا ہیں دوسری حدیث روایت کرتے ہیں محمد ابن سیرین نے یہ حدیث خالد حذاء سے انہوں نے ابو قلابہ سے انہوں نے ابو مہلب سے روایت کی ہے ابو مہلب کا نام عبد الرحمٰن بن عمرو ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام معاویہ

وَيُقَالُ أَيْضًا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو. وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ وَهُشَيْمٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ بِطُولِهِ وَهُوَ حَدِيثُ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلَّمَ فِي ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ مِنَ الْعَصْرِ فَقَامَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي التَّشَهُّدِ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ يَتَشَهَّدُ فِيهِمَا وَيُسَلِّمُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ فِيهِمَا تَشَهُّدٌ وَتَسْلِيمٌ وَإِذَا سَجَدَهُمَا قَبْلَ التَّسْلِيمِ لَمْ يَتَشَهَّدْ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالَا إِذَا سَجَدَ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ قَبْلَ السَّلَامِ لَمْ يَتَشَهَّدْ.

بن عمرو ہے عبدالوہاب ثقفی ہشیم اور کئی راوی خالد حذاء سے اور وہ ابوقلابہ سے یہ حدیث طویل روایت کرتے ہیں یہ حدیث عمران بن حصین کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کی نماز میں تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر لیا تو ایک شخص جسے خرباق کہتے ہیں کھڑا ہوا (آخر تک حدیث بیان کی) اہل علم کا سجدہ سہو کے تشہد میں اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک تشہد پڑھے اور سلام پھیرے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں تشہد اور سلام نہیں ہے اور اگر سلام پھیرنے سے پہلے سجدے کرے تو تشہد نہ پڑھے یہ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے دونوں فرماتے ہیں کہ جب سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا تو تشہد نہ پڑھے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھا جائے گا یا نہیں؟ عمدۃ القاری میں اس مسئلہ کے ضمن میں چار اقوال بیان کئے گئے ہیں۔

قول اوّل: حضرت سعد، حضرت عمار، ابن سیرین ابن ابی لیلی کے نزدیک سہو کا سجدہ اور سلام ہے تشہد نہیں ہے۔

قول ثانی: حضرت انسؓ، حسن بصریؒ، عطاء وطاؤس کے نزدیک سجدہ سہو میں نہ تو تشہد ہے اور نہ ہی سلام۔

قول ثالث: ابن مسعود رضی اللہ عنہ، امام شعبی، ثوری، قتادہ، حکم، لیث اور حماد کے نزدیک سجدہ سہو کے ساتھ سلام بھی ہے اور اس کے بعد تشہد بھی پڑھا جائے گا۔ اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاق کا مسلک ہے۔

قول رابع: امام طحاوی نے امام شافعی اور امام اوزاعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سجدہ سہو کے ساتھ تشہد نہیں ہے اور اشہب کی روایت میں امام مالکؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

قول خامس: امام احمد کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر سجدہ سہو قبل السلام کیا تو تشہد نہیں پڑھیں گے اور اگر سجدہ سہو بعد السلام کیا تو پھر تشہد پڑھیں گے۔ (عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۷۴۵۔۷۴۶، فتح الباری جلد ۳ ص ۷۸)

یہاں حدیث الباب جمہور کی تائید میں ہے کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد پڑھنا چاہیے اور سلام بھی پھیرنا چاہیے۔

قال ابو عیسٰی ھٰذا حدیث حسن غریب: اگرچہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے مگر اس میں تشہد کا ذکر شاذ ہے وجہ شذوذ یہ ہے کہ محمد بن سیرین سے نقل کرنے والے بہت سے تلامذہ ہیں ان تلامذہ میں سے صرف ایک راوی اشعث تشہد کا ذکر کر رہے ہیں باقی حضرات تشہد کا ذکر نہیں کرتے۔ اسی طرح یہ حدیث خالد الحذاء سے بھی مروی ہے اور ان سے بھی بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں ان میں سے کسی نے بھی تشہد کا ذکر نہیں کیا صرف اسی سند سے تشہد کا ذکر آیا ہے یعنی یہ ٹکڑا شاذ ہے۔

نیز ابن سیرینؒ نے ابومہلب سے اس حدیث الباب کے علاوہ اور خالد حذاء کے علاوہ بھی روایت کی ہے مگر حدیث الباب

خالد عن ابی قلابہ عن ابی المھلب روایت کی ہے۔ ابو قلابہ مہلب کے بھتیجے ہیں۔ اس حدیث کو حدیث عمران، حدیث ذوالیدین اور حدیث خرباق کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

بَابُ فِيمَنْ يَشُكُّ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِيَاضٍ يَعْنِي ابْنَ هِلَالٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي سَعِيدٍ أَحَدُنَا يُصَلِّي فَلَا يَدْرِي كَيْفَ صَلَّى فَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلَمْ يَدْرِ كَيْفَ صَلَّى فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الْوَاحِدَةِ وَالثِّنْتَيْنِ فَلْيَجْعَلْهُمَا وَاحِدَةً وَإِذَا شَكَّ فِي الثِّنْتَيْنِ وَالثَّلَاثِ فَلْيَجْعَلْهُمَا ثِنْتَيْنِ وَيَسْجُدْ فِي ذَلِكَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا شَكَّ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلَّى فَلْيُعِدْ.

حضرت عیاض بن ہلال سے نقل ہے کہ ہلال نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم میں کوئی نماز پڑھے اور یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو کیا کرے؟ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی پڑھی ہیں تو اسے چاہئے کہ بیٹھے بیٹھے دو سجدے کر لے۔ اس باب میں حضرت عثمان، ابن مسعود، عائشہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوسعید حسن ہے اور یہ حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کئی سندوں سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی ایک اور دو میں شک میں پڑ جائے تو انہیں ایک سمجھے اور اگر دو اور تین میں شک ہو تو دو سمجھے اور اس میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب اسی پر عمل کرتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تو دوبارہ نماز پڑھے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِي أَحَدَكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَيَلْبِسُ عَلَيْهِ حَتَّى لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ ابْنَ عَثْمَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شیطان تم میں سے کسی کے پاس نماز میں آتا ہے اور اسے شک میں ڈال دیتا ہے یہاں تک کہ وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں اگر تم میں کوئی ایسی صورت پائے تو بیٹھے بیٹھے دو سجدے کرے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عبدالرحمن بن عوف سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا سَهَا أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرِ وَاحِدَةً صَلَّى أَوْ ثِنْتَيْنِ فَلْيَبْنِ عَلَى وَاحِدَةٍ فَإِنْ لَمْ يَدْرِ ثِنْتَيْنِ صَلَّى أَوْ ثَلَاثًا فَلْيَبْنِ عَلَى ثِنْتَيْنِ فَإِنْ لَمْ يَدْرِ ثَلَاثًا صَلَّى أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَبْنِ عَلَى ثَلَاثٍ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں بھول جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے دو رکعتیں پڑھی ہیں یا ایک تو وہ ایک ہی شمار کرے اور اگر دو اور تین (رکعتوں) میں شک ہو تو دو شمار کرے پھر اگر تین اور چار میں شک ہو تو تین شمار کرے اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور عبدالرحمن بن عوف ہی سے اس کے علاوہ بھی کئی اسناد سے مروی ہے اسے زہری، عبیداللہ بن عتبہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وہ عبدالرحمن بن عوف سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: **مسئلہ: نماز کی تعداد رکعات میں شک کا حکم:** اگر کسی کو نماز کے دوران شک ہو جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعت پڑھی ہیں، اسی طرح اس کو دوسری یا تیسری رکعت میں شک ہوا تو اس صورت میں وہ کیا کرے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف مذاہب ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر کسی کو تعداد رکعات میں شک ہو جائے تو وہ بناء علی الاقل کرے گا لیکن ہر رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھے گا اس گمان سے کہ کہیں وہ آخری قعدہ ہی نہ ہو۔ یہی قول امام مالکؒ، امام احمدؒ کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۷۴۹)

قول ثانی: امام شعبیؒ، امام اوزاعی اور سلف کی کثیر جماعت کے نزدیک کسی آدمی کو نماز میں شک ہو جائے تو وہ نماز توڑ کر اعادہ کرے اور ان کے ہاں اعادہ واجب ہے۔

قول ثالث: حسن بصری اور بعض تابعین کے نزدیک اگر مصلی کو شک ہو جائے کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو رکعتیں پڑھی ہیں تو سہو کی ہر صورت میں سجدہ سہو کر لے وہ کافی ہے جیسا کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔

قول رابع: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے کہ اگر اس آدمی کو نماز میں شک پہلی مرتبہ ہوا تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے اگر اس کو شک پیش آتا رہتا ہے تو اس پر اعادہ واجب نہیں۔ البتہ اسے چاہیے کہ تحری یعنی غور وفکر کرے۔ اس غور وفکر میں جس طرف غالب گمان ہو جائے اس پر عمل کرے اور اگر کسی جانب غالب گمان نہ ہو تو بناء علی الاقل کرے اور آخر میں سجدہ سہو کرے لیکن بناء علی الاقل کی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ہر اس رکعت پر قعدہ کرے جس کے بارے میں آخری رکعت ہونے کا گمان ہو تا کہ قعدہ اخیرہ جو فرض ہے وہ چھوٹ نہ جائے۔ یہ تین صورتیں ہیں ان تین صورتوں کا حکم احادیث ثلاثہ میں مذکور ہے۔

پہلی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جس کو مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب کسی شخص کو نماز میں

رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز از سر نو پڑھے اس حدیث کو امام اوزاعی اور امام شعبی نے اختیار کیا ہے۔
دوسری روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے اس میں مذکور ہے کہ جب کسی شخص کو رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو وہ صحیح بات سوچے اور اس پر عمل کرے۔ یہ ہمارے نزدیک معمول بہ ہے۔
تیسری روایت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث الباب ہے جو اس باب میں ہے اس میں بناء علی الاقل کا ذکر ہے ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے۔ جبکہ احناف نے ان تینوں روایتوں کو جمع کیا ہے۔ اور مسئلہ کو تین صورتوں میں منقسم کر دیا ہے۔
احناف کی توجیہ کے پیش نظر تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے اور اس میں کسی حدیث کا ترک لازم نہیں آتا۔
جبکہ ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر عمل کرنے کی صورت میں استیناف اور تحری والی احادیث پر بالکل عمل نہیں ہوتا۔ امام اوزاعیؒ نے صرف استیناف والی حدیث کو لے لیا اور باقی کو ترک کر دیا اور حضرت حسن بصریؒ نے سجدہ سہو کی حدیث کو اختیار کیا باقی کو چھوڑ دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسَلِّمُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ وَهُوَ السَّخْتِيَانِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ أَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ ثُمَّ كَبَّرَ فَرَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَابْنِ عُمَرَ وَذِي الْيَدَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ إِذَا تَكَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا أَوْ مَا كَانَ فَإِنَّهُ يُعِيدُ الصَّلَاةَ وَاعْتَلُّوا بِأَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ كَانَ قَبْلَ تَحْرِيمِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ وَأَمَّا الشَّافِعِيُّ فَرَأَى هٰذَا حَدِيثًا صَحِيحًا فَقَالَ بِهِ وَقَالَ هٰذَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا تو ذوالیدین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا نماز کم ہوگئی یا آپ بھول گئے یا رسول اللہ؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ذوالیدین نے صحیح کہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باقی کی دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہہ کر سجدے میں گئے جیسا کہ وہ سجدہ کیا کرتے تھے کرتے ہیں ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے امام احمد یا اس سے بھی طویل پھر تکبیر کہی اور اٹھے اور اسکے بعد دوسرا سجدہ بھی اسی طرح کیا جیسے پہلے کیا کرتے تھے یا اس سے طویل کیا۔ اس باب میں عمران بن حصین ابن عمر اور ذوالیدین رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اہل علم کا اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہے بعض اہل کوفہ کہتے ہیں کہ اگر بھول کر یا جہالت کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے کلام کر لیا تو دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی انکا کہنا ہے کہ یہ حدیث تحریم الکلام فی الصلوٰۃ سے پہلے کی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے وہ اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے فرمایا کہ یہ

أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِي رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّائِمِ إِذَا أَكَلَ نَاسِيًا فَإِنَّهُ لَا يَقْضِي وَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ رَزَقَهُ اللهُ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَفَرَّقُوا هٰؤُلَاءِ بَيْنَ الْعَمْدِ وَالنِّسْيَانِ فِي أَكْلِ الصَّائِمِ لِحَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَحْمَدُ فِي حَدِيْثِ أَبِي هُرَيْرَةَ إِنْ تَكَلَّمَ الْإِمَامُ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِهِ وَهُوَ يَرَى أَنَّهُ قَدْ أَكْمَلَهَا ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُكْمِلْهَا يُتِمُّ صَلَاتَهُ وَمَنْ تَكَلَّمَ خَلْفَ الْإِمَامِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ عَلَيْهِ بَقِيَّةً مِنَ الصَّلَاةِ فَعَلَيْهِ أَنْ يَسْتَقْبِلَهَا وَاحْتَجَّ بِأَنَّ الْفَرَائِضَ كَانَتْ تُزَادُ وَتُنْقَصُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّمَا تَكَلَّمَ ذُو الْيَدَيْنِ وَهُوَ عَلَى يَقِيْنٍ مِنْ صَلَاتِهِ أَنَّهَا تَمَّتْ وَلَيْسَ هٰكَذَا الْيَوْمَ لَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَتَكَلَّمَ عَلَى مَعْنَى مَا تَكَلَّمَ ذُو الْيَدَيْنِ لِأَنَّ الْفَرَائِضَ الْيَوْمَ لَا يُزَادُ فِيهَا وَلَا يُنْقَصُ قَالَ أَحْمَدُ نَحْوًا مِنْ هٰذَا الْكَلَامِ وَ قَالَ إِسْحٰقُ نَحْوَ قَوْلِ أَحْمَدَ فِي هٰذَا الْبَابِ.

حدیث اس حدیث سے اصح ہے جس میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر روزہ دار کچھ بھول کر کھا پی لے تو قضا نہ کرے کیونکہ یہ تو اللہ کا اس کو عطا کردہ رزق ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات روزہ دار کے عمداً اور بھول کر کھانے میں تفریق حضرت ابوہریرہ کی حدیث باب کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر امام نے اس گمان کے ساتھ بات کی کہ وہ نماز پڑھ چکا ہے اور بعد میں معلوم ہوا کہ نماز پوری نہیں ہوئی تو نماز کو مکمل کرے اور جو مقتدی یہ جانتے ہوئے بات کرے کہ اسکی نماز نامکمل ہے تو اس پر ازسرنو نماز پڑھنا واجب ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں فرائض میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی پس ذوالیدین کا اس موقع پر بات کرنا اس لئے تھا کہ ان کے خیال میں نماز مکمل ہو چکی تھی لیکن نماز مکمل نہیں ہوئی تھی اب کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی صورت میں باتیں کرے کیونکہ فرائض میں کمی بیشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا امام احمد کا کلام بھی اسی کے مشابہ ہے اسحاق کا قول بھی امام احمد کی طرح ہے۔

تشریح: **مسئلہ: کلام فی الصلوٰۃ کا حکم؟** یہ حدیث "حدیث ذوالیدین" کے نام سے مشہور ہے۔ اس حدیث کے تحت کلام فی الصلوٰۃ کا مسئلہ زیر بحث ہے۔ حدیث الباب میں مذکور ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ظہر یا عصر کی دو رکعات پر سلام پھیر دیا تو حضرت ذوالیدین نے بات کی کہ **اقصرت الصلوٰۃ امر نسیت یا رسول اللہ**۔ آپ ﷺ نے مزید دو رکعات ملا کر نماز پوری فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کلام کرنا جائز ہے اس بناء پر ائمہ کا آپس میں اختلاف ہوا۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز میں کلام خواہ عمداً ہو یا نسیاناً ہو جاہلاً عن الحکم ہو یا اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

قول ثانی: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کلام اگر بھول کر ہو تو مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور اگر عمداً ہو تو مفسد صلوٰۃ ہے۔ ان کے اس مسلک پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں کلام تو ذوالیدین نے جان بوجھ کر کیا تھا نہ کہ بھول کر اس پر شوافع دوسرا حکم لگاتے ہیں کہ وہ جاہلاً عن الحکم ہو تو مفسد نہیں اس پر بھی اشکال ہوگا کہ پھر تو نبی کریم ﷺ نے بھی بات کی تھی حالانکہ نبی کریم ﷺ کو اس کا حکم معلوم تھا اس پر شوافع تیسری قید لگاتے ہیں کہ اگر کلام اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تو جائز ہے اور کبھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ کلام قلیل ہو تو جائز ہے کثیر ہو تو جائز نہیں۔

قول ثالث: امام اوزاعی کے نزدیک نماز میں کلام اگر اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تو مفسد نہیں اگر اصلاح صلوٰۃ کے لئے نہ ہو تو پھر

مفسد ہے۔یہی ایک روایت امام مالکؒ کی ہے دوسری روایت مالکیہ کی احناف کے ساتھ ہے۔

قول رابع: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چند روایات ہیں تین روایات سابقہ اقوال کی طرح ہیں۔مثل حنفیہ،شوافع ،مالکیہ کے، چوتھی روایت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ جانتے ہوئے کلام کرے کہ ابھی اس کی نماز پوری نہیں ہوئی تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ ہوگا خواہ وہ کلام امام کو اتمام صلوٰۃ کا حکم دینے کے لئے ہی ہو مگر کوئی شخص اس یقین کے ساتھ کلام کرے کہ اس کی نماز مکمل ہو چکی ہے اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ ابھی نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو اب کلام مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام اوزاعیؒ کسی نہ کسی طور پر کلام کے مفسد صلوٰۃ نہ ہونے کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ اسے مطلقاً مفسد صلوٰۃ کہتے ہیں۔

امام شافعیؒ اوران کے متبعین کی دلیل: یہی حدیث الباب جو حدیث ذوالیدین کے نام سے مشہور ہے **عن ابی ھریرۃ أن النبی ﷺ انصرف من اثنتین فقال له ذوالیدین اقصرت الصلوٰۃ ام نسیت یا رسول الله فقال النبی ﷺ اصدق ذوالیدین فقال الناس نعم فقام رسول الله ﷺ فصلی اثنتین اخریین ثم سلم ثم کبر فسجد مثل سجودہ او اطول۔**

جواب اوّل: واقعہ ذوالیدین ابتدائے اسلام کی بات ہے اور ابتدائے اسلام میں دوران نماز کلام کرنا جائز تھا جیسا کہ آگے احناف کے دلائل میں آئے گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں پہلے ہم نماز میں کلام کرتے تھے جب **''وقوموا لله قانتین''** والی آیت اتری تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور نماز میں بات چیت سے بھی روک دیا گیا معلوم ہوا کہ اب نماز میں کلام ممنوع ہے۔ نسخ کے اور دلائل بھی موجود ہے۔ ① اس واقعہ میں ایسے امور بھی پیش آئے جن کا کوئی امام بھی قائل نہیں ہے جیسے چلنا، مسجد سے نکلنا لوگوں کا یہ کہنا **قصرت الصلوٰۃ** انحراف قبلہ پایا جانا یہ تمام امور نماز کو باطل کرنے والے ہیں اور منع ہیں نہ یہ کلام نسیان میں داخل ہیں اور نہ ہی اصلاح صلوٰۃ میں لہٰذا ان بزرگوں کا استدلال درست نہیں۔

② امام زہری تابعیؒ فرماتے ہیں **کان ھٰذا قبل بدر ثم احکمت الامور بعد۔** (ابن حبان)

③ **عن عطاء قال صلی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ باصحابه فسلم فی رکعتین ثم انصرف فقیل له فی ذلك .... فصلی بھم اربع رکعات کما فی الطحاوی** حضرت عمرؓ ذوالیدین کے واقعہ میں حاضر تھے لیکن اس کے خلاف عمل کیا اور کسی صحابی نے اس پر انکار بھی نہیں کیا۔

سوال: شوافع حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ پہلے ہے اور واقعہ ذوالیدین بعد کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اتنی مقدار میں کلام نسخ سے مستثنیٰ ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ پہلے اور واقعہ ذوالیدین بعد میں اسکی کیا دلیل ہے اس پر شوافع نے دو دلیلیں دی ہیں۔

دلیل اوّل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت **رجوع من الحبشة** کہ حبشہ سے واپسی ہوئی تھی یہ مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور ذوالیدین کا واقعہ مدینہ منورہ میں پیش آیا تو معلوم ہوا کہ نسخ مکہ میں ہوا۔احنافؒ نے اس کے دو جوابات دیئے ہیں۔

جواب اوّل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا حبشہ سے واپس آنا دو مرتبہ ہوا۔ایک دفعہ مکہ میں اور ایک دفعہ مدینہ میں تو

یہاں واپسی مدینہ میں ہوئی جب بدر کی تیاری ہو رہی تھی تو اس میں کیا بعید ہے کہ یہ نسخ بعد الہجرۃ قبل البدر ہو۔

اس پر شوافعؒ نے اعتراض کیا کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فناء کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے پایا اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے واپسی مکہ میں ہوئی۔

جواب ثانی: یہ فناء کعبہ والی بات کسی کتاب میں مذکور نہیں صرف امام شافعیؒ نے اس کو ذکر کر دیا ہے۔

دلیل ثانی: شوافعؒ کہتے ہیں کہ مسلم شریف میں روایت ہے "**صلی مع رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود براہِ راست شریک تھے۔

جواب اوّل: "**صلی بنا**" ہی سے کسی کو غلط فہمی ہوئی ہے تو کسی راوی نے روایت بالمعنی کرتے ہوئے "**صلی بنا**" کو "**صلی مع**" سے تعبیر کر دیا۔

جواب ثانی: یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں ذوالیدین رضی اللہ عنہ کا واقعہ الگ ہے اور حضرت ابو ہریرہ کا واقعہ الگ ہے۔

جواب ثالث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذوالیدین کیساتھ ملاقات ثابت ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ ذوالیدین رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سن ۲ ہجری میں شہید ہو گئے تھے جبکہ حضرت ابو ہریرہ سن ۷ ہجری میں فتح خیبر کے بعد اسلام لائے۔ ذوالیدین اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان چار پانچ سال کا فاصلہ ہے لہٰذا لامحالہ یہی کہیں گے کہ یہ نسخ کا واقعہ ہے۔ اس پر قرینہ یہ بھی ہے کہ امام طحاویؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ ان کے سامنے حدیث ذوالیدین کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا "**کان اسلام ابی ھریرۃ بعد ما قتل ذوالیدین ورجالہ کلھم ثقات الا العمری**" کہ حضرت ابو ہریرہ ذوالیدین کے شہید ہو جانے کے بعد اسلام لائے۔

اشکال علی الجواب: اس جواب پر شوافع حضرات کہتے ہیں کہ جنگ بدر میں شہید ہونیوالے صحابی ذوالیدین نہیں بلکہ ذوالشمالین ہیں۔ **وھو عمیر بن عبد عمرو من بنی خزاعہ لا ذوالیدین فان ذوالیدین ھو خرباق بن عمرو من بنی سلیم۔** لہٰذا ہمارا استدلال درست ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو شخصیتیں الگ الگ ہیں ایک ذوالیدین جن کا نام خرباق ابن عمرو ہے یہ قبیلہ بنی سلیم سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسری شخصیت ذوالشمالین کی ہے ان کا نام عمیر بن عبد عمرو ہے اور ان کا تعلق قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے جبکہ حدیث الباب کا واقعہ ذوالیدین کا ہے اور غزوہ بدر میں شہید ہونے والے ذوالشمالین ہیں نہ کہ ذوالیدین۔ (معارف السنن ج ۳ ص ۵۲۲)

جواب: احناف اس کے بارے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ **الخرباق السلمی اسمہ عمیر بن عبد عمرو یکنی ابا محمد ویقال لہ ذوالیدین و ذوالشمالین والخرباق لقب۔** واقعہ یہ ہے کہ ان کا اصل نام عبد بن عمرو ہے جاہلیت میں ان کا نام خرباق تھا زمانہ اسلام میں وہ ذوالیدین اور ذوالشمالین دو ناموں سے مشہور ہوئے۔ احناف کہتے ہیں کہ عمیر اور خرباق دونوں ایک ہیں اور عبد بن عمرو اور عبید بن عمرو ایک ہیں قبیلہ خزاعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ خرباق بنی سلیم قبیلہ کے ہیں اور عمیر بنو خزاعہ کے ہیں جواب یہ ہے کہ سلیم ابن ملکان کا قبیلہ ہے اور ابن ملکان خزاعہ کی ایک شاخ ہے گویا بنو سلیم بنو خزاعہ کی شاخ ہے لہٰذا دونوں قبیلوں میں سے کسی ایک قبیلہ کی طرف منسوب کرنا

درست ہے۔ہاں یہ بنوسلیم وہ قبیلہ نہیں جو سلیم بن منصور ہے جو قبیلہ خزاعہ کی شاخ نہیں۔(معارف السنن ج ۳ ص ۵۲۶) باقی رہی یہ بات کہ ان کو ذوالیدین کیوں کہتے ہیں اس لئے کہ ان کے ہاتھ طویل تھے۔ابتداء اسلام میں ان کا لقب ذوالشمالین مشہور ہوا پھر آپ ﷺ نے اسے بدل کر ذوالیدین کر دیا اس پر چند دلائل یہ ہیں۔

دلیل اوّل: نسائی شریف جلد اوّل ص ۱۸۳ جلد ۲ ص ۲۸۴ میں روایت ہے **صلی رسول اللہ ﷺ الظھر والعصر فسلم فی رکعتین وانصرف قال لہ ذوالشمالین بن عمرو و فی روایۃ فسلم فی السجدتین فقال لہ ذوالشمالین اقصرت الصلوٰۃ ام نسیت یا رسول اللہ ﷺ قال اصدق ذوالیدین قالوا نعم۔** اس سے ثابت ہوا کہ ذوالشمالین اور ذوالیدین ایک ہی صحابی کے دو لقب ہیں۔

اعتراض اور جواب: بعض شوافع نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت امام زہریؒ کا تفرد ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ خود سنن نسائی میں عمران بن ابی انس نے امام زہریؒ کی متابعت کی ہے۔

دلیل ثانی: التعلیق الحسن ص ۱۴۳ میں ہے امام ابوعبیداللہ محمد بن یحییٰ العدنی سے روایت ہے **قال ابو محمد الخزاعی ذوالیدین احد اجدادنا و ھو ذوالشمالین**۔ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالیدین، ذوالشمالین ایک ہی شخص کے دو لقب ہیں۔

جواب ثانی: اس حدیث میں چند اضطرابات ہیں اس وجہ سے یہ قابل استدلال نہیں۔ (۱) "**منھا فی الوقت**" وقت میں اضطراب ہے کہ وہ کون سی نماز تھی جس میں آپ ﷺ بھول گئے۔بعض نے کہا کہ ظہر کی نماز تھی جیسا کہ شیخین کی روایت میں ہے (۲) "**منھا عدد الرکعات**" نماز کی رکعات میں اضطراب ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بخاری و مسلم میں ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا جبکہ مسلم میں حضرت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے تین رکعات کے بعد سلام پھیرا۔ (۳) "**منھا موقف النبی** ﷺ" نماز کے فراغت کے بعد آپ ﷺ کہاں کھڑے ہوئے اس میں بھی اضطراب ہے۔شیخین کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد پہلے اسی جگہ کھڑے ہوئے پھر مسجد کی خشبہ معروفہ کے ساتھ ٹیک لگائی اور مسلم شریف میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ حجرہ مبارک میں داخل ہو چکے تھے (۴) "**منھا فی سجدتی السھو**" شیخین کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سجدہ سہو کیا جبکہ ابوداؤد کی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے "**عن ابی ھریرۃ ولم یسجد سجدۃ السھو وتابعہ علی ذٰلک**" کہ آپ ﷺ نے سجدہ سہو نہیں کیا۔ان اضطرابات کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں (۵) بعض حضرات "**ثم سلم**" کا ذکر کرتے ہیں اور بعض "**ثم سلم**" کا ذکر نہیں کرتے (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۱)۔ان وجوہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔

جواب ثالث: ہماری احادیث قولی ہیں اور ان کی احادیث فعلی ہیں اور قولی احادیث فعلی سے راجح ہوتی ہیں۔

جواب رابع: ہمارے دلائل قاعدہ کلیہ ہیں جو واقعہ جزئیہ پر راجح ہوتے ہیں۔

جواب خامس: محرم راجح ہے مبیح سے کیونکہ ہماری روایت دال علی الحرم ہیں اور ان کی روایات دال بر اباحت ہیں۔

جواب سادس: یہ جواب الزامی ہے کہ آپ خود کلام فی الصلوٰۃ پر عمل نہیں کرتے حالانکہ خود اس کو جائز کہتے ہیں وہ اس طرح

کہ حدیث میں عمداً طویل کلام ہوا ہے اور سوال و جواب ہوئے ہیں انحراف قبلہ پایا گیا تو ہم تمہیں کہتے ہیں اس حدیث کے پیش نظر نماز میں چلنے پھرنے، کلام کرنے اور انحراف قبلہ کی اجازت دے دو جب ایسا نہیں تو پھر لامحالہ تمہیں ماننا پڑے گا کہ یہ منسوخ ہوگا۔ اب صرف ایک سوال باقی رہ گیا۔

سوال: اگر ذوالیدین غزوہ بدر میں شہید ہو چکے ہیں تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ذوالیدین کے واقعہ میں یہ کیسے فرمایا کہ "صلی بنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم" جبکہ وہ اس واقعہ کے کئی سال بعد اسلام لائے تھے۔

جواب: اس کا جواب امام طحاویؒ نے دیا کہ "صلی بنا" سے مراد "**صلی بالمسلمین**" ہے اور روایات میں ایسی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں جن میں کوئی راوی خود واقعہ کے وقت موجود نہیں ہوتا لیکن وہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور اس سے مسلمانوں کی جماعت مراد ہوتی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: بخاری شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال کنا نسلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و هو فی الصلٰوة فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیه فلم یرد علینا فقال ان فی الصلٰوة شغلاً** یہ حدیث بھی قولی ہے۔

دلیل ثانی: عن زید بن ارقم رضی اللہ عنہ قال کنا نتکلم فی الصلٰوة حتی نزلت و قوموا لله قانتین فامرنا بالسکوت و نهینا عن الکلام۔

دلیل ثالث: معاویہ بن الحکم سے مرفوعاً روایت ہے **قال صلی اللہ علیہ وسلم ان هٰذه الصلٰوة لا یصلح فیها شیءٌ من کلام الناس انما هی التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن. (مسلم)**

دلیل رابع: عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ مرفوعًا من نابه شیءٌ فی صلوته فلیسبّح۔ (بخاری و مسلم)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي النِّعَالِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ أَبِي مَسْلَمَةَ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي حَبِيبَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ وَشَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَأَوْسٍ الثَّقَفِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَطَاءٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِي شَيْبَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت سعید بن یزید، ابی مسلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوتوں میں نماز پڑھتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن ابی حبیبہ، عبداللہ بن عمرو، عمرو بن حریث، شداد بن اوس، اوس ثقفی، ابوہریرہ اور قبیلہ بنی شیبہ کے ایک شخص عطاء سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔

تشریح: یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْهِ: اس سے مراد جوتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں استعمال ہوتا تھا یہ چپل کی طرح ہوتا ہے اس میں نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ یہ جوتے وغیرہ پاک ہوں تلویث مسجد کا اندیشہ نہ ہو اور سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں زمین پر بالواسطہ لگیں چونکہ ہمارے زمانے میں رائج بوٹ نوک والے ہوتے ہیں ان میں براہ راست انگلیاں زمین کو نہیں لگتیں بلکہ درمیان میں کچھ خلاء باقی رہتا ہے اس لئے اس کو پہن کر نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

جوتوں میں نماز پڑھنے کے بارے میں احناف کے تین قول ذکر کیے گئے ہیں۔ ① جائز ہے۔ ② مستحب اور مسنون ہے۔ ③ مکروہ ہے۔ صاحب کبیری نے اس کو مستحب کہا ہے وجہ اس کی وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔ **عن شداد بن اوس عن ابیه قال قال رسول الله ﷺ خالفوا الیهود فانهم لا یصلون فی نعالهم ولا خفافهم** اور معجم طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں **صلوا فی نعالکم ولا تشبهوا بالیهود**۔

احناف حضرات اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں ایک راوی مروان بن معاویہ ہے۔ جو کہ مدلس راوی ہیں اور وہ اس روایت کو عنعنہ سے نقل کرتے ہیں اور اس میں ایک اور راوی ہے یعلی بن شداد جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ **بعض الائمة توقف فی الاحتجاج بخبره**۔

سوال: علامہ سیوطیؒ نے درمنثور میں اس آیت "**خذوا زینتکم عند کل مسجد**" کے ضمن میں ایک روایت ذکر کی ہے **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ خذوا زینة الصلوٰة قالوا وما زینة الصلوٰة؟ قال البسوا نعالکم فصلوا فیها** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعال میں نماز پڑھنا بغرض زینت ہے نہ کہ یہود کی مخالفت کی وجہ سے۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہوگا۔

معارف السنن میں علامہ زاہد الکوثری کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مساجد میں کنکریاں ہوتی تھیں جب کہ آج کل فرش ہوتا ہے اس لئے جوتوں کے ساتھ مسجد کی تلویث ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اگر اس وقت یہود کی مخالفت کی وجہ سے جوتا پہننے کا حکم تھا تو اب ان کی مخالفت جوتا اتارنے میں ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں یہود اپنے عبادت خانے میں جوتے پہن کر عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی مخالفت جوتے اتارنے میں ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُنُوْتِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْنُتُ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالْمَغْرِبِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَخُفَافِ بْنِ أَيْمَاءَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر اور مغرب کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت علی، انس، ابو ہریرہ، ابن عباس اور خفاف بن ایماء بن رحضہ غفاری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت

بْنِ رَحْضَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْقُنُوتِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَرَاٰى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ الْقُنُوتَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَهُوَ قَوْلُ وَالشَّافِعِيِّ وقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ لَا يُقْنَتُ فِي الْفَجْرِ إِلَّا عِنْدَ نَازِلَةٍ تَنْزِلُ بِالْمُسْلِمِينَ فَإِذَا نَزَلَتْ نَازِلَةٌ فَلِلْإِمَامِ أَنْ يَدْعُوَ لِجُيُوشِ الْمُسْلِمِينَ.

براء رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے میں اختلاف ہے بعض صحابہ وتابعین فجر میں دعائے قنوت پڑھنے کے قائل ہیں امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں امام احمد اور اسحاق کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھی جائے البتہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے لشکروں کے لئے دعا کرے۔

تشریح: قنوت فی الصلوٰۃ کی تین صورتیں ہیں۔ ① **قنوت فی الوتر** ② **قنوت فی صلوٰۃ الفجر دائماً** ③ **قنوت نازلہ**

پہلی قسم کا بیان آگے مستقبل باب ''**ابواب الوتر**'' میں آئے گا۔ بقیہ دو اقسام کی وضاحت زیر غور ہے۔

قنوت فی صلوٰۃ الفجر کا مسئلہ: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں قنوت پڑھی جائے گی اور یہ پورے سال پڑھی جائے گی۔ امام مالکؒ اس کے استحباب کے قائل ہیں جبکہ شوافع کے نزدیک مسنون ہے۔ پھر اس میں شوافع کے تین قول اور بھی ہیں۔ ① پورا سال پڑھی جائے گی۔ ② دوسرا قول یہ کہ صرف رمضان میں پڑھی جائے گی۔ ③ تیسرا قول کہ رمضان کے آخری عشرے میں پڑھی جائے گی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فجر کی نماز میں دائماً قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔ البتہ مصیبت کے وقت جائز ہے جسے قنوت نازلہ کہا جاتا ہے۔ یہی امام ابو یوسف، محمد بن الحسن، ابن المبارک، لیث بن سعد، ثوری، اسحاق اور کثیر جماعت ائمہ کا قول ہے تفصیل کے لئے معارف السنن جلد ۴ ص ۷ دیکھیں۔

شوافع کی دلیل اوّل: ان کا استدلال حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب سے ہے **ان النبی ﷺ کان یقنت فی صلوٰۃ الصبح والمغرب۔** **جواب اوّل:** یہاں قنوت سے مراد قنوت نازلہ ہے۔

جواب ثانی: قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام پر محمول ہے پھر اس کو ترک کیا گیا۔

دلیل ثانی: سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۳۹ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ما زال رسول اللہ ﷺ یقنت فی الفجر حتی فارق الدنیا۔**

جواب اوّل: فجر میں قنوت سے مراد طول قیام ہے کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں طویل قیام کرتے تھے یہاں تک کہ آپ دنیا سے چلے گئے۔

جواب ثانی: اس کی سند میں ایک راوی ابو جعفر رازی ہے اس پر محدثین نے خاصا کلام کیا ہے۔

دلیل ثالث: بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **لان اقربکم صلوٰۃ برسول اللہ ﷺ فکان ابو ھریرۃ یقنت فی الرکعۃ الاخیرۃ من صلوٰۃ الصبح۔** (جلد اوّل ص ۱۰۹-۱۱۰)

جواب: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے جو کہ مرفوع حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دلیل رابع: ابن ابی فدیک کی حدیث ہے **عن عبد اللہ بن سعید المقبری عن ابیہ عن ابی ھریرۃ قال کان**

النبی ﷺ اذا رفع رأسہ من الرکوع من صلوۃ الصبح فی الرکعۃ الثانیۃ رفع یدیہ فیدعوا بھذا الدعاء اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت.....الخ۔

جواب: اس کے جواب میں علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی عبداللہ المقبریؒ ہے جو کہ ضعیف ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: اگلے باب میں روایت ہے: **عن ابی مالک قال قلت لابی انک قد صلیت خلف رسول اللہ ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ھھنا بالکوفۃ نحوًا من خمس سنین اکانوا یقنتون قال ای بنی محدث** (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

دلیل ثانی: شرح معانی الآثار جلد اوّل ص ۱۷۵ **باب القنوت فی صلوۃ الفجر و غیرھا** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال لم یقنت النبی ﷺ الا شھرًا لم یقنت قبلہ ولا بعدہ.** آپ ﷺ نے ایک ماہ دعائے قنوت پڑھی نہ اس سے پہلے کبھی پڑھی اور نہ اس کے بعد کبھی پڑھی۔

اعتراض: شوافع حضرات اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حدیث ابوحمزہ قصاب کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ راوی کثیر الوہم ہے۔

جواب: یہ حدیث خود امام ابوحنیفہؒ نے **حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ بن مسعود** رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کی ہے اس سند میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ نیز اس روایت کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں **انما قنت رسول اللہ ﷺ فی صلوۃ الصبح شھرًا یدعوا علی رعل و ذکوان۔**

دلیل ثالث: **عن محمد قال قلت لانس رضی اللہ عنہ ھل قنت رسول اللہ ﷺ فی صلوۃ الصبح قال نعم بعد الرکوع یسیرًا۔** کہ آپ ﷺ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد مختصراً قنوت پڑھا کرتے تھے۔

دلیل رابع: **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ لا یقنت فی صلوۃ الصبح الا أن یدعو لقوم او علی قوم.** آپ ﷺ فجر کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے الا یہ کہ کسی قوم کے لئے اگر بدعا کرنی ہو یا کسی کی طرف سے دکھ تکلیف پہنچی ہوتی تو اس پر بددعا کے لئے قنوت پڑھتے تھے۔

دوسرا مسئلہ قنوت نازلہ: قنوت نازلہ ہمارے نزدیک صرف فجر کی نماز میں پڑھی جائے گی فجر میں پڑھنا اس کا مسنون ہے۔ جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک پانچوں نمازوں میں ان کا پڑھنا ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کا مستدل یہی حدیث الباب ہے جس کا ذکر مع جوابات کے ہو چکا ہے۔ جبکہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ اکثر روایات قنوت نازلہ پڑھنے کے بیان میں ہے۔ لہٰذا سنت انہی سے ثابت ہوگی جیسا کہ دلائل ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

قنوت کے متعلق بہت سارے مسائل ہیں جن کو یہاں تفصیل سے بیان نہیں کیا جاتا مثلاً

مسئلہ ① قنوت صرف فجر کی نماز کے ساتھ خاص ہے یا تمام جہری نمازوں میں یا پانچوں نمازوں میں؟

مسئلہ ② قنوت نازلہ رکوع سے پہلے ہے یا رکوع کے بعد میں؟

مسئلہ ③ قنوت نازلہ سراً پڑھی جائے گی یا جہراً پڑھی جائے گی؟
مسئلہ ④ مقتدی بھی قنوت پڑھیں گے یا وہ صرف امین کہیں گے؟
مسئلہ ⑤ مقتدی امین جہراً کہیں گے یا سراً کہیں گے؟
مسئلہ ⑥ قنوت سے قبل ہاتھوں کو اٹھایا جائے گا یا نہیں؟
مسئلہ ⑦ کیا اس کے لئے تکبیر کہی جائے گی یا نہیں؟
مسئلہ ⑧ دوران قنوت نازلہ ہاتھوں کو باندھیں گے یا کھلا چھوڑیں گے؟
مسئلہ ⑨ کیا قنوت کے دوران ہاتھوں کو دعا کے لئے اٹھائیں گے یا نہیں؟
مسئلہ ⑩ قنوت کیا اب بھی مشروع ہے یا نہیں؟

ان تمام مسائل کی تفصیل اعلاء السنن جلد ۶ ص ۷۲ تا ۸۷ ملاحظہ کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْقُنُوتِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ هَا هُنَا بِالْكُوفَةِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِينَ أَكَانُوا يَقْنُتُونَ قَالَ أَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ إِنْ قَنَتَ فِي الْفَجْرِ فَحَسَنٌ وَإِنْ لَمْ يَقْنُتْ فَحَسَنٌ وَاخْتَارَ أَنْ لَا يَقْنُتَ وَلَمْ يَرَ ابْنُ الْمُبَارَكِ الْقُنُوتَ فِي الْفَجْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَأَبُو مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ اسْمُهُ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ.

حضرت ابو مالک اشجعی کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا ابا جان آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں اور یہاں کوفہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے پانچ سال تک آپ نمازیں پڑھتے رہے، کیا یہ حضرات قنوت پڑھا کرتے تھے انہوں نے فرمایا اے میرے بیٹے یہ نئی چیز نکلی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا بھی اچھا ہے اور اگر صبح کی نماز میں قنوت نہ پڑھے تب بھی اچھا ہے البتہ انہوں نے قنوت نہ پڑھنے کو اختیار کیا ہے ابن مبارکؒ کے نزدیک فجر میں قنوت نہیں ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابو مالک اشجعی کا نام سعد بن طارق بن اشیم ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے فجر میں ترک قنوت کو بیان کیا جیسا کہ مصنفؒ کا طریقہ ہے کہ پہلے ایک باب ذکر کرتے ہیں پھر اس کے برعکس دوسرا باب بیان کرتے ہیں۔ حدیث باب کا حاصل یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائی زمانہ میں قنوت پڑھا کرتے تھے مگر بعد میں اس کو ترک کر دیا صغار صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب دیکھا کہ مرور زمانہ سے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو بھول گئے تو انہوں نے کبھی کبھار اس پر عمل شروع کیا تا کہ لوگ اس عمل کو بھی محفوظ کر لیں تو لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ پھر اس عمل

کو دوام کے ساتھ کرنے لگے۔ ابو مالک اشجعی کے علاقہ میں بھی بعض لوگ فجر میں دوام کے ساتھ قنوت پڑھنے لگے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے والد سے استصواب کیا تو انہوں نے اس کو بدعت قرار دیا۔

قال ابو عیسیٰ: امام ترمذیؒ نے ائمہ کے اقوال کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ فجر کی نماز میں قنوت کے قائل نہیں تھے۔

قال ابو عیسیٰ وابو مالك الاشجعي: ابو مالک الاشجعی کا نام سعد بن طارق بن اشیم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَعْطِسُ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا رِفَاعَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيُّ عَنْ عَمِّ أَبِيهِ مُعَاذِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ أَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ رِفَاعَةُ بْنُ رَافِعٍ ابْنُ عَفْرَاءَ أَنَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ كَيْفَ قُلْتَ قَالَ قُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَثَلَاثُونَ مَلَكًا أَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ رِفَاعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَكَأَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ فِي الْمُتَطَوَّعِ لِأَنَّ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِينَ قَالُوا إِذَا عَطَسَ الرَّجُلُ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ إِنَّمَا يَحْمَدُ اللهَ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُوَسِّعُوا فِي أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ.

حضرت معاذ بن رفاعہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کی مجھے نماز کے دوران چھینک آ گئی تو میں نے کہا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى) تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں بہت پاکیزہ تعریف اور بابرکت تعریف اسکے اندر اور اوپر جیسے ہمارا رب چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے پھر جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا نماز میں کون کلام کر رہا تھا؟ کسی نے جواب نہ دیا آپ ﷺ نے دوبارہ پوچھا کہ نماز میں کس نے بات کی تھی؟ پھر بھی کسی نے جواب نہیں دیا پھر آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ پوچھا نماز میں کس نے بات کی تھی؟ تو رفاعہ بن رافع بن عفراءؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا تو نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى) پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تیس سے زائد فرشتوں نے ان کلمات کو اوپر لے جانے کیلئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس باب میں حضرت انس، وائل بن حجر اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں رفاعہ کی حدیث حسن ہے بعض اہل علم کے نزدیک یہ حدیث نوافل کے بارے میں ہے کیونکہ کئی تابعین فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو فرض نماز میں چھینک آ جائے تو اپنے دل میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

تشریح: نماز سے باہر اگر کسی کو چھینک آئے تو چھینکنے والا ''الحمد للہ'' کہے اور سننے والا ''یرحمك اللہ'' کہے۔ پھر عاطس جواب دینے والے کو دعا دے ''یھدیك اللہ و یصلح بالك'' لیکن اگر کوئی نماز کے اندر ہو تو اس کو چھینک آئے تو وہ کیا کرے؟ معارف السنن میں اس کی یہ تفصیل ہے کہ نماز میں چھینکنے والا اگر یہ دعا کہے ''الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ مبارکًا علیہ کما یحب ربنا و یرضی'' تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ گویا یہ نماز میں جائز ہے۔ البتہ اس کے استحباب کا کوئی قائل نہیں جبکہ حدیث میں اس دعا کی مدح وارد ہوئی ہے۔ مگر مدح کے باوجود کوئی بھی دوران نماز اس کے استحباب کا قائل نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیہ و مجتہد کی نظر میں صرف ظاہری الفاظ نہیں ہوتے بلکہ دوسرے قواعد و ضوابط بھی ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَسْخِ الْكَلَامِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ شُبَيْلٍ عَنْ أَبِي عَمْرٍو الشَّيْبَانِيِّ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ مِنَّا صَاحِبَهُ إِلَى جَنْبِهِ حَتّٰى نَزَلَتْ {وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ} فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا تَكَلَّمَ الرَّجُلُ عَامِدًا فِي الصَّلَاةِ أَوْ نَاسِيًا أَعَادَ الصَّلَاةَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا تَكَلَّمَ عَامِدًا فِي الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَإِنْ كَانَ نَاسِيًا أَوْ جَاهِلًا أَجْزَأَهُ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ.

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم دوران نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے باتیں کیا کرتے تھے نماز میں اپنے دائیں بائیں موجود نمازیوں سے ضرورت کے مطابق بات کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ) (البقرۃ: 238) پس ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے روک دیا گیا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود اور معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر یا بھول کر نماز میں کلام کرے تو اسے نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ یہی قول سفیان ثوری اور ابن المبارک کا ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر نماز میں جان بوجھ کر کلام کیا تو نماز لوٹائے گا۔ اگر اس نے بھول کر یا عدم علم کی وجہ سے بات کر لی تو اس کی نماز صحیح ہے یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب کے متعلق ماقبل میں حدیث ذی الیدین کے تحت وضاحت گزر چکی ہے کہ نماز میں کلام کے نسخ پر اتفاق ہے۔ البتہ اس باب میں اس کا تذکرہ ہے کہ یہ نسخ کب ہوا اس کی تاریخ کیا ہے؟ بعض نے کہا کہ اس کا نسخ مدینہ میں ہوا۔

زید بن ارقم: یہ مدنی صحابی ہیں ہجرت نبوی سے پہلے ان کا مکہ جانے کا ثبوت نہیں بعض کہا کہ یہ انصاری خزرجی ہیں۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ مریسیع میں حاضر ہوئے۔ بعض نے کہا کہ احد میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے۔ بعض نے کہا کہ خندق میں حاضر ہوئے۔

معارف السنن میں اس باب کے آخر میں ذکر کیا کہ قنوت کا لفظ دس معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

و لفظ القنوت اعدد معانیه تجد مزیدًا علی عشر معانی مرضیة
دعاء خشوع والعبادة طاعة أقامتها اقرارنا بالعبودیة
سکوت صلوٰة والقیام وطوله کذاك دوام الطاعة الرابح القنیة

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ التَّوْبَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَسْمَاءَ بْنِ الْحَكَمِ الْفَزَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ إِنِّي كُنْتُ رَجُلًا إِذَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثًا نَفَعَنِي اللهُ مِنْهُ بِمَا شَاءَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ وَإِذَا حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ اسْتَحْلَفْتُهُ فَإِذَا حَلَفَ لِي صَدَّقْتُهُ وَإِنَّهُ حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ وَصَدَقَ أَبُو بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُومُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللهَ إِلَّا غَفَرَ اللهُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ { وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ } إِلَى آخِرِ الْآيَةِ. وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَنَسٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَمُعَاذٍ وَوَاثِلَةَ وَأَبِي الْيَسَرِ وَاسْمُهُ كَعْبُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ عُثْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ وَرَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فَرَفَعُوهُ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ وَرَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمِسْعَرٌ فَأَوْقَفَاهُ وَلَمْ يَرْفَعَاهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مِسْعَرٍ هٰذَا الْحَدِيثُ مَرْفُوعًا أَيْضًا.

حضرت اسماء بن حکم فزاری کہتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ایک ایسا شخص تھا کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو وہ اللہ کے حکم سے مجھے اتنا نفع دیتی تھی جتنا وہ چاہتے تھے کہ مجھے اس سے اتنا فائدہ پہنچائیں۔ اور جب میں کسی صحابی سے حدیث سنتا تو اس سے قسم لیتا اگر وہ قسم کھاتا تو میں اس کی بات کی تصدیق کرتا تھا مجھ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور ابوبکر نے سچ کہا وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں کہ گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد طہارت حاصل کرے پھر نماز پڑھے پھر استغفار کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ اسے معاف نہ کرے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی (وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ) (آل عمران: ۱۳۵) اس باب میں ابن مسعود ابودرداء، انس، ابومعاویہ، معاذ، واثلہ اور ابوالیسر سے بھی روایت ہے اور ان کا نام کعب بن عمرو ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ہم عثمان بن مغیرہ کے علاوہ کسی سند سے نہیں جانتے ان سے شعبہ اور کئی راوی نقل کرتے ہوئے ابوعوانہ کی حدیث کی طرح مرفوع کرتے ہیں سفیان ثوری اور مسعر نے بھی اسے موقوفاً نقل کیا ہے اور اس کو نبی کریم ﷺ کی طرف مرفوع نہیں کیا اور یہ حدیث مسعر سے مرفوعاً بھی مروی ہے۔

تشریح: توبہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان سے گناہ سرزد ہو جائے اور اس گناہ پر اس کو ندامت ہو اور وہ اس گناہ

سے چھٹکارا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے اچھی طرح وضو کرے، دو رکعت نفل پڑھے یا چار رکعت فرائض پڑھے پھر اللہ کو راضی کرے، پھر عاجزی وانکساری کے ساتھ خوب گڑگڑا کر توبہ کرے۔ ان شاء اللہ، اللہ رب العزت اس کے گناہ کو مٹا دیں گے۔

توبہ کی چند شرائط یا ارکان ہیں۔ ① اپنے گناہ پر نادم ہو۔ ② آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم ہو۔ ③ اپنے کئے پر معافی مانگے۔ ④ اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی کوشش شروع کر دے، نماز، روزوں کی قضاء کرے۔ تو ان چار ارکان کے ساتھ توبہ کی جائے توبۃً نصوحاً کے یہی معنی ہیں۔

یہ ساری بحث حقوق اللہ کے متعلق ہے۔ اگر حقوق العباد کے متعلق کوئی معاملہ ہو تو پھر وہ اس وقت تک معاف نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اس شخص سے خود معاف نہ کروا لے یا اس کا حق ادا نہ کر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتٰى يُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا حَرْمَلَةُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيُّ عَنْ عَمِّهِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوا الصَّبِيَّ الصَّلَاةَ ابْنَ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا ابْنَ عَشْرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَا مَا تَرَكَ الْغُلَامُ بَعْدَ الْعَشْرِ مِنَ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يُعِيدُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَسَبْرَةُ هُوَ ابْنُ مَعْبَدٍ الْجُهَنِيُّ وَيُقَالُ هُوَ ابْنُ عَوْسَجَةَ.

حضرت عبدالملک بن ربیع بن سبرہ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بچے سات سال کی عمر کے ہوں تو ان کو نماز سکھاؤ اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو (اور نماز نہ پڑھیں) تو ان کو نماز کے لئے مارو۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں سبرہ بن معبد جہنی کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں اگر بچہ دس سال کی عمر کے بعد نماز چھوڑے تو اس کی قضا کرے۔ امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ سبرہ، معبد جہنی کے بیٹے ہیں اور ان کو ابن عوسجہ بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: اس باب میں بچے کی نماز کے بارے میں حکم ہے کہ اس پر نماز کب واجب ہوتی ہے بچہ کو بلوغت سے پہلے نماز پڑھانی چاہیے تا کہ اس کو نماز کا طریقہ آجائے، نیز حدیث شریف میں سات سال اور دس سال کی عمر میں بچہ کو نماز کا حکم دیا یہ بھی عادت ڈالنے کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر بچہ دس سال کے بعد کوئی نماز چھوڑے تو اس کو قضاء بھی کروانی چاہیے تا کہ اس کو نماز قضاء پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دس سال کے بعد بچے پر نماز فرض ہو جاتی ہے خواہ وہ بالغ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ جبکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور جمہور حضرات کے ہاں بچے پر نماز بلوغت کے بعد فرض ہوتی ہے بالغ تب ہوگا جب اس میں بلوغت کی علامتیں

ظاہر ہوں مثلاً عورت کو حاملہ کرنا، احتلام کا ہونا وغیرہ اگر بلوغ کی علامات ظاہر نہ ہوئی ہوں تو پھر ان کے نزدیک پندرہ سال مدت بلوغ ہے۔ بعض نے کہا کہ چودہ سال بلوغ کی علامت ہے اور بعض نے کہا کہ تیرہ سال بعض نے بارہ سال کا کہا ہے۔ یہ مختلف اقوال گرم وسرد علاقوں کے اعتبار سے ہیں سرد علاقوں میں بلوغ کی علامت دیر سے ظاہر ہوتی ہے اور گرم علاقوں میں بلوغ کی علامت جلدی ظاہر ہوجاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُحْدِثُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادِ بْنِ أَنْعُمٍ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ رَافِعٍ وَبَكْرَ بْنَ سَوَادَةَ أَخْبَرَاهُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ يَعْنِي الرَّجُلَ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلَاتُهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَقَدِ اضْطَرَبُوا فِي إِسْنَادِهِ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا قَالُوا إِذَا جَلَسَ مِقْدَارَ التَّشَهُّدِ وَأَحْدَثَ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا أَحْدَثَ قَبْلَ أَنْ يَتَشَهَّدَ وَقَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَقَالَ أَحْمَدُ إِذَا لَمْ يَتَشَهَّدْ وَسَلَّمَ أَجْزَأَهُ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ وَالتَّشَهُّدُ أَهْوَنُ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اثْنَتَيْنِ فَمَضٰى فِي صَلَاتِهِ وَلَمْ يَتَشَهَّدْ وَقَالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ إِذَا تَشَهَّدَ وَلَمْ يُسَلِّمْ أَجْزَأَهُ وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ حِينَ عَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فَقَالَ إِذَا فَرَغْتَ مِنْ هٰذَا فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادٍ هُوَ الْأَفْرِيقِيُّ وَقَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ مِنْهُمْ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَأَحْمَدُ بْنُ

حضرت بکر بن سوادہ، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص آخری قعدہ میں ہو اور سلام پھیرنے سے پہلے اُسے حدث لاحق ہو جائے تو اس کی نماز جائز ہوگئی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں اور اس کی سند میں اضطراب ہے۔ بعض علماء کا اس پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر تشہد کی مقدار کے برابر بیٹھ چکا ہو اور سلام سے پہلے حدث ہو جائے تو اس کی نماز مکمل ہوگئی بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر تشہد سے پہلے یا سلام سے پہلے حدث ہو جائے تو نماز دوبارہ پڑھے یہ امام شافعیؒ کا قول ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں اگر تشہد نہیں پڑھا اور سلام پھیر لیا تو نماز ہوگئی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز کی تحلیل اس کا سلام ہے اور تشہد سلام سے کم اہمیت رکھتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ دو رکعت پر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور نماز کو آگے جاری رکھا اور تشہد نہ پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں اگر تشہد پڑھا لیکن سلام نہیں پھیرا تو اس کی نماز ہو جائے گی انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تشہد سکھایا تو فرمایا جب تم اس سے فارغ ہو جاؤ تو تم نے اپنا عمل پورا کر لیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی ہیں بعض محدثین یحییٰ بن سعید قطان

حَنْبَلٍ۔ اور احمد بن حنبلؒ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔

تشریح: مسئلہ: قعدہ اخیرہ میں حدث لاحق ہونے سے نماز کا حکم: اس باب میں امام ترمذیؒ ایک اور مسئلہ کو بیان کررہے ہیں کہ اگر کسی شخص کو قعدہ اخیرہ میں بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد حدث لاحق ہوجائے تو کیا اس کی نماز ہوجائے گی یا فاسد ہوگی؟ اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لئے از سرنو نماز پڑھنا افضل ہے اور اگر اس پر بناء کرنا چاہے تو بناء بھی کرسکتا ہے اور اگر یہ دونوں کام نہیں کرنا چاہتا تو پھر بھی اس کی نماز ادا ہوجائے گی کیونکہ آخری فرض اس نے ادا کرلیا۔ اور ان کے ہاں آخری فرض تشہد پڑھ لینا یا اس کے بقدر بیٹھ جانا ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آخری فرض سلام ہے۔ سلام نہ پھیرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: اس کا استدلال حدیث کے اس جملہ سے ہے **و تحليلها التسليم** جس کا ذکر کتاب الطہارت کے شروع میں گزر چکا ہے۔ لہٰذا تشہد کے بعد نمازی کو حدث لاحق ہوجائے تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ ابھی ایک فرض باقی ہے اس لئے نماز دوبارہ پڑھنی پڑھے گی۔

احناف کی دلیل اوّل: حدیث باب ہے **عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ اذا احدث يعني الرجل وقد جلس في آخر صلوة قبل أن يسلم فقد جازت صلوته.** سلام پھیرنے سے پہلے تشہد کے بعد اگر حدث لاحق ہوجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ نماز پوری ہوجائے گی۔

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **اذا قلت هٰذا او فعلت هٰذا فقد تمت صلوتك** جب تو نے تشہد پڑھ لیا یا ایسا کرلیا پس تمہاری نماز پوری ہوگئی۔

یہ مسئلہ اس صورت میں تھا کہ جب حدث خود بخود لاحق ہوجائے۔ اور اگر حدث از خود لاحق کی تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تشہد کے بعد اس نے جان کر ایسا کام کیا یا حدث لاحق کی جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تو اس نے کراہت تحریمی کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا اس کے لئے نماز کے وقت میں اس کا اعادہ واجب ہے اور وقت گزرنے کے بعد اس کا اعادہ مستحب ہے البتہ نفس فرض ادا ہوجائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا كَانَ الْمَطَرُ فَالصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ (الْبَصْرِيُّ) حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَصَابَنَا مَطَرٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ بارش ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو چاہے نماز پڑھ لے اپنے قیام کی جگہ میں اس باب میں ابن عمر، سمرہ، ابوالملیح اور

مَنْ شَاءَ فَلْيُصَلِّ فِي رَحْلِهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ سَمُرَةَ وَأَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَخَّصَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْقُعُودِ عَنِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَطَرِ وَالطِّينِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ يَقُولُ رَوَى عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَلِيٍّ حَدِيثًا وَ قَالَ أَبُو زُرْعَةَ لَمْ نَرَ بِالْبَصْرَةِ أَحْفَظَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ وَابْنِ الشَّاذَكُونِيِّ وَعَمْرِو بْنِ عَلِيٍّ وَأَبُو الْمَلِيحِ بْنُ أُسَامَةَ اسْمُهُ عَامِرٌ وَيُقَالُ زَيْدُ بْنُ أُسَامَةَ بْنِ عُمَيْرٍ الْهُذَلِيُّ.

عبدالرحمن بن سمرہ سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جابر کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم نے بارش اور کیچڑ میں جمعہ اور جماعت کے ترک کی اجازت دی ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے میں نے ابوزرعہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ عفان بن مسلم نے عمرو بن علی سے ایک حدیث روایت کی ہے ابوزرعہ کہتے ہیں میں نے بصرہ میں ان تینوں علی بن مدینی ابن شاذکونی اور عمرو بن علی سے بڑھ کر کسی کو زیادہ حفظ والا نہیں دیکھا ابوملیح بن اسامہ کا نام عامر ہے اور انہیں زید بن اسامہ بن عمیر ہذلی بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: **الرحال:** جمع رحل ہے جہاں پرانسان کے لئے رہنے کی رہائش واثاث ہو اس باب میں ترک جماعت کے اعذار کو بیان کیا گیا ہے۔اس کے متعلق ماقبل **(باب اذا قیمت الصلوٰۃ ووجد احدکم الخلاء)** میں گزر چکا ہے علامہ شامی نے بیس اعذار بیان کئے ہیں جن کو اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

اس باب میں بارش کا بھی ذکر ہے ....اب بارش کتنی مقدار میں ہوتو جماعت کا ترک کرنا جائز ہے اس بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ معاملہ مبتلیٰ بہ کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے اگر کوئی بارش کو زیادہ سمجھے تو وہ زائد بارش ہے اور اگر مبتلیٰ بہ کسی بارش کو کم سمجھے تو وہ کم ہے۔.....حدیث الباب ہے کہ میں آپ ﷺ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔عموماً قافلے والے آپ ﷺ کے خیمے کے آس پاس جگہ ہموار کر لیتے تھے تاکہ وہاں باجماعت نماز ادا کرلیں چونکہ بارش کی وجہ سے وہ جگہ گیلی ہوگئی تھی اور اکٹھے نماز پڑھنے کے لئے اور جگہ بھی موجود نہیں تھی اس لئے حضورؐ نے یہ اعلان کرایا کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ فِي أَدْبَارِ الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ الْبَصْرِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَتَّابُ بْنُ بَشِيرٍ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَعِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ الْأَغْنِيَاءَ يُصَلُّونَ

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ کچھ فقراء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ مالدار لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ روزہ رکھتے ہیں جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں اور ان کے پاس مال ہے جس سے وہ غلام آزاد کرتے اور صدقہ

كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَلَهُمْ أَمْوَالٌ يُعْتِقُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ قَالَ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَقُولُوا سُبْحَانَ اللهِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً وَالْحَمْدُ لِلهِ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً وَاللهُ أَكْبَرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ مَرَّةً وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ عَشْرَ مَرَّاتٍ فَإِنَّكُمْ تُدْرِكُونَ بِهِ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَا يَسْبِقُكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي ذَرٍّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ خَصْلَتَانِ لَا يُحْصِيهِمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ يُسَبِّحُ اللهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَيَحْمَدُهُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَيُكَبِّرُهُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ وَيُسَبِّحُ اللهَ عِنْدَ مَنَامِهِ عَشْرًا وَيَحْمَدُهُ عَشْرًا وَيُكَبِّرُهُ عَشْرًا۔

دیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز پڑھ چکو تو سُبْحَانَ اللهِ تینتیس (33) مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلهِ (33) تینتیس مرتبہ اللهُ أَكْبَرُ (34) چونتیس مرتبہ اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دس مرتبہ پڑھا کرو ان کلمات کے پڑھنے سے تم ان لوگوں کے درجات کو پہنچ جاؤ گے جو تم سے سبقت کر گئے اور تمہارے بعد کوئی تم سے سبقت نہیں لے جا سکے گا اس باب میں حضرت کعب بن عجرہ، انس، عبداللہ بن عمرو، زید بن ثابت ،ابودرداء ابن عمر اور ابوذر y بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس حسن غریب ہے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ e نے فرمایا دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جو مسلمان انہیں اختیار کر لیتا ہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے ہر نماز کے بعد (33 مرتبہ) سُبْحَانَ اللهِ (33) مرتبہ) اَلْحَمْدُ لِلهِ (34 مرتبہ) اللهُ أَكْبَرُ اور سوتے وقت دس مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ دس مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلهِ اور دس مرتبہ اللهُ أَكْبَرُ کہنا۔

تشریح: علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام احادیث جن میں دبر الصلوات میں دعا کرنے کا ذکر ہے ان سب جگہوں میں قعدہ اخیرہ مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دبر الصلوات میں الباقیات الصالحات یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۴ بار اللہ اکبر اور دس مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ اس کی فضیلت میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان اعمال کو پڑھنے والا آگے نکل جانے والوں کو پالیتا ہے اور پیچھے رہنے والے اس کو نہیں پا سکتے۔ اب یہ الباقیات الصالحات نماز کے بعد ہی پڑھے جائیں گے۔ کیونکہ التحیات کے دوران تو نہیں پڑھے جاتے۔

رہی یہ بات کہ ان الباقیات الصالحات کا حکم فرائض کے بعد متصل ہے یا تاخیر سے ہے۔ اس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فرضوں کے متصل بعد الباقیات الصالحات پڑھنے چاہئیں۔

ان کی تفصیل ہے کہ جن فرائض کے بعد نوافل اور سنن نہیں ان کے بعد متصلاً پڑھنے چاہئیں اور جن فرائض کے بعد سنن و نوافل ہیں ان فرائض کے بعد سنن و نوافل پہلے پڑھنے چاہئیں تا کہ اس حدیث کے خلاف لازم نہ آئے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ فرائض کے بعد اللّٰھم انت السلام و منك السلام پڑھنے کے بقدر بیٹھتے تھے۔

یہ تسبیحات عوام الناس میں تسبیح فاطمہ کے نام سے مشہور ہیں مگر حقیقت میں یہ تسبیح فقراء ہے اور تسبیح فاطمہ دوسری ہے وہ یہ ہے کہ رات میں سونے سے پہلے میاں بیوی دونوں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھیں اس عمل کی برکت سے عورت

گھر کے کام کاج میں تھکے گی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو بطور خاص یہ عمل بتایا تھا۔ دوسری جگہ اس میں تفصیل آئی ہے کہ آپ ﷺ نے فقراء صحابہ کو بتایا تو وہ پڑھنے لگے پھر ان تسبیحات کا علم مالدار صحابہ کرامؓ کو ہوا تو انہوں نے بھی پڑھنا شروع کیا۔ انہوں نے پھر شکایت کی اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ذالك فضل الله یوتیه من یشاء۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الدَّابَّةِ فِي الطِّينِ وَالْمَطَرِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ الرَّمَّاحِ الْبَلْخِيُّ عَنْ كَثِيرِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُمْ كَانُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَانْتَهَوْا إِلَى مَضِيقٍ وَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَمُطِرُوا السَّمَاءُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَالْبِلَّةُ مِنْ أَسْفَلَ مِنْهُمْ فَأَذَّنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَقَامَ فَتَقَدَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ فَصَلَّى بِهِمْ يُومِي إِيمَاءً يَجْعَلُ السُّجُودَ أَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوعِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ تَفَرَّدَ بِهِ عُمَرُ بْنُ الرَّمَّاحِ الْبَلْخِيُّ لَا يُعْرَفُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ صَلَّى فِي مَاءٍ وَطِينٍ عَلَى دَابَّتِهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت عمرو بن عثمان بن یعلی بن مرہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ تنگ جگہ میں پہنچے تو نماز کا وقت آ گیا اور اوپر سے بارش برسنے لگی اور نیچے کیچڑ ہو گیا پس رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر اذان دی اور اقامت کہی پھر اپنی سواری کو آگے کیا اور اشارے سے نماز پڑھتے ہوئے ان کی امامت کی آپ ﷺ سجدے میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے کیونکہ صرف عمرو بن رماح بلخی نے ہی اس حدیث کو روایت کیا ہے یہ اور کسی کی روایت معلوم نہیں ہوتی اور ان سے کئی اہل علم روایت کرتے ہیں اور اسی طرح حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بارش اور کیچڑ میں اپنی سواری پر ہی نماز پڑھی اہل علم کا اس پر عمل ہے اور امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: نفل نماز چوپائے پر پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔ فرض نماز سواری پر جائز نہیں الا یہ کہ دشمن یا موذی چیز کا خوف ہو۔ اس کے متعلق بحث ماقبل باب ''باب الصلوۃ علی الدابة حیث ما توجهت به'' میں گزر چکی ہے۔

سواری پر فرائض پڑھنے کا حکم؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ، امام ابویوسفؒ کے نزدیک دابہ پر نماز انفراداً پڑھی جائے گی جماعت کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ امام اور مقتدی دونوں ایک ہی جانور پر سوار ہوں۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ اور امام محمدؒ کے نزدیک دابہ پر جماعت سے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے جس کے الفاظ یہ ہیں انهم كانوا مع النبی ﷺ فی سفر فانتهوا الی مضیق فحضرت الصلوۃ فمطروا السماء من فوقهم والبلة من اسفل منهم فاذن رسول الله ﷺ وهو علی راحلته و

اقام فتقدم علی راحلته فصلی بھم یومی ایماءً۔ اس روایت میں "صلی بھم" نماز با جماعت پر دلالت کر رہا ہے۔

جواب اوّل: اس حدیث میں دو راوی ہیں جن پر کلام کیا گیا۔ ① عمر بن الرماح اس کو محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ ② عمرو بن عثمان یہ مستور الحال ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ابن حبان کے نزدیک تو یہ راوی ثقہ ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حبان کے نزدیک مجہول راوی بھی ثقہ ہوتے ہیں۔

جواب ثانی: اس کا ایک جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے ادب کی بناء پر آپ ﷺ کو آگے رکھا کہ آپ ﷺ اکیلے نماز پڑھیں۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ "صلی بنا" کا مطلب امامت کرنا نہیں بلکہ ساتھ نماز پڑھنا ہے "صلی بنا" بمعنی "صلی معنا" کے ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت "فان خفتم فرجالًا او رکبانًا" سے استدلال کرتے ہیں۔

دلیل ثانی: و اذا کنت فیھم فأقمت لھم الصلٰوۃ حالت خوف میں جماعت کا حکم بیان کیا ہے۔ لہٰذا پہلے والی آیت حالت انفراد پر محمول ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِی الِاجْتِهَادِ فِی الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَبِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ أَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں پر ورم آ گئے چنانچہ آپ ﷺ سے کہا گیا کیا آپ اس قدر تکلیف اٹھاتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسٰی ترمذیؒ فرماتے ہیں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: نماز میں مشقت اٹھانے کا مطلب ہے عبادت کی ادائیگی میں مشقت برداشت کرنا اپنے آپ کو تھکا دینا جیسا کہ نبی کریم ﷺ تہجد کی نماز میں سورۂ بقرۃ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء پڑھتے تھے۔ اسی حالت میں آپؐ کے پاؤں مبارک میں ورم آ جاتا تھا۔ کسی نے آپؐ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ نماز میں اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں جبکہ اللہ پاک نے قرآن میں آپ کے اگلے اور پچھلے تمام گناہوں کی بخشش کا اعلان فرما دیا ہے۔ آپؐ نے جواب دیا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

قوله وقد غفر لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر: ما تقدم و ما تاخر کی بحث سے پہلے ایک مسئلہ۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ: انبیاء کرام علیہم السلام کے معصوم ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک ان سے گناہ صادر نہیں ہونے دیتے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کو گناہ پر قدرت و اختیار باقی ہوتا ہے گناہ کا صدور ان سے ناممکن اور محال نہیں ہوتا ورنہ وہ مکلف نہ ٹھہریں گے۔ جیسے اعمٰی شخص کو بدنظری سے منع نہیں کیا جاتا کیونکہ اسے قدرت ہی حاصل نہیں نیز انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے بچنے کے

دوسروں سے زیادہ مکلف ہیں۔

سوال: کیا انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہ کا صدور ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **جواب:** اس میں چند اقوال ہیں۔

قول اوّل: انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کفر و شرک سے معصوم ہوتے ہیں اور بعد النبوۃ عمداً و سہواً کبائر سے معصوم ہوتے ہیں اہلسنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے اور قبل النبوۃ سہواً کبائر و صغائر کا صدور ہو سکتا ہے۔

قول ثانی: انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد کفر و شرک اور کبائر سے معصوم ہوتے ہیں البتہ صغائر قبل النبوۃ و بعد النبوۃ ہو سکتے ہیں عمداً ہوں یا سہواً یہ مذہب اشاعرہ کا ہے۔

قول ثالث: انبیاء علیہم السلام نبوت سے پہلے اور بعد کبائر و صغائر سے پاک ہوتے ہیں پھر بعض کہتے ہیں قبل النبوۃ سہواً صغائر کا صدور ہو سکتا ہے یہ مذہب ماتریدیہ کا ہے۔

قول رابع: فرقہ حشویہ کے نزدیک انبیاء معصوم نہیں (نعوذ باللہ)۔ ان کی دلیل حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش اور آپ ﷺ کے متعلق یہ ارشاد "**ما تقدم من ذنبك وما تأخر**" ہے۔

جواب اوّل: حضرت آدم علیہ السلام سے یہ فعل اس وقت صادر ہوا کہ جب آپ کو نبوت نہیں سونپی گئی تھی۔

جواب ثانی: ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو نہی تنزیہی ہو، تحریمی نہ ہو۔

جواب ثالث: حضرت آدم علیہ السلام نہی کو خاص درخت میں سمجھے کہ اس خاص درخت سے منع کیا گیا ہے دوسروں سے منع نہیں کیا گیا حالانکہ نوع سے نہی تھی۔

سوال: دوسرے جواب پر کہ اگر نہی تنزیہی تھی تو پھر ظلم و نسیان کیوں کہا گیا؟

جواب اوّل: یہ تمام اشیاء حسنات الابرار سیئات المقربین کی قبیل سے ہیں۔

جواب ثانی: اگر نہی تحریمی بھی ہو تو کہیں گے کہ یہ "**اکل شجرۃ نسیاناً**" تھا "**لقوله تعالیٰ فنسی فلم نجد له عزماً**"۔

عصمت انبیاء کے مختصر دلائل: **دلیل اوّل:** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "**وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن الله**" نبی ہر قدم اللہ کی اطاعت میں اٹھاتا ہے ورنہ معصیت لازم آئے گی۔

دلیل ثانی: مرتکب معصیت قابل عتاب ہے اگر نبی سے ایسا ہو جائے تو امت کی طرف سے معتوب ہونا لازم آئے گا یہ مقام نبوت کیخلاف ہے۔

دلیل ثالث: اگر انبیاء کرام علیہم السلام معصوم نہ ہوں تو وہ متبع کیسے ہوں گے؟ اور اللہ کی طرف سے نمائندگی کیسے کریں گے؟

باقی وہ روایات جن میں انبیاء علیہم السلام کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: جن روایات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے اس ذنب سے امت کے ذنوب مراد ہیں۔ مطلق ذنب مراد نہیں۔

جواب ثانی: ذنب سے خلاف شان امر مراد ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارفع شان کے اعتبار سے جو چیز باعث عیب ہو سکتی تھی وہ مراد ہے معصیت مراد نہیں۔

جواب ثالث: نیکی کے دو درجے ہیں۔ ① اعلیٰ ② ادنیٰ۔ اگر نبی اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ نیکی کو اختیار کرلے اپنے اجتہاد یا بشری تقاضے کی بناء پر تو اس پر بھی من جانب اللہ عتاب آتا ہے کہ مطلوب تو اعلیٰ درجہ کی نیکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی معاف کردیا۔

مشہور اشکال: مغفرت کا تعلق ماتقدم کے ساتھ تو سمجھ میں آرہا ہے لیکن ماتاخر کا کیا مطلب ہے یعنی جو گناہ آئندہ صادر ہوں گے ماضی میں ان کو معاف کرنے کیا معنیٰ ہیں۔ اس کے مختلف جوابات ہیں۔

جواب اوّل: مغفرت بمعنیٰ عصمت ہے کیونکہ نبی کی مغفرت نبی اور گناہ کے درمیان پردہ کردینے کا نام ہے اور غیر نبی کی مغفرت گناہ اور اس کی سزا کے درمیان پردہ کردینے کا نام ہے۔

جواب ثانی: ''ماتقدم و ماتاخر'' یہ اصول اور قاعدہ کلیہ مخلوق کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی ماتقدم اور ماتاخر نہیں اس کو سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن اس جواب کو درست اس لئے نہیں کہا گیا کہ محاسبہ ومؤاخذہ فعل کے وجود پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے بغیر۔

جواب ثالث: مغفرت ایک اُخروی معاملہ ہے آخرت میں ماتاخر بھی ماتقدم بن جائیں گے لہٰذا ان کی طرف مغفرت کی نسبت کرنا درست ہے۔

جواب رابع: ماتاخر سے مراد علیٰ سبیل الفرض والتقدیر ہے کہ بالفرض آپ سے اگر کوئی بھول ہوجائے تو وہ بھی معاف ہے مواخذہ نہیں ہوگا۔

جواب خامس: مقصود ماتقدم ہے ماتاخر کا ذکر بطور محاورۃً ہے جیسے گاہک دکاندار سے کہتا ہے کہ اس میں کمی بیشی۔ مقصود کمی ہوتی ہے نہ کہ بیشی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔

جواب سادس: ماتقدم کا ذکر مغفرت کیلئے ہے اور ماتاخر بطور تکریم کے ہے۔

جواب سابع: حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ مغفرت کا مقتضاء عدم عمل و ترک احتیاط نہیں۔ بلکہ زیادتی عمل ہے جیسا کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ نے جب آپ کی مغفرت کردی تو آپ اس قدر عمل کی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے جواب دیا ''افلا اکون عبدًا شکورا'' تو اعلان مغفرت کا مطلب زیادتی عمل واحتیاط ہے تاکہ مغفرت کا شکر ادا ہوسکے جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے شرکاء سے فرمایا: جو چاہو کرو تم سب کی مغفرت کردی گئی ہے۔

سوال: آپ ﷺ کو مغفرت کے ساتھ کیوں خاص کیا حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

جواب: نفس مغفرت تمام انبیاء علیہم السلام کو شامل ہے لیکن اعلان مغفرت آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ قیامت کے دن میدان محشر میں آپ ﷺ کو سفارشی بننا پڑے گا اس لئے دنیا میں یہ اعلان کردیا کہ آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ تاکہ آپ ﷺ مطمئن ہوجائیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ تمام انبیاء علیہم السلام سے شفاعت کبریٰ کی درخواست کریں گے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کہیں گے کہ حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی سب لغزشیں معاف کردی ہیں۔ (فیض الباری)

سوال: آپ ﷺ کیلئے مغفرت ذنوب کا لفظ ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ معصیت اور ذنوب میں فرق ہے کہ معصیت کہتے ہیں اعلیٰ درجہ کی نا

فرمانی کو۔ اور ذنوب ادنیٰ درجہ کی نافرمانی کو اور قرآن کریم میں مغفرت ذنوب کا ذکر ہے معصیت کا ذکر نہیں۔ کیونکہ یہ ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کی قبیل سے ہے۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی کے اعتبار سے ذنب کہا گیا ورنہ فی نفسہ وہ بھی حسنات ہیں۔

''ماتقدم وماتأخر'' کا کیا مطلب ہے۔ اس میں شارحین ومفسرین نے بہت شرحیں کی ہیں۔

① ماتقدم سے مراد قبل از نبوت اور ماتاخر سے مراد بعد از نبوت ہے۔ (تفسیر قرطبی)

② ماتقدم سے مراد قبل از ہجرت اور ماتاخر سے مراد بعد از ہجرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

③ ماتقدم سے مراد قبل از فتح مکہ اور ماتاخر سے مراد بعد از فتح مکہ ہے۔

④ ماتقدم سے مراد ماضی اور ماتاخر سے مراد عصمت ہے۔

⑤ ماتقدم سے مراد حضرت آدم علیہ السلام وحوا کی خطائیں جو آپ ﷺ کی برکت سے معاف ہوئیں اور ماتاخر سے مراد آپ ﷺ کی امت کی خطائیں ہیں جو آپ ﷺ کی شفاعت اور برکت سے معاف ہوں گی۔

⑥ ماتقدم سے مراد عفو ذنوب اور ماتاخر سے مراد رفع درجات ہیں۔

فائدہ: انسان ولایت، نبوت اور قرب خداوندی کے جس مقام پر بھی پہنچ جائے وہ احکام الٰہیہ سے مستثنیٰ نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری ہے ''واعبد ربك حتى يأتيك اليقين'' تمام مفسرین نے یقین کی تفسیر موت سے کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ موت تک انسان اعمال کرنے کا مکلف ہے۔

سوال: بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب انسان معرفت کے مقام کو حاصل کرلے تو وہ احکام کا مکلف نہیں رہتا۔

جواب: مکلف نہ ہونے کے یہ معنیٰ ہیں کہ ان کو احکام بجالانے میں کوئی تکلیف، مشقت نہیں ہوتی۔ احکام الٰہیہ ان کی طبیعت بن جاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ احکام شریعت کے مخاطب نہیں رہتے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الصَّلَاةُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ قَالَ حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيصَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا قَالَ فَجَلَسْتُ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ إِنِّي سَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يَرْزُقَنِي جَلِيسًا صَالِحًا فَحَدِّثْنِي بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ

حضرت حریث بن قبیصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو میں نے دعا مانگی اے اللہ مجھے نیک ہمنشین عطا فرما فرماتے ہیں پھر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھ گیا اور ان سے کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے اچھے ہم نشین کا سوال کیا تھا لہٰذا مجھے رسول اللہ ﷺ کی احادیث سنایئے جو آپ نے سنی ہیں شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نفع پہنچائے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن بندے سے سب

يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذٰلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوٰى بَعْضُ أَصْحَابِ الْحَسَنِ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ حُرَيْثٍ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَالْمَشْهُورُ هُوَ قَبِيصَةُ بْنُ حُرَيْثٍ وَرُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا.

سے پہلے جس عمل کا حساب ہوگا وہ نماز ہے اگر یہ صحیح ہوئی تو کامیاب ہوگیا اور نجات پالی اور اگر یہ صحیح نہ ہوئی تو یہ بھی نقصان اور گھاٹے میں رہا اگر فرائض میں کچھ نقص ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اس کے نوافل کو دیکھو اگر ہوں تو ان سے اس کی کو پورا کردو پھر اس کا ہر عمل اسی طرح ہوگا اس باب میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس طریق سے حسن غریب ہے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی سندوں سے مروی ہے حضرت حسن بصری کے شاگرد حسنؒ سے اور وہ قبیصہ بن حریث سے اس حدیث کے علاوہ بھی احادیث نقل کرتے ہیں اور مشہور قبیصہ بن حریث ہی ہے انس بن حکیم اسی کے ہم معنی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ان اوّل ما یحاسب به العبد: سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا لیکن بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۶۷ **باب القصاص یوم القیامة** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے۔ **اوّل ما یقضی بین الناس بالدماء** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حساب وکتاب خون کا ہوگا تو ان دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

جواب اوّل: حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا حساب ہوگا۔

جواب ثانی: بعض نے کہا کہ حساب سب سے پہلے نماز کا ہوگا اور فیصلہ سب سے پہلے قتل کا ہوگا۔

ان دونوں جوابات کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے نسائی شریف جلد ۲ ص ۱۶۲ میں نقل کی گئی ہے۔

اوّل ما یحاسب به العبد الصلوٰة. و اول ما یقضی بین الناس فی الدماء: اگر فرائض میں کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی تو اللہ رب العزت اپنے فضل سے ارشاد فرمائیں گے کہ اس کے نوافل کو دیکھ لیں اگر نوافل موجود ہوں تو ان کے ذریعے سے ان کے فرائض کو پورا کریں۔ نیز فرائض میں کمی کو پورا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ اگر فرائض میں کمی کماً ہوئی ہو تو جو فرائض چھوٹ گئے ہوں تو ان کی تلافی ہزاروں نفلیں بھی نہیں کرسکتیں لیکن اگر فرائض میں کچھ کمی ہوئی کیفیت کے اعتبار سے (کہ صحیح آداب کے ساتھ نہ پڑھی ہو) تو ان کی تلافی نوافل سے ممکن ہے۔ حدیث باب میں یہی نقص مراد ہے اس کی تائید مجمع الزوائد کی ایک روایت سے ہوتی ہے جو طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔

من صلی صلوٰة لم یتمها زید علیها من سبحته. علامہ ہیثمیؒ نے اس کے رجال کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

نیز فرائض کی کمی کو نوافل پورا کئے جانے پر ائمہ کرام کی مختلف آراء۔

① علامہ عراقیؒ کے نزدیک تکمیل کا مطلب یہ ہے کہ فرائض میں کچھ نقصان ہوا ہو تو نوافل سے پورا کیا جائے گا۔

② ابن العربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ رحیم ذات ہے۔ اس لئے اگر کسی نے فرائض نہ پڑھے ہوں تو نوافل سے اس کی تکمیل ہو جائے گی لیکن ایک فرض کا بدلہ سات سو مقبول نوافل بنیں گے۔

③ ابن عبدالبر مالکیؒ فرماتے ہیں کہ فرائض کے ترک کی دو صورتیں ہیں اگر فرائض میں کمی عمداً ہو تو اس کی تکمیل نوافل سے نہیں ہوگی اگر فرائض میں کمی بھول کر ہوئی ہو تو پھر نوافل سے تکمیل ہوگی یہی حکم زکوٰۃ اور صوم کا ہے۔

قال ابو عیسٰی حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن غریب: حدیث کا راوی حریث بن قبیصہ ہیں یہ دو راوی الگ الگ ہیں (۱) قبیصہ بن حریث انکو حریث بن قبیصہ بھی کہتے ہیں (۲) قبیصہ بن ذویب۔ یہ حدیث ان دونوں میں سے کس کی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حسن بصری کے بعض تلامذہ نے قبیصہ بن ذویب سے اس کے علاوہ بھی روایات کی ہیں۔ مگر مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث قبیصہ بن حریث کی ہے قبیصہ بن ذویب سے نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ وَمَا لَهُ مِنَ الْفَضْلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ثَابَرَ عَلَى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنَ السُّنَّةِ بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي مُوسٰى وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَمُغِيرَةُ بْنُ زِيَادٍ قَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص ہمیشہ بارہ رکعت سنت پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک مکان بنائے گا چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ اس باب میں حضرت ام حبیبہ، ابوہریرہ، ابوموسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس سند سے غریب ہے اور مغیرہ بن زیاد کے حفظ میں بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ (هُوَ ابْنُ إِسْمٰعِيلَ) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ

حضرت ام حبیبہ روایت کرتی ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں ادا کرے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے جو نماز

الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ عَنْبَسَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَنْبَسَةَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ

ہے اول روز کی امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عنبسہ کی ام حبیبہ سے مروی حدیث اس باب میں حسن صحیح ہے اور یہ حدیث کئی سندوں سے عنبسہ ہی سے مروی ہے۔

تشریح: **دن رات کی سنتوں میں تحدید ہے کہ نہیں؟** اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک سنن مؤکدہ کی کوئی تحدید وتعیین نہیں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز جتنی ادا کی جائے اس میں خیر اور بہتری ہے اگر اس کے لئے تحدید وتعیین کی جائے تو گویا اس کی تحدید کر کے اس میں رکاوٹ کردی گئی۔

جواب: امام مالکؒ کا یہ کہنا دو وجوہ سے درست نہیں۔ ایک وجہ یہ کہ نص کے مقابلے میں قیاس ہے اور قیاس کو ترک کیا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ تحدید نہ کرنے میں فائدہ بھی ہے مگر نقصان بھی ہے۔ تحدید نہ ہونے کی صورت میں بہت سارے لوگ دو چار پڑھ کر فارغ ہو جائیں گے لیکن اگر کوئی حد مقرر کر دی جائے تو لوگ کم از کم مقررہ حد پورا کریں گے۔ تو حد بندی نہ کرنے کی صورت میں خواص کا فائدہ ہے اور تحدید وتعیین میں عام لوگوں کا فائدہ ہے اس لئے شریعت نے تحدید کی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دن رات میں بارہ رکعات سنتیں مؤکدہ ہیں۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک دن رات میں دس رکعات سنتیں ہیں۔ ان دونوں اقوال میں فرق یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ظہر سے قبل چار رکعات مسنون ہیں جبکہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک ظہر سے قبل دو رکعات مسنون ہیں۔

شوافع اور احناف کا یہ اختلاف دوسرے اختلاف کی بناء پر ہے وہ اختلاف دن ورات کے نوافل کے بارے میں ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک دن ورات کے نوافل ایک سلام سے دو رکعتیں افضل ہیں۔ اس لئے وہ ظہر سے پہلے دو سنتوں کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دن ورات کے نوافل ایک سلام سے چار رکعات افضل ہیں۔ صاحبین کے نزدیک بھی دن میں ایک سلام کے ساتھ چار رکعات افضل ہیں۔ اس کی تفصیل آگے ''**باب ما جاء أن صلوة الليل مثنى مثنى**'' میں تفصیل سے آرہا ہے۔

ائمہ کرام کے دلائل میں بارہ رکعات سنن کے متعلق بھی روایات موجود ہیں اور دس رکعات سنن کے متعلق بھی امام ابوحنیفہؒ نے بارہ رکعات سنن والی روایات کو ترجیح دی ہے جبکہ شوافع نے دس رکعات سنن والی روایات کو ترجیح دی ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ نے اور علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے ان دونوں روایات میں جمع کی صورت اختیار کی ہے کہ دونوں روایات معمول بہا ہیں عمومی احوال میں ظہر سے پہلے چار رکعات سنت مؤکدہ ہیں۔ اور اگر وقت میں تنگی ہو جماعت کھڑی ہو جائے تو دو رکعت پڑھ لے تو اس سے بھی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ ان بارہ رکعات کو سنن رواتب بھی کہا جاتا ہے۔

سنن رواتب کی وجہ تسمیہ: **رتب رتوبًا** کے معنی ہیں جم جانا وجہ یہ ہے کہ ان کی ادائیگی میں انسان پابندی کرتا ہے اور اس پابندی کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوتا ہے محض دو چار بار ان کو پڑھنے سے رواتب نہیں کہلاتیں۔

باقی سنن مثلاً عصر سے پہلے والی سنن اور عشاء سے پہلے والی سنن کے بارے میں کوئی فضیلت اور ثواب کا ذکر نہیں ہے۔ ان دونوں کا درجہ سنن مؤکدہ سے نیچے نیچے ہوگا۔ احادیث میں عشاء سے پہلے سنن کا ذکر نہیں ہے البتہ شرح منیۃ المصلی میں سنن سعید بن

منصور کے حوالے سے جو روایت ذکر کی ہیں ان کی کوئی اصل موجود نہیں ہے اور نہ ہی یہ حدیث دوسری صحاح میں موجود ہے۔ لہٰذا عشاء والی سنن کے متعلق روایت عصر کی سنن کے درجہ سے بھی نیچے ہے یہ مستحب ہے۔

سنن قبلیہ کے مقرر کرنے کی وجہ: فرائض سے قبل نیند اور سستی پائی جاتی ہے اس سستی کو دور کرنے کے لئے شریعت نے فرائض سے قبل نماز رکھی ہے تاکہ نماز پڑھ کر انسان اچھی طرح فرائض کے لئے تیار ہو جائے۔ دیکھئے فجر کی نماز سے قبل دو رکعت سنن مؤکدہ ہیں کیونکہ آدمی رات بھر سوتا ہے اس لئے سستی کم ہوتی ہے اور اسی طرح دوپہر کا قیلولہ ہوتا ہے جو مختصر ہوتا ہے اس وقت آدمی تھوڑی نیند کے بعد بیدار ہوتا ہے۔ اس لئے سستی زیادہ ہوتی ہے یہاں پر سنن کی تعداد بڑھا دی گئی تاکہ اس کے پڑھنے سے سستی دور ہو جائے اور پھر عصر و مغرب و عشاء سستی کے اوقات نہیں۔ اس لئے ان سے قبل سنن مؤکدہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ فجر و ظہر میں قراءت کا حکم طویل کا ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ نماز میں شامل ہو سکیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ مِنَ الْفَضْلِ

حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ عَبْدِ اللهِ التِّرْمِذِيِّ حَدِيثًا.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فجر کی دو سنتیں دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہیں۔ اس باب میں حضرت علی، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی صالح بن عبداللہ ترمذی سے ایک حدیث روایت کی ہے۔

تشریح: ماقبل باب میں ”من ثابر علی ثنتی عشرة رکعة من السنة“ کی تفصیل بیان کر رہے تھے اب یہاں سے فجر کی سنن کے متعلق فضیلت کا بیان چل رہا ہے۔ یہاں حدیث الباب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **رکعتا الفجر خیر من الدنیا وما فیها.** فجر کی سنتوں کی فضیلت یہ ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سب سے بہتر فجر کی دو سنن ہیں۔ دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فجر کی دو سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں گھوڑے ہی کیوں نہ روند ڈالیں۔ ..... اس تاکید کی وجہ سے حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہؒ سے وجوب کا قول نقل کیا ہے۔ حسن بصریؒ سے بھی وجوب کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ حسن بصریؒ کے ہاں وجوب کی اصطلاح اور امام ابوحنیفہؒ کے ہاں وجوب کی اصطلاح میں فرق ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے مشہور قول سنت مؤکدہ سے ہے اگرچہ عام سنن کے مقابلے میں فجر کی سنن میں تاکید آئی ہے۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۵۷)

سنن کی قضاء کا حکم! تو بعض حضرات کا کہنا ہے کہ سنن کی قضاء بھی سنن کا درجہ رکھتی ہے۔ جیسا کہ فرض کی قضاء کرنا فرض ہے اور واجب کی قضاء کرنا واجب ہے **کما فی تنویر الابصار وقضاء الفرض والواجب والسنة فرض وواجب وسنة۔**

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَخْفِيفِ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِيهِمَا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَأَبُو عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَمَقْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا فَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَحَفْصَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي أَحْمَدَ وَالْمَعْرُوفُ عِنْدَ النَّاسِ حَدِيثُ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي أَحْمَدَ عَنْ إِسْرَائِيلَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا وَأَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ ثِقَةٌ حَافِظٌ قَالَ سَمِعْتُ بُنْدَارًا يَقُولُ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ حِفْظًا مِنْ أَبِي أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيِّ وَأَبُو أَحْمَدَ اسْمُهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِيُّ الْأَسَدِيُّ الْكُوفِيُّ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی دو سنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے اس باب میں حضرت ابن مسعود، انس، ابوہریرہ، ابن عباس، حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن ہے اور ہم اسے بواسطہ سفیان ثوری ابواسحاق سے صرف ابواحمد کی روایت سے جانتے ہیں اور لوگوں کے نزدیک معروف یہ ہے کہ اسرائیل ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں ابواحمد سے بھی یہ حدیث بواسطہ اسرائیل روایت کی گئی ہے اور ابواحمد زبیری ثقہ اور حافظ ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے بندار سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابواحمد زبیری سے بہتر حافظ نہیں دیکھا ان کا نام محمد بن عبداللہ بن زبیری اسدی کوفی ہے۔

تشریح: اس باب میں فجر کی دو رکعت سنت کی قراءت کے بارے میں کہ ان میں قراءت مختصر کرنی چاہیے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ آپ ﷺ قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

احادیث میں فجر سے قبل والی دو رکعتوں کی تخفیف کا ذکر ہے اس وجہ سے امام مالک اور بعض فقہاء مدینہ فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے گی ضم سورت نہیں ہوگا اس کے برخلاف جمہور حضرات کے نزدیک فجر کی سنتوں میں بھی باقی سنتوں کی طرح ضم سورت ہوگا۔ حدیث الباب جمہور حضرات کی تائید کر رہی ہے۔ اور امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْكَلَامِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ أَنَسٍ عَنِ النَّضْرِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَي

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے تو اگر مجھ سے کوئی کام ہوتا تو بات کر لیتے ورنہ نماز کے لئے چلے جاتے۔

الْفَجْرِ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ إِلَيَّ حَاجَةٌ كَلَّمَنِي وَإِلَّا خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ الْكَلَامَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ حَتّٰى يُصَلِّيَ صَلَاةَ الْفَجْرِ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ أَوْ مَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور علماء صحابہ وغیرہ نے طلوع فجر کے بعد فجر کی نماز پڑھنے تک ذکر اللہ اور ضروری گفتگو کے علاوہ گفتگو کرنے کو مکروہ کہا ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ یہ باب لا کر ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اگر فجر کی سنتوں کے بعد کلام کیا جائے تو اس سے فجر کی دو رکعتیں باطل ہو جاتی ہیں یہ قول امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔

بعض حضرات نے اس قول کو امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن جمہور حضرات کے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کے بعد کلام کرنے سے فجر کی سنتیں باطل نہیں ہوتیں۔ البتہ ثواب میں کمی آ جاتی ہے اس کی تائید حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے فرماتی ہیں **كان النبی ﷺ اذا صلی ركعتی الفجر فان كانت له الی حاجة كلمنی والا خرج الی الصلوة.** حدیث میں سنن فجر کے بعد کلام کرنے کے بارے میں جو بیان کیا گیا ہے اس کے بارے میں جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں شریعت کی منشأ یہ ہے کہ سنتوں کے بعد آدمی ذکر و اذکار میں مشغول رہے لیکن اگر کوئی ضروری بات کرنی ہو تو وہ کر سکتا ہے بلا ضرورت بات کرنا خلاف اولیٰ اور نا مناسب ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ قُدَامَةَ بْنِ مُوسٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ يَسَارٍ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا سَجْدَتَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَحَفْصَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ قُدَامَةَ بْنِ مُوسٰى وَرَوٰى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَهُوَ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ كَرِهُوا أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ إِنَّمَا يَقُولُ لَا صَلَاةَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا طلوع فجر کے بعد دو سنتوں کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔ اس باب میں عبداللہ بن عمرو اور حفصہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو قدامہ بن موسیٰ کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے اور ان سے کئی حضرات روایت کرتے ہیں اور اس پر اہل علم کا اجماع ہے کہ وہ طلوع فجر کے بعد دو رکعتوں کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح: مسئلہ: طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنن کے علاوہ نوافل یا تحیۃ المسجد وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟
اس کے بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک فجر کے طلوع ہونے کے بعد سے لیکر نماز تک جتنے نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔ان کے نزدیک نوافل پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک طلوع فجر کے بعد صرف سنن فجر پڑھ سکتے ہیں کوئی نوافل یا تحیۃ المسجد نہیں پڑھ سکتے۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک جو شخص تہجد کا عادی ہو اور کسی وجہ سے تہجد کی نماز نہ پڑھ سکا ہو اس کے لئے طلوع فجر کے بعد نوافل کی اجازت ہے۔

شوافع کی دلیل: ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۸۱ اور نسائی شریف جلد اوّل ص ۸۷۔۹۸ میں حضرت عمرو بن عنبسہ سلمیؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں **قال قلت یا رسول الله ای اللیل اسمع قال جوف اللیل الاخر فصل ماشئت، فان الصلوۃ مشهودۃ مکتوبۃ حتی تصلی الصبح۔**

جواب: یہ حدیث یہاں مختصر ہے مفصل حدیث مسند احمد میں ہے **فاذا طلع الفجر فلا صلوۃ الا الرکعتین حتی تصلی الفجر** لہٰذا یہ جمہور کی دلیل ہے نہ کہ شافعیہ کی۔اس حدیث سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ طلوع فجر کے بعد سنن فجر کے علاوہ نفل کی اجازت نہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بہن حضرت حفصہؓ سے مروی ہے **عن حفصة کان رسول الله ﷺ اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفتین اخرجه البخاری فی التهجد فی (باب الرکعتین قبل الظهر) و مسلم فی (باب استحباب رکعتی سنة الفجر)۔**

دلیل ثانی: حدیث الباب ہے **عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول الله ﷺ قال لا صلوۃ بعد الفجر الا سجدتین** اس میں طلوع فجر کے بعد صرف رکعتین کا ذکر ہے۔

دلیل ثالث: عن عمرو بن عنبسة رضی اللہ عنہ مرفوعًا الصلوۃ مکتوبة مشهودۃ حتی یطلع الفجر فاذا طلع الفجر فلا صلوۃ الا الرکعتین حتی تصلی الفجر. (مسند احمد)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِضْطِجَاعِ بَعْدَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيَضْطَجِعْ عَلَى يَمِينِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی فجر کی دو سنتیں پڑھ لے تو دائیں کروٹ پر لیٹ جائے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت

عَائِشَةَ قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِيْ بَيْتِهِ اضْطَجَعَ عَلٰى يَمِيْنِهِ وَقَدْ رَاٰى بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنْ يُفْعَلَ هٰذَا اسْتِحْبَابًا۔

ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس طریق سے حسن صحیح غریب ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صبح کی سنتیں گھر میں پڑھتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ مستحب جانتے ہوئے ایسا کرنا چاہیے۔

تشریح: **اضطجاع:** اس کے معنی کروٹ لینے کے ہیں آپ ﷺ فجر کی سنن کے بعد تھوڑا سا آرام فرمایا کرتے تھے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اطلاع دیتے پھر آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

فجر کی رکعتین کے بعد لیٹنے کا حکم: اس مسئلہ میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے مختلف اقوال ہیں معارف السنن میں آٹھ اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

قول اوّل: سنن فجر کے بعد لیٹنا سنت ہے یہ قول امام شافعی اور ان کے متبعین کا ہے۔

قول ثانی: یہ مستحب ہے یہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی قول ہے ان میں حضرت ابوموسیٰ اشعری، رافع بن خدیج، ابوہریرہ، حضرت انس رضی اللہ عنہم اور فقہاء مدینہ میں سے ابن سیرین کا ہے۔

قول ثالث: یہ اضطجاع واجب ہے اس کے بغیر فجر کی نماز صحیح نہیں ہوگی یہ ابن حزم ظاہریؒ کا قول ہے۔

قول رابع: اضطجاع بدعت ہے حضرت ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، اسود بن یزیدؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید بن المسیبؒ، سعید بن جبیرؒ اور ائمہ میں سے امام مالکؒ کا مذہب ہے۔

قول خامس: اضطجاع خلاف اولیٰ ہے یہ حسن بصریؒ کا قول ہے۔

قول سادس: اضطجاع مقصود لذاتہ نہیں بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ سنن اور فرائض کے درمیان کچھ فاصلہ ہو خواہ وہ اضطجاع کی وجہ سے ہو یا کلام کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے یہ قول امام شافعی کی طرف حکایت کیا گیا ہے۔

قول سابع: اضطجاع گھر میں مستحب ہے مسجد میں مستحب نہیں یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔

قول ثامن: اضطجاع اس شخص کے لئے مستحب ہے جو رات بھر عبادت میں مشغول رہا اور وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہے وہ اس وقت آرام کرسکتا ہے مطلقاً اضطجاع کی اجازت نہیں اسی کو ابن العربیؒ اور جمہور حضرات نے اختیار کیا۔ان تمام اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے اثبات اور عدم جواز دونوں طرح کی روایات ہیں۔

اثبات کی روایات کی دلیل اوّل: حدیث الباب **عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ کان اذا صلی رکعتی الفجر فی بیته اضطجع علی یمینه** ۔بعض حضرات نے اس حدیث کے راوی پر طعن کیا ہے کہ اس کی سند میں عبدالواحد اعمش ہے۔جو کہ متفرد راوی ہے **وفیه مقالٌ** ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ عبدالواحد صحاح ستہ کا راوی ہے۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے **کان النبی ﷺ اذا صلی رکعتی الفجر فان کنت مستیقظة حدثنی والا اضطجع** یہ حدیث بھی ترک مواظبت کی دلیل ہے۔

اضطجاع کے عدم جواز کی دلیل اوّل: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه رای رجلا رکع رکعتی الفجر ثم اضطجع فقال ابن عمر رضی اللہ عنہ ماشانه فقال نافع یفصل بین صلوته قال ابن عمر رضی اللہ عنہ ای فصل افضل من السلام۔

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے قال ابن عمر رضی اللہ عنہ انها بدعةٌ۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ما بال الرجل اذا صلی الرکعتین یتمعك کما تتمعك الدابة او الحمار اذا سلم فقد فصل۔

دلیل رابع: مصنف ابی ابن شیبہ میں ہی حضرت مجاہد کا قول نقل کیا ہے قال صحبت ابن عمر رضی اللہ عنہ فی السفر والحضر فما رأیته اضطجع بعد رکعتی الفجر۔

ان روایات کو سامنے رکھتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اضطجاع استراحت اور فرائض کی ادائیگی کے لئے نشاط پیدا کرنے کے لئے ہے نہ کہ اضطجاع تشریعی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ بُحَيْنَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَبْدِ اللهِ بْنِ سَرْجِسَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهٰكَذَا رَوٰى أَيُّوبُ وَوَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ وَزِيَادُ بْنُ سَعْدٍ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ جُحَادَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوٰى حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ فَلَمْ يَرْفَعَاهُ وَالْحَدِيثُ الْمَرْفُوعُ أَصَحُّ عِنْدَنَا وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ رَوَاهُ عَيَّاشُ بْنُ عَبَّاسٍ الْقِتْبَانِيُّ الْمِصْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب نماز کیلئے جماعت کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔ اس باب میں حضرت ابن بحینہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن سرجس، ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حسن ہے اور ایوب، ورقاء بن عمر، زیاد بن سعد، اسماعیل بن مسلم اور محمد بن جحادہ نے عمرو بن دینار سے وہ عطاء بن یسار سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح روایت کرتے ہیں یہ حضرات اسے مرفوع نہیں کرتے ہمارے نزدیک مرفوع حدیث اصح ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث اس کے علاوہ بھی کئی سندوں سے مروی ہے عیاش بن عباس قتبانی مصری نے ابوسلمہ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ

هٰذَا وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ الرَّجُلُ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

وآلہ وسلم سے روایت کی ہے اس حدیث پر صحابہ اور ان کے علاوہ کا عمل ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو کوئی شخص فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھے سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، شافعی احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جماعت کھڑی ہو جائے تو اس وقت کوئی نماز درست نہیں مگر فرض نماز۔ اس میں مسئلہ سمجھ لیں کہ فجر کی سنتوں کے علاوہ اور سوائے مغرب کی نماز کے بقیہ تین نمازوں کے بارے میں جمہورؒ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر سنتیں نہ شروع کی ہوں اور جماعت کی تکبیر شروع ہو جائے تو سنتوں کو نہ پڑھے اور اگر نمازی سنتیں شروع کر چکا ہے تو اگر ایک رکعت پڑھ لی ہے تو اس کے ساتھ دوسری رکعت کو ملائے اور دو رکعتوں کو پورا کرے اور اگر پہلی رکعت کا رکوع نہیں کیا تو سنتوں کو توڑ دینا چاہئے۔

فجر کی سنتوں کا حکم: کیا فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد سنتیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ کے نزدیک فجر کی جماعت شروع ہو جانے کے بعد سنتیں پڑھنا جائز نہیں اگرچہ سنتیں پڑھنے کے بعد فرض نمازوں کی دونوں رکعتیں مل جائیں۔

قول ثانی: امام صاحبؒ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کے نزدیک ایک رکعت ملنے کی امید ہو تو پھر بھی سنتیں پڑھ سکتا ہے، سنتیں پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں کسی نماز کا استثناء نہیں لہٰذا فجر بھی اس میں داخل ہوگی۔

جواب اوّل امام طحاویؒ اور امام مسلمؒ نے اس کو موقوف علی ابن عمر رضی اللہ عنہ کہا لہٰذا مرفوع کے مقابلے میں استدلال درست نہیں۔

جواب ثانی: امام بیہقیؒ کی روایت میں ''الا رکعتی الفجر'' کا استثناء موجود ہے۔

جواب ثالث حدیث کا اصل مقصود یہ ہے کہ فرائض سے پہلے سنن کا اہتمام کرنے میں جلدی کی جائے تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔

دلیل ثانی: طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''**أن رجلًا جاء ورسول الله ﷺ في صلوة الصبح فركع ركعتين... فلما قضى النبي صلاته قال يافلان أجعلت صلوتك التي صلينا معنا أو التي صليت وحدك**'' اس حدیث میں فجر کی جماعت کے شروع ہونے کے بعد سنن پڑھنے سے کنایۃً منع فرمایا گیا ہے۔

جواب: اس شخص نے صفوں کے متصل سنن ادا کیں اس وجہ سے منع فرمایا اور یہ ہمارے ہاں بھی مکروہ ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **قال رسول الله ﷺ لاتدعوا ركعتي الفجر ولو طردتكم الخيل** کہ آپ ﷺ نے سنن فجر کی تاکید فرمائی ہے کہ اگر تمہیں گھوڑے بھی روند ڈالیں تو ان کو نہ چھوڑو۔ نیز سفر میں حضور ﷺ نے ان کو کبھی ترک نہیں کیا، نیز فجر کی سنن کو سرخ اونٹوں سے افضل قرار دیا۔

دلیل ثانی: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے ''**عبد الله بن مسعود رضي الله عنه أتى اسطوانة من المسجد فصلى**

الرکعتین ثم دخل فی الصلوٰۃ" ہے کہ وہ جماعت کھڑی ہونے کے بعد بھی سنت فجر پڑھتے تھے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے سامنے ہوتے تھے اور کوئی نکیر نہیں فرماتے تھے۔

دلیل ثالث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں لم یکن النبی ﷺ علی شیء اشد تعاھدًا منه علی رکعتی الفجر۔ (بخاری ومسلم)

دلیل رابع: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ ایقظت ابن عمر رضی اللہ عنہ لصلوٰۃ الفجر وقد اقیمت الصلوٰۃ فقام فصلی رکعتین (طحاوی)

دلیل خامس: طحاوی شریف میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے انه کان یدخل المسجد والناس صفوف فی صلوٰۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیة المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوٰۃ۔

دلیل سادس: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حارثہؒ سے روایت ہے ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ وابا مسعود رضی اللہ عنہ خرجا من عند سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ فاقیمت الصلوٰۃ فرکع ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکعتین ثم دخل مع القوم فی الصلوٰۃ۔

دلیل سابع: عن ابی مجلز قال دخلت المسجد فی صلوٰۃ الغداۃ مع ابن عمر رضی اللہ عنہ وابن عباس رضی اللہ عنہ والامام یصلی فاما ابن عباس رضی اللہ عنہ فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام۔ (طحاوی)

دلیل ثامن: عن ابی عثمان النھدی قال کنا نأتی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلوٰۃ فنصلی فی أخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتھم۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ تَفُوتُهُ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ يُصَلِّيهِمَا بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ جَدِّهِ قَيْسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الصُّبْحَ ثُمَّ انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَنِي أُصَلِّي فَقَالَ مَهْلًا يَا قَيْسُ أَصَلَاتَانِ مَعًا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَمْ أَكُنْ رَكَعْتُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قَالَ فَلَا إِذَنْ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ و قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ سَمِعَ عَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ مِنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ وَإِنَّمَا يُرْوٰى هٰذَا الْحَدِيثُ مُرْسَلًا وَقَدْ قَالَ

حضرت محمد بن ابراہیم اپنے دادا قیس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تو نماز کی اقامت ہوگئی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیچھے کی جانب گھومے تو مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے قیس ٹھہر جاؤ دونوں نمازیں اکٹھی پڑھو گے میں نے کہا یا رسول اللہ میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں ہم محمد بن ابراہیم کی اس طرح کی روایت سعد بن سعید کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباح نے سعد بن سعید سے یہ حدیث سنی اور یہ حدیث

قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ لَمْ يَرَوْا بَأْسًا أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَكْتُوبَةِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَسَعْدُ بْنُ سَعِيدٍ هُوَ أَخُو يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَقَيْسٌ هُوَ جَدُّ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَيُقَالُ هُوَ قَيْسُ بْنُ عَمْرٍو وَيُقَالُ هُوَ قَيْسُ بْنُ قَهْدٍ وَإِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسٍ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فَرَأٰى قَيْسًا.

مرسلا مروی ہے اہل مکہ کی ایک جماعت کا اس حدیث پر عمل ہے کہ وہ صبح کی قضاء شدہ سنتوں کو فرضوں کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے امام ترمذی فرماتے ہیں سعد بن سعید یحییٰ بن سعید انصاری کے بھائی ہیں اور قیس یحییٰ بن سعید کے دادا ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ قیس بن عمرو ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ قیس بن قہد ہیں اس حدیث کی سند متصل نہیں محمد بن ابراہیم نے قیس سے کوئی حدیث نہیں سنی بعض راوی یہ حدیث سعد بن سعید سے اور وہ محمد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیس کو دیکھا۔

تشریح: مسئلہ: فجر کی سنتیں ادا نہ کی ہوں تو ان کی قضاء کا وقت؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کے نزدیک فجر کی سنتوں کی قضاء فرائض کی ادائیگی کے بعد نہیں کریں گے بلکہ طلوع شمس کے بعد ان کی قضاء کریں گے یہی قول امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کا قدیم قول ہے۔

قول ثانی: عطاء بن ابی الرباح اور امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ فرائض کے بعد طلوع شمس سے پہلے سنن ادا کی جاسکتی ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب **عن جدہ قیس قال خرج رسول اللہ ﷺ فأقیمت الصلوٰۃ فصلیت مع الصبح ثم انصرف النبی ﷺ فوجدنی اصلی فقال مھلاً یا قیس أصلاتان معًا: قلت یا رسول اللہ أنی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذن۔**

جواب اوّل: یہ حدیث الباب امام ترمذیؒ کے نزدیک منقطع ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں **واسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل** کہ یہ حدیث منقطع ہے اور انقطاع یہ ہے کہ محمد بن ابراہیم تیمیؒ کا حضرت قیس رضی اللہ عنہ سے لقاء وسماع ثابت نہیں۔ نیز سعد بن سعید کے دوسرے شاگرد عطاء بن ابی الرباح حدیث کو مرسل بیان کرتے ہیں یعنی حدیث میں حضرت قیس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ محمد بن ابراہیم حضرت قیس کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور وہ تابعی ہیں۔

جواب ثانی: فلا اذن کا ترجمہ شوافع حضرات نے کیا ہے **فلا حرج** پس کوئی بات نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے سنتیں نہیں پڑھیں تو کوئی حرج نہیں فرض پڑھنے کے بعد سنتیں پڑھ سکتے ہو جبکہ جمہور حضرات اس لفظ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں ”تب بھی نہیں“ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تب بھی فرض نماز کے بعد فجر کی سنن پڑھنا جائز نہیں۔

بہرحال اس حدیث کا مطلب واضح کرنے کے لئے ائمہ کے مختلف اقوال آئے ہیں۔

امام شافعیؒ نے جو معنی بیان کئے ہیں اس کا قرینہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ حدیث ابن ماجہ اور ابوداؤد میں بھی ہے وہاں ”**فلا اذن**“

کی بجائے یہ الفاظ مذکور ہیں ''فسکت النبی ﷺ'' ہے اور مصنف عبدالرزاق میں فمضی ''ولم یقل شیئًا'' ہے جبکہ بیہقی میں ''فسکت النبی ﷺ ولم ینکر علیه'' ہے۔ اب ان تمام الفاظ کی روشنی میں فلا اذن کا ترجمہ کیا جائے گا پس کوئی بات نہیں کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی شرح ہوتی ہے۔

لیکن دیگر ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ ٹھیک نہیں کیونکہ ایک حدیث دوسری کے لئے شرح تب ہوسکتی ہے جب وہ دونوں احادیث الگ الگ ہوں۔ جبکہ حدیث الباب دو الگ الگ روایات نہیں بلکہ ایک ہی روایت ہے جو مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے پس یہ روایت بالمعنی کی قبیل سے ہے۔

نیز شوافع نے جو معنی بیان کیا ہے وہ درست نہیں۔ حدیث کے الفاظ فلا اذن ہی ہیں اور کوئی الفاظ نہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ہر متکلم کے لئے کچھ الفاظ و محاورات ہوتے ہیں جس کو وہ بکثرت استعمال کرتا ہے۔ یہی محاورہ آپ ﷺ نے متعدد احادیث میں بیان کیا ہے لہٰذا یہاں پر بھی یہی لفظ ہی مان لیا جائے گا اور دیگر روایات میں اس لفظ کے جو معانی بیان کیے گئے ہیں۔ پس وہی معنی یہاں بھی مراد ہوں گے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث میں اس لفظ کے جو معنی متعین ہیں وہ یہاں بھی ہوں گے ان میں کوئی اختلاف بھی نہیں۔ چند احادیث نظائر کے طور پر پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث اوّل: مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت ہے کہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کو ایک غلام ہبہ کیا اور اس ہبہ پر آنحضور ﷺ کو گواہ بنانا چاہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہارے ساتھ یکساں حسن سلوک کرے۔ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں تو ضرور یہ بات چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا فلا اذن یہاں اس کا معنی شوافع والا تو نہیں ہوسکتا۔ لامحالہ اس کا معنی یہاں پر ''پس نہیں'' متعین ہیں یعنی جب تم یہ چاہتے ہو تو صرف ایک لڑکے کو ہبہ مت کرو اگر ہبہ کرنا ہے تو سب کو برابر دو۔

حدیث ثانی: بخاری شریف ''باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت'' میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حج سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ صفیہ کے ایام شروع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا کہ کیا وہ ہمیں روک دیں گی یعنی ان کی وجہ سے سارے قافلہ والوں کو رک جانا پڑے گا۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ حضرت صفیہ نے ابھی تک طواف زیارت نہیں کیا۔ ازواج مطہرت نے عرض کیا کہ انہوں نے طواف زیارت کر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ''فلا اذن'' یہاں پر بھی ''پس نہیں'' کے معنی متعین ہیں۔ دوسرے معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر صفیہ طواف زیارت کر چکی ہے تو اب قافلہ کو رکنا نہیں پڑے گا کیونکہ حائضہ عورت کے لئے طواف وداع واجب نہیں۔

حدیث ثالث: آگے ابواب الاطعمۃ میں باب الرخصة أن ینتبذ فی الظروف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نهی رسول الله ﷺ عن الظروف فشکت الیه الانصار فقالوا: لیس لنا وعاء قال: فلا اذن۔

حدیث رابع: مشکل الآثار جلد ۴ ص ۴ میں روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں فقال هل قال یومًا واحدًا: اللّٰهم انی

اعوذبك من نار جهنم؟ قلت: لا ما كان يدري ما جهنم قال: فلا اذن .... ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے محاورات میں یہ لفظ فلا اذن موجود ہے اسی لئے ظن غالب یہی ہے کہ یہاں بھی اصل لفظ یہی ہے۔

جواب ثالث: اس حدیث کے مقابلے میں دوسری احادیث سنداً اصح ہیں لہٰذا ایسا معنی کریں گے جس سے دوسری روایات کا ترک لازم نہ آئے۔ **جواب رابع:** محرم ومبیح میں جب تعارض آجائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

جواب خامس: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ غصہ کی وجہ سے خاموش ہو گئے ہوں۔

جواب سادس: یہ واقعہ جزئیہ ہے اور دوسری احادیث نہی میں قاعدہ کلیہ کا بیان ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: وہ احادیث ہیں جو ''نهی عن الصلوة في الاوقات المكروهه'' پر دال ہیں۔

دلیل ثانی: ترمذی شریف میں روایت ہے ''من لم يصل ركعتي الفجر فليصلهما بعد ما تطلع الشمس'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتوں کو بعد الصلوٰۃ پڑھنا تو منع ہے بعد طلوع شمس منع نہیں۔

اعتراض: اس دلیل پر امام ترمذیؒ نے اعتراض کیا کہ یہ حدیث معلول ہے اور علت یہ بتلائی ہے کہ اس حدیث کی جو سند یہاں ذکر کی گئی ہے اس کی یہی سند ہے کوئی دوسری سند نہیں۔

جواب اوّل: یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اسکی ایک اور سند بھی ہے اسلئے یہ معلول نہیں۔

جواب ثانی: یہ حدیث آئندہ باب کی ہے۔ نیز اس حدیث کے بارے میں کلام کیا گیا کہ یہ حدیث **عمرو بن العاصم الكلابي** کا تفرد ہے۔ اس کا جواب بعض حضرات نے دیا ہے کہ عمرو بن العاصم صدوق راوی ہیں۔ لہٰذا ان کی یہ حدیث حسن سے کم نہیں۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ باب کے ذیل میں آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعَادَتِهِمَا بَعْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْعَمِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ فَعَلَهُ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی ہوں تو وہ طلوع آفتاب کے بعد پڑھ لے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ہم اس حدیث کو اس سند کے علاوہ نہیں جانتے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوری، شافعی، احمد، اسحاق اور ابن مبارکؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ عمرو بن عاصم کلابی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ہمیں معلوم نہیں جس نے ہمام سے یہ حدیث اسی سند کے ساتھ روایت کی ہو قتادہ کی حدیث مشہور ہے وہ نضر بن

عَنْ هَمَّامٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ هٰذَا إِلَّا عَمْرَو بْنَ عَاصِمٍ الْكِلَابِيَّ وَالْمَعْرُوفُ مِنْ حَدِيثِ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ.

اوراس سے وہ بشیر بن نہیک سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی گویا کہ اس نے فجر کی پوری نماز پالی۔

تشریح: اس باب میں فجر کی سنتوں کی قضاء کا حکم ہے۔کیا ان کو فرضوں کے تابع کر کے قضاء کریں گے یا اکیلے ہی قضاء کریں گے۔اس بارے میں مشہور قول یہی ہے کہ سنتوں کی منفرداً قضاء نہیں۔البتہ فجر کی سنتیں فرض کے تابع ہو کر قضاء کی جائیں گی۔معارف السنن میں اس بات کی تصریح ہے کہ سنتوں کی قضاء نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی قضاء سرے سے جائز ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قضاء فرض نہیں جس طرح فرض کی قضاء ضروری ہے۔**دلیل** حدیث الباب ہے۔

قال ابو عیسٰی: ھٰذا حدیث لانعرفه الا من ھٰذا الوجه. امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو عمرو بن عاصم کلابی سے جانتے ہیں لیکن امام ترمذیؒ نے اس پر کوئی حکم نہیں لگایا کہ یہ کس درجہ کی حدیث ہے۔

آگے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے یہ حدیث ہمام سے اس سند سے اس کی مانند روایت کی ہو سوائے عمرو بن عاصم الکلابی کے۔قتادہ کی مذکورہ سند سے محدثین کے نزدیک جو متن معروف ہے وہ یہ ہے کہ جس نے سورج نکلنے سے پہلے نماز فجر کی ایک رکعت پالی اس نے صبح کی نماز پالی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ حَبِيبَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْعَطَّارُ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ كُنَّا نَعْرِفُ فَضْلَ حَدِيثِ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَلَى حَدِيثِ الْحَارِثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ يَخْتَارُونَ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعَ

حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس باب میں حضرت عائشہ، ام حبیبہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث علیؓ حسن ہے ابوبکر عطار کہتے ہیں کہ علی بن عبداللہ نے یحییٰ بن سعید سے اور انہوں نے سفیان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہم عاصم بن ضمرہ کی حدیث کی فضیلت حارث کی حدیث پر جانتے تھے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے جن میں صحابہ اور بعد کے علماء شامل ہیں کہ ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد دو رکعت سنت پڑھے سفیان ثوریؒ، ابن

رَكَعَاتٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَإِسْحَقَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى يَرَوْنَ الْفَصْلَ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ.

مبارکؒ، اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک رات اور دن کی نمازیں دو دو رکعت ہیں اور ہر دو رکعت کے درمیان فصل ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: ظہر سے قبل کتنی سنن ہیں؟ اس کے متعلق ماقبل میں کچھ بحث گزری ہے۔ اب یہاں سے مستقل اس مسئلہ کو بیان کررہے ہیں کہ ظہر سے قبل چار سنن مؤکدہ ہیں۔

قول اوّل: حدیث الباب کی بناء پر احناف فرماتے ہیں کہ ظہر سے قبل چار رکعات مسنون ہیں۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے۔

قول ثانی: شرح مہذب میں امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہی نقل کیا گیا ہے کہ ظہر سے قبل چار رکعات مسنون ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ اپنے مشہور قول کے مطابق اور امام احمد بن حنبلؒ اس بات کے قائل ہیں کہ ظہر کی سنن قبلیہ صرف دو رکعات ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ کا استدلال اگلے باب ''باب ما جاء فی الرکعتین بعد الظہر'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **صلیت مع النبی ﷺ رکعتین قبل الظہر و رکعتین بعدھا۔**

جواب: یہ حدیث سنن قبلیہ پر محمول نہیں بلکہ یہ تحیۃ المسجد پر محمول ہے یا یہ وہ نوافل تھے جو زوال کے بعد رسول کریم ﷺ پڑھتے تھے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے متعدد روایات اربع قبل الظہر کی سنیت پر مروی ہیں اس کے باوجود انہی سے ظہر سے پہلے دو رکعتوں کا بھی ذکر بعض روایات میں آتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ **سألت عائشة عن صلوٰة رسول الله ﷺ فقالت: كان يصلى قبل الظهر ركعتين و بعدها ركعتين.** لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اربع رکعات قبل الظہر اور رکعتین قبل الظہر دونوں نمازیں الگ الگ تھیں چار رکعات تو سنن قبلیہ تھیں اور دو رکعات صلوٰۃ الزوال یا تحیۃ المسجد تھیں۔

احناف کی دلیل اوّل: **عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی ﷺ كان لا يدع اربعًا قبل الظهر۔**

دلیل ثانی: ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **كان النبی ﷺ يصلی فی بیتی قبل الظهر اربعًا۔**

دلیل ثالث: ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **قال كان النبی ﷺ يصلی قبل الظهر اربعًا** اس دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر سے قبل چار رکعات مسنون ہیں۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کے متعلق یہ فرماتے ہیں **و قال الترمذی حدیث حسن** اور آگے فرماتے ہیں: **و العمل عليه عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبی و من بعدهم۔**

دلیل رابع: ابوداؤد شریف میں روایت ہے اور یہی روایت آگے باب ''باب اخر'' میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ **سمعت رسول الله ﷺ يقول من حافظ علی اربع ركعات قبل الظهر واربع بعدها حرمه الله علی النار۔**

دلیل خامس: سنن نسائی شریف جلد اوّل ص ۲۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **قال رسول الله ﷺ من ثابر**

على اثنتى عشرة ركعة فى اليوم والليلة دخل الجنة أربعاً قبل الظهر و ركعتين بعدها و ركعتين بعد المغرب و ركعتين بعد العشاء و ركعتين قبل الفجر۔

دلیل سادس: آگے باب آخر ص ۹۷ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ان النبی ﷺ کان اذا لم یصل اربعًا قبل الظھر صلاھن بعدھا . اسی طرح بہت ساری روایات چار رکعات سنن مؤکدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ اس باب میں حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں ظہر کے بعد دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ پچھلے باب میں سنن قبلیہ کا ذکر تھا اس باب میں سنن بعدیہ کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

بَابُ آخَرُ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ الْعَتَكِيُّ الْمَرْوَزِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ الْمُبَارَكِ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رَوَاهُ قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ نَحْوَ هٰذَا وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنْ شُعْبَةَ غَيْرَ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کبھی ظہر سے پہلے چار رکعتیں نہ پڑھتے تو انہیں ظہر کے بعد پڑھ لیتے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے ابن مبارکؒ کی روایت سے اسی سند سے جانتے ہیں قیس بن ربیع نے اس حدیث کو شعبہ سے انہوں نے خالد حذاء سے اسی کے مثل روایت کیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ اس حدیث کو شعبہ سے قیس کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہو عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ظہر سے قبل کی چار سنن رہ جائیں تو ظہر کے بعد ان کو قضاء کریں گے تو آیا دو سنن

کے بعد قضاء کریں گے یا پہلے؟ اس میں حنفیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی ادائیگی رکعتین سے پہلے ہوگی یہ قول امام محمد بن الحسنؒ کی طرف منسوب ہے۔ دوسرا قول امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ہے کہ ان چار سنتوں کی ادائیگی رکعتین کے بعد ہوگی یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے **قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا فاتته الاربع قبل الظهر صلاها بعد الرکعتین بعد الظهر۔**

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الشُّعَيْثِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ.

حضرت ام حبیبہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں اور اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کو حرام کر دے گا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے یہ حدیث اس کے علاوہ دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ التِّنِّيسِيُّ الشَّامِيُّ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ ابْنُ الْحَارِثِ عَنِ الْقَاسِمِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ أُخْتِي أُمَّ حَبِيبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْقَاسِمُ هُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُكْنٰى أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَهُوَ مَوْلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ وَهُوَ ثِقَةٌ شَامِيٌّ وَهُوَ صَاحِبُ أَبِي أُمَامَةَ.

عنبسہ بن ابوسفیان سے روایت ہے کہ میں نے اپنی بہن ام حبیبہ زوجہ النبی سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ظہر سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت کی محافظت کی اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دے گا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے قاسم عبدالرحمن بن خالد بن یزید بن معاویہ کے غلام ہیں ثقہ ہیں شام کے رہنے والے ہیں اور ہر ابوامامہ کے دوست ہیں۔

تشریح: قال ابو عیسٰی: اس حدیث میں ایک راوی قاسم ہیں ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ اور قاسم ابن عبدالرحمٰن ہیں اور یہ مولی عبدالرحمٰن بن خالد ابن یزید بن معاویہ ہیں یہ ثقہ شامی ہیں ابوامامہؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الْعَصْرِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے اور انکے درمیاں مقرب فرشتوں اور مسلمانوں ومومنوں میں سے انکے متبعین پر سلام بھیج

أَرْبَعَ رَكْعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَاخْتَارَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَنْ لَا يُفْصَلَ فِي الْأَرْبَعِ قَبْلَ الْعَصْرِ وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ و قَالَ إِسْحٰقُ وَمَعْنَى قَوْلِهِ أَنَّهُ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيمِ يَعْنِي التَّشَهُّدَ وَرَأَى الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ صَلَاةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى يَخْتَارَانِ الْفَصْلَ.

کر فصل کر دیتے تھے۔اس باب میں حضرت ابن عمر اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بھی روایات مروی ہیں۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث علیؓ حسن ہے اسحاق بن ابراہیم نے یہ اختیار کیا ہے کہ عصر کی چار سنتوں کے درمیان سلام نہ پھیرے انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ یہاں سلام سے مراد یہ ہے کہ ان کے درمیان تشہد سے فصل کرتے تھے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دن اور رات کی دو دو رکعتیں ہیں اور وہ ان میں فصل کرنے کو پسند کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ عصر سے قبل چار رکعات سنت (غیر مؤکدہ) کو ذکر کرتے ہیں کہ آپ ﷺ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔**یفصل بینهن بالتسلیم علی الملائکة المقربین** اس سلام سے مراد نماز کے ختم کرنے والا سلام نہیں جو دائیں بائیں طرف نمازیوں پر بھیجا جاتا ہے بلکہ یہاں سلام سے مراد تشہد میں پڑھے جانے والا ہے **السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته، السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین**۔اس جملہ میں تمام مؤمنین، مسلمین، عام فرشتے اور مقرب فرشتے سب پر سلام بھیجا جاتا ہے۔پس یہاں فصل کرنے سے تشہد پڑھنا مراد ہے یہ قول حضرت اسحاق بن راہویہؒ کا ہے۔امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو یہاں حسن صحیح کہا ہے جبکہ یہی حدیث آگے باب **کیف کان یتطوع النبی ﷺ بالنهار** میں ہے وہاں اس حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَأَحْمَدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ مِهْرَانَ سَمِعَ جَدَّهُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: قال ابو عیسیٰ: اس حدیث کی سند میں ابوداؤد طیالسی کے استاد محمد بن مسلم بن مہران ہیں ان کے والد کا نام ابراہیم ہے اور مسلم ان کے دادا ہیں اور جدہ سے مسلم بن مہران مراد ہیں۔حضرت اسحاق کے والد کا نام بھی ابراہیم ہے۔یہ سفر حج میں پیدا ہوئے تھے اسی وجہ سے ان کو راہویہ کہتے ہیں اس لئے یہ اسحاق بن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں۔اس حدیث میں چونکہ محمد بن مسلم کے بارے کلام کیا گیا ہے اس لئے حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَالْقِرَاءَةِ فِيهِمَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ حَدَّثَنَا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ مَا أُحْصِي مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ عَاصِمٍ.

کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغرب اور فجر کی دوسنتوں میں سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھتے ہوئے سنا۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث غریب ہے ہم اس کو عبدالملک بن معدان کی عاصم سے روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مغرب کی نماز کے بعد دورکعتیں سنن رواتب میں شامل ہوتی ہیں۔ البتہ امام مالکؒ کے نزدیک مغرب کے بعد چھ رکعات سنن رواتب میں شامل ہیں بایں معنیٰ کہ مندوب موکد ہیں۔

احناف کے نزدیک دورکعات سنن اور چار رکعات مندوب ہیں یہ کل چھ نوافل اوابین کے کہلاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ جس طرح فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون واخلاص کی قراءت کرتے تھے اسی طرح مغرب کی نماز کے بعد دوسنن میں بھی سورۂ کافرون و اخلاص کی قراءت کرتے تھے۔ نیز اس باب میں مذکورہ سورتوں کی قراءت کی افضلیت کا بیان ہے۔ اور یہ ضروری نہیں کہ صرف یہی پڑھے وگرنہ اس میں تخصیص کا شبہ لازم آئے گا۔ دوسرا یہ کہ قرآن کے باقی حصے کا متروک ہونا لازم آئے گا۔

قال ابوعیسیٰ: یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں تفرد ہے عبدالملک بن معدان سے آخر تک اس کی یہی سند ہے اور یہ راوی ضعیف ہے اوران کے استاد مشہور قاری ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يُصَلِّيهِمَا فِي الْبَيْتِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کے بعد دورکعتیں گھر پڑھیں اس باب میں رافع بن خدیج اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ رَكَعَاتٍ كَانَ يُصَلِّيهَا بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ رَكْعَتَيْنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں جو آپ ﷺ دن اور رات میں پڑھا کرتے تھے دورکعتیں ظہر سے پہلے اور دورکعتیں اس کے بعد دورکعتیں مغرب کے بعد اور دورکعتیں عشاء کے بعد اور حضرت

قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْفَجْرِ رَكْعَتَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حفصہ نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ دو رکعتیں فجر سے پہلے بھی پڑھا کرتے تھے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت کی حسن بن علی نے ان سے عبدالرزاق نے ان سے معمر نے ان سے زہری نے ان سے سالم نے ان سے ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا اس سے پہلے حدیث کے مثل امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: سنن اور نوافل کا حکم یہی ہے کہ ان کو گھروں میں ادا کرنا چاہیے تاکہ گھر والوں کو نماز کی ترغیب ہو۔ اور وہ بھی ان کا اہتمام کریں اور اس سے گھر میں برکت بھی ہوگی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد میں بالکل نوافل و سنن پڑھے ہی نہ جائیں۔ بلکہ موجودہ دور کی عوام کی غلط سوچ وفکر کی وجہ سے امام کو چاہیے کہ فرائض سے قبل وفرائض کے بعد کے نوافل و سنن مسجد میں ادا کرے تاکہ کسی کو اس اعتراض کی گنجائش ہی نہ ہو کہ امام صاحب سنن ونوافل ادا ہی نہیں کرتے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اندیشہ ہے کہ نوافل کے لئے گھر گیا تو کسی کام میں مشغول ہو جاؤں گا نوافل و سنن رہ جائیں گے تو اس شخص کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ وہ مسجد میں بقیہ نماز ادا کرے۔ البتہ اگر کسی کو پورا اطمینان ہو کہ میں گھر جا کر سنن ونوافل پڑھ سکوں گا تو اس کے لئے نوافل و سنن گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

فرائض، واجب، سنن مؤکدہ کے علاوہ جو نوافل مسجد میں پڑھے جاتے ہیں ① سورج گرہن کی نماز ② تحیۃ المسجد ③ احرام کا دوگانہ ④ طواف کا دوگانہ ⑤ تراویح ⑥ اعتکاف کے نوافل ⑦ مسافر کی نماز جب وہ واپس گھر لوٹے اسے چاہیے کہ گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نفل پڑھے۔ ⑧ جس شخص کو مشغولیت کی وجہ سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے بھی نوافل گھر ہی پڑھ لینے چاہئیں۔ ⑨ جمعہ کی سنتیں۔ ان کو شاعر نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔ معارف السنن جلد ۴ ص ۱۱۱ میں ہے

نوافلنا فی البیت فاقت علی التی — نقوم لھا فی مسجد غیر تسعة
صلاة تراویح کسوف تحیة — وسنة إحرام طواف بکعبة
و نفل اعتکاف أو قدوم مسافر — و خائف فوت ثم سنة جمعة

حضرت علامہ شیخ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ارباب فتویٰ کا یہ فتویٰ ہے کہ نوافل وغیرہ مسجد میں ہی ادا کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ نوافل و سنن کو چھوڑ دے۔ دوسرا یہ کہ یہ روافض کا شعار بن گیا ہے کہ وہ گھر میں نماز پڑھتے تھے مسجدوں میں نہیں آتے اس لئے ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے مسجد جانا ضروری ہے۔ آگے ایک اختلاف لفظی بیان کیا جا رہا ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ، امام احمد اور جمہور حضرات کے نزدیک مطلقاً نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ اور ثوریؒ کے نزدیک دن کے نوافل تو مسجد میں افضل ہیں اور رات کے نوافل گھر میں افضل ہیں۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے مطابق ایک روایت یہ ہے کہ ظہر کے بعد کی دو رکعات مسجد میں افضل ہیں۔

قول رابع: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے نزدیک مغرب کی نماز کے بعد دو رکعات سنن مسجد میں جائز نہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد نے فرمایا کہ **قالت لأبی ان رجلاً قال: من صلی رکعتین بعد المغرب فی المسجد لم یجزئہ الا أن یصلیھما فی بیتہ لان النبی ﷺ قال: "ھٰذہ صلوۃ البیوت"** فرمایا کہ یہ کس نے فرمایا؟ میں نے جواب دیا کہ محمد بن عبدالرحمٰن نے ابن ابی لیلیٰ نے جواب دیا **ما احسن ما قال** یا فرمایا **احسن ما انتزع**۔ (معارف السنن)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّطَوُّعِ وَسِتِّ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ يَعْنِي مُحَمَّدَ بْنَ الْعَلَاءِ الْهَمْدَانِيَّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ أَبِي خَثْعَمٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِينَ رَكْعَةً بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ الْحُبَابِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي خَثْعَمٍ قَالَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ يَقُولُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي خَثْعَمٍ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَضَعَّفَهُ جِدًّا.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں نوافل پڑھے اور ان کے درمیان بری بات نہ کرے تو اسے بارہ سال تک عبادت کا ثواب ملے گا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مغرب کی بعد بیس رکعتیں پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو زید بن حباب کی عمر بن ابی خثعم سے روایت کے علاوہ نہیں جانتے میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ عمر بن عبداللہ بن ابی خثعم منکر حدیث ہیں اور امام بخاری انہیں بہت ضعیف کہتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں مغرب کے بعد نوافل کا بیان ہے یہاں ان کی فضیلت ذکر کی گئی ہے کہ ان کا ثواب بارہ سال کی عبادت کے برابر ہے اس کو صلوٰۃ اوابین بھی کہا جاتا ہے۔ صلوٰۃ اوابین یہ آب یؤب أوبا سے ہے۔ لہٰذا یہاں اوّاب کا معنی ہے اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع ہونے والا صلوٰۃ اوابین کا ترجمہ یہ ہوگا جو بندے اللہ تعالیٰ کی طرف بہت زیادہ رجوع ہونے والے ہیں ان کی نماز یعنی اس نماز کو وہی بندے پڑھتے ہیں جن کا اللہ رب العزت کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مغرب کے بعد جو نوافل ہیں وہ بھی اوابین ہیں۔ اشراق و چاشت کی نمازیں بھی صلوٰۃ اوابین ہیں تہجد پر بھی صلوٰۃ اوابین کا اطلاق ہوتا ہے۔

عوام میں صلوٰۃ اوابین کا اطلاق مغرب کی نماز کے بعد نوافل پر ہوتا ہے۔

ان نوافل کا اطلاق مغرب کے بعد سنن کے علاوہ پر اطلاق ہوتا ہے یا ان میں سنن بھی شامل ہوں گی اس بارے میں دو قول ہیں۔ زیادہ راجح یہی ہے کہ دو سنن کے علاوہ نوافل پڑھے جائیں۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے ایک مسئلہ یہ ہے

کہ یہ صلوٰۃ اوابین کتنی رکعات ہیں اس بارے میں چند اقوال ہیں۔ چھ رکعات نوافل ہیں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ بیس رکعات ہیں۔
قال ابوعیسیٰ: یہ حدیث زید بن الحباب، عن عمر بن ابی خشعم سے مروی ہے۔ امام بخاریؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں عمر بن عبد الله بن ابی خثعم منکر الحدیث وضعفه جداً. عبد الله بن ابی خثعم منکر الحدیث ضعیف راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ ثِنْتَيْنِ وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عبید اللہ بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظہر سے پہلے اور بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو اور فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اس باب میں حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن شقیق کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: عشاء کے بعد کی دو رکعات ہمارے نزدیک سنن رواتب میں سے ہیں۔ یہ حدیث امام شافعیؒ کا مستدل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ظہر سے پہلے دو رکعت مسنون ہیں لیکن ہمارے نزدیک ظہر سے قبل چار رکعات مسنون ہیں۔
دلیل ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جو ماقبل میں گزر چکی ہے "لا یدع اربعًا قبل الظهر"۔
یہاں عشاء کے بعد دو رکعت مسنون ہونے کا ذکر ہے۔ رہی یہ بات کہ عشاء سے پہلے کی چار رکعات سنن کا کیا حکم ہے اس کے بارے میں محدثین نے کوئی حدیث بیان نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ یہ مسنون ہے لیکن فقہاء حضرات عشاء سے قبل چار رکعات سنن غیر مؤکدہ کو بیان کرتے ہیں۔ دلیل شرح منیۃ المصلی میں بیان کرتے ہیں کہ "من صلی قبل العشاء أربعًا کانما تهجد من لیلته" اور سنن سعید بن منصور کا حوالہ دیتے ہیں لیکن معارف السنن میں اس کی تردید کی گئی ہے کہ یہاں صاحب کبیری سے تسامح ہوا ہے اصل حدیث یوں ہے "من صلی قبل الظهر اربعًا کأنما تهجد من لیلته" انہوں نے اس حدیث کو عشاء کی نماز کے ساتھ جوڑ دیا۔ لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔
البتہ عشاء سے قبل چار رکعات پر حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی اس معروف حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے جس میں یہ ارشاد ہے "بین کل اذانین صلوٰۃ لمن شاء" اس سے معلوم ہوا کہ عشاء سے قبل بھی نماز ثابت ہے اور چار رکعات کی تعیین اس طرح کر سکتے ہیں کہ تمام نمازوں میں سنن قبلیہ کی تعداد اسی نماز کے فرائض کے برابر متعین ہے سوائے مغرب کے۔ لہٰذا یہاں پر بھی چار رکعات ہونی چاہئیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا خِفْتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ وَاجْعَلْ آخِرَ صَلَاتِكَ وِتْرًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے اگر تمہیں صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت پڑھ لو اور آخر نماز کو وتر بنا ؤ اس باب میں حضرت عمرو بن عبسہؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول بھی یہی ہے۔

تشریح: مسئلہ: دن ورات کے نوافل کی تعداد کتنی ہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کے نزدیک دن کو چار رکعات ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے۔ رات کو دن پر قیاس کرتے ہیں کہ رات کو بھی چار رکعات ایک سلام کے ساتھ افضل ہیں۔ یہی قول امام اوزاعیؒ، ابن المنذرؒ، اسحاق بن راہویہؒ کا ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام احمد، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک نوافل میں دو، دو رکعت نفل نماز افضل ہے چاہے دن کے نوافل ہوں یا رات کے۔

قول ثالث: صاحبین کے نزدیک رات کو دو دو رکعت اور دن کے نوافل چار چار رکعات افضل ہیں۔

قول رابع: امام مالکؒ کے نزدیک رات کے نوافل ایک سلام کے ساتھ چار چار پڑھنا جائز نہیں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ **"صلوۃ اللیل مثنٰی مثنٰی"** اس کے علاوہ جائز نہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں مطلق مثنیٰ مثنیٰ کے الفاظ آئے ہیں۔

دلیل ثانی: ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **"صلوۃ اللیل والنہار مثنی مثنی"** جس سے معلوم ہوا کہ دن رات کے نفل ایک سلام سے دو دو رکعت ہونے چاہئیں۔

جواب: صحیح روایات میں نہار کا لفظ نہیں ہے اور بعض نے اس کو معلول قرار دیا ہے۔

نیز **"صلوۃ اللیل یا صلوۃ مثنیٰ مثنیٰ"** کی احادیث کا جواب یہ ہے کہ یہاں نماز کی کم از کم مقدار بیان کی گئی کہ اس سے کم نماز نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اس سے افضلیت پر استدلال کرنا درست نہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **"صلوۃ اللیل والنہار مثنیٰ مثنیٰ"** (جلد اص ۱۹۰ باب فی صلوۃ النہار) اس سے معلوم ہوا کہ رات میں دو دو رکعت اور دن میں چار رکعت افضل ہے اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **"انہ علیہ السلام کان یواظب فی صلوۃ الضحی علی اربع رکعات"**۔

دلیل ثانی: طحاوی شریف میں روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "علی اربع رکعات بعد زوال الشمس" کہ زوال شمس کے بعد چار رکعات پڑھنا اولیٰ ہے۔

جواب: کوئی قرینہ نہیں جو صرف دو دو رکعات کی افضلیت پر دلالت کرے بلکہ اس کے خلاف چار رکعات کی افضلیت پر قرینہ موجود ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: کتاب الآثار میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أنه قال "من صلی أربع رکعات بعد صلوٰة العشاء الاخرة فی المسجد قبل أن یخرج عدلت مثلهن من لیلة القدر۔

دلیل ثانی: طبرانی الکبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے عن ابن عباس رفعه الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال من صلی اربع رکعات خلف العشاء الاخیرة قرأفی الرکعتین الاولیین "قل یاایها الکافرون" "وقل هو الله احد" وفی الرکعتین الأخریین تنزیل السجدة و تبارك الذی بیده الملك کتبن له کأربع رکعات من لیلة القدر۔

دلیل ثالث: عن کعب الاحبار موقوفاً من توضأ فأحسن الوضوء ثم صلی العشاء الاخرة وصلی بعدها أربع رکعات فأتم رکوعهن وسجودهن یعلم مایقترئ فیهن فأن له اوقال کن له بمنزلة لیلة القدر. (معارف السنن ج۴ ص۱۲۱)

دلیل رابع: حدیث براء بن عازب مرفوعاً کما مر و من صلاهن بعد العشاء کان کمثلهن من لیلة القدر۔

(طبرانی فی الاوسط، سنن سعید بن منصور، والهیثمی جلد ۲ ص ۲۳۰)

دلیل خامس: ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے قال بت فی بیت خالتی میمونة رضی اللہ عنہا.... فصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء ثم جاء فصلی اربعاً ثم نام ثم قام یصلی فقمت عند یساره.... الخ. (جلد اوّل ص ۲۰۰)

دلیل سادس: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ما صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العشاء قط فدخل علی الاصلی اربع رکعات اوست رکعات۔

دلیل سابع: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت صلوٰۃ اللیل کے بارے میں جو مشہور ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کان صلی اللہ علیہ وسلم یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن الحدیث. (بخاری ومسلم)

دلیل ثامن: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے رحم الله امرأ صلی قبل العصر اربعًا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَلَاةِ اللَّيْلِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ. وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَبِلَالٍ وَأَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کے روزوں کے بعد افضل ترین روزے محرم کے مہینے کے روزے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ اس باب میں حضرت جابر، بلال اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے

حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو بِشْرٍ اسْمُهُ جَعْفَرُ بْنُ إِيَاسٍ وَهُوَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةَ.

ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے ابوبشر کا نام جعفر بن ایاس ہے اور وہ جعفر بن ابووحشیہ ہیں۔

تشریح: **شهر الله المحرم**:ای صیام شهر الله المحرم۔محرم کے مہینے سے مراد محرم کے روزے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے رمضان کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والے روزے محرم کے روزے ہیں اور فرائض کے بعد سب سے زیادہ فضیلت والی نماز تہجد کی نماز ہے۔

شوافع نے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ رات کی نماز افضل ہے سنن رواتب سے اور بقیہ نوافل سے سنن رواتب افضل ہیں جیسا کہ ابواسحاق المروزی کا قول ہے بعض شوافع کا قول ہے کہ فرائض کے بعد وتر افضل ہیں۔

جواب بعض نے دیا کہ یہ افضلیت دن کے نوافل اور رات کے نوافل کے مقابلے میں ہے رواتب اور وتر کے علاوہ یہ حکم ہے کیونکہ وتر تو عشاء کے توابع ہیں اور سنن رواتب ہر نماز کے فرائض کے تابع ہیں۔اور رات کی نفلی نماز نہ تو واجب ہے اور نہ ہی سنت مؤکدہ ہے جمہور کے نزدیک۔صرف اس نماز کی افضلیت حدیث میں آئی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن پھر بھی امام ترمذیؒ نے اسی کو صرف حسن کہا ہے ہوسکتا ہے مصنفؒ کے ذہن میں کوئی بات ہو۔حالانکہ یہ حدیث مسلم شریف جلد اوّل ص ۳۶۸ میں بھی آئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَصْفِ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان میں رات کی نماز کی کیفیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور اس کے علاوہ گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے چار رکعتیں اس طرح پڑھتے تھے کہ ان کے حسن اور ان کی طوالت کے بارے میں مت پوچھو پھر اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے ان کے حسن اور ان کی طوالت کے متعلق بھی نہ پوچھو اس کے بعد تین رکعتیں پڑھتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا رہتا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے ان میں سے ایک کے ساتھ وتر کرتے پھر جب اس سے فارغ ہوتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے قتیبہ نے مالک سے اور انہوں نے ابن شہاب سے اسی کے مثل روایت کی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: یہاں سے امام ترمذیؒ نے تین ابواب قائم کئے جن میں آپ ﷺ کی قیام اللیل کی نماز اور اس میں عدد رکعات کو بیان کیا۔ پہلے باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان کی ہے **ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ، یصلی اربعًا .... الخ**۔ کہ آپ ﷺ نے پہلے چار رکعات ادا کیں ان کے حسن وطول کے بارے میں نہ پوچھو پھر چار رکعات طویل ادا کیں پھر تین رکعات وتر ادا کیں۔

دوسری روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے اس میں گیارہ رکعات کا ذکر ہے ایک رکعت وتر کی تھی یعنی آخری دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملا لیتے تو وہ تین وتر بن جاتے۔ تیسری روایت اگلے باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ**۔ چوتھی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے **قالت کان النبی ﷺ یصلی من اللیل تسع رکعات** ان ابواب میں آپ ﷺ کی تہجد کی نماز کا ذکر فرما رہے ہیں۔

بعض حضرات نے احادیث الباب کا تعلق صلوٰۃ التراویح سے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ درست نہیں کیونکہ یہ حدیث صلوٰۃ اللیل (تہجد) کے ساتھ متعلق ہے اس کے بارے میں چند قرائن ہیں۔

پہلا قرینہ یہ کہ محدثین حضرات اس حدیث کو صلوٰۃ اللیل کے ابواب میں ذکر کرتے ہیں صلوٰۃ تراویح یعنی قیام رمضان میں اس کو ذکر نہیں کرتے۔ دوسرا قرینہ اس پر یہ ہے کہ اس میں رمضان **ولا فی غیرہ** کے الفاظ ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صلوٰۃ اللیل سے ہے۔

حضرت ابوسلمہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنے کا مقصد یہ تھا کہ رمضان کا مہینہ جب شروع ہوتا تو آپ ﷺ بنسبت اور مہینوں کے اس مہینے میں زیادہ عبادت کرتے تھے تو کیا رسول کریم ﷺ رات کی ان رکعات میں اضافہ فرماتے تھے یا نہیں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس اضافے کی تردید فرمائی کہ آپؐ کی جتنی رکعاتِ غیر رمضان میں ہوتی تھیں اتنی ہی رکعات رمضان میں ہوتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز تراویح کی نہیں تھی بلکہ تہجد کی تھی۔ غیر مقلدین اس نماز کو تراویح کی نماز کہتے ہیں تو غیر مقلدین سے سوال ہے کہ تم تو پھر غیر رمضان میں یہ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ حالانکہ آپؐ اتنی ہی رکعات غیر رمضان میں ادا کرتے تھے جتنی رکعات رمضان میں ادا کرتے تھے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ وتر ایک رکعت ہے یا تین اور ایک رکعت کو ملا کر دو رکعت کو وتر بنانے کا مسئلہ تو یہ آگے مستقل ابواب الوتر میں آرہا ہے۔

بَابٌ مِنْهُ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ (الضُّبَعِيِّ) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ رات کو تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَابٌ مِنْهُ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ نَحْوَ هٰذَا حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَأَكْثَرُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَأَقَلُّ مَا وُصِفَ مِنْ صَلَاتِهِ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعُ رَكَعَاتٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو نو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ اس باب میں ابوہریرہ، زید بن خالد اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے سفیان ثوری نے اسے اعمش سے اسی مثل روایت کیا ہے۔ ہمیں یہ حدیث بیان کی محمود بن غیلان نے ان سے یحییٰ بن آدم نے ان سے سفیان نے ان سے اعمش نے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ نے فرمایا کہ اکثر روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعتیں اور کم از کم نو رکعتیں منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ مِنَ اللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ أَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو نیند یا آنکھ لگ جانے کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکتے تو دن میں بارہ (12) رکعتیں پڑھتے امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ هُوَ ابْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَتَّابُ بْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ قَالَ كَانَ زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى قَاضِيَ الْبَصْرَةِ وَكَانَ يَؤُمُّ فِي بَنِي قُشَيْرٍ فَقَرَأَ يَوْمًا فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ خَرَّ مَيِّتًا فَكُنْتُ فِيمَنِ احْتَمَلَهُ إِلٰى

حضرت بہز بن حکیم سے روایت ہے کہ زرارہ بن اوفی بصرہ کے قاضی تھے اور قبیلہ بنوقشیر کی امامت کرتے تھے ایک دن فجر کی نماز میں انہوں نے پڑھا (فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ) تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور فوت

دَارِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَسَعْدُ بْنُ هِشَامٍ هُوَ ابْنُ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيُّ وَهِشَامُ بْنُ عَامِرٍ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہو گئے جن لوگوں نے انہیں ان کے گھر پہنچایا ان میں مَیں شامل تھا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سعد بن ہشام وہ عامر انصاری کے بیٹے ہیں اور ہشام بن عامر صحابی ہیں۔

تشریح: مختلف روایات میں مختلف رکعات کا ذکر ہے۔ ان میں تطبیق یوں ہے آپ ﷺ تہجد کی نماز اس طرح ادا کرتے تھے کہ شروع میں ہلکی دو رکعات ادا فرماتے اسکے بعد چار رکعات حسن وطول کے ساتھ پھر اسکے بعد چار رکعات ادا کرتے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ پھر تین رکعات وتر ادا فرماتے پھر وتر کے بعد دو رکعات ادا کرتے جو کہ وتر کی متممات کہلاتی ہیں پھر سنن فجر ادا کرتے تو یہ کل سترہ رکعات ہو گئیں تو جس راوی نے اسکے مجموعہ کو سنا تو اس نے سبع عشرہ کہہ دیا اور جس نے وتر بعد الرکعتین کو شامل نہیں کیا۔ اس خیال سے کہ یہ متممات وتر میں سے ہیں اس نے پندرہ رکعات ذکر کیں اور جس نے فجر کی سنن کو شمار نہیں کیا اس نے تیرہ رکعات ذکر کی ہیں اور جس نے دو رکعت ہلکی اور سنن فجر اور رکعتین بعد الوتر کو حذف کر دیا۔ انہوں نے گیارہ رکعات بیان کر دیا۔

جب رسول کریم ﷺ پر بڑھاپا بڑھتا گیا تو آٹھ رکعات میں سے دو رکعات کو آپ ﷺ نے چھوڑ دیا تو چھ رکعات تہجد کی رہ گئیں اور تین وتر ملا کر نو رکعتیں ہو گئیں اور جب مزید جسم میں کمزوری آئی تو ایک شفع اور ساقط کر دیا تو چار بچ گئیں اور تین وتر لگا کر سات رہ گئیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ تمام روایات رواۃ کے اختلاف واحوال کے اعتبار سے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الرَّبِّ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِينَ يَمْضِي ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ فَيَقُولُ أَنَا الْمَلِكُ مَنْ ذَا الَّذِي يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ فَلَا يَزَالُ كَذٰلِكَ حَتّٰى يُضِيءَ الْفَجْرُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَرِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَعُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر رات کے تہائی حصے کے گزرنے پر آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے میں بادشاہ ہوں کون مجھ سے دعا مانگتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں کون مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ پھر اسی طرح ارشاد فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے اس باب میں حضرت علی بن ابی طالب، ابوسعید، رفاعہ جہنی، جبیر بن مطعم، ابن مسعود، ابودرداء اور عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اور یہ حدیث بہت سی سندوں سے حضرت

مِنْ أَوْجُهٍ كَثِيرَةٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يَنْزِلُ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ وَهٰذَا أَصَحُّ الرِّوَايَاتِ.

ابو ہریرہؓ مروی ہے وہ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جب رات کا آخری تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اترتے ہیں اور یہ روایت اصح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نماز کے ابواب ذکر کرنے کے بعد آخری ابواب میں نماز کی طرف مزید اشتیاق پیدا کرنے اور برانگیختہ کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں تا کہ عبادت کرنے والوں کا شوق مزید بڑھے ورنہ اس باب کا تعلق صفات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے جو کہ اعتقادیات میں سے ہے لہٰذا اس کو کتاب الایمان کے ذیل میں ہونا چاہیے تھا۔

یہاں پر امام ترمذیؒ **"نزول باری تعالیٰ فی ثلث اللیل الی السماء الدنیا"** ذکر فرما رہے ہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب نزول باری تعالیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ نزول باری تعالیٰ کا مسئلہ اعتقادی ہے فقہی نہیں اس پر اجمالاً اعتقاد رکھنا ضروری ہے تفصیلاً اعتقاد رکھنا ضروری نہیں۔ تفصیل اللہ رب العزت بہتر جانتے ہیں۔

ہمارا مسلک اس کے بارے میں یہ ہے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اس کی کیفیت کے متعلق ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ سمع بصر، ید استواء علی العرش کے متعلق متقدمین کا مسلک یہی ہے۔

جن احادیث میں صفات باری تعالیٰ کے متعلق نزول یا کوئی ایسا فعل ثابت کیا گیا جو حوادث کی صفات میں سے ہے اس کے بارے میں بنیادی طور پر چند مذاہب نقل کئے جاتے ہیں۔

قول اوّل: پہلا قول مشبہہ کا ہے جو ان الفاظ کو ان کے ظاہری اور حقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے لئے اسی طرح ثابت ہیں جس طرح حوادث میں ثابت ہوتی ہیں یہ مذہب باطل ہے جمہور حضرات اس کی تردید کرتے ہیں۔

قول ثانی: اس کے برعکس دوسرا قول معتزلہ اور خوارج کا ہے جو اس قسم کی وارد ہونے والی احادیث کا انکار کرتے ہیں یہ مذہب بھی اس بارے میں باطل ہے کیونکہ یہ احادیث صحیحہ کا انکار کرتے ہیں۔

قول ثالث: جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک ایسی احادیث متشابہات میں سے ہیں نزول کے بارے میں جو اجمالی طور پر حدیث میں آ گیا اس پر اجمالاً ایمان رکھتے ہیں اس کی کیفیت وتشبیہ سے اللہ تعالیٰ منزہ ہے۔

قول رابع: اس کے علاوہ ایک مذہب متکلمین کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا ظاہری مفہوم ہرگز مراد نہیں کیونکہ وہ تشبیہ کو مستلزم ہے لیکن ان کے مجازی معنی مراد ہیں مثلاً نزول سے مراد نزول رحمت یا نزول ملائکہ ہے۔

بہر حال یہ حضرات ایسے الفاظ کی تاویل کرتے ہیں۔ پھر تاویل کرنے میں بھی دو قول ہیں ایک وہ تاویل جو لغۃً اور استعمالاً ہوتی ہے اور بعض حضرات دور کی تاویلیں کرتے ہیں جو بسا اوقات تحریف تک پہنچا دیتی ہیں۔

قولہ ینزل اللہ الی السماء الدنیا: نزول سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں:

① نزول سے مراد اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو اللہ کی طرف سے دنیا والوں کو حاصل ہوتی ہے

② نزول سے فرشتوں کا آسمان سے اترنا مراد ہے اسکی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کر دی چونکہ یہ فرشتے اللہ کے حکم سے اترتے ہیں۔

③ اس سے مراد اللہ تعالی کا امر ہے جو فرشتوں کو کیا جاتا ہے۔

④ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالی خود آسمان دنیا میں تشریف لاتے ہیں جیسا کہ ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالی اترنے چڑھنے سے پاک ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "**ثم یبسط یدیه و یقول من یقرض الله غیر عدوم ولا ظلوم حتی ینفجر الفجر**"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ اللَّيْلِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تَقْرَأُ وَأَنْتَ تَخْفِضُ مِنْ صَوْتِكَ فَقَالَ إِنِّي أَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ قَالَ ارْفَعْ قَلِيلًا وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَأَنْتَ تَقْرَأُ وَأَنْتَ تَرْفَعُ صَوْتَكَ فَقَالَ إِنِّي أُوقِظُ الْوَسْنَانَ وَأَطْرُدُ الشَّيْطَانَ قَالَ اخْفِضْ قَلِيلًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ هَانِئٍ وَأَنَسٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ

حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا میں رات کو تمہارے پاس سے گزرا تو تم قرآن پڑھ رہے تھے اور آواز بہت دھیمی تھی حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا میں اس کو سناتا تھا جس سے مناجات کرتا تھا آپؐ نے فرمایا آواز تھوڑی سی بلند کرو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں تمہارے پاس سے گزرا تم بھی پڑھ رہے تھے اور تمہاری آواز بہت بلند تھی حضرت عمر نے عرض کیا میں سونے والوں کو جگاتا ہوں اور شیطانوں کو بھگاتا ہوں آپؐ نے فرمایا ذرا آہستہ پڑھا کرو۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ام ہانی انس، ام سلمہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔

تشریح: اس باب میں رات کی نماز کی قراءت کے بارے میں ذکر فرما رہے ہیں۔ رات کی نماز میں سراً قراءت کرنا بھی جائز ہے اور اگر قریب گھر میں کوئی سویا ہوا نہ ہو تو پھر جہراً قراءت کرنا بھی جائز ہے۔ بہتر صورت یہی ہے کہ نہ افراط ہو اور نہ تفریط وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر سراً ہی پڑھے گا تو طبیعت اکتا جائیگی۔ دیر تک نہیں پڑھ سکے گا اور اگر زیادہ جہر کریگا تو دوسروں کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ پہلی حدیث میں حضرات شیخین کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جس ذات کو سنانا مقصود تھا وہ آہستہ بھی سنتا ہے "**فانه یعلم السر واخفی**" اسلئے زور سے پڑھنے کی میں نے ضرورت محسوس نہیں کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ پاک کو سنانے کے علاوہ سونے والوں کو جگانا چاہتا ہوں تاکہ سونے والے میری آواز سن کر جاگ جائیں اور وہ بھی تہجد پڑھ لیں اور شیطان کو بھگانا چاہتا ہوں تاکہ وہ مجھے وسوسہ نہ ڈال سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان اذان کی طرح قرآن کی آواز سے بھی بھاگتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ اپنی قراءت بلند کریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ اپنی آواز پست کرو۔ ان دونوں کو ایسا فرمانے کی حکمت یہ ہے۔ "**لکونه الطبیب الحاذق والحبیب المشفق الموصل الی مرتبة الکمال**" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مزاج توحید حار کا تھا جو ماسوی اللہ کو جلا دینے والا ہے اسلئے فرمایا کہ اپنی آواز بلند کرو تاکہ تمہاری قراءت سے سامع متمتع اور مہتدی کو نصیحت ہو اور تاکہ تمہارے لئے مقام جمع الشہودی بھی حاصل ہو۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آہستہ آواز میں پڑھنے کا حکم اس لئے دیا کہ ان پر **برودۃ الخلق و کافوریۃ الشیطان** کا مزاج غالب تھا تو ان کو توحید کا شہد ملانے کا حکم دیا جو عبادات میں لذت کا باعث بنتی ہے۔

قولہ اوقظ الوسنان: **سوال:** اگر کسی جگہ کوئی سو رہا ہو تو بلند آواز میں ذکر نہیں کرنا چاہئے اور نہ قرآن پڑھنا چاہئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیسے فرمایا کہ میں سوئے ہوئے کو جگا رہا ہوں۔

جواب اوّل: یہاں نائم سے مراد وہ نائم ہے جو بوقت عبادت غفلت کی نیند میں پڑا ہوا ہو۔

جواب ثانی: نائم سے مراد وہ ہے جو کسی مرض وغیرہ کی بناء پر معذور ہو تو اونچی آواز سے تلاوت کر کے اس کو عبادت کی طرف راغب کرنا مقصود ہے۔ **جواب ثالث:** شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ میں نے بعض مشائخ سے سنا کہ جو شخص ہمیشہ تہجد گزار ہو اگر وہ ایک رات نہ اُٹھ سکے تو اسے اٹھانا چاہیے لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو بلند آواز سے پڑھا کہ اس زمانے کے لوگ تہجد گزار تھے انہیں بیدار کرنا مقصود تھا۔ (کمافی اللمعات)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ فَقَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا أَسَرَّ بِالْقِرَاءَةِ وَرُبَّمَا جَهَرَ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ. قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَإِنَّمَا أَسْنَدَهُ يَحْيَى بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ وَأَكْثَرُ النَّاسِ إِنَّمَا رَوَوْا هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ مُرْسَلًا.

حضرت عبداللہ بن ابو قیس سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کو قراءت کیسی تھی انہوں نے فرمایا آپ ہر طرح قراءت کرتے کبھی دھیمی اور کبھی بلند آواز سے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے دین کے کام میں وسعت رکھی۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں حدیث ابو قتادہ غریب ہے اسے یحییٰ بن اسحاق نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے جبکہ اکثر حضرات نے اس حدیث کو ثابت سے اور انہوں نے عبداللہ بن رباح سے مرسلا روایت کیا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيِّ عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ النَّاجِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِآيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَيْلَةً قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کو صرف ایک آیت کے ساتھ ہی قیام فرمایا امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عبداللہ بن ابی قیس نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں قراءت کیسے کرتے تھے سراً یا جہراً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ جہراً بھی قراءت کرتے تھے اور سراً بھی قراءت کرتے تھے یہ سن کر راوی حدیث نے کہا کہ تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جس نے معاملہ میں گنجائش رکھی۔

اس حدیث کی بناء پر امام ابوحنیفہ کا مسلک وہ ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث میں منقول ہے فرماتے ہیں کہ دن کے نوافل میں اخفاء ہے رات کے نوافل میں جہراً افضل ہے اور سراً بھی جائز ہے۔

اس باب کی آخری حدیث میں فرمایا کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں سورۂ انعام کی آیت **ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفرلھم فانك انت العزیز الحکیم۔** کو بار بار پڑھتے تھے۔ ایک آیت کو بار بار پڑھنا نماز میں تکرار ہوگا۔ تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ نوافل میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ ایک آیت کو بار بار پڑھا جائے۔ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جو شخص حافظ قرآن نہیں اور اس کو ایک آدھ سورت یاد ہے اور وہ اپنی تہجد کو طویل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس سورت کو بار بار پڑھ کر اپنی قراءت کو طویل کرے البتہ فرائض میں ایک آیت یا سورت کا تکرار ٹھیک نہیں مگر نوافل میں اس کی گنجائش ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اس رات خاص کیفیت طاری تھی اس لئے نوافل میں ایسا کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْضَلُ صَلَاتِكُمْ فِي بُيُوتِكُمْ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدِ اخْتَلَفُوا فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ فَرَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي النَّضْرِ مَرْفُوعًا وَأَوْقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَرَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي النَّضْرِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَالْحَدِيثُ الْمَرْفُوعُ أَصَحُّ. حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلُّوا فِي بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فرض نماز کے علاوہ تمہاری افضل ترین نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے۔ اس باب میں حضرت عمر بن خطاب، جابر بن عبداللہ، ابوسعید، ابوہریرہ، ابن عمر، عائشہ، عبداللہ بن سعد اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں زید بن ثابت کی حدیث حسن ہے اہل علم نے اس حدیث کی روایت میں اختلاف کیا ہے موسیٰ بن عقبہ اور ابراہیم بن ابونضر نے اسے مرفوعاً جبکہ بعض حضرات نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے مالک نے ابونضر سے موقوفاً روایت کیا ہے اور مرفوع حدیث اصح ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان نہ بناؤ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: صلوا فی بیوتکم: جمہور حضرات فرماتے ہیں گھروں میں نماز پڑھنے سے مراد نفل نماز ہے مرد کو فرض نماز کے علاوہ باقی سنن ونوافل گھروں میں پڑھنا چاہیے تاکہ گھر والوں کو نماز کی ترغیب ہو اور اس کے علاوہ گھروں میں برکت ہو اور اللہ

کی طرف سے رحمت اور نزول ملائکہ ہو اور شیطان دور بھاگے۔ طبرانی شریف میں عبدالرحمن ابن سابط کی حدیث ہے۔ **نوروا بیوتکم بذکر اللہ واکثروا فیہا تلاوۃ القرآن ولا تتخذوھا قبورًا کما اتخذھا الیھود والنصارٰی**۔ اپنے گھروں کو اللہ کے ذکر سے روشن کرو گھروں میں تلاوت قرآن کثرت سے کرو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے گھروں کو قبرستان بنا رکھا تھا۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۱۶۲)

قولہ ولا تتخذوھا قبورًا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اسکی تین شرحیں ہیں: ① اپنے گھروں میں عبادت نہ کر کے قبرستان نہ بناؤ کہ جس طرح قبرستان میں نماز ادا نہیں کی جاتی اسی طرح تم گھروں میں نماز ادا نہ کرو ② اپنے گھروں میں مردے دفن نہ کرو کیونکہ تم عبادت کرو گے تو قبرستان میں عبادت کرنا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ③ اپنے گھروں کو صرف سونے کا مرکز نہ بناؤ کہ اس میں تم نماز بھی نہ پڑھو اور نوم چونکہ موت کی بہن ہے۔ لہٰذا تم سو کر اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح نہ بناؤ بلکہ اسکے اندر تم نماز (نوافل مسنونہ) پڑھتے رہو۔

قال ابو عیسیٰ حدیث زید بن ثابت: امام ترمذیؒ پہلی حدیث کی سند پر بحث کر رہے ہیں کہ یہ حدیث ابوالنضر سالم بن ابی امیہ تیمی سے چار حضرات روایت کرتے ہیں اور تین حضرات حدیث ہذا کو مرفوع بیان کرتے ہیں جبکہ ایک راوی اس کو موقوف بیان کرتے ہیں۔ تین راوی یہ ہیں عبداللہ بن سعید بن ابی ہند اور ابوالنضر سالم کے بیٹے ابراہیم جو وردان کے نام سے مشہور ہیں۔ اور امام المغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے۔ یہ تینوں حضرات ابوالنضر سالم سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع بیان کرتے ہیں اور اس کو بیان کرتے ہیں حضرت امام مالک ابوالنضر سالم سے موقوفاً نقل کرتے ہیں۔

أَبْوَابُ الْوِتْرِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْوِتْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَاشِدٍ الزَّوْفِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُرَّةَ الزَّوْفِيِّ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ أَنَّهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوِتْرُ جَعَلَهُ اللهُ لَكُمْ فِيمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ إِلَى أَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَبُرَيْدَةَ وَأَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ صَاحِبِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ وَقَدْ وَهِمَ بَعْضُ الْمُحَدِّثِينَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَاشِدٍ الزُّرَقِيِّ وَهُوَ وَهَمٌ

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف نکلے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک نماز سے تمہاری مدد کی ہے جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے وہ وتر کی نماز ہے اسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان وقت میں مقرر فرمایا ہے اس باب میں حضرت ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو، بریدہ اور ابوبصرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ خارجہ بن حذافہ کی حدیث غریب ہے ہم اسے یزید بن ابوحبیب کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے بعض محدثین کو اس حدیث میں وہم ہوا ہے اور انہوں نے عبداللہ بن راشد زرقی کہا ہے اور یہ وہم ہے۔

تشریح: وتر کا لغوی معنی: طاق کرنا۔ اصلاح میں وتر اس نماز کو کہا جاتا ہے جو عشاء کے بعد پڑھی جائے۔

إِنَّ اللهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلَاةٍ هِيَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ: یعنی اللہ تمہارے اعمال میں زیادتی کرے گا جماعت کی زیادتی کے ساتھ یعنی جس چیز میں زیادتی مقصود ہے اس جنس کی زیادتی مراد ہے۔ "امدکم" ایک معنی یہ بھی ہے کہ اللہ نے تم کو ایک نماز زیادہ دی اور وہ وتر ہے۔ یہ حدیث وتر کے وجوب میں احناف کی دلیل ہے۔

حُمْرِ النَّعَمِ: چونکہ عرب میں سرخ اونٹ بہت پسندیدہ اور عمدہ سمجھے جاتے تھے اور بہت قیمتی سمجھے جاتے تھے اس لئے وتر کی ترغیب کے لئے سرخ اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی۔ امام ترمذیؒ یہ روایت لائے ہیں جو کہ وتروں کے وجوب پر دلالت کر رہی ہے۔

دوسرے حضرات وتر کو سنت کہتے ہیں اگرچہ ان کا معاملہ وتروں کے ساتھ وجوب والا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

احناف فرماتے ہیں کہ مزید، مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے اب واجب فرض کی جنس میں سے ہوتا ہے کیونکہ واجب عملاً فرض ہوتا ہے لیکن اگر وتروں کو سنت کہیں تو امدکم کا مطلب صحیح نہیں بنے گا کیونکہ سنت فرض کی جنس میں سے نہیں۔

وتروں کے متعلق چند مسائل کا بیان کیا جاتا ہے۔ وتروں کا حکم کیا ہے؟ وتروں کی تعداد رکعات کتنی ہے؟ وتر کتنے سلاموں کے ساتھ ہے اس کے بعد وتروں میں قنوت کا مسئلہ کہ دعا قنوت کونسی پڑھی جائے گی؟ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع؟ ان تمام مسائل کو امام ترمذی مختلف ابواب میں بیان کریں گے۔

قال ابوعیسیٰ: حدیث خارجہ بن حذافہؓ حدیث غریب ہے۔ وجہ غربت یہ ہے کہ یزید بن ابی حبیب سے آخر تک سند ہے اس میں یزید بن ابی حبیب کے استاد عبداللہ بن راشد مستور ہیں ان کے استاد الاستاد عبداللہ بن ابی مرۃ مجہول ہیں اور عبداللہ بن راشد کی نسبت زَوْفِی ہے۔ جن بعض محدثین نے زرقی نسبت بیان کی وہ ان کا وہم ہے۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْوِتْرَ لَيْسَ بِحَتْمٍ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَصَلَاتِكُمُ الْمَكْتُوبَةِ وَلٰكِنْ سَنَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَأَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ . وَرَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ الْوِتْرُ لَيْسَ بِحَتْمٍ كَهَيْئَةِ الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ وَلٰكِنْ سُنَّةٌ سَنَّهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ وَقَدْ رَوَاهُ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ نَحْوَ رِوَايَةِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وتر فرض نمازوں کی طرح فرض نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سنت ٹھہرایا آپ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے اور وہ طاق کو پسند کرتا ہے اے اہل قرآن وتر پڑھا کرو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کی حدیث حسن ہے اور روایت کی سفیان ثوری وغیرہ نے ابواسحاق سے انہوں نے عاصم بن ضمرہ سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت علی نے فرمایا وتر فرض نمازوں کی طرح فرض نہیں لیکن سنت ہے آپ ﷺ نے اسے سنت بنایا۔ بیان کیا ہم سے بندار نے انہوں نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے انہوں نے سفیان سے اور انہوں نے ابواسحاق سے اور یہ حدیث ابوبکر بن عیاش کی حدیث سے اصح ہے منصور بن معتمر بھی ابواسحاق سے ابوبکر بن عیاش کی حدیث کے مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: مسئلہ: صلوۃ الوتر کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک نماز وتر سنت ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ اور بعض فقہاء کوفہ کے ہاں نماز وتر واجب ہے۔

قول ثالث: بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ نماز وتر فرض ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف جلد ا ص ۲۰۸ ''باب فیمن لم یوتر'' میں حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔** (مستدرک حاکم جلد اول ص ۳۰۵ الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۱۹۷ وقال صحیح)

اعتراض اوّل: اس حدیث پر شوافع کی جانب سے یہ اعتراض کیا گیا کہ اس کے ایک راوی ابوالمنیب عبیداللہ بن عبداللہ العتکی ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں۔

جواب: امام بخاریؒ نے اگر چہ ان کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن امام ابن معینؒ وغیرہ نے انہیں ثقہ کہا ہے اور امام ابوحاتم نے ان کو صالح الحدیث قرار دیا ہے۔ امام بخاریؒ پر انہوں نے جرح کی ہے کہ انہوں نے ان کو ضعفاء میں کیسے شامل کرلیا ہے۔ ابن عدی ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ **هو عندی لا بأس به۔** بہرحال ابوالمنیب کی توثیق کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔

اعتراض ثانی: **الوتر حق** کہنے سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حق کے معنی ثابت کے ہیں۔

جواب: حق واجب کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

دلیل ثانی: دارقطنی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال قال رسول الله ﷺ من نام عن وترہ او نسیه فلیصله اذا اصبح أوذکرہ** اس میں نماز وتر کی قضاء کا حکم دیا گیا ہے اور قضاء کا حکم واجب کا ہوتا ہے سنن کا نہیں ہوتا۔

دلیل ثالث: پچھلے باب میں حضرت خارجہ بن حذافہؓ کی روایت گزر چکی ہے وہ فرماتے ہیں **خرج علینا رسول الله ﷺ فقال ان الله امدکم بصلوة هی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعله الله لکم فیما بین صلوة العشاء إلی أن یطلع الفجر۔**

دلیل رابع: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت مستدرک حاکم جلد ا ص ۳۰۲، ترمذی شریف جلد ا ص ۶۲ میں ہے۔ **ان النبی ﷺ قال اوتروا قبل ان تصبحوا** اس حدیث میں **اوتروا** امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

دلیل خامس: دارقطنی جلد اوّل ص ۱۷۱ مستدرک حاکم جلد ا ص ۳۰۲ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **قال قال رسول الله ﷺ من فاته الوتر من اللیل فلیقضه من الغد۔**

دلیل سادس: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے **الوتر واجب علی کل مسلم۔** (مسند بزار)

دلیل سابع: مسند احمد میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **خطب الناس یوم جمعة .... قال ان الله زاد صلوة وهی الوتر فصلوها ما بین العشاء الی الصلوة الفجر.** خطبہ میں اسکا اہتمام اس امر کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

دلیل ثامن: ابوداؤد شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **یا اهل القرآن اوتروا** اسی طرح کے الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے مروی ہیں۔ (ابوداؤد جلد اوّل ص ۲۰۷)

دلیل تاسع: مسلم شریف میں روایت ہے **عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً من خاف ان لا یقوم فی آخر اللیل فلیوتر فی اوله۔**

دلیل عاشر: آپ ﷺ نے سفر وحضر میں وتروں پر مواظبت کی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی وتر کو ترک نہیں کیا۔

جمہور حضرات وائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: بخاری شریف کے الفاظ ''لا الا ان تطوع'' ہیں معلوم ہوا کہ فرض کے علاوہ اور کوئی نماز واجب نہیں۔

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے وتر سواری پر پڑھے اور ان کی اتباع میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وتروں کی نماز سواری کے اوپر ادا فرمائی جبکہ سواری پر صرف نفل ادا کیے جا سکتے ہیں۔

دونوں دلیلوں کا مشترکہ جواب اوّل: یہ اس زمانے کی بات ہے کہ جب وتر اتنے مؤکد اور واجب نہ تھے تو سواری پر پڑھنا جائز تھا۔

جواب ثانی: رسول کریم ﷺ نے عذر کی وجہ سے سواری پر پڑھے ہوں گے۔

دلیل ثالث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "**الوتر لیس بحتم کصلوتکم المکتوبة ولکن سن رسول الله**"۔

جواب: ان میں فرضوں کی طرح لازمی ہونے کی نفی ہے جسکے ہم بھی قائل ہیں کہ فرائض کا منکر کافر ہے اور وتر کا منکر کافر نہیں بلکہ فاسق ہے

دلیل رابع: نسائی شریف ج ۱ ص ۸۰ "**باب کم فرضت فی الیوم واللیلة**" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**قال سأل رجل رسول الله فقال یا رسول الله کم افترض الله عزوجل علی عبادہ من الصلوة؟ قال افترض الله علی عبادہ صلوات خمس قال یا رسول الله هل قبلهن اوبعدهن شیئا قال افترض الله علی عبادہ صلوات خمس فحلف الرجل لایزید علیه شیئا ولا ینقص منه شیئا قال رسول الله ان صدق لیدخلن الجنة**"۔

جواب: یہاں پانچوں نمازوں کی فرضیت کا ارشاد فرمایا وتروں کو مستقلاً الگ ذکر کر کے چھ نمازوں کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ یہ وِتر عشاء کے تابع سمجھے جاتے ہیں۔

دلیل خامس: آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا امیر بنا کر بھیجا تو فرمایا "**فاعلمهم ان علیهم خمس صلوات**" اگر وتر واجب ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان کو الگ ذکر فرماتے۔

جواب: یہاں اوقات صلوٰۃ کا ذکر ہے جس کا قرینہ خود اس حدیث میں ہے **فی یوم ولیلة** اور وتر کا وقت الگ نہیں عشاء والا ہی ہے۔

دلیل سادس: دار قطنی جلد اوّل ص ۱۷۱ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**امرت بالوتر ولم یعزم علیّ**"۔

جواب: قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۳ میں لکھتے ہیں **فی اسنادہ عبدالله بن محرز وهو ضعیف قال احمد ترك الناس حدیثه وقال الجوزجانی هالك وقال الدار قطنی وجماعة متروك**۔

دلیل سابع: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**خشیت ان یکتب علیکم الوتر**" قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۳ میں اس روایت کو ذکر کرتے ہیں۔

جواب: اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ راوی ہے جس پر کلام کیا گیا ہے اس کا مزید ذکر تراویح کے باب میں آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْمِ قَبْلَ الْوِتْرِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ عِيسَى بْنِ أَبِي عَزَّةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي ثَوْرٍ الْأَزْدِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ سونے سے پہلے وتر پڑھا کرو۔ عیسیٰ بن ابو عزہ کہتے ہیں کہ امام شعبی شروع رات میں وتر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ قَالَ عِيسَى بْنُ أَبِي عَزَّةَ وَكَانَ الشَّعْبِيُّ يُوتِرُ أَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَنَامُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَبُو ثَوْرٍ الْأَزْدِيُّ اسْمُهُ حَبِيبُ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ وَقَدِ اخْتَارَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ أَنْ لَا يَنَامَ الرَّجُلُ حَتَّى يُوتِرَ. وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ خَشِيَ مِنْكُمْ أَنْ لَا يَسْتَيْقِظَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ مِنْ أَوَّلِهِ وَمَنْ طَمِعَ مِنْكُمْ أَنْ يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَإِنَّ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ فِي آخِرِ اللَّيْلِ مَحْضُورَةٌ وَهِيَ أَفْضَلُ. حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ

پڑھتے پھر سوتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اور ابوثور الازدی کا نام حبیب بن ابوملیکہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اہل علم کی ایک جماعت نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ وتر پڑھنے سے پہلے نہ سوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جسے یہ ڈر ہو کہ رات کے آخری حصے میں نہیں اٹھ سکے گا تو شروع میں ہی وتر پڑھ لے جسے رات کے آخری حصے میں جاگنے کی امید ہو وہ رات کے آخری حصے میں وتر پڑھے کیونکہ رات کے آخری حصے میں جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔

جابر نے روایت کی ہم سے یہ حدیث ہناد نے روایت کی ہم سے ابومعاویہ نے انہوں نے اعمش سے انہوں نے ابوسفیان سے انہوں نے جابر سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

تشریح: اس باب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو رات کے آخری حصہ میں بیدار ہونے کا پختہ یقین ہو تو وہ اپنے وتروں کو عشاء کی نماز کے ساتھ نہ پڑھے بلکہ تہائی رات تک کیلئے مؤخر کردے اور جس شخص کو تہائی رات کے وقت جاگنے کا یقین نہ ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ عشاء کے بعد وتر پڑھ لے پھر سوئے اگر تہائی رات کے وقت جاگ جائے تو تہجد پڑھ لے وتروں کو دوبارہ نہ پڑھے۔ اسی طرح اگر کسی کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ تہجد کیلئے نہیں اٹھ سکے گا تو اس کیلئے یہ حکم ہے کہ رات سونے سے قبل نوافل ادا کرلے پھر وتر پڑھ کر سوجائے۔ اب یہ نوافل تہجد تو نہیں البتہ ان کا بدل کہہ سکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے کہ جب وہ کسی وجہ سے تہجد نہ پڑھ پاتے تو سورج طلوع ہونے کے بعد بارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے یہ نفلیں تہجد نہیں بلکہ اس کا بدل ہے اور بدل مقدم بھی ہوسکتا ہے اور مؤخر بھی۔ وتروں کو مؤخر کرنے کا حکم صرف ان لوگوں کیلئے ہے جو تہجد کے پابند ہوں وگرنہ وتروں کو عشاء کے ساتھ ہی ادا کرنا چاہیے۔

دوسرا یہ کہ وتروں کا یہ حکم رمضان کے علاوہ پر محمول ہے کیونکہ رمضان میں وتروں کو تراویح کے بعد باجماعت ادا کیا جاتا ہے اور باجماعت ادا کرنا افضل ہے اکیلے پڑھنے سے۔ لہٰذا وتروں کی تاخیر کا حکم رمضان کے علاوہ پر محمول ہے۔ وگرنہ رمضان میں تو ہر شخص تہائی رات کو جاگتا ہے اور اکثر مسلمان تہجد کے نوافل ادا کرتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو تراویح کے بعد وتروں کو باجماعت نہ پڑھا جاتا۔

نیز وتروں کو پڑھ کر سونا ان لوگوں کے لئے ہے جو تہجد کے لئے نہ اٹھ سکتے ہوں اور اسی طرح اوّل اللیل میں وتروں کا پڑھنا بہت ساری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ چند مندرجہ ذیل ہیں۔

دلیل اوّل: حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ کان ابوبکر الصدیق اذا اراد أن یأتی فراشه اوتر و کان عمر بن الخطاب یوتر آخر اللیل۔

دلیل ثانی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے سے قبل وتر ادا کرنے کی وصیت کی مسلم شریف میں روایت ہے قال اوصانی خلیلی بثلاث صیام ثلاثة ایام فی کل شهر، ورکعتی الضحی وأن أوتر قبل أن أنام۔

دلیل ثالث: بخاری شریف میں یہ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں اوصانی خلیلی بثلاث لا أدعهن حتی اموت: صوم ثلاثة ایام من کل شهر وصلوٰة الضحی ونوم علی وتر۔ اس طرح کی اور بہت ساری روایات ہیں جو نوم سے قبل وتر پڑھنے پر دلالت کرتی ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَآخِرِهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا أَبُو حَصِينٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ وِتْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ أَوَّلَهُ وَأَوْسَطَهُ وَآخِرَهُ فَانْتَهَى وِتْرُهُ حِينَ مَاتَ إِلَى السَّحَرِ قَالَ أَبُو عِيسَى أَبُو حَصِينٍ اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ عَاصِمٍ الْأَسَدِيُّ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ وَأَبِي قَتَادَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْوِتْرُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ.

حضرت مسروق نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کے متعلق پوچھا تو فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات میں جب چاہتے وتر پڑھ لیتے کبھی رات کے شروع میں، کبھی درمیانی حصے میں اور کبھی رات کے آخری حصے میں یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصے میں وتر پڑھا کرتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابوحصین کا نام عثمان بن عاصم اسدی ہے اس باب میں حضرت علی، جابر، ابومسعود انصاری اور ابوقتادہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم نے وتر کو آخری رات میں پڑھنے کو اختیار کیا ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے وتروں کی ادائیگی کا وقت بیان کیا کہ رات کے اوّل حصے میں ادا کرے یا رات کے درمیانی حصہ میں یا رات کے آخری حصے میں ادا کرے۔

قوله اوله و اوسطه و آخره یہ تینوں الفاظ مجرور ہیں ''کل اللیل'' سے بدل ہونے کی وجہ سے اور ''الوتر من اخر اللیل'' کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ پہلی صورت میں ''هو'' مقدر کی خبر ہوگا اور اگر اختاره کی ہ ضمیر مفعول سے بدل بنائیں تو پھر یہ منصوب ہوگا اگر اختاره کے جملہ سے بدل بنائیں تو پھر خبر ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِسَبْعٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ

عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً فَلَمَّا كَبِرَ وَضَعُفَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرُ بِثَلَاثَ عَشْرَةَ وَإِحْدَى عَشْرَةَ وَتِسْعٍ وَسَبْعٍ وَخَمْسٍ وَثَلَاثٍ وَوَاحِدَةٍ قَالَ إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ مَعْنَى مَا رُوِيَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثَ عَشْرَةَ قَالَ إِنَّمَا مَعْنَاهُ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ فَنُسِبَتْ صَلَاةُ اللَّيْلِ إِلَى الْوِتْرِ وَرَوَى فِي ذٰلِكَ حَدِيثًا عَنْ عَائِشَةَ وَاحْتَجَّ بِمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَوْتِرُوا يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ قَالَ إِنَّمَا عَنَى بِهِ قِيَامَ اللَّيْلِ يَقُولُ إِنَّمَا قِيَامُ اللَّيْلِ عَلَى أَصْحَابِ الْقُرْآنِ.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرہ رکعتیں وتر پڑھا کرتے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوڑھے اور ضعیف ہوگئے تو سات رکعتیں وتر پڑھنے لگے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث ام سلمہ حسن ہے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ وتر میں تیرہ گیارہ نو سات تین اور ایک رکعت پڑھا کرتے تھے اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ وتر سمیت تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے چنانچہ رات کی نماز بھی وتر کی طرف منسوب ہوگئی اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی حدیث مروی ہے ان کا استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی اس حدیث سے ہے کہ اے اہل قرآن وتر پڑھا کرو اس کا مقصد تہجد کی نماز ہے یعنی تہجد کو مجازاً وتر کہتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل قرآن کو تہجد کا حکم دیا۔

تشریح: **مسئلہ اولیٰ: وتروں کی رکعات کتنی ہیں؟** اس مسئلے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر ایک رکعت سے لے کر سات رکعات تک جائز ہے جبکہ امام شافعیؒ کے ہاں ایک رکعت بھی جائز ہے جو ادنیٰ درجہ ہے اور تین رکعات بھی جو افضل درجہ ہے لیکن امام مالکؒ کے ہاں یہ مرجوح قول ہے اور راجح قول یہ ہے کہ تین رکعات دو سلاموں کے ساتھ اور درمیان والا سلام قاطع صلوٰۃ نہیں سجدہ سہو کی طرح۔

امام احمدؒ کا قول اس میں مضطرب ہے کہ حقیقت وتر ایک رکعت ہے مگر اصالۃ اس سے پہلے دو رکعت کا شفعہ ہونا ضروری ہے۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک وتر کی تین رکعات متعین ہیں۔ امام مالکؒ کا قول بھی یہی ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اوّل: مؤطا امام مالک میں حدیث نافع ہے اس کے آخیر میں یہ الفاظ ہیں **"فلما خشي الصبح اوتر بواحدة"** (مشکوٰۃ باب الوتر)

دلیل ثانی: ابوداؤد کی روایت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس میں یہ الفاظ ہیں **"ومن أحب ان يوتر بواحدة فليفعل"** (جلد اوّل ص ۲۰۸ باب کم الوتر)

دلیل ثالث: روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے اس میں **"بعد العشاء بركعة"** کے الفاظ ہیں۔

دلیل رابع: یہی حدیث باب ہے **فلما كبر وضعف اوتر بسبع**۔

حدیث الباب کی مختلف توجیہات: حدیث الباب میں وتر اور تہجد دونوں کا بیان ہے۔ تیرہ رکعت یا سات رکعت کی توجیہات یہ ہیں۔ ① اس میں دس رکعتیں صلوٰۃ اللیل کی اور تین رکعتیں وتر کی ہیں۔ ② یا آٹھ رکعات تہجد کی اور تین رکعات وتر کی اور دو نفل کی۔ یا دو رکعت سنت فجر کی۔ چونکہ اہم نماز وتر ہے اسلئے نفلوں کو اسکے تابع کر کے مجموعہ کو وتر کہہ دیا۔ صلوٰۃ اللیل پر وتر کا اطلاق ہوتا ہے اس پر دو دلیلیں ہیں۔

دلیل اوّل: مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے منھا الوتر ورکعت الفجران میں وتر اور فجر کی دو سنتیں شامل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ساری تیرہ رکعات صلوٰۃ اللیل نہیں ہے۔ بعض صلوٰۃ اللیل ہے اور بعض فجر کی سنتیں اور بعض وتر ہیں۔ چونکہ ان سب میں وتر اہم تھا اس لئے سب پر اطلاق وتر کا کر دیا۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب کے آخر میں روی عن النبی ﷺ انہ قال اوتروا یا اہل القرآن قال انما عنی بہ قیام اللیل۔ قیام اللیل سے مراد اصحاب القرآن میں جو حفاظ ہیں اور وتر سے تہجد مراد ہے۔ آپ ﷺ حافظوں کو تہجد پڑھنے کی ترغیب دے رہے تھے۔

مشترکہ جوابات: جس طرح کی وتر کی تعداد رکعات کے بارے میں روایات میں ایک سے لے کر سات تک کا ذکر آتا ہے اسی طرح آگے سترہ کا ذکر بھی آیا ہے دیکھئے سنن نسائی ج اوّل ص ۲۴۸ تا ۲۵۱ میں ابواب ذکر کیے ہیں ان میں ایک باب یہ ہے "کیف الوتر بثلاث عشرۃ رکعۃ" لہٰذا وتروں کے متعلق جو جواب تم سات سے اوپر والی روایات کا دو گے وہی جواب ہم تین سے اوپر والی روایات کا دیں گے۔

احناف ؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے۔ اس میں یہ الفاظ مستدل ہیں یوتر بثلاث عشرۃ رکعۃ۔

دلیل ثانی: حضرت عائشہ ؓ کی روایت بخاری شریف میں (ج ۱ ص ۱۵۴) اور مسلم شریف میں ہے "**عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن انہ سأل عائشۃ فلاتسأل عن کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ فی رمضان قالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدے عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلاتسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعاً فلاتسأل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثاً فقالت عائشۃ فقلت یارسول اللہ اتنام قبل ان توتر فقال یاعائشۃ عینی تنامان ولاینام قلبی**"۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۴)

دلیل ثالث: ترمذی شریف (باب ماجاء فی الوتر بثلاث) میں حضرت علی ؓ کی روایت ہے "**عن علی قال کان رسول اللہ یوتر بثلاث یقرأ فیھن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعۃ بثلاث سور آخرھن قل ھو اللہ احد**"۔

دلیل رابع: حضرت عائشہ ؓ کی روایت ترمذی شریف **(باب ماجاء فیما یقرأ فی الوتر)** میں ہے۔ "**بای شئی کان رسول اللہ یوتر قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلی و فی الثانیۃ بقل یایھا الکفرون و فی الثالثۃ بقل ھو اللہ احد والمعوذتین**"۔

دلیل خامس: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر ؓ کا اثر ہے کہ جب حضرت ابوبکر ؓ کا انتقال ہوا اور انہیں رات کے وقت دفن کیا گیا تو حضرت عمر ؓ نے تدفین سے فراغت کے بعد مسجد میں داخل ہو کر تین وتر ادا فرمائے۔

مسئلہ: وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں یا دو سلاموں کے ساتھ؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے ہاں دو سلاموں کے ساتھ اس طرح تین وتر پڑھے جائیں کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جائے پھر ایک رکعت وتر الگ تشہد کے ساتھ اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے گا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ کے نزدیک تین وِتر ایک سلام کے ساتھ ہوں گے۔

امام شافعی کی دلیل اوّل: طحاوی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کیا گیا ہے کہ "انه كان يفصل بين شفعه ووتره بتسليمة واخبر ابن عمر ان النبى ﷺ كان يفعل ذالك"۔ (آثار السنن ص ۱۵۸)

جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خود اس کے معارض حدیث منقول ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ المغرب وتر صلوة النهار۔ (سنن النسائی کبری) مغرب دن کے وتر ہیں تو جیسے وتر النہار ہیں ایسے ہی وتر اللیل ہیں یعنی جس طرح مغرب کی نماز تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ہیں درمیان میں سلام نہیں۔ اسی طرح وتر کے درمیان میں بھی سلام نہیں۔ اصول ہے کہ جب ایک راوی سے دو متعدد متعارض روایات منقول ہوں تو اس کی روایت سے استدلال درست نہیں ہوگا۔

دلیل ثانی: دار قطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال رسول الله لا تشبهوا بصلوة المغرب اوتروا بخمس اوبسبع "مغرب میں دو تشہد ایک سلام ہے لہٰذا وتروں کے درمیان میں بھی سلام ہوگا تا کہ مغرب کیساتھ مشابہت ختم ہو جائے۔

جواب: اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ مغرب کی طرح صرف تین رکعت مت پڑھو بلکہ تین رکعات وِتر کے ساتھ چند نوافل بطور تہجد بھی پڑھ لو۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "اعلم الناس بوتر رسول الله" تھیں اور ان کی روایات میں تثلیث وتر کا ذکر مطلقاً آیا ہے اور انہوں نے کہیں بھی دو سلاموں کا تذکرہ نہیں کیا اور پورے ذخیرہ احادیث میں "تسلیمتین" کی روایت نہیں بلکہ نسائی، بیہقی، متدرک حاکم اور ابوداؤد شریف میں "لايسلم الا فى آخرهن" کی تصریح موجود ہے۔

دلیل ثانی: دار قطنی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ وتروں کی تینوں رکعتیں مغرب کی رکعتوں کی طرح ہوں گی۔

دلیل ثالث: سنن کبریٰ جلد ۳ ص ۱۳۱ میں روایت ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رسول الله ﷺ لا يسلم فى ركعتى الوتر (طحاوی شریف جلد ۱ ص ۱۳۷) میں بھی ہے۔

دلیل رابع: نسائی شریف جلد اوّل ص ۱۹۱ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ ہیں ولا يسلم الا فى اخرهن۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے آخر میں سلام پھیرا کرتے تھے۔

دلیل خامس: متدرک حاکم جلد اوّل ص ۳۰۴ میں ہے۔ عن سعد بن هشام عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث لا يسلم الا فى اخرهن وهذا وتر امير المؤمنين عمر بن الخطاب وعنه اخذ اهل المدينة۔

دلیل سادس: متدرک حاکم ہی میں جلد اوّل ص ۳۰۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ لا يسلم فى الركعتين الاوليين من الوتر قال الحاكم والذهبى صحيح على شرطهما۔

دلیل سابع: العرف الشذی ص ۲۱۰ میں ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں "انى وجدت متنه فى تاريخ ابن العساكر وهو ان الوتر ثلاث بسلام ورجال السند ثقات الاميمون ابو عبدالله لم اعلم حاله الا

انه ادرجه ابن حبان فی کتاب الثقات وقال السیوطی فی جمع الجوامع اسنادہ حسن۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِخَمْسٍ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ الْكَوْسَجُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ قَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ الْوِتْرَ بِخَمْسٍ وَقَالُوا لَا يَجْلِسُ فِي شَيْءٍ مِنْهُنَّ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعتوں پر مشتمل تھی اس میں سے پانچ رکعتیں وتر پڑھتے تھے اور ان کے دوران نہیں بیٹھتے تھے آخری رکعت میں بیٹھتے پھر جب موذن اذان دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں پڑھتے جو بہت ہلکی ہوتیں۔ اس باب میں حضرت ابوایوبؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض علماء صحابہ وغیرہ نے یہی مسلک اختیار کیا ہے کہ وتر کی پانچ رکعتیں ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ان کے دوران نہ بیٹھے بلکہ صرف آخری رکعت میں بیٹھے۔

تشریح: شوافع کے نزدیک چونکہ وتر ایک سے لے کر سات رکعات تک ہیں اس لئے ان کے ہاں وتر پڑھنے کے دو طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ تین وتر پڑھے یا پانچ پڑھے یا سات پڑھے تو ان کے درمیان میں قعدہ نہ کرے بلکہ اخیر میں ایک ہی قعدہ کرے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا جائے پھر ایک رکعت ملا کر سلام پھیرا جائے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس دوسرے طریقے کو افضل کہا ہے اور پہلے طریقے کو بیان جواز پر محمول کیا ہے۔ وتروں میں دو تشہد کے متعلق روایات کا ثبوت۔

① مسند ابی عوانہ جلد ۲ ص ۲۲۲ اور مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۹۴ میں یوں روایت ہے: **عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول فی كل ركعتين التحية** اس حدیث میں ایک ضابطہ بیان فرمادیا کہ دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھا کرتے تھے۔

② ترمذی شریف جلد اوّل ص ۵۰ میں یہ روایت ہے **قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰة مثنى مثنى تشهد فی كل ركعتين و تخشع۔** ③ مسلم شریف جلد اوّل ص ۲۵۶ السنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۳۰، نسائی شریف جلد ۱ ص ۱۹۳ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ مسلم شریف میں یہ لفظ ہیں: **و يصلی تسع ركعات لا يجلس فيها الا فی الثامنة فيذكر الله ويحمده و يدعوه ثم ينهض ولا يسلم ثم يقوم فيصلی التاسعة ثم يقعد فيذكر الله ويحمده و يدعوه ثم يسلم.** کہ آپ ۹ رکعتیں پڑھتے تھے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے لیکن ساتویں، آٹھویں اور نویں رکعت میں یعنی جب وتر پڑھتے تو آٹھویں رکعت کے بعد تشہد پڑھتے لیکن سلام نہ پھیرتے اور راوی نے آٹھویں رکعت کے بعد خصوصیت سے تعود کا ذکر کیا ہے کہ یہ عام قعدوں سے جدا ہے کہ ان میں سلام تھا اور اس میں نہیں۔

بہر حال ان تمام ابحاث کا خلاصہ یہی ہے کہ احناف کے نزدیک وتر تین رکعات ہی ہیں ان سے کم زیادہ پڑھنا جائز نہیں۔ باقی اس باب میں تو پانچ رکعت کا ذکر آیا ہے تو اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ یہاں جو آیا ہے کہ آپ پانچویں رکعت کے بعد بیٹھتے تھے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تین رکعت کے بعد بیٹھتے ہی نہ اور نہ ہی سلام پھیرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد فوراً بیٹھ کر دو نفل کی نیت باندھ دیتے تو دیکھنے والے نے یہی سمجھا کہ پانچ رکعات اکٹھی پڑھی ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تین رکعات پڑھنے کے بعد اوراد و وظائف کیلئے وقفہ نہیں کیا بلکہ سلام کے متصل بعد نوافل کی نیت کر لی۔

باب مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِثَلَاثٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ بِثَلَاثٍ يَقْرَأُ فِيهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلَاثِ سُوَرٍ آخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي أَيُّوبَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَيُرْوَى أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا رَوَى بَعْضُهُمْ فَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ أُبَيٍّ وَذَكَرَ بَعْضُهُمْ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزَى عَنْ أُبَيٍّ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلٰى هٰذَا وَرَأَوْا أَنْ يُوتِرَ الرَّجُلُ بِثَلَاثٍ قَالَ سُفْيَانُ إِنْ شِئْتَ أَوْتَرْتَ بِخَمْسٍ وَإِنْ شِئْتَ أَوْتَرْتَ بِثَلَاثٍ وَإِنْ شِئْتَ أَوْتَرْتَ بِرَكْعَةٍ قَالَ سُفْيَانُ وَالَّذِي أَسْتَحِبُّ أَنْ يُوتِرَ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالَقَانِيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ كَانُوا يُوتِرُونَ بِخَمْسٍ وَبِثَلَاثٍ وَبِرَكْعَةٍ وَيَرَوْنَ كُلَّ ذٰلِكَ حَسَنًا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور ان میں قصار مفصل کی نو سورتیں پڑھتے اور ہر رکعت میں تین سورتیں جن میں آخری سورت اخلاص ہوتی تھی۔ اس باب میں حضرت عمران بن حصین، عائشہ، ابن عباس، ابوایوب اور عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی روایت کرتے ہیں بعض حضرات اسے اسی طرح نقل کرتے ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرتے جبکہ بعض حضرات حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں علماء صحابہ وغیر کی ایک جماعت کا اسی پر عمل ہے کہ وتر میں تین رکعات پڑھی جائیں سفیان کہتے ہیں کہ اگر چاہے تو پانچ پڑھے لیکن میرے نزدیک وتر کی تین رکعتیں پڑھنا مستحب ہے ابن مبارک اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے ہم سے روایت کی سعید بن یعقوب طالقانی نے انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے ہشام سے انہوں نے محمد بن سیرین سے محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ صحابہ کرام پانچ تین اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اور تینوں طرح پڑھنا اچھا سمجھتے تھے۔

تشریح: اس باب میں تین رکعات وتر کا ثبوت موجود ہے کہ آپ ﷺ وتروں کی پہلی رکعت میں مفصلات میں سے سورتیں پڑھتے آخر میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔لیکن بعض حضرات نے اس حدیث کوضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں ایک راوی حارث اعور ہے لیکن اس کا ضعف مضر نہیں جیسا کہ وفی الباب کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وفی الباب میں عبدالرحمٰن بن ابزی عن اُبی بن کعب سے روایت ہے عبدالرحمٰن بن ابزی روایت حضرت ابی بن کعبؓ کے واسطے سے بھی ذکر کرتے ہیں اور بغیر واسطے کے بھی ذکر کرتے ہیں۔اگر بغیر واسطے کے ذکر کریں تو یہ مرسل صحابی ہوگا۔

بَابِ مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ بِرَكْعَةٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ أُطِيلُ فِي رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَيُوتِرُ بِرَكْعَةٍ وَكَانَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ وَالْأَذَانُ فِي أُذُنِهِ يَعْنِي يُخَفِّفُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي أَيُّوبَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ رَأَوْا أَنْ يَفْصِلَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالثَّالِثَةِ يُوتِرُ بِرَكْعَةٍ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت انس بن سیرین سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر ؓ سے پوچھا کیا میں فجر کی دو رکعتوں (سنتوں) میں قراءت لمبی کروں تو انہوں نے فرمایا نبی کریم ﷺ رات کو دو دو رکعت کر کے نماز پڑھتے اور پھر آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے اور فجر کی دو رکعتیں اس وقت پڑھتے جب فجر کی اذان سنتے۔ اس باب میں حضرت عائشہ، جابر، فضل بن عباس، ابوایوب اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض صحابہ اور تابعین کا اسی پر عمل ہے کہ دو رکعتوں اور تیسری رکعت کے درمیان فصل کرے اور تیسری رکعت وتر کی پڑھے ،امام مالکؒ،شافعیؒ،احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں وتر کی ایک رکعت کا بیان ہے اس کی تفصیل ماقبل ابواب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک **یوتر برکعۃ** کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ وتر ایک رکعت علیحدہ سلام سے پڑھتے تھے۔

حنفیہ کے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد دو، دو رکعت پڑھتے تھے پھر جب صبح صادق کا وقت قریب آتا تو آپ ﷺ دو رکعت پر سلام نہ پھیرتے بلکہ ان دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر اس کو تین وتر بنا لیتے یہ مطلب صحیح اور حدیث کے موافق بھی ہے۔

والاذان فی اذنہ: اس جملہ کے محدثین نے دو مطلب بیان کئے ہیں۔

پہلا مطلب یہ ہے کہ یہاں اذان سے مراد اقامت ہے معنی یہ ہوگا کہ رسول کریم ﷺ فجر کی دو رکعتیں اتنی جلدی پڑھتے جتنی دیر میں اقامت کہی جاتی ہے اوّل وقت کے فوت ہونے کے خوف سے یہی تفسیر حماد بن زید نے کی امام بخاریؒ کے ہاں حماد نے

فرمایا کہ ای بسرعۃ یعنی بہت جلدی سے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اذان شروع ہوتے ہی سنن ادا کرتے اذان کے دوران سنن ادا فرماتے رہتے اور اذان بھی سنتے رہتے۔ اذان کے اختتام کے ساتھ ساتھ سنن بھی پوری ہو جاتیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ فجر کی سنتیں خفیف پڑھتے تھے۔ اس بناء پر مالکیہ نے کہا کہ فجر کی سنتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ اور سورت نہ ملائی جائے ائمہ ثلاثہ کے ہاں سورۃ ملانا سنت ہے۔ اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوتے ہیں۔

① اذان کے دوران اگر کوئی شخص دینی کام شروع کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ فجر کی اذان شروع ہوتے ہی سنن ادا فرماتے اس پر کوئی کہے کہ اذان کی اجابت قولی تو پھر رہ جائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا ترک جائز ہے۔ البتہ اجابت فعلی میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ وہ واجب ہے یا سنت ہے۔ اس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

② دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص درس و تدریس کا کام کر رہا ہے یا تلاوت کر رہا ہے یا کسی دینی کام میں مشغول ہے تو اس کو دینی کام روک کر اذان کا جواب دینا ضروری نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ اذان کا جواب دینا بھی دینی کام ہے اور تلاوت و سبق بھی دینی کام ہے تو ایک دینی کام کی وجہ سے دوسرا دینی کام بند کرنا ضروری نہیں۔ اسی طرح فجر کی سنتیں پڑھنا بھی دینی کام ہے اور اذان کا جواب دینا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی دنیاوی باتوں میں مشغول ہے تو پھر اذان کے جواب کے لئے خاموش ہونا ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي الْوِتْرِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ فِي رَكْعَةٍ رَكْعَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰى عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَرَأَ فِي الْوِتْرِ فِي الرَّكْعَةِ الثَّالِثَةِ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالَّذِي اخْتَارَهُ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ أَنْ يَقْرَأَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ مِنْ ذٰلِكَ بِسُورَةٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں سورۃ اعلیٰ، سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص پڑھتے تھے۔ اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ عن ابی بن کعب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص اور معوذتین بھی پڑھیں جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے اہل علم کی اکثریت نے اختیار کیا ہے وہ یہی ہے کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور سورۃ کافرون اور سورۃ اخلاص تینوں میں سے ہر رکعت میں ایک سورت پڑھے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ وتروں میں قراءت کا ذکر کر رہے ہیں کہ وتروں میں کونسی سورتیں ادا کی جائیں گی اس

بارے میں دو روایتیں ذکر کی گئی ہیں۔

یہاں پر مذکور دوسری روایت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ **خصیف سیئ الحفظ** ہیں اور بڑھاپے میں انکا حافظہ بگڑ گیا تھا اور اس حدیث میں دوسری وجہ ضعف یہ ہے کہ عبدالعزیز بن جریج کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لقاء و سماع نہیں۔ دوسرا یہ کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے یہاں اصطلاحی حسن مراد نہیں بلکہ یہ امام ترمذیؒ کی خاص اصطلاح ہے یعنی ہر وہ حدیث جس میں کوئی متہم بالکذب راوی نہ ہو اور شاذ بھی نہ ہو وہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو تو امام ترمذیؒ کے نزدیک وہ حسن ہوتی ہے چونکہ اس حدیث میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں ہے اس لئے یہ مصنفؒ کے نزدیک حسن ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْحَرَّانِيُّ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ هٰذَا وَالِدُ ابْنِ جُرَيْجٍ صَاحِبُ عَطَاءٍ وَابْنُ جُرَيْجٍ اسْمُهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ جُرَيْجٍ وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عبدالعزیز بن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر میں کیا پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی رکعت میں (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى) اور دوسری رکعت میں (يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ) اور تیسری رکعت میں (قل هُوَ اللهُ أَحَدٌ) اور معوذتین پڑھتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے عبدالعزیز ابن جریج کے والد اور عطاء کے ساتھ ہیں ابن جریج کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے یحییٰ بن سعید انصاری نے بھی یہ حدیث بواسطہ عمرو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ قَالَ قَالَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي الْوِتْرِ اللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِي شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكْتَ

ابوحورا کہتے ہیں کہ حسن بن علی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے تاکہ میں انہیں وتر میں پڑھا کروں اللّٰهُمَّ اهْدِنِي (اے اللہ! مجھے ہدایت دے ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے ہدایت دی، مجھے عافیت عطا فرما ان لوگوں کے ساتھ جن کو تو نے عافیت بخشی، مجھے اپنے دوستوں میں سے ایک دوست بنا اور جو کچھ تو نے مجھے عطا کیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور مجھے ان برائیوں سے بچا جو میرے مقدر میں لکھ دی گئیں، بے شک تو فیصلہ فرماتا ہے

رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الْحَوْرَاءِ السَّعْدِيِّ وَاسْمُهُ رَبِيعَةُ بْنُ شَيْبَانَ وَلَا نَعْرِفُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْقُنُوتِ فِي الْوِتْرِ فَرَاَى عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ الْقُنُوتَ (فِي الْوِتْرِ) فِي السَّنَةِ كُلِّهَا وَاخْتَارَ الْقُنُوتَ قَبْلَ الرُّكُوعِ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَإِسْحٰقُ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ كَانَ لَا يَقْنُتُ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَكَانَ يَقْنُتُ بَعْدَ الرُّكُوعِ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلٰى هٰذَا وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ.

اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں ہوسکتا اور جسے تو دوست رکھتا ہے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا، اے پروردگار! تو بابرکت ہے اور تیری ہی ذات بلند و برتر ہے) اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے صرف اسی سند یعنی ابوحورا سعدی کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے ابوحورا کا نام ربیعہ بن شیبان ہے قنوت کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایات میں سے اس سے بہتر روایت کا ہمیں علم نہیں اہل علم کا قنوت کے بارے میں اختلاف ہے عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ پورا سال قنوت پڑھے اور ان کے نزدیک قنوت کی دعا رکوع سے پہلے پڑھنا مختار ہے یہ بعض علماء کو بھی قول ہے سفیان ثوری ابن مبارک اسحاق اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ صرف رمضان کے دوسرے پندرہ دونوں میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے بعض اہل علم نے یہی مسلک اختیار کیا ہے امام شافعی اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: ابواب القنوت کا تذکرہ چل رہا ہے اس کا تذکرہ ماقبل میں آیا تھا۔ ماقبل میں قنوت نازلہ کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب یہاں سے قنوت فی الوتر کا بیان چل رہا ہے۔ اس کے بارے میں دو مسائل دیکھ لیں۔

مسئلہ اولیٰ: قنوت سارا سال ہے یا صرف رمضان کے اخیر میں؟

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قنوت صرف رمضان کے نصف اخیر میں ہے۔

قول ثانی: احنافؒ کے ہاں قنوت فی الوتر سارا سال مشروع ہے۔

امام شافعیؒ و امام احمدؒ کی دلیل اوّل: عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ. فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ لَيْلَةً. وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِي. فَإِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰى فِي بَيْتِهِ. فَكَانُوا يَقُولُونَ: أَبَقَ أُبَيٌّ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَسُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فَقَالَ: قَنَتَ رَسُولُ اللهِ بَعْدَ الرُّكُوعِ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کیا وہ لوگوں کو تراویح کی طرح وتر بھی پڑھاتے تھے مگر رمضان کے نصف اخیر کے علاوہ قنوت نہیں پڑھتے تھے۔

دلیل ثانی: الکامل لابن عدی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھتے تھے۔

جواب: رمضان کے آخری حصہ میں قنوت سے مراد طول قیام ہے باقی الکامل لابن عدی والی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے اس لئے وہ قابل استدلال نہیں۔

دلیل ثالث: امام ترمذیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کیا ہے "**انه كان لا يقنت الا في النصف الاخير من رمضان**" کہ یہ بھی آپ کی اتباع میں نصف اخیر میں قنوت پڑھتے تھے۔

جواب: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہوسکتا ہے یا قیام سے مراد طول قیام ہے کہ حضرت علیؓ رمضان کے نصف آخیر میں جتنا طویل قیام فرماتے تھے اتنا عام دنوں میں نہیں فرماتے تھے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۲ ص ۳۰۶) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "**ان ابن مسعود كان يقنت السنة كلها في الوتر**" کہ سارا سال قنوت پڑھتے تھے۔

دلیل ثانی: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "**علمني رسول الله ﷺ كلمات اقولهن في الوتر**" کہ حضور ﷺ نے ہمیں وتروں میں قنوت پڑھنا سکھلایا اس کے اطلاق سے احنافؒ نے استدلال کیا ہے کہ حدیث حسنؓ میں رمضان کی کوئی قید نہیں لگائی اگر رمضان کی قید ہوتی تو اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔

مسئلہ ثانیہ: قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع۔

قول اوّل: احنافؒ کے نزدیک قنوت فی الوتر قبل الرکوع ہے اور قنوت فجر بعد الرکوع ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک قنوت بعد الرکوع ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل اوّل: مستدرک حاکم اور ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**انه كان لا يقنت الا في النصف الآخر من رمضان وكان لا يقنت بعد الركوع**"۔

جواب: یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا اس کا منشاء یہ ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو قنوت نازلہ رکوع کے بعد پڑھتے دیکھا تو اسی پر قنوت وتر کو قیاس کر لیا جبکہ قنوت نازلہ ہمارے ہاں بھی بعد الرکوع ہے۔

دلیل ثانی: سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم سے سنا کہ وہ وتر کے آخر میں قنوت پڑھتے تھے اور بعد الرکوع کے الفاظ بھی ہیں۔

جواب: وہاں وتر سے مراد تیسری رکعت ہے اور اس میں قنوت قبل الرکوع ہے اور بعد الرکوع کا ذکر نہیں ہے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے "**ان رسول الله ﷺ كان يوتر فيقنت قبل الركوع**"

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**ان ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **واصحاب النبي ﷺ كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع**"۔

دلیل ثالث: مسلم شریف میں عاصم احول کی روایت ہے: **قَالَ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوتِ فِي الصَّلَاةِ أَكَانَ قَبْلَ الرُّكُوعِ أَوْ بَعْدَهُ؟ قَالَ: قَبْلَهُ. إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللهِ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا، إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ: الْقُرَّاءُ، سَبْعُونَ رَجُلًا، فَأُصِيبُوا، فَقَنَتَ رَسُولُ اللهِ بَعْدَ الرُّكُوعِ شَهْرًا يَدْعُوا عَلَيْهِمْ.**

عاصم احول کے حوالے سے ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ قنوت قبل الرکوع ہے یا بعد الرکوع تو انہوں نے کہا قبل

الرکوع اور آپ ﷺ نے بعد الرکوع جو قنوت پڑھا وہ قنوت نازلہ تھی جو ایک ماہ پڑھی گئی۔

مسئلہ ثالثہ: کون سی دعا پڑھنی افضل ہے؟

قول اوّل: شوافع حضرات کے نزدیک قنوت وتر کی دعا "اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فی من عافیت ...الخ" ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک "اللّٰھم انا نستعینك ونستغفرك ...الخ" پڑھیں گے۔ حدیث سے دونوں طرح ثابت ہیں البتہ حنفیہ نے اس دعا کو ترجیح دی ہے اوفق بالقرآن ہونے کی وجہ سے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَنَامُ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ يَنْسٰى

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ أَوْ نَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے یا بھول جائے تو جب جاگے یا اسے یاد آ جائے تو پڑھ لے۔

تشریح: تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وتر جب فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء ہے لہٰذا جب قضاء ہے تو وتر واجب ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ قضاء کب تک ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک جب بھی قضاء کرے قضاء کرنا واجب ہے کیونکہ وتر واجب ہیں تو زندگی بھر میں ان کو ادا کرنا ضروری ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فجر کے فرض پڑھنے تک قضاء ہے جب فجر کی نماز پڑھ لی تو قضاء کا وقت ختم ہو گیا۔ لہٰذا اب وہ وتروں کی قضاء نہیں کر سکتا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مرفوعًا من ادرك الصبح ولم یوتر فلا وتر له جس نے صبح کی نماز کو پالیا اور اس نے وتر ادا نہیں کئے تو اس پر وتر نہیں۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ "فلا وتر له اداءً" کہ اب وتر ادا نہیں کہلائیں گے بلکہ قضاء کہلائیں گے۔

دلیل ثانی: عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مرفوعًا لا وتر بعد صلوٰۃ الصبح اداءً (قیام اللیل لمحمد بن نصر)۔

جواب اوّل: اس کی سند میں ایک راوی ابو ہارون ہے جو کہ ضعیف ہے دارقطنی فرماتے ہیں یہ متلون مزاج خوارج سے تھا شعبہ نے ان کی تضعیف کی ہے علامہ جوزجانی نے تکذیب کی ہے۔

جواب ثانی: مذکورہ احادیث کے قرینہ سے یہ مؤول ہے ای لا وتر بعد صلوٰۃ الصبح اداءً۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۲۵۲)

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ من نام عن الوتر أو نسیه فلیصل اذا ذکر و اذا استیقظ یہ روایت دارقطنی مستدرک حاکم کی ہے۔ یہاں اگرچہ ترمذی کی روایت ضعیف ہے لیکن ابوداؤد اور دارقطنی میں یہ روایت قوی ہے حاکم اور عراقی نے صحیح کہا ہے۔

دلیل ثانی: عن زید بن اسلم مرسلاً ان النبی ﷺ قال من نام عن وترہ فلیصل اذا اصبح یہ روایت اس باب کی دوسری حدیث ہے۔

دلیل ثالث: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعاً من فاتہ الوتر من اللیل فلیقضہ من الغد. (دارقطنی)

اسی طرح کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث مسند احمد میں ہے اور حضرت ابوالدرداءؓ کی حدیث مستدرک حاکم و بیہقی میں ہے اس موضوع پر بہت ساری احادیث موجود ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ السِّجْزِيَّ يَعْنِي سُلَيْمَانَ بْنَ الْأَشْعَثِ يَقُولُ سَأَلْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ فَقَالَ أَخُوهُ عَبْدُ اللهِ لَا بَأْسَ بِهِ و سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَذْكُرُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ ضَعَّفَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ و قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ثِقَةٌ قَالَ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْكُوفَةِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالُوا يُوتِرُ الرَّجُلُ إِذَا ذَكَرَ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ.

حضرت عبداللہ بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر کوئی وتر پڑھے بغیر سو جائے تو صبح ہونے پر پڑھے یہ حدیث پہلی حدیث سے اصح ہے امام ترمذی کہتے ہیں میں نے ابوداؤد سجزی سلیمان بن اشعث سے سنا انہوں نے فرمایا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا ان کے بھائی عبداللہ میں کچھ مضائقہ نہیں اور میں نے امام بخاری کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی بن عبداللہ کے حوالے سے کہ انہوں نے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کی تضعیف کی ہے اور فرمایا عبداللہ بن زید بن اسلم ثقہ ہیں بعض اہل کوفہ کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ آدمی وتر پڑھے جب یاد آئے اور اگر سورج طلوع ہونے کے بعد یاد کرے سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: سمعت ابا داود حدثنا قتیبة نا عبد الله الخ یعنی سلیمان بن الاشعث: امام ابوداؤد کی مشہور نسبت تو السجستانی ہے۔ یہاں السجزی کی نسبت آئی ہے یہ دونوں لفظ سیستان کی عربی ہیں یہ خراسان کے ایک شہر کا نام ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سجزی یعنی سلیمان بن اشعث سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ میں نے امام احمدؒ سے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسا راوی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے بھائی عبداللہ میں تو کوئی خرابی نہیں یعنی عبداللہ ثقہ راوی ہیں اور عبدالرحمن پر خاموش نقد کیا کہ وہ ٹھیک نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَادَرَةِ الصُّبْحِ بِالْوِتْرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبح ہونے سے پہلے وتر جلدی پڑھ لیا کرو امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْتِرُوا قَبْلَ أَنْ تُصْبِحُوا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وتر صبح ہونے سے پہلے پڑھ لو۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ فَقَدْ ذَهَبَ كُلُّ صَلَاةِ اللَّيْلِ وَالْوِتْرُ فَأَوْتِرُوا قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَسُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى قَدْ تَفَرَّدَ بِهِ عَلَى هَذَا اللَّفْظِ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا وِتْرَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَقُ لَا يَرَوْنَ الْوِتْرَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فجر طلوع ہو جائے تو رات کی تمام نمازوں اور وتر کا وقت ختم ہو جاتا ہے لہذا فجر کے طلوع ہونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرو امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سلیمان بن موسیٰ اس لفظ کو بیان کرنے میں منفرد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبح کی نماز کے بعد وتر نہیں یہ کئی اہل علم کا قول ہے امام شافعی احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں کہ فجر کے بعد وتر نہیں ہیں۔

تشریح: بادروا الصبح سے کیا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صبح سے مراد فجر کی نماز نہیں بلکہ صبح صادق ہے اور حدیث میں وتر کے وقت ادا کا بیان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے پہلے وتر پڑھ لو وتروں کا وقت ادا ہی ہے جب صبح صادق طلوع ہوگئی تو وتروں کی ادائیگی کا وقت چلا گیا۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک **بادروا الصبح** سے مراد صبح کی نماز ہے اور وہ حدیث کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ فجر کی نماز سے پہلے وتر پڑھ لو۔ اب اگر فجر کے فرائض پڑھ لئے تو وتروں کی قضاء ختم ہوگئی لہذا گناہ لازم ہو گیا۔

اوتروا قبل أن تصبحوا: اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو اوپر حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

عندالاحناف اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کا وقت ادا بیان کیا ہے جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز فجر کا بیان ہے۔

لا وتر بعد صلوة الصبح: صبح کی نماز کے بعد وتر نہیں یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور محمد بن نصر مروزی کی کتاب قیام اللیل میں ہے ائمہ ثلاثہ کی صریح دلیل یہی ایک حدیث ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کا مدار ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی پر ہے۔ یہ راوی ضعیف ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا

قیس بن طلق بن علی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن

وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الَّذِي يُوتِرُ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُومُ مِنْ آخِرِهٖ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ نَقْضَ الْوِتْرِ وَقَالُوا يُضِيفُ إِلَيْهَا رَكْعَةً وَيُصَلِّي مَا بَدَا لَهُ ثُمَّ يُوتِرُ فِي آخِرِ صَلَاتِهٖ لِأَنَّهُ لَا وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ وَهُوَ الَّذِي ذَهَبَ إِلَيْهِ إِسْحٰقُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِذَا أَوْتَرَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ ثُمَّ نَامَ ثُمَّ قَامَ مِنْ آخِرِهٖ أَنَّهُ يُصَلِّي مَا بَدَا لَهُ وَلَا يَنْقُضُ وِتْرَهُ وَيَدَعُ وِتْرَهُ عَلَى مَا كَانَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَ أَحْمَدَ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَهٰذَا أَصَحُّ لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ صَلّٰى بَعْدَ الْوِتْرِ.

غریب ہے علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو رات کے شروع میں وتر پڑھے اور پھر آخری حصے میں دوبارہ پڑھے بعض علماء کہتے ہیں کہ وتر توڑ دے اور ان کے ساتھ ایک رکعت ملا کر جو چاہے پڑھ لے پھر نماز کے آخر میں وتر پڑھے اس لئے کہ ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں یہ صحابہ اور ان کے بعد کے اہل علم اور امام اسحاق کا قول ہے بعض علماء صحابہ کا کہنا ہے کہ اگر رات کے شروع میں وتر پڑھ کر سو گیا پھر آخری حصے میں اٹھا تو جتنی چاہے نماز پڑھے وتر کو نہ توڑے انہیں اسی طرح چھوڑ دے سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، احمدؒ اور ابن مبارکؒ کا یہی قول ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی سندوں سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وتر کے بعد نماز پڑھی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مُوسَى الْمَرَئِيِّ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أُمِّهٖ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَعَائِشَةَ وَغَيْرِ وَاحِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے حضرت ابوامامہ، عائشہ اور کئی صحابہ سے بھی اسی کے مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

تشریح: **نقض وِتر کا مسئلہ:** اس باب میں امام ترمذیؒ اس مسئلہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے رات کو سوتے وقت وتر پڑھ لئے ہوں اور رات کو تہجد کیلئے بیدار ہو جائے تو کیا کرے کیا وہ ایک رکعت اکیلی پڑھ کر ان وتروں کو جفت بنالے اس مسئلہ کو نقض وتر کہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے: اگر کسی شخص نے وِتر پڑھ لئے ہوں اور پھر رات کو تہجد پڑھنے کا ارادہ ہو تو وہ وِتروں کو توڑ لے اور توڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک رکعت اکیلی پڑھے اور اسکو پہلے والی تین رکعت سے ملا کر اسکو شفع بنالے تو وہ نفل بن جائینگے۔ یہاں پر روایات میں تعارض ہے۔ حدیث الباب میں ہے **"لاوتران فی لیلۃ"** کہ ایک رات میں دو وِتر نہیں ہوتے۔ اب اگر ایک شخص رات کو وِتر پڑھ کر سوئے اور پھر تہجد کی نماز کیلئے جاگ جائے تو اگر اب دوبارہ وِتر پڑھتا ہے تو ترمذی والی حدیث کے خلاف ہوتا ہے اور اگر نہیں پڑھتا تو **"اجعل اخر صلوتك وترًا"** کے خلاف ہوتا ہے۔ اسکے جوابات میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک تہجد شروع کرنے سے پہلے تنہا ایک رکعت پڑھ کر پہلے وتر کے ساتھ ملا دے تا کہ وہ شفع ہو جائے پھر نفل پڑھتا رہے اس کے بعد آخر میں وتر پڑھ لے تا کہ آپ ﷺ کے قول **"اجعلو آخر صلوتکم باللیل**

وترا" پر عمل ہو جائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے۔

قول ثانی: چونکہ جمہور حضرات نقض وتر کے قائل نہیں اس لئے جمہور فرماتے ہیں کہ اول رات میں پڑھے ہوئے وتروں کو رہنے دے بعد میں آخر رات میں جتنے چاہے نوافل پڑھتا رہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ وسط لیل میں وتر پڑھتے تھے پھر نوافل پڑھتے تھے اور آخر لیل میں بھی پڑھتے تھے اور حضرت طلق کی حدیث ہے "**لا وتران فی لیلة**" پھر آخر لیل کی ایک رکعت کو اول رات کی نماز کے ساتھ ملانا خلاف عقل ہے۔ امام طحاویؒ بھی فرماتے ہیں کہ نقض وتر کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اسلئے اسکی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

امام اسحاق کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ "**اجعلوا**" کا امر استحباب پر محمول ہے۔ یا یہ بیان جواز پر محمول ہے۔ بعض حضرات نے کہا چونکہ دونوں رکعات وتر کے متصل پڑھی جاتی ہیں اس لئے ان کو حکماً وتر میں شامل کیا گیا ہے لہٰذا یہ اس حدیث کے مخالف نہیں ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْوِتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كُنْتُ حَسَنَةٌ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ فَتَخَلَّفْتُ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ أَوْتَرْتُ فَقَالَ أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوتِرُ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هٰذَا وَرَأَوْا أَنْ يُوتِرَ الرَّجُلُ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُوتِرُ الرَّجُلُ عَلَى الرَّاحِلَةِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ نَزَلَ فَأَوْتَرَ عَلَى الْأَرْضِ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

سعید بن یسار سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ ایک سفر میں تھا کہ ان سے پیچھے رہ گیا انہوں نے فرمایا تم کہاں تھے میں نے کہا میں وتر پڑھ رہا تھا حضرت ابن عمر نے فرمایا کیا تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ نہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سواری پر وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ سواری پر وتر پڑھ لے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ سواری پر وتر نہ پڑھے پس اگر وتر پڑھنا چاہیے تو اترے اور زمین پر وتر پڑھے بعض اہل کوفہ یہی کہتے ہیں۔

تشریح: ائمہ ثلاثہ اس حدیث الباب کے پیش نظر وتر علی الراحلہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک راحلہ پر وتر پڑھنا جائز نہیں بلکہ راحلہ سے نیچے اترنا ضروری ہے کیونکہ وتر کی نماز واجب ہے۔ لہٰذا راحلہ پر اس کو ادا نہیں کیا جاتا۔

امام صاحب کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت ہے جو طحاوی شریف میں مذکور ہے کہ وہ تہجد کی نماز سواری پر پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ جب وتر کا وقت آتا تو راحلہ سے اتر کر زمین پر وتر ادا کرتے اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر علی راحلته**. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دونوں روایات میں تعارض ہے۔

بعض حضرات نے ان دونوں روایات میں تطبیق دی ہے کہ حدیث الباب میں وتر سے مراد صلوٰۃ اللیل ہے اور تہجد علی الراحلة بالاتفاق جائز ہے۔ اگر تطبیق ممکن نہ ہو تو پھر **اذا تعارضا تساقطا** والا قاعدہ استعمال کیا جائیگا۔ اور قیام کی طرف رجوع کیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ ان دونوں روایات میں جو روایت موافق بالقیاس ہوگی اسکو لیا جائیگا اور موافق قیاس حضرات حنفیہ کا قول ہے کیونکہ وتر کو **قدرت علی القیام** کی صورت میں قاعداً پڑھنا جائز نہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ وتر علی الراحلہ بطریق اولیٰ ناجائز ہو کیونکہ سواری پر نماز میں نہ صرف قیام نہیں ہوتا بلکہ استقبال قبلہ اور قعود کی ہیئت مسنونہ بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے سواری پر وتر کا پڑھنا جائز نہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الضُّحٰى

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي مُوسٰى بْنُ فُلَانِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عَمِّهِ ثُمَامَةَ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ مِنْ ذَهَبٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَنُعَيْمِ بْنِ هَمَّارٍ وَأَبِي ذَرٍّ وَعَائِشَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَعُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ السُّلَمِيِّ وَابْنِ أَبِي أَوْفٰى وَأَبِي سَعِيدٍ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاشت کی نماز بارہ رکعت پڑھے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔ اس باب حضرت میں ام ہانی، ابوہریرہ نعیم بن ہمار، ابوذر، عائشہ، ابوامامہ عتبہ بن عبدالسلمی، ابن ابی اوفی، ابوسعید، زید بن ارقم اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت انس کی حدیث غریب ہے ہم اسے اس سند کے علاوہ نہیں جانتے۔

تشریح: اشراق اور چاشت کی نماز کے اوقات کا بیان: اس باب میں امام ترمذیؒ نے صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق مختلف احادیث بیان کی ہیں جن میں صلوٰۃ ضحیٰ کی مختلف رکعات ذکر کی گئی ہیں۔ صلوٰۃ ضحیٰ اور صلوٰۃ چاشت کیا ایک ہی نماز ہے یا علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

دن کے شروع میں سورج کے طلوع ہونے پر جو نماز پڑھی جائے اسے اشراق کی نماز کہا جاتا ہے اور سورج کی دھوپ جب ظاہر ہو جائے تو ایسے وقت میں پڑھی جانے والی نماز کو چاشت کی نماز کہا جاتا ہے۔ اکثر محدثین اور فقہاء نے چاشت اور اشراق کی نماز ایک ہی قرار دی ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ دونوں نمازیں الگ الگ ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے ان دونوں کو الگ الگ نمازیں قرار دیا ہے اسی وجہ سے بعض نے انکی الگ الگ تعریفیں کی ہیں۔

صلوٰۃ الضحیٰ: وہ نماز جو سورج کی دھوپ ظاہر ہو جانے کے اس وقت پڑھی جاتی ہے۔

صلوٰۃ اشراق: وہ نماز جب سورج نکلنے کے بعد ایک دو نیزے پر ہو تو پڑھی جاتی ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ کا حکم: جمہور حضرات کے نزدیک مستحب ہے، بعض شوافع کے ہاں سنت ہے۔

صلوٰۃ الضحیٰ ایسی عظیم نماز ہے جسے ماقبل انبیاء آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام نے ہمیشہ پڑھا ہے۔

مزید صلوٰۃ ضحیٰ کے متعلق چھ اقوال حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۳ ص ۴۵ میں ذکر کئے ہیں۔

① صلوٰۃ الضحیٰ مستحب ہے عند الجمہور (حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ) اور اکثر شوافع کے ہاں سنت ہے۔ ان میں ابواسحاق شیرازی بھی ہیں۔

② صلوٰۃ ضحیٰ مشروع نہیں الا یہ کہ کوئی سبب یا واقعہ پیش آجائے جیسا کہ سورج گرہن وغیرہ ہو اس پر حدیث ام ہانیؓ مستدل ہے کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فتح کی خوشی میں صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی۔

③ یہ مستحب ہے ہی نہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں۔ انہوں نے کبھی صلوٰۃ الضحیٰ پڑھی ہی نہیں۔

④ کبھی کبھار پڑھ لینا چاہیے بغیر مواظبت کے یہ امام احمدؒ کی روایات میں سے ایک روایت ہے۔

⑤ یہ مستحب ہے اور مواظبت بھی ثابت ہے لیکن گھروں میں پڑھنی چاہیے مساجد میں نہیں۔

⑥ یہ بدعت ہے یہ قول حضرت ابن عمر، حضرت انس اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔

یہ اقوال کا اختلاف روایات کے اختلاف کی وجہ سے ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو مختلف روایتیں آئی ہیں ایک روایت میں صلوٰۃ الضحیٰ کا اثبات ہے اور دوسری روایت میں نفی ہے۔

دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ آپ نے ﷺ یہ نماز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے نہ پڑھی ہو اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رویت کی نفی فرما رہی ہیں اور اثبات نفس الامر کے اعتبار سے ہے جو آپ ﷺ کی نماز دوسرے صحابہ نے دیکھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کر دی۔

بعض حضرات نے صلوٰۃ الضحیٰ کی نماز کی مشروعیت پر اس آیت قرآنی سے بھی استدلال کیا ہے **انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق**۔ (ص:۱۸) اب باب کی احادیث پر کچھ وضاحت دیکھ لیں۔

حدیث اوّل: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص چاشت کی بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں سونے کا محل بنائیں گے۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے کیونکہ اس میں ایک راوی موسیٰ بن فلان بن انس ہے اسکی وجہ سے امام ترمذیؒ نے ضعیف کہا۔ یہاں فلاں بن موسیٰ۔ فلاں سے مراد مشہور لفظ نہیں بلکہ موسیٰ کے باپ کا نام ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اسکا نام موسیٰ بن غیلان ہے اور فلان غیلان کی تحریف ہے۔ علمائے اسماء رجال اسکے قائل نہیں۔

جواب: یہ راوی اتنا ضعیف نہیں کہ اس سے حدیث پر اثر پڑے بلکہ مجہول راوی ہے۔ دوسرا یہ کہ فضائل میں ضعیف راوی معتبر ہوتا ہے اسکی روایت کو بالکلیہ چھوڑ نہیں دیا جاتا۔ اسکے علاوہ اس باب میں اور کئی روایات ہیں جو اس نماز کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔

قال ابو عیسی واختلفوا فی نعیم: نعیم کے اصل نام میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا کہ ان کا نام نعیم بن خمار ہے۔ بعض نے کہا ابن همّار اور بعض نے کہا ابن هبّار اور بعض نے کہا کہ ابن همام۔ صحیح ابن همّار ہے۔ ابونعیم کے بارے میں کہا گیا کہ ان کا نام ابن خمّار ہے لیکن اس میں خطا ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ مَا أَخْبَرَنِي أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى إِلَّا أُمُّ هَانِئٍ فَإِنَّهَا حَدَّثَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَكَأَنَّ أَحْمَدَ رَأَى أَصَحَّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثَ أُمِّ هَانِئٍ وَاخْتَلَفُوا فِي نُعَيْمٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ نُعَيْمُ بْنُ خَمَّارٍ وَقَالَ بَعْضُهُمُ ابْنُ هَمَّارٍ وَيُقَالُ ابْنُ هَبَّارٍ وَيُقَالُ ابْنُ هَمَّامٍ وَالصَّحِيحُ ابْنُ هَمَّارٍ وَأَبُو نُعَيْمٍ وَهِمَ فِيهِ فَقَالَ ابْنُ خَمَّارٍ وَأَخْطَأَ فِيهِ ثُمَّ تَرَكَ فَقَالَ نُعَيْمٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنِي بِذٰلِكَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ.

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں مجھے ام ہانی کے علاوہ کسی نے نہیں بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا یہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں آئے آپ ﷺ نے غسل کیا اور آٹھ رکعات نماز پڑھیں میں نے آپ ﷺ کو اس سے پہلے اتنی مختصر اور خفیف نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اختصار کے باوجود آپ ﷺ رکوع اور سجود پوری طرح کر رہے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے امام احمد کے نزدیک اس باب میں حضرت ام ہانی کی روایت اصح ہے نعیم کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں نعیم بن خمار اور بعض نے ابن ہمار کہا ہے انہیں ابن ہمار اور ابن ہمام بھی کہا جاتا ہے جبکہ ابن ہمار ہی صحیح ہے ابونعیم کو اس میں وہم ہو گیا ہے وہ ابن خمار کہتے ہیں انہوں نے اس میں خطا کی ہے اور پھر نعیم اور نبی کریم ﷺ کے درمیان واسطہ چھوڑ دیا ہے امام ترمذی فرماتے ہیں مجھے عبد بن حمید نے بواسطہ ابونعیم اس کی خبر دی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کبیر کہتے ہیں مجھے کسی صحابی نے یہ بات نہیں بتائی کہ اس نے آپ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا سوائے ام ہانی کے انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر فتح مکہ کے دن آئے۔ غسل کیا پھر آٹھ نوافل ادا کیے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ چاشت کے سلسلہ میں جتنی روایات مروی ہیں ان تمام روایات میں یہ روایت سب سے اچھی ہے مگر یہ حدیث نماز چاشت کے بارے میں صریح نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ نفلیں فتح مکہ کے شکریہ میں پڑھی ہوں چونکہ وہ وقت چاشت کا تھا اس لئے ان نوافل کو چاشت کی نماز قرار دے دیا گیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ السِّمْنَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِي ذَرٍّ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّهُ قَالَ ابْنَ آدَمَ ارْكَعْ لِي مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَكْفِكَ آخِرَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى وَكِيعٌ وَالنَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ هٰذَا

حضرت ابوذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے بنی آدم میرے لئے دن کے شروع میں چار رکعتیں پڑھ میں تیرے دن بھر کے کاموں کو پورا کروں گا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے وکیع نضر بن شمیل اور کئی آئمہ حدیث نے یہ حدیث نہاس بن قہم سے روایت کی ہے اور ہم نہاس کو اس

الْحَدِيثَ عَنْ نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ وَلَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ

حدیث ہی سے پہچانتے ہیں۔

تشریح: اے ابن آدم تو دن کے شروع میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھ، میں دن کے آخر میں تیری کفایت کروں گا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ چار رکعتیں نفس کی اصلاح کے لئے معتد بہ مقدار ہے اگر کوئی شخص شام تک اصلاح نفس کے لئے کوئی دوسری عبادت نہ بھی کرے تو یہ عبادت اس کے لئے کافی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرائض کے لئے بھی کافی ہے مطلب یہ کہ صرف نوافل کے لئے کافی ہے۔

ویسے تو حدیث کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ شام تک اس کی مشکلات و مسائل کو حل فرماتے رہتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ عَنْ شَدَّادٍ أَبِي عَمَّارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَى شُفْعَةِ الضُّحَى غُفِرَ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے چاشت کی دو رکعتیں ہمیشہ پڑھیں اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کی طرح ہی کیوں نہ ہوں

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوقٍ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى حَتَّى نَقُولَ لَا يَدَعُ وَيَدَعُهَا حَتَّى نَقُولَ لَا يُصَلِّي قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے یہاں تک کہ ہم کہتے اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے نہیں چھوڑیں گے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ دیتے تو ہم کہتے اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے نہیں پڑھیں گے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: جو شخص چاشت کی دو رکعت پابندی سے پڑھے اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں یہاں گناہ سے مراد صغائر ہیں کیونکہ کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ شرط ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الزَّوَالِ

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ أَبِي الْوَضَّاحِ هُوَ أَبُو سَعِيدٍ الْمُؤَدِّبُ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيمِ الْجَزَرِيِّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ

ابوموسیٰ محمد بن مثنی، ابوداود طیالسی، محمد بن مسلم بن ابوضاح، ابوسعید موذب، عبدالکریم جزری، مجاہد، حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوال کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے اور فرماتے یہ ایسا وقت ہے کہ اس میں آسمانوں کے دروازے کھلتے ہیں اور میں پسند کرتا ہوں کہ ایسے وقت میں

وَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي أَيُّوبَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ بَعْدَ الزَّوَالِ لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ۔

میرے نیک اعمال اوپر اٹھائے جائیں اس باب میں حضرت علیؓ اور ایوبؓ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن سائب کی حدیث حسن غریب ہے۔ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوال کے بعد چار رکعت نماز ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھا کرتے تھے

تشریح: طلوع شمس کے بعد زوال تک کا وقت مجمل ہے استواء شمس تک مہمل وقت کا اختتام ہوتا ہے استواء شمس کے بعد زوال کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ زوال شروع ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ چار نوافل ایک سلام سے پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل سب سے پہلے دروازے کھلتے ہی چڑھے رہی یہ بات کہ ان چار رکعات کا حکم کیا ہے؟ اس بارے میں شوافعؒ کے نزدیک زوال کی نماز سنت ہے اور مستقل نماز ہے پھر ظہر سے پہلے دو رکعت سنت مؤکدہ الگ سے پڑھتے تھے۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم کے اندر کتاب الاوراد میں صلوٰۃ الزوال کے استحباب کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ظہر کی چار سنن ہیں جن کو آپ ﷺ زوال ہوتے ہی پڑھ لیتے تھے۔ اگرچہ کتب فقہ میں اسکی صراحت موجود نہیں۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۲۷۳) حضرت گنگوہیؒ کا قول یہ ہے کہ یہ مستقل نماز ہے ظہر کی سنتیں نہیں ہیں کیونکہ سنتوں کا فرضوں سے اتصال ہوتا ہے اگر زوال کی چار رکعت کو سنن ظہر قرار دیں تو گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے ہیں تو اس لحاظ سے سنن اور فرضوں کے درمیان طویل فاصلہ لازم آئے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الْحَاجَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنِ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بَكْرٍ السَّهْمِيُّ و حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَكْرٍ عَنْ فَائِدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ إِلَى اللهِ حَاجَةٌ أَوْ إِلَى أَحَدٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللهِ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْكَرِيمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَسْأَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی کو اللہ کی طرف کوئی حاجت یا لوگوں میں سے کسی سے کوئی کام ہو تو اسے چاہئے کہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے اور یہ پڑھے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بردبار، بزرگی والا ہے، پاک ہے اللہ اور عرش عظیم کا مالک ہے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اے اللہ میں تجھ سے وہ چیزیں مانگتا ہوں جو تیری رحمت اور تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور میں ہر نیکی میں سے اپنا حصہ مانگتا ہوں اور ہر گناہ سے

مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ فَائِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَفَائِدٌ هُوَ أَبُو الْوَرْقَاءِ۔

سلامتی طلب کرتا ہوں اے اللہ میرے گناہ بخشے بغیر، میرے کسی غم کو دور کئے بغیر، میری کسی حاجت کو جو تیرے نزدیک پسندیدہ ہو پورا کئے بغیر نہ چھوڑنا اے رحم کرنے والوں سے بہت زیادہ رحم کرنے والے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اس اسناد میں کلام ہے اور فائد بن عبدالرحمٰن ضعیف ہیں اور وہ فائد ابوالورقاء ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے صلوٰۃ حاجت کا تذکرہ کیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی انسان کو کوئی حاجت پیش آجائے خواہ وہ حاجت اللہ تعالیٰ سے ہو یا کسی انسان سے (مثلاً کسی انسان سے کوئی قرض لینا ہو یا کوئی اور چیز لینی ہو تو) اسے چاہیے کہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نفل ادا کرے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے پھر یہ دعا پڑھے "**لا اله الا الله الحليم الكريم**" کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے جو بردبار ہے پاک ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا پروردگار ہے۔۔۔الخ

اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگنے میں حکمت یہ ہے کہ کسی سے کچھ مانگنے سے پہلے قرب حاصل کرنا پڑتا ہے اسی طرح پروردگار سے کچھ مانگنے سے پہلے بھی وسیلہ ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ سے وسیلہ نیک اعمال سے حاصل ہوتا ہے اور نیک اعمال جو قرب خداوندی کا باعث بنتے ہیں ان میں سب سے افضل نماز ہے پھر جب بندہ اللہ کی حمد وثناء کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے لئے کشادگی پیدا فرماتے ہیں۔

اگر حاجت کا تعلق بندوں سے ہو تو پھر ان کے پاس جانے سے پہلے دو رکعت حاجت کے پڑھنے میں بھی دو حکمتیں رکھی گئی ہیں۔

حکمت اوّل: صلوٰۃ حاجت پڑھ کر بندے کے پاس جانا یہ اسکے عقیدہ توحید کی حفاظت کیلئے ہے کیونکہ بندے کیلئے ضروری ہے کہ وہ ہر حاجت اللہ کے سامنے رکھے کسی غیر کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے اگر کسی غیر کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا تو یہ غیر اللہ سے استعانت طلب کرنا ہوا گویا بندہ سے مدد طلب کرنا کسی درجہ میں اس کو شریک کرنا ہوا۔ اب غیر اللہ کی شرکت سے بچنے کیلئے شریعت نے یہ نماز مقرر کی اور اسکے بعد دعا سکھلائی تاکہ عقیدہ میں فساد پیدا نہ ہو کیونکہ جب حاجت مند نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا کہ وہ اسکی حاجت روائی کیلئے اس بندے کا دل تیار کریں تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین پختہ اور مستحکم ہوگا کہ کام بنانے والی صرف اللہ کی ذات ہے وہی کارساز اور کام بنانے والے ہیں بندے محض واسطہ ہیں بلکہ آلہ کار ہیں انکے اختیار میں کچھ نہیں سب کچھ اللہ کی ذات کرنیوالی ہے۔

حکمت ثانی: یہ ہے کہ انسان کو حاجت وضرورت کا پیش آنا اور اس کی وجہ سے کسی کے دروازے پر دستک دینا ایک دنیاوی معاملہ ہے۔ اسلام وشریعت یہ چاہتے ہیں کہ دنیا کا معاملہ بھی نیکوکاری کا ذریعہ بن جائے۔ چنانچہ اس موقع پر نماز اور دعا کو مشروع قرار دیا گیا ہے تاکہ بندے کے نیک کاموں میں بھی اضافہ ہو جائے۔

مذکورہ دونوں حکمتوں کا ثبوت حدیث مبارکہ سے بھی ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کوئی کام پیش آجاتا تو آپؐ نماز کی طرف جلدی کرتے تھے اور اسی طرح حدیث شریف میں روایت ہے **اذا فزعه الامر بادرًا الى الصلوٰة** اسی طرح قرآن پاک میں ہے

واستعينوا بالصبر والصلوٰۃ اس کی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ کوئی حاجت پیش آئے تو نماز پڑھے اور دعا کرے اس لئے قرآن و حدیث میں صلوٰۃ الحاجت کا ثبوت ملتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الِاسْتِخَارَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الِاسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعِيشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِي فِي دِينِي وَمَعِيشَتِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدُرْ لِي الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي أَيُّوبَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي الْمَوَالِي وَهُوَ شَيْخٌ مَدِينِيٌّ ثِقَةٌ رَوٰى عَنْهُ سُفْيَانُ حَدِيثًا وَقَدْ رَوٰى عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ.

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں ہر کام میں استخارہ اس طرح سکھاتے جس طرح قرآن سکھاتے تھے فرماتے اگر تم میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز نفل پڑھے پھر یہ پڑھے (اے اللہ! میں آپ سے خیر طلب کرتا ہوں آپ کی صفت علم کے ذریعہ سے، اور میں آپ سے قدرت طلب کرتا ہوں آپ کی صفت قدرت کے ذریعہ سے، اور آپ کے عظیم فضل کا سوال کرتا ہوں، پس بے شک آپ قادر ہیں اور میں قادر نہیں۔ اور آپ جانتے ہیں اور میں جانتا نہیں، اور آپ تمام چھپی چیزوں سے پوری طرح باخبر ہیں۔ اے اللہ! اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ معاملہ میرے لئے بہتر ہے میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت میں، تو اس کو میرے لئے مقدر فرما۔ اور اس کو میرے لئے آسان فرما، پھر میرے لئے اس میں برکت پیدا فرما، اور اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ معاملہ میرے لئے برا ہے میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت میں تو اس کو مجھ سے پھیر دے، اور مجھے اس سے پھیر دے، اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما جہاں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔ اور اپنی حاجت کا نام لے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوایوبؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت جابرؓ کی حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اسے عبدالرحمٰن بن ابی الموالی کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے اور وہ شیخ مدنی ہیں اور ثقہ ہیں سفیان نے ان سے حدیث روایت کی ہے اور دیگر کئی ائمہ بھی عبدالرحمٰن سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

تشریح: **مسئلہ اولیٰ: استخارہ کن امور میں کیا جائے گا اور کن امور میں اس کا کرنا درست نہیں؟**

اسکے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ امور جو شرعاً فرض یا واجب ہوں انکے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں استخارہ نہیں کیا جائے

گا اسی طرح وہ امور جو معصیت کی قبیل سے ہوں یعنی حرام یا مکرہ تحریمی ہوں ان کا ترک واجب ہے انکے لئے استخارہ کرنے کی ضرورت نہیں البتہ وہ امور جو مباح ہوں انکے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ان امور کے متعلق استخارہ کیا جائے گا۔

مسئلہ ثانیہ: استخارے میں حکمت کیا ہے؟ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ کسی کام کے لئے جانا چاہتے یا کسی سفر پر جانا چاہتے یا شادی کرنا چاہتے یا کوئی لین دین کا معاملہ کرنا چاہتے تو وہ تیروں کے ذریعے سے فال نکالتے تھے یہ تیر کعبہ شریف میں رہنے والے مجاوروں کے پاس ہوتے تھے۔ جو ایک تھیلے میں بند ہوتے تھے ان تیروں پر یہ لکھا ہوتا تھا ''امرنی ربی'' اور کسی پر لکھا ہوتا تھا ''نہانی ربی'' اور کسی تیر پر کچھ نہ لکھا ہوتا تھا۔ اب یہ شخص ان مجاوروں کے پاس جاتا اور کہتا کہ میں فلاں کام کے لئے جارہا ہوں میرے لئے فال نکالو۔ چنانچہ وہ مجاور تھیلے سے تیر نکالتا اگر وہ تیر ''امرنی ربی'' والا نکلتا تو وہ اس کام کے لئے چلا جاتا اور اگر وہ تیر ''نہانی ربی'' والا نکلتا تو وہ اس کام کے لئے نہ جاتا، رک جاتا۔ اور اگر تیر خالی نکلتا تو دوبارہ فال نکالی جاتی اس کو استقسام بالازم بھی کہا جاتا ہے۔

سورۂ مائدہ میں اس کی حرمت نازل ہوئی۔ حرمت کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ عمل بے بنیاد ہے اس کی کوئی اصل نہیں کیونکہ یہ بات تو لازمی ہے کہ جب تھیلے میں ہاتھ ڈالا جائے گا تو کوئی نہ کوئی تیر ہاتھ لگے گا خالی تو نہیں نکلے گا۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام ہے کہ اللہ پاک نے کہاں حکم دیا ہے اور کہاں منع کیا ہے یہ محض افتراء ہے۔

مسئلہ ثالثہ حکمت استخارہ: نبی کریم ﷺ نے جاہلیت کے طریقے سے روکا اور اس کے بدلے میں صلوٰۃ استخارہ کی تعلیم فرمائی اس میں بھی ایک حکمت ہے کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا و التجاء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو پورا نہ فرمائیں تو اس سے بندہ مایوس بھی نہیں ہوتا بلکہ اس کا یقین اللہ رب العزت پر ہوتا ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ انسان جب استخارہ کرتا ہے تو وہ اپنی رائے میں جواب دہی سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ اور اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع بنالیتا ہے اور اپنا مکمل رخ اللہ کی طرف جھکا دیتا ہے تو اس میں فرشتوں جیسی خوشبو پیدا ہوجاتی ہے۔ پس وہ رفتہ رفتہ فرشتوں کی مانند ہوجاتا ہے جو کہ اس کی کامیابی کا تیر بہدف نسخہ ہے۔

مسئلہ رابعہ: طریقہ استخارہ: استخارہ کے مختلف طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

استخارہ کا طریقہ: دو رکعت پڑھ کر دعائے استخارہ پڑھ لے اور استخارہ کی دعا کے دوران دونوں جگہ **(هذا الامر)** میں اس کام کی طرف دھیان رکھے جس کام کیلئے استخارہ کررہا ہے پھر اکثر مشائخ کے نزدیک یہ ہے کہ تھوڑی دیر لیٹ جانا چاہئے۔ اگر خواب وغیرہ نظر آجائے تو کسی عالم باعمل سے اس کی تعبیر پوچھے جو خواب کی تعبیر جانتا ہو۔ استخارہ کے بعد اگر تردد ختم نہ ہو تو بار بار کرے یہاں تک کہ سات دن تک کرتا رہے۔ اگر خواب نہ آئے تو صبح اٹھنے کے وقت ذہن جس طرف مائل ہو وہی کام کرے۔

مسئلہ خامسہ: استخارہ اور استشارہ: استشارہ کہتے ہیں کسی سے مشورہ لینا اور استخارہ کہتے ہیں دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دو جائز کاموں میں سے ایک راستے کی تعین مانگنا تاکہ دنیاوی و اُخروی نقصان سے بچا جاسکے۔

مسئلہ سادسہ: استخارہ کے لئے ضروری نہیں کہ خواب نظر آئے کیونکہ استخارہ طلب خیر کو کہتے ہیں اب اس نے طلب خیر کی دعا کردی اب دل جس جانب بھی جم جائے اس کا رخ کرلیں یا دل جس طرف مائل ہو اس کی طرف رخ کرلیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ التَّسْبِيحِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ الْعُكْلِيُّ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَمِّ أَلَا أَصِلُكَ أَلَا أَحْبُوكَ أَلَا أَنْفَعُكَ قَالَ بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ يَا عَمِّ صَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ فَإِذَا انْقَضَتِ الْقِرَاءَةُ فَقُلِ اللهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً قَبْلَ أَنْ تَرْكَعَ ثُمَّ ارْكَعْ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَقُومَ فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَهِيَ ثَلَاثُ مِائَةٍ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ فَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُكَ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ غَفَرَهَا اللهُ لَكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقُولَهَا فِي يَوْمٍ قَالَ إِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَقُولَهَا فِي يَوْمٍ فَقُلْهَا فِي جُمُعَةٍ فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ أَنْ تَقُولَهَا فِي جُمُعَةٍ فَقُلْهَا فِي شَهْرٍ فَلَمْ يَزَلْ يَقُولُ لَهُ حَتَّى قَالَ فَقُلْهَا فِي سَنَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَبِي رَافِعٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي صَلَاتِي فَقَالَ كَبِّرِي اللهَ عَشْرًا

حضرت ابورافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا چچا کیا میں آپ کے ساتھ صلہ رحمی نہ کروں؟ کیا میں آپ کو عطیہ نہ دوں؟ کیا میں آپ کو نفع نہ پہچاؤں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا چار رکعت پڑھئے اور ہر رکعت میں سورت فاتحہ اور کوئی سورت پڑھیں۔ پس ان سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے پندرہ مرتبہ اللهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ پڑھئے پھر رکوع کیجئے اور رکوع میں دس مرتبہ یہی پڑھئے پھر رکوع سے کھڑے ہو کر دس مرتبہ پھر سجدے میں دس مرتبہ اور پھر سجدے سے اٹھ کر دس مرتبہ پھر دوسرے سجدے میں دس مرتبہ اور پھر سجدے سے اٹھ کر کھڑے ہونے سے پہلے دس مرتبہ یہی کلمات پڑھئے یہ ہر رکعت میں (75) مرتبہ ہوا اور چاروں رکعتوں میں (300) تین سو مرتبہ ہوا اگر آپ کے گناہ (صغیرہ) ریت کے ٹیلے کے برابر بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ اسے ہر روز کون پڑھ سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اگر روزانہ نہ پڑھ سکو تو جمعہ کے دن۔ اور اگر جمعہ کے دن بھی نہ پڑھ سکو تو مہینے میں ایک مرتبہ پڑھو پھر آپ ﷺ اسی طرح فرماتے رہے یہاں تک کہ فرمایا تو پھر سال میں ایک مرتبہ پڑھ لو امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث ابورافع کی حدیث سے غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلیمؓ صبح کے وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا مجھے ایسے کلمات سکھایئے جو میں اپنی نماز میں پڑھوں آپ ﷺ نے فرمایا دس مرتبہ اللهُ أَكْبَرُ دس مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ اور دس مرتبہ الْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھو اور جو چاہو مانگو اللہ تعالیٰ فرماتا

وَسَبِّحِي اللهَ عَشْرًا وَاحْمَدِيهِ عَشْرًا ثُمَّ سَلِي مَا شِئْتِ
يَقُولُ نَعَمْ نَعَمْ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ
بْنِ عَمْرٍو وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي رَافِعٍ قَالَ أَبُو عِيسَى
حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرُ حَدِيثٍ فِي صَلَاةِ التَّسْبِيحِ وَلَا
يَصِحُّ مِنْهُ كَبِيرُ شَيْءٍ وَقَدْ رَأَى ابْنُ الْمُبَارَكِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ
مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ صَلَاةَ التَّسْبِيحِ وَذَكَرُوا الْفَضْلَ فِيهِ
حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضبی حَدَّثَنَا أَبُو وَهْبٍ قَالَ
سَأَلْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْمُبَارَكِ عَنِ الصَّلَاةِ الَّتِي يُسَبَّحُ
فِيهَا فَقَالَ يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُولُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ
وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُولُ
خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ
وَاللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَتَعَوَّذُ وَيَقْرَأُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ
وَفَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً ثُمَّ يَقُولُ عَشْرَ مَرَّاتٍ سُبْحَانَ
اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ يَرْكَعُ
فَيَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَسْجُدُ
فَيَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَسْجُدُ
الثَّانِيَةَ فَيَقُولُهَا عَشْرًا يُصَلِّي أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عَلَى هٰذَا
فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ تَسْبِيحَةً فِي كُلِّ رَكْعَةٍ يَبْدَأُ فِي كُلِّ
رَكْعَةٍ بِخَمْسَ عَشْرَةَ تَسْبِيحَةً ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُسَبِّحُ عَشْرًا
فَإِنْ صَلَّى لَيْلًا فَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُسَلِّمَ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَإِنْ
صَلَّى نَهَارًا فَإِنْ شَاءَ سَلَّمَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يُسَلِّمْ قَالَ أَبُو
وَهْبٍ وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي رِزْمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ
أَنَّهُ قَالَ يَبْدَأُ فِي الرُّكُوعِ بِسُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَفِي
السُّجُودِ بِسُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثَلَاثًا ثُمَّ يُسَبِّحُ
التَّسْبِيحَاتِ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ وَحَدَّثَنَا وَهْبُ

ہے ہاں ہاں۔اس باب میں حضرت ابن عباس،عبداللہ بن عمرو، فضل بن عباس اور ابورافع رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں حضرت انسؓ کی حدیث حسن غریب ہے نبی کریم ﷺ سے نماز تسبیح کے بارے میں اور بھی روایات مروی ہیں لیکن ان میں اکثر صحیح نہیں ہیں ابن مبارک اور کئی علماء بھی صلوۃ التسبیح اور اس کی فضیلت کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔

احمد بن عبدہ الضبی ،ابووہب سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے تسبیح والی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا اللّٰهُ أَكْبَرُ کہے اور پھر یہ پڑھے (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ) اس کے بعد (سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ) پندرہ مرتبہ پڑھے پھر أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھے پھر دس مرتبہ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پڑھے پھر رکوع میں دس مرتبہ، پھر رکوع سے کھڑے ہو کر دس مرتبہ، پھر سجدے میں دس مرتبہ ،پھر سجدے سے اٹھ کر دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدے میں دس مرتبہ یہ پڑھے اور چار رکعتیں اسی طرح پڑھے یہ ہر رکعات میں 75 تسبیحات ہوئیں ہر رکعت میں پندرہ مرتبہ سے شروع کرے پھر قراءت کرے اور دس مرتبہ تسبیح کرے اور اگر رات کی نماز پڑھ رہا ہو تو ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنا مجھے پسند ہے اگر دن کو پڑھے تو چاہے دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے یا نہ پھیرے، ابو وہب کہتے ہیں مجھے عبدالعزیز نے عبداللہ بن مبارکؒ کے متعلق کہا کہ ان کا کہنا ہے کہ وہ رکوع میں پہلے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اور سجدے میں پہلے تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى پڑھے اور پھر یہ تسبیحات پڑھے احمد بن

بْنُ زَمْعَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ وَهُوَ ابْنُ أَبِي رِزْمَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ إِنْ سَهَا فِيهَا يُسَبِّحُ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ عَشْرًا عَشْرًا قَالَ لَا إِنَّمَا هِيَ ثَلَاثُ مِائَةِ تَسْبِيحَةٍ.

عبدہ وہب بن زمعہ سے اور وہ عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا کہ اگر اس نماز میں بھول جائے تو کیا سجدہ سہو کر کے دونوں سجدوں میں بھی دس دس مرتبہ تسبیحات پڑھے کہا کہ نہیں یہ تین سو تسبیحات ہی ہیں۔

تشریح: مسئلہ اولیٰ: صلوٰۃ تسبیح کے بارے میں جتنی روایات آئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اس کے متعلق تقریباً گیارہ روایات آئی ہیں اتنی روایات کا مجموعہ حسن لغیرہ بن جاتا ہے لہٰذا استحباب کا درجہ تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات ماقبل میں گزر چکی ہے کہ فضائل میں ضعیف روایات معتبر ہوتی ہیں جبکہ یہاں اتنی ضعیف ہیں جو جمع ہو گئی ہیں تو ان سب کا ضعف مل کر ایک حسن لغیرہ بن جاتا ہے جو کم از کم استحباب کا ثبوت دیتا ہے۔

سلف وصالحین کے ہاں صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ بھی چلا آرہا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن المبارکؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نماز کا طریقہ انہوں نے لوگوں کو سکھلایا ہے اور اسی نماز کے فضائل بیان کئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کی کوئی نہ کوئی اصل موجود ہے۔

مسئلہ ثانیہ: تسبیح کے کلمات: سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر یہ ترتیب ابن المبارکؒ کے ہاں ہے یہ ترتیب ادائیگی میں حسن ہے۔ حدیث میں بھی اس ترتیب سے آئی ہے اللہ اکبر والحمد للہ ولا الہ الا اللہ و سبحان اللہ۔ اس طرح پڑھنا چاہیں تو بھی درست ہے۔

مسئلہ ثالثہ: صلوٰۃ تسبیح کا طریقہ: صلوٰۃ تسبیح کے دو طریقے عام طور پر ثابت ہیں۔ ایک طریقہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے اور دوسرا طریقہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے۔

پہلا طریقہ: حدیث الباب حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہی طریقہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ چار رکعت صلوٰۃ التسبیح کی نیت سے نماز شروع کرے۔ ثناء تعوذ اور فاتحہ، قراءت سے فارغ ہونے کے بعد حالت قیام ہی میں مذکورہ تسبیح پندرہ بار پڑھے پھر رکوع میں چلا جائے پہلے رکوع کی تسبیح ادا کرے پھر رکوع ہی میں مذکورہ بالا تسبیح دس بار پڑھے پھر قومہ میں دس بار اس کو پڑھے پھر پہلے سجدہ میں سجدہ کی تسبیح کے بعد دس بار پڑھے پھر جلسہ میں دس بار پڑھے پھر دوسرے سجدہ میں سجدہ کی تسبیح کے بعد دس بار ہی تسبیح پڑھے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھے اور دس مرتبہ تسبیح پڑھے پھر کھڑا ہو جائے دوسری رکعت کے لئے۔ تو ایک رکعت میں یہ تسبیح پچھتر (۷۵) بار ہوئی۔ اسی طرح باقی تین رکعتوں میں تسبیح پڑھی جائے تو چار رکعتوں میں تین سو (۳۰۰) تسبیحات ہو جائیں گی۔

دوسرا طریقہ: حضرت ابن المبارکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ چار رکعت نماز کی نیت کر کے ثناء پڑھنے کے بعد پہلے پندرہ مرتبہ مذکورہ تسبیح پڑھے، پھر تعوذ، تسمیہ اور فاتحہ سورت پڑھے اور اس کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے دس مرتبہ ہی تسبیح پڑھے پھر رکوع میں دس مرتبہ تسبیح پڑھے پھر رکوع سے اٹھنے کے بعد دس مرتبہ تسبیح پڑھے پھر پہلے سجدہ میں دس مرتبہ پھر جلسہ میں دس مرتبہ پھر دوسرے سجدہ میں دس مرتبہ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو یہ بھی ایک رکعت میں پچھتر بار ہوئی اس طریقہ سے بھی صلوٰۃ تسبیح پڑھنا جائز ہے۔ مگر بہتر پہلے طریقے پر پڑھنا ہے کیونکہ وہ طریقہ حدیث میں آیا ہے۔

فرق: پہلے طریقے میں ثناء کے بعد تسبیح نہیں اور دوسرے سجدہ کے بعد جلسہ استراحت میں تسبیح ہے جبکہ دوسرے طریقے میں ثناء کے بعد تسبیح ہے اور دوسرے سجدہ کے بعد نہ جلسہ استراحت ہے اور نہ ہی اس میں تسبیح ہے۔ احناف کے نزدیک نماز میں دو سجدوں کے درمیان اگرچہ جلسہ استراحت نہیں لیکن صلوٰۃ تسبیح میں جلسہ استراحت یہ بلا کراہت جائز ہے۔ اگر کسی شخص کی کسی رکن میں تسبیح رہ جائے تو اس کو اگلے رکن کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو أُسَامَةَ عَنْ مِسْعَرٍ وَالْأَجْلَحِ وَمَالِكِ بْنِ مِغْوَلٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ قَدْ عَلِمْنَا فَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ قَالَ قُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ قَالَ مَحْمُودٌ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ وَزَادَنِي زَائِدَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ وَنَحْنُ نَقُولُ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ وَطَلْحَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَبُرَيْدَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ وَيُقَالُ ابْنُ جَارِيَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي لَيْلَى كُنْيَتُهُ أَبُو عِيسَى وَأَبُو لَيْلَى اسْمُهُ يَسَارٌ.

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا تو جان لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کس طرح بھیجیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو (اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ) محمود نے کہا کہ ابو اسامہ کہتے ہیں کہ مجھ کو زائدہ نے ایک لفظ اعمش سے زیادہ بتایا وہ روایت کرتے ہیں حکم سے وہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے کہ عبدالرحمٰن نے کہا ہم درود میں کہتے تھے (وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ) یعنی انکے ساتھ ہم پر بھی رحمت اور برکت نازل فرما۔ اس باب میں حضرت علی، ابوحمید، ابومسعود، طلحہ، ابوسعید، بریدہ، زید بن خارجہ (انہیں ابن جاریہ بھی کہا جاتا ہے) اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کی کنیت ابوعیسیٰ ہے اور ابولیلی کا نام یسار ہے۔

تشریح: خارج از صلوٰۃ پوری عمر میں ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے عملاً بالقرآن **لقوله تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما**۔ یہ دلیل قطعی الثبوت وقطعی الدلالت ہے۔ پھر کسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے تو ایک بار پڑھنا واجب ہے اور اسی مجلس میں بار بار ذکر آئے تو ہر بار پڑھنا مستحب ہے۔ یہ قول امام کرخیؒ کا ہے اور اگر بار بار ایک مجلس میں ذکر آئے تو ہر بار پڑھنا واجب ہے یہ قول امام طحاویؒ، ابن الہمامؒ کا ہے۔

وجوب کی دلیل: وہ احادیث جن میں وعید کا تذکرہ ہے کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک پر درود شریف نہ پڑھے تو وہ رحمت

سے محروم ہے، بخیل وسنگدل ہے۔

عدم وجوب کی دلیل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام سے تکرار ثابت نہیں اس صورت میں کسی دوسری عبادت کے لئے فراغت حاصل نہیں ہوگی۔ اور اس میں حرج لازم آئے گا۔ **والحرج مدفوع وما جعل علیکم فی الدین حرج۔**

احادیث وعید کی توجیہات: ان روایات سے مقصود مبالغہ فی التاکید ہے۔ یا یہ وعید ترک صلوٰۃ کی عادت پر محمول ہے جو تارک صلوٰۃ (درود) ہو اس کے لئے یہ وعید ہے۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۲۹۲)

مسئلہ: تشہد کے بعد درود پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا فرض ہے اور یہی قول امام احمد بن حنبلؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ امام اسحاقؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عمداً چھوڑ دے تو نماز نہیں ہوگی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، جمہور حضرات کا مسلک یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: **عن فضالة بن عبيد رضی اللہ عنہ قال سمع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رجلا يدعو في صلوته لم يمجد الله ولم يصل على النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عجل هذا ثم دعاه فقال له او لغيره اذا صلى احدكم فليبدأ بتحميد الله عزوجل والثناء عليه ثم ليصل على النبي صلی اللہ علیہ وسلم ثم ليدع۔** (ابوداؤد، نسائی، ترمذی وقال الترمذی صحیح)

جواب: یہ حدیث سنیت پر محمول ہے اگر فرض ہوتا تو اعادہ کا حکم فرماتے جیسے مسیٔ الصلوٰۃ کو اعادہ کا حکم فرمایا تھا۔

دلیل ثانی: **عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال رجل یا رسول الله كيف نصلى عليك اذا نحن صلينا عليك في صلوتنا قال اذا صليتم علیّ فقولوا اللّٰهم صل على محمد** (ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم)۔

جواب اوّل: یہاں اس سے مقصود نماز کی کیفیت بتلانا مقصود ہے نہ کہ حکم جیسے حدیث میں ہے **اذا قام احدكم الليل فليفتتح الصلوٰة بركعتين خفيفتين** - (فتح الملہم جلد ۲ ص ۴۵)

جواب ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی غرض سے امر کا صیغہ لائے ہیں اس سے وجوب مراد نہیں ہے۔

دلیل ثالث: **عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ مرفوعا لا صلوٰة لمن يصل على النبي صلی اللہ علیہ وسلم۔**

جواب اوّل: اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالمہیمن ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب ثانی: لا صلوٰۃ میں لا کمال کی نفی پر محمول ہے جیسے **لا صلوٰة لجار المسجد الا في المسجد** میں ہے۔

احناف اور جمہور کی دلیل اوّل: **عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علمه التشهد في الصلوٰة ...... اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت أن تقوم فقم و ان شئت ان تقعد فاقعد۔**

اگرچہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے لیکن یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

دلیل ثانی: **عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رفع المصلى رأسه من اخر صلوته وقضى تشهده ثم احدث فقد تمت صلوته۔** (دار قطنی وطحاوی)

دلیل ثالث: حدیث مسیئ الصلوٰۃ جس میں آپ ﷺ نے فرائض کی تعلیم دی ہے اور وہ درود شریف کے ذکر سے خالی ہے۔ (کمافی ابی داؤد، والترمذی والنسائی)

دلیل رابع: حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے **الصلوٰۃ علی النبی ﷺ سنۃ فی الصلوٰۃ۔ (البدائع)**

درود شریف پر مشہور اشکال: قواعد عربیہ کے مطابق مشبہ بہ اقوی اور افضل ہوتا ہے مشبہ سے اور مشبہ غیر اقوی، غیر افضل ہوتا ہے حالانکہ درود ابراہیمی میں ہے **"کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم"** یہاں **صلوٰۃ علی محمد** کو **صلوٰۃ علی ابراھیم** کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو صلوٰۃ علی محمد مشبہ ہوا اور صلوٰۃ علی ابراہیم مشبہ بہ ہوا تو قاعدہ کی رو سے صلوٰۃ علی ابراہیم اقوی اور افضل ہوا اور صلوٰۃ علی محمد غیر اقوی و غیر افضل ہوا۔ اس کے شارحین نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اوّل: درود شریف میں آپ ﷺ نے تواضعاً اپنے آپ کو مشبہ قرار دیا۔

جواب ثانی: یہاں تشبیہ اصل صلوٰۃ کے اعتبار سے ہے نہ کہ مقدار صلوٰۃ کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ جس قدر صلوٰۃ ابراہیم پر ہے اسی قدر صلوٰۃ محمد پر بھی ہو جیسا کہ **"کما کتب علی الذین من قبلکم"** اور **"انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح"** اور **"واحسن کما احسن اللہ الیک"** میں تشبیہ نفس وحی، نفس صوم اور نفس احسان میں دی گئی ہے نہ کہ مقدار کے اعتبار سے۔

جواب ثالث: یہاں کاف تعلیل کیلئے ہے نہ کہ تشبیہ کیلئے لقولہ تعالیٰ **"ولتکبروا اللہ علی ماھدا کم" ای لاجل ھدا کم۔**

جواب رابع: یہ تشبیہ معلق ہے **"وعلی آل محمد"** یعنی **صلوٰۃ علی محمد** کو **صلوٰۃ علی ابراھیم** اور **آل ابراھیم"** کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو **"آل محمد"** مشبہ اور **"ابراھیم وآلہ"** مشبہ بہ ہے فلا حرج۔

جواب خامس: یہاں تشبیہ مجموع کی مجموع کے اعتبار سے ہے اسلئے کہ ابراہیم علیہ السلام کی آل کثیر تھی اسی طرح آپ ﷺ کی آل بھی کثیر ہے۔

جواب سادس: علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ تشبیہ میں ہمیشہ الحاق الناقص بالکامل نہیں ہوتا بلکہ کبھی الحاق غیر مشہور بالمشہور ہوتا ہے اسلئے اس شہرت کے اعتبار سے **"صلوٰۃ آل محمد"** کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

جواب سابع: الحاق الناقص بالکامل یہ کوئی قاعدۃ کلیہ نہیں بلکہ تشبیہ کبھی تمثیل کے ساتھ بھی ہوتی ہے برابر اور شیٔ سے کم درجہ میں بھی دی جاسکتی ہے جیسے **"مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح"۔**

جواب ثامن: مشبہ بہ کا اکمل ہونا ضروری نہیں بلکہ اوضح اور اشہر ہونا ضروری ہے چونکہ درود ابراہیمی تمام امم و ملل اہل کتاب و مشرکین میں مشہور و مسلّم تھا اسی لئے اس کو مشبہ بہ قرار دیا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۴۲)

سوال: صلوٰۃ و سلام میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام برابر ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تخصیص کیوں کی؟

جواب اوّل: آپ ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا طرز ملتا جلتا ہے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ تو صرف اصول ہی میں توافق ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ فروع میں بھی توافق ہے۔ اسی بناء پر ارشاد ہے **"ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین آمنوا"۔**

جواب ثانی: آپ ﷺ کو معراج کی رات میں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اپنی امت کو ہمارا اسلام کہیے گا اس لئے اس

امت کو حکم ہوا کہ صلوٰۃ ابراہیمی کو نماز میں داخل کریں اور خارج نماز بھی پڑھا کریں۔

جواب ثالث: چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امت کے حال پر شفقت فرماتے ہوئے ہمارے نبی ﷺ کے مبعوث ہونے کی دعا کی تھی "**ربنا وابعث فیھم رسولا**" (**الایة**) اسی وجہ سے ان کا ذکر خاص ہے۔

درود شریف کے الفاظ کی مختصر وضاحت: **علی آل محمد:** آل کے چند معانی مندرجہ ذیل ہیں: ① امام طیبیؒ نے فرمایا کہ آل سے مراد امت اجابت ہے ② بعض نے کہا کہ آل سے مراد ازواج مطہرات ہیں اور آپ کا خاندان ہے جن پر صدقہ حرام ہے ③ بعض نے کہا کہ آل سے مراد وہ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے جیسے بنی ہاشم بنی مطلب وغیرہ ④ بعض نے کہا کہ ہر پرہیزگار آل میں شامل ہے "**کل تقی من آل محمد**" ⑤ بعض نے کہا کہ آل سے مراد اولاد فاطمہ اور ان کی نسل ہے۔

وعلی آل ابراھیم: اس سے حضرت اسماعیلؑ و اسحاقؑ اور ان دونوں کی اولاد مراد ہے۔

انك حمید: بروزن فعیل بمعنی مفعول کے "**ای محمود فی ذاته**" یعنی تعریف کی ہوئی یا فعیل بمعنی فاعل تعریف کرنیوالا۔

باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ ابْنُ عَثْمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ يَعْقُوبَ الزَّمْعِيُّ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ كَيْسَانَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ شَدَّادٍ أَخْبَرَهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَكَتَبَ لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ نزدیک وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر کثرت سے درود بھیجتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود بھیجتے ہیں اور اس کے حصے میں دس نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

تشریح: **اولی الناس بی یوم القیامة اکثرھم علیّ صلوٰۃ:** باب میں فضل الصلوٰۃ سے مراد نماز اور خارج نماز دونوں میں درود کی فضیلت کا بیان ہے اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے کہ تہلیل افضل ہے یا "**صلوٰۃ علی النبی**" افضل ہے یا قراءۃ القرآن افضل ہے۔ بعض حضرات نے تہلیل، تسبیح اور تلاوت قرآن کو افضل کہا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ تہلیل افضل ہے تسبیح سے۔ امام نوویؒ سے منقول ہے کہ یہ فضیلت آدمی کے کلام کے باعث ہے ورنہ مطلقاً قرآن افضل الذکر ہے۔

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات کسی حد تک درست نہیں کیونکہ یہ تسبیح و تہلیل بندے کا کلام نہیں بلکہ یہ بھی قرآن میں شامل ہے۔ باقی ان حضرات کو جو شبہ ہوا وہ بیہقی کی اس روایت سے ہوا جس کے الفاظ یہ ہیں "**وقراءۃ القرآن فی غیر الصلوٰۃ**

افضل من التسبيح والتكبير"۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص شفاعت کا ارادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ درود کی کثرت کرے اور جو اللہ کی مغفرت کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ تہلیل کی کثرت کرے جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر درود بھیجنے والا ہوگا۔ کثرت درود کا ورد رکھنے والا قیامت کے دن نبی کریم کے قرب میں ہوگا۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ وَعَمَّارٍ وَأَبِي طَلْحَةَ وَأَنَسٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا صَلَاةُ الرَّبِّ الرَّحْمَةُ وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الِاسْتِغْفَارُ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرماتا ہے اس باب میں عبد الرحمٰن بن عوف، عامر بن ربیعہ، عمار، ابو طلحہ، انس ابی بن کعب سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ حسن صحیح ہے سفیان ثوری اور کئی علماء سے مروی ہے کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے مراد رحمت ہے اور اگر صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے مراد طلب مغفرت ہے۔

تشریح: وروی عن سفیان الثوری صلوۃ الرب الرحمۃ: یہاں صلوٰۃ کا معنی بیان کر رہے ہیں کہ اگر صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی رحمت ہوتا ہے یا اس سے مراد مغفرت ہے "کما فی روایۃ ابن حبان صلاۃ اللہ مغفرتہ وصلوۃ الملائکۃ الاستغفار" اور اگر صلوٰۃ کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس سے مراد استغفار ہے اور اگر صلوٰۃ کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو اس سے مراد دعا ہے اور اگر صلوٰۃ کی نسبت چرند پرند کی طرف ہو تو اسکا معنی تسبیح وتہلیل ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْمَصَاحِفِيُّ الْبَلْخِيُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ عَنْ أَبِي قُرَّةَ الْأَسَدِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ هُوَ ابْنُ يَعْقُوبَ وَهُوَ مَوْلَى الْحُرَقَةِ وَالْعَلَاءُ هُوَ مِنَ التَّابِعِينَ سَمِعَ مِنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَغَيْرِهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ يَعْقُوبَ وَالِدُ

حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ دعا آسمان اور زمین کے درمیان اس وقت تک رکی رہتی ہے جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود نہ بھیجو امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علاء بن عبد الرحمن یعقوب کے بیٹے اور حرقہ کے مولیٰ ہیں اور علاء تابعین میں سے ہیں انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے احادیث سنی ہیں جبکہ عبد الرحمن یعقوب یعنی علاء کے والد بھی تابعی ہیں انہوں نے ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

الْعَلَاءُ هُوَ مِنَ التَّابِعِينَ سَمِعَ مِنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَيَعْقُوبُ هُوَ مِنْ كِبَارِ التَّابِعِينَ قَدْ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَرَوَى عَنْهُ.

احادیث سنی ہیں اور یعقوب کبار تابعین میں سے ہیں انہوں نے عمر بن خطاب سے ملاقات کی ہے اور ان سے روایت بھی کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا يَبِعْ فِي سُوقِنَا إِلَّا مَنْ قَدْ تَفَقَّهَ فِي الدِّينِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

علاء بن عبدالرحمن بن یعقوب سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے فرمایا ہمارے بازار میں کوئی شخص خرید وفروخت نہ کرے جب تک وہ دین میں خوب سمجھ بوجھ حاصل نہ کرلے یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے بازار میں کاروبار نہ کرے مگر وہ شخص جسے دین کی سمجھ حاصل ہے یعنی جو بیع شراء کے مسائل سے واقف ہے اسی کے لئے کاروبار کرنا جائز ہے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کو یہاں کیوں لائے جبکہ اس باب سے اس کا کوئی جوڑ اور ربط نہیں بنتا۔

اصل میں یہ روایت امام ترمذی ایک سند کے ثبوت کے لئے لائے ہیں کہ اوپر سند میں عبدالرحمٰن بن یعقوب کا تذکرہ چلا تھا۔ علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب یہ تینوں تابعی ہیں علاء صغار تابعینؒ میں سے ہیں۔ انہوں نے صغار صحابہ حضرت انسؓ سے حدیث سنی ہے ان کے والد عبدالرحمٰن حرقہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ اوساط تابعین میں سے ہیں انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی ہے اور ان کے والد یعقوب اور علاء کے دادا یہ کبار تابعینؒ میں سے ہیں۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور ان سے حدیث سنی جس کو امام ترمذیؒ لائے ہیں۔ لہٰذا یہاں صرف سند کے اثبات کے لئے حدیث لائے ہیں نہ کہ مسئلہ کے باعث۔

اَبْوَابُ الْجُمُعَةِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لفظ جمعہ کی لغات میں مختلف اقوال ہیں یہ لفظ جیم اور میم دونوں کے پیش کے ساتھ اور جیم کے پیش اور میم کے سکون کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔ جمعہ کو زمانہ جاہلیت میں عروبہ کہا جاتا تھا۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ: اوّل: اس دن لوگ نماز کیلئے جمع ہوتے ہیں اس لئے اس کو جمعہ کہتے ہیں اور جمعہ کو جمعہ اس لئے بھی کہتے ہیں کہ اس میں حضرت آدم وحوا کا آپس میں اجتماع ہوا یا اس لئے بھی جمعہ کہا جاتا ہے کہ اس میں امور عظام کو جمع کیا گیا ہے۔

ثانی: اس دن حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر جمع کیا گیا تھا۔

ثالث: بعض نے کہا کہ کعب بن لوی لوگوں کو جمع کر کے اس دن وعظ ونصیحت کرتے تھے اس لئے اس کا نام جمعہ پڑ گیا۔

جمعہ کی فرضیت کہاں ہوئی: قول اوّل: احناف کے نزدیک اس کی فرضیت مکہ میں ہوگئی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ادا کرنے کی قدرت نہیں تھی اس لئے ادا نہ کیا پھر مکہ سے ہجرت کی اور چودہ روز قبا میں مقیم رہے وہاں بھی جمعہ ادا نہ کیا قریہ کبیرہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ جمعہ مدنی ہے اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی لہٰذا جمعہ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی۔

جواب: جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہو چکی تھی اگرچہ سورۂ جمعہ مدنی ہے اس کی اور کئی مثالیں موجود ہیں کہ احکام مکہ میں آئے تھے لیکن ان کے بارے میں آیات مدینہ میں نازل ہوئی جیسے وضو کا حکم مکہ میں آیا اور آیت مدنی ہے۔

احنافؒ کی دلیل: حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مدینہ سے مکہ آئے تو ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے احکام سکھائے اور یہ بھی فرمایا کہ تم مدینہ جا کر جمعہ قائم کرنا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبل الہجرۃ جمعہ کی فرضیت مکہ میں ہی ہوگئی تھی۔

بَابُ فَضْلِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي لُبَابَةَ وَسَلْمَانَ وَأَبِي ذَرٍّ وَسَعْدِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورج نکلنے والے دنوں میں بہترین دن جمعہ کا دن ہے اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اسی دن آپ جنت میں داخل کئے گئے اسی دن آپ جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی اس باب میں حضرت ابولبابہ، سلمان، ابوذر، سعد بن عبادہ اور اوس بن اوس

بْنِ عُبَادَةَ وَأَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قَالَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ.

سوال: جمعہ کا دن خیر کیسے ہے حالانکہ جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کی نعمتوں سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا گیا؟

جواب اوّل: یہ نکالنا خلافت ارضی کا سبب ہے جو لامحدود خیرات وحسنات کا سبب بنا۔

جواب ثانی: حضرت آدم علیہ السلام کا خروج نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ نہ چلتا۔ الحاصل حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں جانا بھی اللہ کی رحمت وہاں سے تشریف لانا بھی اللہ کی رحمت کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام وہاں سیکھنے گئے تھے یہاں دنیا میں سکھانے اور خلافت کرنے آئے۔

جواب ثالث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ''**و فیہ اخرج منہا**'' سے مقصود اس دن میں بڑے بڑے واقعات کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے اور اخراج آدم علیہ السلام بھی ایک بڑا واقعہ ہے۔ اس حدیث شریف میں چند واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں حضرت آدمؑ کی تخلیق، آپ کو جنت میں داخل کرنا، پھر جنت سے نکالنا، پھر جمعہ کے دن قیامت کا قائم ہونا یہ مؤمنین کے لئے خوشخبری ہے کیونکہ اس میں مسلمان جنت میں چلے جائیں گے اور کفار کے لئے ذلت ہی ذلت ہوگی۔

بَابٌ فِي السَّاعَةِ الَّتِي تُرْجٰى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عبد الله بْنُ عَبْدِ الْمَجِيدِ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ وَرْدَانَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجٰى فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلٰى غَيْبُوبَةِ الشَّمْسِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ يُضَعَّفُ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَيُقَالُ لَهُ حَمَّادُ بْنُ أَبِي حُمَيْدٍ وَيُقَالُ هُوَ أَبُو إِبْرَاهِيمَ الْأَنْصَارِيُّ وَهُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ السَّاعَةَ الَّتِي تُرْجٰى بَعْدَ الْعَصْرِ إِلٰى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ و قَالَ أَحْمَدُ أَكْثَرُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ مبارک گھڑی تلاش کرو جس کی جمعہ کے دن عصر اور مغرب کے درمیان ملنے کی امید ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور اس سند کے علاوہ بھی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں محمد بن ابی حمید ضعیف ہیں انہیں بعض علماء نے حافظے میں ضعیف کہا ہے انہیں حماد بن ابی حمید بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے وہ ابوابراہیم انصاری ہی ہیں جو منکر الحدیث ہیں بعض صحابہ کرام اور تابعین فرماتے ہیں کہ وہ گھڑی عصر سے غروب آفتاب تک ہے امام احمد اور امام اسحاق کا یہی قول ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث میں یہی ہے کہ وہ گھڑی جس میں دعا کی

الْأَحَادِيثِ فِي السَّاعَةِ الَّتِي تُرْجَى فِيهَا إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ أَنَّهَا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَتُرْجَى بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ.

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةً لَا يَسْأَلُ اللهَ الْعَبْدُ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا آتَاهُ اللهُ إِيَّاهُ قَالُوا! يَا رَسُولَ اللهِ! أَيَّةُ سَاعَةٍ هِيَ؟ قَالَ! حِينَ تُقَامُ الصَّلَاةُ إِلَى الِانْصِرَافِ مِنْهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى وَأَبِي ذَرٍّ وَسَلْمَانَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَبِي لُبَابَةَ وَسَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُهْبِطَ مِنْهَا وَفِيهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يُصَلِّي فَيَسْأَلُ اللهَ فِيهَا شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَلَقِيتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلَامٍ فَذَكَرْتُ لَهُ هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ بِتِلْكَ السَّاعَةِ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضْنَنْ بِهَا عَلَيَّ قَالَ هِيَ بَعْدَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ قُلْتُ فَكَيْفَ تَكُونُ بَعْدَ الْعَصْرِ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّي وَتِلْكَ السَّاعَةُ لَا يُصَلِّي فِيهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا

قبولیت کی امید ہے وہ عصر کی نماز کے بعد ہے اور یہ بھی امید ہے کہ وہ زوال آفتاب کے بعد ہو۔

کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن ایک وقت ایسا ہے کہ بندہ جب اللہ سے اس وقت میں سوال کرتا ہے تو اسے وہ چیز ضرور عطا کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کونسا وقت ہے فرمایا نماز جمعہ کے لئے کھڑے ہونے سے فارغ ہونے تک اس باب میں ابوموسیٰ، ابوذر، سلمان، عبداللہ بن سلام، ابولبابہ اور سعد بن عبادہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث عمر بن عوف حسن غریب ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمام دنوں میں بہترین دن کہ اس میں سورج نکلتا ہے جمعہ کا دن ہے اس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے اس میں ایک وقت ایسا ہے کہ اگر اس میں مسلمان بندہ نماز پڑھتا ہو پھر اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز ضرور عطا کر دیتا ہے حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن سلام سے ملاقات کی تو ان سے اس حدیث کا تذکرہ کیا انہوں نے فرمایا میں وہ گھڑی جانتا ہوں میں نے کہا پھر مجھے بتایئے اور بخل سے کام نہ لیجئے انہوں نے کہا عصر سے غروب آفتاب تک میں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں پاتا کوئی بندہ مسلم حالت نماز میں اور عصر کے بعد تو کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی عبداللہ بن سلام نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص کہیں نماز کے انتظار میں بیٹھے گویا کہ وہ نماز میں ہے میں نے کہا ہاں یہ تو

يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ فَهُوَ ذَاكَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَمَعْنَى قَوْلِهِ أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضْنَنْ بِهَا عَلَيَّ يَقُولُ لَا تَبْخَلْ بِهَا عَلَيَّ وَالضَّنِينُ الْبَخِيلُ وَالظَّنِينُ الْمُتَّهَمُ.

فرمایا ہے عبداللہ بن سلام نے کہا یہ بھی اسی طرح ہے اور اس حدیث میں طویل قصہ ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے اور (أَخْبِرْنِي بِهَا وَلَا تَضْنَنْ بِهَا عَلَيَّ) کے معنی یہ ہیں کہ اس میں میرے ساتھ بخل نہ کرو الضنین بخیل کو اور الظنین اسے کہتے ہیں جس پر تہمت لگائی جائے۔

تشریح: اس ساعت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ ساعت قبولیت اب بھی باقی ہے یا نہیں۔ بعض حضرات کے نزدیک ساعت قبولیت آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھی جبکہ جمہور حضرات کے نزدیک یہ ساعت اجابت قیامت تک کے لئے باقی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ کس وقت ہوتی ہے تو اس کی تعیین اور عدم تعیین کے بارے میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے۔ علامہ بنوریؒ نے معارف السنن جلد ۴ ص ۴۰۶ میں فرماتے ہیں "**فی ھٰذہ الساعۃ الموجودۃ المحمودۃ خمسۃ و اربعون قولاً**" کہ اس میں پینتالیس اقوال ہیں جن کو علامہ سیوطیؒ نے موطا مالکؒ کی شرح تنویر الحوالک میں ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ علامہ بنوریؒ نے مختلف ابحاث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے ائمہ میں اختلاف ہے۔

① وعلی الاوّل۔ یہ ساعت باقی ہے یا اٹھ چکی ہے؟
② کیا یہ ہر جمعہ ہوتی ہے یا سال میں ایک جمعہ کے اندر ہوتی ہے؟
③ کیا اس کے لئے وقت معین ہے یا مبہم ہے؟
④ کیا یہ پورے وقت کے لئے ہوتی ہے یا مبہم وقت کے لئے ہوتی ہے؟
⑤ اس کی ابتداء اور انتہاء کیا ہے؟
⑥ کیا یہ پورے وقت کو مستغرق ہوتی ہے یا بعض وقت کو مستغرق ہوتی ہے؟

یہ ان تمام اقوال کا اصل الاصول ہے۔ چند اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

جمعہ کی قبولیت کی ساعت: (۱) خطبہ کے بعد امام کے منبر سے اترنے سے تکبیر تحریمہ کہے جانے تک کا وقت۔

(۲) عصر سے آفتاب کے غروب تک کا وقت
(۳) فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے کا وقت
(۴) طلوع آفتاب کا وقت
(۵) بروز جمعہ فجر کی نماز کیلئے مؤذن کے آذان دینے کا وقت
(۶) آفتاب نکلنے کے فوراً بعد کی ساعت
(۷) امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز پوری ہوجانے کا وقت
(۸) ایک پہر باقی دن کی آخری ساعت
(۹) زوال شروع ہونے سے آدھا سایہ ہونے تک
(۱۰) عین زوال کا وقت
(۱۱) جمعہ کی نماز کیلئے مؤذن جب اذان کہے وہ وقت
(۱۲) نماز عصر کے درمیان کا وقت
(۱۳) دونوں خطبوں کے درمیان امام کے بیٹھنے کا وقت
(۱۴) عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کا وقت
(۱۵) امام کے خطبہ شروع کرنے اور خطبہ ختم کرنے تک کا وقت

(۱۶) مطلقاً نماز عصر کے بعد کا وقت
(۱۷) زوال شروع ہونے سے نماز جمعہ میں شامل ہونے کا وقت
(۱۸) اور وہ وقت جب کہ آفتاب ڈوبنے لگے
(۱۹) خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے سے نماز جمعہ شروع ہونے کا وقت
(۲۰) اذان سے ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت
(۲۱) خطبہ کیلئے امام کے منبر پر چڑھنے اور ادائیگی نماز کے درمیان کا وقت

ان تمام اقوال میں دو قول مشہور ہیں۔

① صلوٰۃ عصر کے بعد سے غروب شمس تک رہتی ہے اس قول کو امام ابوحنیفہؒ نے لیا ہے۔

② امام جب خطبے کے لئے منبر پر بیٹھے تو اس وقت ساعت اجابت شروع ہو جاتی ہے۔ اس وقت تک جب تک کہ امام نماز سے فارغ نہ ہو جائے اس قول کو شوافع حضرات نے نقل کیا ہے۔

امام صاحب کی دلیل اوّل: اس باب کی حدیث اوّل حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "عن النبی ﷺ قال التمسوا الساعة التی ترجی فی یوم الجمعة بعد العصر الی غیبوبة الشمس"۔

دلیل ثانی: اسی باب کی آخری حدیث جو حضرت ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا قصہ مشہور ہے۔

شوافع کی دلیل اوّل: عمرو بن عوف مزنیؓ کی روایت حدیث الباب ہے۔ عن النبی ﷺ قال ان فی الجمعة ساعة لا یسأل الله العبد فیها شیئًا الا اتاه الله أیاه قالوا یا رسول الله ایة ساعة هی قال حین تقام الصلوٰة الی الانصراف منها۔

جواب: اس حدیث کی سند میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے۔ یہ ضعیف راوی ہے۔ امام احمدؒ نے اس کی سند سے جو روایتیں مسند میں لکھی تھیں ان سب کو بعد میں کتاب سے نکال دیا تھا۔ اگرچہ امام ترمذیؒ نے اس کی حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے عن ابی بردة ابن ابی موسٰی الاشعری قال قال لی عبدالله بن عمر أسمعت أباك یحدث عن رسول الله ﷺ فی شأن ساعة الجمعة قال قلت نعم! سمعته یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول هی بین ما أن یجلس الامام الی أن تقضی الصلوٰة۔ (ج ۱ ص ۲۸۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِغْتِسَالِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَ عَمْرٍو وَجَابِرٍ وَالْبَرَاءِ وَعَائِشَةَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص جمعہ کی نماز کے لئے آئے اسے غسل کر لینا چاہئے۔ اس باب میں حضرت ابوسعید، عمر، جابر، براء، عائشہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے یہ حدیث امام زہری سے بھی مروی ہے وہ عبداللہ بن عمر سے وہ اپنے والد سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔ ہم سے روایت

وَسَلَّمَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ و قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَحَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ كِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ و قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي آلُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَيْضًا وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَرَوَاهُ يُونُسُ وَمَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ بَيْنَمَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيَّةُ سَاعَةٍ هٰذِهِ فَقَالَ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ سَمِعْتُ النِّدَاءَ وَمَا زِدْتُ عَلَى أَنْ تَوَضَّأْتُ قَالَ وَالْوُضُوءُ أَيْضًا وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالْغُسْلِ

کی قتیبہ نے انہوں نے لیث بن سعد سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے عبداللہ بن عبداللہ بن عمر سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اوپر کی حدیث کی مثل۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری کہتے ہیں زہری کی سالم سے مروی حدیث جس میں وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور عبداللہ بن عبداللہ بن عمر کی ان کے والد سے روایت کردہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں زہری کے بعض شاگرد زہری سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر کی اولاد میں سے کسی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نبی کریم ﷺ سے جمعہ کے دن غسل کے متعلق بیان کیا اور وہ حدیث صحیح ہے اور روایت کی یونس و معمر نے زہری سے انہوں نے سالم سے انہوں نے اپنے والد سے کہ ہمارے درمیان ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطابؓ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک صحابی داخل ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آنے کا کون سا وقت ہے انہوں نے کہا میں نے اذان سنی اور صرف وضو، زیادہ دیر تو نہیں لگائی حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا صرف وضو! حالانکہ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے غسل کا حکم دیا ہے۔

تشریح: **مسئلہ جمعہ کے دن غسل کا کیا حکم ہے؟** اس میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، جمہور سلف وخلف کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے واجب نہیں۔

قول ثانی: اہل ظواہر کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے یہی قول ایک روایت کے مطابق امام مالک کا ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل اوّل: وہ روایات جن میں **فليغتسل** امر کا صیغہ وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت ہے **من اتى الجمعة فليغتسل** یہ حدیث ان کے علاوہ پچیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے **غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم**۔

دلیل ثالث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **على كل رجل مسلم غسل يوم وهو يوم الجمعة**۔

دلیل رابع: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **حقًّا على المسلمين ان يغتسلوا يوم الجمعة**۔

ان دلائل کے مشترکہ جوابات: ابتداءً وجوب کا حکم تھا لیکن بعد میں منسوخ ہوگیا۔ غسل کا یہ حکم ابتداءً اسلام میں ایک عارض کی وجہ سے تھا جب وہ عارض ختم ہوگیا تو حکم بھی ختم ہوگیا اس کا خلاصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ خود

کام کاج کرتے تھے اور پانی عرب میں نایاب تھا جب اذان ہو جاتی تو اس وقت کام چھوڑ کر وہ مسجد میں آجاتے چونکہ مسجدوں کی چھتیں کھجور کی چھال اور پتوں کی تھی ہوا آنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور گرمی بہت تھی اور اس وجہ سے بدبو پھیلتی (چونکہ صحابہ کرامؓ کا لباس بھی اون کا ہوتا تھا) اس وجہ سے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی اس لئے نبی کریمؐ نے غسل کا حکم دیا۔ اسی طرح جمعہ کے دن خوشبو لگانے کا حکم دیا اس کی بھی یہی وجہ تھی لیکن جب حالات اچھے ہو گئے تو غسل جمعہ کا وجوب بھی ختم ہو گیا۔ ہر جگہ امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ استحباب کے لئے بھی ہوتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہو اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ممکن ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ وَأَبُو جَنَابٍ يَحْيَى بْنُ أَبِي حَيَّةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسَى عَنْ يَحْيَى بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَغَسَّلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ كَانَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ يَخْطُوهَا أَجْرُ سَنَةٍ صِيَامُهَا وَقِيَامُهَا قَالَ مَحْمُودٌ فِي هَذَا الْحَدِيثِ قَالَ وَكِيعٌ اغْتَسَلَ هُوَ وَغَسَّلَ امْرَأَتَهُ قَالَ وَيُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ يَعْنِي غَسَلَ رَأْسَهُ وَاغْتَسَلَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَسَلْمَانَ وَأَبِي ذَرٍّ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي أَيُّوبَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو الْأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيُّ اسْمُهُ شَرَاحِيلُ بْنُ آدَةَ.

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور غسل کروایا اور مسجد جلدی گیا امام کا ابتدائی خطبہ پایا اور امام کے نزدیک ہو کر خطبے کو سنا اور اس دوران خاموش رہا تو اس کو ہر ہر قدم پر ایک سال تک روزے رکھنے اور تہجد پڑھنے کا اجر دیا جاتا ہے محمود نے اس حدیث میں کہا کہ وکیع نے کہا کہ اس نے غسل کیا اور اپنی بیوی کو غسل کروایا ابن مبارکؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا جس نے اپنے سر کو دھویا اور غسل کیا اس باب میں حضرت ابوبکر، عمران بن حصین، سلمان، ابوذر، ابوسعید، ابن عمر اور ابوایوب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اوس بن اوس کی حدیث حسن ہے اور ابوالاشعث کا نام شرحبیل بن آدہ ہے۔

تشریح: اغتسل و غسّل اس کے مختلف معانی کئے ہیں۔ ① بعض حضرات نے کہا کہ غسّل اغتسل کی تاکید کے لئے لائے ہیں۔ یعنی خوب اچھی طرح نہایا۔ ② غسّل کے معنی ابن المبارکؒ کے نزدیک اپنا سر دھویا یہی قول مکحول، سعید بن عبدالعزیز، ابوعبید الھروی کا بھی ہے۔

③ وکیع کے نزدیک اغتسل کے معنی ہیں خود نہایا اور غسّل کے معنی ہیں بیوی کو نہلایا یعنی بیوی سے صحبت کی تاکہ وہ نہائے یہ قول درست نہیں کیونکہ اس کے برخلاف سنن ابی داؤد ''کتاب الطهارة باب غسل يوم الجمعة'' میں روایت ذکر کی ہے ''من غسل رأسه يوم الجمعة واغتسل'' لہٰذا صحیح تفسیر وہ ہے جو ابن المبارکؒ نے کی ہے۔ دوسرا یہ کہ ابن المبارک مجتہد

اور فقیہ ہیں وہ فرماتے ہیں کہ غسّل تاکید کے لئے ہے تاسیس کے لئے نہیں۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نہائے اور سر دھوئے کپڑے وغیرہ صاف پہنے یعنی خوب اہتمام سے تیار ہو کر جمعہ کے لئے جائے۔

بکر وابتکر: اس کے معنی ہیں صبح صادق کے بعد جانا جیسا کہ مشہور حدیث ہے "**اللّٰهم بارك لامتى فى بكورها**" اے اللہ میری امت کے صبح سویرے کام میں برکت عطا فرما۔ ابتکر تاکید کے لئے ہے۔ چونکہ پرانے وقتوں میں ایک مقام پر جمعہ ہوتا تھا۔ لوگ دور دور سے پیدل جمعہ پڑھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑتے تھے اس لئے جو سویرے گھر سے نکل جاتا وہ سویرے پہنچ جاتا اس کو جمعہ مل جاتا اور جو تاخیر سے جاتا اسے نہ ملتا یہ بات شہروں سے ہٹ کر دیہاتی علاقوں خاص کر پہاڑی علاقوں میں صادق آتی ہے جہاں لوگ دور دور جا کر جمعہ ادا کرتے ہیں۔ بہر حال موجودہ دور میں لوگوں کے حالات بدلنے کے باعث اس حدیث کا مطلب سمجھنا مشکل ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں جمعہ کے لئے جلدی جانا چاہیے تا کہ آدمی سکون سے جا کر دین کی بات بھی سن لے اور سنن نوافل وغیرہ بھی ادا کر سکے یہ نہیں کہ عربی خطبہ ختم ہوتے ہی مسجد میں پہنچا اور جلدی سے دو رکعت فرض پڑھے اور بھاگ نکلا۔

بعض حضرات نے بکّر کے معنی یہ کئے ہیں کہ اوّل وقت میں آنا اور جلدی آنا و ابتکر کے معنی ہیں پہلے خطبہ کو پانا۔

ودنا واستمع: مسجد میں پہنچ کر امام کے قریب بیٹھا اور خاموشی سے خطبہ سنا۔ بعض لوگ مسجد جلدی آجاتے ہیں مگر ستون یا دیوار سے ٹیک لگانے کیلئے پیچھے بیٹھتے ہیں حالانکہ آگے جگہ خالی ہوتی ہے تو یہ درست نہیں بلکہ امام کے قرب بیٹھیں گے تو اس کا ثواب حاصل ہوگا۔

قال ابو عیسٰی: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اوس بن اوسؓ حسن ہے ابوالاشعث الصنعانی کا نام شرحبیل بن آدہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ سُفْيَانَ الْجَحْدَرِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَبِهَا وَنِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ قَتَادَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ رُوِيَ بَعْضُهُمْ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ اخْتَارُوا الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَأَوْا أَنْ يُجْزِءَ الْوُضُوءُ مِنَ

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے بہتر کیا اور جس نے غسل کیا تو وہ غسل زیادہ افضل ہے۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، انس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسٰی ترمذی فرماتے ہیں کہ سمرہؓ کی حدیث حسن ہے حضرت قتادہ کے بعض ساتھی اسے قتادہ سے وہ حسن سے اور وہ سمرہؓ سے روایت کرتے ہیں بعض حضرات نے قتادہ سے انہوں نے حسن سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلا روایت کیا ہے صحابہ کرام اور بعد کے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ جمعہ کے دن غسل کیا جائے ان کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کی جگہ وضو بھی کیا جا سکتا ہے امام

الْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ أَمْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنَّهُ عَلَى الِاخْتِيَارِ لَا عَلَى الْوُجُوبِ حَدِيثُ عُمَرَ حَيْثُ قَالَ لِعُثْمَانَ وَالْوُضُوءُ أَيْضًا وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِالْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلَوْ عَلِمَا أَنَّ أَمْرَهُ عَلَى الْوُجُوبِ لَا عَلَى الِاخْتِيَارِ لَمْ يَتْرُكْ عُمَرُ عُثْمَانَ حَتَّى يَرُدَّهُ وَيَقُولَ لَهُ ارْجِعْ فَاغْتَسِلْ وَلَمَا خَفِيَ عَلَى عُثْمَانَ ذٰلِكَ مَعَ عِلْمِهِ وَلٰكِنْ دَلَّ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ الْغُسْلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ فَضْلٌ مِنْ غَيْرِ وُجُوبٍ يَجِبُ عَلَى الْمَرْءِ كَذٰلِكَ.

شافعیؒ کہتے ہیں کہ اس کی دلیل حضرت عمرؓ کا حضرت عثمانؓ کو یہ کہنا ہے کہ وضو بھی کافی ہے تمہیں معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن غسل کا حکم دیا اور اگر یہ دونوں حضرات جانتے ہوتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غسل کا حکم وجوب کے لئے ہے تو حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو واپس بھیج کر چھوڑتے اور یہ حکم عثمان رضی اللہ عنہ سے چھپا ہوا نہ ہوتا کیوں کہ وہ ہر حکم جانتے تھے لیکن اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا افضل ہے اور واجب نہیں ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن وضو کیا **فبها** تو اس نے اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو اس کے لئے غسل کرنا افضل ہے۔

قال ابوعیسٰی: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ حدیث حسن ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ سند مرسل ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کا سماع حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا نہیں یہ سند موصول ہے یا منقطع۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اصح قول یہ ہے کہ یہ سند موصول ہے یعنی حسن بصری کی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے جتنی روایات مروی ہیں وہ سب ان کی سنی ہوئی ہے۔

قال الشافعي: امام شافعیؒ نے اس حدیث سے غسل جمعہ کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے کہ اگر غسل جمعہ واجب ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غسل کئے بغیر مسجد میں نہ آتے اور یہ بات بھی نہیں کہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں اگر بالفرض یہ بات مان بھی لی جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ مسئلہ نہیں جانتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بیٹھنے کیوں دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو واپس کرتے کہ جاؤ غسل کر کے آؤ پھر مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے وہاں کسی صحابی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اے امیر المؤمنین جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے لہٰذا ان کو حکم دیجئے لہٰذا کسی صحابی کا نکیر نہ کرنا عدم وجوب غسل پر اجماع ہے۔

اس کی تفصیل وہی ہے جو ماقبل میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ حکم مخصوص حالات کے پیش نظر تھا جب حالات بدل گئے تو یہ حکم بھی بدل گیا۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَدَنَا وَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَغَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا اور پھر جمعہ کے لئے آیا اور امام کے نزدیک ہو کر بیٹھا پھر خطبہ سنا اور اس دوران خاموش رہا تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان ہونے والے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور مزید تین دن کے گناہ بھی بخش دیئے جائیں گے اور جو کنکریوں سے کھیلتا رہا اور اس نے لغو کام کیا۔

تشریح: غفرله ما بینه و بین الجمعة: یعنی ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے درمیان کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ امام نوویؒ نے کہا کہ اس کی شرط یہ ہے کہ "مالم تغش الکبائر" جب کہ وہ کبائر سے بچتا رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ کے دن کے درمیان کبائر کا ارتکاب کرے گا تو جمعہ سے وہ معاف نہیں ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صغائر تب معاف ہونگے جب وہ کبائر سے بچے گا اور جس شخص کے صغائر نہیں ہوں گے تو اس کے کبائر میں تخفیف کی جائے گی۔

ومن مس الحصی فقد لغا: مس حصا سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ سے کنکریوں کو برابر کرے ایک بار کی گنجائش ہے زیادہ کی نہیں۔ اگر بار بار ایسا کیا تو اس نے لغو کام کیا اور جس نے لغو کام کیا اس کے جمعہ کا اضافی ثواب ضائع ہو گیا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ خطبہ کے دوران اگر کوئی شخص خطبہ سننے کے بجائے کنکریوں وغیرہ سے کھیلتا ہے تو اس کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ إِلَى الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَسَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جمعہ کے دن غسل کیا جس طرح جنابت سے غسل کی جاتا ہے اور اول وقت مسجد گیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی پیش کی پھر جو شخص دوسری گھڑی میں گیا گویا اس نے گائے کی قربانی پیش کی جو تیسری گھڑی میں گیا گویا اس نے سینگ والے دنبے کی قربانی پیش کی پھر جو چوتھی گھڑی میں گیا وہ ایسے ہے جیسے اس نے اللہ کی راہ میں مرغی ذبح کی اور جو پانچویں گھڑی میں گیا وہ اس طرح ہے جیسا کہ اس نے اللہ کی راہ میں ایک انڈا خرچ کیا اور جب امام خطبہ پڑھنے کے لئے آجاتا ہے تو فرشتے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں جمعہ کے آنے والے کے لئے ثواب کا ذکر کیا گیا ہے یعنی جو شخص جتنا جلدی آئے گا اس کو اسی حساب سے ثواب دیا جائے گا۔ یہ گھڑیاں زوال کے بعد شروع ہوتی ہیں پہلی گھڑی زوال کے فوراً بعد شروع ہو جاتی ہے پھر اس کے بعد دوسری اور تیسری گھڑی شروع ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں لفظ راح آیا ہے جس کے معنی زوال کے بعد جانے کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ گھڑیاں زوال کے بعد شروع ہوتی ہیں اور یہ گھڑیاں خفیف ہوتی ہیں یہ قول امام مالکؒ کا ہے۔

جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک یہ گھڑیاں صبح صادق سے شروع ہوتی ہیں۔ ان کی دلیل "بکّر وابتکر" کے الفاظ ہے بکّر کے معنی صبح کے وقت جانا اور ابتکر اس کی تاکید ہے یعنی بالکل صبح کے وقت جانا۔

امام مالکؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ راح جب غدا کے مقابلے میں آتا ہے تو اس کے معنی شام کے وقت جانے کے ہوتے ہیں اور جب تنہا آئے تو اس کے معنی مطلق جانے کے ہوتے ہیں۔ خواہ شام میں جائے یا صبح میں جبکہ یہاں راح تنہا آیا ہے پس اس کے معنی مطلق جانے کے ہیں خواہ صبح کے وقت جائے یا شام کے وقت۔

فکانما قرب بدنة: جو اوّل وقت جمعہ کے لئے آ گیا تو گویا اس نے بدنہ قربان کیا بدنہ کا اطلاق اونٹ، گائے، بھینس سب کو شامل ہے۔ لیکن یہاں پر اونٹ مراد ہیں۔ کیونکہ یہ بقرہ کے مقابلے میں آیا ہے۔ اس کا اطلاق مذکر و مؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ بدنہ کو بدنہ اس لئے کہتے ہیں چونکہ یہ طویل الجثہ ہوتا ہے۔

ومن راح فی الساعة الثانية فكانما قرب بقرة: اور جو شخص دوسری گھڑی میں آیا تو گویا اس نے گائے قربان کی بقرہ مذکر و مؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ تاء تانیث ہر حیوان کے اسم میں ہوتی ہے اور اسکا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

قرب دجاجة: اور جو شخص چوتھی گھڑی میں گیا تو اس نے مرغی کی قربانی کی اس حدیث کی بناء پر بعض حضرات نے مرغی کی قربانی پر استدلال کیا ہے۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ جس طرح حدیث میں مرغی کی قربانی کرنے کا ذکر ہے۔ اسی طرح انڈے کی قربانی کا ذکر ہے۔ لہٰذا انڈے کی قربانی کو جائز قرار دو "والا فلا"۔ جبکہ نسائی شریف میں عصفور کا ذکر ہے تو پھر چڑیا کی قربانی کو جائز قرار دو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الْجُمُعَةِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَبِيدَةَ بْنِ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ يَعْنِي الضَّمْرِيَّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ فِيمَا زَعَمَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلَى قَلْبِهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَسَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي الْجَعْدِ حَدِيثٌ حَسَنٌ قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنِ اسْمِ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ فَلَمْ يَعْرِفِ اسْمَهُ وَقَالَ لَا أَعْرِفُ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَلَا نَعْرِفُ هَذَا الْحَدِيثَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو۔

ابو الجعد (الضمری) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص سستی کی وجہ سے تین جمعے نہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن عباس اور سمرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں ابو جعد رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے ابو جعد کا نام پوچھا تو انہیں ان کا نام معلوم نہیں تھا انہوں نے کہا میں ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف یہی روایت جانتا ہوں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو محمد بن عمرو کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔

تشریح: تهاونا: اس کا مطلب یہ ہے کہ عذر کی بنا پر جمعہ ترک نہیں کر رہا بلکہ سستی اور کاہلی کی بناء پر یا اہمیت نہ دینے کی وجہ سے ترک کر رہا ہے۔ تو ایسے شخص کیلئے وعید ہے۔ نیز حدیث میں مہر سے مراد غفلت کی مہر ہے نہ کہ کفر کی کیونکہ جمعہ چھوڑنا فسق ہے نہ

کہ کفر اس سے معلوم ہوا کہ بعض گناہ دل کی سختی کا باعث ہیں اور گناہ صغیرہ بار بار کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي الْجَعْدِ حَدِيثٌ حَسَنٌ قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنِ اسْمِ أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ فَلَمْ يَعْرِفْ ابو الجعد: یہ ابو جعد ضمری ہیں، یہی ان کا نام ہے۔ اور یہی ان کی کنیت ہے، ضمری قبیلہ کی طرف منسوب ہے ان کے نام میں مختلف اقوال ہیں ① ان کا نام ادرع تھا ② بعض نے کہا کہ ان کا نام جنادہ ہے ③ بعض نے کہا کہ ان کا نام عمرو بن ابی بکر ہے ④ بعض نے کہا کہ ان کا نام وہب ہے ان سے روایت حدیث عبیدہ بن سفیان نے کی ہے۔ عبیدہ عین کے زبر اور باء کے زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنْ كَمْ يُؤْتَى الْجُمُعَةُ

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَدُّويَهِ قَالَا حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ ثُوَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ قُبَاءَ عَنْ أَبِيهِ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَشْهَدَ الْجُمُعَةَ مِنْ قُبَاءَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ وَهٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ إِنَّمَا يُرْوَى مِنْ حَدِيثِ مُعَارِكِ بْنِ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ وَضَعَّفَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيَّ فِي الْحَدِيثِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى مَنْ تَجِبُ عَلَيْهِ الْجُمُعَةُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ تَجِبُ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى مَنْزِلِهِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَجِبُ الْجُمُعَةُ إِلَّا عَلَى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ كُنَّا عِنْدَ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ فَذَكَرُوا عَلَى مَنْ تَجِبُ الْجُمُعَةُ فَلَمْ يَذْكُرْ أَحْمَدُ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا

اہل قبا میں سے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قباء سے جمعہ میں حاضر ہوں۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو اس سند کے علاوہ نہیں جانتے اس باب میں نبی کریم ﷺ سے مروی احادیث میں سے کوئی بھی حدیث صحیح نہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جمعہ اس پر واجب ہے جو رات تک اپنے گھر واپس پہنچ سکے اس حدیث کی سند ضعیف ہے یہ معارک بن عباد کی عبداللہ بن سعید مقبری سے روایت ہے اور یحییٰ بن سعید القطان عبداللہ بن سعید مقبری کو حدیث میں ضعیف کہتے ہیں اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ جمعہ کس پر واجب ہے بعض اہل علم کے نزدیک جمعہ اس کیلئے ضروری ہے جو رات کو گھر واپس آسکے بعض علماء کہتے ہیں جو اذان سنے اس پر واجب ہے امام شافعی احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے میں نے احمد بن حسن سے سنا کہ ہم امام احمد بن حنبلؒ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ جمعہ کس پر واجب ہے لیکن امام احمد بن حنبلؒ نے اسکے متعلق کوئی حدیث بیان نہیں کی احمد بن حسن کہتے ہیں میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ اس مسئلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ فَقُلْتُ لِأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ فِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْمَدُ بن حنبل عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ نَعَمْ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ نُصَيْرٍ حَدَّثَنَا مُعَارِكُ بْنُ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ فَغَضِبَ عَلَيَّ أَحْمَدُ وَقَالَ اسْتَغْفِرْ رَبَّكَ اسْتَغْفِرْ رَبَّكَ إِنَّمَا فَعَلَ بِهِ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ هٰذَا لِأَنَّهُ لَمْ يَعُدَّ هٰذَا الْحَدِيثَ شَيْئًا وَضَعَّفَهُ لِحَالِ إِسْنَادِهِ

احمد بن حسن کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ اس مسئلے میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نبی کریم ﷺ سے حدیث منقول ہے امام احمد نے پوچھا حضور ﷺ سے؟ میں نے کہا ہاں ہم سے بیان کیا حجاج بن نصیر نے انہوں نے معارک بن عباد سے انہوں نے عبداللہ بن سعدی مقبری سے انہوں نے اپنے والد سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ اس پر واجب ہے جورات ہونے سے پہلے اپنے گھر پہنچ جائے احمد بن حسن کہتے ہیں امام احمد بن حنبلؒ یہ سن کر غصے میں آ گئے اور دو مرتبہ فرمایا اپنے رب سے استغفار کرو امام احمد نے ایسا اسلئے کیا کہ وہ اسے حدیث نہیں سمجھتے تھے کیوں کہ اسکی سند ضعیف ہے۔

تشریح: مسئلہ اولیٰ: جولوگ شہر سے دور ہوں توان کو کتنی مسافت سے نماز جمعہ کے لئے آنا چاہئے۔اس میں دوقول ہیں:

قول اوّل: احنافؒ کے نزدیک تقریباً آٹھ اقوال ہیں راجح قول یہی ہے کہ جو شخص شہر کے اطراف ومضافات میں رہتا ہو اس پر جمعہ فرض ہے البتہ جولوگ شہر سے باہر رہتے ہوں اور وہ آبادی فناء شہر میں بھی داخل نہ ہوتوان پر جمعہ فرض نہیں خواہ آذان سنائی دے یا نہ سنائی دے۔

قول ثانی: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جو شخص شہر سے اتنا دور ہو کہ شہر میں نماز جمعہ کے لئے آئے اور رات سے پہلے پہلے اپنے گھر واپس پہنچ جائے تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ **قول ثالث:** امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جو شخص جمعہ کی اذان سنے اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں اذان کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اونچی جگہ پر ہو اور لوگوں تک پہنچنے کیلئے کوئی مانع نہ ہو۔

دلیل: ابوداؤد شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: ''**اَلْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ**''۔

جواب اوّل: امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس کو موقوف بیان کیا ہے۔

جواب ثانی: اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اگر کوئی اذان جمعہ نہ سنے تو اس پر بھی جمعہ فرض نہیں حالانکہ اسکا کوئی قائل نہیں۔

الجمعة علی من آواہ اللیل الی اھلہ اس کے متعلق احمد بن حسن فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام احمد بن حنبلؒ سے میں بحث ہوئی کہ جمعہ کن لوگوں پر فرض ہے۔امام احمدؒ نے اس کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث بیان نہیں کی تو احمد بن الحسن نے کہا کہ اس بارے میں مرفوع حدیث موجود ہے۔امام احمد بن حنبلؒ کو یہ بات سن کر غصہ آیا اور ان کو ڈانٹا اور کہا مرفوع حدیث احمد بن حسن نے کہا ہاں پھر انہوں نے سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی امام احمد یہ حدیث سن کر سخت غصے ہوئے اور فرمایا **استغفر ربك، استغفر ربك** کہ اپنے رب سے توبہ کرو کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔اس میں مسلسل تین راوی حجاج بن نصیر معارک بن عباد، عبداللہ بن سعید مقبری ضعیف ہے۔

مسئلہ ثانیہ: بستی میں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس آبادی میں جمعہ کے قائل ہیں جہاں چالیس آزاد عاقل بالغ مرد مقیم

ہوں، گرمیوں سردیوں میں وہاں رہتے ہوں۔ **قول ثانی:** اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر اس جگہ جمعہ واجب ہے جہاں آبادی ہو۔

قول ثالث: احنافؒ کے نزدیک شہر ہونا ضروری ہے اگر شہر نہ ہو تو پھر قریہ کبیرہ جس میں تمام ضروریات زندگی دستیاب ہوں اور تقریباً چار ہزار کی آبادی بھی ہو تو وہاں جمعہ واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اوّل: آیت قرآنی ہے "**اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ**" ان کا استدلال **فاسعوا** کے عموم سے ہے کہ علی الاطلاق جمعہ واجب ہے شہر قریہ کی تخصیص نہیں۔

جواب: "**فاسعوا**" یہ جزاء ہے اور "**اذا نودی**" یہ شرط ہے اور اذان شہر میں ہوتی ہے اس پر قرینہ "**وذروا البیع**" ہے۔ اگر دیہات والوں پر جمعہ ہوتا تو "**وذروا الحرث**" کی قید بھی ہوتی۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور روایت ہے فرماتے ہیں کہ "**ان اول جمعۃ جمعت فی الاسلام بعد جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ لجمعۃ جمعت بجوائی قریۃ من قری البحرین**"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ **فی القری** جائز ہے۔

جواب اوّل: قریۃ من قری البحرین یہ راوی کا ادراج ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ نہیں۔

جواب ثانی: اگر یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے تو کہیں گے کہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے جیسے کہ طائف مکہ اور مصر پر قرآن میں قریہ کا اطلاق ہوا ہے جواثی کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ ایک فوجی چھاؤنی تھی اور تجارتی منڈی تھی۔ اس کی آبادی ایک قول کے مطابق چار ہزار دوسرے قول کے مطابق ایک ہزار تھی ظاہر ہے بستی ایسے نہیں ہوا کرتی۔

دلیل ثالث: ابوداؤد شریف میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ اپنے والد کے بارے میں نقل کرتے ہیں "**کان اذا سمع النداء یوم الجمعۃ ترحم لاسعد بن زرارۃ الخ**" اس سے معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں کی بستی میں جمعہ پڑھا جاسکتا ہے۔

جواب: یہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا۔

دلیل رابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**انھم کتبوا الی عمر یسألونہ عن الجمعۃ فکتب جمعوا حیث ما کنتم**" اس میں بھی عموم ہے۔

جواب: "**حیث جمعوا**" اپنے ظاہری عموم پر محمول نہیں ہے وگرنہ جمعہ جنگل میں بھی جائز ہونا چاہیے لہٰذا تم نے جیسے آبادی کی شرط لگادی ہے ہم نے بھی شرط لگا کر کہہ دیا کہ قریہ کبیرہ میں جمعہ جائز ہے۔

دلیل خامس: نبی کریم ﷺ ہجرت کرکے قباء آئے تو وہاں پہلا جمعہ پڑھا گیا اور قباء ایک بستی ہے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی آیت کے انداز "**وذروا البیع**" سے شہر کا ہونا مستنبط ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محل تجارت میں جمعہ ادا کیا جائے گا۔

دلیل ثانی: صحیح بخاری میں وفد عبدالقیس کے بارے میں ہے "**ان اوّل جمعۃ جمعت بعد جمعۃ فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبد القیس بجوائی من البحرین**" وفد عبدالقیس کی آمد حج کے بعد ہوئی اور حج کی فرضیت ۶ھ میں ہوئی

اور اصحاب سیر نے وفد عبدالقیس کی آمد ۸ ھ میں بتائی اور یہ قریہ جواثی کے لوگ تھے تو ان ٦ یا ۸ سال کی مدت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کے مطابق مسجد نبوی کے سوا کسی بھی جگہ جمعہ قائم نہیں ہوا حالانکہ ٦ ھ تک اسلام دور دور تک پہنچ چکا تھا اور بے شمار بستیاں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی تھیں اور ۷ ھ میں خیبر بھی فتح ہو گیا تھا اس طویل مدت میں مسجد نبوی کے سوا کسی اور جگہ جمعہ کا قائم نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

دلیل ثالث: بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **"قالت کان الناس ینتابون الجمعۃ من منازلھم والعوالی"** اس سے معلوم ہوا کہ اہل عوالی باریاں مقرر کر کے جمعہ میں شرکت کیلئے آتے تھے اگر چھوٹی بستیوں میں جمعہ جائز ہوتا تو ان کو ایسا نہ کرنا پڑتا۔

دلیل رابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے **"لا تشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع"**۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي وَقْتِ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ النُّعْمَانِ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسٍ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَجَابِرٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي أَجْمَعَ عَلَيْهِ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ وَقْتَ الْجُمُعَةِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ كَوَقْتِ الظُّهْرِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنَّ صَلَاةَ الْجُمُعَةِ إِذَا صُلِّيَتْ قَبْلَ الزَّوَالِ أَنَّهَا تَجُوزُ أَيْضًا وَ قَالَ أَحْمَدُ وَمَنْ صَلَّاهَا قَبْلَ الزَّوَالِ فَإِنَّهُ لَمْ يَرَ عَلَيْهِ إِعَادَةً.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا۔ ہم سے یحییٰ بن موسیٰ نے انہوں نے ابوداؤد طیالسی سے انہوں نے فلیح بن سلیمان سے انہوں نے عثمان بن عبدالرحمن التیمی سے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اوپر کی حدیث کی مثل روایت کی اس باب میں حضرت سلمہ بن اکوع، جابر، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں حدیث انس حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ کا وقت آفتاب کے ڈھل جانے پر ہوتا ہے جیسا کہ ظہر کی نماز کا وقت۔ امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز آفتاب کے زوال سے پہلے پڑھ لینا بھی جائز ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں جو شخص جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھ لے تو اسے نماز کا لوٹانا ضروری ہے

تشریح: **مسئلہ: جمعہ کا وقت کونسا ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہورؒ کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا وقت ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک جمعہ کا وقت زوال شمس سے پہلے بھی ہو جاتا ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل اوّل: بخاری مسلم میں سہل بن سعدؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں: **ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعة** وجہ استدلال یہ ہے کہ غداء کا لفظ عربی زبان میں اس وقت پر بولا جاتا ہے جو طلوع شمس کے بعد اور زوال شمس سے قبل ہو اس کا مطلب یہ نکلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زوال سے پہلے کا کھانا جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد کھاتے تھے تو جمعہ لازماً زوال سے پہلے ہوتا ہوگا۔

جواب: غداء کے لفظ کا حقیقی معنی وہی ہے جو تم نے مراد لیا لیکن لغت میں اس کے اندر توسع ہے یہ دو پہر کے کھانے کو بھی کہتے ہیں ''**علیکم بالغداء المبارك**'' میں تو سحری کے کھانے پر بھی اطلاق ہوا ہے۔

دلیل ثانی: دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن سیدان سلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''**قال شهدت یوم الجمعة مع ابی بکر وکانت صلوته وخطبته قبل النصف النهار ثم شهدتها. الخ**'' یعنی انہوں نے خلفاء ثلاثہ کے پیچھے نماز جمعہ پڑھی ان کی ترتیب یہ تھی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نماز نصف النہار سے قبل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز عین نصف النہار اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز بعد نصف النہار ہوتی اور کوئی کسی پر عیب نہ لگاتا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز قبل الزوال ہوئی۔

جواب: اس میں حقیقی معنی مراد نہیں کیونکہ عین نصف النہار پر نماز مکروہ اور حرام ہے بلکہ اس میں ترتیب کا بیان ہوا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جلدی نماز پڑھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبل نصف النہار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے ذرا تاخیر سے پڑھتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات سے تاخیر کرتے تھے کیونکہ اس وقت آبادی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

جمہور کی دلیل اوّل: بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَمِيلُ الشَّمْسُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ**۔

دلیل ثانی: حضرت سلمہ بن اکوعؓ کی روایت مسلم شریف میں ہے ''**کنا نجمع مع رسول الله ﷺ اذا زالت الشمس**''

دلیل ثالث: بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ''**اذا راحوا الی الجمعة راحوا فی هیئتهم**'' اور رواح کے لفظ کا اطلاق بعد الزوال پر ہوتا ہے۔ **دلیل رابع:** اس قسم کے الفاظ ''**باب التنظیف والتبکیر**'' میں بھی آئے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُطْبَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْفَلَّاسُ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَيَحْيَى بْنُ كَثِيرٍ أَبُو غَسَّانَ الْعَنْبَرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ فَلَمَّا اتُّخِذَ الْمِنْبَرُ حَنَّ الْجِذْعُ حَتَّى أَتَاهُ فَالْتَزَمَهُ فَسَكَنَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَجَابِرٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھجور کے تنے کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے منبر بنایا گیا تو کھجور کا تنا رونے لگا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس آئے اور اسے چمٹا لیا پس وہ چپ ہو گیا۔ اس باب میں حضرت انس، جابر، سہل بن سعد، ابی بن کعب، ابن عباس اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی

عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَمُعَاذُ بْنُ الْعَلَاءِ هُوَ بَصْرِيٌّ أَخُو أَبِي عَمْرِو بْنِ الْعَلَاءِ.

فرماتے ہیں حدیث ابن عمرؓ حسن غریب صحیح ہے اور معاذ بن علاء بصرہ کے رہنے والے ہیں جو ابو عمر بن علاء کے بھائی ہیں۔

تشریح: منبر پر خطبہ دینا مسنون ہے جیسا کہ ردالمحتار اور البحر الرائق میں ہے **ومن السنة أن يخطب عليه. مغنی ابن قدامه** میں ہے کہ اگر زمین پر خطبہ دیا یا سواری وغیرہ پر خطبہ دیا تو پھر بھی جائز ہے اور یہ بھی مسنون ہے کہ قبلہ کی جانب دائیں طرف منبر ہو۔ محراب کے بائیں طرف یعنی جب امام مقتدیوں کی طرف رخ کرے تو امام کی بائیں جانب مراد ہے۔

منبر پر خطبہ دینے کا حکم اس لئے ہے تا کہ امام اونچا ہو جائے اس کی آواز سب تک پہنچ جائے۔

حَنَّ الجذع جس وقت مسجد نبوی بنائی گئی تھی اس وقت یہ ایک باغ تھا جو دو یتیموں سے خریدا گیا تھا۔ اس باغ کے درخت کٹوا دیئے تھے اور مسجد بنوائی اور کھجور کے درختوں کے تنے ستونوں کی جگہ لگائے اور اس کے پتوں کا چھپر بنایا جس سے مسجد کی چھت بنائی گئی۔ آپ ﷺ جب خطبہ دیتے تو کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے پھر جب منبر رکھا گیا تو آپ ﷺ خطبہ دینے کے لئے منبر پر تشریف لائے تو وہ تنا بلند آواز سے رونے لگا اور اس کے بلکنے کی آواز سب حاضرین نے سنی آنحضرت ﷺ منبر سے اترے اور تنے کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو سینے سے لگایا تو اس نے رونا بند کر دیا پھر وہ تنا اکھیڑ کر منبر کے نیچے دفن کیا گیا۔ یہ بھی آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُومُ فَيَخْطُبُ قَالَ مِثْلَ مَا تَفْعَلُونَ الْيَوْمَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي رَآهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يَفْصِلَ بَيْنَ الْخُطْبَتَيْنِ بِجُلُوسٍ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دیتے اور بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے راوی کہتے ہیں جیسا آج کل لوگ کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایات مروی ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح ہے اور علماء کے نزدیک یہی ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھ کر ان میں فرق کر دے۔

تشریح: **مسئلہ: دونوں خطبوں کا کیا حکم ہے اور ان کے درمیان بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک چونکہ دو خطبے مسنون ہیں اس لئے ان دونوں کے درمیان بیٹھنا بھی مسنون ہوگا۔

قول ثانی: اور شوافع کے نزدیک چونکہ دونوں خطبے فرض ہیں اس لئے ان کے درمیان بیٹھنا بھی فرض ہے۔ باقی اس کی مقدار میں بعض حضرات نے کہا کہ تین بار سبحان اللہ کہا جائے بعض نے کہا کہ اتنی دیر بیٹھے کہ تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں نیز دو خطبوں

کے درمیان کیا پڑھیں گے بعض کے نزدیک تسبیح پڑھیں گے اور بعض کے نزدیک دعا مانگیں گے۔

شوافع کی دلیل: "صلوا کما رأیتمونی اصلی"۔

جواب اوّل: امام صاحبؒ بطور جواب کے فرماتے ہیں کہ یہ ایسا جلوس ہے جس میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اور ایسی چیز واجب نہیں ہوسکتی جس میں کوئی ذکر مسنون نہ ہو۔

جواب ثانی: کہ صرف فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے خلاف نکیر نہ ہو اور یہاں نکیر ثابت نہیں۔

اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے ① جمعہ کیلئے دو خطبے پڑھے جائیں ② خطبہ میں قرآن کریم کی آیت بھی تلاوت کی جائے ③ خطبہ میں وعظ و نصیحت کے الفاظ بھی شامل ہوں ④ خطبہ نہ بہت طویل ہو اور نہ بہت مختصر ⑤ دو خطبوں کے دوران منبر پر بیٹھ کر امام فاصلہ کرے اور بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگے یا تسبیحات پڑھے۔

احناف کی دلیل: فاسعوا الی ذکر الله کے اطلاق سے ہے چنانچہ نماز جمعہ کے لئے جو خطبہ کی شرط ہے وہ جمہور کے نزدیک مطلق ذکر اللہ سے ادا ہو جاتی ہے خواہ کسی لفظ سے ہو اور امام صاحبؒ کے نزدیک خطبہ طویل ہو یا مختصر وہ خطبہ ادا ہو جائے گا۔ (ہدایہ ج ۱ص ۱۶۸، ۱۶۹، باب صلوٰۃ الجمعہ)

بَاب مَا جَاءَ فِي قَصْرِ الْخُطْبَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَ خُطْبَتُهُ قَصْدًا وَفِي الْبَاب عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز بھی درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی متوسط۔ اس باب میں عمار بن یاسر اور ابن ابی اوفیٰ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: جس شخص کی نماز طویل ہو اور خطبہ مختصر ہو تو وہ دانا ہے نیز نماز بہت ہی طویل نہ ہو بلکہ سنت کے مطابق ہو اور نہ ہی بہت مختصر ہو اور خطبہ بھی نماز کے مناسب مختصر ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ نماز جمعہ اصل ہے اور خطبہ اس کیلئے فرع ہے لہٰذا اصل کا اہتمام فرع سے زیادہ ہونا چاہیے۔ اس لئے خطبہ میں کم سے کم وقت لگانا چاہیے کیونکہ جامع اور مختصر خطبہ ایسا مؤثر ہے جیسا کہ سحر ہوتا ہے۔ "ان من البیان لسحرا" بعض نے کہا کہ یہ جملہ مدح کے لئے ہے بعض نے کہا کہ یہ ذم کے لئے ہے۔ ذم کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب خطیب کا اپنے خطبہ سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہو۔ اگر خطیب کا ارادہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کی طرف مائل کرنا مقصود ہو تو یہ جملہ مدح کیلئے ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب انہوں نے یزید کو اپنا جانشین بنانا چاہا تو ملک کے تمام حل وعقد کو بلا کر دربار منعقد کیا اور اس پر ایک شخص کو تقریر کے لئے مقرر کیا وہ مقرر دربار میں فوجی لباس میں آیا اور اس نے آکر یہ تقریر کی۔ "یا ایھا

الناس هٰذا امیر المؤمنین'' اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا پھر اسکے بعد کہا و بعدہ هٰذا پھر یزید کی طرف اشارہ کیا پھر کہا ''والا فهٰذا'' اس پر اس خطیب نے اپنی تلوار سونتی اور بیٹھ گیا۔ مجمع اس طرح خاموش ہو گیا جیسا کہ اس کو سانپ سونگھ گیا ہو سب کی زبانیں بند ہو گئیں اسی مجلس میں سب نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت معاویہؓ نے اس مقرر سے کہا'' انت اخطب العرب'' آپ عرب کے سب سے بڑے مقرر ہیں۔ یعنی مختصر وقت میں طویل بحث کو چند الفاظ میں سمیٹ دینا یہ کسی کسی کا فن ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں ماشاء اللہ خطبہ آدھ پونے گھنٹے کا ہوتا ہے اسکا خلاصہ (وزنی بات) کچھ نہیں ہوتا اور نماز چند منٹ میں ادا کی جاتی ہے۔ حالانکہ خطبہ مختصر اور جامع ہو اور نماز میں تھوڑی طوالت ہو سنت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ حدیث الباب میں ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھا کرتا تھا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ { وَنَادَوْا يَا مَالِكُ } وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَهُوَ حَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَقَدْ اخْتَارَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَقْرَأَ الْإِمَامُ فِي الْخُطْبَةِ آيَاتٍ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَإِذَا خَطَبَ الْإِمَامُ فَلَمْ يَقْرَأْ فِي خُطْبَتِهِ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ أَعَادَ الْخُطْبَةَ.

حضرت صفوان بن یعلیٰ بن امیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا (وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ)(الزخرف: 77) اس باب میں حضرت ابوہریرہ، جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یعلی بن امیہؓ کی حدیث حسن غریب صحیح ہے اور یہ ابن عیینہ کی حدیث ہے اہل علم کی ایک جماعت اسی پر عمل پیرا ہے کہ خطبہ میں قرآن کی آیات پڑھی جائیں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر امام خطبہ دیتے ہوئے قرآن کی کوئی آیت نہ پڑھے تو خطبہ دوبارہ پڑھے۔

تشریح: خطبہ کے ارکان میں دو چیزیں ہیں ایک جمعہ کا وقت ہونا دوسرا مطلق ذکر اللہ کا ہونا۔ اس کے علاوہ خطبے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چند اشیاء مسنون ہیں جن کو صاحب البحر نے ذکر کیا ہے جن کی تعداد پندرہ تک پہنچائی ہے۔

① طہارت کا ہونا بغیر وضو کے خطبہ پڑھنا مکروہ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔

② القیام کھڑے ہو کر خطبہ دینا اگر کسی نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں کراہت آجائے گی۔

③ **واستقبال القوم:** قوم کی طرف رخ کر کے خطبہ پڑھنا چنانچہ قبلہ کی طرف منہ کر کے یا کسی دوسری جانب رخ کر کے خطبہ دے دیا تو یہ بھی مکروہ ہے۔ (کما فی عالمگیریہ، والبحر الرائق)

④ **والتعوذ سرًا قبل الخطبة۔** خطبہ سے پہلے آہستہ سے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا۔

⑤ **واسماع القوم الخطبة:** قوم کو خطبہ کی آواز سنانا مطلب یہ ہے کہ اونچی آواز سے خطبہ دینا تا کہ لوگ سن لیں اگر

آہستہ آواز میں خطبہ دے دیا تو اگرچہ فرض ادا ہو جائے گا مگر کراہت رہے گی۔

⑥ **وكون الخطبة مشتملة على امور عشرة:** خطبہ ایسا ہو جو دس چیزوں پر مشتمل ہو۔

① **البداءة بالحمد** خطبہ کو حمد سے شروع کرنا۔ ② **والثناء بما هو اهله** اللہ تعالیٰ کی ثناء کرنا جو اس کے لائق ہو۔ ③ **والشهادتان** شہادتین پڑھنا۔ ④ **والصلوٰة على النبی** ﷺ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔ ⑤ **والتذکیر** وعظ و نصیحت کہنا۔ ⑥ **وقراءة القرآن** قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھنا۔ ⑦ **والجلوس بين الخطبتين** دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھنا۔ ⑧ **و اعادة الحمد والثناء** دوسرے خطبہ میں دوبارہ حمد و ثناء اور درود پڑھنا۔ ⑨ **والدعاء للمؤمنين والمؤمنات** تمام مسلمان مرد و عورت کے لئے دعا مانگنا۔ ⑩ **و تخفيف الخطبتين** دونوں خطبوں کو مختصر کرنا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ میں کم سے کم ایک آیت پڑھنا ضروری ہے۔ اگر خطبہ میں قرآن کی ایک آیت بھی نہ پڑھی گئی تو خطبہ صحیح نہیں ہوگا اور نماز بھی صحیح نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ میں چار امور کا ہونا ضروری ہے **الحمد، والصلوٰة على النبی والوصية بتقوى الله و اٰية من القرآن**۔ اگر ان چار میں سے خطبہ میں ایک چیز رہ گئی تو خطبہ صحیح نہیں ہوگا۔ جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک خطبہ میں کم از کم ایک آیت تلاوت کرنا مسنون ہے اگر کسی نے ایک آیت بھی تلاوت نہ کی تو خطبہ پھر بھی صحیح ہو جائیگا۔

بَابُ فِي اسْتِقْبَالِ الْإِمَامِ إِذَا خَطَبَ

حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ يَعْقُوبَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ عَطِيَّةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوَى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوهِنَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدِيثُ مَنْصُورٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ بْنِ عَطِيَّةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ بْنِ عَطِيَّةَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَسْتَحِبُّونَ اسْتِقْبَالَ الْإِمَامِ إِذَا خَطَبَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تو ہم اپنے چہرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر دیتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے اور منصور کی حدیث کو ہم محمد بن فضل بن عطیہ کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے محمد بن فضل بن عطیہ ضعیف ہیں ہمارے اصحاب کے نزدیک یہ حدیثوں کو بھلا دینے والے ہیں صحابہ کا اسی پر عمل ہے کہ امام کی طرف چہرہ کرنا مستحب ہے یہ سفیان ثوریؒ، شافعیؒ اور احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔

تشریح: جب امام خطبہ دے رہا ہو تو سامعین کو چاہیے کہ وہ اپنا رخ امام و خطیب کی طرف کر لیں۔ معارف السنن میں اس فعل کو مسنون لکھا ہے جبکہ دوسرے حضرات نے اس کو استحباب کا درجہ دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امام کو دیکھنا فرض واجب نہیں اگر

کسی کوخطیب نظر نہ آرہا ہوتو اس کا صرف خطبہ سننا بھی جائز ہوگا اور وہ حضرات جن تک خطبہ کی آواز نہ پہنچ رہی ہو تو ان کے لئے امام کی طرف متوجہ ہونا مستحب نہیں اس لئے قبلہ رخ بیٹھیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ آج کل قبلہ رخ بیٹھنا چاہیے کیونکہ استقبال امام کا مقصد یہ تھا کہ اس کی بات سنے اور سمجھے لیکن چونکہ آج کل لوگ عربی جانتے نہیں اور نہ ہی ان کو سمجھ آتی ہے (سب انگریزی کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور ان کے طور طریقوں کو بھی اپنا رہے ہیں) اس لئے ان لوگوں کا استقبال امام کا کوئی فائدہ نہیں۔ امام کو دیکھنے کا حکم کیوں دیا گیا کہ بعض دفعہ مقرر اشارہ سے کوئی بات سمجھانا چاہتا ہے جس سے بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔

وفی الباب: اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور منصور کی حدیث کو ہم نہیں جانتے مگر محمد بن الفضل بن عطیہ کے طریق سے اور یہ راوی ضعیف ہے ذاھب الحدیث عند اصحابنا ضعیف اس وجہ سے کہا کہ ان کو حدیثیں یاد نہیں رہتی تھیں۔

بَابٌ فِي الرَّكْعَتَيْنِ إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَلَّيْتَ قَالَ لَا قَالَ فَقُمْ فَارْكَعْ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی ہے اس نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو اور پڑھو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي سَرْحٍ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ دَخَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَمَرْوَانُ يَخْطُبُ فَقَامَ يُصَلِّي فَجَاءَ الْحَرَسُ لِيُجْلِسُوهُ فَأَبَى حَتَّى صَلَّى فَلَمَّا انْصَرَفَ أَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا رَحِمَكَ اللهُ إِنْ كَادُوا لَيَقَعُوا بِكَ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأَتْرُكَهُمَا بَعْدَ شَيْءٍ رَأَيْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي هَيْئَةٍ بَذَّةٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَأَمَرَهُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ كَانَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ إِذَا جَاءَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ وَيَأْمُرُ بِهِ وَكَانَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُقْرِئُ يَرَاهُ قَالَ أَبُو

عیاض بن عبداللہ بن ابوسرح سے مروی ہے کہ ابوسعید خدری جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوئے تو مروان خطبہ دے رہا تھا انہوں نے نماز پڑھنی شروع کر دی اس پر محافظ انہیں بٹھانے کیلئے آئے لیکن آپ نہ مانے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو گئے پھر جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم انکے پاس آئے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے یہ لوگ تو آپ پر ٹوٹ پڑے تھے انہوں نے فرمایا میں انہیں (دو رکعتیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھ لینے کے بعد کبھی نہ چھوڑتا پھر واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن ایک آدمی آیا میلی کچیلی صورت میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے رہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ اگر امام کے خطبہ کے دوران آتے تو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور اسی کا حکم

عِيسَى و سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي عُمَرَ يَقُولُ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ كَانَ مُحَمَّدُ بْنُ عَجْلَانَ ثِقَةً مَأْمُونًا فِي الْحَدِيثِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا دَخَلَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَإِنَّهُ يَجْلِسُ وَلَا يُصَلِّي وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

دیتے تھے ابوعبدالرحمن مقری انہیں دیکھ رہے ہوتے امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے ابن ابی عمر سے سنا کہ ابن عیینہ محمد بن عجلان ثقہ اور مامون فی الحدیث ہیں اس باب میں جابر، ابوہریرہ اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں ابوسعید خدری کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر بعض اہل علم کا عمل ہے امام شافعی احمد اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں جب امام کے خطبہ دیتے ہوئے داخل ہو تو بیٹھ جائے اور نماز نہ پڑھے یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ بْنُ خَالِدٍ الْقُرَشِيُّ قَالَ رَأَيْتُ الْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ إِنَّمَا فَعَلَ الْحَسَنُ اتِّبَاعًا لِلْحَدِيثِ وَهُوَ رَوَى عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْحَدِيثَ

حضرت علاء بن خالد قرشی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حسن بصری کو دیکھا کہ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو امام خطبہ پڑھ رہا تھا انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں اور پھر بیٹھے حضرت حسن نے حدیث کی پیروی میں ایسا کیا اور وہ خود حضرت جابر کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

تشریح: **مسئلہ: دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم؟** امام جمعہ کے دن خطبہ میں مشغول ہو اور کوئی آئے اس آنے والے کے لئے اس وقت تحیۃ المسجد پڑھنا جائز ہے کہ نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس دوران کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا نہ ہی تحیۃ المسجد اور نہ کوئی دوسری نماز کیونکہ خطبہ سننا ضروری ہے۔

شوافع کی دلیل اوّل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے **عن جابر بن عبد الله قال بينما النبی ﷺ يخطب يوم الجمعة اذجاء رجل فقال النبی ﷺ اصليت قال لا قال فقم فاركع**. اس حدیث سے شوافع استدلال کرتے ہیں کہ اس شخص نے تحیۃ المسجد نہیں پڑھی تھی اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

جواب: یہ واقعہ خطبہ سے پہلے کا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ کیلئے منبر پر تشریف فرما تھے لیکن ابھی خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب جن کا نام سلیک بن ہدبۃ الغطفانی ہے انتہائی بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے انکے فقر و فاقہ کی کیفیت کو دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ تمام صحابہؓ ان کی حالت کو اچھی طرح دیکھ لیں۔ اس لئے انہیں کھڑا کر کے نماز کا حکم دیا اور جتنی دیر انہوں نے نماز جاری رکھی آپؐ اتنی دیر خاموشی سے بیٹھے رہے بعد میں آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی اس پر صحابہ کرامؓ نے انہیں خوب صدقہ دیا اس سے صاف واضح ہوا کہ یہ خصوصی واقعہ ہے

جس کو عمومی قواعد کلیہ کے خلاف پیش نہیں کیا جاتا۔ دوسرا یہ کہ حضرت سلیک ؓ کے آنے کے وقت آپ نے خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا۔

نیز شوافع حضرات کا اس حدیث سے تحیۃ المسجد پر استدلال کرنا بھی مشکل ہے اسلئے کہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں "**قم فارکع**" ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیک ؓ آکر بیٹھ چکے تھے پھر آپ ؐ نے ان کو کھڑے ہونے کا حکم دیا اور شوافع کے نزدیک بیٹھنے کے بعد تحیۃ المسجد فوت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس سے تحیۃ المسجد پر استدلال کرنا درست نہیں۔ پھر سوال ہوگا کہ تحیۃ المسجد نہیں تو دو رکعت کس نماز کی تھیں اسکے بارے میں ابن ماجہ میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا "**أصليت ركعتين قبل أن تجئ**" انہوں نے کہا "**لا**" اس پر آپ ؐ نے فرمایا "**فصل ركعتين**" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ سنن قبلیہ کا حکم دیا تھا۔ بہر حال یہ ایک مخصوص واقعہ تھا اس سے عمومی حکم مستنبط کرنا غلط ہے۔

دلیل ثانی: ان کی ایک قوی دلیل صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کی ایک قولی روایت ہے "**قال رسول الله ﷺ وهو يخطب اذا جاء احدكم والامام يخطب أو قد خرج فليصل ركعتين**"۔ یہ حدیث قولی ہے اس میں حضرت سلیک کے واقعہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ اس میں عمومی حکم دیا گیا ہے۔

جواب اوّل: بعض حضرات نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس میں شعبہ کا تفرد ہے اور عمرو بن دینار سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ اس روایت کو نقل کرنے میں انہیں وہم ہو گیا ہے یہ اصل میں حضرت سلیک ؓ ہی کا واقعہ ہے جسے انہوں نے غلطی سے قولی حدیث بنا دیا۔

جواب ثانی: ہماری روایات محرِّم ہیں اور آپ کی روایات مبیح ہیں۔ دونوں میں تعارض آجائے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔ نیز ہماری روایات قواعد کلیہ ہیں اور آپ کی روایات واقعہ جزئیہ ہیں لہٰذا ترجیح قواعد کلیہ کو ہوگی۔

احناف و مالکیہ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت "**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون**" اس کے عموم میں خطبہ بھی شامل ہے۔ **دلیل ثانی:** ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت ہے "**اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة والامام يخطب انصت فقد لغوت**" تو نماز پڑھنا بطریق اولیٰ خطبہ سننے میں مخل ہوگا۔

دلیل ثالث: معجم طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے مرفوعاً مروی ہے "**قال سمعت النبي ﷺ يقول اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوٰة ولا كلام حتى يفرغ الامام**" یہ روایت اگر چہ فی نفسہ ضعیف ہے لیکن تعامل صحابہ اور تعدد روات کی وجہ سے قابل استدلال ہے۔

دلیل رابع: نیز حدیث الباب کے علاوہ کہیں حضور ﷺ سے دوران خطبہ نماز کا حکم نہیں چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت عبد اللہ بن بسر ؓ کی روایت ہے "**جاء رجل يتخطى رقاب الناس يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال له النبي ﷺ اجلس**" حضور ﷺ نے نماز کا حکم نہ دیا۔

دلیل خامس: وہ مشہور واقعہ جس میں حضرت ابن مسعود ؓ مسجد کے دروازے میں ہی بیٹھ گئے تھے روایت اس طرح ہے "**عن جابر ؓ ان النبي ﷺ لما استوى على المنبر قال اجلسوا فسمع ذلك ابن مسعود ؓ فجلس على باب المسجد فرآه فقال تعال يا عبد الله بن مسعود**"۔

دلیل خامس: مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے "ان علیا و ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم کانوا یکرھون الصلٰوۃ والکلام بعد خروج الامام"۔

باب ما جاء في كراهية الكلام والإمام يخطب

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا لِلرَّجُلِ أَنْ يَتَكَلَّمَ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَالُوا إِنْ تَكَلَّمَ غَيْرُهُ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ إِلَّا بِالْإِشَارَةِ وَاخْتَلَفُوا فِي رَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ فَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي رَدِّ السَّلَامِ وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر امام خطبہ دے رہا ہو تو اس دوران اگر کسی نے کہا کہ چپ رہو تو اس نے لغوبات کی اس باب میں ابن ابی اوفیٰ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ امام کے خطبہ کے دوران بات کرنا مکروہ ہے اگر کوئی دوسرا بات کرے تو اسے بھی اشارے سے منع کرے لیکن سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم دونوں کی اجازت دیتے ہیں جن میں امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی شامل ہیں جبکہ بعض علماء تابعین وغیرہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: اثناء خطبہ میں کلام کا حکم؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک امام جب خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت کلام کرنا جائز نہیں یہی قول امام مالکؒ کا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب بھی اس کے قریب قریب ہے اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ دوران خطبہ کلام کرنا جائز ہے۔

امام شافعی کے دلائل: امام شافعیؒ نے کتاب الام جلد ا ص ۱۸۰ میں یہ مسئلہ تحریر کیا ہے اور اسی طرح مختصر المزنی کے حاشیہ جلد ا ص ۱۳۸ میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کے قتل کے بارے میں کلام کیا اور اسی طرح حضرت سلیک غطفانیؓ سے کلام کیا جیسا کہ ابھی ماقبل میں گزرا ہے۔ اس طرح امام شافعیؒ نے شرح مہذب میں حدیث انس ذکر کی کہ جس میں سائل نے قیامت کے بارے میں سوال کیا اور اسی طرح استسقاء کی حدیث میں ہے۔ امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے کلام کر لیا اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کیلئے یہ اچھا نہیں البتہ اس پر اعادہ نہیں یہ کلام کی کراہت پر دلالت کرتا ہے اور ضرورت کے وقت رخصت ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ "من قام یوم الجمعۃ والامام یخطب" "أنصت فقد لغا"۔

دلیل ثانی: قرآن پاک کی آیت "**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون**"۔

دلیل ثالث: اس کے علاوہ وہ دلائل جو ماقبل باب میں احناف کے دلائل گزر چکے ہیں۔

دلائل شوافع کا جواب: ممانعت مقتدیوں کے لئے ہے جبکہ ان روایات میں امام کے کلام کرنے کا ذکر ہے۔

مسئلہ: دوران خطبہ چھینک کا جواب دینے کا حکم؟ اگر کسی شخص کو دوران خطبہ چھینک آ گئی تو خطبہ میں اس کا جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے کہ چھینک کا جواب دینا جائز نہیں۔

قول ثانی: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چھینک کا جواب دینا ہے۔ ان کا استدلال حدیث الباب سے ہے کہ رد سلام واجب اور تشمیت عاطس کم از کم مؤکدہ ہے۔ لہٰذا اس کے ترک کی اجازت نہیں ہوگی۔

جمہور کا استدلال روایت باب سے ہے کہ **من قال یوم الجمعة والامام یخطب انصت: فقد لغا.** خاموش رہنے کا حکم دینا یہ امر بالمعروف ہونے کی حیثیت سے واجب ہونا چاہیے تھا جب اسے بھی لغو قرار دیا تو تشمیت عاطس کا بھی یہی حکم ہوگا۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ التَّخَطِّي يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا رِشْدِينُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ زَبَّانَ بْنِ فَائِدٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتُّخِذَ جِسْرًا إِلَى جَهَنَّمَ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَهْلِ بْنِ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا أَنْ يَتَخَطَّى الرَّجُلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ رِقَابَ النَّاسِ وَشَدَّدُوا فِي ذَلِكَ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي رِشْدِينَ بْنِ سَعْدٍ وَضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ.

حضرت سہل بن معاذ بن انس جہنی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جمعہ کے دن گردنیں پھلانگ کر آگے جاتا ہے اسے جہنم پر جانے کے لئے پل بنایا جائے گا اس باب میں حضرت جابر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں سہل بن معاذ بن انس جہنی کی حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو رشدین بن سعد کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ جمعہ کے دن گردنیں پھلانگ کر آگے جانا مکروہ ہے اس مسئلہ میں علماء نے شدت اختیار کی ہے بعض علماء رشدین بن سعد کو ضعیف قرار دیتے ہیں اس کے حافظہ میں ضعف کی وجہ سے۔

تشریح: مجمع زیادہ ہو یا جمعہ کے دن لوگ مسجد میں بیٹھ جائیں تو لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر امام کے قریب جانا تاکہ ثواب زیادہ حاصل ہو جائے اس کے بارے میں امام ترمذیؒ یہ باب لائے ہیں کہ ثواب کے حصول کے لئے ایسا کام نہ کر بیٹھو کہ دوسروں کو اذیت سے وہ الٹا گناہ کا سبب بن جائے۔ اگر خطبہ شروع نہ ہوا ہو تو دو صورتوں میں اس کو آگے بڑھنے کی اجازت ہے۔ ایک یہ کہ آگے صفوں میں جگہ خالی ہے اور پیچھے رش ہے۔ تو اس خالی جگہ کو بھرنے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے دوسرا یہ کہ آگے بڑھنے میں کسی کو تکلیف نہ ہو تو پھر بھی اجازت ہے۔ جب خطبہ شروع ہو جائے اور آگے خالی جگہ موجود ہو تو پھر بھی وہ آگے نہیں بڑھ سکتا

کیونکہ سامعین کے خطبہ سننے میں خلل آئے گا۔

ایک حدیث شریف میں آیا کہ ایک شخص جمعہ کے دن آگے بڑھ رہا تھا اور آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے آپؐ نے فرمایا ''اجلس فقد اٰذیت الناس'' کہ وہیں بیٹھ جا لوگوں کی اذیت کا باعث کیوں بن رہا ہے۔

اس باب میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہے قیامت کے دن ایسے شخص کو اپنے اس فعل کے مثل یہ بدلہ ملے گا کہ اس کو گزرنے کے لئے جہنم کے اوپر پل بنایا جائے گا کہ لوگ اس کے اوپر سے گزر کر جہنم جائیں گے اور یہ وہاں رسوا ہوگا۔ (اس باب میں یوم الجمعہ کی قید اتفاقی ہے)

یہ حدیث ضعیف ہے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مسلسل تین راوی رشدین بن سعد، زبان بن فائد، سہل بن معاذ ضعیف ہیں۔ مگر اس ضعف سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا کیونکہ اس مسئلہ کے لئے باب کی اور احادیث بھی موجود ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْاِحْتِبَاءِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ وَالْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُقْرِئُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو مَرْحُومٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْحِبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو مَرْحُومٍ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ مَيْمُونٍ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْحِبْوَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ وَرَخَّصَ فِي ذٰلِكَ بَعْضُهُمْ مِنْهُمْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ لَا يَرَيَانِ بِالْحِبْوَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ بَأْسًا.

سہل بن معاذ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے دوران حبوہ سے منع فرمایا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اور ابومرحوم کا نام عبدالرحیم بن میمون ہے اہل علم کی ایک جماعت جمعہ کے خطبے کے دوران حبوہ کو مکروہ سمجھتی ہے جبکہ بعض حضرات جن میں حضرت عبداللہ بن عمر بھی شامل ہیں، انہوں نے اس کی اجازت دی ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے کہ خطبے کے دوران اس طرح بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: دوران خطبہ احتباء کی حالت میں بیٹھنا ممنوع ہے۔

احتباء کہتے ہیں سرین کے بل بیٹھنا اس طور پر کہ گھٹنے کھڑے رہیں اور ان کے گرد سہارا لینے کے لئے دونوں ہاتھوں کو باندھ لینا یا کمر اور گھٹنوں کے گرد کپڑا باندھ لینا جیسا کہ دیہاتی لوگ آگ تاپنے کے لئے چولہے کے گرد بیٹھتے ہیں۔ یہ ایک آرام دہ نشست ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن دوران خطبہ حبوہ بنانے سے منع فرمایا۔

ممانعت کی وجہ: یہ کیفیت نیند کو کھینچنے والی ہے لہٰذا ہر وہ صورت جو نیند کو کھینچ کر لائے وہ ممنوع ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ نماز میں جانے کے دوران انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالنا اور چٹخانا الغرض ہر وہ کام جو سستی پیدا کرے یا نیند کو کھینچ کر لانے والا

ہوتو ان کاموں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

سوال: حدیث الباب میں حبوۃ سے نہی آئی ہے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دوران خطبہ حبوہ بنا کر بیٹھتے تھے۔

جواب اوّل: امام طحاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر کوئی شخص خطبہ شروع ہونے سے پہلے حبوۃ بنائے ہوئے ہے اور اسی حالت میں خطبہ سنے تو کوئی مذائقہ نہیں خطبہ کے دوران حبوۃ بنانا ممنوع ہے۔

جواب ثانی: یہ ممانعت خلاف اولیٰ پر محمول ہے اس لئے کہ جب حدیث میں ممانعت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے معارض ہے تو اس سے کراہت کا درجہ گھٹ جائے گا اگر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل نہ ہوتا تو حبوہ بنانا مکروہ تحریمی ہوتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الْأَيْدِي عَلَى الْمِنْبَرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ قَالَ سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ رُوَيْبَةَ الثَّقَفِيَّ وَبِشْرُ بْنُ مَرْوَانَ يَخْطُبُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ فَقَالَ عُمَارَةُ قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيُدَيَّتَيْنِ الْقُصَيِّرَتَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ هٰكَذَا وَأَشَارَ هُشَيْمٌ بِالسَّبَّابَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

احمد بن منیع، ہشیم حصین سے اور وہ حصین سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمارہ بن رویبہ ثقفیؓ سے بشر بن مروان کے خطبہ دیتے وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے پر یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں چھوٹے اور نکمے ہاتھوں کو خراب کرے بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے زیادہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور ہشیم نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: خطبہ کے دوران ہاتھوں کا دعا کے لئے اٹھانا مکروہ ہے شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی یہی مسلک ہے اگرچہ بعض مالکیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور دلیل یہی دی ہے کہ آپ ﷺ **صلوٰۃ الاستسقاء** کے موقع پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ جمہور حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس واقعہ جزئیہ میں رفع ایدی ایک عارض کی وجہ سے تھا اور وہ عارض استسقاء کا ہونا ہے۔ لہٰذا اس کو عمومی احوال پر قیاس نہیں کر سکتے۔

حدیث الباب میں عمارہ بن رویبہ کا قصہ بیان کیا ہے کہ مدینہ کے گورنر بشر بن مروان خطبہ دے رہا تھا دوران دعا اس نے ہاتھ اٹھائے اس پر حضرت عمارہ بن رویبہؓ نے اسے بددعا دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان دو چھوٹے چھوٹے ذلیل ہاتھوں کو ہلاک کریں اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ خطبہ کے دوران زیادہ نہیں کرتے تھے مگر اس اشارہ پر، حدیث کے راوی ہشیم نے شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے طلباء کو بتایا کہ آپ ﷺ صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے یہ اشارہ آپ ﷺ دعا کے وقت فرماتے تھے یا مقرر دوران تقریر جو اشارہ کرتا ہے وہ ہوگا۔ حضرت عمارہ بن رویبہ ہاتھ اٹھانے کی نفی کر رہے ہیں اور اس حرکت پر بشر کو بددعا دے رہے ہیں۔

يُدَيَّتَيْنِ: یدین کی حقارت کیلئے تصغیر سے تعبیر کیا ہے۔ **قُصَيِّرَتَيْنِ:** قصیر تین کی تصغیر ہے اس تصغیر میں خود ہی تحقیر کا مفہوم ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَذَانِ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدٍ الْخَيَّاطُ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كَانَ الْأَذَانُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ إِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں امام کے نکلنے پر اذان ہوا کرتی تھی پھر نماز کی اقامت ہوتی اس کے بعد حضرت عثمان کے زمانے میں تیسری اذان زیادہ ہوئی (یعنی بشمول تکبیر کے) زوراء پر۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمعہ کے لئے ایک اذان دی جاتی تھی اس اذان کا مقصد دو چیزیں تھیں۔ ایک یہ کہ جولوگ مسجد میں حاضر نہیں انکو اطلاع دینا۔ دوسرا یہ کہ حاضرین کو خطیب کی آمد کی اطلاع دینا۔ اس وقت یہ اذان آپؐ کے سامنے مسجد کے دروازے پر دی جاتی تھی پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور مدینہ طیبہ کی آبادی دور دور تک پھیل گئی تو یہ اذان لوگوں کی اطلاع کے لئے ناکافی ہوگئی تو حضرت عثمان غنیؓ نے خطبہ سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا یہ اذان مقام زوراء پر دی جانے لگی جو مسجد نبوی کے قریب بازار میں ایک بلند جگہ تھی تاکہ لوگ اذان کی آواز سن کر آجائیں پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عثمانؓ تشریف لاتے تھے اور دوسری اذان منبر کے سامنے دی جانے لگی۔ اس اذان کا مقصد حاضرین کو آگاہ کرنا تھا اس لئے یہ اذان مسجد کے دروازے کے بجائے خطیب کے سامنے دی جانے لگی اور اب بھی وہی طریقہ چلا آرہا ہے۔

بعض لوگ اس اذان کو بدعت عثمانی کہتے ہیں ایسا کہنا ضلالت وگمراہی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اور خلفاء راشدین کا عمل ہے اجماع صحابہ بھی اسی طرح حجت شرعی ہے جیسے کہ قرآن وحدیث حجت ہیں۔

سوال: قرآن پاک کی اس آیت "**اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ**" کا مصداق کونسی اذان ہے پہلی ہے یا دوسری ہے۔

جواب: آیت کا مصداق تو اذان اوّل ہی ہے پھر یہ سوال ہوگا کہ نزول آیت کے وقت پہلی اذان تو نہیں تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصول تفسیر کا ایک قاعدہ ہے "**العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد**" مطلب یہ کہ نص کے الفاظ اگر عام ہوں تو حکم بھی عام ہوتا ہے وہ شان نزول کے ساتھ خاص نہیں رہتا۔ یہاں پر "**اذا نودی للصلٰوۃ**" عام ہے پہلی اذان یا دوسری اذان کی کوئی قید نہیں۔ پس حکم بھی عام ہوگا اور مصداق وہ اذان ہوگی جو غائبین کو بلانے کے لئے دی جاتی ہے۔ وہ پہلی ہی اذان ہے دوسری اذان تو حاضرین کو خطیب کی اطلاع دینے کے لئے دی جاتی ہے۔ وہ اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتی۔

سوال: پھر اس اعتبار سے پہلی اذان کے بعد لوگ مشاغل ترک نہیں کرتے اور گناہ گار ہوتے ہیں لہٰذا اس اعتبار سے اس کا مصداق دوسری اذان کو قرار دیا جائے تاکہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں۔

جواب: یہ گناہ تب ہے جب جمعہ سے ایک گھنٹہ یا پون گھنٹہ یا آدھ گھنٹہ پہلے اذان دے دیتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں بلکہ یہ اذان

پندرہ منٹ پہلے دینی چاہیے تاکہ لوگ اپنے مشاغل ترک کر کے مسجد آجائیں وگرنہ یہ لوگ تو جب تک خطبہ کی اذان نہیں ہوگی اس وقت تک گھروں سے نکلتے بھی نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ یہ کام مسلمانوں کی اپنی سستی کی بناء پر شروع ہوا ہے اور اس کا علاج وہی جانتے ہیں۔ واللہ اعلم

باب مَا جَاءَ فِي الْكَلَامِ بَعْدَ نُزُولِ الْإِمَامِ مِنَ الْمِنْبَرِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَلَّمُ بِالْحَاجَةِ إِذَا نَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ و سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ وَهِمَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَخَذَ رَجُلٌ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا زَالَ يُكَلِّمُهُ حَتَّى نَعَسَ بَعْضُ الْقَوْمِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَالْحَدِيثُ هُوَ هٰذَا وَجَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ رُبَّمَا يَهِمُ فِي الشَّيْءِ وَهُوَ صَدُوقٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَهِمَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ فِي حَدِيثِ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي قَالَ مُحَمَّدٌ وَيُرْوَى عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ فَحَدَّثَ حَجَّاجٌ الصَّوَّافُ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي فَوَهِمَ جَرِيرٌ فَظَنَّ أَنَّ ثَابِتًا حَدَّثَهُمْ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ منبر سے اترتے تو بوقت ضرورت بات کر لیتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کو ہم جریر بن حازم کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے میں نے امام بخاری سے سنا کہ جریر بن حازم کو اس حدیث میں وہم ہوگیا ہے اور صحیح روایت ثابت کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اقامت کہے جانے کے بعد ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور باتیں کرنے لگا یہاں تک کہ بعض لوگ اونگھنے لگے امام بخاری فرماتے ہیں حدیث تو یہ ہے جبکہ جریر بن حازم کبھی کبھی وہم کر جاتے ہیں اگرچہ وہ صدوق ہیں امام بخاری کہتے ہیں کہ جریر بن حازم کو ثابت عن انس سے مروی اس حدیث میں بھی وہم ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اقامت ہو جائے تو اس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک مجھے نہ دیکھ لو امام بخاری فرماتے ہیں کہ حماد بن زید سے مروی ہے کہ وہ ثابت بنانی کے پاس تھے تو حجاج صواف نے یحییٰ بن ابو کثیر سے انہوں نے عبداللہ بن قتادہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر ہو تو نماز کے لئے اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو اس پر جریر وہم میں مبتلا ہو گئے انہیں یہ گمان ہوا کہ یہ حدیث ثابت نے انس سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ يُكَلِّمُهُ الرَّجُلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کی اقامت ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ ایک شخص سے باتیں کر رہا تھا اور وہ قبلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان کھڑا تھا وہ

يَقُومُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَمَا زَالَ يُكَلِّمُهُ فَلَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَهُمْ يَنْعَسُ مِنْ طُولِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

باتیں کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے بعض حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے اونگھتے ہوئے دیکھا امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: پہلے یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جب امام خطبہ کیلئے منبر پر چلا جائے تو اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک درمیان میں جو وقفہ ہے اس میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لوگوں کا باہم گفتگو کرنا جائز نہیں۔ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ: قبل الخطبہ وبعد الخطبہ کلام کرنے کا حکم: اب یہاں خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کلام کرنے کے متعلق مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔ اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: خطبہ سے پہلے اور خطبہ کے بعد کلام جمہور کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد اسحاقؒ اور امام ابو یوسفؒ کا یہی مسلک ہے۔

قول ثانی: جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خطبہ کی ابتداء سے نماز کے اختتام تک کوئی سلام وکلام جائز نہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل حدیث الباب ہے **کان النبی ﷺ یتکلم بالحاجۃ اذا نزل عن المنبر۔**

قال ابوعیسیٰ: جواب: امام ترمذیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے چنانچہ امام ترمذیؒ خود فرماتے ہیں "**هٰذا حديث لا نعرفه الا من حديث جرير بن حازم**" پھر آگے امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ جریر بن حازم کو اس حدیث میں وہم ہوا ہے اور صحیح واقعہ وہ ہے جو ثابت بنانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز کے لئے اقامت کہی گئی ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑا "**فما زال يكلمه حتى نعس بعض القوم**" پس وہ برابر آپ ﷺ سے بات کرتا رہا یہاں تک کہ بعض لوگ اونگھنے لگے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا صحیح حدیث یہ ہے اور یہ واقعہ عشاء کی نماز کا ہے جریر بن حازم کو وہم ہو گیا اس نے اس واقعہ کو نماز جمعہ کا واقعہ قرار دے دیا اور ایک جزئی واقعہ کے بجائے اسے ایک عام عادت کے طور پر نقل کر دیا۔

قال محمد: محمد سے مراد امام بخاریؒ ہیں یہاں سے امام بخاریؒ نے جریر کے وہم کی ایک مثال بیان کی فرمایا کہ جریر بن حازم کو ثابت بنانی کی اس حدیث میں بھی وہم ہوا ہے جس کو وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جب نماز کے لئے اقامت کہی جائے تو آپ لوگ کھڑے نہ ہوں یہاں تک کہ مجھے حجرے سے نکلتا ہوا دیکھ لیں اب یہ حدیث حضرت انسؓ کی نہیں بلکہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جریر بن حازم کو وہم ہوا انہوں نے اس کو عن ثابت، عن انس عن النبیؐ سے روایت کر دیا اصل واقعہ تو حضرت حماد بن زید نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ترمذی میں ذکر ہے کہ حماد بن زید سے روایت کیا گیا یہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ثابت بنانی کے پاس تھے۔ پس حجاج الصواف نے حدیث بیان کی وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ عبداللہ بن ابی قتادہؒ سے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جب نماز کے لئے تکبیر کہی جائے تو تم لوگ کھڑے نہ ہو یہاں تک کہ مجھے حجرے سے نکلتا ہوا نہ دیکھو۔ پس جریر کو وہم ہوا اور انہوں نے گمان کیا کہ ثابت بنانی نے لوگوں سے روایت بیان کی ہے۔

باب ما جاء في القراءة في صلاة الجمعة

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَعِيلَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِينَةِ وَخَرَجَ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى بِنَا أَبُو هُرَيْرَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَرَأَ سُورَةَ الْجُمُعَةِ وَفِي السَّجْدَةِ الثَّانِيَةِ إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالَ عُبَيْدُ اللهِ فَأَدْرَكْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ تَقْرَأُ بِسُورَتَيْنِ كَانَ عَلِيٌّ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوفَةِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَأَبِي عِنَبَةَ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ.

عبیداللہ بن ابورافع مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ مروان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کر کے مکہ چلا گیا حضرت ابوہریرہؓ نے ہمیں جمعہ کی نماز پڑھائی اور پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون پڑھی عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دونوں سورتیں پڑھیں جو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں پڑھتے تھے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دوسورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے اس باب میں حضرت ابن عباس نعمان بن بشیر اور ابوعنبسہ خولانی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کی نماز میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: اس باب کی مذکورہ حدیث ابواب العیدین مین آرہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب جمعہ کی نماز میں لمبی قراءت کا ارادہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الجمعۃ اور سورۂ منافقین پڑھتے اور اگر ہلکی قراءت کرنا مقصود ہوتا تو سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیہ تلاوت فرماتے پہلی والی سورتیں جمعہ میں اس لئے پڑھتے کہ سورۃ الجمعۃ کو جمعہ کے ساتھ مناسبت حاصل ہے اور سورۂ منافقین تحذیر کے طور پر پڑھی جاتی تھی کیونکہ نماز جمعہ میں منافقین اور کمزور ایمان والے بھی شریک ہوتے تھے اور آخری دوسورتیں اس لئے پڑھتے کہ اس میں آخرت کی منظرکشی اور آخرت کی تیاری کی ترغیب ہے۔

باقی اس حدیث کی شرح ترجمہ سے واضح ہے۔ اس حدیث کے راوی عبیداللہ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزادہ کردہ ابورافع کے صاحبزادے ہیں فرماتے ہیں کہ مروان نے مدینہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود مکہ گیا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اس میں پہلی رکعت میں سورۃ الجمعۃ اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقین پڑھی۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور میں نے کہا کہ آپ نے جو دوسورتیں پڑھی ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں ان کو پڑھتے تھے پس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو یہ دونوں سورتوں کو پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

باب ما جاء في ما يقرأ في صلاة الصبح يوم الجمعة

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ مُخَوَّلِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ الم تَنْزِيلُ السَّجْدَةَ وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُخَوَّلٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ السجدۃ اور سورۃ الدھر (وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ) پڑھا کرتے تھے اس باب میں حضرت سعد، ابن مسعود، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسے سفیان ثوری اور کئی حضرات نے مخول سے روایت کیا ہے۔

تشریح: اس باب میں فجر کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کونسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے ان کا بیان ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فجر کی نماز میں سورۃ السجدۃ اور سورۃ الدھر پڑھنے کا معمول تھا۔ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور اس میں پیش آنے والے احوال کا تذکرہ ہے اور قیامت بھی چونکہ جمعہ کے دن برپا ہوگی اسی وجہ سے چوپائے جمعہ کے دن کان لگاتے ہیں کہ آج قیامت کا صور تو نہیں پھونکا جا رہا۔ اس لئے جمعہ کے دن ان سورتوں کا معمول ہے کہ لوگوں کو قیامت کے احوال یاد آ جائیں۔ بہرحال جمعہ میں اتنی قراءت کرنی چاہیے جس سے لوگوں کو بوجھ نہ ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک جمعہ سورۂ سجدہ پڑھی جائے اور دوسرے جمعہ سورۂ دھر تا کہ سنت پر بھی عمل ہو جائے اور لوگ بھی اُکتا نہ جائیں۔

باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَيْضًا وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ.

سالم اپنے والد سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ جمعہ کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابن عمرؓ سے بواسطہ نافع بھی مروی ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ انْصَرَفَ فَصَلَّى سَجْدَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ

حضرت ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز جمعہ پڑھنے کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھیں اور پھر فرمایا کہ رسول

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ ذٰلِكَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ سُهَيْلَ بْنَ أَبِي صَالِحٍ ثَبْتًا فِي الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا أَرْبَعًا وَرُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ أَمَرَ أَنْ يُصَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ أَرْبَعًا وَذَهَبَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ إِلٰى قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ إِسْحٰقُ إِنْ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلّٰى أَرْبَعًا وَإِنْ صَلّٰى فِي بَيْتِهِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَاحْتَجَّ بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَحَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُصَلِّيًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا قَالَ أَبُو عِيسٰى وَابْنُ عُمَرَ هُوَ الَّذِي رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ وَابْنُ عُمَرَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ وَصَلّٰى بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ أَرْبَعًا

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعًا حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہئے تو چار رکعت پڑھے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سہیل بن ابوصالح روایت کی ہم سے حسن بن علی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو علی بن مدینی نے انہوں نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے کہا ہم سہیل بن ابی صالح کو حدیث میں ثابت تر سمجھتے تھے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ وہ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انہوں نے جمعہ کے بعد پہلے دو اور پھر چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا سفیان ثوری اور ابن مبارک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہیں اسحاق کہتے ہیں کہ اگر جمعہ سے پہلے مسجد میں نماز پڑھے تو چار رکعت اور اگر گھر پر پڑھے تو دو رکعت پڑھے اور دلیل لائے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو شخص جمعہ کے بعد نماز پڑھنا چاہے تو چار رکعت پڑھے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ابن عمر نے ہی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اور پھر ابن عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں دو رکعت اور پھر چار رکعت نماز پڑھی۔ حضرت عطا سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ابن عمر جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں اور اس کے بعد چار رکعتیں پڑھتے ہوئے سعید بن عبدالرحمن مخزومی سفیان بن عیینہ سے اور وہ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں کہ عمرو نے کہا میں نے زہری

الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَنَصَّ لِلْحَدِيثِ مِنَ الزُّهْرِيِّ وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا الدَّنَانِيرُ وَالدَّرَاهِمُ أَهْوَنُ عَلَيْهِ مِنْهُ إِنْ كَانَتِ الدَّنَانِيرُ وَالدَّرَاهِمُ عِنْدَهُ بِمَنْزِلَةِ الْبَعْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ سُفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ يَقُولُ كَانَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ أَسَنَّ مِنَ الزُّهْرِيِّ

سے بہتر حدیث بیان کرنیوالا نہیں دیکھا اور نہ ہی دولت کو ان سے زیادہ حقیر جاننے والا دیکھا اور ان کے نزدیک دراہم اونٹ کی مینگنی کے برابر حیثیت رکھتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں میں نے ابن عمر سے بحوالہ سفیان بن عیینہ سنا کہ سفیان **یَقُوْلُ** نے کہا کرتے تھے کہ عمرو بن دینار زہری سے بڑے تھے۔

تشریح: مسئلہ: جمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد سنن کا حکم: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعات مسنون ہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے دو رکعتیں مسنون ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ مرفوعًا من كان منكم مصليا بعد الجمعة فليصل اربعًا۔

دلیل ثانی: وروی عن عبد الله بن مسعود انه كان يصلی قبل الجمعة أربعًا وبعدها اربعًا۔

امام شافعی کی دلیل: وہ احادیث ہیں جن میں آتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ سے قبل دو رکعت مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔

جواب: آپ ﷺ جمعہ سے پہلے جو دو رکعت پڑھتے تھے وہ سنن کی نہیں ہوتی تھیں بلکہ تحیۃ المسجد کی ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ جمعہ سے قبل چار رکعت گھر میں پڑھتے تھے۔

امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا قول یہ نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک جمعہ کے بعد دو سنتیں ہیں حالانکہ امام شافعیؒ نے خود کتاب الام میں جمعہ کے بعد چار سنتیں لکھی ہیں۔

صاحبین کے نزدیک جمعہ سے پہلے چار سنتیں ایک سلام سے ہیں اور جمعہ کے بعد چھ سنتیں ہیں۔ امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ پہلے چار رکعتیں پڑھے پھر دو رکعتیں جبکہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جمعہ سے قبل چار رکعت اور جمعہ کے بعد دو سنتیں ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک کوئی تعداد متعین نہیں جتنی نماز پڑھی جائے اتنی ہی اچھی ہے۔

اس باب میں دو حدیثیں مرفوع کی ہیں۔ پہلی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے "**انه كان اذا صلى الجمعة انصرف فصلى سجدتين في بيته**" کہ آپ ﷺ جمعہ پڑھا کر فوراً حجرہ میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو سنتیں ادا فرماتے یہ حدیث تو فعلی ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے "**قال قال رسول الله ﷺ من كان منكم مصليًا بعد الجمعة فليصل اربعًا**" کہ تم میں سے جو شخص جمعہ کے بعد نفلیں پڑھنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔

ان دونوں حدیثوں کی تطبیق میں امام ترمذیؒ نے چند اقوال ذکر کیے ہیں۔

قال اسحاق ان صلى في المسجد يوم الجمعة صلى اربعًا۔ امام اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ اگر گھر میں سنت پڑھے تو دو رکعتیں پڑھے اور مسجد میں پڑھے تو چار رکعتیں پڑھے۔ اس پر یہ دلیل دیتے ہیں **بأنّ النبی ﷺ كان يصلی بعد الجمعة**

رکعتین فی بیتہ اور چار رکعات کے بارے میں ارشاد ہے **من کان منکم مصلیاً بعد الجمعۃ فلیصل اربعًا۔**

مگر امام ترمذیؒ نے اس کو رد کر دیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھر میں دو رکعتیں پڑھتے تھے اس کو ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں اور خود ان کا عمل یہ تھا کہ خود انہوں نے مسجد میں دو رکعت سنت پڑھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسحاق بن راہویہ نے جو صورت تجویز کی وہ صحیح نہیں۔

صاحبین نے ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے ان کے نزدیک چھ رکعات ہیں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پہلے چار رکعتیں پڑھے پھر دو رکعتیں پڑھے (جبکہ حضرت علی اور حضرت ابن عمرؓ کا عمل اس کے برعکس ہے۔ وہ پہلے دو رکعت پڑھتے پھر چار رکعت پڑھتے) اس کی وجہ بعض نے یہ بیان کی ہے کہ شریعت نے کسی نماز کے بعد اس کی مانند سنتیں نہیں رکھیں، شاید اس میں یہ مصلحت ہو کہ اگر فرض کے بعد اس کی مانند سنتیں پڑھی جائیں تو بدگمانی کرنے والے شخص کو موقع مل جائے گا اور وہ گمان کرے گا کہ یہ شخص امام کی نماز کو صحیح نہیں سمجھتا اس لئے یہ فرائض کو دوبارہ ادا کر رہا ہے اور اگر امام مروان کی طرح ہوا تو پھر ایسے شخص کو پھانسی کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ امام ابو یوسفؒ نے یہ بات احوال زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے ارشاد فرمائی ہے۔

بَاب فِيمَنْ يُدْرِكُ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَسَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ صَلَّى إِلَيْهَا أُخْرَى وَمَنْ أَدْرَكَهُمْ جُلُوسًا صَلَّى أَرْبَعًا وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَقُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے تمام نماز کو پالیا امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر علمائے صحابہ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک رکعت ملی تو دوسری کو اس کے ساتھ ملا لے اور اگر امام وغیرہ کو قعدہ کی حالت ملے پہنچے تو چار رکعت پڑھے سفیان ثوری ابن مبارک شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: جمعہ کی نماز میں مسبوق شخص کے جمعہ کا حکم:** اس عبارت میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ اگر کوئی شخص جمعہ کی نماز میں ابتداءً شریک نہ ہو سکا بلکہ مسبوق رہا تو اسکو کس وقت مدرک جمعہ شمار کیا جائیگا اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص جمعہ کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شریک ہو تو اس پر نماز ظہر واجب ہے۔ **قول ثانی:** جبکہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر قعدہ اخیرہ میں سلام سے پہلے پہلے شریک ہو گیا تو اس کو جمعہ مل گیا وہ دو رکعت جمعہ کے ہی پڑھے گا۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے "**عن ابی ہریرۃ عن**

النبی ﷺ قال من ادرك من الصلوٰة رکعة فقد ادرك الصلوٰة"۔

دلیل ثانی: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے من ادرك من صلوٰة الجمعة رکعة فقد ادرك کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی گویا اس نے جمعہ پالیا۔ (نسائی)

دلیل ثالث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے من ادرك رکعة من الجمعة اوغیرها قد تمت صلوته. (سنن نسائی)

مشترکہ جوابات: جواب اوّل: ان تمام روایات میں رکعت کی قید اتفاقی ہے مقصود بعض صلوٰۃ ہے۔

جواب ثانی: مفہوم مخالف اس وقت حجت نہیں خاص کر اس وقت جب اس کے مقابلے میں مرفوع حدیث موجود ہو۔

دلیل رابع: عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ مرفوعًا من ادرك الرکوع من الرکعة الاخیرة یوم الجمعة فلیضف الیها اخری ومن لم یدرك الرکوع من الرکعة الاخیرة فلیصل الظهر اربعًا. (دار قطنی)

جواب: اس کی سند میں ایک راوی یٰسین نامی ہے جو کہ ضعیف بھی ہے اور متروک بھی ہے اور اس کے تمام طرق معلول ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے جس میں ارشاد ہے "اذا اتیتم الصلوة فعلیکم السکینة فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا" (صحیح بخاری ج۱ ص۸۸)

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے "من ادرك التشهد فقد ادرك الصلوٰة"۔

دلیل ثالث: بخاری میں روایت ہے عن ابی هریرة قال قال النبی ﷺ قال اذا لسمعتم الاقامة فامشوا الی الصلوٰة۔ "وعلیکم السکینة والوقار ولا تسرعوا فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا". (بخاری ج۱ ص۸۸ باب ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فأتموا)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَائِلَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ مَا كُنَّا نَتَغَدَّى فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَقِيلُ إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کھانا بھی جمعہ کے بعد کھاتے اور قیلولہ بھی جمعہ کے بعد ہی کرتے تھے اس باب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب سے امام احمدؒ نے جمعہ کو زوال سے پہلے پڑھنے پر استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دوپہر کا کھانا گیارہ بجے کے قریب کھاتے تھے اس نسبت سے جمعہ دس یا گیارہ بجے پڑھتے ہوں گے جس وقت عیدین پڑھی جاتی ہیں۔ لہٰذا زوال سے پہلے جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن جمہور حضرات کے نزدیک اس کا یہ مطلب نہیں حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ چونکہ جمعہ کے دن مسجد میں جلدی جانا ہوتا ہے نیز پہلے کھانا کھالیں تو سستی چھا جاتی ہے اس لئے صحابہ کرامؓ یہ دونوں کام یعنی کھانے والا اور قیلولے والا جمعہ کے بعد کرتے تھے۔

بَاب فِيمَنْ يَنْعَسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنَّهُ يَتَحَوَّلُ مِنْ مَجْلِسِهِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَأَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهِ ذٰلِكَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اونگھے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ بیٹھ جائے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ فرمارہے ہیں کہ اگر کسی شخص کو خطبہ سننے کے دوران نیند آنے لگے یا سستی چھانے لگے تو اس کا حل یہ ہے کہ وہ شخص ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جا کر بیٹھ جائے تا کہ سستی اور نیند دور ہو جائے کیونکہ جب وہ کچھ دیر چلے گا تو نیند کا غلبہ ٹوٹ جائے گا اور خطبہ ہوشیاری کے ساتھ سن لے گا۔ اسی وجہ سے جمعہ کے روز حبوہ سے منع فرمایا اس سے بھی نیند آتی ہے بسا اوقات اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

نعاس اور نوم میں فرق ماقبل تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ نعاس کہتے ہیں نیند کا ابتدائی وقت جو ابھی دماغ تک پہنچی ہو اور آنکھیں بند ہو رہی ہوں دل تک اس کا اثر نہ پہنچا ہو اگر دل تک پہنچ جائے تو اسے نوم کہتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّفَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِي سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا أَصْحَابُهُ فَقَالَ أَتَخَلَّفُ فَأُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآهُ فَقَالَ لَهُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَ مَعَ أَصْحَابِكَ قَالَ أَرَدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقَهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ لَهُ مَا أَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا اور اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا ان کے ساتھی صبح روانہ ہو گئے عبداللہ نے کہا میں پیچھے رہ جاتا ہوں تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھ سکوں پھر ان سے جاملوں گا جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو پوچھا تمہیں تمہارے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے کس چیز نے منع کیا؟ انہوں نے عرض کیا میں چاہتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لوں اور پھر ان سے جاملوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم جو کچھ زمین میں ہے اتنا مال صدقہ بھی کر دو تو ان کے سویرے

إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَقَالَ شُعْبَةُ لَمْ يَسْمَعِ الْحَكَمُ مِنْ مِقْسَمٍ إِلَّا خَمْسَةَ أَحَادِيثَ وَعَدَّهَا شُعْبَةُ وَلَيْسَ هٰذَا الْحَدِيثُ فِيمَا عَدَّهَا شُعْبَةُ فَكَأَنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ لَمْ يَسْمَعْهُ الْحَكَمُ مِنْ مِقْسَمٍ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي السَّفَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ بَأْسًا بِأَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي السَّفَرِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الصَّلَاةُ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَصْبَحَ فَلَا يَخْرُجْ حَتَّى يُصَلِّيَ الْجُمُعَةَ.

چلنے کی فضیلت تک نہیں پہنچ سکتے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس حدیث کو اس سند کے علاوہ ہم نہیں جانتے علی بن مدینی نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا وہ شعبہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ حکم نے مقسم سے صرف پانچ حدیثیں سنی ہیں شعبہ نے انہیں شمار کیا یہ حدیث ان پانچ میں نہیں گویا کہ یہ حدیث حکم نے مقسم سے نہیں سنی۔ جمعہ کے دن سفر کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ نماز کا وقت نہ ہو چکا ہو۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر صبح ہو جائے تو جمعہ کی نماز پڑھ کر سفر کے لئے روانہ ہو۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ جمعہ کے دن سفر کرنے کے بارے میں ذکر کر رہے ہیں کہ اس بارے میں کچھ تفصیل ہے اگر جمعہ کے دن زوال سے پہلے سفر کرنے کا ارادہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے اور اس کے بعد جائز نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد جمعہ پڑھ کر سفر کرنا چاہے تو سفر کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی کو یہ امکان ہے کہ وہ راستے میں جمعہ پڑھ لے گا تو اس کے لئے بھی جائز ہے یا اسی طرح کسی نے گاڑی کا ٹکٹ صبح دس بجے کا لیا ہوا ہے لیکن وہ گاڑی کسی وجہ سے لیٹ ہو گئی تو بھی ایسے شخص کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ میں تھوڑا سا اختلاف بیان کیا جاتا ہے۔

قول اوّل: جس شخص پر جمعہ واجب ہو اس کے لئے وقت کے داخل ہونے کے بعد سفر کرنا جائز نہیں یہ امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ، ابن المنذرؒ کا قول ہے۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ اس کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔ حدیث الباب میں واقعہ ذکر کیا گیا ہے جو کہ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سے پہلے سفر کرنا جائز ہے اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

قال ابوعیسیٰ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہم نہیں جانتے مگر اس سند سے اس سند میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں ایک یہ کہ اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ دوسرا یہ کہ اس حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ حکم نے یہ حدیث مقسم سے نہیں سنی۔ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ حکم نے مقسم سے پانچ حدیثیں سنی ہیں اور شعبہ نے ان کو شمار کیا ہے اور یہ حدیث ان پانچ میں سے نہیں ہے جن کو شعبہ نے شمار کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ وَالطِّيبِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو يَحْيَى إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقٌّ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَنْ يَغْتَسِلُوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ جمعہ کے دن غسل کریں اور ہر ایک گھر میں موجود خوشبو لگائے اور اگر نہ ہو تو پانی ہی اس کے لئے خوشبو ہے۔ اس باب

وَلْيَمَسَّ أَحَدُهُمْ مِنْ طِيبِ أَهْلِهِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهُ طِيبٌ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَشَيْخٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرِوَايَةُ هُشَيْمٍ أَحْسَنُ مِنْ رِوَايَةِ إِسْمَعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ وَإِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ.

میں ابو سعید رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری شیخ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ روایت کی ہم سے احمد بن منیع نے ان سے ہشیم نے ان سے یزید بن ابی زیاد نے اوپر کی حدیث کی مثل۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور ہشیم کی روایت اسماعیل بن ابراہیم تیمی سے بہتر ہے اسماعیل بن ابراہیم تیمی حدیث میں ضعیف ہیں۔

تشریح: جو حضرات جمعہ کے دن غسل کو واجب قرار نہیں دیتے وہ حضرات اس حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں پہلا حکم غسل کا ہے اور دوسرا حکم خوشبو لگانے کا ہے اور وہ بالا جماع واجب نہیں جب دوسرا حکم واجب نہیں تو پہلا حکم بھی واجب نہیں۔ حق سے مراد احسان و نیکوکاری کا حق ہے۔

قال ابوعیسیٰ: امام ترمذیؒ نے دونوں احادیث کی اسناد کا موازنہ کیا ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کو یزید بن ابی زیاد سے اسماعیل بن ابراہیم کے علاوہ ہشیم بھی روایت کرتے ہیں اور ہشیم والی سند زیادہ اچھی ہے۔ اسماعیل تیمی کی سند سے کیونکہ اسماعیل کی سند میں تضعیف کی گئی ہے اور ہشیم ثقہ راوی ہے۔

اَبْوَابُ الْعِیْدَیْنِ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عیدین تثنیہ ہے عید کی اسکی جمع اعیاد آتی ہے اور عاد یعود سے ماخوذ ہے عید اصل میں عِوْدٌ تھا۔۔واو کو یاء سے بدل دیا تو عیدٌ بن گیا۔

عید کی وجہ تسمیہ: عید کو عید اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ بار بار لوٹ کر آتی ہے۔

بعض کے نزدیک یہ عُود سے مشتق ہے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں بکثرت عود جلائی جاتی ہے۔

صحیح قول یہ ہے کہ اس کا نام عید بطور تفاؤل کے رکھا گیا گویا یہ ایک دعا ہے کہ خدا کرے یہ دن بار بار آئے جن لوگوں پر آج عید آئی ہے وہی عید آئندہ سال بھی ان لوگوں پر آئے۔

مسئلہ: صلوٰۃ عیدین کا شرعی حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیدین کی نماز واجب ہے فقہاء احناف نے اس کو ظاہر روایت قرار دے کر اس پر فتوی دیا ہے امام صاحبؒ کی دوسری روایت کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک عیدین کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: ان کا استدلال وہ مشہور واقعہ اعرابی ہے کہ جس میں اعرابی نے آپ ﷺ سے پوچھا ''**ھل علی غیرھن فقال لا الا ان تطوع**''۔(بخاری ومسلم)

جواب اوّل: یہ عیدین کے وجوب سے پہلے پر محمول ہے۔

جواب ثانی: یہ نفی اعرابی کے لحاظ سے ہے کہ دیہات میں رہنے والوں پر عیدین واجب نہیں کیونکہ ان پر جمعہ واجب نہیں۔

جواب ثالث: اس میں ''**خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ**'' کے الفاظ ہیں کہ اس میں روزانہ کی نمازوں کا ذکر ہے جبکہ عیدین کی نمازیں سال کے بعد آتی ہیں۔لہٰذا حدیث کا تعلق اس کے ساتھ نہیں نہ اثباتاً اور نہ ہی نفیاً۔

احناف کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ''**ولتکبروا اللہ علی ماھدا کم**'' **لتکبروا** سے عید الفطر کی تکبیر مراد ہے۔ اور ''**فصل لربك وانحر**'' صلوٰۃ الاضحیٰ کی طرف اشارہ ہے اور اس میں امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب پر دلالت کر رہا ہے۔

دلیل ثانی: آپ ﷺ اور خلفاء راشدین کی مواظبت بدون ترک بھی وجوب کی دلیل ہے۔

قول ثالث: بعض حضرات نے ذکر کیا ہے کہ امام احمدؒ کے ہاں عیدین کی نماز فرض کفایہ ہے۔

دلیل: دونوں قسم کی احادیث بظاہر آپس میں متعارض ہیں ان میں تطبیق یہ ہے کہ بعض وجوب پر اور بعض عدم وجوب پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا ہم یہ کہیں گے کہ اس کا درمیانہ درجہ فرض کفایہ کا ہے۔

جواب: ہم اس کا جواب یہی دیتے ہیں کہ عدم وجوب کا جواب تو گزر چکا ہے لہٰذا وجوب باقی ہے تطبیق کی ضرورت نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ

حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ تَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا وَأَنْ تَأْكُلَ شَيْئًا قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَخْرُجَ الرَّجُلُ إِلَى الْعِيدِ مَاشِيًا أَنْ لَا يَرْكَبَ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نماز عید کے لئے پیدل چلنا اور گھر سے نکلنے سے پہلے کچھ کھالینا سنت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے کہ عید کی نماز کے لئے پیدل نکلنا مستحب ہے اور بغیر عذر کے کسی چیز پر سوار نہ ہو۔

تشریح: **مسئلہ:** نماز عید کی ادائیگی کے لئے پیدل جانا افضل ہے یا سواری پر؟ اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص معذور ہو، بوڑھا ہو، بیمار ہو اسکے لئے پیدل چلنا مشکل ہے تو اسکے لئے سواری پر عیدین کی ادائیگی کے لئے آنا جائز ہے۔ اور اسی طرح وہ لوگ جو دور ہیں گاؤں میں رہنے والے ہیں وہ اگر شہر میں آخر عیدین ادا کرتے ہیں تو اگر وہ پیدل آئیں تو عیدین کی ادائیگی تک پہنچ ہی نہیں سکتے تو ان کے لئے سواری پر جانا جائز ہے۔ اور پیدل جانا سب کے نزدیک مستحب ہے۔ یہی مسلک حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام نخعیؒ، امام ثوریؒ، امام شافعیؒ کا قول ہے اگر سواری پر جائیں گے تو سواریوں کو کہاں سنبھالتے پھریں گے۔ دوسرا یہ کہ پیدل جانے میں عاجزی ہے اور سواری پر جانے سے اپنی شان اور کبر کا اظہار ہے جو عبادت کے شان کے خلاف ہے۔

یہی حکم جمعہ اور دیگر نمازوں کا بھی ہے جیسا کہ حدیث شریف "**فلا تأتوها تسعون وأتوها تمشون**" سے اس کی تائید کی ہے۔

قال ابوعیسیٰ: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی اگرچہ تحسین کی ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی حارث الاعور ہے جس کو جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے البتہ حدیث کے مطابق پیدل جانے کے استحباب پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

بَاب فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّونَ فِي الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ يَخْطُبُونَ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکرؓ اور عمرؓ عیدین میں نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے اور پھر خطبہ دیا کرتے تھے اس باب میں حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے کہ عید کی نماز خطبہ سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ پہلے پڑھی جائے کہا جاتا ہے کہ عید کی نماز سے پہلے خطبہ دینے وَيُقَالُ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ خَطَبَ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ والا پہلا شخص مروان بن حکم تھا۔

تشریح: اس مسئلہ میں تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ عیدین کی نمازیں خطبہ سے پہلے ہوتی ہیں پہلے زمانے میں کچھ ظالم حکمرانوں نے خطبہ پہلے کر دیا تھا۔ امام ترمذیؒ نے باب کے آخر میں یہ اشارہ کیا ہے کہ نماز سے قبل خطبہ سب سے پہلے مروان نے کیا تھا اور بعض لوگ یہ بات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بہر حال جس نے بھی ایسا کیا ٹھیک نہیں کیا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا دائمی عمل یہ تھا کہ وہ پہلے عیدین پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عید سے پہلے خطبہ دینا سب سے پہلے مروان بن الحکم نے شروع کیا جبکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے حضرت عثمان بن عفانؓ نے کیا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور بعض روایات میں زیاد کا نام آتا ہے اس طرح بظاہر تعارض ہو جاتا ہے نیز نماز عید سے قبل خطبہ کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

جواب اوّل: بعض حضرات نے اس طرح کی وارد ہونے والی روایات پر کلام کیا ہے اور بعض حضرات نے تطبیق دی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دور دراز سے آنے والے لوگوں کی رعایت کے لئے خطبہ کو مقدم کیا تا کہ بعد میں آنے والے حضرات نماز میں شریک ہوسکیں۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے "**من خطب قبل الصلوٰة عثمان صلى بالناس ثم خطبهم يعني على العادة**" سب سے پہلے نماز سے قبل خطبہ جس نے دیا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تقدیم خطبہ کی دوسری وجہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "**قال كان الناس يبدءون بالصلوٰة ثم يثنون بالخطبة حتى اذا كان عمر و كثر الناس فى زمانه و كان اذا ذهب يخطب ذهب جفاة الناس فلما رأى ذلك عمر بدأ بالخطبة حتى ختم بالصلوٰة**"۔ لیکن انکی طرف تقدیم خطبہ والی نسبت شاذ ہے اور حدیث الباب کے خلاف ہے البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تقدیم خطبہ ثابت ہے اور اسکے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اتباع میں ایسا کیا پھر چونکہ زیاد رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بصرہ کا گورنر تھا اس نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع میں تقدیم خطبہ پر عمل کیا اور اسی طرح مدینہ کے گورنر مروان نے بھی اسی زمانے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع میں تقدیم خطبہ علی الصلوٰة کو اختیار کیا۔

جواب ثانی: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، مروان اور زیاد کو "**اوّل من خطب**" کا مصداق دینا رواۃ کے اپنے علم کے اعتبار سے ہوسکتا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے علاقے میں سب سے پہلے تقدیم خطبہ پر عمل کیا اس لئے ان کو اوّل من خطب کہا گیا۔ مروان اور زیاد بھی چونکہ ان کے گورنر تھے اور اسی زمانہ میں اپنے اپنے علاقوں میں تقلیداً انہوں نے بھی تقدیم خطبہ کو اختیار کر رکھا تھا اس لئے "**اوّل من خطب**" کی نسبت ان کی طرف بھی کی گئی۔

سوال: عیدین اور نماز جمعہ کے خطبہ میں فرق کیوں ہے؟ عیدین میں خطبہ بعد میں اور جمعہ میں خطبہ پہلے کیوں ہے؟

جواب: عیدین میں چونکہ لوگ دوگانہ ادا کرنے کے لئے جاتے ہیں تقریر سننے کے لئے نہیں جاتے پس پہلے دوگانہ ادا کرنا چاہیے پھر خطبہ دینا چاہیے۔ جبکہ جمعہ میں اس کے برعکس ہوتا۔

جبکہ ابتدائے اسلام میں جمعہ میں بھی خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا لیکن ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ نبی کریم ﷺ جمعہ پڑھا کر خطبہ دے رہے تھے کہ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا اس نے نقارہ بجایا اور اعلان کیا تو سارا مجمع اٹھ کر چلا گیا۔ بعض لوگ خریداری کے لئے اور بعض لوگ محض دیکھنے کے لئے چلے گئے۔ آپؐ کے پاس صرف بارہ کے قریب افراد رہ گئے۔ چنانچہ سورۃ الجمعۃ نازل ہوئی۔ آئندہ اس قسم کا واقعہ پیش نہ آئے اس لئے خطبہ کو مقدم کر دیا گیا۔

بَاب أَنَّ صَلَاةَ الْعِيدَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ لَا يُؤَذَّنُ لِصَلَاةِ الْعِيدَيْنِ وَلَا لِشَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ.

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز کئی مرتبہ بغیر اذان اور تکبیر کے پڑھی اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اس پر علمائے صحابہ وغیرہ کا عمل ہے کہ عیدین یا کسی نفل نماز کے لئے اذان نہ دی جائے۔

تشریح: اس بات پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ عیدین میں نہ اذان ہے اور نہ ہی اقامت ہے۔ اذان واقامت صرف فرائض کے لئے ہیں دیگر نمازوں کے لئے چاہے وہ واجب ہوں یا سنن ہوں یا نوافل ان کے لئے نہ اقامت مشروع ہے اور نہ ہی اذان۔ اور عیدین بھی یا تو سنت ہیں یا واجب علی اختلاف الاقوال، باقی عیدین کا شرعی حکم ابتداء باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

بہر حال جمہور حضرات کے نزدیک نماز عید بغیر اذان واقامت کے پڑھی جائے لیکن نماز عید میں مخصوص اعلان کی تو نفی ہے لیکن نفس اعلام یعنی اعلان کی نفی نہیں بلکہ اعلان کر کے لوگوں کو آگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

بَاب الْقِرَاءَةِ فِي الْعِيدَيْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ وَرُبَّمَا اجْتَمَعَا فِي يَوْمٍ

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نمازوں میں (بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اور هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ) پڑھتے تھے اور کبھی عید جمعہ کے دن ہوتی تو بھی یہی سورتیں دونوں نمازوں میں پڑھتے اس باب میں حضرت ابوواقد، سمرہ بن جندب اور

وَاحِدٍ فَيَقْرَأُ بِهِمَا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي وَاقِدٍ وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهٰكَذَا رَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمِسْعَرٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي عَوَانَةَ وَأَمَّا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فَيُخْتَلَفُ عَلَيْهِ فِي الرِّوَايَةِ فَيُرْوٰى عَنْهُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَلَا يُعْرَفُ لِحَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِيهِ وَحَبِيبُ بْنُ سَالِمٍ هُوَ مَوْلَى النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَرَوٰى عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ أَحَادِيثَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ نَحْوُ رِوَايَةِ هٰؤُلَاءِ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ بِقَافٍ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ.

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں نعمان بن بشیرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اسی طرح سفیان ثوری اور مسعر ابراہیم بن محمد بن منتشر سے ابوعوانہ کی حدیث کے مثل بیان کرتے ہیں ابن عیینہ کے متعلق اختلاف ہے کوئی ان سے بواسطہ ابراہیم بن محمد بن منتشر سے روایت کرتا ہے وہ اپنے والد وہ حبیب بن سالم وہ اپنے والد اور وہ نعمان بن بشیرؓ سے روایت کرتے ہیں جبکہ حبیب بن سالم کی ان کے والد سے کوئی روایت معروف نہیں یہ نعمان بن بشیر کے مولی ہیں اور ان سے احادیث روایت کرتے ہیں اس کے علاوہ بھی ابن عیینہ سے مروی کہ وہ ابراہیم بن محمد بن منتشر سے ان حضرات کی روایت کی مثل بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین کی نمازوں میں سورہ قٓ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھتے تھے امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ الْمَازِنِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى قَالَ كَانَ يَقْرَأُ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب نے ابوواقد لیثی سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں کیا پڑھتے تھے ابوواقد نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ پڑھتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ ضَمْرَةَ بْنِ سَعِيدٍ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَأَبُو وَاقِدٍ اللَّيْثِيُّ اسْمُهُ الْحَارِثُ بْنُ عَوْفٍ

ضمرہ بن سعید نے اسی سند کے مثل حدیث کی روایت کی، امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابوواقد لیثی کا نام حارث بن عوف ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ عیدین کی نماز میں قراءت کا ذکر کر رہے ہیں کہ عیدین جمعہ والے دن آ جائیں تو عیدین میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے انکا ذکر ہے اسکا ذکر کچھ ماقبل ابواب الجمعہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ: عیدین اور جمعہ اگر ایک دن میں جمع ہو جائیں تو دونوں نمازیں ادا کی جائیں گی یا ایک ساقط ہو جائے گی؟

اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: علامہ ابن قدامہ حنبلی اپنی کتاب المغنی جلد ۲ ص ۲۱۲ میں لکھتے ہیں کہ اگر عیدین اور جمعہ ایک دن جمع ہوجائیں تو جس شخص نے نماز عید میں شرکت کی ہو اس کے ذمہ جمعہ کی نماز نہیں ہے۔ البتہ امام سے ساقط نہیں ہوگا۔ اور یہی قول امام شعبیؒ، امام نخعیؒ اور امام اوزاعیؒ کا بھی ہے۔

قول ثانی: شرح مہذب میں امام شافعیؒ کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس روز عید اور جمعہ جمع ہوجائیں تو اہل دیہات سے جمعہ ساقط ہوجائے گا۔ البتہ شہر والوں سے جمعہ ساقط نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کی ایک روایت جمہور کے مطابق ہے۔

قول ثالث: ائمہ ثلاثہ کا بعض حضرات نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر عید اور جمعہ دونوں اکھٹے ہوں تو عید کی نماز تو ضروری ہے جمعہ ضروری نہیں۔ جمعہ کی جگہ ظہر بھی ادا کر سکتے ہیں اور جمعہ بھی ادا کر سکتے ہیں۔

قول رابع: اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں سے عید پڑھنے کے لئے جو لوگ شہر میں آتے ہیں اگر وہ زوال سے پہلے گاؤں لوٹ جائیں تو ان پر جمعہ فرض نہیں اور جو دیہات والے زوال تک شہر میں رہیں ان پر جمعہ بھی ضروری ہے۔ ان کا قول ائمہ ثلاثہ کے قریب قریب ہے۔

بَابٌ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو أَبُو عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِينِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأُولَى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَدِّ كَثِيرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْمُهُ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ نَحْوَ هَذِهِ الصَّلَاةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَقُ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ فِي التَّكْبِيرِ فِي الْعِيدَيْنِ تِسْعَ تَكْبِيرَاتٍ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ يَبْدَأُ بِالْقِرَاءَةِ ثُمَّ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا مَعَ تَكْبِيرَةِ الرُّكُوعِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ

عبداللہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کثیر کے دادا کی حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی احادیث میں احسن ہے کثیر کے داد کا نام عمرو بن عوف مزنی ہے اس پر بعض اہل علم صحابہ وغیرہ کا عمل ہے اسی حدیث کی مانند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے مدینہ میں اسی طرح امامت کی یہی قول اہل مدینہ، امام شافعی، مالک، احمد، اسحاق کا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عید کی نماز میں نو تکبیریں کہیں پانچ تکبیریں قراءت سے پہلے پہلی رکعت میں اور چار دوسری

غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ. رکعت میں قراءت کے بعد رکوع کی تکبیر کے ساتھ کئی صحابہ سے اسی طرح مروی ہے یہ اہل کوفہ اور سفیان ثوری کا قول ہے۔

تشریح: اس باب میں دو مسائل اختلافی ہیں۔ ① عیدین کی تکبیرات زوائد کتنی ہیں؟۔ ② قیام کی حالت میں کب کہیں گے؟

مسئلہ اولیٰ: عیدین کی تکبیرات زوائد کتنی ہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیریں بمع تکبیر تحریمہ کے ہیں **کما فی بدایۃ ابن رشد وارشاد السالك** اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں کل بارہ تکبیریں ہوئیں۔ یہی قول امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک کل بارہ تکبیرات ہیں سات پہلی رکعت میں (علاوہ تکبیر تحریمہ کے) اور پانچ دوسری رکعت میں (کمافی شرح المہذب) ان سب حضرات کے ہاں یہ تکبیرات زوائد دونوں رکعات میں قبل القراءۃ ہوں گی۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، سفیان ثوریؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک تکبیرات زوائد کل چھ ہیں پہلی رکعت میں تین تکبیرات سورۂ فاتحہ سے پہلے کہیں گے اور تین دوسری رکعت میں قراءت کے بعد کہیں گے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے **عن كثير بن عبدالله عن ابيه عن جده ان النبی ﷺ كبّر فی العيدين فی الاولیٰ سبعًا قبل القراءة وفی الاخرة خمسا قبل القراءة۔**

جواب: اس میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے جو کہ ضعیف ہے البتہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی جو تحسین کی ہے اس پر دوسرے محدثین نے سخت جرح کی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ **ركن من اركان الكذب، وقال الدار قطنی وغيره متروكٌ۔** امام بخاریؒ کے لئے اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا "**ليس شيئٌ فی هٰذا الباب اصح منه**" تلخیص میں فرمایا **أنكر جماعة تحسينه علی الترمذی۔**

وقال الحافظ ابو الخطاب ابن دحية و كم حسن الترمذی فی كتابه من احاديث موضوعة و اسانيد واهية کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں بہت ساری موضوع احادیث اور من گھڑت اسناد کو حسن کہا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۴۳۶)

دلیل ثانی: سنن ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۶۳ **باب التكبير فی العيدين** میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی مرفوع حدیث ہے "**التكبير فی الفطر سبع فی الاولیٰ و خمس فی اٰخره والقراءة بعدهما كلتيهما**"۔ اس کی طرف امام ترمذیؒ نے وفی الباب کہہ کر اشارہ کیا۔

جواب: اس حدیث میں ایک راوی عبداللہ بن عبدالرحمٰن الطائفی ہے جو کہ ضعیف ہے اس کے ضعف کی دو وجوہات محدثین نے لکھی ہیں ایک تو یہ کہ طائفی کی تضعیف ایک جماعت نے کی ہے ان میں ابن معین، امام نسائی اور ابوحاتم بھی ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ روایت **عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده** سے اس کا سماع اس حدیث میں ثابت نہیں ہے اسلئے اس کو ضعیف قرار دیا گیا۔

دلیل ثالث: دار قطنی جلد اوّل ص ۱۸۰۔۱۸۱ اور ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۱۶۳ میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے أن

رسول اللہ ﷺ کان یکبر فی الفطر والاضحیٰ فی الاولیٰ سبع تکبیرات وفی الثانیۃ خمسًا۔

جواب: اس کا مدار ابن لہیعہ پر ہے جس کا ضعف معروف ہے خود امام ترمذیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں عبد اللہ بن لھیعۃ ضعیف عند اھل الحدیث. (ج ۱ ص ۳)

احناف کی دلیل اوّل: سنن ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۶۳ میں حضرت مکحول کی روایت ہے قال اخبرنی ابی عائشۃ.......ان سعید بن العاص سأل ابو موسیٰ الاشعری و حذیفۃ بن الیمان کیف کان رسول اللہ ﷺ یکبر فی الاضحیٰ والفطر فقال ابو موسیٰ کان یکبر اربعا تکبیرۃ علی الجنائز فقال حذیفۃ صدق ابو موسیٰ کذلك کنت أکبر فی البصرۃ حیث کنت علیھم باب التکبیر فی العیدین۔ اس حدیث میں چار تکبیرات کا ذکر ہے ان میں ایک تکبیر تحریمہ ہے اور تین زائد تکبیریں ہیں یہ حدیث دو احادیث کے قائم مقام ہے کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی۔

اعتراض اوّل: اس حدیث کی سند پر اعتراض کیا گیا کہ اس کا مدار عبدالرحمٰن بن ثوبان پر ہے جنہیں ضعیف کہا گیا ہے۔

جواب: عبدالرحمٰن بن ثوبان ایک مختلف فیہ راوی ہے جہاں پر اس کی محدثین نے تضعیف کی ہے وہاں پر متعدد محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۹۹ میں لکھتے ہیں و ثقہ دحیم و ابو حاتم وقال ابوداؤد فیہ سلامۃ وقال ابن معین لیس بہ بأس، وقال صالح بن محمد شامی صدوق، وقال ابن عدی لہ احادیث صالحۃ، وذکرہ ابن حبان فی الثقات، وقال ابن المدینی رجل صدق لابأس بہ. (معارف السنن جلد ۴ ص ۴۳۹)

اعتراض ثانی: اس حدیث کے راوی ابی عائشہؓ بقول ابن حزم اور ابن قطان کے مجہول ہیں۔

جواب: محمد بن ابی عائشہؓ یہ موسیٰ بن ابی عائشہؓ کے والد ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کے بارے میں تقریب میں لکھا ہے ابو عائشۃ الاموی مولاھم جلیس ابی ھریرۃ مقبول من الثانیۃ۔ نیز تہذیب میں حافظ ابن حجرؒ نے ان کے بارے میں مزید لکھا کہ ویروی عنہ مکحول و خالد بن معدان۔ اصول حدیث یہ ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کریں اس کی جہالت مرتفع ہوجاتی ہے۔ اسلئے جہالت کا اعتراض درست نہیں لہٰذا یہ حدیث حسن سے کم نہیں۔ اس سے استدلال کرنا درست ہے۔

اعتراض ثالث: یہ اعتراض امام بیہقیؒ نے کیا ہے کہ یہ حدیث موقوف علی ابن مسعودؓ ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ روایت مصنف عبدالرزاق میں علقمہ اور اسود بن یزید سے اس طرح مروی ہے کہ ابن مسعودؓ ایک جگہ تشریف فرماتھے اور ان کے پاس حضرت حذیفہؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ بھی موجود تھے ان حضرات سے سعید بن العاص نے عیدین کی تکبیرات کے متعلق پوچھا تو وہ دونوں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھو پھر حذیفہؓ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود سے پوچھو" فسألہ فقال ابن مسعود یکبر أربعًا ثم یقرأ ثم یکبر فیرکع ثم یقوم فی الثانیۃ فیقرء ثم یکبر اربعاً بعد القراءۃ" اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موقوف علی ابن مسعود ہے اور انہی سے یہ روایت مروی ہے۔

جواب: علامہ نیمویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعہ میں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

موقوفہ میں یہ تطبیق ہے کہ ہوسکتا ہے ابوموسیٰ اشعریؓ ادب کی وجہ سے ابتداءً خاموش رہے ہوں۔ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ بیان کردیا تو پھر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اپنی مرفوع روایت بیان کردی جس نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کی مزید وضاحت ہوگئی دوسرا یہ کہ یہ روایت اگر ابن مسعودؓ پر موقوف مانی جائے تب بھی غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی موافقت کی ہے۔

دلیل ثانی: طحاوی شریف جلد ۲ ص ۳۴۳ اور دوسرے نسخہ میں جلد ۲ ص ۴۰۰ میں روایت ہے ''عن القاسم قال حدثنی بعض اصحاب رسول اللہ ﷺ قال صلی بنا النبی ﷺ یوم عید فکبر اربعًا و اربعًا. الی قولہ فھذا حدیث حسن الاسناد''

اعتراض: اس حدیث کی سند میں وضین بن عطاء ہے جو کہ ضعیف راوی ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب: بعض حضرات نے اس میں کلام کیا ہے لیکن جمہور حضرات اس کی توثیق کرتے ہیں ''قال الطحاوی و عبداللہ بن یوسف و یحیٰی بن حمزۃ والوضین والقاسم کلھم اھل الروایۃ معروفون بصحۃ الروایۃ. (جلد۲ ص ۳۴۳)

دلیل ثالث: طحاوی شریف جلد ۲ ص ۳۴۴ میں روایت ہے خرج ولید بن عقبۃ بن ابی معیط علی ابن مسعود و حذیفۃ والاشعری فقال ان العید غدا فکیف التکبیر فقال ابن مسعود یکبر تکبیرۃ یفتح بھا الصلوٰۃ ثم یکبر بعدھا ثلاثًا ثم یقرء ثم یکبر تکبیرۃ یرکع بھا ثم یسجد ثم یقوم فیقرأ ثم یکبر ثلاثًا ثم یکبر تکبیرۃ یرکع بھا فقال الاشعری و حذیفۃ صدق ابو عبد الرحمٰن. حافظ ابن کثیرؒ تفسیر مع المعالم میں لکھتے ہیں اسنادہ صحیح۔

دلیل رابع: محلی ابن حزم جلد ۶ ص ۸۳ میں روایت ہے کان ابن مسعود جالسًا ..... و قال الاشعری سئل عبداللہ فانہ اقدمنا و اعلمنا فسألہ فقال ابن مسعود یکبر اربعًا ...... قال ابن حزم ھٰذا اسناد فی غایۃ الصحۃ.

علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ تکبیرات عید کی تعداد کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔ البتہ فقہاء میں سے ہر ایک نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے استدلال کرکے اپنا اپنا مسلک متعین کیا ہے۔ پھر یہ اختلاف افضلیت وغیر افضلیت میں ہے جواز وعدم جواز کا نہیں۔

بَابُ لَا صَلَاةَ قَبْلَ الْعِيدِ وَلَا بَعْدَهُمَا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کے دن گھر سے نکلے اور دو رکعتیں پڑھیں نہ اس سے پہلے کوئی نماز پڑھی اور نہ اس کے بعد۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں ابن عباسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر

أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَبِهٖ يَقُوْلُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَدْ رَأَى طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الصَّلَاةَ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ وَقَبْلَهَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

بعض علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے جبکہ صحابہ میں سے اہل علم کی ایک جماعت عید سے پہلے اور بعد میں نماز پڑھنے کی قائل ہے لیکن پہلا قول اصح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ أَبُوْ عَمَّارٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ أَبَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ عَنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ وَهُوَ ابْنُ عُمَرَ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ خَرَجَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَهُ قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى وَهٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

حضرت ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ عید کے لئے گھر سے نکلے اور عید کی نماز سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں پڑھی اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: عیدین سے قبل وبعد نوافل کا کیا حکم ہے؟ اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ نہ عیدین سے پہلے سنن ہیں اور نہ ہی عیدین کے بعد۔ البتہ عیدین سے پہلے اور بعد میں نوافل کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: حنفیہ، امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ، اور کوفیین کے نزدیک عید کی نماز سے پہلے نوافل نہیں پڑھ سکتے، البتہ عید کی نماز کے بعد نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ حنفیہ کے ہاں بعد کے اندر بھی تفصیل ہے اگر وہ عید سے فارغ ہونے کے بعد گھر میں آ کر نوافل ادا کرتا ہے تو جائز ہے البتہ اگر وہ عید کی نماز سے فارغ ہو کر عیدگاہ میں نوافل پڑھے تو اس کے لئے مکروہ ہے۔

قول ثانی: حسن بصریؒ اور فقہاء بصرہ کے نزدیک **یصلون قبلها لا بعدها** کہ عیدین سے قبل تو نوافل جائز ہیں بعد میں جائز نہیں۔

قول ثالث: امام زہریؒ، ابن جریجؒ، امام احمدؒ اور مدینہ والوں کے نزدیک مطلقاً کراہت ہے عید سے پہلے بھی اور عید کے بعد بھی۔

قول رابع: امام مالکؒ کے نزدیک عیدگاہ میں مطلقاً مکروہ ہے اور مسجد میں ان کے ہاں دو روایات ہیں۔

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ کے مذاہب میں امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے اقوال متقارب ہیں۔ اور بعض صورتوں میں اقوال متحد ہو جاتے ہیں۔

قول خامس: امام شافعیؒ بعض صحابہ وتابعین کے نزدیک عیدین سے قبل اور عیدین کے بعد نوافل پڑھنا جائز ہے، البتہ وہ امام کے حق میں کراہت کے قائل ہیں۔

امام زہریؒ اور امام احمدؒ اور احناف کی دلیل اوّل: حدیث الباب کی پہلی روایت **عن ابن عباس أن النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین ثم لم یصل قبلها ولا بعدها۔**

دلیل ثانی: **عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه خرج یوم عید ولم یصل قبلها ولا بعدها۔**

دلیل ثالث: عید کے بعد نوافل پر استدلال حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو ابن ماجہ میں ہے **فاذا رجع الی منزله صلی رکعتین وفیه عبد الله بن محمد بن عقیل۔**

دلیل رابع: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **انه رای رجلا یصلی بعد العید فقیل أما تمنعه یا امیر المومنین**

فقال اخاف أن أدخل فی الوعید قال الله تعالٰی أرایت الذی ینهی عبداً اذا صلی کہ ایک شخص عیدگاہ میں نفل پڑھ رہا تھا کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ اس کو روکتے نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں سورۂ علق کی آیت أرایت الذی ینهی عبداً اذا صلّٰی کا مصداق نہ بن جاؤں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عید سے پہلے نوافل نہ پڑھنا سنت ہے۔

باقی رہا امام شافعیؒ کا مسلک اگرچہ اس کی تائید بعض صحابہؓ و تابعینؒ سے ہوتی ہے لیکن حدیث مرفوع کی موجودگی میں حدیث موقوف سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ حدیث الباب اور اس جیسی دوسری روایات سے جو کراہت معلوم ہوتی ہے وہ امام کے ساتھ خاص ہے یہ دعویٰ بلا دلیل کے ہے دیگر دلائل سے اس کی تردید ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں لیس من السنة الصلوٰة قبل خروج الامام یوم العید نیز ایک روایت میں لا صلوٰة قبلها ولا بعدها کے عام الفاظ بھی مروی ہیں اس سے امام شافعیؒ کے مسلک کی واضح تردید ہو جاتی ہے۔

عیدین سے پہلے اور بعد میں نوافل کیوں نہیں؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ سنن و نوافل فرائض کے ساتھ شروع ہیں اور عیدین کی نمازیں فرائض نہیں اور فرائض سے قبل سنن رکھنے کی بھی مصلحت ہوتی ہے جس کی وجہ ماقبل سنن کے باب میں ذکر کی جا چکی ہے۔ چونکہ عیدین سے قبل سستی نہیں کیونکہ وہ نو یا دس بجے پڑھی جاتی ہیں اور ان نمازوں کی تیاری صبح ہی سے شروع ہو جاتی ہے اور اس نماز کے بعد کوئی مشغلہ بھی نہیں ہوتا بلکہ چھٹی کا دن ہوتا ہے اس لئے عیدین کے آگے پیچھے سنتیں تجویز نہیں کی گئیں۔

بَابٌ فِی خُرُوجِ النِّسَاءِ فِی الْعِیدَیْنِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ وَهُوَ ابْنُ زَاذَانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ الْأَبْكَارَ وَالْعَوَاتِقَ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ وَالْحُيَّضَ فِي الْعِيدَيْنِ فَأَمَّا الْحُيَّضُ فَيَعْتَزِلْنَ الْمُصَلَّى وَيَشْهَدْنَ دَعْوَةَ الْمُسْلِمِينَ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ فَلْتُعِرْهَا أُخْتُهَا مِنْ جَلَابِيبِهَا

حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین کے لئے کنواری لڑکیوں جوان و پردہ دار اور حائضہ عورتوں کو نکلنے کا حکم دیتے تھے حائضہ عورتیں عیدگاہ سے باہر رہتیں اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتیں ان میں سے ایک نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو اس کی بہن اسے اپنی چادر ادھار دیدے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ ابْنَةِ سِيرِينَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ بِنَحْوِهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أُمِّ عَطِيَّةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا الْحَدِيثِ وَرَخَّصَ

اسی طرح بیان کیا احمد بن منیع نے بیان کیا ہشیم بن ہشام سے انہوں نے حفصہ بنت سیرین سے انہوں نے ام عطیہ سے اسی طرح اس باب میں حضرت ابن عباسؓ اور جابرؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ام عطیہ حسن صحیح ہے بعض اہل علم اسی پر عمل کرتے ہوئے عورتوں کو عیدین کے لئے

لِلنِّسَاءِ فِي الْخُرُوجِ إِلَى الْعِيدَيْنِ وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ أَكْرَهُ الْيَوْمَ الْخُرُوجَ لِلنِّسَاءِ فِي الْعِيدَيْنِ فَإِنْ أَبَتِ الْمَرْأَةُ إِلَّا أَنْ تَخْرُجَ فَلْيَأْذَنْ لَهَا زَوْجُهَا أَنْ تَخْرُجَ فِي أَطْمَارِهَا وَلَا تَتَزَيَّنَ فَإِنْ أَبَتْ أَنْ تَخْرُجَ كَذٰلِكَ فَلِلزَّوْجِ أَنْ يَمْنَعَهَا عَنِ الْخُرُوجِ وَيُرْوَى عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ لَوْ رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَيُرْوَى عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ أَنَّهُ كَرِهَ الْيَوْمَ الْخُرُوجَ لِلنِّسَاءِ إِلَى الْعِيدِ.

جانے کی اجازت دیتے ہیں اور بعض اسے مکروہ سمجھتے ہیں ابن مبارکؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا آج کل میں عیدین کیلئے عورتوں کا گھر سے نکلنا مکروہ سمجھتا ہوں لیکن اگر وہ نہ مانے تو اس کا شوہر اسے میلے کپڑوں میں بغیر زینت کے نکلنے کی اجازت دے دے اور اگر زینت کرے تو اس کے شوہر کو اسے نکلنے سے منع کر دینا چاہیے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کی ان چیزوں کو دیکھتے جو انہوں نے نئی نکالی ہیں تو انہیں مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا سفیان ثوریؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ عورتوں کو عیدین کے لئے نکلنا مکروہ سمجھتے تھے۔

تشریح: **العواتق:** عاتق کی جمع ہے وہ لڑکی جو بلوغت تک پہنچ جائے بعض نے کہا وہ لڑکی جس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ بعض نے کہا جو بالغ ہو یا قریب البلوغ ہو۔ اس سے مراد گھر والوں کے نزدیک قابل عزت لڑکی۔

والخدور: بالضم جمع خدر ستر فی ناحیة البیت تقعد البکر وراءھا باکرہ عورت کا گھر کے کونے میں پردہ اختیار کرنا۔

اس باب میں عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کے جواز اور عدم جواز کے متعلق مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔

مسئلہ خروج النساء فی العیدین: اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال وآراء مختلف ہیں۔ **قول اوّل:** امام ابوحنیفہؒ سے اس بارے میں دونوں طرح کی روایات آتی ہیں اجازت کی بھی اور ممانعت کی بھی، کیونکہ احادیث میں دو طرح کی روایات مروی ہیں۔ جیسا کہ حدیث الباب میں اجازت ہے اور حدیث عائشہؓ میں ممانعت معلوم ہوتی ہے **لو ادرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن كما منعت نساء بني اسرائيل.** نیز چونکہ اس زمانے میں فتنہ وشر اور زیادہ ہیں برخلاف پہلے زمانے کے۔

قول ثانی: امام ابو یوسفؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جوان عورت کو عیدگاہ نہیں جانا چاہیے البتہ بوڑھی عورت جا سکتی ہے۔ امام محمدؒ سے اس بارے میں کچھ مروی نہیں۔ **قول ثالث:** ابن المبارکؒ کا قول ہے کہ اگر عورت اپنے روزمرہ کاموں کے (میلے) کپڑوں میں عیدگاہ جانے پر اصرار کرے تو خاوند کو اجازت دے دینی چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ خوب تیار ہو کر لوگوں کو اپنا لباس دکھانے کی غرض ہو تو خاوند نہ جانے دے۔ **قول رابع:** سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے لئے عیدگاہ جانا مکروہ ہے۔

قول خامس: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں عورتوں کو مسجد وعیدگاہ کے لئے نکلنے کی اجازت تھی تاکہ مسلمانوں کی کثرت ظاہر ہو اور دشمن پر رعب طاری ہو۔ اس لئے سب کے لئے عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم تھا۔ موجودہ زمانہ میں چونکہ یہ بات نہیں رہی اس لئے عورتوں کا عیدگاہ کے لئے نکلنا درست نہیں۔

جواز کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ جو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ ہمیں عیدگاہ میں لے جایا کرتے

تھے۔الخ۔اس حدیث سے جواز خروج النساء الی العیدین والجمعۃ ثابت ہوتا ہے۔

اور یہی حدیث غیر مقلدین کی مضبوط ترین دلیل ہے۔اسی حدیث کی بناء پر وہ عورتوں کو مسجد میں لانے پر اصرار کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا اور مسجد نبوی میں عورتیں نماز کے لئے آیا کرتی تھیں۔لہٰذا آج بھی عورتوں کو مسجد اور عیدگاہ جانا چاہیے۔

اس حدیث سے مطلقاً عورتوں کا مسجد اور عیدگاہ میں نماز کے لئے آنے کا جواز نہیں بنا سکتے کیونکہ اس زمانے میں عورتیں اجتماعات میں جو آتی تھیں تو نماز پڑھنے کی وجہ سے نہیں آتی تھیں بلکہ تعلیم کے لئے آتی تھیں اس پر دلیل بھی یہی حدیث ہے کہ ایسے اجتماعات میں حائضہ اور نفاس والی عورتیں بھی جایا کرتی تھیں اگر نماز کے لئے جاتی تھیں تو ان عورتوں پر تو نماز فرض نہیں پھر یہ کس لئے جاتی تھیں۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مقصود عورتوں کی تعلیم تھی نہ کہ نماز کے لئے جاتی تھیں۔

وجہ اس کی یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ سب کو دین سکھا رہے تھے اس میں ہر شخص دین سیکھنے کا محتاج ہے خاص کر عیدین کے موقع پر آپ ﷺ ضروری ہدایات اور قیمتی نصائح بیان فرماتے تھے۔اسلئے ہر کسی کو عیدین جانے کا حکم تھا۔چونکہ اب وہ مقصد باقی نہیں رہا دین مکمل ہو چکا۔اسلئے اب عورتوں کا دین سیکھنے کیلئے عیدین اور جمعہ میں شمولیت ضروری نہیں اب وہ دین کتابی شکل میں آچکا ہے بچپن ہی سے بچے اسکو حاصل کرتے ہیں۔اور لوگوں کے احوال بھی بدل گئے ہیں آج کل عیدین یا جمعہ میں دین کی بات سننے کیلئے چند ہونگے لیکن جب نماز شروع ہونیوالی ہوگی تو مسجد بھر جائیگی۔جب مرد حضرات دین کا سننا اور اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو کیا خواتین اس عمل کو سرانجام دینگی؟

آپ ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں عورتیں آتی تھیں۔مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدیں اور بھی تھیں مگر عورتیں صرف مسجد نبوی میں آتی تھیں۔مدینہ کی دیگر مساجد میں شاذ ونادر ہی جاتی تھیں اگر مطلق مسجد میں جانا ضروری ہوتا تو عورتیں دیگر مساجد میں کیوں نہیں جاتی تھیں۔باقی رہی یہ بات کہ عورتیں مسجد نبوی میں کیوں آتی تھیں اس کی چند وجوہات تھیں۔ایک وجہ تو پہلے گزر چکی ہے کہ تعلیم کے حصول کیلئے آتی تھیں۔دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کی زیارت کیلئے آتی تھیں تیسرا یہ کہ جگہ کی برکت کی وجہ سے۔موجودہ دور میں اگر چہ پہلی دو وجوہات تو نہیں پائی جاتیں البتہ تیسری وجہ اب بھی باقی ہے۔اور دوسری آپ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کیلئے۔اور مسجد حرام میں عورتیں دو مقصد کے لئے آتی تھیں۔بیت اللہ کا طواف کرنے کیلئے، دوسرا جگہ کی برکت کے حصول کیلئے۔اب یہ دونوں باتیں اس دور میں بھی پائی جاتی ہیں۔یہ مصلحتیں دوسری مساجد میں تو نہیں پائی جاتیں۔مسجد نبوی میں دو مقاصد اب بھی موجود ہیں اسلئے عورتوں کو ان دو مساجد میں جانا چاہیے بلکہ ان کو وہاں جانے کی ترغیب بھی دیتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وہاں فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي خُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ وَرُجُوعِهِ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ وَاصِلِ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ وَأَبُو زُرْعَةَ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین کی نماز کے لئے ایک راستے سے جاتے اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے اس باب

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ فِي طَرِيقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَأَبِي رَافِعٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى أَبُو تُمَيْلَةَ وَيُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ فُلَيْحِ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ وَقَدِ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلْإِمَامِ إِذَا خَرَجَ فِي طَرِيقٍ أَنْ يَرْجِعَ فِي غَيْرِهِ اتِّبَاعًا لِهٰذَا الْحَدِيثِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَحَدِيثُ جَابِرٍ كَأَنَّهُ أَصَحُّ.

میں حضرت عبداللہ بن عمر اور ابورافع رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حسن غریب ہے اسی حدیث کو ابوتمیلہ اور یونس بن محمد، فلیح بن سلیمان سے وہ سعید بن حارث سے اور وہ جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں اہل علم کے نزدیک اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے عید کے لئے ایک راستے سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا مستحب ہے امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ گویا کہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: عید کی نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جاتے تو ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لے آتے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک یہ عمل مستحب ہے۔ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے ثابت نہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ حکم بادشاہوں اور امراء کے لئے ہو رعایا کے لئے نہ ہو۔

راستہ کی تبدیلی میں چند حکمتیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی ہوسکتی ہے تاکہ بہت سارے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا موقع مل سکے۔ اس لئے دونوں راستوں سے آتے جاتے تھے۔

بعض حضرات نے کہا کہ "**للتفاؤل بتغير الحال الى المغفرة والرضى**" نیک شگونی کیلئے کہ جس طرح ہم نے آنے جانے میں اپنی حالت کو بدل دیا اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے گناہوں کو مغفرت کی طرف اور اپنی ناراضگی کو رضا میں بدل دیا۔

وقيل لاظهار شوكة الاسلام اس عمل سے شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت وشوکت کا اظہار مقصود ہے۔ کیونکہ خلفاء اور سلاطین عیدین اور جمعہ میں شان وشوکت کے اظہار کے لئے بھی آتے تھے تاکہ غیر مسلم اقوام پر رعب پڑ سکے۔

علامہ یوسف بنوریؒ نے لکھا ہے کہ **منها لشهادة الطريقين**۔ دونوں راستوں کی شہادت کی وجہ سے کہ قیامت کے دن دونوں راستے گواہی دینگے۔ **ومنها لشهادة الانس والجن**۔ دونوں راستوں میں ملنے والے انس وجن بھی گواہی دینگے۔

ومنها لشهادة الملائكة الواقفين فى كل طريق۔ دونوں راستوں میں موجود فرشتے بھی گواہی دیں گے۔

ومنها لاغاظة المنافقين أو اليهود۔ یہود ومنافقین کو غصہ دلانے کے لئے آپ راستہ بدل دیتے تھے۔

ومنها لاظهار ذكر الله۔ اللہ کے ذکر کے اظہار کے لئے ایسا کرتے تھے۔ (معارف السنن جلد ۴ ص ۴۴۹۔۴۵۰)

موجودہ دور میں امراء کے لئے راستہ بدل دینے میں دو حکمتیں ہیں۔

① امیر کی جان کی حفاظت، جب کسی حملہ آور کو معلوم ہی نہیں ہوگا کہ امیر کس راستے سے جائے گا اور کس راستے سے لوٹے گا تو حملہ آور کہاں چھپ کر بیٹھے گا۔ ② امراء کو دیکھنے اور ملنے کے لئے لوگ غیر معمولی جذبہ رکھتے ہیں تو ان کی بھیڑ سے بچنے کے لئے امراء کو الگ الگ راستے اختیار کرنے چاہئیں۔ تاکہ جان بھی سلامت رہے اور راستہ میں لوگوں کا رش بھی نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْخُرُوجِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ ثَوَابِ بْنِ عُتْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يُصَلِّيَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ بُرَيْدَةَ بْنِ حُصَيْبٍ الْأَسْلَمِيِّ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ لَا أَعْرِفُ لِثَوَابِ بْنِ عُتْبَةَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَدِ اسْتَحَبَّ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا يَخْرُجَ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ شَيْئًا وَيُسْتَحَبُّ لَهُ أَنْ يُفْطِرَ عَلَى تَمْرٍ وَلَا يَطْعَمَ يَوْمَ الْأَضْحَى حَتَّى يَرْجِعَ.

حضرت عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر کے لئے اس وقت تک نہ جاتے جب تک کچھ کھانہ لیتے جب کہ عیدالاضحیٰ میں اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک نماز نہ پڑھ لیتے اس باب میں حضرت علی اور انس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں بریدہ بن حصیب اسلمی کی حدیث غریب ہے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں میں ثواب بن عتبہ سے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتا بعض اہل علم کے نزدیک یہ مستحب ہے کہ عیدالفطر کے دن نماز سے پہلے کچھ کھالینا چاہئے اور کھجور کا کھانا مستحب ہے عیدالاضحیٰ میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ حَفْصِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُفْطِرُ عَلَى تَمَرَاتٍ يَوْمَ الْفِطْرِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْمُصَلَّى قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر کے دن نماز کے لئے نکلنے سے پہلے کھجوریں تناول فرماتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: عیدالفطر کے دن نماز کے لئے نکلنے سے پہلے کوئی چیز کھانا مسنون ہے اور عیدالاضحیٰ میں نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھانا مسنون ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ میں قربانی کرنے والوں کے لئے افضل یہ ہے کہ عید کے بعد قربانی کا گوشت کھائیں۔ جیسا کہ مغنی ابن قدامۃ میں امام احمدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ”**والاضحی لا یاکل فیه حتی یرجع اذا کان له ذبح لأنّ النبی ﷺ کان یاکل من ذبیحته وأذا لم یکن له ذبح لم یبال أن یأکل**“ (معارف السنن جلد ۴ ص ۴۵۱) اور جو حضرات قربانی نہیں کررہے ان کے لئے بھی امساک کرنا مسنون ہے۔

باقی قربانی والے دن پہلے کھانے کی ممانعت کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ کی طرف سے گوشت کی ضیافت ہے اور اس ضیافت میں شرکت ضرور ہونی چاہیے۔۔۔۔۔ رمضان والی عید میں علی الصبح کھانے کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ پورے رمضان میں انسان صبح سے روزہ میں ہوتا ہے کچھ نہیں کھاتا لیکن جب عید کا دن شروع ہوجاتا ہے تو گویا اللہ کی طرف سے ضیافت کا دن شروع ہوگیا۔ لہٰذا روزہ دار کو چاہیے کہ عید والے دن صبح صبح ہی اپنے رب کی ضیافت کو قبول کرے اور کچھ کھائے پھر عید کے لئے جائے۔

أَبْوَابُ السَّفَرِ

عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّقْصِيرِ فِي السَّفَرِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَبْدِ الْحَكَمِ الْوَرَّاقُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَافَرْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَكَانُوا يُصَلُّونَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ لَا يُصَلُّونَ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا و قَالَ عَبْدُ اللهِ لَوْ كُنْتُ مُصَلِّيًا قَبْلَهَا أَوْ بَعْدَهَا لَأَتْمَمْتُهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سُلَيْمٍ مِثْلَ هٰذَا وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ مِنْ آلِ سُرَاقَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَطِيَّةَ الْعَوْفِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَبَعْدَهَا وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصُرُ فِي السَّفَرِ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ وَالْعَمَلُ عَلَى مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ إِلَّا أَنَّ الشَّافِعِيَّ يَقُولُ التَّقْصِيرُ رُخْصَةٌ لَهُ فِي السَّفَرِ فَإِنْ أَتَمَّ الصَّلَاةَ أَجْزَأَ عَنْهُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا یہ حضرات ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور ان سے پہلے یا بعد میں کوئی نماز نہ پڑھتے عبداللہ فرماتے ہیں اگر میں ان سے پہلے یا بعد میں بھی کچھ پڑھنا چاہتا تو فرض ہی کو مکمل کر لیتا۔ اس باب میں حضرت عمر، علی، ابن عباس، انس، عمران بن حصین اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابن عمر کی حدیث حسن غریب ہے ہم اسے یحییٰ بن سلیم کی روایت کے علاوہ کچھ نہیں جانتے وہ اس کے مثل روایت کرتے ہیں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبیداللہ بن عمرو سے بھی مروی ہے وہ آل سراقہ کے ایک شخص سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ عطیہ عوفی، ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے دوران نماز سے پہلے اور بعد نفل نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں قصر نماز پڑھتے اسی طرح ابوبکرؓ، عمرؓ اور اسی طرح حضرت عثمانؓ بھی اپنے دور خلافت کے اوائل میں قصر ہی پڑھتے اکثر علماء اور صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ سفر میں پوری نماز پڑھتی تھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی حدیث پر ہی عمل ہے امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے مگر امام شافعیؒ قصر کو سفر میں اجازت پر محمول کرتے ہیں یعنی اگر وہ نماز پوری پڑھ لے تو بھی جائز ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ الْقُرَشِيُّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ قَالَ سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ عَنْ صَلَاةِ الْمُسَافِرِ فَقَالَ حَجَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَحَجَجْتُ مَعَ أَبِي بَكْرٍ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُثْمَانَ سِتَّ سِنِينَ مِنْ خِلَافَتِهِ أَوْ ثَمَانِ سِنِينَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابونضرہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسافر کی نماز کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور حج کیا میں نے ابوبکرؓ کے ساتھ تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں اور حج کیا میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ تو انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور خلافت میں سات یا آٹھ سال حج کیا آپ ﷺ نے بھی دو ہی رکعتیں پڑھیں امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ أَنَّهُمَا سَمِعَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعت ادا کی پھر ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے آپ ﷺ کو رب العالمین کے علاوہ کسی کا خوف نہ تھا اور راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: یہاں سے امام ترمذیؒ ابواب السفر کو بیان کررہے ہیں۔ یہاں امام ترمذیؒ ایک اختلافی مسئلہ بیان کررہے ہیں۔

مسئلہ: سفر میں قصر کرنا رخصت ہے یا عزیمت؟ مسئلہ یہ ہے کہ سفر میں چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا رخصت ہے یا عزیمت یا اس طرح تعبیر کریں کہ قصر ضروری ہے یا قصر اور اتمام دونوں کرسکتے ہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفر میں قصر عزیمت یعنی قصر کرنا واجب ہے اور اس کو چھوڑ کر نماز کا اتمام کرنا جائز نہیں۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی بھی ایک ایک روایت اسی کے مطابق ہے جبکہ ان کی دوسری روایت میں قصر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک قصر کرنا رخصت ہے اور اتمام عزیمت یعنی افضل ہے۔

مذاہب میں امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ کا قول شوافع کے ساتھ نقل کیا ہے حالانکہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمدؒ کا قول احناف کے ساتھ ہے جیسا کہ ذکر کردیا گیا۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت سے ہے ”واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح أن

تقصروا من الصلوۃ"۔ اس آیت میں "فلیس علیکم جناح" کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ الفاظ اباحت کے لئے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ وجوب کے لئے۔

جواب اوّل: یہاں نفی جناح ایک ایسی تعبیر ہے جو واجب پر بھی صادق آتی ہے یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سعی کے بارے میں فرمایا گیا "فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ أن یطوف بھما" حالانکہ سعی بالاتفاق واجب ہے۔

جواب ثانی: یہ آیت قصر کے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق صلوۃ خوف سے ہے اور اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ گویا اس آیت میں قصر سے مراد قصر فی الکیفیت ہے نہ کہ قصر فی الکمیت اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے یہ الفاظ آئے ہیں إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا۔

دلیل ثانی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "قالت کل ذالک قد فعل رسول اللہ قصر الصلوۃ واتم" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر بھی کیا اور اتمام بھی۔

جواب اوّل: بات ٹھیک ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتمام کیا حضر میں اور قصر کیا سفر میں اس میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔

جواب ثانی: یہ حدیث سنداً کمزور ہے لہٰذا دیگر احادیث کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جواب ثالث: حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ معنی نہیں کہ کبھی قصر کرتے تھے اور کبھی پوری نماز پڑھتے تھے بلکہ اس کا معنی ہے کہ قصر والی نمازوں میں قصر کرتے اور غیر قصری کو پورا پڑھتے یعنی ظہر، عصر اور عشاء میں قصر ہوتا تھا، فجر و مغرب میں قصر نہیں ہوتا تھا۔

جواب رابع: حدیث عائشہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فعل کی ایک توجیہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی والے کام کو اختیار کیا جبکہ ان دونوں حضرات نے اپنے اوپر شدت کو اختیار کیا۔

دلیل ثالث: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول خلافت کے آخری دور میں اتمام کا تھا جب حج میں تشریف لاتے تو منیٰ میں اتمام کرتے حالانکہ آپ رضی اللہ عنہ مسافر ہوتے۔

جواب اوّل: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اوّل زمانہ میں قصر پر مداومت کرنا اور اخیر دور میں مداومت نہ کرنا یہ کسی عذر کی وجہ سے تھا۔

جواب ثانی: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں نکاح کیا تھا فرماتے ہیں کہ میں وہیں مقیم ہو گیا۔

جواب ثالث: کبھی یہ فرماتے کہ میں نے مکہ مکرمہ میں طائف کے اندر زمین خرید لی۔

جواب رابع: سداً لباب الفساد اتمام کیا کہ لوگ باہر سے آتے رہتے ہیں کہیں لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ظہر و عصر و عشاء کے فرض دو ہی ہیں۔

جواب خامس: بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد تھا کہ قصر کو اس وقت واجب قرار دیتے تھے جب مشقت ہو۔

دلیل رابع: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ میں جاتی تھیں تو اتمام کرتی تھیں۔

جواب اوّل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تو ام المؤمنین ہوں جہاں جاؤں سب مسلمان میری اولاد ہیں اسلئے مقیم ہوں۔

جواب ثانی: ان کا اجتہاد یہ تھا کہ قصر مقید ہے مشقت کی قید کے ساتھ، یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا۔

دلیل خامس: دارقطنی میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت ہے "**ان النبی ﷺ کان یقصر فی السفر ویتم**"۔

جواب اوّل: "**یقصر**" کے الفاظ اور قصر کا تعلق رباعیہ نمازوں سے ہے جن میں قصر ہوتا ہے۔

جواب ثانی: یہ ابتدائی دور کا حکم تھا بعد میں قصر کا وجوب آیا۔

دلیل سادس: بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے: **قَالَ: صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ بِمِنًی رَکْعَتَیْنِ وَاَبُوْ بَکْرٍ بَعْدَہٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِہٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بَعْدُ اَرْبَعًا فَکَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰی مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰی اَرْبَعًا وَاِذَا صَلَّاھَا وَحْدَہٗ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ.**

جواب: حضرت عثمان ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کے فعل سے استدلال کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ حضرات خود کسی دلیل کی وجہ سے اتمام فی السفر نہیں کرتے تھے بلکہ تاویل و اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

الحاصل اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر صلوٰۃ کفار کے خوف پر محمول نہیں بلکہ یہ اللہ کی جانب سے ایک آسانی ہے جو مسلمانوں کو سفر جیسی مشقت میں دی گئی ہے لہٰذا بندوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ قصر عزیمت ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے **عن ابن عمر قال: سافرت مع النبی ﷺ و ابی بکر و عمر و عثمان ؓ فکانوا یصلون الظھر والعصر رکعتین رکعتین لا یصلون قبلھا ولا بعدھا**۔ ترجمہ متن میں ذکر کیا جاچکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی مدت العمر میں کبھی اتمام نہیں کیا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر ؓ نے بھی اتمام نہیں کیا۔ ان حضرات کا اتمام نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اتمام کرنا جائز نہیں اگر اتمام کرنا جائز ہوتا تو ایک آدھ بار تو ایسا کر دیتے۔

دلیل ثانی: بخاری و مسلم شریف میں حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے **عن عائشۃ ؓ فرضت الصلوٰۃ رکعتین ثم ھاجر النبی ﷺ ففرضت اربعًا و ترکت صلوٰۃ السفر علی الاولی** کہ نماز ابتداءً دو دو رکعت فرض ہوگی پھر حضر کی نماز کو چار رکعت کر دیا گیا۔ سفر کی نماز اسی طرح دو دو رکعت رہی معلوم ہوا کہ سفر کی فرض نماز دو رکعت ہی فرض ہوئی ہے۔ لہٰذا جس طرح حضر کی نماز میں اضافہ جائز نہیں اسی طرح سفر کی نماز میں اضافہ جائز نہیں۔

دلیل ثالث: **عن ابن عمر قال صلوٰۃ السفر رکعتان و صلوٰۃ الجمعۃ رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد** کہ سفر کی نماز، جمعہ کی نماز، دو دو رکعات ہیں بغیر قصر کے۔ آپ ﷺ کا یہی ارشاد مبارک ہے۔ جب نماز جمعہ میں زیادتی جائز نہیں تو سفر کی نماز میں بھی زیادتی جائز نہیں۔

دلیل رابع: **عن صفوان بن محرز انہ سأل ابن عمر ؓ عن الصلوٰۃ فی السفر فقال اخشی ان تکذب علی رکعتان من خالف السنۃ کفر**۔ صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ سے سفر کی نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ دو رکعات پر جھوٹ بولوں اور سنت کی مخالفت کرنا کفر ہے۔

دلیل خامس: **عن یعلی بن امیۃ قال قلت لعمر بن الخطاب ؓ انما قال اللہ تعالیٰ ان تقصروا من الصلوٰۃ ان**

خفتم ان یفتنکم الذین کفروا فقد امن الناس قال عمر رضی اللہ عنہ عجبت مما عجبت منه فسألت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته. اقبلوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

دلیل سادس: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما من صلی فی السفر اربعًا کمن صلی فی الحضر رکعتین. (مسند احمد)

بَاب مَا جَاءَ فِي كَمْ تُقْصَرُ الصَّلَاةُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي إِسْحٰقَ الْحَضْرَمِيُّ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ كَمْ أَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ قَالَ عَشْرًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَقَامَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ تِسْعَ عَشْرَةَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ إِذَا أَقَمْنَا مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ صَلَّيْنَا رَكْعَتَيْنِ وَإِنْ زِدْنَا عَلَى ذٰلِكَ أَتْمَمْنَا الصَّلَاةَ وَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَقَامَ عَشْرَةَ أَيَّامٍ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَقَامَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَرُوِيَ عَنْهُ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ وَرُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ قَالَ إِذَا أَقَامَ أَرْبَعًا صَلَّى أَرْبَعًا وَرَوَى ذٰلِكَ عَنْهُ قَتَادَةُ وَعَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ وَرَوَى عَنْهُ دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ خِلَافَ هٰذَا وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ بَعْدُ فِي ذٰلِكَ فَأَمَّا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ فَذَهَبُوا إِلَى تَوْقِيتِ خَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالُوا إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَقَالَ الْأَوْزَاعِيُّ إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ أَرْبَعَةٍ أَتَمَّ الصَّلَاةَ وَأَمَّا إِسْحٰقُ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں راوی نے حضرت انس سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنے دن مکہ میں قیام کیا انہوں نے فرمایا دس دن۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور جابر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث انس حسن صحیح ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اسفار میں انیس دن تک قیام کیا اور دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے چنانچہ اگر ہمارا قیام انیس دن یا اس سے کم مدت کا ہو تو ہم بھی قصر ہی پڑھیں گے اور اگر اس سے زیادہ کا ہو تو پوری نماز پڑھیں گے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو دس دن قیام کرے وہ پوری نماز پڑھے حضرت ابن عمر پندرہ دن اور دوسری روایت میں بارہ دن قیام کرنے والے کے متعلق پوری نماز کا حکم دیتے تھے قتادہ اور عطاء خراسانی نے سعید بن مسیب سے روایت کیا کہ جو شخص چار دن تک قیام کرے وہ چار رکعتیں ادا کرے داؤد بن ابی ہندان سے اس کے خلاف روایت کرتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا مذہب ہے کہ اگر پندرہ دن قیام کی نیت ہو تو پوری نماز پڑھے امام اوزاعی بارہ دن قیام کی نیت پر پوری نماز پڑھنے کے قائل ہیں امام شافعی، مالک اور احمد کا یہ قول ہے کہ اگر چار دن رہنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے اسحاق کہتے ہیں کہ اس باب میں قوی ترین مذہب حضرت ابن

فَرَاى أَقْوَى الْمَذَاهِبِ فِيهِ حَدِيثَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لِأَنَّهُ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَأَوَّلَهُ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَجْمَعَ عَلَى إِقَامَةِ تِسْعَ عَشْرَةَ أَتَمَّ الصَّلَاةَ ثُمَّ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ لِلْمُسَافِرِ أَنْ يَقْصُرَ مَا لَمْ يُجْمِعْ إِقَامَةً وَإِنْ أَتَى عَلَيْهِ سِنُونَ.

عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اسی پر عمل پیرا ہیں کہ اگر انیس دن قیام کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اگر رہنے کی مدت متعین نہ ہو تو قصر ہی پڑھنی چاہئے اگر چہ سال گزر جائیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَصَلَّى تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّي فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ تِسْعَ عَشْرَةَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَإِذَا أَقَمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر کیا اور انیس دن تک قصر نماز (دو دو رکعات) پڑھتے رہے ابن عباس کہتے ہیں ہم بھی اگر انیس دن سے کم قیام کریں تو قصر نماز (دو دو رکعات) پڑھتے ہیں اور اس سے زیادہ ٹھہریں گے تو چار رکعتیں پڑھیں گے امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے

تشریح: امام ترمذیؒ نے کم ممیز کی تمیز ذکر نہیں کی، اس لئے اس باب میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ کہ مراد اس سے مدت سفر ہے کہ آدمی کسی مقام پر کتنے دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مسافر رہے گا اور کتنی مدت ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا؟

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے مقدار سفر مراد ہے کہ کتنی مقدار کا سفر ہو تو قصر کرے گا دونوں مسائل میں اختلاف ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے پہلے احتمال کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ کا مقصود بھی احتمال اوّل والا مسئلہ بیان کرنا ہے۔

مسئلہ: مدت قصر کتنی ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں:۔

قول اوّل: سفیان ثوریؒ، امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا اس سے کم ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مسافر ہی رہے گا۔

قول ثانی: امام اوزاعیؒ کے نزدیک بارہ دن اقامت کی نیت قصر کو باطل کر دیتی ہے لہٰذا ایسا شخص مقیم شمار ہوگا۔

قول ثالث: امام اسحاقؒ کے نزدیک انیس دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو وہ مقیم شمار ہوگا۔

قول رابع: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک چار دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو مقیم شمار ہوگا ورنہ مسافر شمار ہوگا۔

قول خامس: حضرت ربیعہ الرائی کے نزدیک ایک دن ایک رات کی اقامت کی نیت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: ان کا استدلال حضرت سعید بن المسیبؒ کے اثر سے ہے **انه قال اذا اقام اربعًا صلی اربعًا وروی ذٰلك عنه قتادة وعطاء الخراسانی۔**

دلیل ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں چار دن تک ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے معلوم ہوا کہ اس

سے زیادہ قصر باطل ہوجاتی ہے۔

جواب: ان دونوں واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تین یا چار دن ٹھہرنا مطلوب ہو تو اتنے قیام سے انسان مقیم نہیں بنتا۔ اس سے زیادہ ٹھہرنے کی صورت میں مقیم بنتا ہے یا نہیں اس سلسلے میں یہ حدیث ساکت ہے۔

امام اسحاق کی دلیل: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال سافر رسول اللہ ﷺ سفرًا فصلی تسعة عشر یومًا رکعتین رکعتین۔

جواب اوّل: ممکن ہے قیام ایک جگہ پر نہ ہو بلکہ انتظام کے سلسلے میں کبھی کہیں ٹھہرتے ہوں اور کبھی کہیں جبکہ قصر کیلئے ایک ہی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرنا ضروری ہے۔

جواب ثانی: درمیان میں عرفات، منٰی، مزدلفہ وغیرہ جانے کا ارادہ تھا اسلئے پندرہ دن کی اقامت کی نیت نہ ہوسکی۔

جواب ثالث: یہ بھی ممکن ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ تھی یہی خیال تھا کہ آج کل چلے جائیں گے لیکن مشغولی کی وجہ سے نہ جاسکے اور آج کل میں جانے کا ارادہ ہو تو ۱۹ دن کیا ۱۹ ماہ بھی ٹھہر سکتا ہے اور قصر کرسکتا ہے۔ دیکھئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چھ ماہ آذربائیجان ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے آج کل کرتے کرتے اتنا عرصہ گزر گیا چنانچہ تبلیغی جماعت کی ایک علاقے میں ۱۵ دن سے زائد کی تشکیل ہو تو مقیم ہوں گے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مجاہدؒ سے ابن عمرؓ کی روایت منقول ہے "کان اذا اجمع علی اقامة خمسة عشر یومًا اتم الصلوٰة"۔

دلیل ثالث: طحاوی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے۔ اذا قدمت بلدة و انت مسافر و فی نفسك ان تقیم خمسة عشر یومًا فاکمل الصلوٰة۔

مسئلہ ثانیہ: مسافت قصر کی تحقیق؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ تین دن کی مسافت موجب قصر ہے یہی قول حضرت عثمان بن عفان، ابن مسعود، سوید بن غفلہ، حذیفہ بن یمان، والشعبی، والنخعی، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، ابوقلابۃ والثوری وابن حیی وشریک بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل مسافت ہے۔

قول ثالث: اہل ظواہر کے نزدیک سفر کی کوئی مقدار مقرر نہیں بلکہ قصر کے لئے مطلق سفر کا پایا جانا کافی ہے۔

اہل ظواہر کا استدلال: سنن ابوداؤد شریف جلد اوّل صفحہ ۱۷۰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ اذا خرج مسیرة ثلاثة امیال او ثلاثة فراسخ یصلی رکعتین۔

جواب: اس کا مطلب یہ نہیں کہ تین میل کے سفر میں قصر فرما لیتے تھے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سفر تو تین میل سے زیادہ کا ہوتا ہے لیکن آپ تین میل یا تین فرسخ ہی کے فاصلے پر قصر پڑھنا شروع کردیتے تھے۔

بہرحال اس مسئلہ میں کوئی مرفوع حدیث موجود نہیں البتہ احناف کے مسلک پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار موجود ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّطَوُّعِ فِي السَّفَرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ أَبِي بُسْرَةَ الْغِفَارِيِّ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ الرَّكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْبَرَاءِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَلَمْ يَعْرِفِ اسْمَ أَبِي بُسْرَةَ الْغِفَارِيِّ وَرَآهُ حَسَنًا وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلَاةِ وَلَا بَعْدَهَا وَرُوِيَ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ ثُمَّ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَى بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَطَوَّعَ الرَّجُلُ فِي السَّفَرِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَلَمْ تَرَ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُصَلِّيَ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا وَمَعْنَى مَنْ لَمْ يَتَطَوَّعْ فِي السَّفَرِ قَبُولُ الرُّخْصَةِ وَمَنْ تَطَوَّعَ فَلَهُ فِي ذٰلِكَ فَضْلٌ كَثِيرٌ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ التَّطَوُّعَ فِي السَّفَرِ

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کئے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زوال آفتاب کے وقت ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث براء رضی اللہ عنہ غریب ہے میں نے امام بخاریؒ سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے لیث بن سعد کی روایت کے علاوہ اسے نہیں پہچانا انہیں ابوبسرہ غفاری کا نام معلوم نہیں لیکن انہیں اچھا سمجھتے ہیں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے دوران نماز سے پہلے یا بعد نوافل نہیں پڑھتے تھے انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں نفل نماز پڑھتے تھے اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض صحابہ سفر میں نوافل پڑھنے کے قائل ہیں امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے جبکہ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے کہ نماز سے پہلے یا بعد کوئی نوافل نہ پڑھے جائیں چنانچہ جو لوگ ممانعت کرتے ہیں وہ حضرات رخصت پر عمل پیرا ہیں اور جو پڑھ لے اس کے لئے بہت بڑی فضیلت ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے کہ سفر میں نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ عَطِيَّةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطِيَّةَ وَنَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھیں امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اس سے ابن ابی لیلیٰ نے عطیہ سے اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ هَاشِمٍ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطِيَّةَ وَنَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر اور حضر میں

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ لَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ مَا رَوَى ابْنُ أَبِي لَيْلَى حَدِيثًا أَعْجَبَ إِلَيَّ مِنْ هٰذَا

نمازیں پڑھیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضر میں چار رکعت اور اسکے بعد دو رکعتیں پڑھتے اور سفر میں ظہر کی دو اور اس کے بعد بھی دو رکعتیں پڑھتے تھے پھر عصر کی دو رکعتیں پڑھتے اور ان کے بعد کچھ نہ پڑھتے جبکہ مغرب کی نماز سفر وحضر میں تین رکعت ہی ہے اس میں کوئی کمی نہیں اور یہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعتیں پڑھتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ابن ابی لیلی کی کوئی روایت اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔

تشریح: **مسئلہ اولیٰ: سفر میں نوافل کے بارے میں کیا حکم ہے؟** اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام نوویؒ اور ان کے متبعین سے تین طرح کی روایات مروی ہیں۔ ① مطلقاً منع ہے۔ ② مطلقاً جواز کا قول ہے۔ ③ سنن رواتب اور مطلق نوافل کے بارے میں فرق ہے۔ یہی قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں سند صحیح کے ساتھ روایت ہے **عن مجاهد قال: صحبت ابن عمر من المدينة الى مكة و كان يصلي تطوعا على دابته حيث ما توجهت به فاذا كانت الفريضة نزل فصلي۔**

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ج ۲ ص ۴۷۶ میں چوتھا قول بھی نقل کیا ہے وہ ہے رات اور دن کے مطلق نوافل میں فرق۔

پانچویں قول میں سنن قبلیہ اور سنن بعدیہ کا فرق بیان کیا ہے۔ سنن قبلیہ تو جائز ہیں اور سنن بعدیہ جائز نہیں ہیں۔

قول ثانی: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، ابوثورؒ، ابن المنذرؒ کے نزدیک فرائض سے قبل اور فرائض کے بعد سنن پڑھ سکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں۔ (کمافی المغنی لابن قدامۃ جلد ۲ ص ۱۴۱)

قول ثالث: احناف کے نزدیک اس کے متعلق کچھ مروی نہیں البتہ متاخرین احناف کا قول یہ ہے کہ حالت قرار میں تو سنتیں پڑھ لے البتہ حالت فرار میں سنتیں چھوڑ دے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو شخص دن رات میں ۱۲ رکعات ادا کرلے اللہ پاک اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں اس سے مراد سنن مؤکدہ ہیں اور یہ فضیلت سفر وحضر دونوں کو شامل ہے۔

دلیل ثانی: لیلۃ التعریس کا قصہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے ساتھ سنتیں بھی پڑھوائی تھیں۔

دلیل ثالث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ترمذی شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی سنتیں سفر وحضر میں پڑھیں۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ کی دلیل اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم سفر میں دو رکعتوں سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ **دلیل ثانی:** اگر سنتیں مشروع ہوتیں تو فرائض کو ہی مکمل کیوں نہ کرلیا گیا۔

جواب اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان حضرات کو پڑھتے نہیں دیکھا اس لئے نفی کر دی۔

جواب ثانی: بیانِ جواز اور تنگیٔ وقت کی وجہ سے آپ نے ترک کی ہوں گی۔

سوال: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں اختلاف واقع ہو گیا کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ پڑھتے تھے اور بعض میں ہے کہ نہیں پڑھتے تھے۔ **جواب:** بعض اوقات وہ پڑھ لیتے تھے اور بعض اوقات نہیں بھی پڑھتے تھے۔ الحاصل اس میں دونوں طرح کی روایات ہیں۔ تفصیل اس طرح ہے کہ اگر وقت میں وسعت ہے یا کہیں قیام ہے تو سنن مؤکدہ پڑھنا افضل ہے اور اگر وقت میں تنگی ہے اور جلدی ہے تو پھر چھوڑنے کی اجازت ہے۔

وروی عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یتطوع فی السفر قبل الصلٰوۃ ولا بعدھا.

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول **لا یتطوع فی السفر** کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں سنتیں نہ پڑھے تو اس کی گنجائش ہے یعنی وہ شریعت کی دی ہوئی سہولت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جو شخص سنتیں ادا کرلے تو اس کے لئے ثواب ہے۔ اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ سفر میں سنتیں پڑھنا جائز نہیں۔ اکثر علماء سفر میں سنتیں پڑھنا پسند کرتے ہیں۔

آگے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جو روایت آگے آ رہی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ لیکن اس میں دو راوی حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ عوفی ضعیف ہیں مگر دونوں کے متابع موجود ہیں۔ حجاج کے متابع ابن ابی لیلی صغیر اور عطیہ عوفی کے متابع نافع ہیں۔

اسی طرح عصر کی دو رکعتیں ادا کیں اور اس کے بعد کچھ نہیں پڑھا اور مغرب سفر و حضر میں یکساں ہے نہ حالت اقامت میں اس میں کمی ہوئی اور نہ ہی حالت مسافرت میں اور یہ دن کے وتر ہیں۔

گویا مغرب کی نماز کو باقی نمازوں کے مقابلے میں دو خصوصیات حاصل ہیں۔ اوّل یہ کہ تمام نمازیں ابتداء میں دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں فجر کی نماز کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا گیا اور اس میں قراءت طویل کر دی گئی اور باقی نمازوں میں دو رکعتوں کا اضافہ کر دیا گیا (اور قراءت میں تخفیف کر دی گئی) سوائے مغرب کی نماز کے کہ اس میں دو رکعتوں کا اضافہ نہیں کیا گیا ورنہ یہ تین کے بجائے پانچ رکعت ہوتی اس طرح کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی بلکہ یہ شروع ہی سے تین رکعت فرض کی گئی اور تین ہی باقی رہی۔

دوسری خصوصیت مغرب کی نماز میں یہ ہے کہ یہ رات کے تین وتروں کی طرح دن کے وتر ہیں۔ لہٰذا جس طرح رات کے تین وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں اسی طرح دن کے تین وتر ایک سلام کے ساتھ ہیں گویا یہ ایک دوسرے کے مشاکلۃ مناسبت رکھتے ہیں۔ اور پھر رات و دن میں دو وتر اس لئے مشروع کئے گئے تا کہ پچاس کی تعداد پوری ہو جائے اس کی تفصیل ماقبل گزر چکی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک کے موقع پر اگر سورج ڈھلنے

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَيْغِ الشَّمْسِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى أَنْ يَجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ فَيُصَلِّيَهُمَا جَمِيعًا وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ زَيْغِ الشَّمْسِ عَجَّلَ الْعَصْرَ إِلَى الظُّهْرِ وَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيعًا ثُمَّ سَارَ وَكَانَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ الْمَغْرِبِ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْعِشَاءِ وَإِذَا ارْتَحَلَ بَعْدَ الْمَغْرِبِ عَجَّلَ الْعِشَاءَ فَصَلَّاهَا مَعَ الْمَغْرِبِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ قُتَيْبَةَ هَذَا الْحَدِيثَ وَحَدِيثُ مُعَاذٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ تَفَرَّدَ بِهِ قُتَيْبَةُ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنِ اللَّيْثِ غَيْرَهُ وَحَدِيثُ اللَّيْثِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَالْمَعْرُوفُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ حَدِيثُ مُعَاذٍ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ رَوَاهُ قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ الْمَكِّيِّ وَبِهَذَا الْحَدِيثِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَقُ يَقُولَانِ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي السَّفَرِ فِي وَقْتِ إِحْدَاهُمَا.

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ اسْتُغِيثَ عَلَى بَعْضِ أَهْلِهِ فَجَدَّ بِهِ السَّيْرُ فَأَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ أَخْبَرَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سے پہلے کوچ کرتے تو ظہر کو عصر تک موخر کر دیتے اور پھر دونوں نمازیں اکٹھی پڑھتے اور اگر زوال کے بعد کوچ کرتے تو عصر میں تعجیل کرتے اور ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے اور پھر روانہ ہوتے پھر مغرب سے پہلے کوچ کرنے کی صورت میں مغرب کو عشاء تک موخر کرتے اور مغرب کے بعد کوچ کرنے کی صورت میں عشاء میں جلدی کرتے اور مغرب ساتھ پڑھ لیتے اس باب میں حضرت علی، ابن عمر، انس، عبداللہ بن عمرو، عائشہ، ابن عباس، اسامہ بن زید اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث علی بن مدینی سے بھی مروی ہے وہ احمد بن حنبل سے اور وہ قتیبہ سے روایت کرتے ہیں معاذ کی حدیث حسن غریب ہے کیونکہ اس کی روایت میں قتیبہ منفرد ہیں ہمیں علم نہیں کہ لیث سے ان کے علاوہ کسی اور نے بھی روایت کی ہو لیث کی یزید بن ابی حبیب سے مروی حدیث غریب ہے وہ ابوطفیل سے اور وہ معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا اس حدیث کو قرہ بن خالد، سفیان ثوری، مالک اور کئی حضرات نے ابوزبیر مکی سے روایت کیا ہے امام شافعیؒ بھی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں اور احمد اور اسحاق کہتے ہیں کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کر کے ایک وقت میں پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ان کے بعض اہل واقارب کی طرف سے ان سے مدد مانگی گئی جس پر انہیں جلدی جانا پڑا انہوں نے مغرب کو شفق کے غائب ہونے تک موخر کیا اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھیں پھر لوگوں کو بتایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلدی ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: جمع بین الصلوٰتین کا حکم: جمع بین الصلوتین کی صورت: جمع کی دو قسمیں ہیں ① جمع حقیقی ② جمع صوری۔ پھر جمع حقیقی کی دو قسمیں ہیں ① جمع تقدیمی ② جمع تاخیری۔

جمع حقیقی تقدیمی: ظہر وعصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں پڑھا جائے اور مغرب وعشاء کی نماز کو مغرب کے وقت میں پڑھا جائے اس کو جمع تقدیمی کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے جمع تقدیمی کا انکار کیا ہے اور امام ابوداؤدؒ بھی فرماتے ہیں کہ جمع حقیقی تقدیمی ثابت نہیں۔

جمع تاخیری: ظہر وعصر کو عصر کے وقت میں اور مغرب اور عشاء کو عشاء کے وقت میں اداء کرنا۔

جمع صوری: ظہر وعصر کو اپنے اپنے وقت میں پڑھا جائے اس طور پر کہ ظہر کو ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو عصر کے اوّل وقت میں اسی طرح مغرب کو مغرب کے آخری وقت اور عشاء کو عشاء کے اوّل وقت میں پڑھا جائے۔

ان اقسام میں سے جمع صوری میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ جمع حقیقی دو مقامات پر بالاتفاق جائز ہے ① میدان عرفات میں ظہر وعصر کی جمع تقدیمی کی جاتی ہے ② اور مزدلفہ میں جمع تاخیری کہ مغرب وعشاء کو جمع کیا جاتا ہے۔ ان مقامات کے علاوہ جمع حقیقی بین الصلوٰتین جائز ہے کہ نہیں اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک جمع حقیقی جائز ہے اجمالاً تو سب کا اتفاق ہے لیکن تفصیل میں فرق ہے۔ امام مالکؒ کے ہاں سفر میں جلدی ہو تو جمع حقیقی کر سکتے ہیں اور سفر کو سب نے عذر قرار دیا اور بعض نے مرض کو بھی عذر قرار دیا ہے۔

قول ثانی: ائمہ احنافؒ کے نزدیک جمع حقیقی عرفات ومزدلفہ کے علاوہ کہیں بھی جائز نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: بخاری شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: **قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ وَّيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔**

دلیل ثانی: مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے "**کان اذا جد به السير جمع بين المغرب والعشاء بعد ما يغيب الشفق**"۔ تو جب "**مغرب بعد غيبوبة الشفق**" پڑھی گئی تو جمع حقیقی ہی ہوئی۔

دلیل ثالث: حدیث الباب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے "**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ زَيْغِ الشَّمْسِ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلٰى أَنْ يَّجْمَعَهَا إِلَى الْعَصْرِ**" انکے علاوہ اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں جمع کا ذکر ہے۔

جواب اوّل: یہ حدیث غریب ہے اور غریب ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔ ① لیث کا تلمیذ، قتیبہ ہے جو متفرد ہے حالانکہ لیث کے اور بھی شاگرد ہیں۔ ② قتیبہ کی سند میں ہے **عن يزيد بن ابی حبيب عن ابی الطفيل عن معاذ** رضی اللہ عنہ جبکہ مشہور سند یوں ہے **ابو الزبير عن ابی الطفيل عن معاذ**۔

③ اس کے متن میں بھی اختلاف ہے عام متن تو یوں ہے **ان النبی ﷺ جمع فی غزوة تبوك بين الظهر والعصر و بين المغرب والعشاء**۔ اس لئے حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے اور بعض نے اس کو مرفوع تک کہہ دیا۔

جواب ثانی: اس حدیث میں جمع صوری والی توجیہ چل سکتی ہے اس طرح کہ جب زوال سے پہلے سفر کر رہے ہوتے تو سفر کرتے رہتے نزول نہ فرماتے ظہر کے اخیر وقت میں نزول فرماتے اور ظہر بھی پڑھ لیتے اور عصر بھی پڑھ لیتے یہ تو جمع صوری ہے اور

جب زوال کے بعد سفر شروع کرنا ہوتا تو سفر نہ کرتے بلکہ آرام فرماتے یہاں تک کہ ظہر کا اخیر وقت ہو جاتا تو دونوں کو جمع کر لیتے ظہر کو آخری وقت میں اور عصر کو اوّل وقت میں ادا کرتے لیکن حدیث کے اوّل جملے اور ثانی جملہ میں تقابل ہے کہ پہلے جملہ میں ملتفت الیہ تاخیر ظہر ہے اور دوسرے جملے میں ملتفت الیہ تعجیل عصر ہے اس طرح دونوں جملوں میں تعارض آ رہا ہے۔

مشترکہ جواب: قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے اوقات کی تحدید ثابت ہے اور اخبار آحاد میں تغیر نہیں کر سکتے۔ ان دلائل کی روشنی میں ائمہ ثلاثہؒ کے مستدلات کا جواب یہ ہے کہ جمع بین الصلوتین کے وہ تمام واقعات جو حضور ﷺ سے ثابت ہیں ان میں جمع حقیقی مراد نہیں بلکہ جمع صوری مراد ہے۔ اور جمع صوری مراد ہونے پر بہت سے قرائن ہیں چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز مغرب پڑھ کر ذرا انتظار کر کے عشاء کی نماز پڑھتے، اسی طرح ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ نافع فرماتے ہیں **''ان مؤذن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال الصلوٰة قال سر سر حتی اذا کان قبل غیوب الشفق فصلی المغرب ثم انتظر حتی اذا غاب الشفق فصلی العشاء''** اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس میں جمع صوری مراد ہے نیز حضرت ابن عباس کی تفسیر بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں **''اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء... الخ''** (نسائی)۔ یہ تاخیر و تعجیل بھی جمع صوری کی صورت میں ہوتی ہے، جمع حقیقی کیلئے یہ الفاظ نہیں آتے۔

جمع صوری پر ایک اور مضبوط قرینہ ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ **''جمع رسول الله ﷺ بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء من غیر خوف ولا مطر''** یعنی جمع بین الصلوٰتین ہے لیکن نہ سفر ہے نہ خوف ہے نہ مطر ہے نہ مرض ہے حالانکہ مدینہ میں جمع بین الصلوٰتین بغیر کسی عذر کے جائز نہیں لہٰذا تم مجبوراً اسکو جمع صوری پر ہی محمول کرو گے۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۱۶۳)

احنافؒ کے دلائل: احنافؒ کی بہت سی دلیلیں ہیں جن میں قرآن کریم اور احادیث کلیہ اور تعامل امت ہیں۔

قرآن سے دلیل اوّل: **پہلی آیت:** **''ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا''** یعنی ہر نماز کے لئے معین وقت ہے اس کی ابتداء بھی ہے اس سے پہلے جائز نہیں اور انتہا بھی ہے کہ اس سے تاخیر کرنا جائز نہیں۔

دوسری آیت: **''حافظوا علی الصلوات والصلوٰة الوسطی''**۔

تیسری آیت: **''فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون''**۔

ان تمام آیات میں یہ بات واضح ہے کہ نماز کے اوقات مقرر ہیں اور ان کی محافظت واجب ہے اور خلاف ورزی باعث عذاب ہے نیز آیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے اور اخبار احاد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں خصوصاً جبکہ ان میں صحیح توجیہ کی گنجائش بھی موجود ہے۔

احادیث سے دلائل: **دلیل ثانی:** بخاری شریف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **''ما رایت النبی ﷺ صلی صلوٰة لغیر میقاتها الا صلوتین... الخ''**۔ یعنی عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ میں نے کبھی بھی آپ ﷺ کو ایسا نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز مقررہ وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں پڑھی ہو۔

دلیل ثالث: وہ احادیث ہیں جن میں نمازوں کو تاخیر سے پڑھنے کی وعید آئی ہے جب تاخیر سے پڑھنے کی اتنی وعید ہے تو وقت سے مؤخر کرنے کی کتنی بڑی وعید ہوگی۔

دلیل رابع: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**قال قال رسول الله ﷺ الیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة بأن یؤخر صلوٰة الی وقت صلوٰة اخری**" حدیث میں ایک نماز کو دوسری نماز تک مؤخر کرنے کو تفریط کہا گیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جمع بین الصلوٰتین حقیقۃً جائز نہیں۔

سوال: آگے مصنفؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سفروالی حدیث ذکر کی ہے جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے **اخر المغرب حتی غاب الشفق** مغرب کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھتے تھے تو یہاں پر تو جمع حقیقی معلوم ہوتی ہے۔

جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس سفر کے متعلق روایت میں یہ بھی ہے **کادان یغیب الشفق** پس یہ **غاب الشفق** بھی "**کادأن یغیب الشفق**" پر محمول ہے۔ یہاں بھی یہ جمع صوری بن گئی۔

سوال: پھر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے غیبوبت شفق کے بعد مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

جواب: شفق کا اطلاق حمرۃ پر بھی ہوتا ہے اور بیاض پر بھی تو ہوسکتا ہے یہاں بھی شفق سے مراد شفق احمر ہو تو جمع صوری یہاں بھی بن جائے گی۔

سوال: ایک روایت میں **حتی انتصف اللیل** کے الفاظ ہیں تو یہاں پر جمع حقیقی لازمی طور ہے اس میں تو کوئی تاویل ممکن نہیں۔ لہٰذا احناف اسے تسلیم کرلو۔ **جواب:** آثارالسنن میں اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے مصنف نے اس کو معلول قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهِمَا وَحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاسْتَسْقَى وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَآبِي اللَّحْمِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلَى هٰذَا الْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَاسْمُ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ هُوَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ عَاصِمٍ الْمَازِنِيُّ.

عباد بن تمیم اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے ساتھ بارش کی طلب کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھائیں جن میں بلند آواز سے قراءت کی پھر اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور بارش کے لئے دعا مانگی دراں حالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ تھے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، انس اور آبی لحم رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں عبداللہ بن زید کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے جن میں امام شافعی، احمد، اسحاق بھی شامل ہیں عباد بن تمیم کے چچا کا نام عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ عَنْ آبِي اللَّحْمِ أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ يَسْتَسْقِي وَهُوَ مُقْنِعٌ بِكَفَّيْهِ يَدْعُو قَالَ أَبُو عِيسَى كَذَا قَالَ قُتَيْبَةُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ آبِي اللَّحْمِ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ وَعُمَيْرٌ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ رَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ وَلَهُ صُحْبَةٌ

عمیر جو حضرت آبی اللحم کے آزاد کردہ ہیں اپنے مولیٰ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احجار زیت کے قریب بارش کے لئے دعا کرتے ہوئے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے ہوئے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قتیبہ نے بھی ابولحم سے روایت کرتے ہوئے اسی طرح بیان کیا ہے ان کی اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث کا ہمیں علم نہیں مولیٰ عمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی احادیث روایت کرتے ہیں اور وہ صحابی ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحٰقَ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ كِنَانَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَرْسَلَنِي الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَسْأَلُهُ عَنِ اسْتِسْقَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَضَرِّعًا حَتّٰى أَتَى الْمُصَلّٰى فَلَمْ يَخْطُبْ خُطْبَتَكُمْ هٰذِهِ وَلٰكِنْ لَمْ يَزَلْ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعِ وَالتَّكْبِيرِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ كَمَا كَانَ يُصَلِّي فِي الْعِيدِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے ولید بن عقبہ نے جبکہ وہ مدینہ کا امیر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز استسقاء کے بارے میں پوچھوں، میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ ﷺ بغیر زینت کے عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے نکلے یہاں تک کہ عیدگاہ پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے ان خطبوں کی طرح کوئی خطبہ نہیں پڑھا لیکن دعا عاجزی اور تکبیر کہتے ہوئے عید کی نماز کی طرح دو رکعت نماز پڑھی امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ كِنَانَةَ عَنْ أَبِيهِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ مُتَخَشِّعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ يُصَلِّي صَلَاةَ الِاسْتِسْقَاءِ نَحْوَ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ يُكَبِّرُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى سَبْعًا وَفِي الثَّانِيَةِ خَمْسًا وَاحْتَجَّ بِحَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرُوِيَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ لَا يُكَبِّرُ فِي صَلَاةِ الِاسْتِسْقَاءِ كَمَا يُكَبِّرُ فِي صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ

ہشام بن اسحاق بن عبداللہ بن کنانہ انہوں نے اپنے باپ سے اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ زیادہ بیان کئے ہیں متخشعا یعنی ڈرتے ہوئے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام شافعی کا یہی قول ہے کہ نماز استسقاء عید کی نماز کی طرح پڑھے پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے یہ ابن عباس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ مالک بن انس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا نماز استسقاء میں عید کی نماز کی طرح تکبیریں نہ کہے۔

تشریح: یہاں پر چند بحثیں ہیں:۔ ① الاستقاء کی کئی صورتیں ہیں۔ ② **صلوٰۃ الاستسقاء** مسنون ہے کہ نہیں؟ ③ **صلوٰۃ الاستسقاء** میں تکبیرات زوائد بھی ہیں یا نہیں۔ ④ تحویل رداء کا کیا حکم ہے؟

استقاء کے لغوی معنی ہیں **طلب السقیا، وھو المطر** بارش طلب کرنا۔

اصطلاح شرع میں استقاء کہا جاتا ہے "**طلب السقیا علی وجه مخصوص من الله تعالیٰ لانزال الغیث علی العباد و دفع الجدب والقحط من البلاد**"۔ بارش طلب کرنا اللہ تعالیٰ سے مخصوص طریقے سے تاکہ وہ اپنے بندوں پر بارش نازل کرے اور ان کے اوپر سے قحط کو دور کرے اور شہر سے بھی قحط ختم ہو۔

مسئلہ اولیٰ: **استقاء کی مختلف صورتیں:** ① پھر بارش کے طلب کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔ شہر یا بستی کے لوگ باہر نکل کر ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور سب مل کر دعا کریں جیسا کہ ایک حدیث ماقبل میں گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے ساتھ احجار الزیت نامی جگہ پر تشریف لے گئے اور خوب گڑگڑا کر بارش کے لئے دعا کی پھر واپس تشریف لے آئے۔

② دوسری صورت یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں بارش کے لئے دعا کی جائے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص خطبہ کے دوران آیا اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ پریشان ہیں جانور مر رہے ہیں قحط کا سامنا ہے بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے بارش کے لئے دعا فرمائی، دعا کا اثر یہ ہوا کہ لوگ بارش میں بھیگتے ہوئے گھروں کو چلے گئے اور پورا ہفتہ بارش ہوتی رہی اگلے جمعہ کو وہی شخص آیا یا کوئی اور شخص اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ بارش اتنی ہوگئی ہے کہ سیلاب کی صورت بن گئی ہے، مکان گرنے لگے ہیں۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ بارش کو روک دے۔ آپؐ نے پھر دعا فرمائی **اللّٰھم حوالینا لا علینا**۔ اے اللہ ہمارے اردگرد برسے ہم پر نہیں اور سر کے اوپر ہاتھ لے جا کر دائرہ کی شکل میں اشارہ کیا کہ مدینہ کے اردگرد برسے ہم پر نہیں چنانچہ فوراً بارش رک گئی اور بادل ہٹ گئے چاروں طرف بارش ہو رہی تھی اور مدینہ میں دھوپ آرہی تھی۔ دوسرا طریقہ یہی تھا کہ خطبہ کے دوران دعا کی جائے۔

③ تمام بستی اور شہر والے اکٹھے ہو کر عیدگاہ کی طرف یا میدان کی طرف نکلیں اور دو رکعت نفل ادا کریں۔ اور اس کے بعد سب دعا کریں۔ الحاصل تینوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت اختیار کی جائے درست ہے۔

مسئلہ ثانیہ: **صلوٰۃ الاستقاء مسنون ہے یا نہیں؟** اس مسئلے کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک صلوٰۃ الاستقاء مسنون ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صلوٰۃ الاستقاء مشروع نہیں لیکن اس قول کا مطلب یہ ہے کہ استقاء کے لئے صرف نماز ہی ضروری نہیں اس کے بغیر بھی استقاء ہو سکتا ہے جیسا کہ اوپر استقاء کے تین طریقے لکھے ہیں ان میں سے کوئی طریقہ اختیار کیا جائے درست ہے۔ صرف نماز پڑھنا ہی استقاء کا طریقہ نہیں۔

مسئلہ ثالثہ: **صلوٰۃ الاستسقاء میں تکبیرات زوائد بھی ہیں یا نہیں؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک نماز استقاء عیدین کی طرح بارہ تکبیرات زوائد پر مشتمل ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک صلوٰۃ الاستسقاء میں تکبیرات زوائد نہیں بلکہ دوسری نمازوں کی طرح ایک ہی تکبیر تحریمہ ہے۔

ائمہ ثلاثہ وامام شافعیؒ کی دلیل: دونوں مسائل میں ان کا استدلال حدیث الباب سے ہے **عن عباد بن تميم عن عمه أن رسول الله ﷺ خرج بالناس يستسقي فصلى بهم ركعتين جهر بالقراءة فيهما و حوّل رداءه و رفع يديه و استسقى و استقبل القبلة۔** لہٰذا تکبیرات زوائد بھی ہوں گی۔ اسی طرح آگے حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جس میں ہے **وصلى ركعتين كما كان يصلي في العيد.** اس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی طرح تکبیرات زوائد بھی تھیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ یہ تشبیہ تکبیرات زوائد میں نہیں بلکہ نماز کی تعداد رکعات، عیدگاہ کی طرف نکلنے اور اجتماع میں ہے کیونکہ اگر اس نماز میں تکبیرات زوائد ہوتیں تو صحابہ کرامؓ اس کی تصریح ضرور فرماتے۔

احناف کی دلیل اوّل: دونوں مسائل میں امام صاحب کا استدلال باب کی دوسری روایت سے ہے **عن عمير موسى ابي اللحم، عن أبي اللحم انه رأى رسول الله ﷺ عند احجار الزيت يستسقي وهو مقنع بكفيه يدعو.** یہاں پر نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف دعا کا تذکرہ ہے۔

دلیل ثانی: اعرابی کا واقعہ کہ وہ آپ ﷺ کے خطبہ کے دوران آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مال مویشی ہلاک ہو گئے قحط کا سامنا ہے بارش کے لئے دعا فرمائیں۔ تفصیلی واقعہ اسی باب کے اوّل میں گزر چکا ہے۔

الحاصل یہاں پر بھی آپ ﷺ نے صرف دعا فرمائی۔ دعا کا اثر فوراً ظاہر ہو گیا۔

دلیل ثالث: ابو مروان اسلمی ؓ کی روایت ہے **قال خرجنا مع عمر بن الخطاب يستسقي فما زاد على الاستغفار.** (معارف السنن جلد۴ ص ۴۹۴)

دلیل رابع: قرآن پاک کی آیت میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا جب وہ قحط میں پڑ گئے تھے۔ **فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارًا يرسل السماء عليكم مدرارًا۔**

مسئلہ رابعہ: **صلوٰۃ الاستسقاء میں قراءت جہراً ہو گی یا سراً؟** اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: صاحبینؒ جہراً کے قائل ہیں کہ صلوٰۃ الاستسقاء میں جہراً قراءت کی جائے گی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ سرًّا قراءت کے قائل ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل حدیث الباب ہے **عن عباد بن تميم عن عمه ان رسول الله ﷺ خرج بالناس يستسقي فصلى بهم ركعتين جهر بالقراءة فيها۔**

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دن کی نمازیں گونگی ہیں اس لئے دن کی نمازوں میں قراءت جہراً نہیں ہو گی۔

مسئلہ خامسہ: **تحویل رداء کا کیا حکم ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کے لئے تحویل رداء مسنون ہے۔

قول ثانی: جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کی مسنونیت صرف امام کے حق میں ہے مقتدیوں کے حق میں نہیں۔ یہی قول

حضرت سعید بن المسیبؒ، عروہؒ، سفیان ثوریؒ کا ہے۔

البتہ حافظ زیلعیؒ فرماتے ہیں **وقول المصنف ولا یقلب القوم اردیتھم لان النبی ﷺ لم ینقل عنه انه امرھم بذلك**. تو یہ بات درست نہیں کیونکہ کسی چیز کا عدم ذکر اسکے عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ جب آپ ﷺ کے سامنے قوم نے تحویل رداء کیا اور آپؐ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ کی روایت ہے **انه علیه السلام حول رداءه فقلبه ظهرًا البطن تحول الناس معه**۔ گویا یہاں تحویل الناس معہ سے آپؐ کے ساتھ لوگوں کی تحویل کا ذکر کر دیا۔

اس کا جواب علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ **تحول الناس** معہ کا مطلب یہ نہیں کہ لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ تحویل رداء کا عمل کیا اس لئے یہاں تحویل کے معنی میں نہیں بلکہ انصراف کے معنی پھرنے کے آتے ہیں۔ یہاں جو حدیث میں مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب خطبہ دینے کے لئے منبر پر آتے تو کچھ لوگ اپنی جگہ چھوڑ کر قبلہ کے رخ سے ہٹ کر آپؐ کے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے اور جب آپ ﷺ خطبہ سے فارغ ہو کر مصلی کی جگہ قبلہ رخ ہو جاتے تو یہ لوگ بھی اپنی اپنی جگہوں میں آ جاتے اور قبلہ رخ بیٹھ جاتے۔ تو یہاں اشتراک فی تحویل الرداء نہیں ہے بلکہ اشتراک فی القبلہ مراد ہے۔

عبداللہ بن زید کی روایت ہے **رأیت رسول اللہ ﷺ حین استسقی لنا اطال الدعاء و اکثر المسئلة قال: ثم تحول الی القبلة وحول رداءه فقلبه ظهر البطن و تحول الناس معه**۔

باقی رہی یہ بات تحویل رداء کیوں کی جاتی ہے اس کے بارے میں بھی چند احادیث ہیں۔

جعفر بن محمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں "**استسقی رسول اللہ ﷺ وحول رداءه لیتحول القحط**" (سنن دارقطنی جلد ۳ ص ۶۶)

ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **ثم قلب رداءه لتنقلب السنة (القحط)**. (کنز العمال جلد ۸ ص ۲۸۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **ولكن قلب رداءه لكی ینقلب القحط الی الخصب**. (نصب الرایۃ جلد ۲ ص ۲۴۳)

بَابٌ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوفٍ فَقَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ قَرَأَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَالْأُخْرَى مِثْلُهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ وَالْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَأَبِي مَسْعُودٍ وَأَبِي بَكْرَةَ وَسَمُرَةَ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَابْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسوف کی نماز پڑھی اس میں قراءت کی پھر رکوع کیا پھر قراءت کی پھر رکوع کیا پھر قراءت کی پھر رجوع کیا پھر دو سجدے کئے اور دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھی۔ اس باب میں حضرت علی، عائشہ، عبداللہ بن عمر، نعمان بن بشیر، مغیرہ بن شعبہ، ابو مسعود، ابوبکر، سمرہ، ابن مسعود، اسماء بنت ابوبکر، ابن عمر، قبیصہ ہلالی، جابر بن عبداللہ، ابو موسی، عبدالرحمن

مَسْعُودٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ نِ الصِّدِّيْقِ وَابْنِ عُمَرَ وَقَبِيْصَةَ الْهِلَالِيِّ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى فِي كُسُوفٍ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَالَ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ فَرَأٰى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُسِرَّ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا بِالنَّهَارِ وَرَأٰى بَعْضُهُمْ أَنْ يَجْهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا كَنَحْوِ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ يَرَوْنَ الْجَهْرَ فِيهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجْهَرُ فِيهَا وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِلْتَا الرِّوَايَتَيْنِ صَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَصَحَّ عَنْهُ أَنَّهُ صَلَّى سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَهٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ جَائِزٌ عَلَى قَدْرِ الْكُسُوفِ إِنْ تَطَاوَلَ الْكُسُوفُ فَصَلَّى سِتَّ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ فَهُوَ جَائِزٌ وَإِنْ صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ فَهُوَ جَائِزٌ وَيَرٰى أَصْحَابُنَا أَنْ تُصَلَّى صَلَاةُ الْكُسُوفِ فِي جَمَاعَةٍ فِي كُسُوفِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ

بن سمرہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کسوف میں دو رکعتوں میں چار رکوع کئے یہ امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول ہے نماز کسوف میں قراءت کے متعلق علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ دن کے وقت بغیر آواز قراءت کرے جبکہ بعض اہل علم بلند آواز سے قراءت کے قائل ہیں جیسا کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں کیا جاتا ہے، امام مالکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ اسی کے قائل ہیں کہ بلند آواز سے پڑھے لیکن امام شافعیؒ بغیر آواز سے پڑھنے کا کہتے ہیں پھر یہ دونوں حدیثیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں ایک حدیث یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار رکوع اور چار سجدے کئے دوسری یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سجدے چھ رکوع کئے اہل علم کے نزدیک یہ کسوف کی مقدار کے ساتھ جائز ہے یعنی اگر سورج گرہن لمبا ہو تو چھ رکوع اور چار سجدے کرنا جائز ہے لیکن اگر چار رکوع اور چار سجدے کرے اور قراءت بھی لمبی کرے تو یہ بھی جائز ہے ہمارے اصحاب کے نزدیک سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں نماز با جماعت پڑھی جائے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَطَالَ الْقِرَاءَةَ وَهِيَ دُونَ الْأُولٰى ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ وَهُوَ دُونَ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَسَجَدَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور قرأت لمبی کی پھر لمبا رکوع کیا پھر کھڑے ہوئے اور لمبی قرأت کی لیکن پہلی رکعت سے کم تھی پھر رکوع کیا اور اسے بھی لمبا کیا لیکن پہلے رکوع سے کم پھر کھڑے ہوئے اس کے بعد سجدہ کیا اور پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام شافعی احمد اور اسحاق بھی اسی کے قائل ہیں کہ

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهٰذَا الْحَدِيثِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ يَرَوْنَ صَلَاةَ الْكُسُوفِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِي أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ قَالَ الشَّافِعِيُّ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَنَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ سِرًّا إِنْ كَانَ بِالنَّهَارِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَائَتِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ بِتَكْبِيرٍ وَثَبَتَ قَائِمًا كَمَا هُوَ وَقَرَأَ أَيْضًا بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَنَحْوًا مِنْ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَائَتِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ تَامَّتَيْنِ وَيُقِيمُ فِي كُلِّ سَجْدَةٍ نَحْوًا مِمَّا أَقَامَ فِي رُكُوعِهِ ثُمَّ قَامَ فَقَرَأَ بِأُمِّ الْقُرْآنِ وَنَحْوًا مِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَائَتِهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ بِتَكْبِيرٍ وَثَبَتَ قَائِمًا ثُمَّ قَرَأَ نَحْوًا مِنْ سُورَةِ الْمَائِدَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعًا طَوِيلًا نَحْوًا مِنْ قِرَائَتِهِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ وَسَلَّمَ

کسوف کی نماز میں چار رکوع اور چار سجدے کرے امام شافعی کہتے ہیں کہ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرۃ کی مثل طویل حدیث پڑھے اگر دن کی نماز ہو پھر لمبا رکوع کرے جیسے کہ اس نے قرأت کی پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے اور کھڑا جیسا پہلے تھا پھر سورت فاتحہ پڑھے اور سورت آل عمران کے برابر تلاوت کرے اس کے بعد اتنا ہی طویل رکوع کرے پھر سر اٹھائے پھر (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہے پھر اچھی طرح دو سجدے کرے اور پھر ہر سجدے میں اتنا ہی رُکا رہے جتنا کہ وہ رکوع میں رُکا رہا پھر کھڑا ہو کر سورتِ فاتحہ پڑھے اور سورہ نساء کے برابر قرأت کرے پھر رکوع کرے اور رکوع اتنا لمبا کرے جتنا قراءت لمبی کی پھر اللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر سر اٹھائے اور کھڑا ہو کر سورت فاتحہ کے بعد سورت مائدہ کے برابر قرأت کرے پھر اتنی قراءت کے بقدر ہی طویل رکوع کرے پھر (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ) کہہ کر سر اٹھائے اور سجدہ کرے دو سجدے اور اس کے بعد تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔

تشریح: امام ترمذیؒ یہاں سے صلوٰۃ کسوف کو ذکر فرما رہے ہیں اس کے ضمن میں خسوف کا بھی ذکر کر رہے ہیں۔ خسوف کے لئے علیحدہ سے ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ خسوف اور کسوف میں کوئی فرق نہیں ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ چاند کو گرہن لگے اس کو خسوف کہتے ہیں اور سورج کو گرہن لگے اس کو کسوف کہتے ہیں۔

یہاں سے امام ترمذیؒ چند مسائل کا بیان فرما رہے ہیں

مسئلہ اولیٰ: صلوٰۃ کسوف میں ہر رکعت میں ایک رکوع ہے یا دو رکوع؟۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ کے ہاں ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ **قول ثانی:** احنافؒ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف اور عام نمازوں میں کوئی فرق نہیں ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔ احادیث میں دونوں طرح کے دلائل ہیں۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت یہی حدیث الباب ہے جو مسلم (ج ۱ ص ۲۹۶) میں بھی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح بخاری (ج ۱ ص ۲۹۸) میں ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت مسلم شریف میں ہے (ج ۱ ص ۲۹۷) ان میں ہر رکعت میں دو رکوع کی تصریح ہے۔

جواب اوّل: آپ ﷺ نے رکوع تو ایک کیا تھا لیکن اندھیرا تھا اور رکوع بھی کافی لمبا تھا۔ پچھلی صفوں میں بعض لوگ تھک گئے۔ انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا تو اگلے لوگ رکوع میں تھے تو وہ واپس رکوع میں چلے گئے ان سے پچھلے لوگوں نے جب دیکھا

تو اس کو الگ رکوع سمجھ لیا اور اس طرح کئی مرتبہ ہوا۔

جواب ثانی: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے دو رکوع کئے لیکن یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی خشوعاً وخضوعاً جب جنت کا منظر سامنے آتا تو جھک جاتے اور جہنم کے منظر پر پیچھے ہٹ جاتے۔ لیکن جب امت کو ہدایات دیں تو فرمایا کہ دیگر نمازوں کی طرح اس کو بھی اسی طرح پڑھو۔

جواب ثالث: الزامی جواب یہ ہے کہ صحیح روایات میں جس طرح دو کا تذکرہ ہے اسی طرح چھ کا بھی تذکرہ ہے تو تم نے ان چھ رکوعوں کو نہیں مانا۔ تو جو جواب تم دوسے اوپر والی روایت کا دو گے وہی جواب ہم تم کو ایک رکوع سے اوپر والی روایت کا دیں گے۔

جواب رابع: یہ واقعہ متعدد بار پیش آیا کبھی آپ ﷺ نے دو رکوع کئے کبھی ایک۔ لیکن یہ جواب مرجوح ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا اس میں موت اور زندگی کا تذکرہ ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ علم ہیئت والوں نے یہ حساب لگایا تو انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں صلوٰۃ کسوف صرف ایک مرتبہ پیش آیا۔

جواب خامس: زیادہ رکوع کرنیوالی اکثر روایات یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں یا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عورت ہونے کی وجہ سے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بچے ہونے کی وجہ سے نماز میں رسول کریم ﷺ سے بہت دور رہتے تھے۔ اگلی صف والوں پر جیسے آپ ﷺ کا رکوع ظاہر ہوا ان پر ویسے ظاہر نہیں ہوا جبکہ ایک رکوع والی روایات مردوں کی ہیں لہٰذا تعارض کے وقت مردوں کی (ایک رکوع والی) روایت کو ترجیح ہوگی۔

احناف کی دلیل اوّل: نسائی شریف جلد اوّل ص ۱۷۰ میں حضرت ابوبکرہؓ کی روایت ہے: "**قال كنا عند النبی ﷺ فانكسفت الشمس فقام الى المسجد ردائه من العجلة فقام اليه الناس فصلى ركعتين كما تصلون**"

یہی روایت بخاری شریف جلد اوّل ص ۱۴۵ میں انہی سے مروی ہے۔

دلیل ثانی: نسائی شریف جلد اوّل ص ۲۱۸ کتاب الکسوف، باب کیف صلوٰۃ الکسوف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں **فصلى فقام كاطول قيام ما قام بنا فی صلوٰۃ قط ما نسمع له صوتا قط لا نسمع له صوتا ثم فعل ذلك فی الركعة الثانية مثل ذلك**۔ اس روایت میں ایک ہی رکوع کا ذکر ہے۔

دلیل ثالث: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**قال اذا خسفت الشمس والقمر فصلوا كاحدث صلوٰۃ صليتموها**"۔ (سنن نسائی جلد اوّل ص ۲۱۹)

دلیل رابع: حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالیؓ کی روایت ہے **قال كسفت الشمس ونحن اذ ذاك مع رسول الله ﷺ بالمدينة فخرج فزعًا يجر ثوبه فصلى ركعتين أطالهما فوافق انصرافه انجلاء الشمس فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: ان الشمس والقمر آيتان من آيات الله وانهما لا ينكسفان لموت أحد ولا لحياته فاذا رأيتم من ذلك شيئًا فصلوا كأحدث صلوٰۃ مكتوبة صليتموها**۔

دلیل خامس: مسند احمد میں حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت ہے کہ جس میں وہ کسوف اور صلوٰۃ کسوف کی تفصیل بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں **ثم قام النبی ﷺ فقرأ بعض الذاریات. ثم رکع ثم اعتدل ثم سجد سجدتین ثم قام ففعل کما فعل فی الاولیٰ۔**

اعتراض: اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا سماع آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں لیکن علامہ نیمویؒ نے یہ جواب دیا اگر سماع ثابت نہ بھی ہو تو پھر اس حدیث کو مرسل کہیں گے۔ جمہور حضرات کے نزدیک یہ حجت ہے۔

مسئلہ ثانیہ: خطبہ شرط ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف کے لئے خطبہ شرط نہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ شرط ہے۔

قول ثالث: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف میں خطبہ نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے صلوٰۃ کسوف کے بارے میں نماز کا جو طریقہ بتایا ہے اور ہدایات دیں ان میں خطبہ کا ذکر نہیں اگر خطبہ ضروری ہوتا تو خود ذکر فرماتے جیسے جمعہ اور عیدین کے بارے میں فرمایا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ کسوف کے موقع پر خطبہ دیا۔

علماء احناف کی طرف سے اس کا جواب: یہ خطبہ صلوٰۃ کسوف کا نہیں تھا بلکہ اس دن آپ ﷺ کے بیٹے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا لوگوں میں یہ مشہور تھا اور یہ شہرت جاہلیت سے چلی آرہی تھی کہ دنیا میں جب کوئی بڑا حادثہ پیش آتا ہے تو سورج گرہن لگتا ہے وہ لوگ یہ سمجھے کہ آج کے دن آپ ﷺ کے بیٹے کی وفات سے بڑا کوئی حادثہ نہیں ہوسکتا اس لئے سورج گرہن ہوا ہے۔ آپؐ نے ان لوگوں کے اس غلط عقیدے کی تردید کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا وہ خطبہ اس لئے نہیں دیا کہ وہ نماز کے لئے شرط تھا اس لئے آج بھی اگر کسی کو کسی مسئلہ میں توبہ واستغفار کی تلقین کرنی ہو تو امام لوگوں کو خطاب کرسکتا ہے جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں لکھا ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ خطبہ دیا جاسکتا ہے۔ مگر خطبہ شرط نہیں۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۵۶، والدر المختار ص ۷۸۸)

مسئلہ ثالثہ: صلوٰۃ کسوف میں جماعت مسنون ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کسوف القمر میں جماعت کے ساتھ نماز نہیں بلکہ انفراداً پڑھی جائے گی کیونکہ رات کے وقت لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونا حرج عظیم ہے اس کے لئے جماعت کا ہونا ضروری نہیں البتہ کسوف الشمس کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔

قول ثانی: امام صاحبؒ کے علاوہ تمام ائمہ کے نزدیک سورج کی طرح چاند کو گرہن لگنے کی صورت میں بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے گی۔

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ چاند کو گرہن لگنے کی صورت میں نبی کریم ﷺ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا ثابت نہیں البتہ سورج گرہن کے وقت جماعت سے نماز پڑھنا ثابت ہے۔

یہ سمجھ لیں کہ سورج گرہن کی کم از کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ چار رکعتیں ہیں اگر کوئی شخص طویل نماز پڑھا سکے تو وہ لمبی نماز پڑھائے جب تک سورج گرہن موجود ہو اس پورے وقت میں نماز میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ اور اگر لوگ لمبی نماز پڑھنے پر آمادہ نہ ہوں تو پھر دو رکعت نماز پڑھا کر دعا میں مشغول ہو جانا چاہیے جب تک سورج گرہن ختم نہ ہو جائے۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے دو روایات ذکر کی ہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں چھ قسم کی روایات ہیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع، ہر رکعت میں دو رکوع، ہر رکعت میں تین رکوع، ہر رکعت میں چار رکوع اسی طرح پانچ اور چھ رکوع والی روایات بھی ہیں۔ اور اسی طرح ایک روایت میں دو رکعات کا ذکر ہے۔ ان تمام روایات میں اکثر روایات سنداً قوی ہیں۔ اب دیکھا جائے تو یہ ایک واقعہ مدنی دور میں ہوا کہ سورج آدھے سے زیادہ پکڑا گیا تھا اور وہ سورج گرہن تقریباً صبح آٹھ، نو بجے کے درمیان ہوا تھا۔ اور یہ واقعہ سن ۱۰ ہجری میں ہوا تھا۔ غرض آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں ایک مرتبہ نماز کسوف پڑھی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ان تمام روایات میں سخت قسم کا اختلاف ہوا۔ بعض حضرات نے ان روایات کی یہ توجیہات کی ہیں۔

توجیہ اوّل: اس بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خوف شدت سے ہو تو دو، چار، چھ، آٹھ رکوع کرنا جائز ہے اور بعض اہل علم کا بھی یہی مسلک ہے لیکن احنافؒ کے نزدیک خوف کے کم ہونے سے رکوع کی تعداد میں کمی کہیں واقع نہیں ہوتی بلکہ ہر رکعت میں ایک رکوع ہی ہے اسی طرح اگر خوف بڑھتا جائے تو پھر بھی رکوع میں زیادتی نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ایک رکوع اور دو سجدوں والی روایات راجح اور قولی ہیں۔ **توجیہ ثانی:** ایک رکوع والی روایات اثبت ہیں۔

توجیہ ثالث: ایک رکوع والی احادیث قولی بھی ہیں اور فعلی بھی۔ جبکہ دو رکوع والی صرف فعلی ہیں

توجیہ رابع: ایک رکوع والی روایات معمول بہا ہیں جبکہ ایک رکعت میں دو رکوع کرنے والے کو ناپسند سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک رکوع والی احادیث راجح ہوں گی۔

بَاب كَيْفَ الْقِرَاءَةِ فِي الْكُسُوفِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عِبَادٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كُسُوفٍ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں کسوف کی نماز پڑھائی جس میں ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز نہیں سنی۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح غریب ہے بعض اہل علم نے قراءت سریہ ہی کو اختیار کیا ہے امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ صَدَقَةَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ وَجَهَرَ بِالْقِرَاءَةِ فِيهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَاى أَبُو إِسْحٰقَ الْفَزَارِيُّ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کسوف پڑھی اور اس میں بلند آواز سے قرأت کی امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ابواسحاق فزاری بھی سفیان بن حسین سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں اور امام مالک احمد اور اسحاق بھی

نَحْوَهُ وَبِهٰذَا الْحَدِيثِ يَقُوْلُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ اسی حدیث کے قائل ہیں۔

تشریح: **مسئلہ: صلوٰۃ کسوف میں قراءۃ سراً ہوگی یا جہراً؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف میں قراءت سراً ہوگی۔

قول ثانی: امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، امام احمدؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ کے ہاں قراءت جہراً ہوگی۔

امام احمد وغیرہ کی دلیل اوّل: ماقبل باب کی حدیث ہے۔ **عن عائشة ؓ انها قالت خسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فصل رسول الله بالناس فأطال القراءة ثم ركع فاطال الركوع.........۔**

جواب اوّل: حضرت سمرہ ؓ آگے صف الرجال میں تھے جب آپ ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے تو انہوں نے قراءت نہیں سنی تو حضرت عائشہ ؓ جو صف النساء میں کھڑی تھیں انہوں نے کیسے سن لی

جواب ثانی: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ قراءۃ وعدم قراءۃ میں روایات متعارض ہیں لہٰذا ہم اصل کی طرف لوٹیں گے اور اصل دن کی نمازوں میں اخفاء ہے لہٰذا قراءت سراً ہوگی۔

دراصل بات یہ تھی کہ ایک آدھ آیت بیان جواز اور تعلیم مسئلہ کیلئے اونچی پڑھی تو حضرت عائشہ ؓ نے اس کو سنا تو سمجھیں کہ ہمیں مکمل آواز نہیں آرہی جبکہ ایسا نہیں تھا بلکہ جس طرح ظہر وعصر میں آپ ﷺ کبھی کبھار اونچی آواز سے قراءۃ کر لیتے اسی طرح یہاں بھی کیا۔

دلیل ثانی: صلوٰۃ کسوف میں قراءۃ کے جہری ہونے پر صاحبین اور امام احمدؒ کا استدلال اسی باب کی دوسری حدیث سے ہے جو حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے **ان النبی ﷺ صلی صلوٰۃ الکسوف وجھر بالقراءۃ فیھا۔**

جواب اوّل: جمہور ائمہ اس حدیث کو صلوٰۃ الخسوف پر محمول کرتے ہیں۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہ سفیان بن حسین کی زہری سے روایت ہے اور سفیان بن حسین اگرچہ ثقہ ہیں بخاری کے راوی ہیں مگر امام زہری کی احادیث میں یہ ضعیف ہیں۔ جاننا چاہیے کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے ہوسکتا ہے کہ مصنف کو ان کے ضعف کے علم کی خبر نہ پہنچی ہو۔

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب حضرت سمرہ بن جندب ؓ کی ہے یہی روایت ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۶۸ میں اور مستدرک حاکم میں جلد اوّل ص ۳۳۰ میں بھی ہے **وصلی بنا کاطول ما قام بنا فی صلوٰۃ قط لا نسمع له صوته۔**

دلیل ثانی: حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابن عباس ؓ کی روایت ہے **صلیت .... یوم کسفت الشمس فلم اسمع له قراءۃ** کہ کسوف شمس کے وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھائی تو ان کی قراءت ہم نے نہیں سنی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ

سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز خوف میں ایک رکعت ایک گروہ کے ساتھ پڑھی جب کہ دوسرا گروہ دشمن

أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْخَوْفِ بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً وَالطَّائِفَةُ الْأُخْرَى مُوَاجِهَةُ الْعَدُوِّ ثُمَّ انْصَرَفُوا فَقَامُوا فِي مَقَامِ أُولَئِكَ وَجَاءَ أُولَئِكَ فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَةً أُخْرَى ثُمَّ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ وَقَامَ هَؤُلَاءِ فَقَضَوْا رَكْعَتَهُمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَحُذَيْفَةَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَسَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَأَبِي عَيَّاشٍ الزُّرَقِيِّ وَاسْمُهُ زَيْدُ بْنُ صَامِتٍ وَأَبِي بَكْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ ذَهَبَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ إِلَى حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَقَالَ أَحْمَدُ قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الْخَوْفِ عَلَى أَوْجُهٍ وَمَا أَعْلَمُ فِي هَذَا الْبَابِ إِلَّا حَدِيثًا صَحِيحًا وَأَخْتَارُ حَدِيثَ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ وَهَكَذَا قَالَ إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ ثَبَتَتِ الرِّوَايَاتُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ وَرَأَى أَنَّ كُلَّ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ فَهُوَ جَائِزٌ وَهَذَا عَلَى قَدْرِ الْخَوْفِ قَالَ إِسْحَقُ وَلَسْنَا نَخْتَارُ حَدِيثَ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَلَى غَيْرِهِ مِنَ الرِّوَايَاتِ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّهُ قَالَ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ يَقُومُ الْإِمَامُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَتَقُومُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ مِنْ قِبَلِ الْعَدُوِّ وُجُوهُهُمْ إِلَى الْعَدُوِّ فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً وَيَرْكَعُونَ لِأَنْفُسِهِمْ رَكْعَةً وَيَسْجُدُونَ لِأَنْفُسِهِمْ سَجْدَتَيْنِ فِي

کے سامنے تھا پھر یہ لوگ (نماز پڑھنے والے) ان لوگوں کی جگہ پر جا کر کھڑے ہوئے پھر یہ لوگ اپنی جگہ چلے گئے اور انہوں نے آ کر نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں دوسری رکعت پڑھی پھر آپ ﷺ نے سلام پھیر دیا اور اس گروہ نے کھڑے ہو کر اپنی چھوڑی ہوئی رکعت پوری کی اس کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوا اور اس نے بھی اپنی دوسری رکعت پوری کی۔ اس باب میں حضرت جابر، حذیفہ، زید بن ثابت، ابن عباس، ابوہریرہ، ابن مسعود، ابوبکرہ، سہل بن ابوحثمہ اور ابوعیاش زرقی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے ابوعیاش کا نام زید بن ثابت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں امام مالکؒ نماز خوف میں سہل بن ابوحثمہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے امام احمدؒ کہتے ہیں کہ نماز خوف آپ ﷺ سے کئی طرح مروی ہے اور میں اس باب میں سہل بن ابوحثمہ کی حدیث سے صحیح روایت نہیں جانتا چنانچہ وہ بھی اسی طریقے کو اختیار کرتے ہیں اسحاق بن ابراہیم بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے صلوۃ خوف میں کئی روایات ثابت ہیں ان سب پر عمل کرنا جائز ہے یعنی یہ بقدر خوف ہے اسحاق کہتے ہیں کہ ہم سہل بن ابی حثمہ کی حدیث کو دوسری روایات پر ترجیح نہیں دیتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اسے موسیٰ بن عقبہ بھی نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

سہل بن ابوحثمہ نماز خوف کے متعلق فرماتے ہیں کہ امام قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ایک گروہ کھڑا ہو جبکہ دوسرا گروہ دشمن کے مقابل رہے اور انہی کی طرف رخ کئے رہے پھر امام پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور وہ لوگ دوسری رکعت خود پڑھیں اور دو سجدے کرنے کے بعد دوسری جماعت کی جگہ دشمن کے مقابل آ جائیں اور وہ جماعت آ کر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اور سجدے کرے امام کی دو

مَكَانِهِمْ ثُمَّ يَذْهَبُونَ إِلَى مَقَامِ أُولَئِكَ وَيَجِيءُ أُولَئِكَ فَيَرْكَعُ بِهِمْ رَكْعَةً وَيَسْجُدُ بِهِمْ سَجْدَتَيْنِ فَهِيَ لَهُ ثِنْتَانِ وَلَهُمْ وَاحِدَةٌ ثُمَّ يَرْكَعُونَ رَكْعَةً وَيَسْجُدُونَ سَجْدَتَيْنِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ سَأَلْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَحَدَّثَنِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ و قَالَ لِي اكْتُبْهُ إِلَى جَنْبِهِ وَلَسْتُ أَحْفَظُ الْحَدِيثَ وَلَكِنَّهُ مِثْلُ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَمْ يَرْفَعْهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَهَكَذَا رَوَى أَصْحَابُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ مَوْقُوفًا وَرَفَعَهُ شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ مَنْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَقُ وَرُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِإِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ رَكْعَةً رَكْعَةً فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ وَلَهُمْ رَكْعَةٌ رَكْعَةٌ

رکعتیں ہو جائیں گی اور جماعت کی پہلی رکعت ہوگی پھر یہ لوگ کھڑے ہو جائیں اور دوسری رکعت پڑھیں اور سجدہ کریں محمد بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے یحیی بن سعید سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے شعبہ کے حوالے سے مجھے بتایا کہ شعبہ عبدالرحمن بن قاسم سے وہ قاسم سے وہ اپنے والد سے وہ صالح بن خوات سے وہ سہل بن ابی حثمہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یحیی بن سعید انصاری کی روایت کی مثل بیان کرتے ہیں پھر یحیی بن سعید نے مجھ سے کہا کہ اس حدیث کو اس کے ساتھ لکھ دو مجھے یہ حدیث اچھی طرح یاد نہیں لیکن یہ یحیی بن سعید انصاری کی حدیث ہی کی مثل ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسے یحیی بن سعید انصاری نے قاسم بن محمد کی روایت سے مرفوع نہیں کیا یحییٰ بن سعید انصاری کے ساتھی بھی اسے موقوف ہی روایت کرتے ہیں جبکہ شعبہ عبدالرحمن بن قاسم محمد کے حوالے سے اسے مرفوع روایت روایت کرتے ہیں جو نماز خوف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھ چکا تھا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے امام مالک شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اور یہ کئی راویوں سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں گروہوں کے ساتھ ایک ایک رکعت نماز پڑھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دو اور ان دونوں کے لئے ایک ایک رکعت تھی۔

اس باب میں چند مسائل زیر بحث ہیں۔

تشریح: مسئلہ اولیٰ: صلوۃ خوف کی مشروعیت کب ہوئی؟ جمہور حضرات کے نزدیک صلوۃ خوف غزوہ ذات الرقاع میں مشروع ہوئی۔ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس کے مختلف الوان ہیں اسی کے قریب یہ غزوہ پیش آیا اسی لئے اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کہتے ہیں یا غزوہ ذات الرقاع اس لئے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاؤں پیدل چلنے کے باعث پھٹ گئے تھے اور انہوں نے کپڑوں کے ٹکڑے باندھ رکھے تھے یا اس لئے ذات الرقاع کہا کہ اس غزوے میں جو جھنڈے تیار

کئے گئے ہیں وہ کپڑوں کے مختلف ٹکڑوں سے بنائے گئے تھے۔ یہ کس سن ہجری میں شروع ہوئی اس بارے میں بھی مختلف آراء ہیں۔

① اور جمہور حضرات کے نزدیک سن چار ہجری میں شروع ہوئی اس کو ابن سعد نے اختیار کیا ہے۔

② سن پانچ ہجری میں شروع ہوئی۔ ③ چھے ہجری میں۔ ④ سات ہجری میں۔ (کمافی عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۳۴۰،۳۴۱)

بعض حضرات نے کہا کہ یہ واقعات متعدد ہیں جن غزوات میں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی ان کے نام غزوۃ انمار، غطفان ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ جن حضرات نے صلوٰۃ خوف کو خیبر کے بعد پر محمول کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ پہلے صلوٰۃ الخوف عسفان میں پڑھی پھر غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی۔

اور جن حضرات نے سن چار ہجری کہا ہے ان کے ہاں یہ نماز غزوہ انمار یا غطفان میں پڑھی گئی۔ جیسا کہ ابن سعدؒ کا قول ہے۔

حلبی نے کہا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر صلوٰۃ خوف ادا کی گئی۔

نسائی کے نزدیک حدیث ابی عیاش الزرقی میں ہے **"وصلی مرۃ بأرض بنی سلیم"** کہ قبیلہ بنی سلیم کی زمین پر ایک بار صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔

علماء سیر کے نزدیک **"غزوہ قرقرۃ الکدر"** یا **غزوہ نجران** میں پڑھی گئی۔ یہ دونوں غزوے عسفان سے قبل ہوئے۔

بہر حال صلوٰۃ خوف جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے پیچھے پڑھی وہ ساتویں غزوہ یعنی غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر پڑھی گئی اس سے پہلے پڑھی گئی یا نہیں اس کی نفی نہیں۔ (کمافی معارف السنن جلد ۴ ص ۳۶۔۳۷)

صلوٰۃ خوف کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں کہ کن غزوات میں یہ واقعہ رونما ہوا ان غزوات میں مشہور غزوۃ الرقاع ہے **منہا، صلوٰۃ ببطن نخل، صلوٰۃ بعسفان، وصلوٰۃ بذی قرد**۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں یہ سب روایات صحیح ہیں۔

جمہور کے نزدیک صلوٰۃ الخوف آپ ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۷۷ میں ہے۔ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابل کی لڑائی میں صلوٰۃ الخوف پڑھی اور السنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۲۵۲ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مقام صفین پر صلوٰۃ خوف پڑھی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اصبہان میں صلوٰۃ خوف پڑھی۔ (فتح الملہم جلد ۲ ص ۳۷۹)

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں کے ساتھ لڑائی کرتے ہوئے طبرستان میں صلوٰۃ خوف پڑھی ان کے ساتھ حسن بن علی رضی اللہ عنہ اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

السنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۲۵۲ میں ہے **ان علیا صلی المغرب صلوٰۃ الخوف لیلۃ الھریر**۔

بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۵۰ میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صلوٰۃ الخوف کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا **یتقدم الامام وطائفۃ من الناس فیصلی بھم الامام رکعۃ**۔

علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں **واحتج علیھم الجمھور باجماع الصحابۃ علی فعل ھٰذہ الصلوٰۃ بعد موت النبی ﷺ ویقول النبی ﷺ صلوا کما رأیتمونی اصلی**۔ (جلد ۳ ص ۳۲۷)

مسئلہ ثانیہ: صلوٰۃ خوف اب مشروع ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں جمہور ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک صلوٰۃ خوف آپ ﷺ کے بعد بھی شروع ہے۔

قول ثانی: امام ابو یوسفؒ کی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے کہ صلوٰۃ خوف آپ ﷺ کی خصوصیت ہے آپؐ کے بعد مشروع نہیں۔ **کما فی فتح الباری، و فتح القدیر۔**

امام ابو یوسف کی دلیل اوّل: امام ابو یوسفؒ اس آیت سے استدلال کر رہے ہیں "**و اذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ**" اس میں تمام صیغے واحد مخاطب کے ہیں اور یہ خطاب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

جواب اوّل: اس پر جمہور حضرات نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت سے آپ ﷺ کی خصوصیت نہیں سمجھی بلکہ آپ ﷺ کے بعد بھی صلوٰۃ الخوف مشروع ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے کابل میں اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے طبرستان میں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صفین میں اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اصفہان میں پڑھائی۔ (بیہقی ج ۳، ص ۲۵۲)

جواب ثانی: اگرچہ آیات میں خطاب ہے لیکن یہ مسئلہ سب کیلئے ہے جیسے "**خذ من اموالھم صدقة**" یہ خطاب احترازی نہیں۔

دلیل ثانی: ان کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسی شخصیت نہیں جس کے پیچھے سب لوگ نماز پڑھنے پر مصر ہوں۔

جواب: ایسا ممکن ہے جیسے سارے لشکر میں صرف ایک صحابی رضی اللہ عنہ ہوں اور سب لوگ صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے پر مصر ہوں۔ یا سارے لشکر میں ایک تابعی یا فقط ایک تبع تابعی ہوں۔ بہرحال مزید تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔

مسئلہ ثالثہ: صلوٰۃ خوف میں کتنی رکعات مشروع ہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: جمہور فقہاء کے نزدیک صلوٰۃ خوف سفر میں دو رکعت اور حضر میں چار رکعت مشروع ہیں۔

قول ثانی: امام سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک صلوٰۃ خوف صرف ایک ہی رکعت ہے یہی مذہب حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم، طاؤسؒ، مجاہدؒ، حسن بصریؒ، قتادہؒ کا ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل: وہ روایات ہیں جن میں وضاحت ہے کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ خوف کے لئے دو جماعتیں بنائیں ایک جماعت کو نبی کریم ﷺ نے ایک رکعت اور دوسرے کو دوسری رکعت پڑھائی باقی ایک ایک رکعت لوگوں نے خود پڑھی نسائی جلد اوّل ص ۱۷۴ میں اس طرح الفاظ آتے ہیں **ثم قامت الطائفتان فصلی کل انسان منھم لنفسه رکعة و سجدتین۔**

سفیان ثوری کی دلیل اوّل: ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۷۷ میں ہے **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ **قال فرض اللہ عزوجل الصلوٰۃ علی لسان نبیکم صلی اللہ علیه وسلم فی الحضر اربعًا و فی السفر رکعتین و فی الخوف رکعة.** اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ حضر میں چار رکعات سفر میں دو رکعت اور صلوٰۃ خوف کی ایک رکعت ہے۔

جواب: قاضی شوکانی نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۴۲ میں لکھتے ہیں **وقال الجمهور قصر الخوف قصر هیئته لا قصر عدد و تأولوا هذه الاحادیث بان المراد بها رکعة مع الامام و لیس فیها نفی الثانیة۔** مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ایک رکعت امام کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ اس سے دوسری رکعت کی نفی نہیں۔ دوسری رکعت مقتدیوں نے اپنے اپنے طور پر

ادا کرلی۔ امام نے ہر ایک طائفہ کو ایک ایک رکعت پڑھائی۔

دلیل ثانی: ابوداؤد جلد اوّل ص ۱۷۷ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **فصلی بهولاء رکعة و بهولاء رکعة ولم یقضوا۔**

جواب: نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۴۲ میں اس کا یہ جواب لکھا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حالت امن میں آکر اسکو قضاء نہیں کرتے تھے۔

مسئلہ رابعہ: صلوٰۃ خوف سفر میں اور حضر میں جائز ہے کہ نہیں؟

قول اوّل: جمہور فقہاء کے نزدیک جس طرح سفر میں صلوٰۃ خوف جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز ہے۔

قول ثانی: امام ابن ماجشون، ابن دقیق العید کے ہاں صلوٰۃ خوف کے سفر کے ساتھ خاص ہے حضر میں جائز نہیں۔

ابن ماجشون، ابن دقیق العید کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت **واذا ضربتم فی الارض۔**

دلیل ثانی: آپ ﷺ کی غزوہ خندق کے موقع پر چار نمازیں قضاء ہوگئیں اگر حضر کی حالت میں صلوٰۃ خوف جائز ہوتی تو چار نمازیں قضاء نہ کرتے بلکہ صلوٰۃ خوف کے طریقے پر ادا کر لیتے اس سے معلوم ہوا کہ حضر میں صلوٰۃ خوف جائز نہیں۔

جواب: پہلی دلیل میں **اذا ضربتم** کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔ اور صلوٰۃ خوف کا حکم غزوہ خندق کے بعد نازل ہوا۔ لہٰذا دوسری دلیل سے آپ استدلال نہیں کر سکتے۔ دیکھئے نصب الرایۃ جلد ۲ ص ۲۴۸ اور نیل الاوطار جلد ۳ ص ۳۴۷ میں خندق کا واقعہ اس طرح ذکر کیا گیا **کان قبل نزول صلوٰۃ الخوف کما رواہ النسائی و ابن حبان والشافعی۔** اور اسی طرح ماقبل میں گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلوٰۃ خوف غزوہ سابعہ غزوہ ذات الرقاع میں پڑھائی۔ یہ غزوہ امام بخاری کی رائے میں غزوہ خیبر کے بعد ہوا اور دیگر محدثین کے نزدیک غزوہ خندق اور بنو قریظہ کے بعد ہوا۔ (حاشیہ علی البخاری جلد ۲ ص ۵۹۲)

مسئلہ خامسہ: صلوٰۃ خوف سواری پر یا چلتے چلتے پڑھ سکتے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کے دو قول ہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک صلوٰۃ خوف چلتے ہوئے بھی پڑھنا درست ہے۔ اصل اختلاف قرآن پاک کی آیت **فرجالاً اَوْ رکباناً** میں ہے رجالاً راجل کی جمع ہے۔ امام صاحب اسکے معنی **قائم علی الارجل** اور امام شافعیؒ اسکے معنی **ماشی** سے کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۵۹ میں یہ الفاظ ہیں **صلوا رجالاً قیاماً علی اقدامهم۔**

مسئلہ سادسہ: صلوٰۃ خوف کے طریقے کے بیان میں روایات: اس بارے میں مختلف ہیں امام ابوداؤد نے آٹھ طریقے ذکر کئے ہیں صحیح ابن حبان میں نو (۹) طریقے اور ابن حزم ظاہری نے المحلی میں چودہ طریقے ذکر کئے ہیں۔ ابو الفضل نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے سترہ طریقے نقل کئے ہیں۔ آپ ﷺ نے سترہ طریقوں سے نماز خوف پڑھی ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں جتنے طریقوں سے نماز خوف کا روایات میں ذکر آتا ہے وہ سب روایات صحیح ہیں ان میں کوئی روایت ضعیف نہیں۔ ان سب طریقوں سے صلوٰۃ خوف پڑھنا جائز ہے۔ ان تمام طریقوں میں سے کون سا طریقہ افضل ہے۔

احناف کے نزدیک: وہ طریقہ جو باب کی پہلی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں آتا ہے اسی طرح صلوٰۃ خوف پڑھنا افضل ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سہل بن ابی حثمہؓ کی روایت میں جو طریقہ ہے اسی طرح صلوٰۃ خوف پڑھنا افضل ہے۔

احناف کے طریقہ کی تفصیل: امام لوگوں کو دو طائفوں میں تقسیم کرے گا ایک طائفہ دشمن کے سامنے کھڑا ہوگا۔ دوسرے طائفہ

کو امام ایک رکعت پڑھائے گا اگر مسافر ہے اور دو رکعات پڑھائے گا اگر مقیم ہے۔ پھر یہ طائفہ دشمن کے مقابل چلا جائے گا اور جو طائفہ دشمن کے مقابل ہے وہ امام کے پیچھے آجائے اور نماز شروع کرے پھر امام اس طائفہ کو ایک رکعت حالت سفر میں یا دو رکعت حالت اقامت میں پڑھا کر سلام پھیر دے امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ طائفہ سلام پھیرے بغیر دشمن کے سامنے چلا جائے اور پھر دوسرا طائفہ آکر ایک رکعت پڑھے امام سلام پھیر دے اور دوسرا طائفہ دشمن کے مقابل چلا جائے، پہلا طائفہ واپس آئے اور صف بنا کر لاحق کی طرح یعنی بغیر قراءت کے انہیں بقیہ نماز پوری کرے پھر وہ دشمن کے مقابل چلا جائے اور پھر دوسرا طائفہ آئے وہ بھی صف بنا کر مسبوق کی طرح قراءت کے ساتھ اپنی بقیہ نماز پوری کرے۔

ائمہ ثلاثہ کے طریقہ کی تفصیل: امام پہلے طائفہ کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے پھر وہ طائفہ باقی نماز اسی وقت لاحق کی طرح پوری کرے پھر دشمن کے مقابل چلا جائے اور امام دوسرے طائفہ کا انتظار کرے جب دوسرا طائفہ آکر صف بنا کر نماز شروع کرے تو امام اس کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے اور وہ لوگ مسبوق کی طرح باقی نماز پوری کریں۔ یہ طریقہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت سے ثابت ہے۔ چونکہ یہ روایت اصح ما فی الباب ہے اس لئے شافعیہ وغیرہ نے اسی طریقہ کو افضل قرار دیا ہے۔

صلوٰۃ خوف کا تیسرا طریقہ: امام طائفہ اولیٰ کو ایک رکعت پڑھائے اور یہ طائفہ سجدہ کے بعد اپنی نماز پوری کئے بغیر محاذ پر چلا جائے پھر دوسرا طائفہ آئے امام اس کو دوسری رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے پھر یہ طائفہ اپنی نماز اسی وقت پوری کرلے اور پھر محاذ پر چلا جائے پھر پہلا طائفہ آکر اپنی دوسری رکعت ادا کرے۔

ائمہ ثلاثہ نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں زیادہ نقل و حرکت نہیں کرنی پڑتی اور احناف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو دو وجہ سے اختیار کیا۔

ایک وجہ یہ ہے کہ سورۂ نساء کی آیت ۱۰۲ میں صلوٰۃ خوف کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ حضرت ابن عمرؓ کے طریقہ کے قریب ہے۔ قرآن میں بہتر صورت ہی لی جاتی ہے اس لئے احناف نے اس کو افضل کہا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں نہ متن میں اور نہ ہی سند میں۔ جبکہ سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند میں بھی اختلاف ہے اور متن میں بھی۔ سند میں اختلاف یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید القطانؒ کے ایک استاد یحییٰ بن سعید انصاریؒ نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ معلوم نہیں سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں صلوٰۃ خوف کا جو طریقہ بیان کیا گیا وہ حضرت سہل کا اپنا بیان کیا ہوا ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کیا ہوا ہے؟

متن میں اختلاف یہ ہے کہ شعبہ والی سند سے جو مرفوع ہے اس کا متن بخاری میں کچھ ہے اور نسائی شریف میں کچھ ہے بخاری کی سند میں جو متن آیا ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے اور نسائی میں جو متن آیا ہے وہ احناف کے موافق ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث باب کی سب سے اعلیٰ روایت ہے اس کی سند اور متن میں کوئی اختلاف نہیں۔

وجوہ ترجیح: احنافؒ کی وجوہ ترجیح: احنافؒ کی وجوہ ترجیح پانچ ہیں۔ ① یہ صورت ظاہر قرآن کے موافق ہے ② حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما صحاح ستہ میں موجود ہے ③ ابن عباس، ابن مسعود حذیفہ، جابر، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم ان حضرات کی مرفوع روایات سے

ہمارے مذہب کی تائید ہوتی ہے ④ شافعیہ کے طریقہ پر قلب موضوع لازم آتا ہے کیونکہ اس میں امام کو مقتدیوں کے تابع ہونا پڑے گا ⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر موقوف بھی اسی پر دلیل ہے۔

مسئلہ سابعہ: صلوٰۃ خوف نزول حکم کے بعد کتنی بار پڑھی گئی؟ اس بارے میں بھی مختلف قسم کی روایات ہیں کہ آپ ﷺ نے صلوٰۃ خوف کے حکم کے نزول کے بعد کتنی بار صلوٰۃ خوف پڑھی سبل السلام جلد ۲ ص ۷۱ میں اور نیل الاوطار جلد ۲ ص ۳۸۰ میں ہے وحکی ابن القصار المالکی ان النبی ﷺ صلاھا اربع وعشرین مرۃ۔ (کمافی فتح الباری جلد ۲ ص ۴۳۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عُمَرَ الدِّمَشْقِيِّ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَجَدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً مِنْهَا الَّتِي فِي النَّجْمِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي الدَّرْدَاءِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عُمَرَ الدِّمَشْقِيِّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ عُمَرَ وَهُوَ ابْنُ حَيَّانَ الدِّمَشْقِيُّ قَال سَمِعْتُ مُخْبِرًا يُخْبِرُ عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَجَدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى عَشْرَةَ سَجْدَةً مِنْهَا الَّتِي فِي النَّجْمِ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ بْنِ وَكِيعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ وَهْبٍ۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کئے جن میں سورۂ نجم والا سجدہ بھی شامل ہے اس باب میں حضرت علی، ابن عباس، ابوہریرہ، ابن مسعود، زید بن ثابت اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے ہم اسے سعید بن ابو ہلال کی عمر دمشقی سے روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔ ابن حیان دمشقی کہتا ہے کہ مجھے ایک بتلانے والے نے اُم الدرداء سے روایت کرتے ہوئے بتایا وہ ابوالدرداء سے روایت کرتی ہیں فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ سجدے کیے ہیں ان میں وہ سجدہ بھی ہے جو سورۃ النجم میں ہے۔

اس باب کے تحت دو مسائل کا بیان ہوگا۔

تشریح: **مسئلہ اولیٰ:** سجدہ تلاوت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سجدہ تلاوت مسنون ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: ترمذی شریف میں آگے باب ما جاء من لم یسجد فیه جلد ۱ ص ۱۰۲ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں قراءت علی رسول الله ﷺ النجم فلم یسجد فیھا۔

جواب: یہ سجدہ علی الفور کی نفی ہے جبکہ ہمارے نزدیک بھی فی الفور سجدہ واجب نہیں ہے۔

دلیل ثانی: آگے باب ما جاء من لم یسجد فیه ص ۱۰۲ جلد ۱ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔ انه قرأ سجدةً علی المنبر فنزل فسجد ثم قرأها فی الجمعة الثانية فتهيأ الناس للسجود فقال: انها لم تكتب علينا الا أن نشاء فلم يسجد ولم يسجدوا۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جماعت کی ہیئت پر سجدہ ضروری نہیں۔ یا فی الفور سجدہ کرنا ضروری نہیں۔

دلیل ثالث: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما امرنا بالسجود فمن سجد فقد اصاب و من لم يسجد فلا اثم عليه۔ (بخاری) جو شخص سجدہ نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

جواب: موقوف روایت مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں یا یہ وجوب علی الفور کی نفی ہے۔

احناف رحمہم اللہ کی دلیل اوّل: پورے قرآن میں تین قسم کی آیات سجدہ ہیں ① بعض آیات میں صیغہ امر کے ساتھ وارد ہوا ہے "واسجد واقترب" ② بعض آیات میں انبیاء علیہم السلام کے سجدہ کا تذکرہ ہے ③ بعض آیات میں کفار کے سجدہ کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے سجدہ ہے۔

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے وہ وجوب کیلئے ہے کیونکہ الامر للوجوب اور دوسری قسم انبیاء کے سجدہ کا تذکرہ ہے تو انکی اقتداء بھی ضروری ہے۔ تیسری قسم کفار کی مخالفت میں بھی سجدہ واجب ہے۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "اذا قرء ابن آدم السجدة اعتزل الشيطان يبكى يقول ياويله امر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة و امرت بالسجود فابيت فلى النار"

حدیث مذکورہ میں ہے کہ بنی آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا جو وجوب کی دلیل ہے اور اس میں ترک سجدہ پر وعید سنائی گئی ہے۔

دلیل ثالث: بخاری اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَأُ (السَّجْدَةَ) وَنَحْنُ عِنْدَهٗ، فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهٗ، فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ۔

حدیث مذکورہ میں ہے کہ سخت تنگی اور ازدحام کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم سجدہ تلاوت کیا کرتے تھے یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔

دلیل رابع: قرآن کریم میں ہے "فما لهم لا يؤمنون واذا قرئ عليهم القرآن لا يسجدون" اس آیت میں اللہ پاک نے سجدہ نہ کرنے کو سخت جرم قرار دیا کہ اس کا ذکر غیر ایمان کے ساتھ کیا لہٰذا سجدہ تلاوت پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر واجب ہے باقی جن روایات میں سجدہ نہ کرنے کا ذکر ہے اس کے جوابات گزر چکے ہیں۔

بَابٌ فِيْ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْذَنُوا لِلنِّسَاءِ

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے کی اجازت

بِاللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَقَالَ ابْنُهُ وَاللّٰهِ لَا نَأْذَنُ لَهُنَّ يَتَّخِذْنَهُ دَغَلًا فَقَالَ فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ وَفَعَلَ أَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ لَا نَأْذَنُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَزَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

دے دیا کرو اس پر ان کے بیٹے نے کہا اللہ کی قسم ہم ان کو اس کی اجازت نہیں دینگے کیونکہ یہ اسے فساد کا حیلہ بنائیں گی، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اللہ تیرے ساتھ ایسا کرے اور ویسا کرے میں تمہیں بتارہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیتے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، زید بن خالد اور زینب جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب کے متعلق ماقبل ابواب العیدین کے ضمن میں یہ بات گزر چکی ہے کہ عورتوں کا عیدین کے لئے گھروں سے نکلنا کیسا ہے؟ پھر فرائض کے بارے میں مساجد کے لئے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں مکمل تفصیل ماقبل ابواب میں ذکر کی جاچکی ہے۔ یہاں پر ایک سوال اور حدیث کی کچھ وضاحت دیکھ لیں۔

سوال: یہاں ابواب میں کچھ بے ترتیبی سی ہے کہ ابواب السجود کا ذکر چل رہا ہے۔ اب درمیان میں یہ باب اور آنے والا باب ابواب السجود سے متعلق تو نہیں ہیں حالانکہ اگر بخاری شریف میں ایک باب بھی غیر متعلقہ آجائے تو شراح کی بے شمار توجیہات ہوتی ہیں خواہ وہ توجیہات کسی کو سمجھ آئیں یا نہ آئیں لیکن یہاں پر کسی شارح نے اس کی وضاحت نہیں کی۔

جواب: لگتا تو یوں ہے کہ یہ دونوں ابواب ماقبل ابواب کے متعلقات میں سے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کاتب نے جب ترمذی کا نسخہ لکھا تو یہ ابواب اس وقت لکھنے سے رہ گئے پھر جب لکھنے والے کو بعد میں یاد آئے تو یہاں لکھ دیئے۔ اسکا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والا اسکے متعلق حاشیہ میں ایک نشان لگا دیا کرتا ہے تاکہ قارئین اس بات کو سمجھ جائیں کہ یہ ابواب یہاں کے نہیں۔ لہٰذا آئندہ جب نیا نسخہ تیار ہوگا تو اس کو اپنی جگہ رکھ دینگے۔ لیکن کاتبین نے یہاں پر کوئی نشان بھی نہیں رکھا۔ اسلئے یہ دونوں ابواب یہاں پر شروع سے لکھے چلے آرہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان ابواب کا اصل مقام **باب فی خروج النساء فی العیدین** کے بعد ہے۔ اور اگلا باب "**باب فی کراهیة البزاق فی المسجد**" یہ ماقبل باب "**باب ماجاء فی النوم فی المسجد**" کے بعد ذکر کیا جائے تو مناسب ہے۔

ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد: عورتوں کو رات کے وقت مساجد جانے کی اجازت دو۔ مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو رات کے وقت مساجد جانے کی اجازت دے دیں ان کو منع نہ کریں۔ یہ حدیث سن کر ان کے ایک بیٹے بولے بخدا ہم ان کو اجازت نہیں دیں گے۔ ورنہ وہ اس کو بگاڑ کا سبب بنالیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عبارت لاتاذن ہو یعنی آپ عورتوں کو اجازت دے کر مسجد جانے کا راستہ نہ کھولیں۔ بیٹے کی یہ بات سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غضب ناک ہو گئے اور اس کو ڈانٹا کہ اللہ تیرے ساتھ ایسا کریں ایسا کریں (یہ جملہ زجر و توبیخ کے لئے استعمال ہوتا ہے) کہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے یا آپ ان کو اجازت نہ دیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کا یہ مقصد نہیں تھا بظاہر حدیث کا معارضہ ہے اس لئے ابن عمرؓ سخت غصہ ہوئے البتہ اگر وہ یہ کہتے کہ ان بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اجازت نہیں دینی چاہیے تو اس

صورت میں یہ معارضہ نہ ہوتا اور اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما قطعاً غصہ نہ ہوتے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبارک ہے کہ آپ ان بدلے ہوئے حالات کو دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیتے۔

یتخذنہ دغلًا: دغل عام طور پر درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں کہ جن میں دھوکہ دینے کے لئے آدمی چھپ جاتا ہے۔

بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُحَارِبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتَ فِي الصَّلَاةِ فَلَا تَبْزُقْ عَنْ يَمِينِكَ وَلَكِنْ خَلْفَكَ أَوْ تِلْقَاءَ شِمَالِكَ أَوْ تَحْتَ قَدَمِكَ الْيُسْرَى وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ طَارِقٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَ سَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ لَمْ يَكْذِبْ رِبْعِيُّ بْنُ حِرَاشٍ فِي الْإِسْلَامِ كَذْبَةً وَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ أَثْبَتُ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَهُ، عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ "اَلْبُزَاقُ فِي الْمَسْجِدِ خَطِيئَةٌ" وَ كَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

حضرت طارق بن عبداللہ محاربی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز میں ہو تو اپنے دائیں طرف نہ تھوکو بلکہ اپنے بائیں طرف یا بائیں پاؤں کے نیچے تھوک دو اس باب میں حضرت ابوسعید، ابن عمر، انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں حضرت طارق کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے اور میں نے جارود سے وکیع کے حوالے سے سنا کہ ربعی بن حراش نے اسلام میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ منصور بن معتمر اہل کوفہ میں اثبت ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسجد میں تھوکنا غلطی ہے اور اس کی تلافی تھوک کو دفن کرنا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: مسجد میں تھوکنا جائز نہیں علامہ نوویؒ کے نزدیک مطلقاً مسجد میں تھوکنا منع ہے دائیں طرف ہو یا بائیں طرف یا سجدہ کی جگہ میں خواہ ضرورت کے ساتھ ہو یا بلا ضرورت تمام صورتوں میں گناہ ہوگا یہ تھوکنے کی گنجائش اس وقت تھی جب مساجد کچی ہوتی تھیں اور ابتداء اسلام تھا لوگوں کو مساجد کے مسائل کا علم نہ تھا لیکن جب اسلام خوب پھیل گیا اور لوگوں کو مسائل کا علم ہوگیا تو پھر اس سے نہی فرمائی گئی چونکہ اکثر مساجد اب پکی ہوتی ہیں اس لئے تھوکنا درست نہیں البتہ بوقت ضرورت کپڑے میں تھوک رکھ لی جائے تو درست ہے دوسرا یہ کہ اِس زمانے میں مسجد میں تھوکنے والے کو معیوب قرار دیا جاتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مسجد میں فرشتے ہوتے ہیں اور یہ اللہ کے ساتھ مناجات کی جگہ ہے۔ اسی طرح سامنے کی طرف تھوکنا اللہ جل شانہٗ کے سامنے ہونے کی وجہ سے منع اور دائیں جانب ان خاص فرشتوں کی وجہ سے منع ہے جو نماز میں آمین کہنے کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ اس لئے حتی الامکان مسجد میں تھوکنے سے پرہیز کیا جائے۔

معارف السنن میں علامہ یوسف بنوریؒ نے مسجد میں تھوکنے کی ممانعت کے متعلق چند وجوہات بیان کی ہیں۔ ان میں سے کچھ

وجوہات اوپر گزر چکی ہیں۔ مزید یہ ہیں: ① نمازی کے سامنے کا احترام کرتے ہوئے کیونکہ وہ اپنے اور اللہ کے درمیان مناجات کررہا ہے اگر اس کے سامنے یہ چیز پھینک دو گے تو مناجات میں خلل آئے گا۔

② نمازی اور قبلہ کے درمیان اللہ رب العزت کی تعظیم کی وجہ سے۔

③ قبلہ کی شان و تعظیم کی وجہ سے نمازی کے سامنے نہیں تھوکنا چاہیے۔

④ نمازی کا قبلہ کی طرف ہونا توجہ الی الرب ہے یعنی رب کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے۔ ⑥ اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول کے لئے قبلہ کی طرف رخ کیا۔

⑦ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ایذاء دینے کی وجہ سے نہیں۔ ⑧ قیامت کے دن وہ تھوک پیشانی پر لگا ہوا آئے گا۔

⑨ قبلہ کی جانب دیوار ملوث بالنجاسۃ ہوگی اس سے بچنے کیلئے منع فرمایا۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۶۳ فتح الباری ج ۱ ص ۴۲۸)

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ عَطَاءِ بْنِ مِينَاءٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ هُوَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَفِي الْحَدِيثِ أَرْبَعَةٌ مِنَ التَّابِعِينَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَوْنَ السُّجُودَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَاقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ میں سجدہ کیا۔ قتیبہ، سفیان، یحیی بن سعید، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، عمر بن عبدالعزیز، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ہشام نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوپر کی حدیث کی مثل روایت کی اور اس حدیث میں چار تابعی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے کہ (إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ اور اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ) دونوں سورتوں میں سجدہ ہے۔

تشریح: مصنفؒ اس باب کو لا کر امام مالکؒ کی تردید کر رہے ہیں ان دونوں سجدوں کے بارے میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں منسوخ ہیں ان کے علاوہ باقی ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ نہیں حدیث الباب جمہور حضرات کی مستدل ہے۔ مالکیہ حضرات کو جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی حدیث ۷ ہجری میں اسلام لائے ان کو یہ سجدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرنے کا اتفاق ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف وقتوں میں فرض نمازوں میں یہ سورتیں پڑھی ہیں۔ اور سجدہ کیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان نمازوں میں شریک تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدنی دور میں بھی مفصلات میں سجدے کرتے تھے۔

وفی الحدیث اربعة من التابعین: وہ چار تابعین یہ ہیں ① یحییٰ بن سعید الانصاری ② ابوبکر بن محمد ③ عمر بن عبدالعزیز ④ ابوبکر بن عبدالرحمٰن۔ یہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۶۷)

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي النَّجْمِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَزَّازُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا يَعْنِي النَّجْمَ وَالْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَوْنَ السُّجُودَ فِي سُورَةِ النَّجْمِ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَيْسَ فِي الْمُفَصَّلِ سَجْدَةٌ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا تو مسلمانوں مشرکوں جنوں اور انسانوں سب نے سجدہ کیا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ سورۂ نجم میں سجدہ کیا جائے جبکہ بعض صحابہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ مفصل میں کوئی سجدہ نہیں یہ امام مالک بن انس کا بھی قول ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور وہ سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی قول ہے۔

تشریح: سجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فيها يعني النجم: کہ سورۂ نجم میں "فاسجدوا لله واعبدوا" پر آپ ﷺ نے اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کی وجہ سے سجدہ کیا۔

مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ اوّل: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سورۂ نجم میں تلاوت کرتے وقت جب اس آیت پر پہنچے "ومناة الثالثة الاخرى" تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات القاء کردیئے "تلك الغرانيق العلى. وان شفاعتهن لترتجى" یعنی یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امید بخشش ہے۔ یہ سن کر مشرکین خوش ہوئے کہ ہمارے بتوں کی تعریف ہوئی ہے اس وجہ سے مشرکین سجدہ میں گر پڑے۔ لیکن اکثر حضرات نے اس کی تردید کی کہ آپ ﷺ پر شیطان کبھی غالب نہیں آسکتا جیسا کہ کتاب الایمان میں ہے "فاسلم" کہ وہ مسلمان ہوگیا اس لیے شیطانی القاء والا معنی درست نہیں۔

صاحب تعلیق نے بھی اس پر یوں تردید کی ہے "واما ما يروى من انهم سجدوا لما مدح النبي صلى الله عليه وسلم اباطيلهم بقوله تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى فقول باطل واني يتصور ذلك أم كيف يدخل هذا بين قوله وما ينطق عن الهوى (النجم: ۳)۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۴)

وجہ ثانی: ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جب یہ کلمات ادا کئے ''**افرأیتم اللات والعزی الایة۔ قرأ الشیطان محاکیا لصوته فی اثناء قراءته**'' کہ شیطان نے آپ ﷺ کی آواز کی طرح حکایت کیا اور مذکورہ کلام پڑھا لیکن یہ بھی درست نہیں کیونکہ خواب میں آپ ﷺ کی شکل وصورت شیطان اختیار نہیں کرسکتا یہاں تو بیداری کی حالت ہے اس میں بطریق اولی وہ مماثلت اختیار نہیں کرسکتا۔

پھر جب جبرائیل علیہ السلام نے اس القاء شیطانی کی خبر دی تو آپ ﷺ غمگین ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ''**وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته فینسخ الله مایلقی الشیطان**'' اس واقعہ کو صاحب جلالین نے ص ۲۸۲ پر نقل کیا ہے۔ الحاصل یہ دونوں جواب غلط ہیں اور مذکورہ واقعہ اسرائیلی من گھڑت روایات میں سے ہے بالفرض اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر آپ ﷺ کی تعلیمات پر اعتبار نہیں رہے گا کیونکہ ہر تعلیم کے بارے میں احتمال پیدا ہوجائے گا کہ کہیں شیطان نے یہ حکم جاری نہ کروادیا ہو اس لئے یہ جواب درست نہیں نیز یہ عصمت انبیاء کے بھی خلاف ہے اسلئے اس کی توجیہات یہ ہیں۔

اوّل: کہ سورۂ نجم میں لات وعزی کا تذکرہ آیا اس تذکرے سے خوش ہوکر مشرکین سجدہ میں گر گئے۔

ثانی: اللہ کی خاص تجلی اس وقت واقع ہوئی اس تجلی کے اثر سے مشرکین بلا اختیار سجدہ میں گر گئے۔

ثالث: نیکی کے ماحول سے متاثر ہوکر مشرکین سجدہ میں گر گئے۔ جیسے شر اثر انداز ہے ایسے ہی خیر بھی اثر انداز ہے اسی طرح بعض نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ یہ شعر آپ ﷺ نے مشرکین کی زجر وتوبیخ کیلئے فرمائے اور بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ ''**تلك الغرانیق العلی**'' کا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان عند اللہ معظم ومکرم ہیں یہ سفارش کرینگے مشرکین نے اس کو معبودان باطلہ پر محمول کیا اور خوشی سے سجدہ کر بیٹھے۔ اور امام طحاویؒ نے یہ توجیہ کی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اکرم ﷺ کی موافقت اختیار کرلی تھی سب ایمان لے آئے تھے اس وجہ سے انہوں نے سجدہ کردیا۔ پھر جب انکے بڑے گرو (سردار) آئے تو انہوں نے مکہ کے لوگوں کی حالت بدلی ہوئی دیکھی تو وہ اہل مکہ اپنے بڑے گرو کے ڈر سے پھر مشرک ہوگئے۔

والجن والانس: جنوں کو انسانوں پر تعجباً مقدم کیا کہ جنوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کردی یہ باعث تعجب ہے۔

سوال: جنات کے سجدہ کرنے کا علم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کیسے ہوا؟

جواب: جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بقیہ قصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سنا اسی طرح جنات کے سجدے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بَاب مَا جَاءَ مَنْ لَمْ يَسْجُدْ فِيهِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَتَأَوَّلَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ إِنَّمَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ لِأَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حِينَ قَرَأَ فَلَمْ يَسْجُدْ لَمْ يَسْجُدِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوا السَّجْدَةُ وَاجِبَةٌ عَلَى مَنْ سَمِعَهَا وَلَمْ يُرَخِّصُوا فِي تَرْكِهَا وَقَالُوا إِنْ سَمِعَ الرَّجُلُ وَهُوَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَإِذَا تَوَضَّأَ سَجَدَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ إِسْحٰقُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّمَا السَّجْدَةُ عَلَى مَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ فِيهَا وَالْتَمَسَ فَضْلَهَا وَرَخَّصُوا فِي تَرْكِهَا قَالُوا إِنْ أَرَادَ ذٰلِكَ وَاحْتَجُّوا بِالْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَيْثُ قَالَ قَرَأْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجْمَ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيهَا فَقَالُوا لَوْ كَانَتِ السَّجْدَةُ وَاجِبَةً لَمْ يَتْرُكِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا حَتّٰى كَانَ يَسْجُدَ وَيَسْجُدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ عُمَرَ أَنَّهُ قَرَأَ سَجْدَةً عَلَى الْمِنْبَرِ فَنَزَلَ فَسَجَدَ ثُمَّ قَرَأَهَا فِي الْجُمُعَةِ الثَّانِيَةِ فَتَهَيَّأَ النَّاسُ لِلسُّجُودِ فَقَالَ إِنَّهَا لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْنَا إِلَّا أَنْ نَشَاءَ فَلَمْ يَسْجُدْ وَلَمْ يَسْجُدُوا فَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ.

علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورۂ نجم پڑھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں زید بن ثابتؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے سجدہ نہیں کیا کہ زید بن ثابتؓ نے جب پڑھا تو انہوں نے سجدہ نہیں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ جو شخص سجدہ کی آیت سنے اس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور اسے چھوڑنے کی اجازت نہیں وہ کہتے ہیں اگر اس حالت میں سنا کہ وضو نہیں تھا تو جب وضو کرے اس وقت سجدہ کرے سفیان ثوری اہل کوفہ اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ سجدہ اس کیلئے ہے جو کرنا چاہے اور ثواب فضیلت کی خواہش رکھتا ہو لہٰذا اس کا ترک کرنا بھی جائز ہے ان کی دلیل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سورۂ نجم پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا پس اگر سجدہ واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک وہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود سجدہ نہ کر لیتے ان کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے انہوں نے منبر پر سجدہ کی آیت پڑھی اور اتر کر سجدہ کیا پھر دوسرے جمعہ کو دوبارہ وہی آیت پڑھی تو لوگ سجدے کیلئے مستعد ہو گئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ سجدہ ہم پر فرض نہیں ہے اگر ہم چاہیں تو سجدہ کریں چنانچہ نہ تو حضرت عمرؓ نے سجدہ کیا اور نہ ہی لوگوں نے سجدہ کیا اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ واجب نہیں اور امام شافعیؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں یہ ذکر ہے کہ سجدہ تلاوت واجب ہے کہ نہیں؟ اس کے بارے میں یہاں ائمہ ثلاثہ کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ ایک دلیل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ حضرت عمرؓ کی دلیل کا ایک جواب ماقبل میں اصل مسئلہ کے تحت دیا گیا ہے۔ دو جواب یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔

جواب اول: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک ملتا جلتا ہے جب کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ

ہے کہ سجدہ تلاوت میں سجدہ ہی ضروری نہیں رکوع کر لینا ہی کافی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کہ سر جھکا کر اشارہ کر لینا بھی کافی ہے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۳۸۳ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ ضروری نہیں۔ مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر جھکانا مروی نہیں بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ سجدے ہم پر لازم نہیں ہم چاہیں تو کریں چاہیں تو نہ کریں۔

جواب ثانی: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا مذہب ہے کہ سجدہ تلاوت مسنون ہے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب نہیں ہے۔ اس لئے احناف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے بجائے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے لی ہے۔

لان زيد بن ثابت حين قراء فلم يسجد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ زید بن ثابت کا سجدہ نہ کرنا ہے حالانکہ شارع تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا تو انت پر واجب ہے نہ اس کے برعکس۔

جواب: وهذا بناء على ان القارى بمنزلة الامام للسامع فاذالم يسجد القارى لم يسجد السامع۔ یہ بات مبنی ہے قاری امام کی طرح ہے لہٰذا جب قاری نے سجدہ نہیں کیا تو سامع بھی سجدہ نہیں کرے گا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّجْدَةِ فِي صٓ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي صٓ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَيْسَتْ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُودِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي هٰذَا فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَسْجُدَ فِيهَا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهَا تَوْبَةُ نَبِيٍّ وَلَمْ يَرَوُا السُّجُودَ فِيهَا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۃ صٓ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ واجب سجدوں میں سے نہیں امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس میں علماء صحابہ وغیرہ کا اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس میں سجدہ کرے سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاقؒ کو بھی یہی قول ہے لیکن بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ نبی کی توبہ ہے لہٰذا یہاں سجدہ واجب نہیں۔

تشریح: سورۃ ص میں امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ نہیں کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ کا تذکرہ ہے۔ اللہ رب العزت نے ان کی لغزش کو معاف کیا تو اس پر حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا ہمیں اس جگہ سجدہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ ان کے علاوہ تمام فقہاء سورۃ ص میں سجدہ مانتے ہیں جیسا کہ آگے اقوال کی تفصیل آرہی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۃ صٓ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ اس کے علاوہ نسائی شریف میں صحیح سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے توبہ کے طور پر سجدہ کیا اور ہم شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں۔ اس حدیث کے تحت تو حضرت امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: سورۃ صٓ سورۃ حج کے سجود کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

دراصل قرآن پاک میں مختلف سورتوں میں سجدوں کا ذکر ہے لیکن اس کے بیان میں فرق ہے کیونکہ بعض روایات میں اور انداز سے اس کا ذکر ہے اور بعض روایات میں دوسرے انداز سے اس وجہ سے اس کے مقامات میں بھی اختلاف ہو گیا۔

قول اوّل: شافعیہ حضرات کے نزدیک چودہ سجدے ہیں لیکن تعیین میں فرق ہے کہ سورہ ص کا سجدہ نہیں اور سورۂ حج کے دونوں سجدے ہیں۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک سورۂ نجم، انشقاق، علق میں سجدہ نہیں لہٰذا انکے نزدیک سجدوں کی تعداد گیارہ ہوئی۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں پندرہ سجدے ہیں یہ سورۂ ص اور حج کے دونوں سجدے مراد لیتے ہیں۔

قول رابع: احنافؒ کے ہاں بھی چودہ سجدے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ احناف کے نزدیک سورہ ص میں سجدہ ہے اور سورۂ حج میں صرف پہلے والا سجدہ ہے دوسرا نہیں۔

شوافع کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **قال رأیت رسول الله ﷺ یسجد فی "ص" قال ابن عباس ولیست من عزائم السجود۔**

جواب: ص میں سجدہ کرنا اس روایت سے ثابت ہے البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے عزائم السجود میں سے ہونے کی جو نفی فرمائی ہے اسکا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ سجدہ بطور شکر واجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ثابت ہے کہ سجدھا داؤد توبة و نسجدها شکراً۔

دلیل ثانی: دوسرا سجدہ حج کے متعلق امام شافعیؒ اگلے باب، باب فی السجدة فی الحج میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں "**قلت یا رسول الله فضلت سورة الحج بأن فیها سجدتین قال نعم فمن لم یسجدها فلا یقرأهما**"۔

جواب: اس حدیث کا دار و مدار ایک راوی ابن لہیعہ پر ہے جس کا ضعف کسی پر مخفی نہیں۔

امام مالکؒ کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے "**عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی الله علیه وسلم لم یسجد فی شئ من المفصل منذ تحول الی المدینة**" سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتوں کو مفصلات کہتے ہیں ان میں سجدہ نہیں ہے لہٰذا امام مالک کے نزدیک سجود کی تعداد گیارہ ہے۔

جواب اوّل: حضرت ابن عباسؓ کی روایت قابل استدلال نہیں، امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ اور ابو حاتمؒ نے اسکو ضعیف قرار دیا ہے۔

جواب ثانی: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کیلئے ناسخ ہے۔

دلیل ثانی: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا "**قال قرأت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم والنجم فلم یسجد فیها**" آپ ﷺ نے سورۃ نجم میں سجدہ نہیں کیا۔

جواب: فی الفور سجدہ ادا نہ کرنا عدم سجدہ کی دلیل نہیں بن سکتی ہو سکتا ہے اس وقت کسی عذر کی بناء پر سجدہ نہ کیا ہو بلکہ بعد میں کر لیا ہو کیونکہ سجدہ تلاوت میں تاخیر کرنا نہ مکروہ ہے اور نہ ہی منع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: ابوداؤد شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **قال اقرأنی رسول الله صلی الله علیه وسلم خمس عشر سجدة فی القرآن منها ثلاث فی المفصل وفی سورة الحج سجدتین** "اور سورۂ ص

میں سجدہ کے لئے بخاری شریف کی روایت ہے "قال مجاھد قلت لابن عباس رضی اللہ عنہما السجدۃ فی "ص" فقرأ" یعنی سورۂ ص میں سجدہ نہیں۔

جواب: اس کی سند میں عبداللہ بن منین مجہول راوی ہے اور حارث بن سعید غیر معروف ہے۔ ابن قطان وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی المنبر "ص" فلما بلغ السجدۃ فسجد وسجد الناس معه"۔

دلیل ثانی: سورۂ حج کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے استدلال ہے "قال فی سجود الحج الاولی عزیمة والثانی تعلیم" کہ پہلا سجدہ عبادت کیلئے اور دوسرا تعلیم کیلئے ہے۔ قرینہ اس کا یہ ہے کہ جو سجدہ رکوع کے لفظ کیساتھ ملا ہوا ہو وہ بطور تعلیم کے ہوتا ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۷)

دلیل ثالث: مؤطا محمد میں امام محمدؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے "کان ابن عباس لایری فی سورۃ الحج الاسجدۃ واحدۃ الاولی لا الثانیه" اور اسی طرح "عبدالکریم عن مجاھد قال السجدۃ التی فی آخر الحج انما ھی موعظة ولیست بسجدۃ"۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۷)

سورۂ حج میں ایک سجدہ کے ثبوت کیلئے عقلی دلیل: "ان السجدۃ الثانیة فی الحج انما ھی سجدۃ" حج میں دوسرا سجدہ صلاتیہ ہے تلاوتیہ نہیں اس پر یہ قرینہ ہے کہ اس کے ساتھ "وارکعوا" کا لفظ موجود ہے۔

بَابٌ فِی السَّجْدَةِ فِی الْحَجِّ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ مِشْرَحِ بْنِ هَاعَانَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِأَنَّ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا فَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَابْنِ عُمَرَ أَنَّهُمَا قَالَا فُضِّلَتْ سُورَةُ الْحَجِّ بِأَنَّ فِيهَا سَجْدَتَيْنِ وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَرَأَى بَعْضُهُمْ فِيهَا سَجْدَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكٍ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ سورۂ حج کو دوسری سورتوں پر فضیلت دی گئی کیونکہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اور جو سجدہ نہ کرنا چاہے وہ ان آیات سجدہ کو نہ پڑھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے حضرت عمر بن خطابؓ اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا سورۂ حج کو اس وجہ سے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض کے نزدیک اس میں ایک ہی سجدہ ہے اور یہ سفیان ثوریؒ، مالکؒ اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

تشریح: اس باب کی حدیث سے امام شافعیؒ کا استدلال ہے، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک دو سجدے ہیں۔

ان کی ایک دلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو ابو داؤد میں ہے اس کی سند میں عبداللہ بن منین راوی ہے جو کہ ضعیف ہے اور ان کی دوسری دلیل حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ماقبل باب میں روایت گزر چکی ہے وہ بھی ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ البتہ یہ حدیث ابو داؤد شریف میں موجود ہے وہاں اس کی سند صحیح ہے مگر یہ حدیث اس بات میں صریح نہیں کہ یہ دونوں سجدے تلاوت کے ہیں۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی مراد ایک سجدہ تلاوت ہو اور دوسرا سجدہ صلوٰۃ ہو۔

فتح الملہم اور اعلاء السنن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ نماز سے باہر سورۂ حج میں دوسرا سجدہ بھی کرنا چاہیے اور نماز میں اس آیت کے بعد فوراً بعد رکوع کرنا چاہیے اور رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینی چاہیے تاکہ دونوں ائمہ کے اقوال پر عمل ہو جائے۔

بَاب مَا جَاءَ مَا يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ خُنَيْسٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ جُرَيْجٍ يَا حَسَنُ أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي يَزِيدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي رَأَيْتُنِي اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّي أُصَلِّي خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُودِي فَسَمِعْتُهَا وَهِيَ تَقُولُ اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّي بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ قَالَ الْحَسَنُ قَالَ لِيَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ لِي جَدُّكَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ سَمِعْتُهُ وَهُوَ يَقُولُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے رات کو سوتے ہوئے خواب میں دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں میں نے سجدہ کیا تو درخت نے بھی سجدہ کیا پھر میں نے اس سے کہتے ہوئے سنا کہا اے اللہ میرے لئے اس سجدے کا ثواب لکھ اور اس کی وجہ سے میرے گناہ کم کر اور اسے اپنے پاس میری لئے ذخیرہ آخرت بنا اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسا کہ تو نے اپنے بندے داؤد سے قبول فرمایا۔ حسن کہتے ہیں کہ ابن جریج نے مجھے بتایا کہ تمہارے دادا نے مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے کہا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سجدے میں وہی دعا پڑھ رہے تھے جو اس شخص نے درخت کے متعلق بیان کی تھی اس باب میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابن عباس کی روایت سے غریب ہے ہم اسے ان کی روایت سے اس سند کے علاوہ نہیں جانتے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو قرآن کے سجدوں میں یہ دعا پڑھا کرتے

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي سُجُودِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَ بَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

تھے یعنی میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے بنایا اور اپنی قوت وقدرت سے اس میں کان اور آنکھ بنائی امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: سجدہ تلاوت دوران نماز میں آئے تو اس کی تسبیح ”سبحان ربی الاعلی“ پڑھے گا اور اگر وہ نماز میں نہیں ہے تو سجدہ میں ماثور دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے اور اگر سجدہ تلاوت کے دوران وہ کچھ بھی نہ پڑھے تو پھر بھی سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا۔

کما فی الهداية حتى لو لم يقرأ شيئًا لم يضره۔

حدیث کی وضاحت میں میرک شاہؒ فرماتے ہیں کہ جن صحابی نے خواب دیکھا وہ حضرت ابوسعید خدریؓ تھے اور یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس میں حسن بن محمد بن عبید اللہ متفرد راوی ہیں اور حسن بن محمد کی عقیلی نے تضعیف کی ہے اور ابن حبان نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ حافظؒ نے اس راوی کو مقبول بتایا ہے۔

صحابی نے جو خواب دیکھا وہ از قبیل مبشرات میں سے ہے اس کی تعبیر نہیں ہوتی۔ دوسرا یہ کہ خواب میں وہی تصورات آتے ہیں جو خزانہ خیال میں بھرے ہوئے ہوتے ہیں چونکہ حضرت ابوسعید خدریؓ کے خیال میں یہ بات موجود تھی کہ سورۂ صٓ میں سجدہ ہے پھر انہوں نے جب خواب دیکھا کہ میں نے یہ آیت پڑھی تو سجدہ کیا ساتھ درخت کے بھی سجدہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں سجدہ پکا ہے۔

باب مَا ذُكِرَ فِيمَنْ فَاتَهُ حِزْبُهُ مِنَ اللَّيْلِ فَقَضَاهُ بِالنَّهَارِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ وَعُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَاهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدٍ الْقَارِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهِ أَوْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَقَرَأَهُ مَا بَيْنَ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو صَفْوَانَ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْمَكِّيُّ وَرَوَى عَنْهُ الْحُمَيْدِيُّ وَ كِبَارُ النَّاسِ.

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطابؓ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو سو گیا اور اس نے رات کو وظیفہ نہ پڑھا یا کچھ اس میں سے باقی رہ گیا ہو تو وہ فجر اور ظہر کی نماز کے درمیان اسے پڑھ لے وہ اس کے لئے اسی طرح لکھا جائے گا جیسے کہ اس نے رات ہی کو پڑھا ہو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوصفوان کا نام عبداللہ بن سعید مکی ہے ان سے حمیدی اور کئی حضرات نے روایت کی ہے۔

تشریح: ابواب السجود مکمل ہو رہے ہیں یہاں سے کتاب الصلوٰۃ کے آخر تک کے ابواب متفرق ہیں۔ یہ باب رات کو رہ جانے والے اعمال دن کو کرنے کے بارے میں ہے۔

یعنی کسی شخص نے نماز وغیرہ یا دوسری چیزوں کا وظیفہ مقرر کر رکھا ہے اس کو اپنے اوقات میں بجالاتا ہے لیکن بسا اوقات رات کے اعمال میں سے کوئی عمل چھوٹ جاتا ہے تو دوسرے دن طلوع آفتاب سے زوال آفتاب کے دوران اس فعل کو بجالاتا ہے تو اس کا ثواب

ملے گا کیونکہ رات اور دن ایک دوسرے کا خلیفہ ہیں ''کما فی قولہ تعالیٰ جعل اللیل والنہار خلفۃ لمن اراد.... الایۃ''
اس لئے رات کورہ جانے والے نفلی اعمال دن میں بجالا سکتے ہیں۔ اس طرح اگر دن والے اعمال میں سے کوئی عمل چھوٹ گیا تو اس کو رات میں بجالانے سے اس کی کمی دور ہو جائے گی۔ گویا کہ اس نے اس کو اپنے ہی وقت میں ادا کیا۔

یہاں پر چند باتیں زیر غور ہیں۔ ① حدیث شریف میں ''کأنما قرأہ من اللیل'' فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عمل کو کرنے میں جو بات ہے وہ بدل سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ ② اگر اوراد رہ جائیں تو اس کا بدل اس حدیث سے ثابت ہے۔

③ اوراد اور نوافل کی قضاء نہیں امام ترمذیؒ نے جو قضاء کا لفظ استعمال کیا ہے وہ عرف عام کے اعتبار سے کیا ہے لغت میں قضاء اور اداء کے الگ الگ معنیٰ ہیں مگر عرف میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

④ انسان کو اوراد کے ساتھ واجب جیسا معاملہ کرنا چاہیے اگرچہ یہ من جانب اللہ ضروری نہیں مگر وقت مقررہ پر پابندی سے کرنے میں جو برکت حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے وقت میں عمل کرنے سے نہیں ہوتی۔

قال ابوعیسیٰ: امام ترمذیؒ کے استاد الاستاد ابوصفوان کا نام عبداللہ بن سعید مکی ہے اوران سے حمیدی اور دیگر ائمہ روایت کرتے ہیں۔ یعنی وہ ثقہ ہیں۔ اکابر محدثین کا کسی ضعیف راوی سے روایت کرنا مروی عنہ کی توثیق ہے مذکورہ حدیث حسن صحیح ہے اس میں کوئی راوی ضعیف نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مِنَ التَّشْدِیدِ فِی الَّذِی یَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ وَهُوَ أَبُو الْحَارِثِ الْبَصْرِیُّ ثِقَةٌ عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَمَا یَخْشَى الَّذِی یَرْفَعُ رَأْسَهُ قَبْلَ الْإِمَامِ أَنْ یُحَوِّلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ قَالَ قُتَیْبَةُ قَالَ حَمَّادٌ قَالَ لِی مُحَمَّدُ بْنُ زِیَادٍ وَإِنَّمَا قَالَ أَمَا یَخْشَى قَالَ أَبُو عِیسَى هَذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ زِیَادٍ هُوَ بَصْرِیٌّ ثِقَةٌ وَیُكْنَى أَبَا الْحَارِثِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص امام سے پہلے سر اٹھالیتا ہے اسے اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر کی طرح بنادے۔ قتیبہ حماد کے حوالے سے کہتے ہیں کہ محمد بن زیاد نے کہا کہ ابوہریرہ نے **أَمَا یَخْشَى** کا لفظ کہا ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے محمد بن زیاد بصری ثقہ ہیں اوران کی کنیت ابوحارث ہے۔

تشریح: نماز کے کسی بھی رکن میں امام سے پہلے پہنچ جانا یا امام سے پہلے سجدہ وغیرہ سے سر اٹھالینا مکروہ تحریمی ہے مگر اس کراہت کی وجہ سے نماز کا اعادہ لازم نہیں یہاں کراہت کا تعلق نماز کے کسی جز کے ساتھ نہیں بلکہ متابعت کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقتدی پر امام کی پیروی واجب ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص امام سے سبقت کر کے کسی رکن میں پہلے چلا گیا تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی البتہ یہ ناپسندیدہ حرکت ہے جس کی وجہ سے نماز میں کراہت آجاتی ہے۔

حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا وہ شخص جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا

ہے اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کی شکل میں بدل دیں گے۔

اس حدیث کی سند پر بعض حضرات نے بحث کی ہے کہ محمد بن زیاد نے اس حدیث میں کمی بیشی کی ہے۔ حالانکہ یہ کہنا درست نہیں کیونکہ زیادہ ثقہ اور قابل اعتماد ہے ۔اس لئے امام ترمذیؒ نے سند کے بیچ ہی میں کہا ''ھو ثقۃ'' خود راوی نے جواب دیا کہ یہ حدیث خبر نہیں بلکہ وعید کے متعلق ہے۔اس کی دلیل حدیث کے شروع میں ''اما یخشی'' آیا ہے۔کیا نہیں ڈرتا حدیث میں خبر دی جائے اس کے لئے ویسا ہونا ضروری ہے۔مگر وعید کا پورا ہونا ضروری نہیں۔

قوله أن يحول الله راسه رأس حمار: اس کا سر گدھے کے سر کی مانند ہو جائے گا اس کی چند شرحیں کی جاتی ہیں۔

① امام غزالیؒ، اور امام طیبیؒ نے کہا کہ یہاں مسخ سے مراد مسخ معنوی ہے کہ ایسے شخص کو تشبیہ دی ہے گدھے کیساتھ بیوقوفی میں۔جس طرح تمام جانوروں میں گدھا سب سے زیادہ بے وقوف ہے اسی طرح تمام انسانوں میں ایسا انسان جو امام کی متابعت نہیں کرتا بے وقوف ہے۔اس صورت میں مسخ امت محمدیہ میں نہ ہوا۔

② امام خطابیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے کہ اس طرح کرنے والے کا سر گدھے کے سر کی مانند ہو جائے گا۔اس صورت میں امت محمدؐیہ میں مسخ ہو گا اور اس کا امکان بھی ہے۔جیسا کہ صاحب مرقات نے ایک محدث کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ دمشق کے ایک مشہور شیخ کے پاس علم حدیث حاصل کرنے کیلئے گئے تھے، بہت دنوں تک وہاں تحصیل علم کرتے رہے اس پورے عرصہ میں ان کے اور شیخ کے درمیان پردہ پڑا رہا، پھر جب شیخ نے ان کے شوق علم اور حرص علی الحدیث کو اچھی طرح محسوس کر لیا تو ایک دن درمیان سے پردہ ہٹا دیا۔اس محدث نے دیکھا کہ شیخ کا چہرہ بالکل گدھے کی طرح ہے، یہ دیکھ کر محدث حیران و ششدر رہ گئے، شیخ نے شاگرد کا استعجاب دور کرتے ہوئے کہا کہ برخوردار سبقت علی الامام سے بچتے رہو، میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے وقوع کو بعید سمجھتا تھا میرا چہرہ گدھے جیسا ہو گیا۔معاذ اللہ باقی جو مسخ امت محمدیہ میں ناممکن ہے وہ مسخ ہے جو اجتماعی ہو۔فرداً من الافراد جائز ہے اور اس کا وقوع بھی ہو چکا ہے۔

③ یہ محمول ہے شدید زجر و توبیخ پر کہ امام سے سبقت کرنے پر یہ وعید ہے۔

④ اس کا مطلب یہ ہے کہ حمار والی وعید اگرچہ فی الحال نہ ہو البتہ جس وقت اللہ چاہے گا اس وقت وقوع ہو جائے گا لہٰذا امام پر سبقت کرنے والا گناہ گار ہو گا البتہ اعادہ صلوٰۃ کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث میں اعادہ صلوٰۃ کے متعلق کوئی حکم مذکور نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ رونما ہوا ہے تو اس پر دلیل کیا ہے دنیا میں کوئی اس طرح عجیب واقعہ رونما ہو بھی جائے تو تواتر کے ساتھ منقول ہوتا اور تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا اور کثرت سے ہر عام و خاص کو اس واقعہ کا پتہ ہوتا۔کیونکہ اس وعید کا تعلق نماز کے ساتھ ہے اور نماز پڑھنے والوں کو اس طرح کی وعیدات کثرت سے یاد ہوتی ہیں۔حالانکہ نمازیوں میں سے کسی کو اس واقعہ کا پتہ نہیں البتہ وہ شخص جس نے یہ حدیث پڑھی ہو تو دگر نہ نہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اس قصہ کی کوئی اصل نہیں ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اولیاء کی حکایات میں سے ہے اس طرح تو اولیاء کی حکایات سے انکار لازم آئے گا اس کا جواب یہ ہے کہ مؤمن کی شان اور عظمت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی بات دین کے عنوان سے آتی ہے تو اس کو آنکھیں بند کر کے تسلیم نہیں کر لیتا بلکہ اس کو عقل کے اوپر پرکھتا ہے۔اگر ایسی حکایات کو آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے تو پھر گمراہی کا ہر بند دروازہ کھل جائے گا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُصَلِّي الْفَرِيضَةَ ثُمَّ يَؤُمُّ النَّاسَ بَعْدَ مَا صَلَّى

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيَؤُمُّهُمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَصْحَابِنَا الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالُوا إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فِي الْمَكْتُوبَةِ وَقَدْ كَانَ صَلَّاهَا قَبْلَ ذٰلِكَ أَنَّ صَلَاةَ مَنِ ائْتَمَّ بِهِ جَائِزَةٌ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ جَابِرٍ فِي قِصَّةِ مُعَاذٍ وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْقَوْمُ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهَا صَلَاةُ الظُّهْرِ فَائْتَمَّ بِهِ قَالَ صَلَاتُهُ جَائِزَةٌ وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ إِذَا ائْتَمَّ قَوْمٌ بِإِمَامٍ وَهُوَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهَا الظُّهْرُ فَصَلَّى بِهِمْ وَاقْتَدَوْا بِهِ فَإِنَّ صَلَاةَ الْمُقْتَدِي فَاسِدَةٌ إِذَا اخْتَلَفَ نِيَّةُ الْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ.

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے اور پھر اپنی قوم میں جا کر ان کی امامت کرتے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر ہمارے اصحاب شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا عمل ہے کہ اگر کوئی شخص فرض نماز کی امامت کرے باوجودیکہ وہ فرض نماز پڑھ چکا ہو تو مقتدیوں کے لئے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے ان کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں حضرت معاذؓ کا واقعہ ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مسجد میں داخل ہوا اور عصر کی نماز پڑھی جا رہی ہو لیکن وہ ظہر کی نماز سمجھ کر ان کے ساتھ شریک ہو جائے فرمایا کہ اس کی نماز ہو گئی لیکن اہل کوفہ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اگر امام اور مقتدی کی نیت میں اختلاف ہے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی۔

تشریح: حدیث الباب میں اس بات کا بیان ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل یعنی نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء اور اسی طرح فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنے والے کی اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟ اسکے بارے میں مسئلہ اختلافی دیکھئے۔

مسئلہ : اقتداء المفترض خلف المتنفل؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک **اقتداء المفترض خلف المتنفل** جائز ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ اقتداء المفترض خلف المتنفل جائز نہیں۔ اور یہی قول حسن بصریؒ، امام زہریؒ، یحییٰ بن سعید انصاری و ربیعۃ و ابی قلابہ کا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث معاذ رضی اللہ عنہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے پھر آ کر اپنی قوم کو پڑھاتے۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو قوم روکتی اور قوم کا نہ روکنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جائز ہے۔

جواب اوّل: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھانے میں کئی احتمالات ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پیچھے بنیت نفل نماز پڑھی ہو اور اپنی قوم کو بنیت فرض پڑھائی ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایسا اسلئے کرتے تھے تا کہ آپ ﷺ کیساتھ نماز کی برکت حاصل کرلیں اور نفاق کی تہمت سے بچے رہیں۔ اور اپنی قوم کو تہائی رات میں عشاء کی نماز پڑھاتے تا کہ دونوں فضیلتیں حاصل کرلیں۔

جواب ثانی: یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اپنا فعل تھا اس پر آپ ﷺ کی تقریر ثابت نہیں اس لئے جب آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا ''**اما ان تصلی معی واما ان تخفف معھم**'' کہ تم یا تو صرف میرے پیچھے نماز پڑھو ان کو نہ پڑھاؤ یا میرے ساتھ نہ پڑھو ان کو پڑھاؤ اور نماز میں تخفیف کرو زیادہ لمبی نہ کرو۔

جواب ثالث: شروع اسلام میں فرض بار بار پڑھنے کی اجازت تھی۔ پس یہ بات ممکن ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بھی فرض پڑھتے ہوں اور قوم کو بھی فرض کی نیت سے نماز پڑھاتے ہوں پھر جب فرض کے تکرار کا جواز منسوخ ہو گیا تو یہ حدیث بھی منسوخ ہو گئی۔

لیکن یہ جواب کمزور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دلیل کو ثابت کرنے کے لئے دو چیزوں کا ثبوت ضروری ہے ایک ابتداء اسلام میں فرض بار بار پڑھا جاتا تھا۔ دوسرا یہ کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دونوں جگہ فرض کی نیت سے عشاء کی نماز پڑھتے تھے یا بقول بعض کے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل کی نیت سے پڑھتے تھے اور قوم کو جا کر فرض کی نیت سے پڑھاتے تھے۔

اگر پہلی بات کو صحیح مان بھی لیں تو دوسری بات کا ثبوت کیا ہے کیونکہ نیت کا تعلق تو غیب کے ساتھ ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا صاحب معاملہ جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جان سکتا الا یہ کہ صاحب نیت خود ظاہر کردے کہ میری فلاں نماز میں یہ نیت تھی فرض کی نیت تھی یا نوافل کی۔ اس لئے یہ جواب ضعیف ہے۔

جواب رابع: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھ کر قوم والوں کو عشاء پڑھاتے تھے۔

حدیث معاذ رضی اللہ عنہ پر چند اشکالات اور ان کے جوابات

اشکال اوّل: اگر یہ بات ہے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی قوم کو ان کے دیر سے آنے کی شکایت کیوں پیدا ہوئی؟

جواب: صحیح ابن خزیمہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد فوراً وہاں سے روانہ نہیں ہوئے تھے بلکہ کچھ وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزارنے کے بعد اپنی قوم میں جایا کرتے تھے اس بناء پر آپ دیر سے پہنچتے اور قوم کو عشاء میں تاخیر ہوتی تھی۔

اشکال ثانی: ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''**ثم یرجع الی قومه فیصلی بھم تلك الصلوٰۃ**'' اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کیساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر وہی نماز اپنی قوم میں جا کر پڑھاتے تھے۔

جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا معمول تو مغرب کی نماز پڑھ کر جانے کا تھا لیکن ایک دن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح مشغول ہوئے کہ عشاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہوگئی۔ اور انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ لی پھر ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس دن اپنی قوم کو نماز نہ پڑھائی ہو **فیصلی بھم تلك الصلوٰۃ** کا مطلب یہ ہو کہ اگلے دن اس نماز کی انہوں

نے امامت کی۔ دوسرا یہ کہ اس روز اپنی قوم کو نماز پڑھائی ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنیت نفل شرکت کی ہو اور قوم کو بنیت فرض، تیسرا امکان یہ ہے کہ اسکے برعکس کیا ہو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنیت فرض شرکت کی ہو اور قوم کے ساتھ بنیت نفل یا دونوں جگہ بنیت فرض شرکت کی ہو۔ ان دونوں صورتوں میں یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جس پر آپ ﷺ کی تقریر ثابت نہیں۔

اشکال ثالث: ایک روایت میں "فیصلی بھم العشاء وھی لہ نافلۃ" کے الفاظ آئے ہیں یہاں پر تو نفل کا صراحۃً ذکر ہے۔

جواب اوّل: اس میں نافلۃ سے مراد زیادتی اجر ہے چونکہ پہلی نماز نفل تھی اور دوسری نماز فرض تھی۔

جواب ثانی: "وھی لہ نافلۃٌ" کی زیادتی صحاح ستہ میں موجود نہیں ہے۔

جواب ثالث: یہ زیادتی مرفوع نہیں بلکہ ابن جریج ؒ یا عمرو بن دینار ؒ یا امام شافعیؒ کا قول ہے۔

جواب رابع: اس حدیث کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ دیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے چند روز آپ ﷺ کے ساتھ رہ کر نماز سیکھی اور کسی دوسری رات اپنے قوم کو عشاء کی نماز میں تاخیر کر کے لمبی نماز پڑھائی تو جس روایت میں "تلك الصلوٰة" آیا ہے اس کے معنی "مثل تلك الصلوٰة" ہیں لہٰذا یہاں تکرار صلوۃ نہیں ہوئی۔

جواب خامس: بعض نے کہا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھتے اور عشاء کی نماز اپنی قوم کو پڑھاتے تو مغرب پر عشاء کے اطلاق کی وجہ سے اس کو بھی عشاء سے تعبیر کر دیا۔

جواب سادس: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے باری مقرر کی ہوئی تھی کہ ایک دن آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے ایک دن اپنی قوم کو پڑھاتے۔

الغرض اتنے احتمالات کے باوجود اس حدیث سے استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "الامام ضامن والمؤذن مؤتمن"۔ کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو ضمن میں لینے والی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ چھوٹی چیز بڑی چیز کو ضمن میں نہیں لیتی بلکہ بڑی چیز چھوٹی چیز کو ضمن میں لیتی ہے تو پھر امام کی نماز اعلیٰ ہوگی یا برابر۔ تو ظاہر ہے کہ مفترض مقتدی کی نماز بڑی ہوئی اور متنفل امام کی نماز چھوٹی۔

دلیل ثانی: صلوۃ خوف کی مشروعیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست نہیں۔ ورنہ آپ ﷺ پہلے گروہ کو مکمل فرض پڑھا دیتے اور دوسرے گروہ کو متنفل ہونے کی حیثیت سے پڑھا لیتے۔ حالانکہ ایسا نہیں کیا بلکہ منافی صلوٰۃ امور کو برداشت کیا اس سے معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض والے کی اقتداء درست نہیں۔

دلیل ثالث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت "انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفس صلوٰۃ میں اوصاف و افعال اور نیات کے لحاظ سے امام کی اتباع کرنا واجب ہے اگر امام کی نماز میں صفتِ فرضیت نہ ہو تو امام و مقتدی کی نماز میں اختلاف ہو جائے گا جو حدیث "لا تختلفوا" کے خلاف ہے۔

دلیل رابع: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے۔ ان النبی ﷺ قال یا معاذ اما ان تصلی معی و اما ان تخفف علی قومك. مسند احمد بن حنبل۔

بَابُ مَا ذُكِرَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي السُّجُودِ عَلَى الثَّوْبِ فِي الْحَرِّ وَالْبَرْدِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ وَكِيعٌ عَنْ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھتے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت جابر بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے وکیع نے بھی یہ حدیث خالد بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ یہ مسئلہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کوئی کپڑا اوڑھ رکھا ہے یا پہن کر رکھا ہے تو کیا وہ سجدے کے لئے زمین پر بچھا کر سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شدت گرمی یا سردی سے نمازی پہنے یا اوڑھے ہوئے کپڑے کو بچھا کر سجدہ کرسکتا ہے امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا قول بھی اسی کی تائید کر رہا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: بیہقی کی روایت جو اسماعیلی کے طریق سے ہے اس سے ان کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں **فیأخذ احدنا الحصی فی یدہ فاذا برد وضعه وسجد علیه.** (کما تعقبه ابن الجمر فی فتح الباری جلد ۱ ص ۴۱۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم سخت گرمیوں میں نماز شروع کرنے سے پہلے ہاتھ میں کنکریاں لے لیتے تھے اور پوری رکعت مٹھی میں لے کر ان کنکریوں کو ٹھنڈا کرتے تھے پھر ان کو بچھا کر ان پر سجدہ کرتے تھے پھر جب دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو پھر مٹھی بھر لاتے تھے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ جو کپڑا پہن رکھا ہے یا اوڑھ رکھا ہے اگر اس کے فاضل حصے پر سجدہ جائز ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ تکلیف کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اپنے فاضل کپڑے پر سجدہ کر لیتے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ دور اوّل میں ہر کسی کے پاس اتنا فاضل کپڑا کہاں ہوتا تھا کہ وہ اس پر سجدہ کرتا۔

احناف کی دلیل اوّل: ابن ابی شیبہ میں روایت ہے **کنا نصلی مع النبی ﷺ فی شدۃ الحر والبرد فلیسجد علی ثوبه.** کہ ہم نبی کریم ﷺ کیساتھ سخت گرمی کے دنوں میں یا سردی کے دنوں میں گرم یا ٹھنڈی زمین پر سجدہ کرتے تو ہم اپنا کپڑا بچھا دیتے۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہے **قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ.** ظہر کے وقت گرمی کی شدت سے ہم سجدے کے وقت گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑے زمین پر بچھا کر سجدہ کرتے تھے۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **قال کنا نصلی مع النبی ﷺ فی شدۃ الحر فاذا**

لم یستطع أحدنا ان یمکن وجهه من الارض یبسط ثوبه فسجد علیه۔ (جلد اول ۲۶۸،۲۶۹)

دلیل رابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض وبردها''۔ (جلد ۲ ص ۱۱۷۔۱۱۸)

بَابُ مَا ذُكِرَ مِمَّا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْجُلُوسِ فِي الْمَسْجِدِ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى الْفَجْرَ قَعَدَ فِي مُصَلَّاهُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا أَبُو ظِلَالٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ أَبِي ظِلَالٍ فَقَالَ هُوَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاسْمُهُ هِلَالٌ۔

حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی جگہ پر ہی بیٹھے رہتے یہاں تک کہ سورج نکل آتا امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عبداللہ بن معاویہ جمحی بصری، عبدالعزیز بن مسلم سے وہ ابوظلال سے، انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بعد بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہے یہاں تک کہ سورج نکل آئے پھر دو رکعتیں پڑھے اس کے لئے ایک حج اور عمرے کا ثواب ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا پورا پورا پورا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے اور میں نے سوال کیا امام بخاریؒ سے ابوظلال کے متعلق تو انہوں نے کہا وہ مقارب الحدیث ہے اور ان کا نام ہلال ہے۔

تشریح: حدیث اوّل میں ''کان النبی'' کے الفاظ ہیں اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول تھا حالانکہ دائمی نہیں کبھی کبھار کا معمول تھا یہ بات پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ بسا اوقات رواۃ حدیثوں میں دو تعبیریں نکال دیتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے کوئی کام کبھی کبھار کیا اس کو بھی راوی ماضی استمراری کے صیغے سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح جواز کے استمرار کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی الفجر: جس شخص نے فجر کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھی پھر وہ مسجد میں رکا رہا اور اللہ کا ذکر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا پھر وہ دو رکعتیں پڑھے تو وہ دو رکعتیں ایک حج اور ایک عمرہ کے برابر ہوں گی اس حدیث کے دو مطلب بیان کیے جاتے ہیں۔

① فجر کی نماز کے بعد طلوع شمس کے بعد یہ کام کرے گا تو اس کو ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب ملے گا جب اس میں ایک قید ملحوظ ہو وہ قید دوام اور مواظبت کی ہے یہ مذکورہ ثواب دوام عمل سے حاصل ہو گا۔

② بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حج اکبر تو بڑا حج ہے اور عمرہ حج اصغر ہے ان دونوں کے ثواب میں جونسبت ہے وہی نسبت فجر کی دو رکعت اور اشراق کی دو رکعت میں ہے یعنی جس طرح حج کا ثواب زیادہ ہے اور عمرہ کا ثواب کم ہے۔ اسی طرح فجر کی نماز کا ثواب زیادہ ہے اور اشراق کا ثواب کم ہے۔ اس صورت میں وہ قیودات جو اوپر ملحوظ تھیں وہ یہاں نہیں ہوں گی۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِينًا وَشِمَالًا وَلَا يَلْوِي عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ خَالَفَ وَكِيعٌ الْفَضْلَ بْنَ مُوسَى فِي رِوَايَتِهِ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ عِكْرِمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَعَائِشَةَ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں دائیں بائیں دیکھتے تھے لیکن اپنی گردن کو پیچھے کی طرف نہیں موڑتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے اور وکیع نے اپنی روایت میں فضل بن موسیٰ سے اختلاف کیا ہے۔

عکرمہ کے بعض اصحاب نے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ادھر ادھر دیکھ لیتے تھے اور پھر اس سے قبل حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں اس باب میں حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ حَاتِمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَسٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ إِيَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ الْاِلْتِفَاتَ فِي الصَّلَاةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيضَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اے میرے بیٹے نماز کے دوران ادھر ادھر دیکھنے سے پرہیز کرو کیونکہ یہ ہلاکت ہے اگر دیکھنا ضروری ہی ہو تو نفل نماز میں دیکھ لو فرض نماز میں نہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ قَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الرَّجُلِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نماز کے دوران ادھر ادھر دیکھنے کے متعلق سوال کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان کا اچک لینا ہے شیطان انسان کو نماز سے پھسلانا چاہتا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: نمازی کا اپنی نگاہ سجدہ سے ذرا آگے لے جانا یا اس کا دائیں بائیں دیکھنا التفات فی الصلوۃ کہلاتا ہے۔

پھر اس کی تین صورتیں ہیں جو مشہور ہیں۔

① گوشہ چشم سے دیکھنا (آنکھوں کے کناروں سے دائیں بائیں دیکھنا) بعض فقہاء نے اس التفات کو ضرورۃً جائز قرار دیا ہے۔
② اپنا چہرہ گھما کر دیکھنا یہ مکروہ ہے لیکن اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔
③ سینہ گھما کر دیکھنا اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے کیونکہ نماز میں استقبال قبلہ شرط ہے۔

ان احادیث میں دو مسائل کا بیان ہوا ایک بے ضرورت نماز میں التفات اگرچہ آنکھوں کے کنارے سے ہو مکروہ ہے فرض اور نفل نماز کے احکام جدا جدا ہیں۔ لیکن پھر بھی نماز، نماز ہے، خواہ فرض ہو یا نفل اس کے احکامات کا خیال رکھنا چاہیے۔ آگے حدیث میں آتا ہے کہ شیطان آدمی کی نماز میں سے اس کے ذریعے سے اچھک لیتا ہے۔

اس حدیث سے التفات فی الصلوٰۃ کی کراہت معلوم ہوتی ہے اختلس الشیطان کا معنی ہے شیطان کا اُچک لینا۔

بَاب مَا ذُكِرَ فِي الرَّجُلِ يُدْرِكُ الْإِمَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ كَيْفَ يَصْنَعُ

حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُونُسَ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ هُبَيْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمُ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ إِلَّا مَا رُوِيَ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ وَالْإِمَامُ سَاجِدٌ فَلْيَسْجُدْ وَلَا تُجْزِئُهُ تِلْكَ الرَّكْعَةُ إِذَا فَاتَهُ الرُّكُوعُ مَعَ الْإِمَامِ وَاخْتَارَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَنْ يَسْجُدَ مَعَ الْإِمَامِ وَذَكَرَ عَنْ بَعْضِهِمْ فَقَالَ لَعَلَّهُ لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ فِي تِلْكَ السَّجْدَةِ حَتّٰى يُغْفَرَ لَهُ.

علی اور عمرو بن مرہ روایت کرتے ہیں ابن ابی لیلی سے وہ معاذ بن جبل سے کہ کہا علی اور عمرو نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے تو امام کسی بھی حال میں ہو تو تم اسی طرح کرو جس طرح امام کر رہا ہو امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے اسے اس روایت کے علاوہ کسی اور کے متصل کرنے کا ہمیں علم نہیں اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ اگر کوئی شخص امام کے سجدے میں ہونے کی حالت میں آئے تو وہ بھی سجدہ کرے لیکن اگر اس کا رکوع چھوٹ جائے تو اس کے لئے سجدہ میں ملنا رکعت کے لئے کافی نہیں عبداللہ بن مبارک بھی یہی کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ سجدہ کرے بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ شاید وہ شخص سجدے سے سر اٹھانے سے پہلے ہی بخش دیا جائے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اگر امام سجدہ میں ہو تو مقتدی آنے والا وہ کیا کام کرے؟ آج کل کے دور میں یہ مسئلہ عام ہے کہ اگر امام قیام میں ہے یا رکوع میں ہے تو لوگ جماعت میں بھاگ کر شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر امام سجدہ میں چلا جائے تو آنیوالا مقتدی کھڑا رہتا ہے یہ طریقہ وخیال غلط ہے۔ امام اگر سجدہ میں چلا گیا رکعت فوت بھی ہوگئی لیکن پھر بھی نمازی کیلئے بہتر یہی ہے کہ امام جس حالت میں ہو اسی حالت میں اس سے مل جائے۔ سجدہ میں شریک ہونے کی وجہ ابن المبارکؒ نے بیان کی ہے کہ ہوسکتا ہے سجدہ میں شریک تمام لوگوں کی مغفرت ہو جائے اور یہ شخص انتظار ہی کرتا رہ جائے۔ اور اس فضیلت سے محروم ہو جائے۔

قال ابو عیسیٰ: هذا حدیث غریب لا نعلم احدًا اسنده الا ما روی اس حدیث کی سند میں تحویل ہے۔ تحویل کی بحث شروع کتاب میں گزر چکی ہے۔ یہاں ایسا ہی ہے ابو اسحاق سے حدیث کی دو سندیں ہیں ایک سند حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پہنچ رہی ہے۔ دوسری سند حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ پر پہنچ رہی ہے۔ ان دونوں اسناد میں ایک راوی ضعیف ہے جو حجاج بن ارطاۃ ہے اور دوسری سند میں انقطاع بھی ہے کیونکہ ابن ابی لیلیٰ (جو بڑے ہیں) ان کی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہو گیا تھا۔

بَاب کَرَاهِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الْإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي خَرَجْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَحَدِيثُ أَنَسٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَنْتَظِرَ النَّاسُ الْإِمَامَ وَهُمْ قِيَامٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا كَانَ الْإِمَامُ فِي الْمَسْجِدِ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَإِنَّمَا يَقُومُونَ إِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ.

عبید اللہ بن ابو قتادہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر نماز کی اقامت ہو جائے تو تم لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک مجھے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لو اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے ان کی روایت غیر محفوظ ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابو قتادہ کی حدیث حسن صحیح ہے علماء صحابہ کی ایک جماعت لوگوں کے کھڑے ہو کر امام کا انتظار کرنے کو مکروہ سمجھتی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر امام کے مسجد میں ہوتے ہوئے اقامت ہو تو اس وقت کھڑی ہوں جب موذن (**قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ**) کہے ابن مبارک کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا: اس حدیث میں امام کا مسجد میں حاضر ہونا اور مقتدیوں کا نماز کے لیے کھڑا ہونا اس بارے میں یہ مسئلہ مشکل مسائل میں سے ہے۔ اس مسئلہ کی کچھ تفصیل "**باب ماجاء فی الترسل فی الاذان**" میں گزر چکی ہے۔ یہاں بھی کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

اس حدیث الباب میں یہ ہے کہ جماعت کے وقت اگر امام مسجد سے باہر ہو تو امام مسجد میں جب تک داخل نہ ہو تو مقتدیوں کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ کیونکہ کھڑا ہونا تو نماز کے لیے ہے اور نماز کے لیے کھڑا ہونا تب ہوگا جب پڑھانے والا موجود ہو اگر پڑھانے والا موجود ہی نہیں تو خواہ مخواہ کھڑے رہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ حدیث میں پہلے کھڑے ہونے سے ممانعت آئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اقامت کہی جائے تو آپ لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہوں۔ جب تک مجھے حجرے سے نکلتا ہوا نہ دیکھو اس سے معلوم ہوا کہ جب تک امام مسجد میں داخل نہیں ہوا اس وقت تک نہ لوگ کھڑے ہو کر انتظار کریں جیسا کہ آج کل دو منٹ

اوپر ہوجائیں تو ہر طرح کی آوازیں آنی شروع ہوجاتی ہے) اور نہ ہی مؤذن کھڑے ہو کر تکبیر کہنا شروع کرے بلکہ امام جب مسجد میں آجائے تو مؤذن اور مقتدیوں کے لیے نماز کھڑا ہونے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ سب کا کھڑا ہوجانا صفیں بنانا درست ہے اس کیلئے دلیل وہ حدیث مبارک ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صفوں کو تیر کے ساتھ سیدھا فرمایا کرتے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص کا سینہ باہر نکلا ہوا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اقامت سے قبل صفیں بنانا نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔

دلیل اوّل: مراقی الفلاح میں علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان الصلوٰة كانت تقام لرسول الله ﷺ فيأخذ الناس مصافهم قبل ان يقوم النبی ﷺ مقامه۔ آپ ﷺ کی امامت کے لئے نماز کھڑی کی جاتی اور لوگ آپ کے کھڑے ہونے سے پہلے اپنی اپنی جگہ صفوں میں لے لیتے تھے۔

دلیل ثانی: صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۲۰ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اقيمت الصلوٰة فقمنا فعدلنا الصفوف قبل أن يخرج الينا رسول الله ﷺ۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عام عادت یہ تھی کہ جب مؤذن تکبیر شروع کرتا تو سب لوگ کھڑے ہو کر اپنی اپنی صفیں درست کر لیتے تھے۔

دلیل ثالث: صحیح بخاری جلد اوّل ص ۸۸ میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "قال رسول الله ﷺ اذا اقيمت الصلوٰة فلا تقوموا حتى تروني خرجت" یعنی جب نماز کھڑی ہوجائے تو تم کھڑے نہ ہو جب تک مجھے اپنی طرف آتا ہوا نہ دیکھ لو۔ اس حدیث کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے باہر سے آجانے کے بعد کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں جس سے ابتداء اقامت میں بھی کھڑے ہونے کا حکم کم از کم جواز معلوم ہوتا ہے۔

دلیل رابع: مصنف عبدالرزاق جلد اوّل ص ۵۰۷ باب قيام الناس عند الاقامة "ابواب الاذان" میں ابن جریج سے روایت ہے قال اخبرني ابن شهاب ان الناس كانوا ساعة يقول المؤذن الله اكبر، الله اكبر يقيم الصلوٰة، يقوم الناس الى الصلوٰة فلا يأتي النبي ﷺ مقامه حتى يعدل الصفوف۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کے اقامت شروع کرتے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر صفوف درست کر لیا کرتے تھے۔

دلیل خامس: ترمذی شریف باب ما جاء في اقامة الصفوف ص ۵۳ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انه كان يؤكل رجلاً بأقامة الصفوف ولا يكبر حتى يخبر أن الصفوف قد استوت، وروى عن علي و عثمان أنهما كان يتعاهدان ذلك ويقولان: استووا و كان علي يقول: تقدم يا فلان، تأخر يا فلان۔

دلیل سادس: سنن ابوداؤد جلد اوّل ص ۹۷ میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے قال: كان رسول الله ﷺ يسوي يعني صفوفنا أذا قمنا للصلوٰة فاذا استوينا كبر۔ جب صفیں سیدھی کر لیتے تو پھر تکبیر کہتے۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے ساتھ ساتھ اور اقامت سے قبل صفیں درست فرمایا کرتے تھے۔ اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ جب لوگ شروع اقامت سے کھڑے ہوجائیں۔ اگر قد قامت الصلوٰة کے وقت لوگ کھڑے ہوں اور اسکے بعد صفیں درست کی جائیں تو یہ اس طرح نہیں

ہوسکتا کہ فوراً نماز شروع ہوجائے بلکہ اقامت ختم ہونے کے بعد نماز کے شروع کرنے کا درمیان کا وقفہ زیادہ ہوجائیگا جو کہ مذموم ہے۔

باقی جو حدیث میں ہے کہ پہلے کھڑے نہ ہوں تو اس کے دو مطلب ہیں۔ایک مطلب یہ ہے کہ امام ابھی مسجد میں آیا ہی نہیں اور لوگ صفیں بنا کر کھڑے انتظار کر رہے ہیں اس سے ممانعت ہے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ ابھی نماز کے لئے ایک منٹ یا دو منٹ باقی رہ گئے تو لوگ وقت پورا ہونے کے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں بیٹھ کر انتظار نہیں کرتے حالانکہ انہیں بیٹھ کر انتظار کرنا چاہیے۔ اس ہیئت اور حالت سے ممانعت کی گئی۔

اب فقہ کی کتابوں میں جو یہ لکھا ہے کہ لوگ **حی علی الصلوٰۃ** پر کھڑے ہوں اس کا مطلب علامہ طحطاویؒ نے حاشیہ درمختار میں یہ بیان کیا ہے کہ حیعلتین سے قیام کی تاخیر جائز نہیں۔ حیعلتین پر کھڑا ہوجانا ضروری ہے ورنہ اس سے داعی کی مخالفت لازم آئے گی۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے پہلے کھڑا ہونا جائز نہیں تقدیم تو جائز ہے اس لئے کہ جب اقامت یعنی کھڑا کرنا پایا گیا تو کھڑا ہونا بھی جائز ہے اگر تکبیر شروع کرنے کے بعد بھی کھڑا ہونا جائز نہ ہو تو پھر اقامت کے کوئی معنی نہیں۔

نیز آخری دو روایتوں میں تسویہ صفوف کا جو اہتمام مذکور ہے یہ تب ہوسکتا ہے جبکہ مقتدی شروع اقامت ہی سے کھڑے ہوجائیں ورنہ **حی علی الفلاح** پر کھڑے ہوں تو لازماً اقامت اور تکبیر کے درمیان کافی فاصلہ ہوجائے گا اور یہ باتفاق علماء مذموم ہے۔

باقی اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ **حی علی الفلاح** پر کھڑے ہونا مستحب ہے پھر بھی دو باتوں کا خیال کرنا ضروری ہے۔

اوّل: تمام فقہاء اسے آداب الصلوٰۃ میں ذکر کرتے ہیں اور مستحب چیز پر اصرار اور اس کے تارک پر طعن وتشنیع کرنا گناہ اور بدعت ہے جبکہ آج کل ایسا ہی ہوتا ہے۔مشکوٰۃ کی شرح طیبی میں مذکور ہے کہ ''**أن من اصر علی مندوب وجعله عزمًا ولم يعمل بالرخصة فقد اصاب من الشيطن**''۔اور درمختار میں ادب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے **تركه لا يوجب اساءة ولا عتابًا كترك سنة الزوائد لكن فعله افضل**۔(درمختار علی ھامش جلد ا ص ۳۵۳)

الثانی: نماز کے آداب میں سے یہ بھی ادب ہے کہ قد قامت الصلوٰۃ کہنے کے وقت امام تکبیر تحریمہ کہہ دے تاکہ اقامت کے اصل پر فوراً عمل ہوجائے۔مگر امام ایک عارض کی وجہ سے تکبیر کو مؤخر کرتا ہے جو کہ افضل بھی ہے اور وہ عارض یہ ہے کہ مؤذن تکبیر تحریمہ میں امام کے ساتھ شامل ہوسکے چنانچہ درمختار میں ہے **وشرع الامام فی الصلوٰة فقد قیل قد قامت الصلوٰة ولو أخر حتی اتمها لا بأس به اجمالًا**. (جلد ا ص ۳۵۴ علی الھامش)

لہٰذا مسئلہ مذکورہ میں بھی تسویہ صفوف کے عارض کی وجہ سے شروع اقامت سے ہی قیام کو افضل کہا ہے اور یہ عارض صفوں کے درست کرنے کا اہتمام ہے کہ اس بارے میں عوام میں بہت تکاسل ہوتا ہے۔چنانچہ اس کے بارے میں چند احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ ذکر کئے جاچکے ہیں جن میں شروع اقامت سے قیام صراحۃً یا اشارۃً ثابت ہے۔اگرچہ حضور ﷺ سے ''**قد قامت الصلوٰة**'' پر کھڑا ہونا بھی ثابت ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے مروی ہے **قال كان رسول الله** ﷺ **اذا قال بلال قد قامت الصلوٰة نهض فكبّر**۔

باب ما ذکر فی الثناء علی اللہ والصلاۃ علی النبی ﷺ قبل الدعاء

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّي وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللَّهِ ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ وَفِي الْبَابِ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ آدَمَ هَذَا الْحَدِيثَ مُخْتَصَرًا

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک ساتھ تھے جب میں بیٹھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا پھر اپنے لئے دعا کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مانگو، عطا کیا جائے گا دومرتبہ اسی طرح فرمایا اس باب میں حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے احمد بن حنبلؒ نے یہی حدیث یحییٰ بن آدم سے مختصراً روایت کی ہے۔

تشریح: حدیث عبداللہ رضی اللہ عنہ میں دعا کے آداب کا بیان ہے کہ سب سے پہلے اللہ رب العزت کی تعریف کرے یک دم سوال نہ کرے یہ بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ پہلے اس کی تعریف کی جائے اسکو خوش کرے پھر وسیلہ ڈھونڈے، پھر اسکے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے پھر اسکے بعد اپنی حاجت پیش کرے اس سے اسکی حاجت پوری کردی جائیگی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ثناء تو قبول ہے عنداللہ اور درود بھی اللہ کے نزدیک مقبول ہے پھر اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ دو دعائیں قبول کرے اور تیسری دعا قبول نہ کرے۔

باب ما ذکر فی تطییب المساجد

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ يُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ وَوَكِيعٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَهَذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَقَالَ سُفْيَانُ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ يَعْنِي الْقَبَائِلَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے انہیں صاف ستھرا رکھنے اور ان میں خوشبو کا حکم دیا۔ ہناد، عبدہ سے وہ وکیع، ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا پھر حدیث ذکر کی اوپر کی حدیث کی مثل اور یہ زیادہ صحیح ہے پہلی حدیث سے۔ ابن ابوعمر نے سفیان بن عیینہ انہوں نے ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا پھر اوپر کی حدیث کی مثل ذکر کیا اور کہا سفیان نے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا دور میں مسجدیں بنانے کا یعنی قبیلوں میں۔

تشریح: ببناء المساجد فی الدور: حدیث الباب میں محلہ محلہ مساجد بنانے کی ترغیب کا بیان ہے اور دوسرا حکم مسجد کی صفائی ستھرائی کا بیان ہے۔ گویا دو احکام کا بیان ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

جگہ جگہ پر مساجد کا قیام ہو اتنی قریب قریب مساجد ہوں کہ لوگ آسانی کے ساتھ نماز میں پہنچ سکیں اس کے برعکس بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ایک گاؤں میں ایک ہی مسجد ہونی چاہیے چاہے گاؤں چھوٹا ہو یا بڑا ہو، تاکہ دور دور سے لوگ ایک مسجد میں آئیں گے اتحاد و اتفاق ہوگا۔ اگر ایک ہی گاؤں میں دو مسجدیں بنائی جائیں تو لوگوں میں اختلاف ہوگا لیکن یہ بات ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ اگر ایک مسجد کافی سمجھی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسجد نبوی پر ہی اکتفاء کرتے، مسجد نبوی کے آس پاس مساجد بنانے کی اجازت نہ دیتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسجد نبوی کے قریب قریب اور مساجد بھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مساجد کی کثرت سے ممانعت نہیں البتہ محلہ میں دو مساجد اس انداز سے بنانا کہ دونوں سے ایک دوسرے کو نقصان پہنچے یا کوئی اور بری نیت ہو تو اس صورت میں دوسری مسجد نہیں بنانا چاہیے۔ کیونکہ مسجد کا مقصد اللہ کی عبادت اور اللہ کا گھر بنانا ہے اگر اس میں کوئی اور غرض فاسد پائی جائے تو دونوں نیکیوں سے خالی ہو جائے تو اس کو مسجد کا نام نہیں کہہ سکتے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ مسجدوں کی صفائی کا خاص خیال رکھا جائے صفائی میں تین چیزیں آجاتی ہیں۔

اوّل: تطہیر یعنی مساجد کو نجاست سے پاک رکھا جائے جیسا کہ ماقبل ابواب الطہارت میں ایک صحابی کے پیشاب کرنے کا ذکر گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے فوراً مسجد کو پاک کرنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے آپؐ کا ارشاد ہے **جنبوا مساجد کم صبیانکم و مجانینکم۔ (سنن ابن ماجہ ص ۵۴ باب ما یکرہ فی المساجد)** کہ اپنی مساجد سے اپنے بچوں کو اور مجنونوں کو دور رکھو تاکہ مسجد میں کوئی پیشاب وغیرہ یا کوئی اور نجاست نہ پڑے۔

الثانی: تنظیف اس کا مطلب یہ ہے کہ گندی کچیلی اشیاء اور طبع سلیم پر ناگوار اشیاء سے مساجد کو صاف رکھنا جیسے تھوک، بلغم، ناک کی ریزش اور کوڑا کرکٹ وغیرہ جیسا کہ ایک حدیث مبارک میں بھی آتا ہے کہ **ان النبی ﷺ... نخامة (ای البلغم) فی القبلة فشق ذٰلك علیه حتّٰی رُؤیَ فی وجهه فقام فحکه بیده** کہ آپ ﷺ نے قبلہ کی جانب بلغم دیکھا تو آپؐ کو بہت ناگوار گزرا۔

دوسری حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے **ان امرأة کانت تلقط القذی من المسجد فتوفیت فلم یؤذن النبی ﷺ بدفنها فقال النبی ﷺ اذا مات لکم میت فآذنونی و صلی علیها و قال انی رأیتها فی الجنة تلقط القذی من المسجد** کہ ایک عورت مسجد کی صفائی کرتی تھی اور جب اس نے وفات پائی تو آپ ﷺ نے اس کے دفن کرنے کی اطلاع نہ کی گئی۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی وفات پاتا ہے تو مجھے اس کے بارے میں اطلاع کیا کرو اور پھر اسی عورت کی (قبر پر) نماز جنازہ پڑھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں نے اس عورت کو جنت میں دیکھا کیونکہ وہ مسجد کی صفائی کرتی تھی۔ اس حدیث میں مسجد کی صفائی کے متعلق کتنی فضیلت آئی ہے۔

الثالث: تطییب۔ مسجد کی صفائی کا تیسرا مرحلہ خوشبو لگانا ہے چونکہ دھونے اور ناگوار اشیاء سے صاف کرنے کے بعد اب روحانی صفائی جو نظر نہ آنے والی ہے اس کا ذکر کیا کہ ظاہری صفائی کے ساتھ ساتھ اس کی خوشبو کا اہتمام کیا جائے تاکہ اس سے بدبو دور ہو

جائے خوشبو بھی ایسی ہو جو کسی کو بری نہ لگے بلکہ نفیس خوشبو جو ہر نمازی کو اچھی محسوس ہو۔ مسجد میں خوشبو لگانے کی دلیل حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے ''ان عمر کان یجمر مسجد رسول اللہ ﷺ کل جمعة''۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱)

الدور: جمع دار کی وھی الحارۃ (محلۃ، گول چوک) جیسے کہا جاتا ہے دار بنی قرنعۃ، دار بنی عبد الدار، دار بنی ہاشم، فارسی میں کہا جاتا ہے سرائے خانہ، دار کا اطلاق جگہ پر ہوتا ہے اگر چہ وہاں کے مکانات منہدم بھی ہو جائیں اس کے برخلاف بیت ہے، بیت اسے کہتے ہیں جو چار دیواری ہو اور چھت ہو اگر دیوار اور چھت کچھ بھی نہ ہو تو وہ بیت نہیں کہلاتا۔ گویا دار منہدم ہونے کے بعد بھی دار ہی رہتا ہے برخلاف بیت کے کہ وہ منہدم ہونے کے بعد بیت نہیں رہتا۔

جیسا کہ شاعر کا قول ہے۔ ''الدار دار و ان زالت حوائطها ... والبیت لیس ببیت بعد تهدیم''

دار دار ہی رہتا ہے اگر چہ اس کی چار دیواری گرادی جائے اور بیت منہدم ہونے کے بعد بیت نہیں رہتا۔

بعض حضرات نے کہا کہ دار اسے کہتے ہیں جس میں بہت سارے گھر ہوں اس کو دار اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں لوگوں کا کثرت سے دوران ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے **ألا أنبئكم بخير دور الانصار دور بني النجار ثم دور بني الاشهل وفي كل دور الانصار خير**۔

بعض نے کہا کہ دار اس کو کہتے ہیں کہ جہاں لوگ رہائش پذیر ہوں مراد اس سے قبائل ہیں۔ مختلف قبائل ایک جگہ میں یا ایک محلہ میں جمع ہو کر رہیں تو اسے بھی دار کہتے ہیں گویا محلہ اور دار ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۱۲۵۔۱۲۶)

سند حدیث پر بحث: یہاں امام ترمذیؒ نے مرفوع روایت کو غیر اصح کہا ہے اور مرسل روایت کو اصح کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث الباب مرفوع روایت ہے البتہ اس میں ایک راوی عامر بن صالح ضعیف ہے۔ یہ راوی متروک ہے اس بات کو سمجھنے کے لئے اس حدیث کی تینوں سندیں دیکھیں۔

① حدثنا محمد بن حاتم البغدادی حدثنا عامر بن صالح الزبیری حدثنا هشام بن عروة عن ابیه عن عائشه ؓ قالت. ② حدثنا هناد حدثنا عبدة و وکیع عن هشام بن عروة عن ابیه عن النبی ﷺ وهذا اصح فی حدیث الاول. ③ حدثنا ابن ابی عمر حدثنا سفیان بن عیینه عن هشام بن عروة عن ابیه ان النبی ﷺ.

پہلی سند میں ہشام بن عروہ عن ابیہ یہ حضرت عائشہ ؓ سے روایت کرتے ہیں اس لئے یہ مرفوعاً روایت ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عامر بن صالح الزبیری ہیں جو کہ ضعیف ہیں اس کی وجہ سے امام ترمذیؒ اس سند کو اصح نہیں کہہ رہے۔

دوسری سند میں عبدہ اور وکیع ہیں جو ہشام بن عروہ سے روایت نقل کرتے ہیں یہ دونوں راوی اگر چہ ثقہ ہیں لیکن یہ ہشام بن عروہ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں یعنی حضرت عائشہؓ کا تذکرہ نہیں کرتے۔

تیسری سند میں سفیان بن عیینہ اس کے متابع ہیں وہ بھی ہشام سے روایت کرتے ہیں اور مرسل بیان کرتے ہیں۔ ان تینوں اسناد میں امام ترمذی اپنے مزاج کے مطابق مرسل روایت کو اصح قرار دیتے ہیں جبکہ اس کو اصح کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ زائدہ بن قدامہ جو عبدہ اور وکیع کے ہم پلہ ہیں وہ بھی اس حدیث کو ہشام سے مرفوع نقل کرتے ہیں جو کہ ابوداؤد شریف حدیث

نمبر ۴۵۵ پر ہے۔ اوران کے متابع مالک بن سعید جو ثقہ راوی ہیں ان کی حدیث بھی ابن ماجہ میں موجود ہے اور حدیث کا اصول ہے کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے لہٰذا مرسل حدیث کو اصح کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنَى مَثْنَى

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَلِيٍّ الْأَزْدِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى قَالَ أَبُو عِيسٰى اخْتَلَفَ أَصْحَابُ شُعْبَةَ فِي حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ فَرَفَعَهُ بَعْضُهُمْ وَأَوْقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ الْعُمَرِيِّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هٰذَا وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَرَوَى الثِّقَاتُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ صَلَاةَ النَّهَارِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَبِالنَّهَارِ أَرْبَعًا وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي ذٰلِكَ فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنَّ صَلَاةَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَرَأَوْا صَلَاةَ التَّطَوُّعِ بِالنَّهَارِ أَرْبَعًا مِثْلَ الْأَرْبَعِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَغَيْرِهَا مِنْ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَإِسْحٰقَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات اور دن کی نماز دو، دو، رکعت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں شعبہ کے ساتھیوں نے ابن عمرؓ کی حدیث میں اختلاف کیا ہے عبداللہ عمری نافع سے وہ ابن عمرؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں جبکہ ابن عمرؓ کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعت ہے کئی ثقہ راوی عبداللہ بن عمر سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں لیکن وہ اس میں دن کی نماز کا ذکر نہیں کرتے عبیداللہ سے بواسطہ نافع مروی ہے کہ ابن عمر رات کو دو دو رکعتیں اور دن میں چار چار رکعتیں پڑھا کرتے تھے اہل علم کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ دن اور رات کی نماز دو دو رکعت ہے یہ امام شافعی اور احمد کا قول ہے بعض کا کہنا ہے کہ صرف رات کی نماز دو دو رکعت ہے اور اگر دن میں نوافل پڑھے جائیں تو چار چار پڑھے جائیں گے جیسا کہ ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں سفیان ثوری ابن مبارک اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب کے متعلق بحث ماقبل باب صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی میں گزر چکی ہے۔ یہاں پر دو باتیں سمجھ لیں۔ ① ابن عمرؓ کی روایت میں **والنہار** کا اضافہ صحیح ہے کہ نہیں؟ ② رات دن کے نوافل دو دو ہیں یہ حکم ارشادی ہے یا تشریعی ہے۔ تفصیل دیکھیں۔

اوّل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت میں **والنہار** کے اضافہ کو بعض محدثین نے صحیح مانا ہے کیونکہ ابن عمرؓ سے سات راوی یہ اضافہ روایت کرتے ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک یہ اضافہ صحیح نہیں۔

دوسرا یہ کہ حدیث الازدی اگر صحیح ہوتی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کی مخالفت نہ کرتے دیکھئے **عن نافع عن ابن عمر انه كان**

یتطوع بالنھار اربعًا لا یفصل بینھن۔ اس کے علاوہ جوراوی حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں وہ تقریباً پندرہ تک بنتے ہیں ان میں کوئی بھی **والنھار** کا اضافہ نہیں کرتا، البتہ جو سات راوی اضافہ کرتے ہیں ان میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہے۔

الثانی: دن ورات کے نوافل کی تعداد کا حکم تشریعی ہے یا ارشادی۔ تشریعی کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کا حکم ہے یا نہیں؟ اور ارشادی کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی آسانی کے لئے اس کا حکم ہے تاکہ اس میں آسانی ہو۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حکم تشریعی ہے لہٰذا دن ورات میں ایک سلام سے دو رکعت نفل ادا کرنا افضل ہے۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ حکم ارشادی ہے یعنی آپ ﷺ نے تہجد گزاروں کو ان کی بھلائی کی ایک بات کہی ہے چونکہ وہ لوگ تہجد کی نماز طویل پڑھتے ہیں اس لئے ہر دو رکعت پر سلام پھیرنے میں سہولت ہے سلام کے بعد کچھ آرام کریں تازہ دم ہو کر اگلے دو رکعت ادا کریں کیونکہ ایک بار چار رکعت اکٹھے پڑھنے سے انسان تھک جائے گا۔

بَابُ كَيْفَ كَانَ يَتَطَوَّعُ النَّبِيُّ ﷺ بِالنَّهَارِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ فَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذٰلِكَ فَقُلْنَا مَنْ أَطَاقَ ذٰلِكَ مِنَّا فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ و قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي تَطَوُّعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

عاصم بن ضمرہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت علیؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دن کی نماز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا تم میں اتنی سکت نہیں ہم نے کہا اگر کسی میں اتنی طاقت ہو تو؟ اس پر حضرت علی ؓ نے فرمایا جب سورج اس طرف اتنا ہوتا جتنا عصر کے وقت اس طرف ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو رکعتیں پڑھتے پھر جب سورج مشرق کی طرف اس جگہ ہوتا جہاں ظہر کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتے پھر ظہر سے پہلے چار اور ظہر کے بعد دو رکعت پڑھتے پھر عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتے اور دو رکعتوں کے درمیان ملائکہ مقربین انبیاء و رسل اور انکے پیروکار مومنین مسلمین پر سلام کے ذریعے فصل کرتے۔ محمد بن مثنی نے محمد بن جعفر سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے، ابو اسحاق سے انہوں نے، عاصم بن ضمرہ سے انہوں نے حضرت علی ؓ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوپر کی حدیث کی مثل روایت کی امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن میں نوافل کے متعلق

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهَارِ هٰذَا وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ كَانَ يُضَعِّفُ هٰذَا الْحَدِيثَ وَإِنَّمَا ضَعَّفَهُ عِنْدَنَا وَاللهُ أَعْلَمُ لِأَنَّهُ لَا يُرْوَى مِثْلُ هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَعَاصِمُ بْنُ ضَمْرَةَ هُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْحَدِيثِ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ قَالَ سُفْيَانُ كُنَّا نَعْرِفُ فَضْلَ حَدِيثِ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَلَى حَدِيثِ الْحَارِثِ.

مروی احادیث میں یہ سب سے بہتر حدیث ہے ابن مبارکؒ اس حدیث کی تضعیف کرتے تھے ہمارے نزدیک ان کے ضعیف قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی روایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف اس طریق سے مروی ہے واللہ اعلم یعنی عاصم بن ضمرہ بحوالہ علی بیان کرتے ہیں عاصم بن ضمرہ بعض محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں علی بن مدینی یحییٰ بن سعید قطان کے حوالے سے کہتے ہیں کہ سفیان نے کہا ہم عاصم بن ضمرہ کی حدیث کو حارث کی حدیث کے مقابلے میں افضل سمجھتے ہیں۔

تشریح: انکم لا تطیقون ذٰلك: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم بن ضمرہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جو بات آپ پوچھ رہے ہو اس پر عمل نہیں کر سکتے تو پھر پوچھتے کیوں ہو۔ گویا حضرت علیؓ کے جواب سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ڈھالے ہر طور طریقہ سنت کے مطابق اختیار کرے۔ دوسرا یہ کہ سبق کے دوران ایسا سوال نہ کرنا چاہیے جو لایعنی ہو یعنی جس بات کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو تم سوال کر رہے ہو جب تم خود اس پر عمل نہیں کر سکتے تو کیوں پوچھتے ہو۔ چونکہ طلب علم سمجھدار تھے علم کی طلب تھی اس لیے انہوں نے سمجھ داری اختیار کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ آپ ہمیں بتلائیں ہم میں سے جو بھی اس پر طاقت رکھے گا عمل کرے گا۔ اور جو عمل نہیں کر سکے گا اس کے لئے یہ ہوگا کہ وہ اس حدیث کو دوسروں تک ضرور پہنچائے گا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس پر عمل کریں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری حدیث بیان فرمائی جس کا ترجمہ واضح ہے۔

اس حدیث میں ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال ہوتے ہی جو چار رکعتیں پڑھتے تھے وہ ظہر کی سنتیں تھیں صلوٰۃ الزوال نہیں تھیں جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر صلوٰۃ الزوال کوئی مستقل نماز ہوتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو مستقل ذکر کرتے۔

بَابُ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ فِي لُحُفِ النِّسَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ أَشْعَثَ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي فِي لُحُفِ نِسَائِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ فِي ذٰلِكَ رُخْصَةٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیویوں کی چادروں میں نماز نہیں پڑھتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں اجازت بھی مروی ہے۔

تشریح: لُحُف: بضم اللام والحاء لام اور حاء کے ضمہ کے ساتھ لحاف کی جمع ہے۔ اردو میں لحاف رضائی کو کہتے ہیں اور عربی میں لحاف کہا جاتا ہے جو اوپر اوڑھا جائے خواہ وہ سوتے وقت اوڑھا جائے یا بیداری کے وقت چلتے پھرتے۔ جیسا کہ عام طور پر

سردیوں میں لوگ چادریں اوڑھ لیتے ہیں۔ یہاں لحف النساء سے مراد عورتوں کے کپڑے ہیں۔ عورتوں کے کپڑوں میں یا انکے بستروں میں نماز پڑھنے سے احتراز کا منشا صرف احتیاط ہے کیونکہ عورتیں طہارت ونجاست کے معاملہ میں احتیاط نہیں رکھتیں اسلئے یہ حکم دیا گیا ہے۔

عورتوں کے کپڑوں میں نماز پڑھنے میں ذرا تفصیل ہے۔ بعض حضرات نے شروحات میں لکھا ہے کہ عورتوں کے کپڑے پہن کر نماز پڑھنا درست ہے جب کہ ان کے کپڑے پاک ہونے کا یقین ہو۔ حالانکہ عورتوں کے کپڑے مردوں کے لئے اور مردوں کے کپڑے عورتوں کے لئے پہننا جائز نہیں تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ یہاں کپڑوں سے مراد قمیص یا شلوار نہیں بلکہ اس کی اوڑھنی یا بچھونی مراد ہے۔ جو عام طور پر لوگ گرمیوں یا سردیوں میں اوڑھنی سر پر باندھ دیتے ہیں یا گھر میں بیوی کے بستر کی چادر استعمال کر لیتے ہیں وہ مراد ہیں۔ اس توجیہ سے حدیث کا سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا۔ اگر پہننے والے کپڑے مراد لیں تو یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ مرد عورت کے کپڑے پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

بستر یا اوڑھنی ہونے کی دلیل مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يصلی من الليل وانی الی جنبه وأنا حائض وعلی مرط وعليه بعضه**۔ یہاں مرط چٹائی کا ذکر ہے جو نیچے بچھا کر اس پر بیٹھا یا سویا جاتا ہے۔ اسی طرح سنن ابوداؤد میں بھی روایت ہے "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی ثوب بعضه علی**" ان دونوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا کپڑا اوڑھنی یا چادر ہوتا ہے۔

سوال: یہاں بحث میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے کپڑوں میں نماز نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ وہ طہارت کا خیال نہیں رکھتیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ازواج مطہرات تو صاف ستھری تھیں جیسا کہ سورۂ نور میں یہ آیت ہے " **والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات اولئك مبرؤن مما يقولون لهم مغفرة ورزق كريم**. (النور:۲۶) اور ازواج مطہرات کے پاس بچے بھی نہیں تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اوڑھنیوں میں نماز کیوں نہیں پڑھتے تھے۔

جواب: یہ عمل اس لئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل امت کیلئے اسوہ بنے امت کی رہنمائی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی اوڑھنیوں میں نماز نہیں پڑھی۔ ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پاک صاف تھیں اور خود آپ وساوس سے پاک تھے۔

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْمَشْيِ وَالْعَمَلِ فِي صَلَاةِ التَّطَوُّعِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ بُرْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جِئْتُ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الْبَيْتِ وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَمَشَى حَتَّى فَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلَى مَكَانِهِ وَوَصَفَتِ الْبَابَ فِي الْقِبْلَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ گھر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کا دروازہ بند کر کے نماز پڑھ رہے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چل کر میرے لئے دروازہ کھولا اور پھر اپنی جگہ واپس چلے گئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں دروازہ قبلہ کی طرف ہی تھا امام

حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ. ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس بات پر حنفیہ وشافعیہ کا اتفاق ہے کہ پے در پے چلنا نماز کیلئے مفسد ہے اور خطوات منفصلہ اگر چہ کثیر ہوں تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یعنی ایک ایک قدم غیر متواتر طریقے سے چلنا مفسد نہیں تاوقتیکہ انسان مسجد سے نہ نکل جائے اور اسی طرح اس بات پر بھی احناف وشافعیہ کا اتفاق ہے کہ عمل کثیر مفسد صلوٰۃ ہے اور عمل قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ پھر عمل قلیل وعمل کثیر کی تحدید میں علماء کا اختلاف ہے۔

احناف کی اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ① نمازی کی رائے کا اعتبار ہے وہ جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس عمل کو وہ قلیل سمجھے وہ قلیل ہے۔ ② **وقيل يفوض الى رأى الناظر** بعض نے کہا کہ دیکھنے والے کی رائے کا اعتبار ہے۔ جو بھی قول ① لیا جائے جس شے کو دیکھنے والا یا خود مصلی مشی کثیر سمجھے وہ بھی عمل کثیر ہونے کی وجہ سے مفسد صلوٰۃ ہے۔

مشی کثیر اور مشی قلیل کی تحدید کیا ہے؟ بعض حضرات نے کہا کہ مشی کثیر ایک صف سے زیادہ ایک مرتبہ چلنا ہے اور اسی طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پے در پے تین قدم یا اس سے زیادہ چلے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر تین قدم سے کم چلے یا چار یا پانچ قدم چلے مگر وقفہ وقفہ سے چلے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ شرح منیہ میں ہے کہ مشی فی الصلوٰۃ اگر قبلہ کی جانب ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہ ہوگی جب تک کہ وہ مسجد سے نہ نکلے اور بیابان میں صفوں سے نکلنے کی حد تک چلنے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ان دونوں صورتوں میں ایک شرط ہے کہ قبلہ سے رخ نہ ہٹے اگر قبلہ کی طرف سے رخ ہٹ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

دونوں فریقین میں سے ہر ایک فریق کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ لگاتار نہیں چلے بلکہ وقفہ وقفہ سے چلے ہوں گے۔ البحر الرائق میں ہے اگر دروازہ بند کرنے کے لئے مشی کی تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر دروازہ کھولنے کے لئے مشی کی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (کما ذکرہ عن الظہیریۃ فی مفسدات للصلوٰۃ)

علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دروازہ بند کرنے اور کھولنے میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ بند دروازے کو کھولے گا تو عمل کثیر ہوگا وہ اس طرح کہ دروازہ کا تالا ہوگا تو وہ کھولے گا اگر تالا نہ ہو تو کنڈی یا پیچھے لکڑی کا ڈنڈا لگا یا گیا ہوگا جس سے دروازہ مضبوطی سے بند ہوتا ہے تو اس کو کھولے گا اس طرح دروازہ کو حالت نماز میں کھولنا مکروہ ہے اور اس طرح کا عمل نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر دروازہ بند کرنے میں بھی دقت ہو تو پھر بند کرنے سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

حدیث الباب کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھیں کہ ازواج مطہرات کے گھر کس طرح بنے ہوئے تھے ان کی ترتیب اس طرح سے تھی کہ تمام ازواج مطہرات کے گھر آپس میں ملے ہوئے تھے اور ہر گھر میں دو دروازے اور دو کھڑکیاں تھیں۔ دروازوں میں سے ایک دروازہ تو مسجد کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا باہر سڑک کی جانب کھلتا تھا اور دو کھڑکیاں گھروں کے درمیان روابط اور آنے جانے کے لئے ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہ ؓ کے کمرے کے ساتھ حضرت فاطمہ ؓ کا کمرہ تھا اور حضرت عائشہ ؓ کے گھر کے دوسری جانب حضرت حفصہ ؓ کا گھر تھا۔ حضرت عائشہ ؓ اور حضرت فاطمہ ؓ کے حجرے کے درمیان جو کھڑکی تھی وہ بعد میں بند کر دی گئی تھی اور جو حضرت حفصہ ؓ کے گھر کی جانب تھی وہ ویسے ہی رہی۔ اور وہ جانب جنوب میں یعنی قبلہ کی جانب تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کہیں گئی ہوئی تھیں آپ ﷺ گھر میں تنہا تھے اور دروازہ بند کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب حضرت

عائشہؓ واپس تشریف لائیں تو دروازہ بند پایا انہوں نے یہ خیال کیا کہ آپ ﷺ سو گئے ہیں دروازہ کھٹکھانا مناسب نہیں سمجھا۔ اسلئے انہوں نے سوچا کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جو کھڑکی لگی ہے اسکے ذریعے سے اپنے حجرے میں چلی جاؤں گی مگر وہ بھی بند تھی پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دھکا دیا تو آپ آپ ﷺ نے قبلہ کی جانب بڑھ کر اس کو کھول دیا آپ ﷺ قریب میں نماز پڑھ رہے تھے پھر واپس اپنی جگہ لوٹ گئے اور نماز میں مشغول رہے۔ حدیث الباب میں جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے وہ یہی واقعہ ہے۔

سوال اوّل: اس روایت میں ہے کہ قبلہ مغرب کی جانب تھا جبکہ نسائی اور احمد کی روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ دائیں طرف یا بائیں طرف چل کر دروازہ کھولتے تھے، سوال یہ ہے کہ جب دروازہ قبلہ رخ ہے تو دائیں بائیں جانب چلنے کا کیا مقصد ہے۔

جواب اوّل: آپ ﷺ عین دروازے کے سامنے نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ہوسکتا ہے دائیں یا بائیں جانب تھوڑا سا ہٹ کر نماز پڑھتے ہوں تو اٹھتے وقت دائیں یا بائیں جانب اٹھ کر جاتے ہوں۔

جواب ثانی: اصل میں روایت میں قلب ہوا ہے اصل عبارت یہ ہے **"استفتحت الباب والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یصلی تطوعا والباب علی القبلة عن یمینه اوعن یساره فمشی ففتح الباب"** اس روایت میں دائیں بائیں جانب کا تذکرہ ہے لہٰذا اس پر کوئی اشکال نہ ہوگا۔

سوال ثانی: مؤرخین نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حجرہ شریفہ کے دروازہ کو قبلہ کی جانب کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مسجد نبوی کی جانب مشرق میں تھا اور حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف تھا جبکہ بعض کتب میں تصریح آئی ہے کہ آپ ﷺ کے حجرے کا دروازہ مغرب کی طرف تھا جب دروازہ مغرب کی طرف تھا تو قبلہ کی طرف نہ ہوگا کیونکہ اہل مدینہ کا قبلہ مغرب کی جانب نہیں تھا؟

جواب اوّل: مذکورہ کتاب میں اس دروازے کا ذکر ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بنوایا تھا کیونکہ اس وقت حجرہ مبارکہ اور قبور مقدسہ کے درمیان دیوار قائم کردی گئی تھی اس وقت حجرہ کا دروازہ مغرب کی جانب تھا اور حدیث مذکورہ میں جس دروازہ کا ذکر ہے وہ دور نبوی کا دروازہ ہے کہ وہ قبلہ کی جانب تھا۔

جواب ثانی: اصل میں حجرہ کے دو دروازے تھے ایک قبلہ کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب۔

جواب ثالث: اصل میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان ایک دیوار مشترکہ تھی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا گھر قبلہ کی جانب تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی دروازے کو کھلوایا جو قبلہ کی جانب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتا تھا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي قِرَاءَةِ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ عَبْدَ اللهِ عَنْ هٰذَا الْحَرْفِ {غَيْرِ آسِنٍ} أَوْ {يَاسِنٍ} قَالَ كُلَّ الْقُرْآنِ قَرَأْتَ غَيْرَ هٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ إِنَّ

حضرت اعمش سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ابووائل سے سنا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہؓ سے اس حرف (غَيْرِ آسِنٍ یا یَاسِنٍ) کے متعلق پوچھا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا تم نے اسکے علاوہ پورا قرآن پڑھ لیا ہے؟ اس نے کہا ہاں حضرت ابن

قَوْمًا يَقْرَءُونَهُ يَنْثُرُونَهُ نَثْرَ الدَّقَلِ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ إِنِّي لَأَعْرِفُ السُّوَرَ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ قَالَ فَأَمَرْنَا عَلْقَمَةَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ عِشْرُونَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَ كُلِّ سُورَتَيْنِ فِي رَكْعَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کچھ لوگ قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں جیسے کوئی ردی کھجوروں کو بکھیرتا ہے اور قرآن انکے حلق سے نیچے نہیں اترتا مجھے ایسی متشابہ سورتوں کا علم ہے جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں ملا کر پڑھتے تھے راوی کہتے ہیں ہم نے علقمہ سے کہا تو انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان سورتوں کے بارے میں پوچھا اس پر انہوں نے فرمایا وہ مفصل کی بیس سورتیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر رکعت میں دو دو سورتیں ملا کر پڑھتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ایک رکعت میں دوسورتوں کا جمع کرنا جائز ہے اس میں کراہت نہیں ہے۔کمافی شرح معانی الآثار للطحاوی (جلد ا ص ۲۰۶) یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے۔البحر الرائق میں ہے کہ ایک رکعت میں دوسورتوں کو جمع کرنا یا ایک کو مکرر پڑھنا مکروہ ہے۔

دوسورتوں کو ایک رکعت میں ملاتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

① دونوں سورتوں کے درمیان جہراً بسم اللہ پڑھنی چاہیے کیونکہ بسم اللہ سورتوں کے درمیان فصل کرنے کیلئے نازل ہوئی ہے اور اسی مقصد کے لئے دونوں سورتوں کے درمیان لکھی ہوئی ہے۔ ② سورتوں کو جمع کرتے ہوئے ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہیے پہلے پہلے والی سورۃ پڑھے پھر اگلی کوئی سورت پڑھے یہ نہ ہو کہ پہلے آگے سے کوئی سورت پڑھے پھر اس سورت سے پیچھے کوئی سورت پڑھے۔ مثلاً سورۂ فیل پھر آگے کوئی سورت مثلاً سورۂ اخلاص پڑھے اس کا برعکس نہ کرے۔

سأل رجل: رجل سے مراد ''نهيك بن سنان البجلی'' ہیں نون کے فتحہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں یا أبا عبد الرحمٰن كيف تقرأ هٰذا الحرف الفا تجده أم ياء ''من ماء غير اسن'' یا ''من ماء غير ياسن'' گویا یہاں سائل کا سوال اس کی قراءت کے متعلق تھا۔

كل القرآن قرأت غير هٰذا: یہ بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے ارشاد فرمائی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ سائل نے ابھی تک قرآن کی تعلیم مکمل نہیں کی اور عوام کی عادت کے مطابق سوال برائے سوال مقصود ہے اس لئے انہوں نے یہ جملہ بطور نصیحت کے ارشاد فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو تحصیل علم دین میں ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

قال نعم: سائل نے جواب دیا کہ ہاں میں قرآن کی تعلیم مکمل کر چکا ہوں مسلم شریف میں یہ جواب ان الفاظ میں مذکور ہے ''انی لأقرأ المفصل فی ركعة'' اس سے آگے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جملہ ہے۔

قال إن قوماً يقرءونه ينثرونه نثر الدقل لا يجاوز تراقيهم: **نثر** کا معنی ہے بکھیرنا اور **الدقل** بیکار اور خشک کھجور کو کہتے ہیں۔ التراقی ہنسلی کی ہڈی۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان ردی کھجور کو جلدی جلدی نگل لیتا ہے اور عمدہ کھجور کی طرح مزے لے لے کر نہیں کھاتا اسی طرح بعض لوگ کلام اللہ کو جلدی جلدی مخارج اور تجوید کی رعایت کے بغیر پڑھتے ہیں اور تلاوت قرآن پاک سے لذت حاصل نہیں کرتے۔ قرآن کی تلاوت کے آداب کا خیال نہیں رکھتے۔ **لا يجاوز**

تراقیھم کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تلاوت حلق سے تجاوز کر کے باری تعالیٰ کے ہاں شرف قبولیت حاصل نہیں کرتی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد اس سائل کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم نے ایک رکعت میں اتنا زیادہ قرآن پڑھا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری قراءت بھی اس مذکورہ جماعت کی طرح ہے جس کا تلاوت قرآن کے بارے میں اس جگہ ذکر ہے۔ **ینثرونہ نثر الدقل۔**

انی لاعرف السور النظائر: یعنی میں ان سورتوں کو جانتا ہوں جن کو آپ ﷺ ایک رکعت میں دو دو کو ملاتے تھے پھر سور نظائر سے مراد وہ سورتیں ہیں جو طول وقصہ میں ایک دوسرے کے مماثل ہوں **کما ذکرہ البدر العینی فی العمدۃ۔**

اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ان سے وہ سورتیں مراد ہیں جو معانی، مثلاً موعظت، حکم، قصص وغیرہ میں ایک دوسرے کے ہم مثل ہیں لیکن حافظ ابن حجرؒ نے مماثلت من عدد الایات کے قول کی تردید کی ہے۔

یہ وہ کون سی سورتیں ہیں جن سورتوں کو ایک رکعت میں دو دو ملاتے تھے۔ ان کی تفصیل ''ابوداؤد شریف جلد ۱ ص ۱۹۸ باب تحزیب القرآن'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **اھذا کھذ الشعر و نثرا کنثر الدقل لکن النبی ﷺ کان یقرأ النظائر السورتین فی رکعۃ النجم والرحمٰن فی رکعۃ، واقتربت والحاقۃ فی رکعۃ، والطور والذاریات فی رکعۃ، اذا وقعت والنون فی رکعۃ، و سأل سائل والنازعات فی رکعۃ، وویل للمطففین و عبس فی رکعۃ، والمدثر والمزمل فی رکعۃ، و ھل أتی ولا اقسم بیوم القیامۃ فی رکعۃ، وعم یتساءلون والمرسلات فی رکعۃ، والدخان واذا الشمس کورت فی رکعۃ** ۔ تفصیل کیلئے دیکھیں (عمدۃ القاری جلد ۶ ص ۴۴۔۴۵ فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۴ تا ۲۱۶ معارف السنن جلد ۵ ص ۱۳۹)

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الْمَشْيِ إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَا يُكْتَبُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ فِي خُطَاهُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ سَمِعَ ذَكْوَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَوَضَّأَ الرَّجُلُ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ لَا يُخْرِجُهُ أَوْ قَالَ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا إِيَّاهَا لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ بِهَا دَرَجَةً أَوْ حَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لئے نکلتا ہے بشرطیکہ اسے نماز کے علاوہ کسی اور چیز نے نہ نکالا ہو یا فرمایا نہ اٹھایا ہو تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند فرماتا اور ایک گناہ مٹاتا ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: انسان جب نماز کے لئے گھر سے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم پر ہر ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور اس کا ایک درجہ بھی بلند کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب بندہ وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر نماز کے لئے نکلتا ہے تو اس کے لئے یہ ثواب ہے۔

اس حدیث کی رو سے دیکھا جائے تو مسجد کے لئے نکلنے والے ان حضرات کو یہ بشارت ملے گی جو حضرات وضو کر کے مسجد کی

طرف جائیں گے۔ اگر کوئی شخص بغیر وضو کے گھر سے نکلا ہے چاہے مسجد میں جانے کے لئے نکلا ہو تو مذکورہ ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی یہ صراحت پڑھی ہے کہ حدیث میں وضو کی قید عربوں کے اعتبار سے ہے چونکہ عربوں کی مسجدوں میں وضو کا انتظام نہیں ہوتا وہ لوگ گھر سے وضو کر کے آتے ہیں اس لئے حدیث میں یہ قید ہے۔ (فیض الباری: ۲/۷۳)

دوسرا یہ کہ ماقبل باب میں ایک بات یہ بھی گزری ہے کہ مسجد جاتے ہوئے انگلیوں کو چٹخانا نہیں چاہیے کیونکہ وہ مسجد کی طرف جا رہا ہے گویا کہ وہ نماز میں ہے ظاہر ہے نماز میں تب ہی مانا جائے گا جب کہ وہ وضو کی حالت میں ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ ثواب تب حاصل ہوگا جب گھر سے وضو کر کے نماز کے لئے نکلے گا۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ أَنَّهُ فِي الْبَيْتِ أَفْضَلُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَبِي الْوَزِيرِ الْبَصْرِيُّ ثِقَةٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحَقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِ بَنِي عَبْدِ الْأَشْهَلِ الْمَغْرِبَ فَقَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُونَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلَاةِ فِي الْبُيُوتِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ فَمَا زَالَ يُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ دَلَالَةٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي الْمَسْجِدِ.

سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عبد اشہل کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھی پس کچھ لوگ نفل پڑھنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کو چاہیے کہ یہ نماز اپنے گھروں میں پڑھو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اس روایت کے علاوہ اسے نہیں جانتے اور صحیح وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے بعد گھر میں دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی اور پھر عشاء تک مسجد میں نماز پڑھنے میں مشغول رہے پس اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مغرب کے بعد مسجد میں بھی نماز پڑھی۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ مغرب کی سنتوں کے بارے میں بتلا رہے ہیں کہ مغرب کی سنتیں بھی باقی سنتوں کی طرح گھر میں پڑھنی چاہئیں یا مسجد میں پڑھنی چاہئیں۔ اس کے بارے میں محدثین علماء فرماتے ہیں کہ مغرب کی سنتوں کا بھی وہی حکم ہے جو باقی نمازوں کی سنتوں کا حکم ہے اس پر دلیل یہی حدیث الباب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنی عبدالاشہل کی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں سنتیں پڑھنے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو یہ نماز گھروں میں پڑھو۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی سنتوں کا حکم بھی وہی ہے جو دوسری نمازوں کا حکم ہے۔ اس حدیث کی وجہ

ضعف یہ ہے کہ اسحاق بن کعب ہلکے درجہ کے راوی ہیں مگر ضعیف نہیں، لیکن پھر بھی امام ترمذیؒ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

قال ابو عیسی هٰذا حدیث غریب: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قولی حدیث صحیح نہیں ہے صحیح حدیث ابن عمرؓ کی ہے جو فعلی ہے کہ نبی کریم ﷺ مغرب کے بعد اپنے گھر میں دو سنتیں پڑھتے تھے اور اگر کسی نے مسجد میں سنتیں پڑھ لیں تو ٹھیک ہے اس کے متعلق تفصیل ماقبل (باب ما جاء أنه یصلیها فی البیت) میں گزر چکی ہے۔

وقد روی عن حذیفة أن النبی: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی پھر مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھی اب اس حدیث سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس دن مغرب کی نماز بعد کی سنن اور نوافل مسجد میں پڑھے ہوں گے پھر عشاء کی نماز پڑھی۔ یہ حدیث مسند احمد میں بھی ہے اور اس کی سند قوی ہے بنسبت پہلی حدیث کی سند کے۔

بَابٌ فِي الِاغْتِسَالِ عِنْدَ مَا يُسْلِمُ الرَّجُلُ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَغَرِّ بْنِ الصَّبَّاحِ عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ لِلرَّجُلِ إِذَا أَسْلَمَ أَنْ يَغْتَسِلَ وَيَغْسِلَ ثِيَابَهُ.

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اسلام لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پانی اور بیری کے پتوں سے نہانے کا حکم دیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرے تو اس کے لئے غسل کرنا اور کپڑے دھونا مستحب ہے۔

تشریح: اسلام قبول کرنے کے بعد غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ابوثورؒ، ابن المنذرؒ کے نزدیک نومسلم خواہ جنبی ہو یا پاک اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر غسل فرض ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے کہ اگر نومسلم نے اسلام جنابت کی حالت میں قبول کیا تو مسلمان ہونے کے بعد اس پر غسل کرنا فرض ہے اور اگر نومسلم اسلام قبول کرتے وقت جنبی نہیں تھا تو اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے اور اس کے لئے اپنے کپڑے دھونا، بال کٹوانا بھی مستحب ہے اگر اس کا ختنہ نہیں ہوا ہو تو اس کا ختنہ کرانا واجب ہے۔

مالکیہ، حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے **عن قیس بن عاصم انه اسلم فأمره النبی ﷺ أن یغتسل و یغتسل بماءٍ وسدرٍ**۔ یہاں پر آپ ﷺ نے قیس بن عاصم کو غسل کرنے کا حکم دیا اور حکم وجوب کے لئے آتا ہے۔

جواب: ہر جگہ حکم وجوب کے لئے نہیں ہوتا۔ بلکہ ان صحابی کو جو اسلام لانے پر غسل کا حکم دیا اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی۔ امام ابو

حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک لاکھ سے زائد لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ آپ ﷺ نے کسی کو غسل کا حکم نہیں دیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا حکم دیا ہوتا تو اس بارے میں روایات کثرت سے ہوتیں بلکہ تواتر کی حدتک پہنچی ہوتیں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ امر استحباب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ مِنَ التَّسْمِيَةِ فِي دُخُولِ الْخَلَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ بَشِيرِ بْنِ سَلْمَانَ حَدَّثَنَا خَلَّادٌ الصَّفَّارُ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ النَّصْرِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتْرُ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِي آدَمَ إِذَا دَخَلَ أَحَدُهُمُ الْخَلَاءَ أَنْ يَقُولَ بِسْمِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ وَ قَدْ رُوِيَ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ فِي هٰذَا

ابوجحیفہ، علی بن ابی طالب ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنوں کی آنکھوں اور انسانوں کی شرمگاہوں کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی بیت الخلاء جائے تو بِسْمِ اللهِ پڑھ لے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اس روایت کے علاوہ نہیں جانتے اور اسکی سند قوی نہیں حضرت انس ؓ سے بھی اس باب میں کچھ مروی ہے۔

تشریح: دخول خلاء کے متعلق اوراد و وظائف کی تفصیل **ابواب الطهارة باب ما يقول اذا دخل الخلاء** میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث محمد بن حمید الرازی کی وجہ سے بے حد ضعیف ہے یہ حدیث مسند احمد اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر اس کا شاہد و متابع موجود ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ مِنْ سِيمَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ مِنْ آثَارِ السُّجُودِ وَالطُّهُورِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ الدِّمَشْقِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ قَالَ قَالَ صَفْوَانُ بْنُ عَمْرٍو أَخْبَرَنِي يَزِيدُ بْنُ خُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرٌّ مِنَ السُّجُودِ مُحَجَّلُونَ مِنَ الْوُضُوءِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ.

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میری امت کے چہرے سجدوں کی وجہ سے اور ہاتھ پیر وضو کی وجہ سے چمک رہے ہوں گے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے یعنی عبداللہ بن بسر کی روایت سے۔

تشریح: باب اور حدیث میں موجود مشکل الفاظ کی وضاحت۔ **سیماء** کا معنی علامت، نشانی، **غُرّۃ** کا معنی پیشانی کی سفیدی۔ **غُرًّا أغرُّ** کے معنی روشن پیشانی کے ہیں۔ **محجلین**، تحجیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کے معنی ہیں وہ گھوڑا جس کا رنگ سفیدی کے علاوہ ہو مگر اس کے چاروں پیر سفید ہوں۔ (کذا فی العرف الشذی)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن اس امت کی امتیازی نشانی یہ ہوگی کہ ان کے اعضاء سجود چمکیں گے۔ اس پر بعض

حضرات نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وضو اس امت کی خصوصیت ہے سابقہ امتوں پر وضو فرض نہیں تھا اس لئے یہ اعضاء وضو کے چمکنے کی خصوصیت بھی اسی امت کی ہوگی اور بعض حضرات نے کہا کہ غرۃ اور تحجیل صرف اسی امت کی خصوصیت نہیں ہے۔

یہاں حدیث میں یہ الفاظ یوں ہیں اور مسلم شریف کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں **ان امتی یدعون یوم القیامۃ غرًّا محجلین فی آثار الوضوء فمن استطاع منکم أن یطیل غرته فلیفعل**۔ بے شک میری امت کو قیامت کے دن جب بلایا جائے گا وہ اس حال پر آئے گی کہ وہ روشن پیشانی، روشن اعضاء ہوگی وضو کے اثر سے پس تم میں سے جو شخص اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ اپنی چمک بڑھائے تو وہ ایسا کرے۔ ان دونوں احادیث میں صرف پیشانی کا ذکر ہے کہ وہ قیامت کے دن چمکے گی اور باقی اعضاء کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اگلا مضمون مقابلہ کرنے کے ساتھ سمجھ میں آجاتا ہے یعنی وہ سامع کے ذہن پر چھوڑ دیا کہ وہ باقی اعضاء وضو کے بارے میں سوچ لے گا کہ جس طرح قیامت کے دن پیشانی چمکے گی اسی طرح باقی اعضاء وضو بھی چمکیں گے۔

سیماء ھٰذہ الامۃ من آثار السجود: یہ الفاظ ترجمۃ الباب کے ہیں۔ سجود کی وجہ سے اس امت کے لوگوں کی پیشانی چمکے گی یہ مضمون قرآن پاک کی اس آیت میں ہے "**سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود**" یعنی ان کے چہروں میں سجدوں کے اثر سے امتیازی علامت ہوگی۔ اس آیت میں وہ نشان مراد نہیں جو پیشانی میں پڑ جاتا ہے بلکہ نیک چلنی اور شب بیداری کے انوارات وتجلیات مراد ہیں کیونکہ آیت میں وجوہ ہے جباہ نہیں۔

جیسا کہ درمنثور جلد ۶ ص ۸۲ میں حضرت سائب بن یزید کا واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جس کے ماتھے پر سجدہ کا نشان تھا آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا بخدا اس نے اپنا چہرہ بگاڑ لیا ہے۔ سنو بخدا قرآن میں جو سیماء ہے اس سے یہ ماتھے کا نشان مراد نہیں اور پھر فرمایا کہ میں اسّی سال سے سجدہ کرتا ہوں مگر میری آنکھوں کے درمیان سجدوں کا کوئی نشان نہیں۔

لہٰذا بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ پیشانی کے اس نشان کو آیت کا مصداق سمجھتے ہیں اور اپنی بزرگی کو ثابت کرنے کے لئے اپنے پیشانی پر یہ نشان پیدا کر لیتے ہیں۔ اور تمام مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ نشان اس کا مصداق نہیں۔

بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ التَّيَمُّنِ فِي الطُّهُورِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ أَبِي الشَّعْثَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُورِهِ إِذَا تَطَهَّرَ وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ وَأَبُو الشَّعْثَاءِ اسْمُهُ سُلَيْمُ بْنُ أَسْوَدَ الْمُحَارِبِيُّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت میں داہنی طرف سے شروع کرنا پسند کرتے تھے اسی طرح کنگھی کرتے وقت اور جوتی پہنتے وقت بھی داہنی طرف سے ہی شروع کرنا پسند کرتے تھے ابوشعثاء کا نام سلیم بن اسود محاربی ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: وضو اور غسل کے دوران ایک اصول ہے کہ وضو یا غسل کرتے وقت جہاں دایاں یا بایاں ہے وہاں دائیں ہاتھ سے

یا دائیں طرف سے شروع کرے اور جہاں دائیں بائیں نہیں وہاں جس طرح چاہے دھوئے۔

یہاں پر حدیث عائشہؓ ہے کہ آپؐ وضو کرنے، تیل، کنگھا کرنے اور جوتے پہننے میں دائیں طرف سے ابتداء کرنے کو پسند کرتے تھے۔

والترجل: **تمشیط الشعر و تسریحه فی الرأس او اللحیة** بالوں میں کنگھی کرنا درمیان سے چیر نکالنا یا داڑھی کی کنگھی کرنا۔

والتنعل: **لبس النعل** جوتے پہننے میں۔ ابوداؤد شریف میں اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے **وسواکه** اور مسواک کرنے میں بھی تیمن اختیار کرتے تھے۔

بَاب ذِكْرِ قَدْرِ مَا يُجْزِئُ مِنَ الْمَاءِ فِي الْوُضُوءِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِيسٰى عَنِ ابْنِ جَبْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجْزِئُ فِي الْوُضُوءِ رِطْلَانِ مِنْ مَاءٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ عَلٰى هٰذَا اللَّفْظِ وَرَوٰى شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَبْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَوَضَّأُ بِالْمَكُّوكِ وَيَغْتَسِلُ بِخَمْسَةِ مَكَاكِيَّ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وضو کے لئے دو رطل پانی کافی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اس کے یہ الفاظ شریک کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے شعبہ عبداللہ بن عبداللہ بن جبر سے اور وہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صاع سے وضو فرماتے اور غسل کے لئے پانچ صاع استعمال فرماتے۔

تشریح: یہ مسئلہ ابواب الطہارۃ میں گزر چکا ہے کہ وضو اور غسل میں پانی کی کتنی مقدار ہونی چاہیے جس سے کم یا زیادہ نہ ہو۔ اور موجودہ دور چونکہ ٹونٹی کا ہے کہ لوگ وضو کے دوران اتنا پانی خرچ کرتے ہیں جتنے پانی سے ایک آدمی آسانی سے غسل کر سکتا ہے اتنے پانی سے وہ وضو کرتے ہیں۔ اس بارے میں دو باتوں کا خاص خیال رکھا جائے ایک یہ کہ وضو کے دوران اسراف نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر جاری نہر پر وضو کرے تو بھی اسراف نہ کرے۔ دوسری بات یہ کہ پانی استعمال کرنے میں بہت زیادہ بخیلی بھی نہ کرے۔

حدیث الباب میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا وضو میں ایک رطل پانی کافی ہے اس روایت میں شریک بن عبداللہ نخعی ہیں جو کثیر الخطأ ہیں۔ امام شعبہ کی فعلی روایت ہے کہ آپؐ وضو ایک مکوک سے اور غسل پانچ مکوک سے کرتے تھے۔ مکوک ایک پیمانہ ہے جو مختلف علاقوں میں رائج ہے اس حدیث میں مکوک سے مراد دو رطل ہیں۔ امام ترمذی ابواب السفر میں اس باب کو اس لئے لائے ہیں کہ دوران سفر بسا اوقات پانی کم ہوتا ہے تو وضو میں کم خرچ کرنا چاہیے یا اگر دوران سفر آپ کسی نہر کے پاس وضو کر رہے ہیں تو پھر بھی اسراف سے بچیں۔

بَاب مَا ذُكِرَ فِي نَضْحِ بَوْلِ الْغُلَامِ الرَّضِيعِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ

ابوحرب بن ابی الاسود، اپنے والد سے اور وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي بَوْلِ الْغُلَامِ الرَّضِيعِ يُنْضَحُ بَوْلُ الْغُلَامِ وَيُغْسَلُ بَوْلُ الْجَارِيَةِ قَالَ قَتَادَةُ وَهٰذَا مَا لَمْ يَطْعَمَا فَإِذَا طَعِمَا غُسِلَا جَمِيعًا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ رَفَعَ هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ قَتَادَةَ وَوَقَفَهُ سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

وآلہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کے پیشاب کے بارے میں فرمایا کہ لڑکے کے پیشاب پر پانی بہا دینا کافی ہے اور لڑکی کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے قتادہ کہتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جب تک کھانا نہ کھاتے ہوں اگر کھانا کھاتے ہوں تو پھر دونوں کا پیشاب دھویا جائے گا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کو ہشام دستوائی نے قتادہ کی روایت سے مرفوع اور سعید بن ابوعروبہ نے قتادہ ہی کی روایت سے موقوف روایت کیا ہے۔

تشریح: یہ باب بھی ماقبل ابواب الطہارۃ "**باب ما جاء فی نضح بول الغلام قبل أن یطعم**" میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ اب امام ترمذیؒ نے اس باب کو دوبارہ کیوں ذکر کیا یا یوں کہیں کہ ابواب السفر میں اس کو کیوں لائے ہیں۔ اس کا جواب دیا کہ امام ترمذیؒ اس حدیث مذکور کے رفع ووقف میں جو اختلاف ہے اس کو واضح کرنے کیلئے یہ باب دوبارہ قائم کیا ہے۔

قال ابوعیسیٰ: یہ حدیث حسن ہے یہ حدیث ہشام دستوائی اور سعید بن ابی عروبہ دونوں حضرت قتادہ سے روایت کرتے ہیں سعید اس کو موقوف بیان کرتے ہیں اور ہشام حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي الرُّخْصَةِ لِلْجُنُبِ فِي الْأَكْلِ وَالنَّوْمِ إِذَا تَوَضَّأَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ عَمَّارٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لِلْجُنُبِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْكُلَ أَوْ يَشْرَبَ أَوْ يَنَامَ أَنْ يَتَوَضَّأَ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنبی کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ کھانا پینا سونا چاہے تو اس طرح وضو کرے جیسے نماز کے لئے وضو کرتا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب کی وضاحت ابواب الطہارۃ "**باب الجنب ینام قبل أن یغتسل**" میں گزر چکی ہے۔ امام ترمذیؒ اس کو دوبارہ کیوں لائے اس کے بارے میں معارف السنن میں تو یہی لکھا ہے **ولا وجہ لاعادۃ الباب** شاید یہ مقصود ہو کہ حالت اقامت میں تو جنبی کے لئے مسئلہ واضح ہے حالت سفر میں اگر کسی کو جنب لاحق ہو جائے تو اس کے پاس پانی نہ ہو یا ہو لیکن صرف وضو کی مقدار جتنا ہو تو وہ وضو کر کے کھانا پینا کر سکتا ہے۔ یا پھر تیمم کر کے اپنے استعمال میں بھی لا سکتا ہے۔

بَابُ مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا غَالِبٌ أَبُو بِشْرٍ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ عَائِذٍ الطَّائِيِّ عَنْ

حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے کعب بن عجرہ میں تجھے ان

قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُعِيذُكَ بِاللهِ يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ مِنْ أُمَرَاءَ يَكُونَ مِنْ بَعْدِي فَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ فَصَدَّقَهُمْ فِي كَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَا يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ غَشِيَ أَبْوَابَهُمْ أَوْ لَمْ يَغْشَ فَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ فِي كَذِبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَهُوَ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ وَسَيَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ الصَّلَاةُ بُرْهَانٌ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ حَصِينَةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ يَا كَعْبَ بْنَ عُجْرَةَ إِنَّهُ لَا يَرْبُو لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مُوسٰى وَأَيُّوبُ بْنُ عَائِذٍ الطَّائِيُّ يُضَعَّفُ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مُوسٰى وَاسْتَغْرَبَهُ جِدًّا وَقَالَ مُحَمَّدٌ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مُوسٰى عَنْ غَالِبٍ بِهٰذَا.

امراء سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو میرے بعد ہوں گے جو شخص ان کے دروازوں پر آ کر ان کے جھوٹ کو سچ اور ان کے ظلم میں ان کی اعانت کرے گا اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور وہ حوض پر نہ آ سکے گا اور جو ان کے دروازوں کے قریب آئے یا نہ آئے لیکن نہ تو اس نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور نہ ہی ظلم پر انکا مددگار ہوا وہ مجھ سے اور میں اس سے وابستہ ہوں ایسا شخص میرے حوض پر آ سکے گا اے کعب بن عجرہ نماز دلیل و حجت اور روزہ مضبوط ڈھال ہے اور صدقہ گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جیسے کہ پانی آگ کو اے کعب بن عجرہ کوئی گوشت ایسا نہیں جو حرام مال سے پرورش پاتا ہو اور آگ کا حقدار نہ ہو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے اس کے متعلق پوچھا وہ بھی اسے عبیداللہ بن موسیٰ کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے اور اسے بہت غریب کہتے ہیں امام بخاری نے کہا کہ ہم سے اس حدیث کی روایت ابن نمیر نے کی ہے اور وہ عبیداللہ بن موسیٰ سے غالب کے حوالے سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: من امراء یکونون من بعدی: میرے بعد ایسے ظالم حکمران آئیں گے کہ جن لوگوں نے ان ظالموں کی حمایت کی یا ان کے دروازوں پر گیا اور ان کے جھوٹ میں ہاں میں ہاں ملائی اور ان کے ظلم میں مدد کی تو وہ میرا نہیں۔ یہ ظالم کون تھے ان کے بارے میں شیخ محمد قاسم النانوتویؒ نے کہا کہ خوارج ہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ ان ظالم حکمرانوں میں خوارج، روافض، اصحاب الاھواء، اور دین میں بدعات ایجاد کرنے والے لوگ ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن محشر میں جو صراط ہوگی وہ صراط مستقیم ہے اس کی تمثیل صراط سے کی ہے کتاب احیاء العلوم کے آخر میں صراط کی صفت اسی طرح بیان کی ہے کہ جو شخص عالم دنیا میں صراط مستقیم پر رہا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے لئے صراط کو آسان کر دیں گے اور جہنم سے نجات دے دیں گے۔

جو شخص ان حکمرانوں کے گھر پر نہ گیا اور نہ ہی ان کی مدد میں شامل ہوا اور نہ ہی ان کے ظلم میں شامل ہوا "فھو منی و انا منه" تو وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔

ولا یرد علی الحوض: اس ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص امراء کے غلط فیصلوں میں ان کی ہمنوائی کرتا ہے وہ میرا ہم مزاج نہیں ہوسکتا اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں جب اللہ کے رسول کسی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار فرمادیں تو اس کے لئے اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

الصلوٰۃ برھان: برھان کا معنی دلیل ہے نماز دلیل ہے ایمان کی۔ چونکہ ایمان تو ایک مخفی چیز ہے اس کو ظاہری علامت ہی سے پہچانا جاتا ہے اور اس کی ظاہری علامت نماز ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ پانچوں وقت پابندی سے مسجد میں نماز پڑھتا ہے تو اس کے لئے ایمان کی گواہی دو یہ نماز پڑھنے کا عمل اس کے پکے مؤمن ہونے کی دلیل ہے۔

والصوم جنّۃ حصینۃ: اور روزہ مضبوط ڈھال ہے انسان کے دو دشمن ہیں ایک دشمن شیطان اور دوسرا نفس۔ روزہ ان دونوں دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے۔ شیطان کے بارے میں قرآن نے بیان کر دیا کہ وہ انسان کے لئے **عدوٌّ مبین** ہے اور نفس بھی بڑا دشمن ہے حدیث شریف میں ہے **انّ اعدی عدوّك نفسك التی بین جنبیك** تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوں کے درمیان ہے ان دونوں دشمنوں سے روزہ بچاتا ہے یعنی نفس کے ذریعے سے انسان جو گناہ کرتا ہے روزوں کی وجہ سے ان گناہوں سے حفاظت ہوجاتی ہے۔

قال ابو عیسٰی ھٰذا حدیث حسن غریب: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبید اللہ بن موسیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے وجہ ضعف یہ ہے کہ عبید اللہ کے استاد ابو بشر پر رافضی ہونے کا الزام ہے اور اس کے استاذ الاستاد پر مرجۂ میں سے ہونے کا الزام تھا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے پوچھا کہ اس حدیث کی کوئی اور بھی سند ہے۔ پس انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور اس حدیث کو نہایت درجہ غریب سمجھا اس حدیث کی دوسری سند ان کے علم میں نہیں۔ خود امام بخاریؒ نے یہ حدیث ابن نمیر سے روایت کی ہے اس سند میں بھی عبید اللہ بن موسیٰ کا تذکرہ کیا۔

بَابُ مِنْهُ

حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكِنْدِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمُ بْنُ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ اتَّقُوا اللهَ رَبَّكُمْ وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ وَصُومُوا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيعُوا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ قَالَ فَقُلْتُ لِأَبِي أُمَامَةَ مُنْذُ كَمْ سَمِعْتَ هٰذَا الْحَدِيثَ قَالَ سَمِعْتُ وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثِينَ سَنَةً قَالَ أَبُو

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے پروردگار اللہ رب العزت سے ڈرو پانچ نمازیں پڑھو رمضان کے روزے رکھو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اپنے امراء کا حکم مانو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ راوی کہتے ہیں میں نے ابوامامہؓ سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث آپ نے کب سنی انہوں نے فرمایا میں اس وقت تیس سال کا تھا جب میں نے یہ حدیث سنی امام

عِیسٰی ھٰذَا حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ اخر ابواب الصلوٰۃ۔ ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: واطیعوا أذا أمرکم: یہ ماخوذ ہے قرآن پاک کی اس آیت "**واولی الامر منکم**" اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض نے کہا کہ مسلمانوں کے علماء مراد ہیں۔ امام بیضاویؒ نے اسکی تردید کرتے ہوئے کہا کہ یہ حکم مستقل ان کیلئے ہی نہیں بلکہ وہ تو اللہ اور اسکے رسول کے حکم کو نقل کر کے آگے پہنچانے والے ہوتے ہیں۔ دوسرا قول بعض حضرات نے کہا کہ امراء المسلمین ہیں۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ اس سے مراد امراء سرایا ہیں اور یہی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور میمون سے ہے۔

چوتھا قول: ہر وہ شخص جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ آخرت میں نجات اوّلی کے لئے چار ارکان پر عمل کرنا اور کبائر سے بچنا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر شرط ہے ارکان اربعہ سے مراد نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ جو شخص ان پر عمل پیرا ہو گا اسے نجات ملے گی۔ اور ثانوی نجات کے لئے صرف ایمان شرط ہے اگر آدمی میں کسی درجہ کا بھی ایمان موجود ہے تو وہ جلد یا بدیر جنت میں ضرور جائے گا۔ اولاً نہ گیا تو سزا بھگت کر جائے گا۔

الحمد للہ

ھٰذا ختام البحث فی خاتمۃ کتاب الصلوٰۃ: ونسأل سبحانہ وتعالیٰ إتمام بقیۃ الشرح علی ھٰذا المنوال بحسن الختام وصلی اللہ علی صفوۃ الخلائق خاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ ومن تبعہ اجمعین۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔

یوم الخمیس الرابع والعشرین من شہر جمادی الثانیۃ سنۃ ثلاث وسبعین بعد الالف واربع مائۃ۔ ۱۴۳۷ ھج۔

أَبْوَابُ الزَّكَاةِ

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

ربط: زکوٰۃ کو صلوٰۃ کے بعد ذکر کیا "اتباعاً للقرآن"۔

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ: نمو بمعنی بڑھنے طہارت و پاکیزگی کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اخراج زکوٰۃ میں بقیہ مال بڑھتا اور پاک ہوجاتا ہے۔ اس کے اور معانی بھی آتے ہیں مثلاً برکت، مدح، ثناء جمیل، بڑھنا وغیرہ۔

الحاصل زکوٰۃ دینے سے مال آفات وغیرہ سے محفوظ ہوجاتا ہے اور "**وما انفقتم من شيء فهو يخلفه**" اور "**ويربي الصدقات**" کے پیش نظر مال بڑھنا شروع ہوجاتا ہے آخرت میں اجر و ثواب اس کے علاوہ ہے۔

اصطلاحی تعریف: اصطلاح شرع میں زکوٰۃ کہتے ہیں ① "**تمليك جزء مخصوص من مال مخصوص لشخص مخصوص لله تعالىٰ**"۔ ② صاحب تنویرؒ نے اس کی یوں تعریف کی ہے "**هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ**"۔ ③ زکوٰۃ کہتے ہیں کہ مال نصاب میں سے چالیسویں حصہ کا شرائط پائے جانے کے بعد کسی مستحق کو اداء کرنا۔

زکوٰۃ کی فرضیت: اس کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔ ابن خزیمہؒ وغیرہ کے نزدیک ہجرت سے پہلے زکوٰۃ فرض ہوئی لیکن جمہور حضرات کے نزدیک زکوٰۃ کی فرضیت ۲ھ میں روزوں کی فرضیت کے بعد ہوئی جن حضرات نے کہا کہ ہجرت سے پہلے فرض ہوئی تھی وہ کہتے ہیں کہ فرض تو پہلے ہوگئی تھی لیکن اس کا نفاذ ہجرت کے بعد دوسرے سال رمضان کی پہلی تاریخ کو ہوا ہے گویا یکم رمضان ۲ ہجری میں زکوٰۃ فرض قرار دیدی گئی یہی حضرت علامہ انور شاہؒ کا قول ہے اور یہی راجح ہے کیونکہ اس قول کی بناء پر تمام اقوال میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کا ذکر: زکوٰۃ کا ذکر قرآن پاک میں ۳۲ مقامات پر آیا ہے زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر کافر ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنیوالا فاسق و فاجر ہے مال پر ایک سال گزرنے پر صاحب نصاب، عاقل بالغ، مسلمان، آزاد پر زکوٰۃ فرض ہے اور کافر، غلام، مدیون اور بچے پر فرض نہیں ہے۔ زکوٰۃ اصول و فروع میں سے کسی کو نہیں دے سکتے اور اصول فروع کے علاوہ کسی مستحق کو اتنی مقدار دی جاسکتی ہے کہ وہ صاحب نصاب نہ بن سکے۔ اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے مقروض پر اس کے قرض کے بقدر مال میں زکوٰۃ نہیں ہے بقیہ مال جو قرض سے زائد ہوا اور نصاب کو پہنچتا ہو تو اس میں زکوٰۃ فرض ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت شرط ہے یا تو زکوٰۃ دیتے وقت ادائیگی کی نیت کرے یا پھر زکوٰۃ کا مال بقیہ مال سے علیحدہ کرتے وقت نیت کرے تو یہ بھی درست ہے۔

زکوٰۃ کے اسرار: ① بعض دینے والے کے ساتھ خاص ہیں ② اور بعض لینے والے کے ساتھ خاص ہیں ③ اور بعض خصوصیات ان دونوں کے درمیان مشترک ہیں نیز اللّٰہ رب العزت کی اس میں کیا حکمت ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔

وہ اسرار جو دینے والے کے ساتھ خاص ہیں: ① زکوٰۃ دینے سے انسان کے اندر بخل کا مادہ ختم ہوجاتا ہے کیونکہ بخل خرچ کرنے سے روکتا ہے اور غربت وغیرہ کا خوف دلاتا ہے ② زکوٰۃ ادا کرنے سے اللہ رب العزت کا قرب حاصل ہوتا ہے ③ اللہ رب العزت کی توحید کا اقرار ہے کہ اللہ واحد کے سوا کوئی محبوب نہیں کیونکہ محبت شرکت کو قبول نہیں کرتی ④ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں برکت حاصل ہوتی ہے، مال میں کمی نہیں آتی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی ⑤ زکوٰۃ ادا کرنے سے بقیہ مال پاک، حلال ہوجاتا ہے۔

زکوٰۃ لینے والوں کے متعلق اسرار: ① اس سے فقراء اور مساکین کی اعانت ہوتی ہے جو اخلاقی فرض ہے ② مؤلفۃ القلوب کی دلجوئی ہوتی ہے تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور اسلام کی طرف مائل رہیں اگرچہ اب یہ مصرف منسوخ ہے۔

وہ خصوصیات جو ان کے درمیان مشترک ہیں: ① غنی اور فقیر کا ایک دوسرے پر شکر ادا کرنا۔ امیر جب فقیر کو مال عطا کرے گا تو فقیر اس کا شکر ادا کرے گا اور امیر فقیر کے مال قبول کرنے پر اس کا شکر ادا کرے گا ② اور پھر یہ دونوں اللہ کا شکر ادا کریں گے کیونکہ اللہ رب العزت نے اموال کو انتفاع ہی کیلئے پیدا کیا ③ مؤمنین کی دو قسمیں ہیں ان میں سے بعض غنی اور بعض فقیر ہیں تاکہ اس کے ذریعے کے ان سے ایمان کی تکمیل ہو پھر ایمان کی بھی دو قسمیں ہیں، نصف صبر ہے اور نصف شکر ہے۔ لہٰذا جس شخص کو اللہ نے مال عطاء کیا ہے وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اگر وہ مال ختم یا ضائع ہوجائے تو اس پر صبر کرے۔ دونوں پر عمل کرنے سے ایمان مکمل ہوجائے گا۔

زکوٰۃ دینے والے کیلئے ضروری احکام: ① جب زکوٰۃ فرض ہوجائے اور مدت پوری ہوجائے تو فوراً اس کو ادا کرے تاکہ اس سے اس کا دل مسرور ہے اور فقراء کی ضرورت بھی پوری ہو کیونکہ تاخیر کرنے سے کوئی آفت نہ آجائے یا ادائیگی میں شیطان نہ حائل ہوجائے۔

② زکوٰۃ خفیہ ادا کرے تاکہ اس میں دکھاوا نہ آئے جیسا کہ فرمان ہے "**وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم**" (البقرۃ ۲۷۱)

③ ہاں اگر اظہار کرتا ہے اس طور پر تاکہ لوگوں کو بھی اس کی رغبت حاصل ہو لیکن ریاء نہ ہو تو درست ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے "**ان تبدوا الصدقات فنعما ھی**" (البقرۃ ۲۷۱)۔ "**وقال تعالیٰ وانفقوا مما رزقنھم سرًّا وعلانیۃً**" (الرعد ۲۲)

④ "**ان لا یفسد صدقتہ بالمن والاذی**" اپنے صدقہ کو احسان جتلانے یا کسی کو اذیت دلوانے کے ساتھ اس کا ثواب ضائع نہ کرے یعنی کسی پر احسان جتلانے یا کسی کو اذیت دینے کیلئے زکوٰۃ ادا نہ کرے جیسا کہ فرمان ہے "**لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی کالذی ینفق مالہ رئاء الناس**" (البقرۃ ۲۶۴)

⑤ دینے والا اس عطیہ کو چھوٹا سمجھے کیونکہ اگر بڑا سمجھے گا تو اس کے دل میں تکبر آئے گا کہ دیکھو میں نے فلاں کو کتنا مال دیا ہے اور یہ عجب ہے اور عجب ہلاکت میں ڈالتا ہے اور اعمال کو ضبط کر دیتا ہے۔ ⑥ زکوٰۃ کی ادائیگی کرنے والے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے مال میں سے اچھا اطیب مال دے "**فان اللہ تعالیٰ طیب لا یقبل الا طیبا**" جیسا کہ فرمان ہے "**یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم. الایۃ**" (البقرۃ ۲۶۷) ⑦ صدقہ زکوٰۃ ایسے شخص کو دو جو متقی ہو یا عالم ہو تاکہ اس کے ذریعے سے علم سکھانے میں اس کو مدد ملے اور یہ افضل عبادت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْعِ الزَّكَاةِ مِنَ التَّشْدِيدِ

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ جِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ قَالَ فَرَآنِي مُقْبِلًا فَقَالَ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ فَقُلْتُ مَا لِي لَعَلَّهُ أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمُ الْأَكْثَرُونَ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا فَحَثَى بَيْنَ يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَمُوتُ رَجُلٌ فَيَدَعُ إِبِلًا أَوْ بَقَرًا لَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهَا إِلَّا جَاءَتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا كَانَتْ وَأَسْمَنَهُ تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطَحُهُ بِقُرُونِهَا كُلَّمَا نَفِدَتْ أُخْرَاهَا عَادَتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مِثْلُهُ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لُعِنَ مَانِعُ الصَّدَقَةِ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاسْمُ أَبِي ذَرٍّ جُنْدَبُ بْنُ السَّكَنِ وَيُقَالُ ابْنُ جُنَادَةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مُوسٰى عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ حَكِيمِ بْنِ الدَّيْلَمِ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ مُزَاحِمٍ قَالَ الْأَكْثَرُونَ أَصْحَابُ عَشَرَةِ آلَافٍ.

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے آتے دیکھا تو فرمایا رب کعبہ کی قسم وہ قیامت کے دن خسارہ پانے والے ہیں ابوذر فرماتے ہیں میں نے سوچا کیا ہوگیا شاید میرے متعلق کوئی آیت نازل ہوئی ہے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ وہ کون ہیں فرمایا وہ مالدار لوگ ہیں مگر جس نے ایسے ایسے اور ایسے دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے لپ بنا کر دائیں بائیں اور سامنے کی طرف اشارہ کیا پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو شخص مرتے وقت اونٹ گائے وغیرہ بغیر زکوۃ کے چھوڑ جاتا ہے قیامت کے دن یہی جانور اس سے زیادہ طاقتور اور موٹا ہو کر آئے گا اور اس کو اپنے کھروں تلے روندتے اور سینگ مارتے ہوئے گزر جائے گا جب وہ گزر جائے گا تو پچھلا جانور واپس لوٹ آئے گا اور اس کے ساتھ اسی طرح ہوتا رہے گا یہاں تک کہ لوگ حساب کتاب سے فارغ ہو جائیں اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل روایت مروی ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ زکوۃ نہ دینے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے قبیصہ بن ہلب اپنے والد وہ جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن مسعود سے بھی روایت کرتے ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوذر حسن صحیح ہے۔ ابوذر کا نام جندب بن سکن ہے انہیں ابن جنادہ بھی کہا جاتا ہے۔ ضحاک بن مزاحم سے روایت انہوں نے کہا کہ اکثرون یعنی مالدار سے مراد دس ہزار والے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے، یہ اس بات کی مؤید ہے کہ زکوۃ کی فرضیت ہجرت سے پہلے ہوئی تھی باب کی حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے ان کے لئے وہی عذاب ہوگا جس کا ذکر حدیث شریف میں مذکور ہے۔ فقہاء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ جو لوگ زکوۃ ادا

نہیں کرتے ان کے لئے دوسزائیں ہیں ① آخرت میں ② دوسری دنیا میں۔ پھر اموال کی دو اقسام ہیں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ۔

اموال ظاہرہ: جن کی تفتیش کے لئے اس کے گھر میں داخل نہ ہونا پڑے بلکہ اس کا مال سب کے سامنے ظاہر ہو جیسے اونٹ کا نصاب، بکری، گائے وغیرہ کا نصاب ہے۔

اموال باطنہ: جیسے سونا، چاندی وغیرہ یا کوئی قیمت پیسے یہ اموال باطنہ ہیں اس کے بارے میں صرف مالک ہی کو معلوم ہوگا۔

اب حکومت کا حق اموال ظاہرہ میں ہے اگر کوئی شخص اموال ظاہرہ میں زکوٰۃ نہ دے تو حکومت زبردستی لے گی اور اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اگرچہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت میں زبردستی نہیں ہوتی لیکن حکومت کو ولایت عامہ حاصل ہے۔ اس لئے اگر آدمی کی نیت نہ بھی ہو تو حکومت کی نیت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ کا فریضہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔

هم الاخسرون: حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ ارشاد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دیکھ کر نہیں تھا بلکہ ہوسکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تارکین زکوٰۃ کے احوال منکشف ہو رہے ہوں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جب یہ فرمان سنا تو انہیں اندیشہ ہوا کہ شاید مجھ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو گیا جس کی بناء پر یہ ارشاد ہوا ہے یا میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی جب حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف محسوس ہوا تو فوراً پوچھ لیا **من هم؟ فداك ابي وامي!** یعنی الاخسرون سے کون سے لوگ مراد ہیں۔

فقال رسول الله ﷺ هم الاكثرون اس سے مراد زیادہ مال رکھنے والے ہیں فقہاء حضرات فرماتے ہیں اس سے صاحب نصاب مراد ہیں۔ پھر آگے فرمایا کہ زیادہ مال والے لوگ سراسر خسارے میں ہیں البتہ وہ لوگ جو ہر خیر کے کام میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

قال الاكثرون اصحاب عشرة آلاف: ضحاک نے جو اکثرون کی تفسیر کی ہے وہ یہ ہے کہ جس کے پاس دس ہزار درہم ہوں وہ اکثرون میں شامل ہیں اسکی وضاحت اس حدیث سے کی گئی ہے: **من قرأ الف آية كتب من المكثرين المقنطرين۔**

علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ضحاک نے دس ہزار درہم والی تفسیر "قنطار" سے لی ہوگی۔ **والقناطير المقنطرة** کے تحت تفسیر قرطبی میں اسکی تفسیر کرتے ہوئے اس حدیث کے الفاظ لائے ہیں "**ومن قام بألف آية كتب من المقنطرين**" (ج ۱ص ۳۱)

بَاب مَا جَاءَ إِذَا أَدَّيْتَ الزَّكَاةَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ عَنْ دَرَّاجٍ عَنِ ابْنِ حُجَيْرَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَدَّيْتَ زَكَاةَ مَالِكَ فَقَدْ قَضَيْتَ مَا عَلَيْكَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تو نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی تو تو نے اپنا فرض ادا کر دیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے اور کئی سندوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب زکوٰۃ کا تذکرہ فرمایا تو

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ أَنَّهُ ذَكَرَ الزَّكَاةَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ وَابْنُ حُجَيْرَةَ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ حُجَيْرَةَ الْمِصْرِيُّ.

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں ہاں اگر تم خوشی سے صدقہ دینا چاہو ابن حجیرہ کا نام عبدالرحمٰن بن حجیرہ بصری ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا نَتَمَنَّى أَنْ يَبْتَدِئَ الْأَعْرَابِيُّ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ أَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَثَا بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَسُولَكَ أَتَانَا فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَبِالَّذِي رَفَعَ السَّمَاءَ وَبَسَطَ الْأَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ آللهُ أَرْسَلَكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرٍ فِي السَّنَةِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا فِي أَمْوَالِنَا الزَّكَاةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ إِنَّ رَسُولَكَ زَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ عَلَيْنَا الْحَجَّ إِلَى بَيْتِ اللهِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ

حضرت ثابت انس فرماتے ہیں ہماری خواہش ہوتی تھی کہ کوئی عقلمند دیہاتی نبی کریم ﷺ سے سوال پوچھے تو ہم بھی وہاں موجود ہوں ہم اس خیال میں تھے کہ ایک اعرابی آیا اور آپ ﷺ کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور کہا اے محمد آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور کہا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اعرابی نے کہا قسم ہے اس رب کی جس نے آسمانوں کو بلند کیا زمین کو بچھایا اور پہاڑوں کو گاڑا کیا اللہ ہی نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اعرابی نے کہا آپ ﷺ کا قاصد کہتا ہے آپ ﷺ ہم پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض بتاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اعرابی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ اعرابی نے کہا آپ ﷺ کا قاصد یہ بھی کہتا ہے کہ ہم پر ہر سال ایک ماہ کے روزے رکھنا فرض ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے اعرابی نے کہا آپ ﷺ کا قاصد یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارے اموال پر زکوۃ ادا کرنا فرض ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس نے ٹھیک کہا ہے اعرابی نے کہا اس پروردگار کی قسم جس نے آپ ﷺ کو بھیجا کیا اس کا حکم بھی اللہ نے دیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہاں آپ ﷺ کا قاصد یہ بھی کہتا ہے کہ آپ ﷺ ہم میں سے جو صاحب استطاعت ہو اس کیلئے بیت اللہ کا حج فرض قرار دیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اعرابی نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اعرابی

وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَدَعُ مِنْهُنَّ شَيْئًا وَلَا أُجَاوِزُهُنَّ ثُمَّ وَثَبَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ صَدَقَ الْأَعْرَابِيُّ دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَعِيلَ يَقُولُ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِقْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ الْقِرَائَةَ عَلَى الْعَالِمِ وَالْعَرْضَ عَلَيْهِ جَائِزٌ مِثْلَ السَّمَاعِ وَاحْتَجَّ بِأَنَّ الْأَعْرَابِيَّ عَرَضَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَرَّ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے میں اس میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑوں گا اور نہ ہی اس سے زیادہ کروں گا پھر وہ اٹھ کر چلا گیا آپ ﷺ نے فرمایا اگر اعرابی سچا ہے تو جنت میں داخل ہو گیا امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن ہے اور اس سند کے علاوہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے امام بخاری سے سنا کہ بعض محدثین اس حدیث سے یہ حکم مستنبط کرتے ہیں کہ استاد کے سامنے پڑھنا اور پیش کرنا سماع ہی کی طرح جائز ہے ان کی دلیل اعرابی کی یہ حدیث ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے سامنے بیان کیا جس پر آپ ﷺ نے اقرار کیا۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے مال میں صرف اللہ کا حق یعنی زکوٰۃ ہے۔

سوال: اس میں تو اللہ کا حق زکوٰۃ کو قرار دیا جبکہ اگلی حدیث میں صراحۃً یہ مذکور ہے کہ **سوی الزکوٰۃ** زکوٰۃ کے علاوہ بھی حقوق ہیں

جواب: دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا اصل حق تو صرف زکوٰۃ ہے البتہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حقوق ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے حوادث میں خرچ کرنا، پڑوسی کو بھوکا نہ چھوڑنا، سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹانا یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں مگر سوائے زکوٰۃ کے۔ دوسری حدیث میں انہی کا ذکر ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال کنا نتمنی أن یبتدئ الاعرابی العاقل: اعرابی کا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور یہی قصہ صحیحین میں طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے جو کہ کتاب الایمان "**باب الزکوٰۃ من الاسلام**" میں ہے۔

ترمذی والا اور بخاری شریف والا واقعہ دونوں ایک ہی ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ابن بطال نے دونوں واقعات کے اتحاد کا دعویٰ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اعرابی اور رجل دونوں کا مصداق ضمام بن ثعلبہ ہیں اور واقعہ دونوں کا ایک ہی ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے اس واقعہ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ دونوں واقعات ایک نہیں ہو سکتے بلکہ دونوں واقعات کا سیاق، سوالات اور سوالات کے طرز مختلف ہیں لہٰذا ان کے اتحاد کا دعویٰ کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اعرابی آپ سے سوال پوچھے تاکہ ہمیں ہمارے علم میں اضافہ ہو یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب **لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم** والی آیت نازل ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ سے سوال کرنے سے منع کر دیا گیا لیکن یہ منع کرنا عمومی نہیں تھا بعض ضروری باتوں کے سوال کرنے کی اجازت بھی تھی مگر صحابہ کرامؓ انتہائی باادب اور محتاط لوگ تھے اس لئے وہ ضروری باتیں بھی پوچھنے سے رک گئے۔ اب ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرامؓ کا علمی نقصان ہو رہا تھا تو یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور سوال کرے تو آپؐ اس کا جواب ارشاد فرمائیں اور ہم سنیں تاکہ ہم علمی نقصان سے بچ جائیں۔

چونکہ بدوی، خانہ بدوش لوگ تہذیب وتمدن سے ناآشنا ہوتے ہیں اس لئے وہ بے دھڑک سوال کردیتے ہیں اور پھر یہ دیہاتی عقل مند بھی ہوتا کہ سوال پوچھے تو وہ بھی کام کا پوچھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے جواب سے مستفید بھی ہوسکیں۔

الك تزعم انّ علينا خمس صلوات: اس دیہاتی نے چند سوالات کئے جو اس حدیث میں اجمالی ہیں البتہ مسلم شریف کی روایت میں تفصیلی ہیں۔ اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں **فقال هل علىّ غيرهن فقال لا الا ان تطوع۔**

اس حدیث کی بناء پر امام شافعیؒ نے وجوب وتر کی نفی پر استدلال کیا ہے اور کتاب الام میں لکھا ہے **الصلوات الخمس فرض والبواقی نفل۔**

جواب اوّل: وتر علیحدہ سے نماز نہیں بلکہ وہ عشاء کے متممات اور مکملات میں سے ہے جب کسی چیز کا ذکر کیا جائے تو اس کی تکمیل کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی سائل نے سوال کیا کہ کتنی نمازیں فرض ہیں انہوں نے جواب دیا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں پھر اس شخص نے دوبارہ سوال کیا کہ وتر کیا ہیں آپ نے فرمایا واجب ہیں سائل کو امام صاحب کی بات سمجھ نہیں آئی اس لئے اس نے ایک سوال اور کردیا آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی الگ چیز نہیں ہے یہ تو عشاء میں شامل ہے۔

جواب ثانی: یہ جملہ تو زکوٰۃ کے بعد بھی مذکور ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ ہی فرض ہے اور کوئی چیز فرض نہیں لیکن اس کے باوجود تم صدقۃ الفطر کو فرض کہتے ہو۔ **فما هو جوابكم فهو جوابنا۔**

والذی بعثك بالحق لا ادع منهن شيئًا ولا اجاوزهن۔ جبکہ مسلم شریف بخاری شریف میں **لا ازيد ولا انقص** کے الفاظ ہیں اس جملہ پر سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: "**لا انقص**" پر جنت کی بشارت دینا سمجھ میں آتا ہے لیکن "**لا ازيد**" پر جنت کی بشارت دینا سمجھ نہیں آتا حالانکہ عبادت میں جتنی زیادتی کی جائے تو محمود ہی ہے مذموم نہیں تو اس پر جنت کی بشارت کیسے درست ہوسکتی ہے؟

جواب اوّل: مولانا ادریس کاندھلویؒ نے فرمایا کہ یہ کنایہ ہے کمال اطاعت سے کہ اپنی طرف سے احکام میں کمی بیشی نہیں کروں گا اگر شریعت نے کمی بیشی کردی تو فبہا۔

جواب ثانی: تبلیغ میں اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کروں گا کیونکہ یہ شخص اپنی قوم کا نمائندہ تھا۔

جواب ثالث: "**لا ازيد على السوال**" کہ سوال جو کرنا تھا میں نے کرلیا۔ اب مزید سوال نہیں کرونگا۔

جواب رابع: "**ولا انقص فی العمل**" عمل میں کمی نہیں کروں گا

جواب خامس: اصل مقصود "**لا انقص**" ہے اس کی تائید کیلئے "**لا ازيد**" بڑھایا بیشی کی نفی مقصود نہیں کمی کی نفی مقصود ہے جیسے ہم کہتے ہیں کسی چیز کے دام میں کوئی کمی بیشی؟ تو "**لا ازيد**" کا لفظ تبعاً آگیا

جواب سادس: ان فرائض میں اپنی طرف سے کمی زیادتی نہیں کرونگا یعنی عبادات مفروضہ سے زائد نوافل وغیرہ ادا نہیں کروں گا اگرچہ ترک سنن ونوافل قابل ملامت ہے اور درجات ومراتب سے محرومی بھی ہے لیکن یہ شخص چونکہ ناجی ہے کیونکہ اس کے لئے آپ ﷺ نے بشارت دی ہے اس لئے اس کو کوئی نقصان نہیں۔

جواب سابع: یا اس سے مراد ہے کہ فرائض کی صفات ورکعات میں کمی بیشی نہیں کرونگا مثلاً مغرب کی تین رکعات کی جگہ چار پڑھ لے اور ظہر کی چار کے بجائے تین پڑھ لے، ایسا نہیں کرونگا۔

ان صدق الاعرابی دخل الجنة: جنت میں دخول کیلئے تمام واجبات کی پابندی اور تمام محرمات سے اجتناب ضروری ہے اور عبادت کے مفہوم میں یہ سب شامل ہیں۔ اس رجل کے بارے میں آپ ﷺ کا جنتی فرمانا یا تو حضور ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا یا غلبہ ظن کے ذریعہ یا بوجہ الہام کے آپ ﷺ نے فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی زیارت بھی باعث ثواب ہے۔

قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن غریب: پہلی حدیث میں ایک راوی درّاج ہے اس کا معنی ہے تیتر۔ راوی حدیث کا نام عبدالرحمٰن بن سمعان ہے درّاج ان کا لقب ہے ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور امام دارقطنی نے ان کی تضعیف کی ہے ان کے استاد کا نام بھی عبدالرحمٰن ہے اور یہ حجیرہ کے لڑکے تھے اور بصرہ کے سکونت پذیر تھے۔

باقی قراءۃ علی الشیخ والعرض علی الشیخ کی وضاحت مقدمہ میں گزر چکی ہے۔ یہاں پر اس کی دلیل یہ ہے کہ **الاعرابی عرض علی النبی ﷺ فأقر به النبی ﷺ** اعرابی نے آپؐ کے پاس یہ سوال پیش کیا اور آپؐ سے تصدیق چاہی تو آپؐ نے اس کی تصدیق کر دی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنْ صَدَقَةِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ فَهَاتُوا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِي تِسْعِينَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ الْأَعْمَشُ وَأَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُهُمَا عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ وَرَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ كِلَاهُمَا عِنْدِي صَحِيحٌ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ عَنْهُمَا جَمِيعًا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے تم سے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی پس تم چاندی کی زکوٰۃ ادا کرو چالیس درہموں میں ایک درہم ہے پھر مجھے ایک سو نوے درہم میں سے زکوٰۃ نہیں چاہئے ہاں اگر دو سو ہو جائیں تو ان پر پانچ درہم ہیں۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق اور عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اعمش اور ابوعوانہ ابواسحاق سے وہ حارث سے وہ عاصم بن ضمرہ سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں پھر سفیان ثوری اور ابن عیینہ اور کئی راوی بھی ابواسحاق سے وہ حارث سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میرے نزدیک دونوں صحیح ہیں ممکن ہے کہ ابواسحاق دونوں سے روایت کرتے ہوں۔

تشریح: والورق: راء کے کسرہ کے ساتھ چاندی کی ڈلی جس کو ابھی ڈھالا نہ گیا ہو چاندی خواہ مضروبہ یعنی ڈھالی ہوئی ہو یا

ڈھالی ہوئی نہ ہو۔ اس بات میں تو اتفاق ہے کہ سونے چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے البتہ اس باب میں صرف چاندی کے نصاب کا تذکرہ ہے سونے کے نصاب کا تذکرہ نہیں۔ چونکہ سونا اور چاندی دونوں خلقی ثمن ہیں حدیث باب میں جب چاندی میں زکوٰۃ واجب ہے تو سونے میں زکوٰۃ بطریق اولی واجب ہوگی۔ اس لئے امام ترمذی نے باب میں سونے کا تذکرہ بھی کیا۔

سونے اور چاندی کے نصاب میں دو تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک تبدیلی یہ کہ پہلے سونے کا نصاب چاندی پر محمول تھا کہ چاندی کا نصاب پانچ اوقیہ یعنی دوسو درہم ہے اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں، اسی مقدار کے برابر اگر سونا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب تھی۔ ان دونوں میں زکوٰۃ چالیسواں حصہ مقرر تھی اور یہ مقدار زکوٰۃ کی تمام مقداروں سے کم ہے کیونکہ سونا چاندی قابل رغبت اموال ہیں۔ اگر لوگوں کو ان میں سے بہت مقدار خرچ کرنے کو کہا جائے تو ان پر بوجھ پڑے گا اس لئے ان کی زکوٰۃ تمام قسم کی زکوٰۃ سے کم رکھی گئی۔

پھر بعد میں ان دونوں کی قیمتوں میں تفاوت ہو گیا تو پھر یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ سونے کا نصاب مستقل ہے یا چاندی کے نصاب کے ساتھ اس کو رکھا جائے گا اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ سونے کا نصاب مستقل ہے اس میں قیمت کا اعتبار نہیں۔ دوسرے حضرات سونے کو چاندی کے نصاب پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی جس کے پاس اتنا سونا ہے کہ وہ چاندی کے نصاب کے برابر پہنچتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جمہور کی دلیل اوّل: نصب الرایۃ ج ۲ ص ۳۶۹ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دوسو سے کم درہم میں کچھ نہیں۔ اور سونے کے بیس مثقال سے کم میں کچھ نہیں اور بیس مثقال بھی دوسو درہم ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور یہ حدیث ابوعبید اور ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں روایت کی ہے۔

دلیل ثانی: ابن ماجہ حدیث ۱۷۹۱ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر بیس دینار یا زیادہ میں سے آدھا دینار لیتے تھے اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع انصاری ہے جو ضعیف ہے۔ بخاری شریف میں اس کی روایت کو تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

دلیل ثالث: ابوداؤد شریف باب زکوٰۃ السائمۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سونے میں کچھ واجب نہیں جب تک کہ وہ بیس دینار تک نہ پہنچ جائے جب کسی کے پاس بیس دینار ہو جائیں اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر نصف دینار ہے۔ امام ابوداؤدؒ نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا اور اس پر کوئی حکم نہیں لگایا۔ یعنی کوئی جرح نہیں کی۔ امام نوویؒ نے اس کو حسن و صحیح کہا ہے۔

صدقۃ الخیل والرقیق: گھوڑوں اور غلاموں کے بارے میں زکوٰۃ کا مسئلہ آگے **باب ما جاء لیس فی الخیل والرقیق صدقۃ** میں آئے گا۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل اوّل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ کے بارے میں ایک تحریر دی تھی اس میں ہے **"ان فی کل خمس اواق من الورق خمسۃ دراھم فما زاد ففی کل اربعین درھما درھم"۔**

دلیل ثانی: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **"من کل اربعین درھما درھم"**۔ چالیس درہم میں ایک درہم ہے۔

دلیل ثالث: **"عن الحسن البصری قال کتب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الی ابی موسیٰ فما زاد علی المائتین**

ففی کل اربعین درهما درهمٌ"۔ اس طرح کے اور بھی دلائل ہیں جو اس بات پر دال ہیں کہ چالیس درہموں پر ایک درہم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْإِبِلِ وَالْغَنَمِ

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْهَرَوِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ كَامِلٍ الْمَرْوَزِيُّ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ كِتَابَ الصَّدَقَةِ فَلَمْ يُخْرِجْهُ إِلَى عُمَّالِهِ حَتَّى قُبِضَ فَقَرَنَهُ بِسَيْفِهِ فَلَمَّا قُبِضَ عَمِلَ بِهِ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى قُبِضَ وَعُمَرُ حَتَّى قُبِضَ وَكَانَ فِيهِ فِي خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ وَفِي عَشْرٍ شَاتَانِ وَفِي خَمْسَ عَشْرَةَ ثَلَاثُ شِيَاهٍ وَفِي عِشْرِينَ أَرْبَعُ شِيَاهٍ وَفِي خَمْسٍ وَعِشْرِينَ بِنْتُ مَخَاضٍ إِلَى خَمْسٍ وَثَلَاثِينَ فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا بِنْتُ لَبُونٍ إِلَى خَمْسٍ وَأَرْبَعِينَ فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حِقَّةٌ إِلَى سِتِّينَ فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا جَذَعَةٌ إِلَى خَمْسٍ وَسَبْعِينَ فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا ابْنَتَا لَبُونٍ إِلَى تِسْعِينَ فَإِذَا زَادَتْ فَفِيهَا حِقَّتَانِ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَفِي كُلِّ خَمْسِينَ حِقَّةٌ وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ وَفِي الشَّاءِ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ شَاةً شَاةٌ إِلَى عِشْرِينَ وَمِائَةٍ فَإِذَا زَادَتْ فَشَاتَانِ إِلَى مِائَتَيْنِ فَإِذَا زَادَتْ فَثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِ مِائَةِ شَاةٍ فَفِي كُلِّ مِائَةِ شَاةٍ شَاةٌ ثُمَّ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ حَتَّى تَبْلُغَ أَرْبَعَ مِائَةٍ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ مَخَافَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يُؤْخَذُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَيْبٍ و قَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا جَاءَ

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب زکوۃ لکھوائی لیکن ابھی اپنے عمال کو بھیج نہ پائے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنی تلوار کے پاس رکھ دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات تک اس پر عمل کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات تک۔ اس میں یہ تھا کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے، دس میں دو بکریاں، پندرہ میں تین بکریاں، بیس میں چار، پچیس میں اونٹ کا ایک سال کا بچہ پینتیس سے پینتالیس تک دو سال کی اونٹنی پینتالیس سے ساٹھ تک تین سال کی اونٹنی، ساٹھ سے پچھتر تک چار سال کی دو اونٹنیاں اگر اس سے زیادہ ہوں تو ایک سو بیس اونٹوں تک تین تین سال کی دو اونٹنیاں اور اگر ایک سو بیس سے بھی زیادہ ہوں تو ہر پچاس اونٹوں پر ایک تین سال کی اونٹنی اور ہر چالیس اونٹوں پر ایک دو سال کی اونٹنی واجب ہے جب کہ چالیس بکریوں پر ایک بکری یہاں تک کہ ایک سو بیس ہو جائیں پھر ایک سو بیس سے دو سو بکریوں تک دو بکریاں، دو سو سے تین سو تک تین بکریاں اور ہر سو بکریوں پر ایک بکری زکوۃ ہے پھر اگر اس سے زیادہ ہوں تو سو تک کوئی زکوۃ نہیں پھر متفرق اشخاص کی بکریاں یا اونٹ جمع نہ کیے جائیں اور اسی طرح کسی ایک شخص کی متفرق نہ کی جائیں تاکہ زکوۃ ادا نہ کرنی پڑے اور اگر ان میں دو شریک ہوں تو آپس میں برابر تقسیم کرلیں اور زکوۃ میں بوڑھا یا عیب دار جانور نہ لیا جائے زہری کہتے ہیں کہ جب زکوۃ لینے والا آئے تو

الْمُصَدِّقُ قَسَّمَ الشَّاءَ أَثْلَاثًا ثُلُثٌ خِيَارٌ وَثُلُثٌ أَوْسَاطٌ وَثُلُثٌ شِرَارٌ وَأَخَذَ الْمُصَدِّقُ مِنَ الْوَسَطِ وَلَمْ يَذْكُرِ الزُّهْرِيُّ الْبَقَرَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَبَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ وَأَبِي ذَرٍّ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ وَقَدْ رَوٰى يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ وَلَمْ يَرْفَعُوهُ وَإِنَّمَا رَفَعَهُ سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ.

بکریوں کو تین حصوں میں تقسیم کرے اور وصول کرتے وقت اوسط درجے سے زکوٰۃ وصول کرے زہری نے گائے کے متعلق کچھ نہیں کہا اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق، بہز بن حکیم بواسطہ والد اپنے دادا سے، ابوذر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمرؓ حسن ہے اور عام فقہاء کا اس پر عمل ہے یونس بن زید اور کئی دوسرے راویوں نے اسے زہری سے بحوالہ سالم موقوفاً روایت کیا ہے اور سفیان بن حسین نے مرفوع روایت کیا ہے۔

تشریح: جانوروں اور دوسری اشیاء کے نصاب زکوٰۃ دیکھنے سے پہلے چند ضروری باتیں زیرغور ہیں سمجھ لیں۔

پہلی بات: پانچ اقسام کی جنس سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ ① اونٹ، ② گائے، ③ بھیڑ، بکری، ④ سونا، چاندی، اموال تجارت، کرنسی وغیرہ سب ایک جنس ہیں، ⑤ زمین کی پیداوار ان میں سے ایک کا نصاب دوسرے نصاب سے ملایا نہیں جائے گا اگر کسی کے پاس چار اونٹ، انتیس گائے اور انتالیس بکریاں ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ یہاں کوئی بھی نصاب مکمل نہیں۔ اگرچہ انکی قیمت ساڑھے باون تولہ سے زائد کیوں نہ ہو۔ اور اگر کسی کے پاس تیس بکرے اور دس بھیڑ ہوں تو اس پر زکوٰۃ ہوگی کیونکہ یہ ایک جنس ہے اسی طرح کسی کے پاس بیس گائے دس بھینسیں ہوں تو اس پر بھی زکوٰۃ ہے کیونکہ یہ بھی ایک جنس ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی کے پاس دو تولہ سونا اور دس تولہ چاندی اور کچھ تجارت کا مال اور کچھ روپے ہوں اور مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

دوسری بات: زکوٰۃ ان جانوروں میں ہوگی جو سارا سال جنگلوں میں چر کر گزارا کرتے ہیں اور جن جانوروں کو خرید کر یا اُگا کر چارہ دیا جاتا ہو وہ علوفہ کہلاتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور وہ جانور جو صرف نسل بڑھانے کے لئے رکھے ہوں سواری، باربرداری یا ہل جوتنے کے لئے نہ ہوں ان مقاصد کے لئے جو جانور رکھے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ان کو عوامل کہا جاتا ہے۔

تیسری بات: جانوروں میں گنتی کا اعتبار ہوگا عمروں کا اعتبار نہیں ہوگا۔ جو بچہ ایک دن کا ہے وہ بھی نصاب میں شمار ہوگا البتہ اگر کسی کے پاس بچے ہی بچے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں اگر ساتھ میں ایک بھی بڑا ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

چوتھی بات: ان سب اشیاء میں زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب ان پر سال گزر جائے۔ سال گزرنے سے پہلے اگر یہ مال ہلاک ہو جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اونٹوں کے نصاب کی تفصیل: اونٹوں کے نصاب کی وضاحت ترجمۂ حدیث میں گزر چکی ہے البتہ ایک بات قابل ذکر ہے کہ یہاں ایک سوبیس کے بعد نصاب کی کیا تفصیل ہے ایک سوبیس تک نصاب میں اتفاق تھا البتہ ایک سوبیس کے بعد اس میں اختلاف کیا گیا۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک ایک سوبیس تک دو حقے واجب ہیں اور اگر ایک سوبیس سے ایک بھی زائد ہو جائے تو فرض متغیر ہو جائے گا اور ایک سو اکیس پر تین بنت لبون اونٹ ہوں گے اور ان کے نزدیک یہیں سے حساب اربعینات و خمسینات پر دائر ہو

جائے گا یعنی اس عدد میں جتنی اربعینات ہوں اتنی بنت لبون اور جتنی مسنات ہوں اتنے حقے واجب ہوں گے۔ کیونکہ ایک سو اکیس پر تین اربعینات ہیں پھر ایک سو تیس پر دو بنت لبون اور ایک حقہ واجب ہوگا کیونکہ یہ عدد دو اربعینات (چالیس، چالیس) اور ایک خمسین پر مشتمل ہے 40+40+50=130 پھر ایک سو چالیس پر دو حقے 50+50 اور ایک بنت لبون (40) ہوگا تو یہ ایک سو چالیس بن جائے گا۔ پھر ایک سو پچاس پر تین حقے واجب ہوں گے کیونکہ یہ عدد تین خمسینات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح ہر دس پر یہ فریضہ حقہ سے بنت لبون کی طرف تبدیل ہوتا رہے گا۔

قول ثانی: امام مالکؒ کا مسلک بھی شوافع کے مسلک کی طرح ہے البتہ اس میں اتنا فرق ہے کہ اربعینات وخمسینات کا یہ حساب شوافع کے ہاں ایک سو اکیس ہی سے شروع ہو جائے گا۔ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ حساب ایک سو تیس سے شروع ہوگا یعنی ایک سو انتیس تک دو حقے واجب رہیں گے اور ایک سو تیس سے مذکورہ حساب شروع ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کی طرح ایک حقہ دو بنت لبون واجب ہوں گے۔

شوافع اور مالکیہ کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے اس میں یہ الفاظ ہیں" **فاذا زادت علی عشرین ومائة ففی کل خمسین حقة وفی کل اربعین ابنة لبون** "ان الفاظ سے دونوں مسلکوں پر استدلال ہوتا ہے۔

جواب: یہ روایت مجمل ہے اس کے مقابلے میں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت مفصل ہے لہٰذا مجمل کو مفصل پر محمول کیا جائے گا۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ان دونوں کے خلاف ہے کہ ایک سو بیس تک دو حقے واجب رہیں گے اس کے بعد استیناف ناقص ہوگا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی یہاں تک کہ ایک سو چالیس پر دو حقے اور چار بکریاں ہوں گی اور ایک سو پینتالیس پر دو حقے اور ایک بنت مخاض اس کے بعد ایک سو پچاس پر تین حقے واجب ہوں گے۔ اس کو استیناف ناقص اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بنت لبون نہیں آئی پھر ایک سو پچاس کے بعد استیناف کامل ہوگا یعنی ہر پانچ پر ایک بکری بڑھتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ ایک سو ستر پر تین حقے اور چار بکریاں ہوں پھر ایک سو پچھتر پر تین حقے اور ایک بنت مخاض پھر ایک سو چھیاسی پر تین حقے ایک بنت لبون، پھر دو سو پر چار حقے ہو جائیں گے اس کے بعد ہمیشہ استیناف کامل ہوتا رہے گا۔

دلائل حنفیہ: دلیل اوّل: حضرت عمرو بن حزم کے صحیفہ سے استدلال ہے جب یمن کے علاقہ نجران فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے مشہور صحابی حضرت عمرو بن حزمؓ کو اس کا گورنر بنا کر بھیجا رخصت کے وقت آپؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے چمڑے کے ٹکڑے پر ایک کتاب لکھوا کر ان کے حوالے کی جن میں زکوٰۃ، دیات اور دوسرے بہت ساری چیزوں کے احکام تھے۔ اس صحیفہ میں اونٹوں کی زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا **انها اذا بلغت تسعین ففیها حقتان إلی أن تبلغ عشرین ومائة فاذا كانت اكثر من ذٰلك ففی كل خمسین حقة فما فضل فانه یعاد الیٰ أول فریضة الابل**۔ اس میں "**فی كل اربعین بنت لبون**" کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں خمسینات کا ذکر ہے۔ لیکن اس دلیل پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔

اعتراض: اس روایت میں ایک راوی خصیب بن ناصح ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔

جواب: اگرچہ اس راوی میں ضعف کی وجہ موجود ہے لیکن ان کی روایت مقبول ہے امام طحاویؒ نے اس روایت کو ان راوی کے علاوہ دوسری سند سے نقل کیا ہے۔"**حدثنا ابو بكرة حدثنا ابو عمرو الضریر حدثنا حماد بن سلمة**" اس سند

میں تو خصیب کا واسطہ نہیں تو پھر اس حدیث کو کیسے ضعیف کہو گے۔

اعتراض ثانی: دوسرا یہ کہ اس حدیث کا دارو مدار حماد بن سلمہ پر ہے جو آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب: حماد بن سلمہ مسلم کے رجال میں سے ہیں لہٰذا انکا تفرد مضر نہیں اور رہی یہ بات کہ یہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے یہ واقعہ تو بہت سے ثقات محدثین کیساتھ بھی پیش آیا ان کی روایات کو کوئی رد نہیں کرتا۔ لہٰذا ان کی روایت کو محض ایک بہانے سے رد کرنا درست نہیں۔

اعتراض ثالث: اس حدیث کو قیس بن سعد اپنی کتاب سے روایت کیا کرتے تھے اور پھر وہ کتاب گم ہو گئی۔

جواب: قیس بن سعد ثقہ راوی ہیں اس لئے ان کی کتاب کا گم ہو جانا روایت کرنے سے مضر نہیں۔ الحاصل یہ کہ اس حدیث پر کئے جانے والے اعتراضات مسلّم نہیں، یہ روایت بلا شبہ قابل استدلال ہے۔

دلیل ثانی: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **عن علی قال اذا زادت الابل علی عشرین ومائة یستقبل بها الفریضة مصنف ابن ابی شیبه۔**

دلیل ثالث: **عن عبدالله بن مسعود قال فاذا بلغت العشرین ومائة استقبلت الفریضة بالغنم فی کل خمس شاة۔**

وفی الشاء فی کل اربعین شاةً شاةٌ: بکریوں کی زکوٰۃ چالیس سے شروع کی گئی ہے چالیس پر ایک بکری واجب ہوگی ایک سو بیس تک۔ پھر جب ۱۲۱ ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہوں گی یہاں تک کہ یہ دو سو تک پہنچ جائیں، پھر جب دو سو ایک ہو جائیں تو تین بکریاں ہیں تین سو تک۔ پھر تین سو کے بعد ہر سو پر ایک بکری واجب ہوگی۔

ولا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع: اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے خلطہ کا معنی ہے شرکت۔ یہاں شرکت سے مراد ہے دو شخصوں کا ایک جانور میں شرکت اختیار کرنا۔ خلطہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم خلطۃ الشیوع، دوسری خلطۃ الجوار۔

خلطۃ الشیوع: اس کو خلطۃ الاعیان اور خلطۃ الاشتراک بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ میراث میں ملنے کی وجہ سے یا بخشش میں ملنے کی وجہ سے، یا مشترک رقم سے خریدنے کی وجہ سے جانور دو شخصوں میں مشترک ہوں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے پیچھے ایک سو بیس بکریاں مال میں چھوڑیں اور ورثاء میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی اب بہن اور بھائی دونوں کے درمیان یہ بکریاں مشترک ہیں جب تک وہ بکریاں تقسیم نہیں ہوں گی ان میں خلطۃ الشیوع ہوگا۔

خلطۃ الجوار: اس کو خلطۃ الاوصاف بھی کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ دو شخصوں کے جانور ملکیت میں متمایز ہوں لیکن جانور چند چیزوں میں مشترک ہوں۔ ① **راعی:** چرانے والا ایک ہو۔ ② **مرعی:** چراگاہ ایک ہو۔ ③ **حالب:** دودھ دوہنے والا ایک ہو۔ ④ **محلب:** دودھ دوہنے کا برتن ایک ہو۔ ⑤ **مراح:** رات گزارنے کا باڑہ ایک ہو۔ ⑥ **الشرب:** پانی پینے کا گھاٹ ایک ہو۔ ⑦ **الفحل:** ان جانوروں کا نر ایک ہو۔ ⑧ **الکلب الحارس:** حفاظتی کتا ایک ہو۔ ⑨ **المسرح:** آنے جانے کا راستہ ایک ہو۔

مسئلہ یہ ہے کہ یہ دونوں قسمیں زکوٰۃ کے وجوب اور عدم وجوب میں مؤثر ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور اس جملہ **ولا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع** میں بھی ائمہ کا آپس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دونوں اقسام موثر ہیں اور سب مال ملکر نصاب کا ہونا ضروری ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زکوٰۃ کا دارومدار ملک پر ہے جب تک کوئی مالک نصاب نہ ہو اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور نہ کمی زیادتی کی وجہ سے زکوٰۃ پر اثر ہوگا۔

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی دلیل: امام شافعیؒ اسی حدیث "**لا یجمع بین متفرق، ولا یفرق بین مجتمع**" سے استدلال کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں خطاب ساعی کیلئے ہے کہ ساعی کو یہ حکم ہے کہ جمع شدہ اموال کو متفرق نہ کرے اور جو تفریق شدہ مال ہے اس کو جمع نہ کرے۔ ان حضرات کے نزدیک دونوں جملوں کی تشریح اس طرح ہوگی۔

قولہ لا یجمع بین متفرق: مثلاً دو آدمیوں کی بیس بیس الگ الگ بکریاں ہیں تو ساعی نے دیکھا کہ ان دونوں میں کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں تو میرا آنا فضول ہے تو اس نے ان دونوں کو ایک چراگاہ میں جمع کر کے کہا کہ سب مشترک ہیں اس سے نہی کی گئی کیونکہ یہ ظلم ہے۔

قولہ ولا یفرق بین مجتمع: مثلاً دو آدمیوں کی اسی بکریاں ہیں اب ان پر ایک بکری زکوٰۃ آتی ہے اب ساعی نے قلت صدقہ کی وجہ سے دونوں کے مال کو الگ الگ دو چراگاہوں میں کر دیا تا کہ اس بناء پر زیادہ صدقہ آجائے تو اس سے بھی نہی کی گئی کیونکہ یہ بھی ظلم ہے اس تشریح میں خطاب ساعی (زکوٰۃ لینے والے) کو ہوگا اور اگر یہ خطاب مالک کو ہو تو اب اس جملہ کی تشریح یہ ہوگی کہ زیادتی سے بچنے کیلئے متفرق مال کو جمع کر دینا مثلاً دو آدمیوں کے پاس چالیس، چالیس بکریاں تھیں اور دونوں کی چراگاہ الگ الگ تھی اور ان دونوں پر ایک ایک بکری واجب تھی تو جب زکوٰۃ لینے والا آیا تو انہوں نے سب بکریوں کو ایک چراگاہ میں جمع کر دیا تا کہ ہمارے اوپر ایک بکری واجب ہو جائے کیونکہ نصاب غنم میں چالیس سے ایک سو بیس تک ایک بکری آتی ہے۔

قولہ ولا یفرق بین مجتمع: مالک مجتمع مال کو زکوٰۃ سے بچنے کے لئے علیحدہ علیحدہ کر دے۔ مثلاً دو آدمیوں کی چالیس بکریاں ایک چراگاہ میں رہتی تھیں تو قاعدے اور اصول کے تحت ان پر ایک بکری زکوٰۃ آتی ہے لیکن مالک نے زکوٰۃ سے بچنے کے لئے دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: یہ نہی ساعی اور مالک دونوں کے لئے ہے۔ اس لئے امام اعظمؒ کے نزدیک اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ مالک مال یا ساعی مختلف ملکیتوں کے مال کو ایک ملک میں جمع نہ کرے اور نہ ایک مِلک کے مال کو متفرق نہ کرے۔ کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہے۔ "**ولا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع خشیة الصدقة**" یعنی ایک آدمی کی ایک سو بیس بکریاں تھیں اب اس پر ایک بکری زکوٰۃ میں آتی ہے لیکن مصدق نے اس کو اربعین، اربعین میں تقسیم کر دے تا کہ تین بکریاں واجب ہوں اسی طرح اگر یہ دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھیں تو پھر بھی جدا نہ کرے یا ایک آدمی کی چالیس (۴۰) بکریاں ہیں وہ صدقہ سے بچنے کی غرض سے یہ کہتا ہے کہ میری صرف بیس بکریاں ہیں بیس دوسرے آدمی کی ہیں۔ مالک کو اس سے منع فرمادیا۔ "**ولا یجمع بین متفرق**" دو آدمیوں کے پاس بیس، بیس بکریاں تھیں اب مصدق یہ چاہے کہ میں خالی ہاتھ جانے کے بجائے ایک بکری تو لے جاؤں تو اس نے ان دونوں کی بکریاں کو ملا کر ایک بکری زکوٰۃ کی لے لی اس سے بھی منع فرمایا۔ اور اس میں خلطۃ الجوار کا بھی اعتبار نہیں ہے تو اب یہ مطلب ہوگا کہ جب خلطہ جوار کا کوئی اعتبار نہیں تو اس حیثیت سے جمع تفریق نہ کرو۔ کیونکہ حدیث

شریف میں ہے ”لیس فی سائمۃ المرء المسلم اذا کانت اقل من اربعین صدقۃ“ یہاں مطلقاً چالیس سے کم میں زکوٰۃ کی نفی کی گئی ہے خواہ حالت شرکت میں ہو یا حالت انفراد میں ہو لہٰذا جوار کا اعتبار نہیں ہوگا۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں حضرت علی بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ **وفی الغنم فی کل اربعین شاۃً شاۃٌ فان لم یکن الا تسع وثلاثون فلیس علیك فیھا شیٔ**۔ (جلد ا ص ۲۲۰)

دلیل ثالث: ابوداؤد جلد ا ص ۲۱۸ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب مروی ہے جو انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مصدق بناتے وقت دیا تھا اس میں یہ الفاظ ہیں ”فان لم تبلغ سائمۃ الرجل أربعین فلیس فیھا شیٔ“ ان دونوں احادیث میں انتالیس بکریوں پر زکوٰۃ کی مطلقاً نفی کی گئی ہے خواہ حالت اشتراک ہو یا حالت انفراد۔ اب اگر دو آدمیوں کے درمیان ۷۹ بکریاں مشترک ہوں تو امام شافعیؒ کے نزدیک مجموعہ پر ایک بکری واجب ہوگی حالانکہ کوئی شخص انتالیس سے زائد کا مالک نہیں اس سے حدیث مذکورہ کے اطلاق کی نفی ہوگی۔

وما کان من خلیطین فانھما یتراجعان بالسّویّۃ: مطلب اس کا یہ ہے کہ جو جانور زکوٰۃ میں دو شریکوں سے لیا گیا ہے وہ آپس میں ٹھیک ٹھیک لین دین کر لیں گے۔ اس جملہ کی وضاحت میں وہی اختلاف ہے جو ماقبل والے جملہ میں گزرے تھے۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس جملہ کی وضاحت: ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اس جملہ کا تعلق خلطہ کی دونوں قسموں کے ساتھ ہے مگر خلطۃ الشیوع میں کچھ لین دین نہیں ہوگا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زید کی چالیس بکریاں ہیں اور بکر کی چالیس بکریاں ہیں لیکن ان دونوں نے خلطۃ الجوار کر رکھا ہے تو زکوٰۃ لینے والا ایک بکری زکوٰۃ لے گا پھر یہ زید اور بکر دونوں اس بکری کی قیمت آدھی آدھی تقسیم کر لیں گے۔ لہٰذا جس کے ریوڑ سے اس نے ایک بکری لی ہے وہ دوسرے سے اس بکری کی آدھی قیمت واپس لے گا۔

احناف کے نزدیک اس جملہ کی وضاحت: اس جملہ کا تعلق خلطہ کی قسم خلطۃ الشیوع سے ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں کہ دونوں شریکوں کی بکریاں آدھی آدھی ہوں چالیس ایک کی اور چالیس دوسرے کی، اس صورت میں زکوٰۃ لینے والا ہر ایک سے ایک ایک بکری لے جائے گا۔ اس صورت میں ان دونوں کا آپس میں کوئی لین دین نہیں رہے گا۔ اور اگر ان دونوں میں مشترک اثلاثا ہو مثلاً دو ثلث زید کی بکریاں ہیں اور ایک ثلث خالد کی ہیں اب زکوٰۃ کا وجوب زید کی بکریوں پر ہے خالد کی بکریوں پر نہیں۔ عامل نے ایک بکری زکوٰۃ وصول کر لی اور وہ بکری بھی ان کے درمیان اثلاثا تھی اب خالد ایک ثلث قیمت کا زید سے رجوع کرے گا۔ یہ مثال اسی بکریوں کے درمیان اثلاثا اشتراک کی تھی۔

اور اگر سو بیس بکریوں میں اثلاثا ہوں۔ دو ثلث مثلاً اسی (۸۰) بکریاں زید کی ہیں اور ایک ثلث یعنی ۴۰ بکریاں خالد کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر ایک بکری زکوٰۃ واجب ہے عامل نے دو بکریاں زکوٰۃ وصول کر لیں اب ہر بکری میں دو ثلث زید کے ہوں گے اور ایک ثلث خالد کا ہوگا اب زید کے زکوٰۃ میں چار ثلث چلے جائیں گے جبکہ تین جانے چاہئیں تھے اور خالد کے دو ثلث جائیں گے جبکہ تین ثلث جانے چاہئیں تھے لہٰذا زید خالد سے ایک ثلث سے رجوع کرے گا تاکہ ہر واحد کے تین تین ثلث ہو جائیں۔

ولا یؤخذ فی الصدقۃ ھرمۃ ولا ذات عیب: ھرمۃ بوڑھا جانور۔ بعض نے کہا بوڑھا جانور جس کے دانت گر

چکے ہیں۔ اور کمزور جانور نہ لیا جائے اور نہ عیب دار جانور لیا جائے۔ یہ بات ماقبل میں گزر چکی ہے کہ حکومت اموال ظاہرہ سے زکوۃ لے سکتی ہے اب عامل آیا اب اگر وہ عمدہ بکری لے گا تو صاحب مال کا نقصان ہوگا اور اگر بالکل بے کار بکری لے گا تو اس میں فقراء کا نقصان ہے اس لئے کہا جائے گا کہ عامل جب آئے تو تمام بکریوں کے تین حصے بنائے ایک اعلیٰ ایک اوسط اور ایک ادنیٰ پھر ان بکریوں میں سے درمیانی قسم کی بکری کی زکوۃ لے۔ یہ امام زہریؒ کا قول ہے جس کو امام ترمذیؒ نے "**وقال الزهري**" سے ذکر کیا ہے۔

قال ابو عيسى حديث ابن عمر حديث حسن: امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ اس حدیث کی دو سندیں ہیں ایک سند میں امام زہری سے سفیان بن حسین ذکر کرتے ہیں اور دوسری سند میں امام زہری کے دوسرے شاگرد یونس بن یزید اور دیگر متعدد حضرات اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں۔

پہلی سند جو امام زہری سے سفیان بن حسین نقل کرتے ہیں ان کو امام زہری کی روایات میں ضعیف کہا گیا ہے اور سفیان کے متابع سلیمان کا بھی یہی حال ہے وہ بھی امام زہری کی روایتوں میں ضعیف راوی ہیں اور یہی دونوں اس حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں۔

دوسری سند میں امام زہری کے دوسرے شاگرد مثلاً یونس بن یزید اس حدیث کو امام زہری سے اسی سند سے نقل کرتے ہیں مگر یہ اس حدیث کو مرفوع قرار نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ لیکن امام ترمذیؒ نے اس مسئلہ میں اجماع کا دعویٰ کا کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْبَقَرِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي ثَلَاثِينَ مِنَ الْبَقَرِ تَبِيعٌ أَوْ تَبِيعَةٌ وَفِي كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰكَذَا رَوَاهُ عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ خُصَيْفٍ وَعَبْدُ السَّلَامِ ثِقَةٌ حَافِظٌ وَرَوٰى شَرِيكٌ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عُبَيْدِ اللهِ وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیس گائے پر ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا ہے اور ہر چالیس گائے پر دو سال کی گائے ہے۔ اس باب میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ عبدالسلام بن حرب نے بھی خصیف سے اسی طرح روایت کی ہے اور عبدالسلام ثقہ اور حافظ ہیں شریک اس حدیث کو خصیف سے وہ ابوعبیدہ سے وہ اپنے والد سے اور وہ عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ابوعبیدہ بن عبداللہ نے اپنے والد سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

تشریح: ماقبل باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بقر کی دو نوع ہیں گائے، بھینس جیسا کہ غنم کی دو نوع تھیں ایک بھیڑ اور دوسری بکری۔ عرب میں چونکہ گائے موجود ہے بھینس موجود نہیں اس لئے بعض حضرات کے نزدیک بھینس کی قربانی جائز نہیں۔ لیکن یہ بات بے معنی ہے کیونکہ بقر کا اطلاق جس طرح گائے پر ہوتا ہے اسی طرح بیل پر بھی ہوتا ہے اسی طرح بقر کا اطلاق بھینس پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی قربانی جائز ہے۔ اگر یہ بات صحیح مان بھی لیں کہ عرب میں بھینسیں موجود نہیں اس لئے اس کی قربانی جائز

نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ بہت ساری اشیاء عرب میں موجود نہیں تھیں لیکن پھر بھی وہ حلال ہیں۔ کسی چیز کی حلت وحرمت کا دارومدار عرب میں ہونا یا نہ ہونا دلیل نہیں بلکہ قرآن وسنت میں ہونا یا نہ ہونا دلیل ہے۔

اس باب میں گائے کے نصاب کا ذکر کیا جا رہا ہے گائے اور بھینس کا ریوڑ اگر ۳۰ کا ہو تو پھر اس میں زکوٰۃ ہے اگر تیس سے کم ہو تو پھر اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر گائے اور بھینس ۳۰ ہو جائیں تو ان میں ایک تبیع یا تبیعہ (ایک سالہ مذکر یا مؤنث بچھڑا یا بچھڑی) واجب ہے پھر اکتیس سے انتالیس تک کچھ نہیں اس کو وقص کہا جاتا ہے جب چالیس ہو جائیں تو ایک مسن یا مسنہ یعنی (دو سالہ مذکر یا مؤنث بچہ) واجب ہوتا ہے پھر آگے جب ساٹھ ہو جائیں تو دو تبیعہ یا دو تبیع واجب ہوں گے۔

چالیس سے ساٹھ کے درمیان عدد میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ۴۱ سے ۵۹ تک کچھ واجب نہیں ہوگا جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین روایتیں ہیں۔

① صاحبین کے قول کے موافق۔ ② چالیس کے بعد مطلقاً وقص نہیں بلکہ جتنی مقدار بڑھتی جائے گی اتنی مقدار زکوٰۃ میں اضافہ ہوتا جائے گا اور زکوٰۃ کا وجوب کا حساب مسنہ کے حساب سے لگایا جائے گا مثال کے طور پر مسنہ کی قیمت اسی روپیہ ہے تو جب ۴۱ گائے ہوں گی تو ایک مسنہ اور دو روپے لیں گے اور ۴۲ میں ایک مسنہ اور چار روپے لیں گے **و علی ھذا القیاس** ۶۰ تک۔

③ تیسرا قول یہ ہے کہ چالیس کے بعد وقص ۹ ہیں، ۴۱ سے ۴۹ تک قیمت کا چوتھائی لیں گے مسنہ کی اسی روپے کے حساب سے پچاس میں ایک مسنہ اور بیس روپے واجب ہوں گے اور ساٹھ میں بالاجماع دو تبیعہ واجب ہوں گے۔ اس کے بعد نصاب کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر بعد کے بعد ایک تبیعہ اور ہر چالیس کے بعد ایک مسنہ۔ لہٰذا ۶۰ کے بعد ہر دس پر تبیعہ سے مسنہ کی طرف تبدیل ہوگا۔ مثلاً ۶۰ پر دو تبیعہ ہیں جب ستر ہو جائیں تو ایک تبیعہ اور ایک مسنہ۔ اور جب ۸۰ ہو جائیں تو دو مسنہ اور جب ۹۰ ہو جائیں تو تین تبیعہ اور سو میں دو تبیعہ ایک مسنہ وعلی ہذا القیاس۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ بَقَرَةً تَبِيعًا أَوْ تَبِيعَةً وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً وَمِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ وَهٰذَا أَصَحُّ

محمود بن غیلان، عبدالرزاق، سفیان، اعمش، ابووائل مسروق، معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن بھیجا تو حکم دیا کہ تیس گائے پر ایک سال کی گائے یا بیل اور چالیس پر دو سال کی گائے زکوۃ لوں اور پھر ہر جوان آدمی سے ایک دینار یا اس کے برابر کپڑے لوں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے بعض حضرات نے یہ حدیث سفیان سے وہ اعمش سے وہ ابووائل سے اور وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ کو یمن بھیجا تو انہیں حکم دیا زکوۃ لینے کا الخ یہ حدیث اصح ہے۔

تشریح: ومن کل حالم دینارًا: اس جملہ میں جزیہ کی وصولی کا ذکر ہے جزیہ کی دو قسمیں ہیں۔

جزیہ بطور صلح: جو کفار کی رضامندی سے حاصل کیا جائے بغیر لڑائی کے اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے بلکہ امام کی رائے کا اعتبار کیا جائے گا امام جتنا مناسب سمجھے مقرر کردے اس کو جزیہ صلح کہتے ہیں۔

جزیہ بطور غلبہ: مسلمان کفار پر یلغار کردیں اور کفار پر غلبہ حاصل کرلیں پھر ان پر جزیہ مقرر کریں اس جزیہ کی مقدار متعین ہے یعنی مالدار آدمی سے چار درہم ماہانہ کے اعتبار سے اور اڑتالیس درہم سالانہ کے اعتبار سے اور متوسط الحال سے اس کا آدھا یعنی ماہانہ دو درہم اور سالانہ چوبیس درہم وصول کئے جائیں اور غریب آدمی سے ماہانہ ایک درہم اور سالانہ بارہ درہم وصول کئے جائیں۔

حدیث الباب میں جس جزیہ کا ذکر ہے اس کا تعلق پہلی قسم کے ساتھ ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات میں **"من کل حالم وحالمۃ دینارًا"** کے الفاظ آئے ہیں۔ حالانکہ عورت پر جزیہ کی دوسری قسم کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں۔

اوعدلہ معافر: یعنی ہر بالغ ذمی سے ایک دینار بطور جزیہ لیا جائے یا اس کے برابر کپڑے لے لئے جائیں یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جزیہ اور صدقہ وغیرہ میں اگر دراہم کے بجائے کوئی اور چیز ان کی مساوی قیمت کی دی جائے تو وہ درست ہے۔ یہی حنفیہ اور امام بخاریؒ کا مسلک ہے۔ جمہور حضرات کے نزدیک زکوٰۃ وصدقات میں قیمت دینا جائز نہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ عَبْدِ اللهِ هَلْ يَذْكُرُ عَنْ عَبْدِ اللهِ شَيْئًا قَالَ لَا

حضرت محمد بن بشار نے روایت کی محمد بن جعفر سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عمرو بن مرہ سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبیدہ سے پوچھا کہ آپ کو عبداللہ کی کچھ باتیں یاد ہیں؟ فرمایا نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَخْذِ خِيَارِ الْمَالِ فِي الصَّدَقَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحٰقَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ صَيْفِيٍّ عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا أَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا تم اہل کتاب کی ایک قوم پر سے گزرو گے لہٰذا تم انہیں دعوت دینا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اگر وہ اسے قبول کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ یہ بھی قبول کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے اموال پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر غریبوں کو دی جاتی ہے اگر وہ لوگ اسے بھی قبول کرلیں تو تم ان کے بہترین مال میں سے زکوۃ لینے سے پرہیز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ اس باب میں صنابحی سے بھی روایت ہے امام

الصُّنَابِحِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اسْمُهُ نَافِذٌ. ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور ابو معبد ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولی ہیں انکا نام نافذ ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو اس لئے وہاں جا کر پہلے کلمہ طیبہ کی دعوت دینا پھر نماز کی دعوت دینا یہاں پر اہل کتاب کی قید احترازی نہیں کہ اہل کتاب کے لئے تو دعوت کا یہ طریقہ اختیار کرو اور دوسروں کے لئے یہ طریقہ نہیں بلکہ اہل کتاب میں عموم ہے کہ سب کو اسی طرح دعوت دو اہل کتاب کا ذکر اس لئے کیا کہ وہاں اکثریت اہل کتاب کی تھی۔ پھر آگے حدیث میں تدریجاً تدریجاً دعوت دینے کا ذکر کیا گیا کہ آہستہ آہستہ تمام احکام سکھانا یک دم سارے احکام ان کے سروں پر نہ ڈال دینا۔

بعث معاذا الی الیمن: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قاضی اور امیر بنا کر یمن بھیجا۔ یمن میں اگر چہ ذمی اور مشرک بھی تھے لیکن اکثریت اہل کتاب کی تھی اس لئے خاص طور پر اہل کتاب ہی کا ذکر کیا۔

فادعهم الی شهادة: حضرت ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قتال سے پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا واجب ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب ان کفار کو دعوت نہ پہنچی ہو اگر ان کفار کو دعوت پہلے سے پہنچ چکی ہو تو پھر واجب نہیں ہے (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۸)

ان اللہ قد فرض خمس صلوٰۃ: **سوال:** اس میں وتر کا ذکر نہیں ہے؟

جواب اوّل: یا تو عشاء کے تابع ہونے کی وجہ سے۔ **جواب ثانی:** وتروں کا وجوب بعد میں ہوا ہوگا۔

جواب ثالث: عدم ذکر عدم وجود کی دلیل نہیں ہوتی جیسے اس حدیث میں زکوۃ کے ساتھ صوم کا ذکر نہیں ہے حالانکہ صوم کی فرضیت زکوۃ سے پہلے ہے۔

اس حدیث میں یہ مسئلہ ہے کہ کفار فروع کے مخاطب ہیں یا نہیں۔ اس مسئلہ میں تفصیل ہے اس بات میں اتفاق ہے کہ کفار مخاطب بالایمان وعقوبات ہیں۔ نیز اس میں بھی اتفاق ہے۔ کہ وہ معاملات کے مخاطب ہیں۔ اور اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ کافر پر ایمان لانے کے بعد حالت کفر کی نمازوں کی قضاء لازم نہیں۔

اس باب کے تحت چند مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: کفار عبادات کے مخاطب ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور شوافعؒ کے نزدیک کفار عبادات کے بھی مخاطب ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت میں ان کو ترک عبادات پر مزید عذاب دیا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ بغیر ایمان کے عبادات ادا کرنے سے صحیح ہو جائیں گی۔

قول ثانی: احنافؒ کے اس میں تین قول ہیں۔ (۱) مثل شوافعؒ اور مالکیہؒ کے کہ کفار دنیا میں مکلف نہیں آخرت میں مکلف ہیں۔

(۲) کفار فروعات کے اعتقاد کے مخاطب ہیں اور انکو ترک اعتقاد العبادات پر عذاب دیا جائے گا۔ ترک اداء پر عذاب نہیں ہوگا۔

(۳) کفار مطلقاً عبادات کے مخاطب نہیں۔ یعنی نہ آخرت میں مکلف ہیں نہ دنیا میں نہ اعتقاداً نہ اداءً۔ صاحب البحر الرائق نے ان اقوال میں سے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: یہ حضرات حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں۔

دلیل ثانی: قیاس پیش کرتے ہیں کہ کفار اگر فروع کے مخاطب ہوں تو انکے ادا کرنے سے صحیح ہونا چاہیے تھا حالانکہ بغیر ایمان کے عبادت قبول نہیں۔لہٰذا ان کا مکلف ہونا درست نہیں۔

مالکیہ، شوافع کے دلائل: یہ حضرات ان آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ① **"فویل للمشرکین الذین لا یؤتون الزکوٰۃ"** ② **"فلا صدق ولا صلی"** ③ **"ماسلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین الایۃ"**۔ اگر کفار فروع کے مخاطب نہ ہوتے تو نماز نہ پڑھنے اور زکوٰۃ نہ دینے پر عذاب کا ذکر نہ ہوتا۔اس سے معلوم ہوا کہ کفار فروع کے مخاطب ہیں۔

حدیث الباب کا جواب: یہاں تدریجاً دعوت دینا مراد ہے تاکہ ان پر دشواری نہ ہو۔

قیاس کا جواب: ان فروع کی صحت موقوف ہے ایمان پر جیسا کہ جنبی آدمی صلوٰۃ کا مکلف ہے لیکن جنابت کو زائل کرنے کی شرط کے ساتھ۔لیکن پھر بھی مکلف ہے اسی طرح کافر مکلف بالفروع ہے۔

ان اللہ قد فرض علیھم صدقۃ: یہاں پر صدقہ سے مراد زکوۃ ہے۔

مسئلہ ثانیہ: زکوٰۃ کن کن اصناف کو دی جائے گی؟ زکوٰۃ کی ادائیگی میں قرآن کے اندر موجود تمام اصناف کو زکوٰۃ دینی ضروری ہے یا کسی ایک کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہو جائے گی۔اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک ان اصناف میں سے کم از کم تین صنف اور ہر صنف میں سے کم از کم تین افراد کو زکوٰۃ دینا ضروری ہے۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک ان آٹھ اصناف میں سے کسی ایک صنف کو دینا اور اس صنف میں سے کسی ایک فرد کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: **"انما الصدقات للفقراء"** اس آیت میں لام برائے تملیک اور واؤ برائے تشکیک اور اصناف کا بیان جمع کے لفظ کے ساتھ ہے۔اور جمع کا کم از کم درجہ تین افراد ہیں۔

احنافؒ کی دلیل: **"ان تبدوا الصدقات فنعما ھی"** اور اس کے بعد ارشاد ہے **"وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء"** اور اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء ہیں۔

مسئلہ ثالثہ: کیا ایک شہر سے دوسرے شہر زکوٰۃ منتقل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک ایک شہر کی زکوٰۃ کا مال دوسرے شہر میں منتقل کرنا جائز نہیں۔

قول ثانی: احنافؒ میں سے بعض حضرات کے نزدیک منتقل کرنا جائز ہے جیسا کہ احنافؒ کی دلیل میں اس کا بیان ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث ہے **"تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم"**۔

جواب: **"فقراءھم"** کی ضمیر فقراء مسلمین کی طرف راجع ہے اور یہ عام ہے خواہ اس شہر کے ہوں یا دوسرے شہر کے ہوں۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں حدیث ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ لینے کیلئے بھیجا تو جب واپس آئے امیر نے کہا زکوٰۃ کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ نے مجھے یہاں لانے کا حکم دیا تھا؟ ہم نے جہاں سے لی تھی وہیں تقسیم کر دی ہے۔

جواب: وہ کسی خاص جگہ کیلئے خاص زمانہ پر محمول ہے تخصیص کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔

احناف ؒ کی دلیل: تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ اطراف ملک اعراب سے زکوٰۃ منگواتے تھے اور فقراء مہاجرین وانصار میں تقسیم کرتے تھے۔

سوال: حدیث مذکورہ میں صوم وحج کا ذکر نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں بھی اس وقت فرض ہو چکے تھے اس سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: علامہ کرمانیؒ نے اس کا ایک جواب دیا ہے کہ صوم وحج کبھی ساقط ہو جاتے ہیں لیکن زکوٰۃ بغیر ادائیگی کے ساقط نہیں ہوتی۔ اس لئے زکوٰۃ کا ذکر کیا صوم وحج کا ذکر نہیں کیا۔

جواب ثانی: حضرت شیخ الہند محمود حسنؒ فرماتے ہیں کہ شارع علیہ السلام کی عام عادت یہ ہے کہ ارکان اسلام کے بیان میں تمام ارکان کو بالاستیعاب ذکر کرتے ہیں۔ لیکن جب دعوت الی الارکان کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس وقت اہم ارکان کے بیان پر اکتفاء کرتے ہیں اور بقیہ کو اس پر متفرع قرار دیتے ہیں۔

جواب ثالث: ایمان، صلوٰۃ، زکوٰۃ پر عمل کرنا بہت مشکل ہے اگر ان پر عادت بن جائے تو باقی اعمال پر عمل کرنا آسان ہو جائیگا۔

جواب رابع: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں تمام ارکان اسلام کا شمار کرنا مقصود نہیں بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کا سکھلانا مقصود ہے تاکہ وہ دعوت دے سکیں۔

واتق دعوة المظلوم: مطلب یہ ہے کہ اے معاذ تم یمن جا رہے ہو وہاں کسی پر ظلم نہ کرنا نہ بدنی ظلم نہ مالی ظلم نہ زبانی ظلم کیونکہ اللہ پاک مظلوم کی بہت جلد سنتا ہے اس میں درحقیقت تاقیامت آنے والے حکمرانوں کو عدل کی تعلیم ہے ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ظلم نہیں کرتے تھے جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کے بارے چیونٹی نے کہا "**لا یحطمنکم سلیمان وجنوده وهم لا یشعرون**" ایک ادنیٰ سی مخلوق چیونٹی کا عقیدہ تھا کہ نبی کے صحابہ ظلم نہیں کرتے لیکن ہمارے زمانہ کے بدبخت روافض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر کس قدر ظلم وغیرہ کے غلیظ ترین الزامات لگاتے ہیں اللہ ان کے شرور سے امت مسلمہ کی حفاظت فرمائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الزَّرْعِ وَالتَّمْرِ وَالْحُبُوبِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانچ سے کم اونٹوں میں زکوۃ نہیں اس طرح پانچ اوقیہ چاندی سے کم پر اور پانچ اوسق سے کم غلہ پر بھی زکوۃ نہیں۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابن عمر، جابر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مذکور ہیں۔ محمد بن بشار نے عبدالرحمن بن مہدی سے انہوں نے سفیان سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے مالک بن انس سے انہوں نے عمرو بن یحییٰ سے انہوں نے اپنے والد ابوسعید

أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَالْوَسْقُ سِتُّونَ صَاعًا وَخَمْسَةُ أَوْسُقٍ ثَلَاثُ مِائَةِ صَاعٍ وَصَاعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ أَرْطَالٍ وَثُلُثٌ وَصَاعُ أَهْلِ الْكُوفَةِ ثَمَانِيَةُ أَرْطَالٍ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ صَدَقَةٌ وَالْأُوقِيَّةُ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا وَخَمْسُ أَوَاقٍ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ يَعْنِي لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ فَفِيهَا ابْنَةُ مَخَاضٍ وَفِيمَا دُونَ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ فِي كُلِّ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ۔

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبدالعزیز کی عمرو بن یحییٰ سے مروی حدیث کے مثل روایت کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابو سعید رضی اللہ عنہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یہ ان سے کئی سندوں سے مروی ہے اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ پانچ اوسق سے کم غلے وغیرہ پر زکوۃ نہیں اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور پانچ اوسق تین سو صاع ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاع پانچ اور ایک تہائی رطل کا ہے اور اہل کوفہ کا صاع آٹھ رطل کا ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ نہیں اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور پانچ اوقیہ دو سو درہم ہوئے اور پانچ اونٹوں سے کم پر زکوۃ نہیں ہے پھر جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو ایک سال کی اونٹنی اور اگر اس سے کم ہوں تو ہر پانچ پر ایک بکری زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔

تشریح: پہلے جانوروں اور سونے چاندی کی زکوۃ کا حکم بیان کیا تھا اب یہاں سے سبزیوں اور پھلوں کی زکوۃ کو بیان کر رہے ہیں۔

قوله خَمْسَةِ أَوْسُقٍ: ایک وسق ساٹھ صاع کا اور ایک صاع تقریباً چار سیر کا ہوتا ہے اور ہمارے زمانہ کے حساب سے یہ تیس من بنتا ہے۔ اور اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ اور پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہوتا ہے اور یہ دو سو درہم ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے اور یہی چاندی کا نصاب ہے۔

مسئلہ: عشری زمین میں عشر واجب ہے کہ نہیں اگر ہے تو کتنا واجب ہے۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک دو شرائط کے ساتھ اس میں عشر ہوگا۔ ① کھیتی سے حاصل شدہ چیز پورا سال رہ سکتی ہو ② اس کی مقدار پانچ وسق سے کم نہ ہو۔ اگر پانچ وسق سے کم ہوئی تو عشر واجب نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام صاحبؒ کے نزدیک زمین کی پیداوار میں مطلقاً عشر ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ پورا سال رہ سکتی ہو یا نہ رہ سکتی ہو۔ اس میں عشر واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لیس فیما دون خمس ذود صدقۃ ولیس فی ما دون خمس اواق صدقۃ ولیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔

جواب اوّل: اس حدیث کا تعلق مال تجارت سے ہے اور مراد اس سے زکوۃ ہے قرینہ اسی حدیث میں موجود ہے۔ پہلا جملہ لیس فیما دون خمسۃ اواق صدقۃ بالاتفاق زکوۃ پر محمول ہے۔

جواب ثانی: اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیں کہ یہاں صدقہ سے مراد زکوۃ نہیں بلکہ عشر ہے تو پھر ہم اس کی توجیہ یہ کریں گے کہ اتنی مقدار سے عشر تو واجب ہوتا ہے لیکن وہ عاشر کو دینا ضروری نہیں ہوتا۔

جواب ثالث: قرآن کی نص کے مقابلے میں اخبار احاد مرجوح ہیں۔

جواب رابع: یہاں عام اور خاص میں تعارض ہے تاریخ معلوم نہیں عام پر عمل کرنے میں احتیاط ہے لہٰذا عام خاص کیلئے ناسخ ہے۔

جواب خامس: علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عرایا سے متعلق ہے عرایا کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے اگر کوئی کھجور کا درخت کسی فقیر کو دے دیا اور بعد میں اس درخت کے پھل کے عوض پانچ وسق کھجوریں علیحدہ سے دے دیں تو اب درخت کے پھل میں سے پانچ وسق کی مقدار تک صدقہ واجب نہیں ہوگا۔

جواب سادس: یہ تو تطبیق کی وجوہات تھیں اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو کہا جائے گا کہ زکوۃ کے باب میں تعارض کے وقت امام ابوحنیفہؒ ان دلائل کو ترجیح دیتے ہیں جن میں فقراء کو نفع ہو کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔

دلیل ثانی: عن عمرو بن حزم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی اھل الیمن بکتاب فیہ الفرائض والسنن فکتب فیہ ماسقت السماء او کان سیحا او بعلا فیہ العشر اذا بلغ خمسۃ اوسق۔

جواب: اس کی سند میں سلیمان بن داؤد متکلم فیہ راوی ہے اور وہ اس زیادت میں متفرد ہے۔ صحیح روایات اس زیادت سے خالی ہیں لہٰذا یہ مرجوح ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: "واتوا حقہ یوم حصادہ" قرآن کریم کی آیت ہے۔ اس میں بغیر قید کے زمین کا حق ادا کرنیکا حکم دیا گیا۔

دلیل ثانی: آگے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت آرہی ہے "فیما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر"۔

دلیل ثالث: مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "انہ علیہ السلام قال: فیما سقت الانھار والغیم العشر"

دلیل رابع: اللہ تعالیٰ کا فرمان "ومما اخرجنا لکم من الارض"۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول نصب الرایہ میں ہے۔ "ان یاخذ العشر من کل قلیل و کثیر فلم یعترض علیہ احدٌ" اور لوگوں کی مصلحت کیلئے بھی قلیل وکثیر پیداوار میں عشر ہونا چاہیے تاکہ غریبوں کے لئے فائدہ ہو۔ اسکے علاوہ بہت سارے دلائل ہیں جن میں مطلقاً عشر کا حکم دیا گیا۔

دلیل خامس: امام ابوحنیفہؒ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ غریبوں پر خرچ کرنے کا جو جذبہ لوگوں میں ہے وہ کسی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہر حال میں انسان خرچ کرنا چاہتا ہے اس لئے کم اور زیادہ کی تفریق تو نہیں کرنی چاہیے۔

سوال: اس دلیل پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ جب کوئی شرط نہیں تو پھر اموال میں نصاب کی شرط کیوں ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ نصاب کی شرط اگر نہ لگائی جائے تو مالک کے لئے رأس المال ہی نہیں رہے گا تو آدمی تنگ ہو جائے گا۔ اموال میں نصاب اس لئے شرط ہے کہ رأس المال باقی رہے اور اس کے منافع میں سے زکوۃ ادا کی جائے۔

کھیت اور باغ کی زکوۃ کے اصول: اگر کھیت یا باغ کو پانی دینے میں خرچ نہ ہوا ہو یا پانی لگانے میں محنت نہ کی ہو یعنی بارش

کے پانی سے یا قریبی نہر کے پانی سے باغ یا کھیت کی سینچائی کی گئی ہو تو پھر پیداوار میں دسواں حصہ عشر ہوگا۔ مثلاً گندم کی پیداوار چالیس من ہوئی تو اس میں دسواں حصہ چار من بنے گا کیونکہ چالیس کو دس پر تقسیم کریں تو جواب چار آئے گا۔ لہٰذا چالیس من میں چار من عشر نکلے گا۔ اور اگر کھیت یا باغ کو پانی لگانے میں پیسہ خرچ کیا بایں معنیٰ کہ رہٹ کے ذریعے یا ٹیوب ویل کے ذریعے یا نہری پانی جس کا بل دینا پڑتا ہو تو اس سے بیسواں حصہ عشر نکالا جائے گا۔ چالیس من میں بیسواں حصہ دو من نکلے گا۔

عشر کے مسئلہ میں جو اختلاف ہے یہ اتنا معروف اور مشہور نہیں ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ کے زمانے سے لے کر ائمہ مجتہدین کے زمانے تک جو دو سال کا عرصہ ہے اس وقت تک مضبوط اسلامی حکومت قائم تھی اس وقت عشر کی ادائیگی کا طریقہ کار کیا تھا لوگ اس سے عشر نکالتے تھے یا اس کا کوئی نصاب مقرر تھا یہ باتیں تواتر سے مروی ہونی چاہئیں۔ جیسا کہ تراویح کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح شروع ہوئی اس وقت سے لوگ مشرق و مغرب بیس رکعتیں پڑھتے آرہے ہیں اور اس پر سب کا اجماع ہے کسی اہل حق کا اس میں اختلاف نہیں لیکن عشر کے بارے میں اتنی کثیر روایات بھی نہیں ہیں اور لوگوں کا طرز عمل بھی باقی نہیں ہے۔ اور اس پر صرف ایک ہی حدیث ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ بھی مشہور ہونا چاہیے تواتر کے ساتھ پھر بھی اتنی اہم بات کیسے مخفی رہ گئی۔

بَاب مَا جَاءَ لَيْسَ فِي الْخَيْلِ وَالرَّقِيقِ صَدَقَةٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ أَبُو كُرَيْبٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ وَشُعْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ وَلَا فِي عَبْدِهِ صَدَقَةٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَقَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْخَيْلِ السَّائِمَةِ صَدَقَةٌ وَلَا فِي الرَّقِيقِ إِذَا كَانُوا لِلْخِدْمَةِ صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَكُونُوا لِلتِّجَارَةِ فَإِذَا كَانُوا لِلتِّجَارَةِ فَفِي أَثْمَانِهِمُ الزَّكَاةُ إِذَا حَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام پر زکوٰۃ نہیں۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر اور علی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ چرنے والے گھوڑے اور خدمت کے لئے رکھے ہوئے غلاموں پر زکوٰۃ نہیں البتہ اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان پر سال گزر جانے کے بعد ان کی قیمتوں پر زکوٰۃ ادا کی جائے۔

تشریح: **مسئلہ: گھوڑے اور غلام کی زکوٰۃ کا حکم کیا ہے؟ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ:** مسلم کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر زکوٰۃ فرض نہیں اسی وجہ سے کافر مسلمان ہونے پر نہ زمانہ کفر کی نمازیں قضا کرتا ہے نہ زکوٰۃ دیتا ہے البتہ قیامت میں کفار کو ترک عبادات کی سزا ملے گی کما فی قولہ تعالیٰ "قالوا لم نك من المصلين۔

آپ ﷺ نے گھوڑوں کی تین اقسام بیان فرمائیں۔ ① وہ گھوڑے جو مالک کیلئے وزر ہیں یعنی گناہ کا سبب ہیں۔ مراد اس

سے وہ گھوڑے ہیں جو اظہار فخر وریاء کیلئے رکھے ہوں۔ تاکہ کمزور لوگوں کے سامنے اپنی بڑائی جتائی جائے۔ ② وہ گھوڑے جو اپنے مالک کیلئے پردہ ہوتے ہیں۔ یعنی اس نیت سے وہ گھوڑے پالتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال سے بچ جائے۔ ③ وہ گھوڑے جو مالک کیلئے اجر کا باعث ہیں یعنی ایسے گھوڑے جو مسلمانوں کی خدمت کیلئے تیار کیے ہوں اس میں کسی قسم کا ریاء مقصود نہ ہو۔ اب ان تینوں اقسام کا حکم الگ الگ ہے جو واضح ہے۔ گھوڑوں کے نصاب میں زکوٰۃ ہے کہ نہیں اس کے متعلق تفصیل اختلاف بمع مسئلہ آگے باب "مایجب فیه الزکوٰۃ" کے تحت آرہی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي فَرَسِهِ: گھوڑے کی زکوٰۃ اور غلام کی زکوٰۃ کی چند صورتیں درج ذیل ہیں۔

① خدمت کے غلام اور حمل ورکوب کے گھوڑے میں بالاجماع زکوٰۃ نہیں۔

② تجارت کے غلام وگھوڑوں میں بالاتفاق زکوٰۃ واجب ہے۔

③ وہ گھوڑے جو سائمہ ہوں توالد وتناسل کے لئے رکھے ہوں ان کی زکوٰۃ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ پھر زکوٰۃ کی دو صورتیں ہیں۔ ہر گھوڑے کے بدلہ میں ایک دینار یا گھوڑوں کی قیمت میں سے چالیس درہم میں ایک درہم۔ اگر مذکر ومؤنث دونوں ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے اگر صرف مؤنث ہوں تو ایک قول کے مطابق زکوٰۃ واجب ہے اور ایک قول کے مطابق زکوٰۃ واجب نہیں۔

قول ثالث: اگر صرف مذکر ہوں تو اس میں بھی دو قول ہیں۔ ایک قول زکوٰۃ کے وجوب کا ہے اور دوسرا قول عدم وجوب کا ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کی دلیل اوّل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لیس علی المسلم فی عبده ولا فی فرسه صدقة**"۔ امام ترمذیؒ اس حدیث باب کے متعلق فرماتے ہیں کہ چرنے والے گھوڑوں میں زکوٰۃ نہیں اور اسی طرح وہ غلام جو آقا کی خدمت میں ہوتے ہیں ان کی بھی زکوٰۃ نہیں۔ ہاں گھوڑے اگر تجارت کے لئے ہوں تو پھر ان میں زکوٰۃ ہے جب سال گزر جائے گویا یہ ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب بھی ہو گیا۔

دلیل ثانی: ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "**قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ا قد عفوت من الخیل والرقیق**"۔

جواب اوّل: اس میں خیل سے غازی کا گھوڑا مراد ہے۔

جواب ثانی: علامہ ابن ہمامؒ نے یہ جواب دیا کہ ابل وغنم کی زکوٰۃ تو ساعی وصول کرے گا بیت المال کی طرف سے اور خیل کی زکوٰۃ خود مالک ادا کریگا۔ ساعی کا حق نہیں لہٰذا نفی زکوٰۃ سے مراد بیت المال میں دینے کی نفی ہے مطلق زکوٰۃ دینے کی نفی مراد نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے جو ماقبل کتاب الزکوٰۃ کی دوسری حدیث ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں "**فالخیل ثلاثة واما التی هی له ستر فرجل ربطها فی سبیل الله ثم لم ینس حق الله فی ظهورها ولا رقابها فهی له ستر**" اسی طرح کے الفاظ امام طحاوی نے نقل کئے ہیں تو یہاں حق سے مراد زکوٰۃ ہے۔

دلیل ثانی: دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "**انہ علیہ السلام قال فی الخیل فی کل فرس دینار**" کہ ہر گھوڑے میں ایک دینار ہے۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس میں زکوۃ نہ دینے والوں کے عذاب کا تذکرہ کیا اور آگے گھوڑوں کی زکوۃ نہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا "**فلا اعرفن احد کم یأتی یوم القیمۃ یحمل فرسالہ جمجمۃ یا محمد یا محمد فا قول لا املك لك من اللہ شیئا قد بلغت**"۔

دلیل رابع: اجماع صحابہ ہے کہ خیل کی زکوۃ لینے میں کسی کا اختلاف نہیں تھا۔

دلیل خامس: مستدرک حاکم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "**ثم لم ینس حق اللہ فی ظھورھا ولا رقابھا**"۔

بَاب مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْعَسَلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ أَبِي سَلَمَةَ التِّنِّيسِيُّ عَنْ صَدَقَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِي كُلِّ عَشَرَةِ أَزُقٍّ زِقٌّ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَيَّارَةَ الْمُتَعِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ كَبِيرُ شَيْءٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَيْسَ فِي الْعَسَلِ شَيْءٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا شہد کی دس مشکوں پر ایک مشک زکوۃ ہے اس باب میں حضرت ابوہریرہ ابوسیارہ، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث میں کلام کیا گیا ہے اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کوئی حدیث صحیح نہیں اسی پر اہل علم کا عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک شہد پر زکوۃ نہیں۔

تشریح: قولہ العسل فی کل عشرۃ ازق: **مسئلہ:** عشری زمین کے شہد میں زکوۃ واجب ہونے کا حکم۔

پہلا قول: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عشر واجب نہیں ہے۔

دوسرا قول: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد و اسحاقؒ کے نزدیک عشر واجب ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا اثر ہے "**انہ سئل عن العسل فی الیمن فقال لم اومر فیہ بشیئ**"۔ اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث دلیل نہیں۔

جواب: عدم امر عدم وجوب کو مستلزم نہیں۔ اس کے علاوہ دوسری روایات سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

دلیل ثانی: عسل نحل کی پیداوار ہے اور یہ نہ زمین کی جنس سے ہے اور نہ سوائم کی جنس سے ہے گویا ایسے ہو گیا جیسے ابریشم پر عشر

واجب نہیں ہوتا اسی طرح عسل میں بھی عشر واجب نہیں ہوتا۔
جواب: نحل پھول پتے اور درختوں کے پھل کھاتی ہے اور یہ زمین کی پیداوار ہیں۔ بخلاف ابریشم کہ وہ تو خود درختوں کے پتے کھاتی ہے اور عشر درختوں کے پتوں میں نہیں ہوتا۔
احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے **عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ فی العسل فی کل عشرۃ أزق زق۔**
اعتراض: اس حدیث پر شوافع نے کلام کیا ہے کہ اس حدیث کا دارومدار صدقہ بن عبداللہ پر ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔
جواب: اگرچہ صدقہ بن عبداللہ متکلم فیہ راوی ہیں لیکن جہاں ان کی تضعیف کی گئی ہے وہاں ان کی توثیق بھی کی گئی ہے جیسا کہ ابوحاتم، ابوزرعہ نے ان کی توثیق کی۔ **کما فی المیزان والتھذیب.** اس کے علاوہ اس حدیث کے متعدد شواہد بھی موجود ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ روایت درجہ حسن تک آ جاتی ہے۔
دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ابوداؤد شریف میں ہے **قال جاء هلال رضی اللہ عنہ الی النبی ﷺ بعشور نحل له** معلوم ہوا نحل میں عشر ہے۔
دلیل ثالث: ابن ماجہ میں ہے **"عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبد الله بن عمرو عن النبی ﷺ انه اخذ من العسل العشر"**
دلیل رابع: مسند احمد و ابن ماجہ میں ابوسفیان کی حدیث ہے **"قال قلت یارسول الله ان لی نحلاً قال اد العشر"**
نیز قرآن پاک کی آیت **"خذ من اموالهم صدقة"** سے بھی عشر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔
دلیل خامس: امام قرطبی نے **"عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده"** کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے **"أن رسول الله ﷺ کان یؤخذ فی زمانه من قرب العسل من کل عشرة قرب قربة من اوسطها قال هو حدیث حسن"۔**
دلیل سادس: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اہل یمن کی طرف خط لکھا **"أن یوخذ من العسل العشر"۔**
اعتراض: اس دلیل پر کسی نے اعتراض کیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں کسی نے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ نے یمن میں شہد پر عشر کا حکم دیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **"لم او مر فیه بشیٔ"** اس سے تو تضاد معلوم ہو رہا ہے۔
جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے یہ لازم نہیں آتا کہ عشر واجب نہ ہو کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اثبات مقدم ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی نفی ہوسکتا ہے اس لئے ہو کہ انہیں اس بات کا علم نہ پہنچا ہو جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔
مسئلہ ثانیہ: شہد میں وجوب عشر میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے اور جو حضرات وجوب عشر کے قائل ہیں ان میں بھی اختلاف ہے۔
قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ہر قلیل و کثیر مقدار میں عشر واجب ہے۔
قول ثانی: امام احمد اور امام زہری کے نزدیک نصاب عسل دس فرق ہے۔
قول ثالث: صاحبین کے نزدیک عسل کا نصاب پانچ "وسق" ہے۔

باب ما جاء لا زكاة على المال المستفاد حتى يحول عليه الحول

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ صَالِحٍ الطَّلْحِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَرَّاءَ بِنْتِ نَبْهَانَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكَاةَ فِيهِ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ عِنْدَ رَبِّهِ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَرَوٰى أَيُّوبُ وَعُبَيْدُ اللهِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفًا وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَغَيْرُهُمَا مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَهُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا زَكَاةَ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَإِسْحٰقُ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَالٌ تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ فَفِيهِ الزَّكَاةُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ سِوَى الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ مَا تَجِبُ فِيهِ الزَّكَاةُ لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ الْمُسْتَفَادِ زَكَاةٌ حَتّٰى يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ فَإِنِ اسْتَفَادَ مَالًا قَبْلَ أَنْ يَحُولَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ فَإِنَّهُ يُزَكِّي الْمَالَ الْمُسْتَفَادَ مَعَ مَالِهِ الَّذِي وَجَبَتْ فِيهِ الزَّكَاةُ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے زکوۃ کا نصاب مکمل ہونے کے بعد مال پایا اس پر اللہ کے نزدیک ایک سال مکمل ہونے سے پہلے زکوۃ نہیں اور اس باب میں حضرت سراء بنت نبہان رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔ ہمیں حدیث بیان کی محمد بن بشار نے عبدالوہاب ثقفی سے انہوں نے ایوب اور انہوں نے نافع اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ارشاد فرمایا کہ جس نے نیا مال پایا تو اس پر اللہ کے نزدیک ایک سال مکمل ہونے سے پہلے زکوٰۃ نہیں۔ یہ حدیث عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کی حدیث سے اصح ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اسے ایوب، عبیداللہ اور کئی حضرات بھی نافع سے اور وہ حضرت ابن عمرؓ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں انہیں امام احمد بن حنبل اور علی بن مدینی اور کئی دوسرے علماء نے ضعیف کہا ہے اور یہ کثیر الغلط ہیں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حاصل شدہ مال پر سال گزرنے سے پہلے زکوۃ نہیں، امام مالک بن انس شافعی احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں اگر اس کے پاس ایسا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر اس مال کے علاوہ کوئی دوسرا مال نہ ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو تو اس پر سال گزرنے سے پہلے زکوۃ واجب نہ ہوگی اگر مال زکوۃ پر سال پورا ہونے سے پہلے کچھ اور مال حاصل ہو گیا تو پہلے مال کے ساتھ نئے مال کی زکوۃ بھی دینی پڑے گی سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: **مال مستفاد کی تعریف:** شریعت کی اصطلاح میں مستفاد اس مال کو کہتے ہیں جو نصاب زکوۃ کے مکمل ہو جانے کے بعد سال کے درمیان میں حاصل ہو جائے پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔

پہلی صورت: مال مستفاد سابق مال کی جنس سے نہ ہو مثلاً کسی کے پاس سونا چاندی بقدر نصاب موجود تھا اور سال کے دوران اس کے پاس پانچ اونٹ بھی آ گئے اس کے بارے میں اتفاق ہے کہ ایسے مال مستفاد کو مال سابق میں ملایا نہیں جائے گا بلکہ دونوں کا سال الگ الگ شمار کر کے زکوٰۃ ادا کریں گے۔

دوسری صورت: مال مستفاد مال سابق کی جنس سے ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

① مال مستفاد سابق مال کی جنس ہونے کے ساتھ ساتھ مال سابق کی نماء بھی ہو مثلاً بکریاں پہلے سے موجود تھیں دوران سال ان کے بچے پیدا ہو گئے یا مال تجارت موجود تھا دوران سال اس پر نفع حاصل ہوا تو اس کے بارے میں اتفاق ہے کہ ایسے مال مستفاد کو سابق مال میں ضم کیا جائے گا اور دونوں کا سال ایک شمار ہوگا اور مال مستفاد کی زکوٰۃ بھی مال سابق کے ساتھ ہی ادا کی جائے گی۔

② مال مستفاد سابق مال کی جنس سے تو ہو لیکن اس کی نماء نہ ہو بلکہ ملک کے کسی سبب جدید کی وجہ سے وہ مال حاصل ہوا ہو مثلاً کسی کے پاس نقد رقم موجود تھی اور دوران سال اسکو کچھ اور روپیہ ہبہ، وصیت یا میراث کے ذریعے حاصل ہو گیا اب اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ، امام اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اس قسم کے مال مستفاد کو مال سابق میں ضم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا سال الگ شمار ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس قسم کے مال مستفاد کو بھی مال سابق میں ضم کیا جائے گا اور اس کی زکوٰۃ بھی مال سابق کے ساتھ ادا کی جائے گی۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے" **قال قال رسول اللہ ﷺ من استفاد مالاً فلا زکوٰۃ علیہ حتی یحول علیہ الحول**"۔

جواب اوّل: یہ حدیث دو طرح سے مروی ہے مرفوعاً بھی اور موقوفاً بھی۔ مرفوعاً کا طریق عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے یہ راوی ضعیف ہے اور دوسرا طریق جو موقوف ہے اگرچہ صحیح سند سے مروی ہے اور قابل استدلال ہے لیکن وہ ہمارے نزدیک پہلی قسم پر محمول ہے جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

جواب ثانی: علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں مال مستفاد سے فقہاء کا اصطلاحی معنی مراد نہیں یہ تو بعد کی اصطلاح ہے بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہے۔

جواب ثالث: اگر اسکو عام بھی رکھا جائے تو پھر ہم کہیں گے کہ الحول سے مراد عام ہے اصالۃً ہو یا تبعاً ہو۔ یہاں پر تبعاً حولان حول پایا جاتا ہے جیسے ابتدائی نصاب کے بعد مال مستفاد نصاب اور حولان حول میں اصل مال کے تابع ہوتا ہے ویسے ہی یہاں بھی تابع ہے۔

جواب رابع: آپ کے نزدیک بھی اس حدیث میں تخصیص ہے کہ ولد اور منافع اس سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک بھی اس میں تخصیص ہے اور یہ خلاف جنس پر محمول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ترمذی شریف میں روایت ہے "**ان من السنۃ شھرًا تؤدون فیہ زکوٰۃ اموالکم فما حدث بعد ذلک فلا زکوٰۃ فیہ حتیٰ یجیء رأس الشھر**"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماہ زکوٰۃ سے قبل جو زیادتی حاصل ہو گی اس میں زکوٰۃ واجب ہو گی۔

دلیل ثانی: حضرت عثمان، ابن عباس، حسن بصری رضی اللہ عنہم کے آثار سے استدلال ہے کہ یہ حضرات مال مستفاد کیلئے حولان حول کی شرط نہیں لگاتے۔

دلیل ثالث: سال طویل عرصہ ہے اس میں کبھی مال بڑھتا ہے اور کبھی گھٹتا ہے اگر ہر نئے آنے والے مال کیلئے سال کی شرط لگائیں تو پھر حرج لازم آئے گا پھر تو کوئی زکوۃ ادا ہی نہیں کر سکے گا "والحرج مدفوع فی الشرع" اس سے فقراء کا نقصان ہے۔

باب مَا جَاءَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ قَابُوسَ بْنِ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِي أَرْضٍ وَاحِدَةٍ وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةٌ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ قَابُوسَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ وَجَدِّ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ قَدْ رُوِيَ عَنْ قَابُوسَ بْنِ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ النَّصْرَانِيَّ إِذَا أَسْلَمَ وُضِعَتْ عَنْهُ جِزْيَةُ رَقَبَتِهِ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ جِزْيَةُ عُشُورٍ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ جِزْيَةَ الرَّقَبَةِ وَفِي الْحَدِيثِ مَا يُفَسِّرُ هَذَا حَيْثُ قَالَ إِنَّمَا الْعُشُورُ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ عُشُورٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک جگہ دو قبلے والوں کا رہنا ٹھیک نہیں اور مسلمانوں پر جزیہ نہیں۔ روایت کی ہم سے ابوکریب نے انہوں نے جریر سے انہوں نے قابوس سے اسی اسناد سے اوپر کی مثل اس باب میں سعید بن زید اور حرب بن عبید اللہ ثقفی کے دادا رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث قابوس بن ابوظبیان سے روایت کی گئی اور وہ اپنے والد سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کوئی نصرانی اسلام قبول کرلے تو اس سے جزیہ معاف ہو جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ مسلمانوں پر جزیہ عشور نہیں اس سے مراد جزیہ ہی ہے اس حدیث سے اس کی تفسیر ہوتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عشور یہود ونصاریٰ پر ہے مسلمانوں پر نہیں۔

تشریح: قولہ: لا یصلح قبلتان.. الخ اس کی چند تشریحات کی جاتی ہیں۔

① اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ "لا یستقیم دینان فی ارض واحدۃ" کہ ایک زمین میں ایک جگہ میں اسلام اور کفر مجتمع نہیں ہوسکتا اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کافر دار الحرب میں اسلام لے آئے تو اس کو دار الاسلام کی طرف ہجرت کر لینی چاہیے اور اگر مسلمانوں کے علاقے میں کوئی مرتد ہو جائے تو اس کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک نہیں کیا جائے گا بلکہ ذمی والا سلوک ہوگا۔

② اگر ذمی دار الاسلام میں ہو اور وہ دار الاسلام میں شان وشوکت سے رہ رہا ہو اور اپنے مذہب کی اشاعت کر رہا ہو تو اس کو اس کی قطعاً اجازت نہیں دی جائے گی۔

③ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم جزیرہ عرب کے ساتھ خاص ہے لہٰذا ایسے تمام افراد جن کا قبلہ مسلمانوں کے قبلہ سے مختلف ہو ان کو جزیرہ عرب میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دیا تھا۔

لیس علی المسلمین جزیۃ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جزیہ تمام غیر مسلموں سے لیا جائے گا یا صرف اہل کتاب سے لیا جائیگا۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک جزیہ صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے لیکن مجوسی کو بھی اہل کتاب میں شامل کرتے ہیں۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک سوائے مرتد کے ہر کافر سے جزیہ پر مصالحت ہو سکتی ہے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کا مسلک صاحب روح المعانی نے یہ بیان کیا ہے کہ جزیہ سب اہل کتاب سے لیا جائے گا لیکن مشرکین کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔ جو مشرکین عرب کے علاوہ ہیں ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا اور مجوسی سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا لیکن مشرکین عرب سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مشرکین عرب کا کفر بہت سخت تھا نبی کریم ﷺ انہی کے درمیان مبعوث ہوئے اور آپ انہی کی قوم کے ایک فرد تھے۔ پھر آپؐ کے مخاطبین اولین بھی یہی مشرکین تھے اور قرآن بھی انہی کی زبان میں نازل ہوا ان تمام امور کا تقاضا یہی تھا کہ وہ ایمان قبول کرتے اگر وہ اب بھی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تو پھر ان کے لئے دو صورتیں ہی ہیں جنگ یا اسلام۔

اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اہل جزیہ میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے تو اس پر سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ البتہ جس شخص پر جزیہ واجب ہو چکا ہو اور وہ مسلمان ہو جائے تو پھر اس کا کیا حکم ہے اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور ابن شبرمہؒ کے نزدیک ایسے شخص سے وہ واجب شدہ جزیہ لیا جائے گا۔

قول ثانی: احناف اور مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا۔

احناف کی دلیل اوّل: لیس علی المسلمین جزیۃ کہ مسلمانوں پر جزیہ واجب نہیں۔ **کما فی حدیث الباب۔**

دلیل ثانی: معجم طبرانی الاوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے **من اسلم فلا جزیۃ علیہ**. (نصب الرایۃ جلد ۳ ص ۴۵۳ کتاب السیر، باب الجزیہ)

حضرات شوافع حدیث الباب کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمان پر ابتداءً جزیہ نہیں لگایا جائے گا لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ مسلمان پر ابتداءً جزیہ عائد نہ ہونا تو بدیہیات میں سے تھا اسے بتانے کی ضرورت نہیں تھی لہٰذا حدیث باب کا اصل منشا یہی ہے کہ ذمی کے مسلمان ہونے کے بعد اس پر جزیہ عائد نہیں کیا جا سکتا۔

لیس علی المسلمین جزیۃ عشور: یعنی مسلمانوں پر جزیہ عشور نہیں، اس حدیث میں جزیہ سے مراد گردن کا جزیہ ہے اور دوسری حدیث میں اس کی وضاحت ہے فرمایا **انما العشور علی الیھود و النصاری**. عشور صرف یہود و نصاریٰ پر ہے مسلمانوں پر عشور نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عشور سے مراد جزیہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي زَكَاةِ الْحُلِيِّ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُصْطَلِقِ عَنِ ابْنِ أَخِي

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا

زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَهِمَ فِي حَدِيثِهِ فَقَالَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ وَالصَّحِيحُ إِنَّمَا هُوَ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ إِبْنِ أَخِي زَيْنَبَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَأَى فِي الْحُلِيِّ زَكَاةً وَفِي إِسْنَادِ مَقَالٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي ذٰلِكَ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ فِي الْحُلِيِّ زَكَاةً مَا كَانَ مِنْهُ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمُ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَيْسَ فِي الْحُلِيِّ زَكَاةٌ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا أَتُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ فَقَالَتَا لَا قَالَ فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسُوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ قَدْ رَوَاهُ الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ

اور فرمایا اے عورتو صدقہ کرو اگرچہ اپنے زیورات ہی سے دو اس لئے کہ قیامت کے دن تم میں سے اکثر جہنم میں جائیں گی۔ روایت کی ہم سے محمود بن غیلان نے انہوں نے ابوداؤد سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے اعمش سے کہ ابووائل عمرو بن حارث جو حضرت عبداللہ کی بیوی زینب کے بھتیجے ہیں زینب سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اور یہ ابومعاویہ کی حدیث سے اصح ہے ابومعاویہ کی حدیث میں وہم ہو گیا ہے پس وہ کہتے ہیں عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عن إِبْنِ أَخِي زَيْنَبَ جب کہ صحیح یہ ہے عمرو بن الحارث ابن اخی زینب ہے اور یہ عمرو بن شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ سے بھی مروی ہے وہ اپنے والد اور ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیور میں زکوۃ تجویز کی اس کی سند میں کلام ہے اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض علماء صحابہ و تابعین کہتے ہیں کہ زیور میں زکوۃ ہے جو سونے اور چاندی کا ہو سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ بھی یہی کہتے ہیں بعض صحابہ جیسے حضرت عائشہ، ابن عمر، جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ زیور میں زکوۃ نہیں اور اسی طرح بعض فقہاء تابعین سے بھی مروی ہے اور امام مالک بن انس، شافعی احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ دو عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں ان کے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو انہوں نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے عرض کرنے لگیں نہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی زکوۃ ادا کیا کرو امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کو مثنی بن

عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنّٰى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ

صباح نے بھی عمرو بن شعیب سے اسی کی مثل روایت کیا ہے مثنی بن صباح اور ابن لہیعہ دونوں ضعیف ہیں اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کوئی حدیث صحیح نہیں۔

تشریح: مسئلہ: عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کا حکم۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ عورتوں کے سونا چاندی کے زیورات میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک حیثیت سے خلقۃً ثمنیت موجود ہے دوسری حیثیت سے وہ عورتوں کے لئے مباح الاستعمال ہیں کپڑوں اور عام لباس کی طرح ہیں۔ ان دونوں حیثیتوں کے اعتبار سے علماء کرام کا اختلاف ہوا کہ ان میں زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ نصاب تک پہنچ جائیں۔ یہی رائے حضرت ابن عباس، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی ہے۔ قال ابن الملک "**یدل ایضاً علی وجوب الزکوۃ فی الحلی**"۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۵۶)

امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل اوّل: ان حضرات کے پاس کوئی مرفوع حدیث نہیں البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار موجود ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر موطا امام مالک میں ہے "**انها کانت تلی بنات اختها یتامی فی حجرها فلا تخرج من حلیهن الزکوۃ**"۔

جواب: احادیث مرفوعہ اور عموم آیت کے مقابلہ میں یہ اثر حجت نہیں۔

دلیل ثانی: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**عن النبی ﷺ أنه قال لیس فی الحلی زکاۃ.... وعن جابر انه کان یری الزکاۃ فی کثیر الحلی دون قلیلها**"

جواب: حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ "**لا اصل له**" اسکے اندر ایک راوی عافیہ بن أیوب ہے جو مجہول ہے۔

دلیل ثالث: دار قطنی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا "**فقال لیس فیه زکاۃ**"۔

احناف کی دلیل اوّل: امام ترمذیؒ اس باب میں دو حدیثیں لائے ہیں یہ دونوں روایات حنفیہ کی مستدل ہیں۔ پہلی روایت حضرت زینب امرأۃ عبداللہ ہے۔ "**یا معشر النساء تصدقن ولو من حلیکن**" اس روایت سے استدلال صریح نہیں بلکہ اس سے صدقہ نافلہ مراد ہے۔

دلیل ثانی: دوسری روایت ہے **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان امرأتین أتتا رسول الله ﷺ و فی ایدیهما سواران من ذهب فقال لهما اتودّیان زکاته فقالتا لا فقال لهما رسول الله ﷺ اتحبان ان یسور کما الله بسوارین من نار قالتا لا قال فأدیا زکاته**۔

اعتراض: اس دلیل پر امام ترمذیؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث ابن لہیعہ اور مثنی بن الصباح سے مروی ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف راوی ہیں آگے فرمایا "**ولا یصح فی هذا عن النبی ﷺ شئ**"۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہی حدیث جس کو امام ترمذی ضعیف کہہ رہے ہیں اس کو امام ابوداؤد نے سند صحیح سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے:

حدثنا ابو کامل و حمید بن مسعدة المعنی أن خالد بن الحارث حدثهم حدثنا حسین عن عمرو

بن شعیب عن ابیه عن جده أن امراءة أتت رسول الله ﷺ و معها ابنة لها و فی یدا بنتها مسکتان غلیظتان من ذهب فقال لها أتعطین زکوٰة هذا قالت: لا قال ایسرك أن یسورك الله بهما یوم القیامة سوارین من نار: قال فخلعتهما و ألقتهما الی النبی ﷺ و قالت هما لله و رسوله. (ابوداود ج ا ص ۲۲۵ باب الکنز ماهو وزکوة الحلی) اس روایت کی سند میں نہ تو ابن لہیعہ ہے اور نہ ہی مثنی بن الصباح ہے۔ امام ابوداؤد نے اس سند پر چیلنج کرتے ہوئے فرمایا اسناده لا مقال فیه اور ابن قطان نے اسی بات کی توثیق کی ہے فرماتے ہیں ''اسناده صحیح''

دلیل ثالث: ابوداؤد شریف میں مذکورہ باب کی اگلی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں سونے چاندی کے کڑے تھے آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس کے ذریعے آپ کیلئے زینت کروں گی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرلی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''هو حسبك من النار''۔ (ابوداؤد درباب ایضاً)

دلیل رابع: مشکوٰۃ شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ''قالت کنت البس اوضاحًا من ذهب فقلت یا رسول الله کنز هو فقال ما بلغ ان تؤدی زکوته فزکی فلیس بکنز''۔ (ابوداود باب ایضًا)

دلیل خامس: قرآن کریم میں ہے ''والذین یکنزون الذهب والفضة'' امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ کے وجوب کیلئے کوئی بھی حدیث نہ ہوتی تو یہی آیت کافی تھی۔

دلیل سادس: قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس میں زکوٰۃ ہونی چاہیے کیونکہ زیورات اگر مرد کی ملکیت میں ہوں تو سب کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہوتی ہے لہٰذا اگر عورتوں کی ملک میں ہوں تو بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے۔

باب ما جاء فی زکاة الخضراوات

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُمَارَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ مُعَاذٍ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ عَنِ الْخَضْرَاوَاتِ وَهِيَ الْبُقُولُ فَقَالَ لَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ قَالَ أَبُو عِيسَى إِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيثِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ وَإِنَّمَا يُرْوٰى هٰذَا عَنْ مُوسٰى بْنِ طَلْحَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا کہ سبزیوں یعنی ترکاریوں وغیرہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان میں کچھ نہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح نہیں اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کوئی حدیث صحیح نہیں اور یہ روایت موسیٰ بن طلحہ سے مرسلاً مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ سبزیوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں امام ترمذی فرماتے ہیں حسن وہ ابن عمارہ ہیں اور وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں

وَالْحَسَنُ هُوَ ابْنُ عُمَارَةَ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ ضَعَّفَهُ شُعْبَةُ وَغَيْرُهُ وَتَرَكَهُ عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ

شعبہ وغیرہ نے انہیں ضعیف قرار دیا اور عبداللہ بن مبارکؒ نے ان سے روایت لینا چھوڑ دیا۔

تشریح: سبزیوں میں زکوٰۃ کا مسئلہ ماقبل باب ''**باب ما جاء فی صدقة الزرع والثمر والحبوب**'' میں گزر چکا ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک زرعی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے لیکن دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ وہ پورا سال باقی رہ سکتی ہو دوسری شرط یہ ہے کہ وہ پانچ وسق سے زیادہ ہو۔ چونکہ سبزیوں کو پورا سال باقی نہیں رکھا جا سکتا اس لئے ان میں زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اگر چہ یہ پانچ وسق سے زیادہ ہوں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کوئی شرط نہیں۔ لہٰذا ان پر عشر واجب ہوگا۔ دلائل وہاں گزر چکے ہیں۔ یہاں حدیث معاذ رضی اللہ عنہ کی سند پر بحث کی جاتی ہے۔

سندحدیث پر بحث: اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے جو کہ حسن بن عمارہ ہے اور عیسیٰ بن طلحہ کے بارے میں بھی یہی رائے ہے اور یہی عیسیٰ اس حدیث کو مرفوع بیان کرتا ہے اور اس کا بھائی موسیٰ جو اس کی بنسبت اچھا راوی ہے حدیث کو مرسل بیان کرتا ہے یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ نہیں کرتا بلکہ صرف واقعہ بیان کر دیتا ہے۔ پھر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ سبزیوں میں عشر حکومت وصول نہیں کرے گی۔ کیونکہ یہ مسئلہ گورنر نے پوچھا ہے پس سائل کے لحاظ سے جواب دیا گیا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ سبزیوں میں فی نفسہ زکوٰۃ ہے یا نہیں اس بارے میں یہ حدیث خاموش ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق یہ حدیث ضعیف ہے اور عشر کے وجوب اور عدم وجوب کے متعلق تو صحیح حدیث کوئی نہیں البتہ قرآن و حدیث کے عمومات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر زرعی پیداوار میں زکوٰۃ ہے پس سبزی اور ترکاری میں بھی زکوٰۃ ہونی چاہیے۔

اب زکوٰۃ و عشر تو ہے لیکن کتنا عشر ہونا چاہیے اس کے بارے میں مسئلہ دیکھ لیجئے۔

مسئلہ: زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک ہر ایسی چیز میں عشر ہے جو انسان کی غذا بنے۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک ہر پیداوار میں عشر واجب ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: شرح السنۃ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **عن النبی ﷺ قال انما امره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير والزبيب والتمر.** (رواہ فی شرح السنۃ)

یہی حدیث الباب ہے کہ دیکھو اگر غذا بننے والی اشیاء میں زکوٰۃ واجب نہ ہوتی تو مطلقاً ذکر کرتے۔ آپ کا مطلقاً ذکر نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ہر اس چیز میں زکوٰۃ ہے جو غذا بننے کی صلاحیت رکھے۔

جواب: ان اشیاء کے ذکر کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے ماسوا میں زکوٰۃ واجب نہیں بلکہ ان اشیاء کی تخصیص اس لئے کی کہ اس علاقہ میں یہی چار چیزیں ہی ہوتی تھیں۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۵۲)

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: ماقبل میں احادیث کے ذیل میں وضاحت گزر چکی ہے کہ ہر پیداوار میں عشر ہے۔

باب ما جاء في الصدقة فيما يسقى بالأنهار وغيرها

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَبُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ الْعُشْرُ وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَبُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَكَأَنَّ هَذَا الْحَدِيثُ أَصَحُّ وَقَدْ صَحَّ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْبَابِ وَعَلَيْهِ الْعَمَلُ عِنْدَ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کھیتی بارش کے پانی یا چشموں کے پانی سے سیراب کی جائے اس کا دسواں حصہ اور جسے جانوروں سے پانی دیا جائے اس کا بیسواں حصہ زکوۃ ادا کی جائے گی اس باب میں انس بن مالک، ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث بکیر بن عبداللہ بن اشج، سلیمان بن یسار اور بسر بن سعید بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلا روایت کرتے ہیں اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی حدیث صحیح ہے اور اسی پر عام فقہاء کا عمل ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَنَّ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشُورَ وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سالم اپنے والد اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارش اور چشموں سے سیراب ہونے والی زمین یا عشری زمین میں دسواں حصہ مقرر فرمایا اور جس زمین کو ڈول وغیرہ سے پانی دیا جائے ان میں بیسواں حصہ مقرر فرمایا امام ابوعیسیٰ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: زمین کی پیداوار میں جو زکوۃ وعشر لیا جاتا ہے اس کے دو فریضے ہیں یا تو دسواں حصہ لیا جائے گا یا بیسواں حصہ لیا جائے گا اگر زمین کی پیداوار کو بارش یا سمندر یا نہری پانی سے سیراب کیا گیا اس میں پیسہ خرچ نہیں ہوا تو دسواں حصہ عشر ہوگا اور اگر رہٹ، ٹیوب ویل یا کسی اور ذریعے سے خود کھیت کو پانی سے سیراب کیا گیا اور اس پر پیسہ خرچ کیا گیا تو اس پر بیسواں حصہ عشر آئے گا اس کی تفصیل بھی ماقبل باب میں گزر چکی ہے۔

او كان عثريا العشور: عثری کھجور وغیرہ کے اس باغ کو کہتے ہیں جس کے درمیان سے یا پاس سے نہر گزر رہی ہو اور درختوں اور پودوں کو نیچے سے تری مل رہی ہو تو اس پیداوار میں عشر واجب ہے کیونکہ سینچائی پر نہ تو خرچ کیا گیا اور نہ اور کوئی محنت مشقت کی گئی ہے **العشور** کا معنی عشر دینا، چنگی دینا یہاں پر مجازی معنی عشر دینا ہے۔

باب ما جاء في زكاة مال اليتيم

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهٗ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتّٰى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَإِنَّمَا رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَفِي إِسْنَادِهٖ مَقَالٌ لِأَنَّ الْمُثَنَّى بْنَ الصَّبَّاحِ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَذَكَرَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا الْبَابِ فَرَأٰى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكَاةً مِنْهُمْ عُمَرُ وَعَلِيٌّ وَعَائِشَةُ وَابْنُ عُمَرَ وَبِهٖ يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لَيْسَ فِي مَالِ الْيَتِيمِ زَكَاةٌ وَبِهٖ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَعَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَشُعَيْبٌ قَدْ سَمِعَ مِنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَقَالَ هُوَ عِنْدَنَا وَاهٍ وَمَنْ ضَعَّفَهُ فَإِنَّمَا ضَعَّفَهُ مِنْ قِبَلِ أَنَّهُ يُحَدِّثُ مِنْ صَحِيفَةِ جَدِّهٖ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَمَّا أَكْثَرُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فَيَحْتَجُّونَ بِحَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ فَيُثْبِتُونَهُ مِنْهُمْ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَغَيْرُهُمَا.

عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا جو کسی مالدار یتیم کا ولی ہو تو اسے چاہئے کہ اس مال سے تجارت کرتا رہے اور یوں ہی نہ چھوڑ دے ایسا نہ ہو کہ زکوۃ دیتے دیتے اس کا مال ختم ہو جائے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اسی سند سے مروی ہے اور اس کی اسناد میں کلام ہے اس لئے کہ مثنی بن صباح ضعیف ہیں بعض راوی یہ حدیث عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے خطبہ پڑھا الخ اور پھر یہ حدیث بیان کرتے ہیں اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کئی صحابہ کرام کے نزدیک یتیم کے مال پر زکوۃ ہے ان صحابہ کرام میں حضرت عمر، علی، عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں امام شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کا بھی یہی قول ہے عمرو بن شعیب سے مراد عمر بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ سے احادیث سنی ہیں یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے اور فرمایا وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں جس نے بھی انہیں ضعیف کہا ہے اس کے نزدیک ضعف کی وجہ یہ ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں لیکن اکثر علماء محدثین عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں جن میں امام احمد اور اسحاق بھی شامل ہیں۔

تشریح: یتیم کی تعریف: الصبی الذی لم یبلغ الحلم وإن لم یمت أبواہ. یتیم کا اطلاق اس بچہ پر ہوتا ہے جو ابھی تک بلوغت تک نہ پہنچا ہو۔ اگرچہ اس کے والدین زندہ ہوں۔ عرف میں یتیم اس بچہ کو کہا جاتا ہے جس کا باپ فوت ہو گیا

ہو۔ یہ قاعدہ انسانوں کے ساتھ ہے حیوانوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کی ماں مرگئی ہو۔

مسئلہ: **یتیم کے مال میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن المبارکؒ کے نزدیک یتیم کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے **عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ ان النبی ﷺ خطب الناس فقال: الا من ولی یتیمًا له مالا فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تاکله الصدقة۔**

جواب اوّل: اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ اس حدیث میں ایک راوی مثنی بن الصباح ہے جو کہ ضعیف راوی ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس کے ضعف کا اعتراف کیا ہے۔

جواب ثانی: اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ ممکن ہے اس یتیم سے مراد وہ لڑکا ہو جو بالغ تو ہو چکا ہو لیکن سمجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے مال اس کے حوالہ نہ کیا گیا ہو۔

دلیل ثانی: ان کا دوسرا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر سے بھی ہے **عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابیه أنه قال: کانت عائشة تلینی انا واخالی یتیمین فی حجرها فکانت تخرج من اموالنا الزکاة۔**

اس دلیل کے وہی جوابات ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: نسائی شریف جلد ۲ ص ۲۰۳ اور ابوداؤد شریف جلد ۲ ص ۶۰۴ کتاب الحدود میں مشہور حدیث ہے **رفع القلم عن ثلاث، عن النائم حتی یستیقظ و عن الصغیر حتی یکبر و عن المجنون حتی یعقل او یفیق.** اس میں نابالغ کو صراحۃً غیر مکلف قرار دیا گیا ہے لہٰذا اس پر نماز وغیرہ دوسرے واجبات کی طرح زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہوگی۔

دلیل ثانی: کتاب الآثار میں اور اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ ص ۱۵۰ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے **لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ** اور ان کا دوسرا اثر ان الفاظ سے بھی مروی ہے **انه سئل عن مال الیتیم فقال احصن ماله ولا تزکیه۔**

دلیل ثالث: اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے **وقال علیه اجماع الصحابة رضی اللہ عنہم هکذا قال سعید بن المسیب لا تجب الزکوٰۃ الا علی من وجبت علیه الصلوٰۃ والصیام۔**

باب مَا جَاءَ أَنَّ الْعَجْمَاءَ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَجْمَاءُ جَرْحُهَا جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیوان کے کسی کو زخمی کرنے پر اور کسی کے کنوئیں یا کان میں گر کر زخمی یا ہلاک ہونے پر کوئی دیت نہیں اور دفن شدہ خزانے پر پانچواں حصہ ہے اس باب میں

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو، عبادہ بن صامت، عمرو بن عوف مزنی اور جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: العجماء: حیوان کو کہتے ہیں عجمہ کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ "**لانها لا تتكلم**" چونکہ یہ جانور کلام نہیں کر سکتے۔

الجرح: زخم اور زخمی کرنا۔ جبار اس کا معنی ہے **الهدر یعنی لیس فیه ضمان**۔

جانور کے ہدر کا حکم: اب اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ جانور بدک کر مالک سے چھوٹ جائے اور کسی کا جانی یا مالی نقصان کر دے تو یہ ہدر ہے اسکے مالک پر کوئی تاوان نہیں کیونکہ یہاں مالک بے قصور ہے اور اگر اسکے ساتھ کوئی مالک سائق ہو یا راکب ہو اور مالک کی غفلت یا مالک کے قصور سے جانور کسی کا نقصان کر دے تو جمہورؒ کے نزدیک اسکا ضمان آئیگا۔ اور اگر کوئی ساتھ نہ ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہورؒ کے نزدیک اگر دن میں نقصان کرے تو مالک پر ضمان نہیں آئے گا اور اگر رات میں کیا تو مالک پر ضمان آئے گا۔ کیونکہ زمین والوں پر اپنی زمین کی نگرانی دن میں ضروری ہے اور رات میں جانور والے پر ضروری ہے کہ اپنے جانور کو حفاظت کے ساتھ رکھے۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک مالک پر مطلقاً ضمان واجب نہیں خواہ دن ہو یا رات ہو۔

جمہورؒ کی دلیل: ابوداؤد شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں رات و دن کی تفصیل موجود ہے۔

جواب اوّل: محدثین کرام نے اس کو معلول قرار دیا ہے۔

جواب ثانی: حضرت انور شاہ صاحبؒ نے اس پر ایک توجیہ بیان کی ہے کہ دن رات کی تفصیل کو عرف وعادت پر محمول کیا جائے کہ اگر کسی شہر میں عرف وعادت ہو کہ رات میں جانوروں کو باندھ کر رکھتے ہیں تو جمہورؒ کا قول معتبر ہے اگر یہ عرف وعادت نہ ہو تو عام روایت پر عمل کرنا چاہیے۔

احنافؒ کی دلیل: حدیث مذکورہ ہے جس کی صحت میں کسی کا اختلاف نہیں۔

وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ: یہاں پر تین الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ① کنز ② معدن ③ رکاز۔

کنز: اس مال کو کہا جاتا ہے جس کو کسی نے زمین میں دفن کیا پھر وہ بھول گیا بعد میں وہ کسی دوسرے کو مل گیا۔

معدن: وہ مال جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر پیدا کیا ہے ان دونوں کی تعریف میں سب کا اتفاق ہے۔

اور رکاز کی تعریف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک رکاز کنز کا مرادف ہے یعنی جو کنز ہے وہ رکاز ہے اور جو رکاز ہے وہ کنز ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور عراقیین کے نزدیک رکاز عام ہے کنز اور معدن دونوں کو شامل ہے لہٰذا انکے نزدیک کنز میں خمس واجب ہوگا۔ اور معدن کے رکاز میں شامل ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف کی بناء پر اسکے خمس میں بھی اختلاف ہو گیا کہ معدن میں خمس ہے یا نہیں تو احنافؒ کے نزدیک رکاز میں شامل ہونے کی وجہ سے خمس ہوگا اور حجازیین کے نزدیک رکاز میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے خمس نہیں ہوگا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ یہاں رکاز معدن کے مقابلے میں آیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ معدنیات میں خمس معاف ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں رکاز کا معدن پر عطف ہوا ہے جو تغایر چاہتا ہے لہٰذا معدن دوسری چیز ہے

اور رکاز دوسری چیز ہے۔

جواب: اس حدیث میں اولا مسئلہ ضمان کا بیان ہے کہ کان کھودتے وقت جو مزدور اس میں گر کر ہلاک ہو جائے تو اس کا خون معاف ہے اور پھر مسئلہ خمس کا بیان ہے کہ خمس کنز و معدن دونوں ہی میں واجب ہے لقولہ علیہ السلام "وفی الرکاز الخمس" حاصل یہ ہے کہ پہلے ظرف اور پھر مظروف کا حکم مذکور ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: رکاز مرکوز کے معنی میں ہے بمعنی گاڑنا یا ثابت کرنا "الرکاز ھو المعدن والکنز لان کلامنھما مرکوز فی الارض وان اختلف الراکز"۔

دلیل ثانی: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث ہے آنحضرت ﷺ نے کنز کے متعلق ارشاد فرمایا "ان وجدتہ فی خربۃ جاھلیۃ او فی قریۃ غیر مسکونۃ ففیہ وفی الرکاز الخمس" (رواہ ابوداؤد)

معدن کی تین قسمیں ہیں۔ ① جو ٹھوس تو ہوں لیکن پگھل جانے والی ہوں جیسے سونا، چاندی اور لوہا وغیرہ۔ ② جو ٹھوس نہ ہوں جیسے پانی، تیل اور گندھک وغیرہ۔ ③ جو ٹھوس ہوں لیکن پگھلنے والی نہ ہوں جیسے چونا، ہڑتال، پتھر اور نمک وغیرہ اوّل قسم میں خمس واجب ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اوّل قسم کے صرف سونا چاندی میں خمس واجب ہے لوہے وغیرہ میں نہیں ہے۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۴۹)

وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ: اگر کسی شخص نے اپنی مِلک میں یا ارض موات میں امام کی اجازت سے کنواں کھودا اور اس میں کوئی شخص گر کر مر گیا تو اس کنواں کھودنے والے پر کچھ واجب نہ ہوگا البتہ اگر یہ کنواں راستہ میں کھودا ہے تو پھر کھودنے والے کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ دیت دس اونٹ یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار ہیں۔ اسی طرح اگر کنواں کھودتے ہوئے مزدور دب کر مر گیا تو مالک پر ضمان نہیں یہ تشریح حدیث کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ انسان کے عاقلہ اس کے مددگار لوگ کہلاتے ہیں خواہ اس کا قبیلہ اور خاندان ہو یا اس کا محکمہ ہو۔

سوال: غلطی بغیر قصد کے ایک شخص کی ہے مگر تاوان اس کے خاندان یا محکمہ پر کیوں ہے؟

جواب: یہ غلطی اگرچہ بغیر قصد کے ہے مگر اس کو چاہیے تھا کہ احتیاط کرتا اور ہو سکتا ہے اب بھی اس غلطی پر نادم نہ ہو اسلئے اس کے خاندان پر یا محکمہ پر تاوان کی ادائیگی لازم کر دی تاکہ آئندہ اس کی نگرانی کی جائے اور آئندہ کسی بڑے حادثے کا سبب نہ بن جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخَرْصِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ أَخْبَرَنِي خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ مَسْعُودِ بْنِ نِيَارٍ يَقُولُ جَاءَ سَهْلُ بْنُ أَبِي حَثْمَةَ إِلَى مَجْلِسِنَا فَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

خبیب بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مسعود بن نیار کو فرماتے ہوئے سنا کہ سہل بن ابی حثمہ ہماری مجلس میں تشریف لائے اور ہمیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی چیز کا اندازہ لگالو تو اسے لے لو اور تیسرا حصہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَعَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْخَرْصِ وَبِحَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَالْخَرْصُ إِذَا أَدْرَكَتِ الثِّمَارُ مِنَ الرُّطَبِ وَالْعِنَبِ مِمَّا فِيهِ الزَّكَاةُ بَعَثَ السُّلْطَانُ خَارِصًا فَخَرَصَ عَلَيْهِمْ الْخَرْصُ أَنْ يَنْظُرَ مَنْ يُبْصِرُ ذٰلِكَ فَيَقُولُ يَخْرُجُ مِنْ هٰذَا مِنَ الزَّبِيبِ كَذَا وَمِنَ التَّمْرِ كَذَا وَكَذَا فَيُحْصِي عَلَيْهِمْ وَيَنْظُرُ مَبْلَغَ الْعُشْرِ مِنْ ذٰلِكَ فَيُثْبِتُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ يُخَلِّي بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الثِّمَارِ فَيَصْنَعُونَ مَا أَحَبُّوا فَإِذَا أَدْرَكَتِ الثِّمَارُ أُخِذَ مِنْهُمُ الْعُشْرُ هٰكَذَا فَسَّرَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهٰذَا يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ حَدَّثَنَا أَبُو عَمْرٍو مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِينِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ التَّمَّارِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبْعَثُ عَلَى النَّاسِ مَنْ يَخْرُصُ عَلَيْهِمْ كُرُومَهُمْ وَثِمَارَهُمْ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي زَكَاةِ الْكُرُومِ إِنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا يُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ زَبِيبًا كَمَا تُؤَدَّى زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى ابْنُ جُرَيْجٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا فَقَالَ حَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَحَدِيثُ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيدٍ أَصَحُّ

چھوڑ دو اگر تیسرا حصہ نہ چھوڑو تو چوتھا حصہ چھوڑ دو اس باب میں حضرت عائشہ، عتاب بن اسید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا عمل خرص میں سہل بن ابی حثمہ کی حدیث پر ہی ہے امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے خرص یعنی تخمینہ سے مراد یہ ہے کہ جب ایسی کھجور اور انگور وغیرہ کا پھل پک جائے جن میں زکوۃ ہے تو حکمران ایک تخمینہ لگانے والے کو بھیجتا ہے تا کہ معلوم کر سکے کہ اس سے کتنی مقدار میں پھل وغیرہ اترے گا اس اندازہ لگانے والے کو خارص کہتے ہیں خارص اندازہ لگانے کے بعد انہیں اس کا عشر بتا دیتا ہے کہ پھلوں کے اترنے پر اتنی زکوۃ ادا کرنا پھر وزن کرنے کے بعد مالک کو اختیار دیتا ہے کہ وہ جو چاہیں کریں پھر جب پھل پک جائے تو اس سے اس کا عشر لے لے بعض علماء نے اس کی یہی تفسیر کی ہے امام مالک، شافعی، احمد اور اسحاق بھی یہی کہتے ہیں۔

عتاب بن اسید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے پھلوں اور انگوروں کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا کرتے تھے اور ایسی اسناد سے یہ بھی مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگوروں کی زکوۃ کے متعلق فرمایا کہ انگوروں کا اندازہ بھی اسی طرح لگایا جائے جس طرح کھجوروں کا اندازہ لگایا جاتا ہے پھر خشک ہونے کی صورت میں زکوۃ دی جائے جس طرح کھجوروں کی زکوۃ خشک کھجوروں سے دی جاتی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ابن جریج نے اسے ابن شہاب سے وہ عروہ سے اور وہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ابن جریج کی حدیث غیر محفوظ ہے اور سعید بن مسیب کی عتاب بن اسید سے روایت اصح ہے۔

تشریح: **الخرص:** اس کا لغوی معنی ہے اندازہ لگانا اگر اس کو زکوٰۃ کے ابواب میں دیکھا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکمران لوگوں کے کھیتوں اور باغوں میں پھلوں کے پکنے سے پہلے کچھ آدمی بھیجے جو یہ اندازہ لگائیں کہ اس سال اس کی پیداوار کتنا ہوگی پھر اس تفصیل کا اپنے رجسٹر میں اندراج کرلیں اور پھر اس میں یہ اندازہ لگائیں کہ اس پر کتنا عشر واجب ہوگا اسکا نام خرص ہے۔

خرص جائز ہے کہ نہیں؟ اس کے بارے میں ائمہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کا قول جدید یہ ہے کہ خرص جائز ہے حکومت یا بیت المال کے کارندے جو مقدار مقرر کر کے گئے ہیں جب یہ پھل توڑلیں اور گندم کاٹ دیں اور مزارعت یا مساقاۃ میں پھل تیار ہوجائیں تو عامل آکر مذکورہ رجسٹر کی تعداد کے بقدر عشر وصول کرلے گا اس میں کمی نہیں کرے گا کیونکہ یہ غریبوں کا حق ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کے رجسٹر میں جو اندراج ہے اس کے مطابق عشر نہیں لے گا بلکہ ایک ثلث یا کم از کم ایک چوتھائی کم کر کے باقی کا عشر لے گا کیونکہ ان کا اندازہ غلط بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ باغ میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے کہ چرند پرند کھائیں گے چور وغیرہ بھی لے جاسکتے ہیں اس لئے کم کرنا قیاس کے موافق ہے۔

تخمینہ یا اندازہ لگانے میں حکمت یہ ہے کہ ارباب زراعت آزاد ہوجائیں گے اور زکوٰۃ لینے والے بھی بے فکر ہوجائیں گے ان کو لوگوں کی پیداوار کی نگرانی بھی نہیں کرنی پڑے گی اور یہ اندیشہ بھی نہیں رہے گا کہ اہل زراعت اور مساقاۃ والے کچھ غبن کردیں گے تاکہ انہیں عشر نہ دینا پڑے۔

غلط فہمی کا ازالہ: یہ بات مشہور ہے کہ احناف کے نزدیک خرص کا اعتبار نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خرص کا اعتبار ہے پھر اس بارے میں اشکال ہوتا ہے کہ جب خرص کے بارے میں صحیح حدیث موجود ہے تو پھر خرص کا اعتبار کیوں نہیں کرتے۔

احناف کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کا مالک تخمینہ اور اندراج کے غلط ہونے کی بات کہے اور رجسٹر میں جو درج ہے اتنی پیداوار کے نہ ہونے کا دعویٰ کرے تو خرص کا اعتبار نہیں کیونکہ اندازہ میں غلطی ہونے کا احتمال ہے۔

باقی احناف کے نزدیک خرص لازم نہیں اور خرص کرنا ضروری بھی نہیں بلکہ حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے اس لئے احناف کی کتب فقہ میں یہ مسئلہ نہیں لیا گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے یعنی **سھل بن ابی حثمۃ** کی روایت ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں **اذا خرصتم فخذوا۔**

جواب: یہ حدیث زکوٰۃ کے متعلق نہیں بلکہ خیبر کے یہود کے ساتھ جو مزارعت اور مساقاۃ کا معاملہ تھا اس کے بارے میں ہے کیونکہ وہ لوگ معاملہ میں خیانت کرتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کے لئے جو حکم دیا تھا کہ ان کے لئے نصف پھل اور مسلمانوں کے لئے نصف پھل ہے تو نبی کریم ﷺ نے از روئے کرم حکم دیا تھا کہ اپنے اندازے سے کچھ کم کر کے اس کا آدھا لو تاکہ ہماری طرف ان کا حق نہ آجائے ہمارا حق ان کی طرف رہ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (التعلیق الصبیح ص ۳۹۵)

دلیل ثانی: اسی باب میں آگے روایت آرہی ہے **ان النبی ﷺ کان یبعث علی الناس من یخرص علیھم**

کرومھم و ثمارھم. کروم انگوروں کی بیل کو کہتے ہیں اور ثمار ہر قسم کے پھل کو یہاں کھجور مراد ہے۔

جواب: امام ترمذیؒ خود اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن جریج نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے مگر وہ سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچاتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس کو غلط قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت عائشہؓ کی حدیث نہیں بلکہ عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

جمہور حضرات کا استدلال: وہ احادیث مبارکہ ہیں جن میں بیع مزابنہ سے منع کیا گیا اور بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے عوض میں فروخت کرنا۔ اس کے بارے میں باب البیوع میں باب آئے گا "**باب ما جاء فی النھی عن المحاقله والمزابنة**۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے "**نھی رسول الله ﷺ عن المحاقلة والمزابنة**۔

ودعوا الثلث فان لم تدعوا الثلث فدعوا الربع: اس جملہ کی وضاحت میں ائمہ نے اپنے اپنے اقوال میں تفصیل بیان کی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی شرح: جس وقت حکومت کے آدمی پیداوار کا اندازہ لگا رہے ہوں تو اندازہ لگانے میں حقیقی مقدار سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی کم کا اندازہ لگانا چاہیے کیونکہ پھلوں کے پکنے تک اتنی مقدار کے سوکھ جانے، گر جانے یا چوری ہو جانے کا احتمال ہے۔ چونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پیداوار کی کوئی مقدار عشر سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل: جب اس طرح عشر وصول کیا جا رہا ہو تو اس وقت اندازے سے جتنی پیداوار حاصل ہوئی تو عشر کی وصولی کے وقت اس سے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی عشر وصول کرنا چاہیے کیونکہ ایک اندازے میں غلطی کا احتمال ہے دوسرا یہ بھی ممکن ہے کہ پھلوں سے پکنے کے وقت کچھ خراب ہو جائیں یا کچھ نقصان ہو جائے۔ لہٰذا عشر وصول کرتے وقت جتنی مقدار لکھی جا چکی تھی اس میں ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ کر باقی پیداوار سے عشر وصول کرے۔

ابن عربی مالکی کی رائے: جب خرص کے بعد پھل تیار ہو جائے اور عشر والا عشر وصول کرنے کیلئے آجائے تو زمیندار یا کاشتکار نے جتنی محنت اور اخراجات اس پیداوار پر لگائے ہیں وہ پیداوار میں سے اس کے مقدار کے برابر اس سے نکال لے باقی جو بچ جائے اس سے عشر دیدے۔

صاحبین کی رائے: فرماتے ہیں کہ کاشتکار یا زمیندار کی محنت کے بقدر تو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا البتہ کاشتکار کے گھر والوں نے اس سے جو لیا یا کھایا وہ عشر سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا چونکہ اہل وعیال کے کھانے کی کوئی مقدار متعین نہیں اس لئے شریعت نے اس کی مقدار ثلث یا ربع کے مساوی قرار دی۔ اس لئے خاص طور پر ثلث یا ربع کا ذکر کیا گیا۔

مالکیہ کی رائے: ایک تہائی یا چوتھائی مقدار کے برابر مالک کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ از خود کسی فقیر کو دے دے مالک کے لئے یہ ضروری نہیں کہ فقیر کا حصہ بھی وہ بیت المال میں جمع کروا دے۔ (کما فی عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۶۴ تا ۶۹)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَامِلِ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

عِيَاضٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ ح وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلٰى بَيْتِهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَيَزِيدُ بْنُ عِيَاضٍ ضَعِيفٌ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَحَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ أَصَحُّ.

ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے انصاف کے ساتھ زکوٰۃ لینے والا عامل اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی طرح ہے یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ آئے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اور یزید بن عیاض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں جب کہ محمد بن اسحاق کی روایت اصح ہے۔

تشریح: اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا شریعت کے اصولوں کے مطابق زکوٰۃ وصول کرے اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے اور نہ ہی صاحب مال کو نقصان پہنچائے اور نہ ہی بیت المال کو نقصان پہنچائے تو ایسا شخص اتنے ثواب کا مستحق ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جنگ کرنے والے کو ثواب ملتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہے عامل کو گاؤں گاؤں اور گھر، گھر میں جانا پڑتا ہے اور کبھی کھیتوں میں جانا پڑتا ہے پھر جب وہ زکوٰۃ کا مال وصول کر لیتا ہے تو بیت المال تک پہنچنے میں چوری چکاری کا بھی خطرہ ہے یہ مالیات کا مسئلہ بڑا نازک ہے اس لئے اس کام کی دقت، دشواری اور نزاکت کے لحاظ سے بھی ثواب زیادہ ہے۔

قال ابوعیسیٰ: حدیث الباب کی دو سندیں ہیں پہلی سند میں یزید بن عیاض ضعیف راوی ہے اور دوسری سند میں محمد بن اسحاق مدلس راوی ہے اور وہ عن سے روایت کرتے ہیں امام ترمذیؒ نے محمد بن اسحاق کی سند کو اصح قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ تَكَلَّمَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فِي سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ وَهٰكَذَا يَقُولُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَيَقُولُ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ وَابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سِنَانِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ وَالصَّحِيحُ سِنَانُ بْنُ سَعْدٍ وَقَوْلُهُ الْمُعْتَدِي فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا يَقُولُ عَلَى الْمُعْتَدِي

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا زکوٰۃ لینے میں زیادتی کرنے والا زکوٰۃ نہ دینے والے کی طرح ہے اس باب میں حضرت ابن عمر، ام سلمہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اس لئے کہ احمد بن حنبل نے سعد بن سنان کے متعلق کلام کیا ہے لیث بن سعد سے بھی ایسی ہی روایت ہے وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ سعد بن سنان سے اور وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا کہ صحیح نام سنان بن سعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا کہ زکوٰۃ میں زیادتی کرنے والا زکوٰۃ نہ دینے والے کی طرح ہے اس کا مطلب یہ

مِنَ الْإِثْمِ كَمَا عَلَى الْمَانِعِ إِذَا مَنَعَ. ہے کہ اس پر اتنا ہی گناہ ہے جتنا گناہ زکوۃ نہ دینے والے پر ہے۔

تشریح: صدقہ، عشر لینے اور دینے والوں کے درمیان دائر ہوتا ہے زکوٰۃ وصول کرتے وقت مالک اور عامل دونوں کیلئے کچھ ذمہ داریاں اور کچھ اصول ہیں۔ اگر ان اصولوں کے پابند رہیں گے تو کسی کا حق کھانے کے گناہ سے بچ جائیں گے۔ مثلاً عامل کیلئے یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حق سے زائد صدقہ طلب نہ کرے یا مالک کے مال میں سے عمدہ مال نہ لے اگر زکوٰۃ لینے والا ایسا کام کرے گا تو لوگ زکوٰۃ دینے سے رک جائیں گے تو پھر یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کسی کے پاس عامل صدقہ لینے گیا تو اس نے صدقہ (زکوٰۃ) دینے سے انکار کر دیا۔ تو اس طرح عامل بھی گناہ گار ہوگا۔ حدیث الباب میں ''المعتدی فی الصدقۃ'' سے یہی عامل مراد ہے۔

المعتدی فی الصدقۃ کی دوسری صورت یہ ہے کہ وہ حکومت کو نقصان پہنچاتا ہے اور اصحاب مال کو فائدہ پہنچاتا ہے اس طور پر کہ ان سے پورا صدقہ وصول نہیں کرتا۔ یہ دونوں صورتیں المعتدی فی الصدقۃ کی ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ عامل نہ تو حکومت کا نقصان کرتا ہے اور نہ ہی اصحاب اموال کا بلکہ جو حق بنتا ہے وہی لیتا ہے۔ اصحاب الاموال کو تنگ کرنے والا معتدی ہے اور حکومت کو نقصان پہنچانے والا بھی معتدی ہے۔

ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ وہ اصحاب الاحوال سے یہ کہہ کر کم وصول کرتا ہے کہ اس سے مجھے بھی کچھ ہدیہ دے دو میں تمہیں رعایت کر دوں گا۔

پانچویں صورت بھی ہے کہ یہ ہدیہ لینے والی صورت سے سد الذرائع منع کیا گیا جیسا کہ ایک آدمی دیانت داری سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے لیکن لوگ اس کی دیانتداری اور امانت داری کے باعث اس کو کچھ ہدیہ دے دیتے ہیں اگرچہ اس شخص نے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچایا لیکن پھر بھی نبی کریم ﷺ نے اس ہدیہ کو لینے سے منع کر دیا۔ سد الذرائع اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو ہر عامل اپنے لئے مال جمع کرنے لگے گا اور بہانہ یہ لگائے گا کہ یہ چیز مجھے ہدیہ میں ملی ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ کہیں اس نے بطور رشوت لیا ہے یا کسی کو ڈرا دھمکا کر لیا ہے یا اس کو کسی نے ہدیہ دیا ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے منع فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک عامل جب صدقہ وصول کر کے لایا تو اس نے کہا کہ یہ مال مجھے ہدیہ میں ملا ہے اس پر آپ ﷺ نے ناراضگی وغصہ کا اظہار فرمایا اور یہ حدیث ارشاد فرمائی **ھلا جلس فی بیت ابیہ و امہ فیری ایھدی الیہ ام لا** کہ تو اپنے ماں باپ کے گھر پر کیوں بیٹھا نہیں رہا اور تو دیکھتا کہ کون تجھے ہدیہ لا کر دیتا ہے اور کون ہدیہ لا کر نہیں دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ وصولی کے دوران ہدیہ لینا جائز نہیں۔

ماقبل حدیث الباب ''**العامل علی الصدقۃ بالحق کالغازی فی سبیل اللہ حتی یرجع الی بیتہ**'' میں عامل بالحق سے مراد ''من یاخذ مالہ حق'' ہے اور اس حدیث الباب میں **المعتدی** سے مراد ''**من یاخذ مالیس لہ حق**'' ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رِضَا الْمُصَدِّقِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جریر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس زکوۃ کا عامل آئے تو اسے اس وقت تک

إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلَا يُفَارِقَنَّكُمْ إِلَّا عَنْ رِضًى حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَرِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَحْوِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُجَالِدٍ وَقَدْ ضَعَّفَ مُجَالِدًا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ كَثِيرُ الْغَلَطِ.

جدا نہ کرو جب تک وہ تم سے خوش نہ ہو جائے۔ ابوعمار، سفیان، داؤد، شعبی نے جریر سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اوپر کی حدیث کی مثل روایت کی امام ترمذیؒ فرماتے ہیں داؤد کی شعبی سے مروی حدیث مجالد کی حدیث سے اصح ہے اور مجالد کو بعض اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے اور وہ بہت غلطیاں کرنے والے ہیں۔

تشریح: اس باب میں پیداوار کے مالک کو سبق دلانا مقصود ہے کہ جب تمہارے پاس زکوٰۃ وغیرہ لینے والا آئے تو تم اس کو اپنے اموال سے زکوٰۃ دے کر خوش کر کے واپس بھیجو ناراض کر کے واپس نہیں بھیجنا۔ پہلے عاملین کے لئے زبردست خطاب تھا کہ تم کسی طرح بھی زکوٰۃ کی وصولی میں کسی سے خیانت نہ کرو اور ان چار صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے۔ شریعت نے جانبین کی رعایت کرتے ہوئے دونوں فریقوں کو تلقین کی کہ دونوں ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں۔

بسا اوقات زکوٰۃ دینے والا اپنا مال لے کر دور چلا جاتا ہے تاکہ عامل اس تک نہ پہنچ سکے اور کبھی عامل دور سڑک پر پہنچ کر نیچے پیدل جانے کے بجائے لوگوں کو وہیں بلاتا ہے تو لوگوں کو اموال کے ساتھ وہاں پہنچنے میں تکلیف ہوگی۔ تو نبی کریم ﷺ نے ان دونوں صورتوں کو منع کر دیا۔ یہ بھی حکم ہے کہ عامل ان سے جدا ہو اس حال میں کہ وہ راضی ہو اگر چہ وہ ظلم بھی کرے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے پوچھا اگر چہ وہ ہم پر ظلم کریں آپؐ نے فرمایا ہاں اگر چہ وہ تم پر ظلم بھی کریں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ عامل ظلم کرے پھر بھی زکوٰۃ دو۔

لیکن امام نوویؒ نے فرمایا کہ اگر عامل ظلم کرے اور حق زیادہ مانگے تو اس کو نہ دے۔ جمہور احناف کا مسلک بھی یہی ہے کہ اگر عامل شریعت کے دائرے میں رہ کر زکوٰۃ وصول کرے تو مالک اس کو خوش رکھے لیکن اگر وہ بہت زیادہ تجاوز کرتا ہے تو پھر اس کو راضی کر کے بھیجنا ضروری نہیں۔ (کمافی البیہقی معارف السنن جلد ۵ ص ۲۵۵)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّدَقَةَ تُؤْخَذُ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ فَتُرَدُّ عَلَى الْفُقَرَاءِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَدِمَ عَلَيْنَا مُصَدِّقُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَجَعَلَهَا فِي فُقَرَائِنَا وَكُنْتُ غُلَامًا يَتِيمًا فَأَعْطَانِي مِنْهَا قَلُوصًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي جُحَيْفَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

عون بن ابوجحیفہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عامل زکوۃ لینے کے لئے آیا اور اس نے مالداروں سے زکوۃ وصول کرنے کے بعد ہمارے غریبوں میں تقسیم کر دی ایک ان میں یتیم بچہ تھا پس مجھے بھی اس میں سے ایک اونٹنی دی اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن جحیفہ کی حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: دور اول میں زکوٰۃ کی وصولی اور غریبوں میں زکوٰۃ کی تقسیم کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ عامل زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد

اسی علاقے کے غریبوں میں تقسیم بھی کر دیا کرتا تھا جاتے وقت بھی خالی ہاتھ جاتا اور آتے وقت بھی خالی ہاتھ آتا اور تقسیم کرتے وقت جو مال بچ جاتا عامل اسے مدینہ منورہ لے آتا۔ یعنی دور اوّل میں وصولی کا محکمہ اور تقسیم کا محکمہ ایک ساتھ تھا۔ لیکن بعد میں دونوں محکمے الگ الگ ہو گئے وصولی کرنے والا عامل وصول کرے گا اور تقسیم کرنے والا تقسیم کرے گا ان کے پاس ملک کے غرباء کی فہرست موجود ہوگی اور وہ ہر ایک کا حصہ اس کے گھر پہنچائیں گے یہ دونوں یعنی وصولی کرنے والے اور تقسیم کرنے والے العاملین علیہا ہیں۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر زکوۃ کی منتقلی جائز ہے کہ نہیں؟ اس بارے میں مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الزَّكَاةُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ وَقَالَ عَلِيٌّ أَخْبَرَنَا شَرِيكٌ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَسْأَلَتُهُ فِي وَجْهِهِ خُمُوشٌ أَوْ خُدُوشٌ أَوْ كُدُوحٌ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا يُغْنِيهِ قَالَ خَمْسُونَ دِرْهَمًا أَوْ قِيمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ شُعْبَةُ فِي حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ مِنْ أَجْلِ هٰذَا الْحَدِيثِ. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُثْمَانَ صَاحِبُ شُعْبَةَ لَوْ غَيْرُ حَكِيمٍ حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَهُ سُفْيَانُ وَمَا لِحَكِيمٍ لَا يُحَدِّثُ عَنْهُ شُعْبَةُ قَالَ نَعَمْ قَالَ سُفْيَانُ سَمِعْتُ زُبَيْدًا يُحَدِّثُ بِهٰذَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَصْحَابِنَا وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَالُوا إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ خَمْسُونَ دِرْهَمًا لَمْ تَحِلَّ لَهُ الصَّدَقَةُ قَالَ وَلَمْ يَذْهَبْ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے سوال کیا اس حال میں کہ اس کے پاس اتنا مال ہے جو اسے غنی کر دے وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس سوال کی وجہ سے اس کا منہ چھیلا ہوگا راوی کو شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خموش فرمایا خدوش یا کدوح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ کفایت کے بقدر مال کتنا ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا۔ اس باب میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن مسعودؓ حسن ہے شعبہ نے حکیم بن جبیر پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے۔ محمود بن غیلان، یحییٰ بن آدم، سفیان، حکیم بن جبیر سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اس پر شعبہ کے شاگرد عبداللہ بن عثمان نے سفیان سے کہا کاش کہ حکیم کے علاوہ کسی اور نے یہ حدیث روایت کی ہوتی سفیان نے کہا حکیم کو کیا ہے؟ کیا شعبہ ان سے روایت نہیں کرتے انہوں نے کہا ہاں سفیان نے کہا میں نے زبید کو بھی محمد بن عبدالرحمٰن بن یزید کے حوالے سے یہی حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے اسی پر ہمارے بعض علماء کا عمل ہے اور یہی ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، احمدؒ اور اسحاق کا قول ہے کہ اگر کسی کے پاس پچاس درہم ہوں تو اس کے لئے زکوۃ لینا جائز

بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى حَدِيثِ حَكِيمِ بْنِ جُبَيْرٍ وَوَسَّعُوا فِي هٰذَا وَقَالُوا إِذَا كَانَ عِنْدَهُ خَمْسُونَ دِرْهَمًا أَوْ أَكْثَرُ وَهُوَ مُحْتَاجٌ فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الزَّكَاةِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ.

نہیں لیکن بعض اہل علم حکیم بن جبیر کی حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کے ہاں پچاس یا اس سے زیادہ درہم بھی ہوں تو بھی اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہو اور یہ امام شافعیؒ اور دوسری علماء فقہاء کا قول ہے۔

تشریح: الاوّل: ان یملك نصابًا نامیا من جنس واحد۔ جس کے پاس بقدر نصاب مال نامی موجود ہو اور وہ ایک جنس کا ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اس شخص کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

والثانی: ان یملك قدر نصاب غیر نام زائدًا علی قدر حاجته کہ اس کے پاس مال تو بقدر نصاب ہو لیکن نامی نہ ہو اگر حاجت سے زائد ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں لیکن اس کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اس پر قربانی اور صدقہ فطر واجب ہے۔

والثالث: من لا یملك نصابًا جس شخص کے پاس مال غیر نامی بھی نصاب کے بقدر نہ ہو سکے اور پر زکوٰۃ واجب نہیں اور نہ ہی قربانی اور صدقہ فطر اسکے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے البتہ اسکے لئے سوال کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ ایک دن اور ایک رات کے کھانے کا مالک ہو۔ البتہ جس شخص کے پاس ایک دن اور ایک رات کا کھانا موجود نہ ہو تو اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔ **کما هو مذهب الاحناف**

علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کونسا غنا سوال کرنے سے مانع ہے اس کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔

احناف کا قول وہی ہے جو اوپر گزرا یعنی جس کے پاس ایک دن رات کا کھانا ہو تو اس کے لئے سوال جائز نہیں۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔

① یہ کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم سے کم ہوں اس کے لئے سوال کرنا جائز ہے۔ اتنا مال اس کے پاس موجود نہ ہو جو اسے کافی ہو سکے یہی روایت سفیان ثوریؒ، امام نخعیؒ، ابن المبارکؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک ہے۔

② دوسری روایت یہ ہے کہ جس سے وہ ایک دن ایک رات گزارا کر سکے اتنی مقدار میں ہو تو اس پر صدقہ لینا حرام ہے۔

امام احمد کی دلیل: جس شخص کے پاس پچاس درہم سے کم ہوں اس کے لئے سوال جائز نہیں دلیل یہی حدیث الباب ہے کہ جس میں آنحضرت ﷺ نے **وما یغنیه** کی تفسیر **خمسون درهما** سے کی ہے۔

جواب: اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم ہوں اس کے لئے سوال جائز نہیں لیکن جس شخص کے پاس اس سے کم ہوں اس کے لئے سوال کی اجازت اور عدم اجازت سے اس حدیث میں سکوت ہے۔ جبکہ ابوداؤد شریف کی روایت میں پوری حد مقرر کی گئی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف کی روایت ہے جس میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا **وما الغنی الذی لا ینبغی معه المسئلة قال: قدر ما یغدیه ویعشیه**۔ (ابوداؤد جلد ا ص ۲۳۰)

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف جلد اوّل ص ۲۳۰ **باب من یعطی من الصدقة وهو حد الغنی** میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث مرفوع ہے **لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی**۔ ذی مرۃ کے معنی صاحب قوت اور سوی کے معنی سلیم الاعضاء کے ہیں۔

ومسئلته فی وجهه خموش او خدوش: بعض حضرات نے ان تمام الفاظ کو مترادف شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا معنی ایک ہی ہے اور الگ الگ الفاظ کا ذکر راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ان کے معانی الگ الگ ہیں۔ کہ خمش میں مبالغہ زیادہ ہے خدش سے اور خدش میں مبالغہ زیادہ ہے کدح سے اور یہ مبالغہ سائل کے اعتبار سے ہے اگر سائل صرف سوال کرے تو خمش ہے اور اگر سوال میں مبالغہ کرے تو یہ خدش ہے اور اگر سائل سوال میں مزید مبالغہ کرے اور لینے میں زبردستی کرے تو یہ کدح ہے۔ بعض حضرات نے کہا خدش کہتے ہیں جلد کو لکڑی کے ساتھ کریدنا اور خمش کہتے ہیں جلد کو ناخن کے ساتھ کریدنا اور کدح کہتے ہیں کہ جلد کو دانت کے ساتھ کریدنا یا کاٹنا۔

لہٰذا ان تینوں اقسام کے ذکر کرنے کی وجہ سائلین کے تفاوت احوال کی وجہ سے ہے کہ جو شخص سوال کم کرے قیامت کے دن اس کے چہرے پر ہلکا سا زخم ہوگا یہ خموش ہے اور جو شخص بہت زیادہ سوال کرے گا اس کے چہرہ پر بہت زیادہ گہرا زخم ہوگا یہ کدوح ہے اور جو شخص سوال کرنے میں درمیانی درجہ اختیار کرے گا اس کے منہ پر درمیانہ زخم ہوگا یہ خدوش ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَنْ لَا تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ح وحَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ رَيْحَانَ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ وَقَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ هَذَا الْحَدِيثَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَقَدْ رُوِيَ فِي غَيْرِ هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الْمَسْأَلَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ وَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ قَوِيًّا مُحْتَاجًا وَلَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَتُصُدِّقَ عَلَيْهِ أَجْزَأَ عَنِ الْمُتَصَدِّقِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَوَجْهُ هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْمَسْأَلَةِ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی غنی اور تندرست آدمی کو زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ حبشی بن جنادہ اور قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کو شعبہ نے بھی سعد بن ابراہیم کے حوالے سے غیر مرفوع روایت کیا ہے اس حدیث کے علاوہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ امیر اور تندرست آدمی کے لئے مانگنا جائز نہیں لیکن اگر کوئی شخص تندرست ہوتے کے باوجود محتاج ہو اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اس صورت میں اسے زکوۃ دینے والے کی زکوۃ اہل علم کے نزدیک ادا ہو جائے گی بعض اہل علم کے نزدیک اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ ایسے شخص کو سوال کرنا جائز نہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ سَعِيدٍ الْكِنْدِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ

حبشی بن جنادہ سلولی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں کھڑے تھے کہ ایک اعرابی آیا

جُنَادَةَ السَّلُولِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ وَاقِفٌ بِعَرَفَةَ أَتَاهُ أَعْرَابِيٌّ فَأَخَذَ بِطَرْفِ رِدَائِهِ فَسَأَلَهُ إِيَّاهُ فَأَعْطَاهُ وَذَهَبَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ حَرُمَتِ الْمَسْأَلَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ كَانَ خُمُوشًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرَضْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ عَبْدِ الرَّحِيمِ بْنِ سُلَيْمَانَ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کا کونہ پکڑ لیا پھر سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کچھ دیا تو وہ چلا گیا اور اسی وقت سوال کرنا حرام ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امیر اور تندرست آدمی کے لئے سوال کرنا جائز نہیں ہاں اگر کوئی فقیر یا سخت حاجت مند ہو تو اس کے لئے جائز ہے اور جو آدمی مال بڑھانے کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشیں ہوں گی ایسا شخص جہنم کے گرم پتھروں سے بھنا ہوا گوشت کھاتا ہے جو چاہے کم کھائے اور جو چاہے زیادہ کھائے محمود بن غیلان یحییٰ بن آدم سے اور وہ عبدالرحیم بن سلیمان سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

تشریح: لذی مرّۃ، کسرہ کے ساتھ اس کا معنی طاقت اور توانا والسوی معتدل الخلق پیدائش میں درمیانہ یعنی وہ لنگڑا، لولا، اندھا نہ ہو۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تندرست و توانا شخص جو کمانے پر قادر ہو تو اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ امام ترمذیؒ نے جو فرمایا لا تحل الصدقۃ اس سے مراد لا تحل المسئلۃ ہے۔ دوسری احادیث پر غور کرتے ہوئے تا کہ ان سے تعارض لازم نہ آئے۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ جو شخص قوی کمانے پر قدرت رکھتا ہے لیکن نصاب کا مالک نہیں تو اسکے لئے صدقہ لینا جائز ہے۔ اگر چہ اس کیلئے سوال کرنا حلال نہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں فرق جدا جدا ہے۔ سوال کرنے کے متعلق دو اصول وضابطے ہیں۔

① دو آدمیوں کیلئے چندہ مانگنا جائز ہے ایک ایسا غریب جو خاک نشین ہو یعنی جس کیلئے نیچے بچھانے کیلئے بھی کچھ نہ ہو۔ دوسرا وہ شخص جس پر بھاری ذمہ داری آن پڑی ہو مثلاً تادیب واجب ہوئی ہو یا اس نے کوئی دینی ادارہ بنا لیا جس میں یتیم و بے سہارا غریب بچے تعلیم حاصل کرتے ہوں انکے اخراجات کیلئے وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرتا ہے تو اس کے لئے ممانعت نہیں ہے۔

② دوسرا یہ کہ دولت جمع کرنے کی ہوس میں دست سوال دراز کرنا برا ہے۔ اس کو حدیث میں دو اشیاء کے ساتھ تشبیہ دی ہے ایک یہ کہ قیامت کے دن اس کے چہرے پر خراشوں اور زخموں کی شکل میں آئے گا۔ دوسری تشبیہ یہ ہے کہ دولت کی حرص میں مانگنا رضف یعنی گرم پتھر جو جہنم میں گرم کیا جاتا ہے اس کے کھانے کے مترادف ہے۔ رضف ایک خاص قسم کا پتھر ہے جو بہت جلد گرم ہو جاتا ہے اور اس پر کباب وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں۔ اب سوال کرنے والے کو تو وہ کباب حاصل نہیں ہوتے البتہ وہ گرم پتھر ہی کھاتا ہے۔ یہاں ان دونوں چیزوں کے ساتھ تشبیہ دینا تنفیر (نفرت دلانے) کے لئے ہے۔

بَاب مَا جَاءَ مَنْ تَحِلُّ لَهُ الصَّدَقَةُ مِنْ الْغَارِمِينَ وَغَيْرِهِمْ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْأَشَجِّ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا فَكَثُرَ دَيْنُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَجُوَيْرِيَةَ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے پھل خریدے اسے ان میں اتنا نقصان ہوا کہ وہ مقروض ہو گیا پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے صدقہ دو لیکن لوگوں کے صدقہ دینے کے باوجود اس کا قرض ادا نہ ہو سکا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرض خواہوں سے فرمایا جو تمہیں مل جائے لے لو اس کے علاوہ تمہارے لئے کچھ نہیں اس باب میں حضرت عائشہ، جویریہ اور انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: ماقبل ابواب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ زکوٰۃ کس کے لئے لینا جائز ہے اور کس کے لئے لینا جائز نہیں اور کس کے لئے سوال کرنا جائز ہے اور کس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ اب یہاں سے مصارف کو بیان کرتے ہیں جن پر زکوٰۃ خرچ کی جا سکتی ہے مصارف میں غارمین کا بھی ذکر آیا ہے۔ غارمین کسے کہتے ہیں اس کے بارے میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک: غارم سے مراد مقروض ہے یعنی وہ شخص جس کے پاس مال تو ہے لیکن اس کا سارا مال قرض میں ڈوبا ہوا ہے یا قرضہ اس کے مال سے کم ہے یا زیادہ۔ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس مال باقی نہیں بچتا یا بالکل معمولی سے بچتا ہے یہ شخص اگرچہ بظاہر غنی ہے مگر حقیقت میں فقیر ہے اس لئے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک: غارم وہ ہے جو دوسروں کی دیت (کسی نے کسی شخص کو قتل کر دیا اب قاتل کے ذمہ قصاص یا دیت ہے تو اس شخص نے قاتل کی دیت) یا ضمان اپنے ذمہ لے لے اب یہ شخص چندہ کر کے اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتا ہے خود استعمال نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مالدار ہے۔

یہ دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ اب اگر کسی کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہو اور قرضہ دو لاکھ روپے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کیونکہ زکوٰۃ اس پر آتی ہے جو قضاء اور دین سے زائد اور فارغ ہو جبکہ اس کا مال زائد نہیں۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ مال موجود ہے اور ان کے نزدیک قرضہ وجوب دین سے مانع نہیں۔ لہٰذا ان کے ہاں زکوٰۃ مدیون کے اموال ظاہرہ میں بھی واجب ہوگی اور اموال باطنہ میں بھی بشرطیکہ یہ مال نصاب کی حد کو پہنچ رہے ہوں۔

امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ کے نزدیک دین اموال باطنہ میں تو زکوٰۃ سے مانع ہے البتہ اموال ظاہرہ میں اس سے مانع نہیں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی وضاحت ماقبل میں گزر چکی ہے۔

امام شافعیؒ کا استدلال ماقبل باب کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے دو شخصوں کو مانگنے کی اجازت دی ہے ''الا لذی فقر مدقع او غرم مفظع'' یعنی جس پر گھبرا دینے والا تاوان آپڑا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کسی نے پھل خریدے اس کو نقصان ہوا جس کی وجہ سے مقروض ہوگیا آپؐ نے فرمایا اس پر صدقہ کرو لوگوں نے صدقہ کیا مگر وہ صدقہ اس کے قرض کے برابر نہیں ہوسکا تو آپؐ نے غرماء (قرضہ لینے والوں) کو فرمایا لیس لکم الا ذلک۔ اس کا ایک مطلب بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہ بطور صلح فرمایا کہ تمہارے لئے یہی کچھ ہے باقی معاف کردو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت تمہارے لئے یہی ہے تمہیں اس وقت اور نہیں ملے گا اور یہ معسر ہے اور اسکے بارے میں حکم ہے کہ فنظرة الی میسرة اسلئے جب تک اسکے پاس مال نہ آجائے اس وقت تک تم مطالبہ نہیں کرسکتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّدَقَةِ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَمَوَالِيهِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَيُوسُفُ بْنُ سَعِيدٍ الضُّبَعِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِشَيْءٍ سَأَلَ أَصَدَقَةٌ هِيَ أَمْ هَدِيَّةٌ فَإِنْ قَالُوا صَدَقَةٌ لَمْ يَأْكُلْ وَإِنْ قَالُوا هَدِيَّةٌ أَكَلَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلْمَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَأَبِي عَمِيرَةَ جَدِّ مُعَرِّفِ بْنِ وَاصِلٍ وَاسْمُهُ رُشَيْدُ بْنُ مَالِكٍ وَمَيْمُونَ بْنِ مِهْرَانَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي رَافِعٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَلْقَمَةَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي عَقِيلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدُّ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ اسْمُهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ حَيْدَةَ الْقُشَيْرِيُّ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَحَدِيثُ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اگر کوئی چیز پیش کی جاتی تو پوچھتے یہ صدقہ ہے یا ہدیہ اگر کہتے کہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کھاتے اور اگر ہدیہ ہوتا تو کھا لیتے۔ اس باب میں حضرت سلمان، ابوہریرہ، انس، حسن بن علی، معرف بن واصل کے دادا ابوعمیرہ جن کا نام رشید بن مالک ہے، میمون بن مہران، ابن عباس، عبداللہ بن عمرو، ابورافع اور عبدالرحمن بن علقمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے یہ حدیث عبدالرحمن بن علقمہ بھی عبدالرحمن بن ابوعقیل سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں بہز بن حکیم کے دادا کا نام معاویہ بن حیدہ القشیری ہے امام ابوعیسی ترمذی فرماتے ہیں کہ بہز بن حکیم کی حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ ابْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِي مَخْزُومٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِأَبِي رَافِعٍ اصْحَبْنِي كَيْمَا تُصِيبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰى آتِيَ رَسُولَ اللهِ

ابورافع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنومخزوم کے ایک شخص کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے ابورافع سے کہا تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ تمہیں بھی حصہ دوں ابورافع نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر نہیں جاؤں گا پس وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلُهُ وَنُطَلِقُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَإِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ قَالَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمُهُ أَسْلَمُ وَابْنُ أَبِي رَافِعٍ هُوَ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي رَافِعٍ كَاتِبُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حاضر ہوئے اور پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زکوۃ ہمارے لئے حلال نہیں اور کسی قوم کے غلام بھی انہیں میں سے ہوتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ابورافع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے ان کا نام اسلم ہے اور ابن ابی رافع عبیداللہ بن ابی رافع ہیں یہ علی بن ابی طالب کے کاتب ہیں۔

تشریح: **مسئلہ اولیٰ:** نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل کے لئے صدقہ واجبہ ہو یا نافلہ یہ دونوں ان کے لئے حلال ہیں۔ اس پر دلیل قرآن میں نہیں صراحۃً اور نہ ہی اشارۃً۔ اس کے لئے یہ مسئلہ سمجھ لیں۔

مسائل کی تین اقسام ہیں۔ ① وہ مسائل جن کا ثبوت قرآن مجید سے ہو اور صراحتاً آیا ہو جیسا کہ آیت **أن تجمعوا بين الاختين** میں دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع کیا گیا۔ ② دوسرے وہ مسائل جو صرف حدیث سے ثابت ہوتے ہیں قرآن میں صراحۃً نہیں البتہ قرآن سے استنباط کیا جا سکتا ہے جیسے خالہ بھانجی کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت اسی آیت سے مستنبط کی گئی ہے۔ ③ وہ مسائل کو قرآن سے صراحۃً ثابت ہیں نہ اشارۃً، بلکہ احادیث سے ثابت ہیں۔ جیسے شارب خمر کی حد کا مسئلہ یہ قرآن کی کسی آیت سے مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں قرآن سے مستنبط نہیں کیا جا سکتا اسی طرح یہ مسئلہ بھی حدیث سے ثابت ہے قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

مسئلہ ثانیہ: خاندان نبوی کیلئے حرمت زکوۃ کی وجوہ: **وجہ اول:** مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ صدقات وغیرہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے وہ آپؐ کے اور آپ کے خاندان کے لائق نہیں۔ میل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان سے صدقہ کرنے والوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور ان کے ذریعے بلائیں دور ہوتی ہیں اور وہ صدقات لوگوں کی بلاؤں کا فدیہ بن جاتے ہیں اس لئے وہ ملأ اعلیٰ میں بلائیں محسوس ہوتی ہیں چونکہ انسانوں میں جو سب سے زیادہ صاحب کشف ہیں وہ اس چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں اور نبی پاک ﷺ ارباب کشف کے سردار ہیں ان کے سامنے جب اموال کی یہ حالت منکشف ہوئی تو آپؐ نے صدقات کو اپنے لئے اور اپنے خاندان کیلئے حرام قرار دیا۔

وجہ ثانی: مال کے حصول کیلئے ایک طریقہ یہ ہے کہ کام کر کے اجرت لی جائے اس میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح از خود کوئی ہدیہ دے دے اس میں کوئی ممانعت اور حرج نہیں اسی طرح کوئی مالک اپنے ملازم کو بھول کر سو پچاس دے دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ﷺ اس کے علاوہ ایک صدقہ اور خیرات کا مال ہے۔ اس میں دینے والا اپنے آپ کو اعلیٰ اور محسن سمجھتا ہے اور لینے والے کے لئے ایک قسم کی اہانت ذلت اور کمتری ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اس حدیث میں اسی برتری اور احسان کے پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مال خاندان نبوت کے لائق نہیں۔

وجہ ثالث: اگر آپ ﷺ اپنی ذات کے لئے زکوۃ و صدقات کو جائز قرار دیتے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ بدگمانی کرنے والا آپ

کی شان میں کوئی گستاخانہ الفاظ یا طعن نہ کرنا شروع کر دے کہ اپنے فائدے کیلئے لوگوں پر ٹیکس لگایا ہے۔ اس بدگمانی سے بچنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازے کو بالکلیہ بند کر دیا۔

مسئلہ ثالثہ: کراهية الصدقة للنبی ﷺ و اهل بيته: عبد مناف کے چار بیٹے تھے ہاشم، مطلب، نوفل اور عبد شمس، پھر ہاشم کے چار بیٹے تھے عبد مناف کے چار بیٹوں میں سے سوائے عبدالمطلب کے سب کا سلسلہ نسب ختم ہو گیا اور عبدالمطلب کے بارہ بیٹے تھے ان کی اولاد میں سب کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے صرف پانچ خاندانوں کیلئے زکوٰۃ حلال نہیں۔ ① حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد کیلئے۔ ② حارث بن عبدالمطلب کی تمام اولاد کیلئے اور ابو طالب کی اولاد میں صرف تین خاندان کیلئے۔ ③ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد کیلئے۔ ④ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تمام اولاد کیلئے۔ ⑤ حضرت عقیل کی تمام اولاد کیلئے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک آل بیت سے مراد بنی ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آل نبی میں صرف بنو ہاشم شامل ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: آپ ﷺ نے سہم ذوی القربیٰ میں بنی ہاشم کے ساتھ بنی المطلب کو بھی شامل کیا اور قریش کے دوسرے خاندان کو نہیں دیا اور یہ عطیہ ان کے حرمان عن الزکوٰۃ کے بدلے میں دیا گیا تو معلوم ہوا کہ آل میں دونوں فریق شامل ہیں۔

جواب: وہاں جو مال بنو المطلب کو دیا تھا وہ حرمان زکوٰۃ کی بناء پر نہیں دیا تھا لہٰذا یہ آل نبی میں داخل نہیں ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: آیت کریمہ ہے "انما الصدقات للفقرآء والمساكين ...الآية" اس آیت میں عموم تھا لیکن آپ ﷺ کے قول "الصدقة لا تنبغي لمحمد ولا لآل محمد" کی بناء پر عموم ختم ہو گیا اور بنو المطلب کو بنو ہاشم پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ بنی ہاشم حضور ﷺ سے اقرب اور اشرف ہیں۔

دلیل ثانی: مسلم شریف میں عبدالمطلب بن ربیعہ کی روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد۔

مسئلہ رابعہ: نبی کریم ﷺ کے خاندان کے غریبوں کے لئے شریعت نے متبادل یہ تجویز کیا ہے کہ غنیمت کے خمس میں ذوی القربیٰ کا حصہ رکھا ہے اب تو مال غنیمت بھی نہیں رہا تو کیا آپؐ کے خاندان کے غریبوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے تو یہ مسئلہ مختلف فیہ چلا آرہا ہے کہ کیا اب سید کو زکوٰۃ دی جائے گی یا نہیں؟ جبکہ موجودہ دور میں بعض سید تو وہ ہیں جو بہت غریب ہیں تو ان کو زکوٰۃ صدقات دی جائے گی یا نہیں؟

اس کے متعلق تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ سید جن کے پاس نسب نامہ موجود ہے اور قوی دلیل ہے وہ ہم سید ہیں تو ان کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اگر کوئی ان کی مدد کرنا چاہے تو اپنے خالص مال سے کرے۔ دوسرے وہ سید جن کے پاس نہ تو نسب نامہ ہے اور نہ ہی سید ہونے کی کوئی قوی دلیل ہے تو وہ صرف نام کے سید ہیں ان کو زکوٰۃ صدقات دے سکتے ہیں کیونکہ موجودہ زمانے میں نوے فی صد لوگ ایسے ہیں جو اصل سادات نہیں۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق: صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ میں ابتداءً ہی اجر و ثواب کی نیت ہوتی ہے اور ہدیہ میں اصلاً دوسرے کی تطییب قلب اور اس کی رضامندی مقصود ہوتی ہے اگرچہ انجام کار اس میں بھی ثواب ملتا ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص

۲۶۶ عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۴۴۳)

ابو الطیب نے کہا کہ صدقہ آخرت کا ثواب سمجھ کر دیا جاتا ہے اور ہدیہ یہ کہ کسی غیر کو اپنی چیز کا مالک بنانا اس کی عزت واکرام کے تقرب کے لئے لہٰذا صدقہ میں لینے والے کے لئے ایک قسم کی ذلت ہے۔ کما مر

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَلَى ذِي الْقَرَابَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ عَمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَإِنَّهُ طَهُورٌ وَ قَالَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالرَّبَابُ هِيَ أُمُّ الرَّائِحِ بِنْتُ صُلَيْعٍ وَهٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ عَمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوَى شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ الرَّبَابِ وَحَدِيثُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ عُيَيْنَةَ أَصَحُّ وَهٰكَذَا رَوَى ابْنُ عَوْنٍ وَهِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ.

سلمان بن عامر کہتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی کہ آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو کھجور سے افطار کرے کیونکہ یہ باعث برکت ہے اور اگر کھجور نہ ہو تو پانی سے افطار کرے کیونکہ یہ پاک کرنے والا ہے پھر فرمایا مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے لیکن رشتہ دار کو صدقہ دینے پر دو مرتبہ صدقے کا ثواب ہے ایک صدقے کا دوسرا صلہ رحمی کا اس باب میں حضرت جابر، زینب اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث سلمان بن عامر حسن ہے رباب یہ رائح کی والدہ اور صلیع کی بیٹی ہیں اسی طرح سفیان ثوری بھی عاصم سے وہ حفصہ بنت سیرین وہ رباب وہ اپنے چچا سلمان بن عامر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں شعبہ عاصم سے وہ حفصہ بنت سیرین سے اور وہ سلمان بن سیرین سے روایت کرتی ہیں اور وہ رباب کا ذکر نہیں کرتیں سفیان اور ابن عیینہ کی حدیث اصح ہے اسی طرح ابن عون اور ہشام بن حسان بھی حفصہ بنت سیرین سے وہ رباب سے اور وہ سلمان بن عامر سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی قریبی رشتہ داروں کی زکوٰۃ کے متعلق مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔

قریبی رشتہ داروں کی دو قسمیں ہیں۔ ① ایک وہ قسم جس کے ساتھ ولادت کا تعلق ہے جیسے باپ، بیٹا، دادا، دادی، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی، نیچے تک۔ ② وہ رشتہ جس سے نکاح کا تعلق ہے یعنی میاں بیوی۔

قول اوّل: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں رشتوں کو خواہ وہ رشتہ ولادت کا ہو یا ازدواج کا ہو ان دونوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، ابوثورؒ، امام ابویوسفؒ، اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کے لئے اپنے فقیر شوہر کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: بخاری شریف باب الزکوٰۃ علی الاقارب جلد ۱ ص ۱۹۷ میں حضرت ابوسعید الخدریؓ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

جاءت زينب امرأة ابن مسعود تستأذن عليه فقيل يا رسول الله هٰذه زينب فقال اى الزينب فقيل امرأة ابن مسعود قال نعم اءذنوا لها فأذن لها قالت يا نبى الله انك امرت اليوم بالصدقة و كان عندى حلى لى فأردت أن أتصدق به فزعم ابن مسعود انه وولده أحق من تصدقت به عليهم فقال رسول الله صدق ابن مسعود زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم.

جواب: یہاں صدقہ واجبہ نہیں ہے بلکہ صدقہ نافلہ مراد ہے جو اپنے قریبی رشتہ دار کو دے سکتے ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت عطاء کی روایت ہے جس کو علامہ جوزجانی نے روایت کیا ہے قال اتت النبی امرأةٌ فقالت یا رسول الله ان علی نذرًا أن اتصدق بعشرين درهما و أن لى زوجًا فقيرًا أفيجزى عنى أن أعطيه قال: نعم كفلان من الاجر۔

فائدہ: صدقہ کی دو اقسام ہیں ایک صدقہ واجبہ دوسرا صدقہ نافلہ۔ صدقہ واجبہ مذکورہ دونوں اقسام کے رشتہ داروں کو نہیں دے سکتے البتہ صدقہ نافلہ دے سکتے ہیں۔ اور اس میں دوہرا اجر بھی ہے ایک مدد کرنے کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

قال ابوعیسٰی: حدیث سلیمان بن عامر حدیث حسن۔

والرباب: هی ام الرائح بنت صليع ام الرائح اور بنت صلیع یہ دونوں رباب کی کنیتیں ہیں۔ چنانچہ ابن عیینہ، ثوری، ابن عون اور ہشام بن حسان نے اپنی سندوں میں رباب کا ذکر کیا ہے مگر شعبہ رباب کا ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذیؒ نے جمہور کی حدیث کو جس میں رباب کا ذکر ہے اصح قرار دیا ہے اور یہ کہنا صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَدُّوَيْهِ حَدَّثَنَا الْأَسْوَدُ بْنُ عَامِرٍ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الزَّكَاةِ فَقَالَ إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ {لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ} الْآيَةَ.

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے یا کسی اور نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۃ بقرہ کی آیت (لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (البقرۃ:۱۷۷) تلاوت فرمائی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الطُّفَيْلِ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ عَامِرٍ (الشَّعْبِيِّ)

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِي الْمَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِذَاكَ وَأَبُو حَمْزَةَ مَيْمُونٌ الْأَعْوَرُ يُضَعَّفُ وَرَوَى بَيَانٌ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ سَالِمٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ قَوْلَهُ وَهٰذَا أَصَحُّ

فرمایا مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کی سند قوی نہیں ابوحمزہ میمون اعور حدیث میں ضعیف ہیں بیان اور اسماعیل بن سالم اسے شعبی سے انہی کا قول روایت کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: ماقبل ابواب میں ہے کہ مال میں اللہ تعالیٰ کا حق صرف زکوٰۃ ہے اس باب میں اس کے خلاف حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ پھر آپؐ نے دلیل کے طور پر یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی **واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ**۔ اس آیت سے نبی کریم ﷺ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ رشتہ داروں اور مسکینوں وغیرہ پر خرچ کرنے کا جو حکم ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور وہ حق کیا ہے؟ بعض حقوق واجبہ ہیں جو اجماعی ہیں مثلاً والدین اگر محتاج ہوں اور اولاد موسر ہو تو ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہے۔ اسی طرح اگر دوسرے اقارب اگر معذور ہوں تو ان کا نفقہ بھی بقدر میراث واجب ہوگا۔ جیسا کہ قرآن پاک کی آیت میں ہے **و علی الوارث مثل ذٰلک**۔

ان کے علاوہ جو مواقع ہیں ان کی شریعت نے کوئی وضاحت نہیں کی اور نہ ہی قرآن و حدیث میں اس کا صراحۃً ذکر ہے البتہ حدیث میں اس کے اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص رات کو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا سوئے تو وہ مسلمان نہیں۔ اسی طرح کسی کے گھر میں فوتگی اور بیماری آجائے اور اس کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو ان کے ان مصائب کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں پر مالی امداد فرض ہوجاتی ہے۔ اسی طرح وہ ممالک جہاں غیر مسلم حکمران ہیں وہاں مسلمانوں میں دین کی اشاعت کے لئے ان کے لئے مدارس و مساجد کی تعمیر حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لیکن حکومت تو غیر مسلم کی ہے تو اس صورت میں وہاں کے مسلمانوں کا تعاون کرنا ان کے لئے دین کی اشاعت کے لئے مسجد، مدرسہ کی تعمیر کرنا مسلمانوں کے مال سے ضروری ہے۔

یہاں تو اسلامی ممالک کی حکومتیں مدارس و مساجد بنانا تو درکنار اس کو گرانے کے درپے ہیں تو ان سے یہ امید رکھنا سوائے کم عقلی کے اور کچھ نہیں لہٰذا یہاں پر بھی مدارس و مساجد کو عوام کے چندوں کی ضرورت ہے وگرنہ یہ ادارے بھی بند ہوگئے تو دین کی اشاعت مغلوب ہوجائے گی اور کفر غالب آجائے گا۔ اب تو پھر بھی مسلمان کی ظاہری شکل مسلمانوں والی تو نظر آتی ہے وگرنہ مدارس و مساجد کے مٹنے کے ساتھ ساتھ یہ ظاہری شکل بھی مٹ جائے گی پھر اسلام، مسلمان کا نام ہی رہے گا۔

اسی طرح اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے مثلاً دشمن حملہ کردے مسلمان قیدیوں کو کفار کے ہاتھ سے چھڑانا مقصود ہو، یا وباء عام پھیل گئی ہو یا قحط پیش آجائے تو ان کے دفعیہ کے لئے مسلمانوں پر مالی امداد فرض ہوجائے گی۔ اس کے علاوہ اور بہت سارے کام ہیں جن میں خرچ کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک حق تو فریضہ زکوٰۃ کا ہے اس کے علاوہ مال میں جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے وہ ثانوی درجہ کا حق رکھتا ہے لیکن یہ ثانوی درجہ نفل کے درجہ میں نہیں۔ اگر نفل کے درجہ میں ہوتا تو پڑوسی کے حق میں اتنی بڑی وعید نہ سنائی دی جاتی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ جو حقوق ہیں وہ فرض اور نفل کے درمیان درمیان ہیں۔ اس کے لئے کوئی

قاعدہ اور اصول مقرر نہیں بلکہ لوگوں کو خود مصارف دیکھ کر خرچ کرنا چاہیے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّدَقَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَصَدَّقَ أَحَدٌ بِصَدَقَةٍ مِنْ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ إِلَّا أَخَذَهَا الرَّحْمٰنُ بِيَمِينِهِ وَإِنْ كَانَتْ تَمْرَةً تَرْبُو فِي كَفِّ الرَّحْمٰنِ حَتّٰى تَكُونَ أَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ أَوْ فَصِيلَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَعَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى وَحَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَبُرَيْدَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جب اپنے حلال مال میں سے زکوٰۃ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا مگر حلال مال کو تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑتا ہے اگرچہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو پھر وہ رحمان کے ہاتھ میں بڑھنے لگتا ہے یہاں تک کہ پہاڑ سے بھی بڑا ہو جاتا ہے جیسے کہ کوئی شخص اپنے گھوڑے کے بچے یا گائے کے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے۔ اس باب میں عائشہ، عدی بن حاتم، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، حارثہ بن وہب، عبدالرحمٰن بن عوف اور بریدہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ولا یقبل اللہ الا الطیب: بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ''**ولا یصعد الی اللہ الا الطیب**'' یہ جملہ معترضہ ہے جو شرط اور جزا کے درمیان حائل ہے اور اس میں خرچ کرنے کی تاکید کی گئی ہے کہ صدقہ کرو لیکن وہ صدقہ طیب حلال ہو۔ حساً بھی طیب ہو اور معنیً بھی طیب ہو۔ حساً طیبہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز پکائی تھی لیکن وہ جل گئی یا گھر میں پکائی سب نے خوب پیٹ بھر کر کھائی جب باقی بچی تو کسی فقیر کو دے دی۔ پہلی صورت میں سڑی ہوئی چیز جب اپنے لئے پسند نہیں کرتے تو دوسرے کیلئے کیسے پسند کر لیتے ہیں کہ دوسرا کھالے۔ دوسری صورت میں کسی کے سامنے سے بچی ہوئی چیز جب ہم خود کھانا پسند نہیں کرتے تو دوسرے کو کیونکر دیں گے دوسرا یہ کہ پیٹ بھر کر پھر صدقہ کرنا اتنا اجر کا باعث نہیں جتنا خالی پیٹ کسی چیز کو صدقہ کرنا ثواب کا باعث ہے۔

معنیً کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ جو کر رہا ہے وہ حلال مال سے ہو حرام مال سے نہ ہو کیونکہ حرام مال کا خود مالک نہیں تو آگے اسے کیسے تصرف میں لاسکتا ہے جیسا کہ کتاب الطہارت کے پہلے باب میں گزر چکا ہے **لا تقبل صدقۃ من غلول**۔ یہاں قبول کا معنی رضا اور پسندیدگی ہے اور ایک معنی اس کا صحت والا بھی ہے۔ اس کی بقیہ تفصیل کتاب الطہارت میں گزر چکی ہے۔

الا اخذھا الرحمٰن بیمینہ: یمین کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خیرات کو خوشی سے قبول کرتے ہیں اور عرف میں یمین یعنی دایاں ہاتھ عظیم کاموں کے سرانجام دینے کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح یہاں بھی جب کسب کی قید طیب سے لگائی تو یمین کو اس کے ساتھ ذکر کیا گیا کیونکہ حلال مال دائیں ہاتھ سے ہی کمایا جاتا ہے پھر عام طور پر بایاں ہاتھ یمین کے مقابلے میں کمزور اور پکڑنے میں بھی کمزور ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جب یمین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مراد

عرف والا یمین اور شمال نہیں ہوتا بلکہ اللہ رب العزت کے دونوں ہاتھ یمین ہیں **کما فی قولہ علیہ السلام و کلتا یدیہ یمین** یہاں پر نقص کی نفی فرمادی۔ اب اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھوں میں قوت ہے۔ دائیں کا ذکر اور روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے فرماتے ہیں **المقسطون عند اللہ یوم القیامۃ علی منابر من نور علی یمین الرحمٰن، و کلتا یدیہ یمین۔ کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۲۵** میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**وکلتا یدی ربی یمین مبارکۃ۔**"

وأن کانت تمرۃ تربوا فی کف الرحمٰن: اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں صدقہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے اگر رحمٰن کے ہاتھ میں صدقہ کی ایک کھجور بھی ہو تو وہ بڑھتی بڑھتی ایک پہاڑ کے صدقہ کرنے کے برابر پہنچ جائے گی۔ اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال سے سمجھائی ہے کہ جس طرح آدمی گھوڑی اور اونٹنی کے بچے کی پرورش کرتا ہے اور مسلسل اس کی نگہبانی کرتا ہے اس کو حوادثات سے بچاتا ہے تا آنکہ وہ رفتہ رفتہ گھوڑا اور اونٹ بن جاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی خیرات کی حفاظت کرتا ہے اور ایک چھوہارا بھی تدریجاً پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے جس طرح بڑی محنت سے اونٹنی کے بچے کو پالتا ہے تاکہ بڑا ہو کر سامان اٹھانے کے قابل ہو جائے یا بڑی ہو کر اچھی قیمت میں فروخت ہو جائے اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے صدقات کو حفاظت سے رکھتے ہیں۔ جس سے وہ صدقات بڑھتے رہتے ہیں اور وہ صدقات ہمیں قیامت کے دن کام آئیں گے۔

کما یربی احدکم فلوّہ او فصیلہ: **فلوٌّ** اس کی جمع **أفلاء** آتی ہے ایک روایت میں **او فصیلہ** کی جگہ **أو مھرہ** آتا ہے اور ایک روایت میں **أو رضیعہ** آتا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَعِيلَ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ مُوسَى عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الصَّوْمِ أَفْضَلُ بَعْدَ رَمَضَانَ قَالَ شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ قِيلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ الصَّدَقَةُ فِي رَمَضَانَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَصَدَقَةُ بْنُ مُوسَى لَيْسَ عِنْدَهُمْ بِذَاكَ الْقَوِيِّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا رمضان شریف کے بعد کونسا روزہ افضل ہے فرمایا رمضان کی تعظیم کے لئے شعبان کے روزے رکھنا۔ پوچھا گیا کونسا صدقہ افضل ہے فرمایا رمضان میں صدقہ دینا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے صدقہ بن موسیٰ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔

تشریح: ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان: رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں فرمایا شعبان کے روزے جو رمضان کی تعظیم کے لئے رکھے جاتے ہیں۔

سوال: رمضان کے بعد محرم کے روزے افضل ہیں۔ جبکہ اس حدیث میں شعبان کے روزوں کو افضل کہا گیا ہے۔

جواب اوّل: یہ حدیث صدقہ بن موسیٰ کی وجہ سے ضعیف ہے اور محرم کے روزوں کی فضیلت والی حدیث حسن صحیح ہے پس تعارض کے وقت جو اصح مافی الباب ہوگی اس کو لیا جائے گا۔

جواب ثانی: محرم کے روزوں کی فضیلت مطلقاً ہے اور شعبان کے روزوں کی فضیلت تعظیم رمضان کی قید کے ساتھ مقید

ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعبان کے روزوں کے لئے فضیلت تب ہے جب رمضان کے ساتھ رکھے جائیں اور محرم کے روزے کسی کے ساتھ مقید نہیں بلکہ وہ مطلقاً افضل ہیں۔

اب رمضان کی تیاری میں شعبان کے روزے رکھنے میں حکمت کیا ہے؟ جب بھی کوئی عبادت شروع کی جاتی ہے تو ابتداءً لطف نہیں آتا بلکہ تھکاوٹ سی محسوس ہوتی ہے لیکن جب تھوڑی عادت بن جاتی ہے تو اس عمل کے کرنے میں شوق بھی محسوس ہوتا ہے اور اس میں برکات وانوارات بھی نظر آنے لگتے ہیں جیسا کہ رمضان شروع ہوتے ہی لوگ تراویح کی نماز پڑھتے ہوئے تھک جاتے ہیں لیکن جب دو چار دن گزر جاتے ہیں تو عادت بن جاتی ہے اور عبادت میں مزہ آنے شروع ہو جاتا ہے۔ رمضان سے قبل تین چار دن جب روزے رکھے گا تو رمضان شروع ہوتے ہی لطف آنے لگ جائے گا۔

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عِيسَى الْخَزَّازُ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوءِ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بجھاتا اور بری موت کو دور کرتا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

تشریح: حدیث مبارکہ میں صدقہ کی دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

اگر کسی کے گناہ کی وجہ سے اللہ رب العزت ناراض ہوں یا اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف متوجہ ہو تو صدقہ اس غصب کو ٹھنڈا کر دیتا ہے اور اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کر کے اس کی رضامندی اور رحمت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

وتدفع میتة السوء: دوسری خاصیت بیان کر رہے ہیں کہ صدقہ آدمی کو بری موت سے بچاتا ہے۔ یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدقہ کرنے سے انسان ایسی موت سے بچ جاتا ہے جس کو دنیا کی نظروں میں بری موت سمجھا جاتا ہے کہ ایسی موت مرنے والے کو ہر آدمی برا سمجھتا ہے اور اس کے لئے عذاب والی موت کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ بری موت سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو جوانی کی موت سے بچاتا ہے۔ واللہ اعلم

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ وَيَأْخُذُهَا بِيَمِينِهِ فَيُرَبِّيهَا لِأَحَدِكُمْ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ مُهْرَهُ حَتَّى إِنَّ اللُّقْمَةَ لَتَصِيرُ مِثْلَ أُحُدٍ وَتَصْدِيقُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول کرتا ہے اور داہنے ہاتھ میں لے کر اسکی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے یہاں تک کہ ایک لقمہ بڑھتے بڑھتے احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے اسکی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے یعنی وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے صدقات لیتا سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَ يَمْحَقُ اللهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا وَقَدْ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَمَا يُشْبِهُ هٰذَا مِنَ الرِّوَايَاتِ مِنَ الصِّفَاتِ وَنُزُولِ الرَّبِّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالُوا قَدْ تَثْبُتُ الرِّوَايَاتُ فِي هٰذَا وَيُؤْمَنُ بِهَا وَلَا يُتَوَهَّمُ وَلَا يُقَالُ كَيْفَ هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ مَالِكٍ وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُمْ قَالُوا فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ أَمِرُّوهَا بِلَا كَيْفٍ وَهٰكَذَا قَوْلُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَأَمَّا الْجَهْمِيَّةُ فَأَنْكَرَتْ هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ وَقَالُوا هٰذَا تَشْبِيهٌ وَقَدْ ذَكَرَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي غَيْرِ مَوْضِعٍ مِنْ كِتَابِهِ الْيَدَ وَالسَّمْعَ وَالْبَصَرَ فَتَأَوَّلَتِ الْجَهْمِيَّةُ هٰذِهِ الْآيَاتِ وَفَسَّرُوهَا عَلَى غَيْرِ مَا فَسَّرَ أَهْلُ الْعِلْمِ وَقَالُوا إِنَّ اللهَ لَمْ يَخْلُقْ آدَمَ بِيَدِهِ وَقَالُوا إِنَّ مَعْنَى الْيَدِ الْقُوَّةُ وَقَالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ إِنَّمَا يَكُونُ التَّشْبِيهُ إِذَا قَالَ يَدٌ كَيَدٍ أَوْ مِثْلُ يَدٍ أَوْ سَمْعٌ كَسَمْعٍ أَوْ مِثْلُ سَمْعٍ فَإِذَا قَالَ سَمْعٌ كَسَمْعٍ أَوْ مِثْلُ سَمْعٍ فَهٰذَا تَشْبِيهٌ وَأَمَّا إِذَا قَالَ كَمَا قَالَ اللهُ يَدٌ وَسَمْعٌ وَبَصَرٌ وَلَا يَقُولُ كَيْفَ وَلَا يَقُولُ مِثْلُ سَمْعٍ وَلَا كَسَمْعٍ فَهٰذَا لَا يَكُونُ تَشْبِيهًا وَهُوَ كَمَا قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي كِتَابِهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نبی کریم ﷺ سے اسی کی مثل منقول ہے کئی اہل علم اس اور اس جیسی کئی احادیث جن میں اللہ کی صفات کا ذکر ہے جیسے کہ اللہ کا ہر رات کو دنیا کے آسمان پر اترنا وغیرہ علماء کہتے ہیں کہ ان (کے متعلق) روایات ثابت ہیں ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور وہم میں مبتلا نہیں ہوتے پس یہ نہیں کہا جاتا کہ کیسے؟ اسکی کیفیت کیا ہے وغیرہ وغیرہ اسی طرح مالک بن انس سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن مبارک کا بھی یہی کہنا ہے کہ ان احادیث پر صفات کی کیفیت جانے بغیر ایمان لانا ضروری ہے اہل سنت والجماعت کا یہی قول ہے لیکن جہمیہ ان روایات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تشبیہ ہے اللہ نے قرآن میں کئی جگہ اپنے ہاتھ و سماعت اور بصیرت کا ذکر کیا ہے جہمیہ ان آیات کی تاویل کرتے ہوئے ایسی تفسیر کرتے ہیں جو علماء نے نہیں کی وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا پس انکے نزدیک ہاتھ کے معنی قوت کے ہیں اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ تشبیہ تو اس صورت میں ہے کہ یہ کہا جائے کہ اسکا ہاتھ کسی ہاتھ جیسا یا کسی کے ہاتھ کے مثل ہے یا اسکی سماعت کسی سماعت سے مماثلت رکھتی ہے پس اگر کہا جائے کہ اسکی سماعت فلاں کی سماعت جیسی ہے تو یہ تشبیہ ہے لہٰذا اگر وہی کہے جو اللہ نے کہا ہے کہ ہاتھ سماعت بصر اور یہ نہ کہے کہ اسکی کیفیت کیا ہے یا اسکی سماعت فلاں کی سماعت کی طرح ہے تو یہ تشبیہ نہیں ہو سکتا اللہ کی یہ صفات اسی طرح ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انکے وصف میں فرما دیا کہ (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) کوئی چیز اسکی مثل نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

تشریح: اس باب کی آخری حدیث اور پہلی حدیث کی وضاحت ایک ہی ہے۔ آخری حدیث طویل ہے۔ باقی رہیں متشابہات کے متعلق آیات ان کا کیا حکم ہے۔ یہ دو قسم کی ہیں محکم اور متشابہ محکم وہ آیات ہیں جن کی مراد واضح ہو اس میں وضاحت کی ضرورت نہ ہو تو وہ محکم ہے۔ متشابہ وہ آیات ہیں جن کی مراد واضح نہ ہو۔

جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے ید، ساق، یمین کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے کیا مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں۔ اس کے بارے میں صرف دو اقوال دیکھ لیں۔

قول اوّل: مجسمہ، مشبہہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کیلئے بھی مخلوقات کی طرح ید و قدم ہیں۔

قول ثانی: اہل سنت والجماعت کے نزدیک اللہ ان سے پاک ہے ان میں متقدمین حضرات، ید و قدم کو ثابت کرتے ہیں لیکن مخلوقات کی طرح نہیں بلکہ "کما یلیق بشانہ" کہ جس طرح اللہ کی شان ہے۔ اور متاخرین حضرات جن میں امام ابوحنیفہؒ بھی شامل ہیں فرماتے ہیں اس طرح کے متشابہات کی ایسی تاویل کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق ہو اور نصوص قطعیہ کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً ید سے قدرت اور وجہ سے ذات مراد لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ السَّائِلِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ بُجَيْدٍ عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ بُجَيْدٍ وَكَانَتْ مِمَّنْ بَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ الْمِسْكِينَ لَيَقُومُ عَلَى بَابِي فَمَا أَجِدُ لَهُ شَيْئًا أُعْطِيهِ إِيَّاهُ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ لَمْ تَجِدِي شَيْئًا تُعْطِيهِ إِيَّاهُ إِلَّا ظِلْفًا مُحْرَقًا فَادْفَعِيهِ إِلَيْهِ فِي يَدِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أُمِّ بُجَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

عبدالرحمٰن بن بجید، اپنی دادی ام بجیدؓ سے جو ان عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کئی مرتبہ فقیر دروازے پر آ کر کھڑا ہوتا ہے اور گھر میں اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم جلے ہوئے کھر کے علاوہ گھر میں اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہ پاؤ تو وہی اسے دے دو۔ اس باب میں حضرت علی، حسین بن علی، ابوہریرہ اور ابوامامہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ام بجیدؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: **الا ظلفا محرقا:** بکری اور گائے وغیرہ کے کھر۔ بکری اور گائے وغیرہ کے کھروں سے بال صاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ابلتے ہوئے پانی میں ڈال دیں تو بال نرم ہو کر خود جدا ہو جائیں گے دوسرا یہ کہ لکڑیوں کی طرح ان کے کھروں کو آگ میں جلایا جائے۔ اس لئے حدیث میں محرقاً کے الفاظ ذکر کئے ہیں۔ یہ کھر پہلے زمانے میں معمولی چیز سمجھی جاتی تھی لیکن اب گوشت میں سب سے اعلیٰ چیز سمجھی جاتی ہے۔ بہر حال حدیث میں ہے کہ اگر سائل کو دینے کے لئے کوئی اور چیز نہ ہو صرف پائے پکے ہوں تو وہی دے دو، لیکن خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ موجودہ زمانہ میں کھر کا سوپ تو بہت اعلیٰ لوگ استعمال کرتے ہیں اس لئے ہم یہ تاویل کریں گے کہ اگر گھر میں دال بھی پکی ہو تو وہ فقیر کو دے دو لیکن خالی ہاتھ نہ جانے دو۔ لیکن اس سے وہ فقیر مستثنیٰ ہیں جو پیشہ ور ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ لیکن فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر پیشہ ور فقیر تمہیں سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں کیونکہ اس کا سلام کرنا بھی سوال ہے۔ اس کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اس کو

جھڑکنا نہیں چاہیے اگر نہ دینا ہو تو پھر اچھے طریقے سے ٹال دے کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے **اما السائل فلا تنھر۔**

اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فقیر کو کوئی چیز پھینکنی نہیں چاہیے یہ بری بات ہے کہ فقیر بیٹھا ہو اور تم گاڑی سے اس کو ایک روپیہ پھینک دو بلکہ فقیر کے ہاتھ میں دو اور اگر وہ معذور ہے تو اس کی حوصلہ افزائی کرو، حوصلہ شکنی نہ کرو۔ دوسرا یہ کہ فقیر کو ہدیہ دیتے وقت یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا اور وہ مجھے اس طرح پیسہ پھینکتا یا جھڑکتا تو میرے دل پر کیا گزرتی؟ ایسا خیال کر کے اس کی مدد کر دو۔

حدیث میں اُم بجید ؓ کا ذکر آیا ہے ان کا نام حواء اور ان کی والدہ کا نام زید تھا وہ انصاری خاتون ہیں ان کا شمار بڑے درجہ کی صحابیات میں ہے۔

باب ما جاء في إعطاء المؤلفة قلوبهم

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ أَعْطَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَإِنَّهُ لَأَبْغَضُ الْخَلْقِ إِلَيَّ فَمَا زَالَ يُعْطِينِي حَتَّى إِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَيَّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدَّثَنِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بِهَذَا أَوْ شِبْهِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ صَفْوَانَ رَوَاهُ مَعْمَرٌ وَغَيْرُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ قَالَ أَعْطَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَأَنَّ هَذَا الْحَدِيثَ أَصَحُّ وَأَشْبَهُ إِنَّمَا هُوَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ أَنَّ صَفْوَانَ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي إِعْطَاءِ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ فَرَأَى أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا يُعْطَوْا وَقَالُوا إِنَّمَا كَانُوا قَوْمًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَأَلَّفُهُمْ عَلَى الْإِسْلَامِ حَتَّى أَسْلَمُوا وَلَمْ يَرَوْا أَنْ يُعْطَوُا الْيَوْمَ مِنَ الزَّكَاةِ عَلَى مِثْلِ هَذَا الْمَعْنَى وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ

حضرت صفوان بن امیہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے موقع پر مجھے کچھ مال دیا اس وقت آپ ﷺ میرے نزدیک ساری مخلوق سے برے تھے پھر آپ ﷺ مجھے کچھ نہ کچھ دیتے رہے یہاں تک کہ وہ اب میرے نزدیک مخلوق میں محبوب ترین ہو گئے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں مجھے حسن بن علی نے بھی اسی طرح یا اس کے مثل روایت کی ہے اس باب میں ابوسعید ؓ سے بھی روایت ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ صفوان کی حدیث کو معمر وغیرہ زہری سے بحوالہ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ ؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیا گویا کہ یہ حدیث اصح اور اشبہ ہے کہ سعید بن المسیب کی صفوان بن امیہ سے روایت انّ کے ساتھ ہے نہ کہ (عن) کے ساتھ)۔ اہل علم کا مولفۃ القلوب کو مال دینے کے متعلق اختلاف ہے اکثر علماء کا کہنا ہے کہ انہیں دینا ضروری نہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک مخصوص جماعت تھی آپ ﷺ ان کے دلوں کے مسلمان ہونے کیلئے تالیف کرتے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے اس دور میں اس مقصد کیلئے ان کو زکوۃ وغیرہ نہ دی جائے یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ وغیرہ کا قول ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی اسی

وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَنْ كَانَ الْيَوْمَ عَلَى مِثْلِ حَالِ هٰؤُلَاءِ وَرَأَى الْإِمَامُ أَنْ يَتَأَلَّفَهُمْ عَلَى الْإِسْلَامِ فَأَعْطَاهُمْ جَازَ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ. بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس دور میں بھی اگر کچھ لوگ ایسے ہوں جنکے متعلق امام کا خیال ہو کہ انکے دلوں کی تالیف کی جائے تو اس صورت میں انہیں دینا جائز ہے یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔

تشریح: زکوٰۃ کے مصارف کا بیان چل رہا ہے یہاں سے ان مصارف کو بیان کر رہے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے **انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمولفة قلوبهم وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم.** (سورۃ التوبۃ: ۶۰) اس آیت میں مصارف زکوٰۃ کا تفصیلی بیان ہے ان کے تحت مؤلفہ قلوب کو بھی شامل کیا گیا۔ مؤلفہ قلوب کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے دل آپس میں جوڑے گئے۔ اس کا معنی مشہور یہ ہے کہ وہ لوگ جو کفار میں سے تھے یا وہ لوگ جو ظاہری طور پر مسلمانوں کے قریب ہو گئے تھے تو نبی کریم ﷺ ان کو اموال دیتے رہے یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئے یا وہ لوگ ظاہری طور پر تو مسلمان ہو گئے تھے مگر ان کا اسلام مضبوط نہیں تھا تو نبی کریم ﷺ نے ان کی دلجوئی کی جس وجہ سے ان کا ایمان پختہ ہو گیا۔ تو یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کمزور تھا لیکن جب اسلام مضبوط ہو گیا اللہ نے اسلام کو قوت دے دی۔ تو اس مصرف کو ختم کر دیا گیا پھر کفار کے لئے اسلام کی دعوت کا حکم تھا اگر اسلام قبول کر لیں تو فبہا ورنہ جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔

مؤلفہ قلوب کی اقسام: مؤلفہ قلوب کی چھ اقسام ہیں۔ دو قسموں کا تعلق کفار سے ہے اور چار قسموں کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

قسمان من الكفار، الاوّل: فقسم يرجى خيره وہ کفار جن سے کسی خیر کی امید ہو۔

الثاني: وقسم يخاف شره وہ کفار جن کے شر کا اندیشہ ہو۔

کفار کی ان دونوں قسموں کو زکوٰۃ کی مد میں سے دینا جائز تھا۔

واربعة أقسام من المسلمين: الاوّل: قوم لهم شرف فيعطون ليرغب نظراؤهم في الاسلام کسی مسلمان قبیلے کے سردار کو مال دیا جائے تاکہ اس جیسے دیگر سردار کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید ہو تو اس سردار کو زکوٰۃ سے دینا جائز تھا تاکہ اس سے متاثر ہو کر کافر قبیلوں کے سردار بھی اسلام کی طرف مائل ہوں۔

الثاني: قوم في اسلامهم ضعف فيعطون لتقوى اسلامهم وہ قبیلے والے جن کا اسلام کمزور ہے ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تاکہ ان کا اسلام مضبوط ہو جائے۔

الثالث: قوم يليهم قوم من الكفار ان اعطوا قاتلوهم وہ قوم جو کفار کے قریب رہتے ہیں ان کو زکوٰۃ دو تاکہ وہ کفار کے ساتھ جنگ کر سکیں۔

الرابع: قوم يليهم قوم من اهل الصدقات ان اعطوا جبوا الصدقات: قبیلوں کے سرداروں کو بھی زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے تاکہ وہ لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے بھیجیں یا کوئی دوسرے انداز میں کوئی فوج یا مدد بھیجے۔

ابتداء اسلام سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک ان کو زکوٰۃ دی جاتی رہی لیکن جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا اسلام

کو خوب شان و شوکت حاصل ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مؤلفہ قلوب کا حصہ ساقط کر دیا اور فرمایا تھا کہ اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت اور غلبہ عطا فرمایا ہے اب کفار کی دلجوئی کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کفار سے خوف ہے کہ ان سے ڈر کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دی جائے اب ان سے کوئی ڈر اور خوف نہیں اس لئے اب ان سے کسی قسم کا تعاون نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ اختلافی: ان چھ اقسام میں سے کون سی قسم کو زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور کونسی قسم کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔

قول اوّل: جمہور کے نزدیک اب مولفہ قلوب کی کسی قسم کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے گی۔ ایک روایت امام احمدؒ کی بھی یہی ہے لیکن امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ کا قول یہی نقل کیا ہے جبکہ یہ امام احمدؒ کی ایک روایت ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک آخری دو قسموں کا حکم اب بھی باقی ہے ان دونوں کو زکوٰۃ دی جائے گی۔ اور باقی چار قسموں کے بارے میں دو قول ہیں ان کو زکوٰۃ دینے اور نہ دینے کا۔ ان چار اقسام میں سے پہلی دو قسمیں جو کفار کی ہیں ان کو دینے کا قول راجح ہے اور مسلمانوں کی دو قسموں میں نہ دینے کا قول راجح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول یہ ہے کہ ان چھ اقسام کو زکوٰۃ دی جائے گی۔

(معارف السنن جلد ۵ ص ۲۸۲۔ ۲۸۳)

بعض ائمہ کے نزدیک اس کا ناسخ اجماع ہے اور چونکہ وہ حجت قطعیہ ہے اس لئے وہ بھی قرآن کے لئے ناسخ بن سکتا ہے لیکن یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ قرآن کا نسخ خود قرآن یا احادیث متواترہ سے ہوسکتا ہے البتہ اجماع بذات خود ناسخ نہیں ہوسکتا البتہ مبین نسخ ہوسکتا ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس کا ناسخ وہ اجماع ہے جو مستند الی دلیل النسخ ہو پھر دلیل نسخ کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کا ناسخ آیت قرآنی **فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر** ہے یہ آیت مؤلفہ قلوب کے لئے ناسخ ہے۔ یہ ناسخ اس طرح ہوئی کہ ایک مرتبہ عیینہ بن حصن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مؤلفہ قلوب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاتی تھی حالانکہ یہ حالت کفر میں تھے لیکن آپؐ کے وصال کے بعد جب یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مال وصول کرنے پہنچا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری تالیف قلب کیلئے مال دے دیا کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت و غلبہ عطا فرمایا ہے اب ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی مال نہیں تمہاری مرضی ہے اسلام کو اختیار کرو یا نہ کرو اور فرمایا **الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر** چنانچہ اس کے بعد تالیف قلبی کے لئے زکوٰۃ دینے کا حکم بند کر دیا گیا۔

سوال: مؤلفہ قلوب کی آیت مدنی ہے اور **فمن شاء فلیؤمن** والی آیت مکی ہے لہٰذا یہ آیت مؤلفۃ قلوب کیلئے ناسخ نہیں بن سکتی۔

جواب: علامہ شامیؒ نے رد المحتار میں فرمایا کہ مؤلفۃ القلوب کیلئے ناسخ **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** کی آیت ہے یا پھر **لن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلاً** کی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم** ناسخ ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مصرف کے منسوخ ہونے پر کوئی اور قطعی دلیل بھی معلوم ہو۔

پھر بعض حضرات نے فرمایا کہ **مؤلفہ قلوب** کا حکم منسوخ نہیں بلکہ معلول بالعلۃ ہے اور علت چونکہ ضعف اسلام تھی اور جب یہ ضعف ختم ہوگیا تو علت ختم ہونے کی وجہ سے مصرف بھی ختم ہوگیا۔

اعتراض: علت کے ختم ہونے سے معلول کا ختم ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسا دوران طواف رَمل کرنا اب بھی باقی ہے حالانکہ وہ علت ختم ہوگئی۔

مؤلفہ قلوب کا مصرف تو اب ختم ہو چکا ہے البتہ اس باب میں بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ مؤلفہ قلوب میں کافر کبھی بھی داخل نہیں تھے اور نہ ہی کبھی اس مصرف کے تحت ان کو زکوٰۃ دی گئی یہ مصرف فقط مسلمانوں کی ان چار قسموں کے متعلق تھا جس طرح زکوٰۃ کے مصارف ثمانیہ میں اکثر مصارف کے لئے فقر کی شرط ملحوظ تھی۔ اسی طرح اس میں بھی ہے اور یہ حکم پہلے کی طرح آج بھی منسوخ نہیں ہے۔ لہٰذا آج بھی ایسے مسلمان فقراء کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے جن کی تالیف قلبی مقصود ہو۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ نے تفسیر مظہری میں ان تمام لوگوں کی فہرست دی ہے جن کو آپ ﷺ کے زمانے میں کفر کے باوجود تالیف قلب کے لئے مال دیا گیا اور یہ مال زکوٰۃ سے نہیں دیا گیا بلکہ مال غنیمت سے دیا گیا جیسا کہ صفوان بن امیہ کا جو واقعہ بیان کیا گیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کو دیا جانے والا مال مال غنیمت تھا جیسا کہ یوم حنین کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔ اس کے متعلق مزید تفصیل تفاسیر کی کتب میں دیکھ لیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُتَصَدِّقِ يَرِثُ صَدَقَتَهُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي كُنْتُ تَصَدَّقْتُ عَلَى أُمِّي بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيرَاثُ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُومُ عَنْهَا قَالَ صُومِي عَنْهَا قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا يُعْرَفُ هٰذَا مِنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ عَطَاءٍ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ ثُمَّ وَرِثَهَا حَلَّتْ لَهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا الصَّدَقَةُ شَيْءٌ جَعَلَهَا لِلّٰهِ فَإِذَا وَرِثَهَا فَيَجِبُ أَنْ يَصْرِفَهَا فِي مِثْلِهِ وَرَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَطَاءٍ.

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی اور عرض کیا یارسول اللہ میں نے اپنی والدہ کو صدقہ میں ایک لونڈی دی تھی اور اب میری والدہ فوت ہوگئی ہیں فرمایا تمہیں تمہارا اجر مل گیا اور اسے میراث نے تمہاری طرف لوٹا دیا اس نے عرض کیا یارسول اللہ میری والدہ پر ایک ماہ کے روزے بھی قضا تھے کیا میں انکے بدلے میں روزے رکھ لوں فرمایا ہاں رکھ لو عرض کیا یارسول اللہ اس نے کبھی بھی حج نہیں کیا کیا میں اسکی طرف سے حج کرلوں فرمایا ہاں کرلو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بریدہ کی حدیث سے اس سند کے علاوہ نہیں پہچانی جاتی عبداللہ بن عطاء محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کسی شخص نے صدقہ کے طور پر کوئی چیز ادا کی اور پھر وراثت میں اسے وہی مل گئی تو وہ اس کیلئے حلال ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ صدقہ ایسی چیز ہے جسے اس نے اللہ کیلئے مخصوص کر دیا ہے لہٰذا اگر وہ وراثت کے ذریعے دوبارہ اسکے پاس آجائے تو اس کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا واجب ہے سفیان ثوری اور زہیر بن معاویہ یہ حدیث عبداللہ بن عطاء سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: حدیث الباب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ؐ کے پاس موجود تھا کہ ایک عورت

آئی اور کہنے لگی کہ میں نے اپنی والدہ کو لونڈی دی تھی جب میری ماں مرگئی تو لونڈی کے ساتھ کیا کروں تو آپ نے فرمایا کہ تمہیں اجر بھی مل گیا اور لونڈی بھی بطور میراث کے واپس مل گئی۔ اب اس مسئلہ کے لئے امام ترمذیؒ نے باب قائم کیا کہ کوئی چیز کس کو صدقہ میں دی جائے پھر وہ مرگیا اور میراث میں اس کو وہ چیز واپس مل گئی تو اس کا اجر بھی ملے گا اور واپس لینا بھی جائز ہے۔ یہ مسئلہ جمہور کے نزدیک اتفاقی ہے۔

دوسرا مسئلہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس عورت نے کہا کہ میری والدہ پر ایک ماہ کے روزے فرض ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا صومی عنہا ان کی طرف سے رکھو اس سے مسئلہ اختلافی نکلتا ہے۔

مسئلہ: عبادت میں نیابت چل سکتی ہے کہ نہیں مسئلہ جاننے سے پہلے ایک بحث کا سمجھنا ضروری ہے کہ عبادت کی تین قسمیں ہیں۔

① **مالیہ محضہ کالزکوٰۃ:** وہ عبادت جو صرف مالی ہو جیسے زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ۔

② **بدنیہ محضہ کالصلوٰۃ:** وہ عبادت جو صرف بدنی ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

③ **مرکبۃ منہما کالحج:** وہ عبادت جس میں مال بھی لگا ہو اور بدنی بھی ہو جیسے حج اس میں انسان مال اور جان دونوں لگاتا ہے۔

پہلی قسم کا حکم: عبادت مالیہ میں نیابت جائز ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ کیونکہ زکوٰۃ میں مقصود غریب تک مال پہنچانا ہے خواہ آدمی خود پہنچائے یا کسی نائب کے ذریعہ پہنچائے دونوں یکساں ہیں۔

دوسری قسم کا حکم: جو عبادات بدنی ہیں ان میں نیابت نہیں ہوتی یعنی کسی کا دوسرے کی طرف سے عبادتیں کرنا جائز نہیں نہ حالت اختیار میں اور نہ حالت اضطرار میں ہر شخص کو نماز روزہ خود ادا کرنا کرنی ہیں۔

تیسری قسم کا حکم: جو عبادت مال اور بدن سے مرکب ہو جیسے حج اس میں حالت اضطرار میں نیابت جائز ہے اور حالت اختیار میں جائز نہیں یعنی اگر آدمی خود حج کرسکتا ہے تو حج بدل کروانے کی ضرورت نہیں اگر خود نہیں کرسکتا معذور ہے یا مریض ہے یا کوئی اور عذر ہے تو حج بدل کروادے۔

دوسری قسم میں اختلاف ہے۔ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال بھی ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ عبادت بدنیہ میں نیابت جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ عبادات بدنیہ محضہ میں بھی نیابت جائز ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کا قول یہ ہے کہ صوم فرض میں نیابت جائز نہیں صوم نذر وغیرہ میں جائز ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کا استدلال: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں صومی عنہا۔

جواب: یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے منسوخ ہے جو آگے آرہی ہے یا ان صحابی کی خصوصیت ہے یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ روزے اپنی طرف سے رکھو اور اس کا ثواب اپنی والدہ کو پہنچادو۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے قال لا يصلی أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن احد

دلیل ثانی: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے کسی میت کی طرف سے نماز پڑھی ہو یا روزے رکھے ہوں۔

دلیل ثالث: عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ میری ماں کی وفات ہوگئی ہے اور رمضان کے روزے ان کے ذمہ باقی ہیں کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نفی میں جواب دیا اور فدیہ دینے کا حکم دیا۔ یہ حدیث امام طحاوی کی مشکل الآثار میں موجود ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

دلیل رابع: آگے باب ما جاء فی الکفارۃ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت آرہی ہے کہ جس شخص کا انتقال ہوگیا درآنحالیکہ اس پر روزے فرض تھے تو ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ یہ حدیث مرفوع و موقوف ہونے کے اعتبار سے مختلف فیہ ہے اس کے بارے میں بحث آگے متعلقہ باب کے تحت آرہی ہے۔ یہ روایات اگرچہ موقوف ہیں لیکن غیر مدرک بالقیاس ہیں اس لئے حکماً مرفوع ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَوْدِ فِي الصَّدَقَةِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ حَمَلَ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ رَآهَا تُبَاعُ فَأَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعُدْ فِي صَدَقَتِكَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت ابن عمر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گھوڑا اللہ کی راہ میں سواری کے لئے دیا پھر اسے فروخت ہوتے ہوئے دیکھا تو اسے خریدنے کا ارادہ کیا تو چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی صدقہ کی ہوئی چیز کو نہ لوٹاؤ۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔

تشریح: صدقہ یا ھبہ سے رجوع کرنا اس کے متعلق تفصیلی بحث آگے کتاب الھبۃ میں آرہی ہے۔ امام ترمذی نے ماقبل باب کہ اپنے صدقہ کا وارث بننا اس کے متصل بعد یہ باب قائم کیا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ چیز صدقہ کر کے اس کا وارث باقی رہتا ہے تو اس کی میراث پر اس کی نظر نہیں ہونی چاہیے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے امام ترمذیؒ اسی کے بعد یہ باب لائے ہیں۔

صدقہ سے رجوع کے متعلق امام ترمذیؒ یہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو گھوڑا دیا اسے وہ آدمی فروخت کرنے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خریدنا چاہا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا اب یہ حدیث دوسری حدیث کے خلاف ہے کہ جب ایک گھوڑا کسی کی ملک میں آگیا تو اب وہ فروخت کر رہا ہے تو جو بھی اس سے خریدے خرید سکتا ہے۔ دوسرا بھی لے سکتا ہے اور یہ ہدیہ کرنے والا بھی اگر اس گھوڑے کو خریدنا چاہے تو خرید سکتا ہے کیونکہ یہ بھی ایک اجنبی کی طرح ہے تو پھر نبی کریمؐ نے اس صدقہ سے منع کیوں کیا۔

اس کا جواب بعض حضرات نے دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنے کی علت یہ نہیں تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خریدنا جائز نہیں بلکہ اس میں یہ ممکن تھا کہ وہ حضرت عمرؓ کے احسان کی وجہ سے ان سے قیمت میں رعایت کرے اور اس کا نقصان ہو اگرچہ یہ حقیقۃً عود تو نہیں البتہ صورۃً عود ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صورۃً عود سے منع کیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ إِسْحٰقَ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّي تُوُفِّيَتْ أَفَيَنْفَعُهَا إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّ لِي مَخْرَفًا فَأُشْهِدُكَ أَنِّي قَدْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَبِهِ يَقُولُ أَهْلُ الْعِلْمِ يَقُولُونَ لَيْسَ شَيْءٌ يَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ إِلَّا الصَّدَقَةُ وَالدُّعَاءُ وَقَدْ رَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ إِنَّ لِي مَخْرَفًا يَعْنِي بُسْتَانًا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں فوت ہو چکی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا فائدہ ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اس شخص نے عرض کیا میرے پاس ایک باغ ہے آپ گواہ رہیں میں نے یہ باغ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اہل علم کا یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میت کو صدقہ اور دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں پہنچتی بعض راوی اس حدیث کو عمرو بن دینار سے بحوالہ عکرمہ مرسلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور مخرف کا معنی باغ ہے۔

تشریح: ان رجلًا: رجل سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی والدہ کا نام عمرہ بنت مسعود انصاریہ خزرجیہ تھیں ان کی والدہ جب وفات پا گئیں تو ان کو بہت غم تھا کیونکہ ان کو اپنی والدہ سے بے حد محبت تھی ان کی دلجوئی کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کے بعد ان کی والدہ کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اگر میری والدہ کو موت سے پہلے احساس ہوتا تو وہ ضرور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرتیں مگر ان کا اچانک انتقال ہو گیا تو کیا میں ان کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کرو تمہارے صدقہ کرنے کا ثواب تمہاری والدہ کو پہنچے گا پھر انہوں نے سو غلام آزاد کئے اور ایک باغ اللہ کے راستے میں دیا۔

ایصال ثواب کے متعلق مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔ قرآن پاک میں آیت ہے: **لا تزر وازرۃ وزر اخری** اسی طرح آیت ہے **و أن لیس للانسان الا ما سعی**۔ ان سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے عمل سے مُردے کو نہ ثواب ملتا ہے اور نہ گناہ پہنچتا ہے مگر احادیث سے ثابت ہے کہ زندہ آدمی کے عمل کا ثواب مردے کو ملتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں صدقہ مالیہ کے ثواب کے پہنچنے کا ذکر ہے یہ حدیث سنداً احسن ہے۔ بعض حضرات ایصال ثواب کے منکر ہیں جیسا کہ منکرین حدیث اور اصحاب ظواہر غیر مقلدین وغیرہ۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ اس باب کی ساری احادیث غلط ہیں جب کہ احادیث متواترہ سے ایصال ثواب ثابت ہے۔ **وان لیس للانسان الا ما سعی** کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے پوری احادیث کا ذخیرہ ذکر کیا ہے اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ صدقات مالیہ کا ثواب بالاتفاق میت کو پہنچتا ہے۔ البتہ تلاوت کے بارے میں شوافع کے دو قول ہیں جواز اور عدم جواز کا۔ احناف کے نزدیک عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ دونوں کا ثواب ملتا ہے۔

بَابٌ فِي نَفَقَةِ الْمَرْأَةِ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ حَدَّثَنَا شُرَحْبِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيُّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ذٰلِكَ لَا تُنْفِقِ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الطَّعَامُ قَالَ ذٰلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حجۃ الوداع کے سال خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز خرچ نہ کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کیا کسی کو کھانا بھی نہ دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو ہمارے مالوں میں سے افضل ترین ہے۔ اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص، اسماء بنت ابوبکر، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوامامہ حسن ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا تَصَدَّقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا كَانَ لَهَا بِهِ أَجْرٌ وَلِلزَّوْجِ مِثْلُ ذٰلِكَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ وَلَا يَنْقُصُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ مِنْ أَجْرِ صَاحِبِهِ شَيْئًا لَهُ بِمَا كَسَبَ وَلَهَا بِمَا أَنْفَقَتْ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی عورت اپنے خاوند کے مال سے صدقہ دے تو اس کیلئے بھی اجر ہے اور اس کے خاوند کیلئے اس کی مثل ہے اور خزانچی کیلئے بھی اس کے برابر ہے اور کسی ایک کو اجر ملنے سے کسی دوسرے کا اجر کم نہیں ہوتا شوہر کے لئے کمانے اور بیوی کے لئے خرچ کرنے کا اجر ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا الْمُؤَمَّلُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَعْطَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا بِطِيبِ نَفْسٍ غَيْرَ مُفْسِدَةٍ فَإِنَّ لَهَا مِثْلُ أَجْرِهِ لَهَا مَا نَوَتْ حَسَنًا وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ أَبِي وَائِلٍ وَعَمْرُو بْنُ مُرَّةَ لَا يَذْكُرُ فِي حَدِيثِهِ عَنْ مَسْرُوقٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر سے خوشی کے ساتھ فساد کی نیت کے بغیر صدقہ دے تو اسے اس کے شوہر کے برابر ثواب ہوگا عورت کو اچھی نیت کا ثواب ہوگا اور خزانچی کے لئے بھی اس کے برابر اجر ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور عمرو بن مرہ کی حدیث سے اصح ہے عمرو بن مرہ اپنی روایت میں مسروق کا ذکر نہیں کرتے۔

تشریح: عورت کواگر شوہر کی جانب سے صراحۃً، دلالۃً یا عرفاً اجازت ہوتواس کے لئے شوہر کے گھر سے خرچ کرنا درست ہے بلکہ اس خرچ کرنے پر اس کو اجر بھی ملے گا ورنہ اجر نہیں ملے گا گناہ ملے گا اور آخرت میں یہ مال اس کے لئے وبال بن جائے گا۔ (کمافی عمدۃ القاری ۴ ص ۳۳۶)

سوال: بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "**قال اذا انفقت المرأة من کسب زوجها من غیر امره فلها نصف اجره**" پھر اس حدیث میں **عن امره** سے کیا مراد ہے۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عورت نے شوہر کی اجازت سے جو اسے دلالۃً یا عرفاً حاصل ہوئی ہو بغیر امر صریح کے انفاق کیا تو اس کو نصف اجر ملے گا جس کا مطلب یہ ہے کہ امر صریح کی صورت میں اجر کامل کی مستحق ہوگی۔

وللزوج مثل ذٰلك: یہ تشبیہ اجر میں مساوات کے لئے نہیں دی گئی یہ نہیں کہ عورت کا خرچ کرنے کا ثواب زوج کے خرچ کرنے کے برابر ہو جائے یا خادم کا خرچ کرنا مالک کے خرچ کرنے کے برابر ہو جائے یہ مطلب نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح زوج کو انفاق کی صورت میں ثواب ملے گا اسی طرح اگر اس کی بیوی اس کا مال اجازت سے خرچ کرے یا اس کا غلام خرچ کرے تو ان کو بھی مالک کی طرح ثواب ملے گا لیکن مالک جتنا نہیں۔ مالک کے علاوہ دوسرے حضرات کے انفاق سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا ثواب بھی مالک کے ثواب کے برابر ہو کیونکہ نیت اور دینے میں کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن المبارکؒ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کا بہت بڑا کاروبار تھا اور وہ لوگوں پر بہت خرچ کیا کرتے تھے جب ان کے پاس کوئی ضرورت مند آدمی آتا تو اپنے منیجر کو لکھ دیتے کہ اتنی رقم اس کو دے دو۔ ایک مرتبہ حضرت نے کسی کے لئے بہت بڑی رقم لکھ دی۔ منیجر نے بذریعہ تحریر حضرت سے عرض کیا کہ اگر آپ اس طرح سے مال لٹاتے رہیں گے تو میں کاروبار کیسے چلاؤں گا۔ حضرت نے اس تحریر کے نیچے لکھ دیا کہ دکان میری ہے یا آپ کی؟ منیجر کو مجبوراً وہ رقم دینی پڑی دیکھئے یہاں پر منیجر نے وہ رقم خوشی سے نہیں دی۔ اس لئے اس کو ثواب نہیں ملے گا ثواب اس کو اس وقت ملتا جب وہ رضا اور خوشی سے دیتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَدَقَةِ الْفِطْرِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عِيَاضِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ إِذْ كَانَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ زَبِيبٍ وَ صَاعًا مِنْ أَقِطٍ فَلَمْ نَزَلْ نُخْرِجُهُ حَتَّى قَدِمَ مُعَاوِيَةُ الْمَدِينَةَ فَتَكَلَّمَ فَكَانَ فِيمَا كَلَّمَ بِهِ النَّاسَ إِنِّي لَأَرَى

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں صدقہ فطر ایک صاع غلہ یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع خشک انگور یا ایک صاع پنیر سے دیا کرتے تھے پھر ہم اسی طرح صدقہ فطر ادا کرتے رہے یہاں تک کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور انہوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میرے خیال میں گیہوں کے دو شامی مد

مُدَّيْنِ مِنْ سَمْرَاءِ الشَّامِ تَعْدِلُ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ قَالَ فَأَخَذَ النَّاسُ بِذٰلِكَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَلَا أَزَالُ أُخْرِجُهُ كَمَا كُنْتُ أُخْرِجُهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَوْنَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ صَاعًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ صَاعٌ إِلَّا مِنَ الْبُرِّ فَإِنَّهُ يُجْزِئُ نِصْفُ صَاعٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ يَرَوْنَ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ.

حَدَّثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكْرَمٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا سَالِمُ بْنُ نُوحٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِي فِجَاجِ مَكَّةَ أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ مُدَّانِ مِنْ قَمْحٍ أَوْ سِوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلَى الذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالْحُرِّ وَالْمَمْلُوكِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ قَالَ فَعَدَلَ النَّاسُ إِلٰى نِصْفِ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَدِّ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ذُبَابٍ وَثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَ زَكَاةَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ

ایک صاع کھجور کے برابر ہیں راوی کہتے ہیں لوگوں نے اس پر عمل شروع کر دیا لیکن میں اسی طرح دیتا رہا جس طرح پہلے دیا کرتا تھا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر بعض اہل علم کا عمل ہے کہ ہر چیز سے ایک صاع صدقہ فطر ادا کیا جائے۔ امام شافعیؒ احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض صحابہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ ہر چیز کا ایک صاع ہے لیکن گیہوں کا نصف صاع ہی ہوگا سفیان ثوری ابن مبارک اور اہل کوفہ کے نزدیک گیہوں کا نصف صاع صدقہ فطر میں دیا جائے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں ایک منادی کو بھیجا سن لو صدقہ فطر ہر مسلمان مرد عورت غلام آزاد چھوٹے اور بڑے پر واجب ہے دو مد گیہوں میں سے یا اس کے علاوہ کسی بھی غلے سے ایک صاع امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب حسن ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان مرد و عورت اور آزاد غلام پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر فرض کیا پھر لوگوں نے اسے آدھا صاع گیہوں کر دیا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں ابوسعید ابن عباس حارث بن عبدالرحمن بن ابوذباب کے دادا ثعلبہ بن ابوصغیر اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا صدقہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو مقرر فرمایا اور اسے ہر مسلمان آزاد غلام مرد عورت پر فرض قرار دیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمر حسن صحیح ہے اس حدیث کو مالک نافع

أُنْثٰى مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ قَالَ أَبُو عِيْسٰى حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيْثِ أَيُّوْبَ وَزَادَ فِيْهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ نَافِعٍ وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ عَبِيْدٌ غَيْرُ مُسْلِمِيْنَ لَمْ يُؤَدِّ عَنْهُمْ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ و قَالَ بَعْضُهُمْ يُؤَدِّي عَنْهُمْ وَإِنْ كَانُوْا غَيْرَ مُسْلِمِيْنَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَإِسْحٰقَ

سے اور وہ ابن عمر سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے ایوب کی حدیث کی مثل روایت کرتے ہوئے اس میں من المسلمین کا لفظ زیادہ روایت کرتے ہیں اور اسے کئی اور راوی بھی نافع سے روایت کرتے ہیں لیکن وہ من المسلمین کے الفاظ ذکر نہیں کرتے اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے مسلمان غلام نہ ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا ضروری نہیں امام مالک شافعی اور احمد کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک اگر غلام مسلمان نہ بھی ہوں تب بھی صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے اور یہ سفیان ثوری ابن مبارک اور اسحاق کا قول ہے۔

تشریح: صدقہ فطر کے متعلق بہت سارے مسائل ہیں جن کی وضاحت یہاں کی جاتی ہے۔

مسئلہ اولیٰ: صدقہ فطر کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہے۔ امام مالکؒ کی دوسری روایت سنت کی ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقہ فطر فرض ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے ان رسول الله ﷺ فرض زكوة الفطر من رمضان على الناس۔

جواب: فرض زکوٰۃ الفطر سے مراد فرض نہیں بلکہ وجوب کا ثبوت ہے چنانچہ ابن دقیق العید احکام الاحکام جلد ۲ ص ۵ میں اسی فرض کے تحت لکھتے ہیں "المشهور من مذاهب الفقهاء وجوب زكوة الفطر لظاهر هٰذا الحديث وقوله فرض وذهب بعضهم الى عدم الوجوب وتاوّلوا فرض بمعنى قدّر و هو اصله فى اللغة لكن نقل فى عرف الشرع الى الوجوب فالحمل عليه اولىٰ" فتح الملهم جلد ۳ ص ۱۲ میں ابن عبدالبرؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے "قوله فرض يحتمل وجهين احدهما وهو الاظهر فرض بمعنى او جب والاخر فرض بمعنى قدّر كما تقول فرض القاضى نفقة اليتيم اى قدّر۔

جواب ثانی: یہ حدیث خبر واحد ہے جس سے زیادہ سے زیادہ واجب ثابت ہوسکتا ہے فرض کے ثبوت کے لئے قطعی دلیل درکار ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: اسی باب کی روایت ثانی مستدل ہے عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبى ﷺ بعث مناديا فى فجاج مكّة الا انّ صدقة الفطر واجبة على كل مسلم ذكرٍ أو انثى، حرًّا و عبده صغير أو كبيرٍ مدان من قمح أو سواه صاع من طعام۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے "ان رسول الله ﷺ امر صارخاً ببطن مكة ينادى ان صدقة الفطر حق واجب على كل مسلم. (مستدرک حاکم)

دلیل ثالث: عن عبدالله بن ثعلبه ؓ قال خطب رسول الله ﷺ قبل يوم الفطر بيوم او يومين فقال

ادوا صاعاً من بر او قمح بین اثنین الحدیث۔

دلیل رابع: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصدقۃ الفطر کما فی الدار قطنی۔

دلیل خامس: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بزکوۃ الفطر بخاری و مسلم۔

مسئلہ ثانیہ: صدقہ فطر کب واجب ہوتا ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک رمضان کے آخری دن کے غروب شمس سے واجب ہوتا ہے یہی امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عید کے دن طلوع فجر کے بعد واجب ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہ صدقہ، فطر کے سبب سے ہے اور غروب شمس وقت فطر (افطار) ہے لہٰذا اسی وقت واجب ہونا چاہئے۔

احنافؒ کی دلیل: رمضان میں غروب شمس کے بعد جو فطر ہوتا ہے وہ معتاد ہے اسلئے اس کی سببیت کیلئے ایسا فطر لینا چاہئے جو غیر معتاد ہو اور وہ یوم عید کا وقت فجر ہے لہٰذا اس وقت سے صدقہ فطر واجب ہونا چاہئے۔ ہاں البتہ عید سے قبل صدقہ فطر کی ادائیگی کر دینا بہتر ہے تاکہ فقراء بھی عید منالیں۔ اس مسئلہ میں ہر دو حضرات کا اپنا اپنا اجتہاد ہے حدیث کسی کا مستدل نہیں۔

فائدہ: صدقہ فطر یہ ایک اعتبار سے بدنی عبادت ہے کہ یہ بدنی عبادت روزہ کی تکمیل کے لئے ہے اس لئے یہ غلام پر بھی واجب ہے دوسرے لحاظ سے مالی عبادت ہے کہ صدقہ فطر مال سے ہی ادا ہوتا ہے اس لئے غلام کا صدقہ فطر اس کے مولیٰ پر واجب ہوتا ہے نہ کہ غلام پر نیز تیسری حیثیت سے یہ مالی ٹیکس کی حیثیت بھی رکھتا ہے جیسے پیداوار کا خراج اس لئے یہ نابالغ بچے پر بھی واجب ہوتا ہے مگر بچہ کا فطرہ والد ہی دے گا ہاں البتہ بچہ غنی ہو تو پھر بچے کے مال سے دیا جائے گا۔

مسئلہ ثالثہ: صدقہ فطر میں نصاب شرط ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صدقہ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جو نصاب کا مالک ہو اگرچہ وہ نصاب غیر نامی ہو۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک صدقہ فطر پر اس شخص پر واجب ہے جسکے پاس ایک دن کی ضروریات سے زائد مال ہو وھذا ھو الذی ذکرہ الرافعی والنووی فی قدر الیسار للفطرۃ والیہ ذھب مالک و احمد کما فی شرح المھذب۔

احناف کی دلیل اوّل: بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "خیر الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی"۔

دلیل ثانی: بخاری شریف باب لاصدقۃ الا عن ظھر غنی، کتاب الزکاۃ میں حدیث ہے جو حکیم بن حزامؓ کی سند سے مروی ہے۔

دلیل ثالث: مذکورہ بہت ساری احادیث میں صدقہ فطر پر زکوۃ کا لفظ بولا گیا ہے اور اسی طرح قد افلح من تزکی والی آیت صدقہ فطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ابن حجرؒ کے بقول واٰتوا الزکوۃ آیت کا عموم فطر کو بھی شامل ہے۔ لہٰذا نصاب شرط ہونا چاہیے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: مسند احمد میں روایت ہے عن ابی ثعلبۃ بن ابی صعیر عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاع بن بر او قمح عن کل اثنین صغیر او کبیر حرّ او عبد ذکر او انثی اما غنیکم فیزکیہ اللہ واما فقیرکم فیرد علیہ اکثر مما اعطاہ۔

جواب اوّل: اس کی سند میں ایک راوی نعمان بن بشیر ضعیف ہے۔ اور ابن ابی صعیر مجہول راوی ہے اور اکثر روایات میں فقیر کا ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ روایت شاذ ہے۔

جواب ثانی: اس نص کی تاویل کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ فقیر سے مراد فقیر اضافی ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں **و اما فقیر کم ای بالاضافة الی اکابر الاغنیاء علی مذهبنا۔**

مسئلہ رابعہ: صدقہ فطر کس کس کی طرف سے واجب ہے؟

اس بات پر علماء کرام کا اتفاق ہے کہ صدقہ فطر اولاد صغار کی طرف سے بھی اور مسلمان غلام کی طرف سے بھی ادا کیا جائے گا لیکن کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر دیا جائے گا یا نہیں اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک مولیٰ پر کافر غلام کا صدقہ فطر بھی واجب ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کافر غلام کی طرف سے صدقہ فطر نہیں دیا جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب ہے جس میں **من المسلمین** کی قید موجود ہے۔ **ان رسول الله ﷺ فرض زكوٰة الفطر من رمضان صاعًا من تمر او صاعًا من شعير على كل حر او عبد ذكر او انثى من المسلمين**۔ باقی مطلق روایات اس مقید روایت پر محمول ہیں۔

جواب اوّل: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نصوص دو ہیں مطلق اور مقید ہم ان دونوں پر عمل کرتے ہیں وہ اس طرح کہ یہاں ہم مطلق کو مقید پر محمول نہیں کریں گے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ایک چیز کے متعدد اسباب ہوتے ہیں جیسے کسی چیز کی ملکیت کا سبب شراء بھی ہوسکتا ہے ھبہ بھی ہوسکتا ہے اور وصیت یا صدقہ بھی ہوسکتا ہے۔

جواب ثانی: علامہ طحاویؒ فرماتے ہیں کہ "**من المسلمین**" کی قید کا تعلق مخرجین سے ہے جنہوں نے صدقہ ادا کرنا ہے۔ **مخرج عنهم** سے نہیں جنکی طرف سے ادا کرنا ہے مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اور مالک کا مسلمان ہونا ضروری ہے غلام کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔

جواب ثالث: **من المسلمین** کی زیادتی بعض روایات میں نہیں ہے اور یہ ایک مضطرب روایت ہے اور خود راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس کے خلاف عمل موجود ہے لہٰذا یہ مرجوح ہے۔

مسئلہ خامسہ: بیوی کا صدقہ فطر کس کے ذمہ ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور ابن المنذرؒ فرماتے ہیں کہ عورت پر فطرانہ لازم ہے جو خود ادا کرے۔

قول ثانی: باقی ائمہ کے نزدیک بیوی کا صدقہ فطر خاوند کے ذمہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: مسلم شریف جلد اوّل ص ۳۱۷ ترمذی شریف جلد اوّل ص ۸۵ میں ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے حدیث یہ ہے "**فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر على الذكر والانثى**"۔

باقی ائمہ کی دلیل اوّل: مسند شافعی ص ۳۲ میں ہے **عن جعفر بن محمد عن ابيه ان رسول الله ﷺ فرض زكوٰة الفطر على الحر والعبد والذكر والانثى ممن**۔

الجواب: قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار جلد ۴ ص ۱۹۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت منقطع ہے اور اسی صفحہ میں بحوالہ بیہقی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت نقل کی ہے اور آگے لکھا ہے **اسنادہ ضعیف۔**

دلیل ثانی: فرماتے ہیں کہ جب نفقہ خاوند پر لازم ہے تو صدقہ بھی اسی پر لازم ہے۔

الجواب الاوّل: قاضی شوکانیؒ نیل الاوطار جلد ۴ ص ۱۹۱ میں لکھتے ہیں **قال الحافظ و فیه نظر لانهم قالوا ان اعسر و کانت الزوجة امة وجبت فطرتها علی السید بخلاف النفقة فافترقا۔** حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے کیونکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر وہ تنگ دست ہے اور اس کی بیوی کسی کی لونڈی ہے تو صدقہ فطر اس کے آقا پر واجب ہے برخلاف نفقہ کے کہ نفقہ تو اس کے خاوند پر لازم ہے۔

الجواب الثانی: اس بات پر اتفاق ہے کہ جس کی بیوی کافرہ ہو اور خاوند مسلمان ہو تو خاوند اس کے لئے فطرانہ نہیں نکالے گا حالانکہ نفقہ اس پر لازم ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۳ ص ۳۶۹ میں بیان کی ہے: **اتفقوا علی ان المسلم لا یخرج عن زوجته الکافرة مع ان نفقتها تلزم علیه۔**

مسئلہ سادسہ: **صدقہ فطر کی مقدار کیا ہے اور کس چیز سے صدقہ دیا جائے گا؟** اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صدقہ فطر میں خواہ گندم دی جائے یا جو یا کھجور یا کشمش سب کا ایک صاع فی کس واجب ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گندم کا نصف صاع اور دیگر اجناس کا ایک صاع واجب ہوتا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب یعنی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**کنا نخرج زکوٰة الفطر اذا کان فینا رسول اللہ ﷺ صاعًا من طعام أو صاعًا من شعیر او صاعًا من تمر او صاعًا من زبیب او صاعًا من اقط**" اس حدیث میں لفظ طعام استعمال کیا گیا ہے جسکو ائمہ ثلاثہ نے گندم کے معنی پر محمول کیا ہے۔ اسکو اناج کے معنی پر بھی محمول کر سکتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ لفظ گندم کو شامل ہے پھر او کے ساتھ شعیر کا عطف اس پر ڈالا گیا تو لامحالہ اس سے مراد گندم ہوگی۔

جواب: یہاں پر اس سے مراد گندم کے ماسوا دوسرے اناج ہیں جیسے مکئی وغیرہ اس کی تائید حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے "**قال کنا نخرج فی عهد رسول اللہ ﷺ یوم الفطر صاعًا من طعام قال ابو سعید رضی اللہ عنہ و کان طعامنا الشعیر والزبیب والاقط والتمر**" طحاوی شریف کی روایت میں یہ اضافہ ہے **ولا یخرج غیرہ۔** اس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر طعام سے مراد گندم کے ماسوا دوسرا اناج ہے آپ ﷺ کے زمانے میں گندم کی بہت قلت تھی صدقہ فطر میں نہیں دی جاتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے **قال لم تکن الصدقة علی عهد رسول اللہ ﷺ الا التمر والزبیب والشعیر ولم تکن الحنطة۔** مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں تمر، اقط، شعیر کا ذکر ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں لفظ طعام کا اطلاق گندم کو چھوڑ کر دوسری اجناس پر ہوتا تھا وجہ یہی تھی کہ اس دور میں گندم بہت کم تھی۔ حاصل یہ کہ حدیث الباب میں طعام سے مراد گندم نہیں۔

دلیل ثانی: ان کا دوسرا استدلال حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت معاویہؓ نے گندم کا نصف صاع نکالنے کا حکم دیا تھا

لیکن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اسے قبول نہیں فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں **فلا ازال اخرجه كما كنت اخرجه۔**

جواب: اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ پہلے کی طرح ایک صاع نکالتے رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے صدقۃ الفطر گندم سے ادا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ دوسری اجناس سے ایک صاع نکال کر صدقہ فطر ادا کیا کرتے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ آنے کے بعد بھی انہوں نے اپنے اس عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جبکہ دوسرے لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول **انی لاری مدین من سمراء الشام تعدل صاعا من تمر** سن کر دوسری اجناس سے صدقۃ الفطر ادا کرنے کے بجائے بطور فطرانہ گندم کا نصف صاع نکالنا شروع کر دیا تھا۔ باقی جہاں تک گندم کا تعلق ہے اس کے بارے میں خود حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ گندم میں نصف صاع واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ امام طحاویؒ نے حضرت حسن بصریؒ کی روایت نقل کی ہے۔

باقی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے قول "**فلا ازال اخرجه كما كنت اخرجه**" کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ کو شروع میں یہ معلوم نہ تھا کہ گندم کا نصف صاع خود آنحضرتؐ نے مقرر فرمایا تھا اسلئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کے قول کو انکا قیاس سمجھا۔

احناف کی دلیل اوّل: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث الباب ہے **مدان من قمح او سواه صاع من طعام** یہ مرسل قوی ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے الباب ہے **فرض رسول الله ﷺ صدقة الفطر او صاعًا من شعير قال فعدل الناس الى نصف صاع من بر۔ الناس** سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

دلیل ثالث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ تشریف لائے "**فتكلم فكان فيما كلم به الناس انى لارى مدين من سمراء الشام تعدل صاعًا من تمر قال فاخذ الناس بذالك قال ابو سعيد** رضی اللہ عنہ **فلا ازال۔**" اس روایت میں بھی الناس سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں "**قال الترمذی هٰذا حديث حسن صحيح**" تو اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔

دلیل رابع: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیا اور فرمایا **فرض رسول الله ﷺ هٰذه الصدقة صاعًا من تمر او شعير او نصف صاع من قمح** (جلد اوّل ص ۲۳۶ کتاب الزکوٰۃ باب من روی نصف صاع من قمح) یہ مرسل قوی ہے اور جمہور کے نزدیک مرسل حجت ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں مرسل کے متابعات ہوں تو حجت ہے یہاں کافی متابعات موجود ہیں۔

دلیل خامس: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت ہے **ان رسول الله ﷺ بعث صارخاً بمكة ان صدقة الفطر حق واجب مدان من قمح۔** (مسند بزار والحاکم)

دلیل سادس: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تیسری روایت ہے **ان رسول الله ﷺ امر بزكاة الفطر صاعًا من تمر او صاعاً من شعير او مدان من قمح۔**

دلیل سابع: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **كنا نؤدى زكوٰة الفطر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مدين من قمح.** (مسند احمد)

اعتراض: اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔

جواب: طحاوی شریف میں اس کے علاوہ متعدد سندیں ہیں جن میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

دلیل ثامن: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے **ان رسول اللہ ﷺ امر عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فی زکوٰۃ الفطر بنصف صاع من حنطۃ۔** (اخرجہ الحاکم)

دلیل تاسع: حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے **خطب رسول اللہ ﷺ ثم ذکر صدقۃ الفطر وحض علیھا وقال نصف صاع من برٍّ الحدیث۔** (مراسیل ابوداؤد)

دلیل عاشر: حضرت ثعلبہ بن صعیر عن ابیہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال رسول اللہ ﷺ صاع من بر او قمح علی کل اثنین۔** (جلد ۱ ص ۲۳۵ کتاب الزکوٰۃ باب من روی نصف صاع) ابوداؤد کی سند سے یہ حسن ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک رمضان سے پہلے ادا کرنا جائز نہیں۔

باب ما جاء فی تقدیمھا قبل الصلاۃ

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ أَبُو عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدَنِيُّ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ يَنِي قَالَ عَنِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِإِخْرَاجِ الزَّكَاةِ قَبْلَ الْغُدُوِّ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يُخْرِجَ الرَّجُلُ صَدَقَةَ الْفِطْرِ قَبْلَ الْغُدُوِّ إِلَى الصَّلَاةِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الفطر کی نماز ادا کرنے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے اہل علم کے نزدیک نماز کے لئے جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا مستحب ہے۔

تشریح: صدقہ فطر کی ادائیگی نماز عید کے لئے جانے سے پہلے مستحب ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے **کما فی العمدۃ وھو قول عامۃ اھل العلم۔**

مسئلہ: **عید الفطر سے قبل صدقۃ الفطر کی ادائیگی کا حکم:** اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایک سال یا دو سال پہلے بھی ادائیگی درست ہے۔

قول ثانی: خلف بن ایوب کے نزدیک ایک ماہ قبل اس کی ادائیگی درست ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۱۴)

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً تقدیم جائز نہیں عید کا دن آنے کے بعد ہی صدقہ دے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک یا دو دن پہلے تو اس کی ادائیگی درست ہے اس سے پہلے درست نہیں۔

شوافع کی اس بارے میں تین روایتیں ہیں۔ ① **یجوز فی جمیع السنۃ** پورے سال میں اس کی ادائیگی درست ہے۔ ② **یجوز فی جمیع رمضان** پورے رمضان میں اس کی ادائیگی درست ہے۔ ③ **یجوز بعد طلوع الفجر من رمضان**

ولا یجوز فی اللیلۃ الاولی رمضان کی پہلی صبح صادق طلوع ہونے کے بعد ادائیگی درست ہے البتہ رمضان کی پہلی شب میں ادائیگی صحیح نہیں۔ جمہور شافعیہ نے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے۔

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ صدقہ فطر میں نفس وجوب اور وجوب اداء ساتھ ساتھ ہیں یا الگ الگ اس میں اختلاف کی وجہ سے مسئلہ بھی مختلف فیہ ہوگیا زکوٰۃ میں بالا جماع دونوں الگ الگ ہیں۔ وہاں نفس وجوب کا سبب نصاب کا مالک ہونا ہے اور وجوب ادا کا سبب حولان حول ہے تو زکوٰۃ میں سب کا اتفاق ہے کہ پہلے زکوٰۃ ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ وجوب زکوٰۃ پایا گیا۔

مگر صدقہ فطر میں نفس وجوب اور وجوب اداء دونوں الگ الگ ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں وجوب اداء کا سبب عید الفطر کا دن ہے اور نفس وجوب کا سبب رأس یمونہ ویلی علیہ ہے یعنی ایسی ذات جس کا وہ خرچ برداشت کرتا ہے اور وہ ذات اس کی سرپرستی میں ہے کہ آدمی اپنا بھی خرچ برداشت کرتا ہے اور اپنی بالغ اولاد کا بھی خرچ برداشت کرتا ہے اور ان کی بھی سرپرستی کرتا ہے ان کے بھلے اور برے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور بالغ اولاد کا خرچ باپ پر واجب نہیں اور نہ ہی وہ باپ کی سرپرستی میں ہے اگر باپ ان پر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کا اخلاق ہے۔ بہرحال احناف کے نزدیک صدقۃ الفطر کے وجوب کا سبب ذات ہے اور وہ ذات پہلے سے موجود ہے اس لئے نفس وجوب بھی پایا گیا اس وجہ سے صدقہ کو عید سے پہلے مقدم کرنا جائز ہے جیسا کہ زکوٰۃ کو مقدم کرنا جائز ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک دونوں ساتھ ساتھ ہیں جیسے نماز کا نفس وجوب اور جواز اداء ساتھ ساتھ ہیں۔ پس جس طرح وقت سے پہلے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ اسی طرح عید الفطر سے پہلے صدقہ ادا کرنا صحیح نہیں۔

پھر اگر صدقۃ الفطر کی ادائیگی نماز عید کے بعد کی گئی تو اس کو اداء سمجھا جائے گا قضا نہیں اور تاخیر کا جو گناہ ہوا ہوگا وہ بھی ادائیگی سے ساقط ہوجائے گا لیکن شافعیہ کے نزدیک عید کا دن گزرنے کے بعد اس کی ادائیگی اداء نہیں ہے بلکہ قضاء ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

صدقۃ الفطر کے بارے میں بہتر یہ ہے کہ وہ چار پانچ دن پہلے دیا جائے تا کہ جن لوگوں کے پاس عید کے لئے کپڑے وغیرہ نہ ہوں وہ کپڑے اور عید کی خوشیاں حاصل کرسکیں یا پھر عید کے دن نماز عید سے قبل صدقہ فطر دے دے تا کہ دیہاڑی پر کمائی کرنے والوں کو صبح کے وقت ہی دن کا خرچ مل جائے گا تو وہ چھٹی کریں گے۔ اور اگر پندرہ بیس دن پہلے صدقہ فطر ادا کردیا تو عید آتے آتے وہ ختم ہوجائے گا۔ اس لئے عید کے دن صدقہ فطر ادا کرنا افضل ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّا عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنْ حُجَيَّةَ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَعْجِيلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهُ فِي ذٰلِكَ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زکوٰۃ کے وقت سے پہلے ادا کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِيْنَارٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ جَحْلٍ عَنْ حُجْرٍ الْعَدَوِيِّ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعُمَرَ إِنَّا قَدْ أَخَذْنَا زَكَاةَ الْعَبَّاسِ عَامَ الْأَوَّلِ لِلْعَامِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا أَعْرِفُ حَدِيثَ تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِيْنَارٍ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَحَدِيثُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ زَكَرِيَّا عَنِ الْحَجَّاجِ عِنْدِي أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ إِسْرَائِيلَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ دِيْنَارٍ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي تَعْجِيلِ الزَّكَاةِ قَبْلَ مَحِلِّهَا فَرَأَى طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا يُعَجِّلَهَا وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ لَا يُعَجِّلَهَا وَ قَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنْ عَجَّلَهَا قَبْلَ مَحِلِّهَا أَجْزَأَتْ عَنْهُ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ہم عباس سے گزشتہ سال اس سال کی بھی زکوۃ لے چکے ہیں اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے تعجیل زکوۃ کے بارے میں اسرائیل کی حجاج بن دینار سے مروی حدیث کو اس سند کے علاوہ نہیں جانتا اور میرے نزدیک اسماعیل بن زکریا کی حجاج سے مروی حدیث اسرائیل کی حجاج سے مروی حدیث سے اصح ہے اور یہ حدیث حکم بن عتیبہ کے واسطے سے نبی کریمؐ سے مرسلاً بھی مروی ہے اہل علم کا وقت سے پہلے زکوۃ کی ادائیگی میں اختلاف ہے اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے کہ زکوۃ وقت سے پہلے ادا نہ کی جائے سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے کہ میرے نزدیک اس میں جلدی بہتر نہیں اکثر اہل علم کے نزدیک وقت سے پہلے زکوۃ ادا کرنے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے امام شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: **صاحب نصاب کا پیشگی زکوۃ ادا کرنے کا حکم:** یہ اس کیلئے جائز ہے اس میں ائمہ کے مختلف اقوال بھی نقل کئے جاتے ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کے نزدیک نصاب کے مکمل ہونے کے بعد اور حولان حول سے پہلے ادائیگی درست ہے۔

قول ثانی: سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حولان حول سے قبل ادائیگی درست نہیں۔

مالکیہ کی دلیل اوّل: امام مالکؒ نے زکوۃ کو نماز پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح دخول وقت سے پہلے نماز درست نہیں اسی طرح حولان حول سے پہلے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

جواب: وقت نماز کے لیے سبب وجوب ہے جبکہ حولان حول زکوۃ کے لئے شرط اداء ہے نہ کہ سبب وجوب۔ لہٰذا حولان حول کو وقت صلوۃ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

دلیل ثانی: عن ابن عمرؓ **زکوۃ فی مال حتیٰ یحول علیہ الحول** تو زکوۃ بھی حولان حول سے پہلے واجب نہیں اور وجوب سے قبل ادائیگی درست نہیں۔

جواب: زکوۃ کا وجوب نصاب سے ہوتا ہے حولان حول وجوب اداء کی شرط ہے نہ کہ نفس وجوب کی۔ حولان حول کے بعد زکوۃ دینا مؤجل کی مانند ہے مؤجل کی تعجیل صحیح ہوتی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے ان العباس رضی اللہ عنہ سأل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی تعجیل صدقة قبل أن تحل فرخص له فی ذلك۔

دلیل ثانی: عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لعمر انا قد اخذنا زكوة العباس رضی اللہ عنہ عام الاول للعام۔ اصح یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور مرسل جمہور کے ہاں حجت ہے۔

دلیل ثالث: عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال بعث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عمر رضی اللہ عنہ علی الصدقة فقیل منع ابن جمیل و خالد بن الولید والعباس رضی اللہ عنہ (الی) فقال صلی اللہ علیہ وسلم و اما العباس فهی علی ومثلها معها۔ (بخاری و مسلم)

رفع تعارض: ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں تعجیل زکوۃ کا اثبات ہے اور بعض سے تاخیر ثابت ہوتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ یہ اختلاف تعدد واقعات پر محمول ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ بَيَانِ بْنِ بِشْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ فَيَحْتَطِبَ عَلَى ظَهْرِهِ فَيَتَصَدَّقَ مِنْهُ فَيَسْتَغْنِيَ بِهِ عَنِ النَّاسِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ رَجُلًا أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهُ ذَلِكَ فَإِنَّ الْيَدَ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ وَفِي الْبَابِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَعَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَمَسْعُودِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عَبَّاسٍ وَثَوْبَانَ وَزِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ وَأَنَسٍ وَحُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ وَقَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ وَسَمُرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيثِ بَيَانٍ عَنْ قَيْسٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اگر کوئی شخص صبح نکلے اور اپنی پیٹھ پر لکڑیاں لے کر واپس ہو پھر اس میں سے صدقہ کرے اور لوگوں سے سوال کرنے سے بے نیاز ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ کوئی شخص کسی سے سوال کرے پھر اس کی مرضی وہ اسے دے یا نہ دے پس اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور پہلے خرچ کرو ان پر جن کی کفالت تمہارے ذمہ ہے۔ اس باب میں حضرت حکیم بن حزام، ابوسعید خدری، زبیر بن عوام، عطیہ سعدی، عبداللہ بن مسعود، مسعود بن عمرو، ابن عباس، ثوبان، زیاد بن حارث صدائی، انس حبشی بن جنادہ، قبیصہ بن مخارق، سمرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور بیان کی قیس سے روایت کی وجہ سے غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سوال کرنا ایک خرابی ہے کہ آدمی اس سے اپنی آبرو کو خراب کرتا ہے یا ایک زخم ہے

إِنَّ الْمَسْأَلَةَ كَدٌّ يَكُدُّ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ سُلْطَانًا أَوْ فِي أَمْرٍ لَا بُدَّ مِنْهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

کہ اس سے آدمی اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے البتہ اگر کوئی شخص حکمران سے سوال کرے یا کسی ضروری امر میں سوال کرے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں سوال کرنے سے منع آیا ہے کہ بلاضرورت سوال کرنا حرام ہے اور اگر ضرورت ہو تو تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ ① ایسے طریقے سے نہ مانگے کہ اس کی ذلت ظاہر ہو۔ ② التجاء وآہ وزاری نہ کرے۔ ③ مسئول عنہ کو بار بار مانگ کر تکلیف نہ پہنچائے۔

سوال کرنا کس حد تک جائز ہے اور سوال کون کر سکتا ہے؟ اس کی تفصیل ماقبل **باب من تحل له الزكوٰة** میں کدوح خدوش کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

فان اليد العليا خير من اليد السفلى: ید علیا اور ید سفلی سے کیا مراد ہے اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

① **العليا هي المنفقه والسفلى هي السائلة** ید علیا سے مراد ید منفقہ ہے اور ید سفلی سے مراد ید سائلہ ہے۔

② **العليا هي امنفقة والسفلى الآخذة** ید علیا سے مراد ید منفقہ ہے اور ید سفلی سے مراد ید آخذہ ہے۔

③ **العليا يد الله ويد السائل السفلى** ید علیا سے مراد ید اللہ ہے اور ید سفلی سے مراد ید سائل ہے۔

④ **ان العلياء هي اليد المتعففة** ید علیا سے مراد ید متعففہ ہے۔

⑤ **العليا الآخذة والسفلى المانعة** ید علیا سے مراد ید آخذہ ہے اور ید سفلی سے مراد ید مانعہ ہے۔

⑥ **اليد هي النعمة** ید سے مراد نعمت ہے اور مطلب یہ ہے کہ عطیہ کثیرہ عطیہ قلیلہ کے مقابلے میں بہتر ہے۔

⑦ **اليد العليا المعطية والسفلى المانعة** ید علیا سے مراد ید معطیہ ہے اور سفلی سے مراد ید مانعہ ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۱۹ تا ۳۲۱)

ان تمام اقوال میں پہلا قول راجح ہے جیسا کہ ابن حجرؒ کا قول ہے اور علامہ عینیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

وابدأ بمن تعول: یعنی انفاق کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کرے اگر اپنے اہل وعیال سے کرے گا تو دو اجر ملیں گے ایک اجر انفاق اور دوسرا اجر صلہ رحمی **كالها اجران أجر القرابة وأجر الصدقة۔**

ان المسئلة كد يكد بها الرجل: مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے سے آدمی کی عزت اور چہرے کی وجاہت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کی عزت لوگوں کے سامنے مٹ جاتی ہے ڈنکے کی چوٹ پر حق بات نہیں کہہ سکتا۔ دیکھئے جو امام اپنے مسجد کے مقتدیوں سے چندہ لے کر یا ان سے سوال کر کے کھائے گا اگر وہ کسی غلط کام میں ملوث ہو جاتے ہیں تو امام کے اندر جرأت نہیں ہوگی کہ وہ ان کو برے کاموں سے روکے۔ کیونکہ مانگنے والی بات سامنے آجائے گی۔ اس کے برخلاف جو امام اپنے مقتدیوں سے کسی قسم کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ اس امام کو اپنے مقتدیوں کے مال پر نظر ہوتی ہے تو وہ ڈنکے کی چوٹ پر حق بات کہتا ہے اور اس کی باتوں کا اثر ورسوخ بھی رہتا ہے۔ ایسے بہت سارے ائمہ مساجد دیکھنے میں آئے ہیں اور ایسے اماموں کی لوگ بہت عزت بھی کرتے ہیں اور ان

کی ہر بات پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

الا أن یسأل الرجل سلطانا: مگروہ شخص اگر بادشاہ سے سوال کرے تو کرسکتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ کے سامنے ہر شخص کوئی بات نہیں کرسکتا اور جو اس سے کرے گا اس سے ہزاروں سوالات کئے جائیں گے اس کی خوب تفتیش کی جائے گی پھر جا کر اس کا مطالبہ پورا کیا جائے گا۔ اس صورت میں ہر شخص بادشاہ سے سوال نہیں کرسکتا بلکہ وہی شخص سوال کرے گا جو ناحق پیسوں کو ضائع کرنے والا نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ چونکہ بادشاہ بیت المال کا مالک ہے اور بیت المال میں سارا مال مسلمانوں کا حق ہے لہٰذا یہ بھی سلطان سے سوال کر کے بیت المال سے اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔

اوفی امر لابد منه: اس کا مطلب یہ ہے کہ حاجت شدیدہ کے وقت غیر سلطان سے بھی سوال درست ہے۔ لیکن موجودہ دور میں جو مانگنا اور چندہ کرنے کی رسم شروع ہوگئی ہے وہ بہت ہی بھیانک ہے۔ چندہ کا اصول یہ ہے کہ جہاں مدرسہ ومسجد بن رہی ہو وہیں کے لوگ محنت اور درس وتدریس دیکھ کر خود چندہ دیں۔ یہ صورت حال بہت کم پائی جاتی ہے بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ کہیں دور دراز دیہات میں مدرسہ بن رہا ہے اوران کا چندہ لندن میں ہورہا ہے۔ تو اب اس مدرسہ کا کونسا فیض لندن پہنچ رہا ہے کہ وہاں کے لوگوں سے چندہ وصول کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر دور دراز اس لئے جاتے ہیں تا کہ ہماری حقیقت حال سے لوگ واقف نہ ہوں اور زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کے نام پر لے کر اس سے گھر اور گاڑیاں خریدی جاتی ہیں ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ کل اللہ کے نزدیک لوگوں کی پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا۔ صرف اتنا بھی سوچ لیں تو ایک پیسہ کی بھی خیانت نہ کریں۔ **اللّٰھم احفظ جمیع المسلمین والسفیرین۔**

أَبْوَابُ الصَّوْمِ

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم

صوم کی لغوی تعریف: لغت میں صوم کہتے ہیں مطلق امساک کو جیسا کہ حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا گیا تھا **كما في قوله تعالى "اني نذرت للرحمٰن صوما.** (الآیۃ: مریم ۲۶) **ای امساكا عن الكلام"** یہاں بات نہ کرنے کو صوم سے تعبیر کیا۔ اسی طرح ایک عربی شاعر اپنے گھوڑوں کو چارہ وغیرہ نہ ملنے پر انہیں روزہ دار کہتا ہے۔

خيل صيام وخيل غير صائمة تحت العجاج وأخرى تعلك اللجما

"ای ممسكة عن العلف وغير ممسكة" یعنی کچھ گھوڑے روزے سے ہیں اور کچھ روزے سے نہیں سب میدان جنگ کے غبار میں ہیں اور کچھ بھوک کی وجہ سے اپنی لگاموں کو چبا رہے ہیں۔

صوم کی شرعی تعریف: مصطلحین نے کئی تعریفیں کی ہیں لیکن سب کا حال ایک ہی ہے، چند تعریفیں ذکر کی جاتی ہیں۔

اوّل: ملا علی قاریؒ نے صوم کی شرعی تعریف یوں کی ہے **"امساك عن الجماع وعن ادخال شئ بطناله حكم الباطن من الفجر الى الغروب عن نية كذا"** (مرقاۃ ج ۴ ص ۲۲۹)

الثانی: مولانا ادریس کاندھلویؒ نے التعلیق الصبیح میں یوں تعریف کی ہے **"هو الامساك عن اشياء مخصوصة وهى الاكل والشرب والجماع بشرائط مخصوصة"۔**

الثالث: بعض حضرات نے یوں مختصر تعریف کی ہے **"الصوم هو الامساك عن الاكل والشرب والجماع نهارًا مع النية"** **هو الامساك عن المفطرات الثلاثة اى الاكل والشرب والجماع من طلوع الفجر الى غروب الشمس بنية مخصوصة۔** فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع کرنے سے رکنا ہے نیت مخصوصہ کے ساتھ۔ یہ تمام تعریفیں اس لئے ذکر کیں تاکہ مختلف الفاظ ہونے کی بناء پر طالب علم پریشان نہ ہوں تعریف تو ایک ہی ہے الفاظ مختلف ہیں۔

صوم کی فرضیت: روزہ کی فرضیت کتاب اللہ، سنت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔

کتاب اللہ سے روزہ کا ثبوت: يايها الذين امنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون ۔ (البقرۃ: ۱۸۵)

سنت سے روزہ کا ثبوت: ماقبل کتاب الایمان میں حدیث گزر چکی ہے **"بنى الاسلام على خمس ... اقام الصلوٰة وايتاء الزكوٰة وصوم رمضان وحج البيت"۔**

اجماع سے روزہ کا ثبوت: فان الامة اجمعت على فرضية شهر رمضان لايجحدها الا كافر. (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۲۰۸)

عقل وقیاس سے روزہ کا ثبوت: ① اشیاء ثلثہ سے رکنے کا حکم اس لئے ہے کہ اس سے اللہ کی نعمت کی قدر ہو کیونکہ بعض اوقات کھانے پینے کی اشیاء نہیں ہوتیں تو انسان محروم رہتا ہے اور بسا اوقات نعمتیں موجود ہوتی ہیں لیکن ان سے استفادہ نہیں کرسکتا جیسے رمضان کے دنوں میں کوئی کھا پی نہیں سکتا لہٰذا جب روزہ رکھے گا تو اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرے گا ② روزہ رکھنے سے انسان تقویٰ تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ جب انسان اپنے نفس کو حلال اشیاء سے بھی روکے رکھے گا اللہ کی رضا کے لئے اور اس کی سزا کے خوف سے تو وہ تقویٰ کے درجہ پر پہنچ جائے گا جب حلال سے رکے گا تو حرام سے بطریق اولیٰ رُکے گا ③ روزہ سے انسانی شہوات کا قلع قمع ہوتا ہے کیونکہ جب انسان کا پیٹ بھرا ہوا ہو تو اس وقت نفسانی خواہشات اُبھر آتی ہیں جب بھوکا ہوتا ہے تو ساری خواہشات مٹ جاتی ہیں گویا روزہ معاصی سے رکنے کا ذریعہ ہے۔

روزہ کی فرضیت کب ہوئی؟: اس میں کئی قول ہیں۔ **قول اوّل:** سب سے پہلے صوم عاشوراء فرض ہوا۔

قول ثانی: عند البعض ایام بیض کے تین روزے فرض تھے۔ **قول ثالث:** حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ جب ابتداءً روزے فرض کیے گئے تو لوگوں پر بہت شاق ہوئے (یہاں تک رات کو جو جاگتا رہتا تو کھا پی سکتا تھا لیکن جب سو گیا تو پھر کھانے پینے اور جماع سے رکنا پڑتا تھا) پھر اس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسائل پیش آئے تو پھر روزے کے بدلے میں اختیار دیدیا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے ایک دن مسکین کو کھانا کھلا دے پھر یہ منسوخ ہوگیا "**فمن شهد منكم الشهر فليصمه الاية**" سے۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت: سن ۲ ہجری شعبان میں ہوئی۔

روزہ کے فوائد: ① روزہ کی وجہ سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور قلبی سکون حاصل ہوتا ہے نفس امارہ کی سرکشی کم ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے معاصی کی خواہش کم ہوتی ہے ② روزہ کی وجہ سے دل کدورتوں سے پاک صاف ہوجاتا ہے ③ روزہ مساکین اور غرباء کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا سبب بنتا ہے ④ روزہ کی وجہ سے روزہ دار اپنی حالت فقراء کے موافق کرلیتا ہے جیسا کہ (مرقاۃ ص ۲۲۹ ج ۴) میں حضرت بشر حافیؒ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سردیوں کے موسم میں ایک آدمی ان کے پاس آیا بشر حافی سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے اور کپڑے وغیرہ پاس رکھے ہوئے تھے اس نے کہا کہ آپ سردی سے کانپ رہے ہیں اور کپڑے پاس رکھے ہوئے ہیں انہوں نے کہا کہ میرے فقراء بھائیوں کی تعداد زیادہ ہے اور مجھ میں اتنی استطاعت نہیں کہ سب کے کپڑوں کا انتظام کرسکوں چونکہ وہ بھی سردی برداشت کررہے ہیں اس لئے میں ان کی موافقت کرتے ہوئے سردی برداشت کررہا ہوں اسی طرح عارفین حضرات کھانا کھاتے ہوئے دعا کرتے تھے کہ "**اللّٰهم لا تؤاخذني بحق الجائعين**" اے اللہ! مجھ سے بھوکے کے حق کے بارے میں مواخذہ نہ کرنا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ جب قحط سالی نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو حضرت یوسف علیہ السلام بھی بھوکوں اور فاقہ زدوں کی موافقت کی وجہ سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے باوجودیکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بے انتہاء غلہ کا ذخیرہ تھا۔

رمضان کے روزوں کی فرضیت کی حکمت: حافظ ابن حجرؒ نے بعض صوفیاء سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اکل شجرہ کے بعد جو توبہ کی اس کی قبولیت تیس دن تک مؤخر ہوگئی (جب تک اس کھانے کا اثر رہا اس وقت تک دعا قبول نہیں ہوئی) صفائی بدن کے

بعد توبہ قبول ہوئی۔ اس لئے ذریت آدم پر تیس دن کے روزے فرض کیے گئے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِي مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَسَلْمَانَ.

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور پھر اس کا کوئی دروازہ نہیں کھولا جاتا پھر جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور پکارنے والا پکارتا ہے اے خیر کے طلبگار آگے بڑھ اور اے شر کے طلبگار ٹھہر جا اور اللہ کی طرف سے بندے آگ سے آزاد کر دیئے جاتے ہیں یہ معاملہ ہر رات جاری رہتا ہے اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، ابن مسعود اور سلمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔

تشریح: **رمضان کی وجہ تسمیہ:** رمضان رمض سے مشتق ہے اس کے معنی شدید تپش اور گرمی کے ہیں اور جس سال اس مہینہ کا نام رکھا گیا اس سال چونکہ یہ مہینہ شدید گرمی میں آیا تھا اس لئے اس کا نام رمضان رکھ دیا گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ **لانه یرمض الذنوب ای یحرقها** بعض حضرات کا یہ کہنا کہ رمضان باری تعالیٰ کے اسماء گرامی میں سے ایک نام ہے۔ لہٰذا شہر رمضان کے معنی ہیں شہر اللہ اس لئے یہ نام شہر کی اضافت کے بغیر استعمال نہیں ہوتا۔ اہل لغت نے یہاں ایک اصول بیان کیا ہے کہ جن اسلامی ناموں کی ابتداء ''راء'' سے ہوتی ہے ان کی اضافت کی جاسکتی ہے۔ یعنی رمضان، ربیع الاوّل، ربیع الثانی اور رجب المرجب ان کو لفظ شہر کا مضاف الیہ بنا کر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ: شیطان جکڑ دیئے جاتے ہیں یہ آدھا مضمون بیان کیا ہے اور آدھا مضمون فہم سامع پر چھوڑ دیا۔ دوسرا آدھا مضمون یہ ہے کہ فرشتے زمین پر پھیلا دیئے جاتے ہیں۔ آگے آنے والا مضمون اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہاں متقابلات جنت وجہنم کا تذکرہ ہے۔

شیطان کو جکڑے جانے والا معنی حقیقت پر محمول کیا گیا ہے کہ شیاطین وغیرہ کو آزاد نہیں رہنے دیا جاتا اور ان کو قید کر دیا جاتا ہے چنانچہ ابن منیرؒ اور قاضی عیاضؒ اسی کے قائل ہیں۔

جبکہ علامہ تورپشتیؒ نے اس کو نزول رحمت سے کنایہ قرار دیا ہے اور حدیث باب کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس مہینے میں نیکی پر اجر و ثواب زیادہ ملتا ہے گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور خطاؤں سے درگزر کیا جاتا ہے اور شیاطین کا اثر کم ہوجاتا ہے۔

سوال: جب رمضان میں شیاطین کو باندھ دیا جاتا ہے تو پھر رمضان میں معاصی کیسے ہوتے ہیں۔ اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: سلسلت الشیاطین سے بڑے بڑے شیاطین مراد ہیں سارے شیاطین مراد نہیں چھوٹے چھوٹے شیطان کے چیلے آزاد ہوتے ہیں اسی وجہ سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا رمضان میں بنسبت دوسرے مہینوں کے کم گناہ ہوتے ہیں اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

جواب ثالث: رمضان میں گناہوں کا صدور نفس امارہ کی وجہ سے ہوتا ہے نہ کہ شیطان کے بہکانے کی وجہ سے۔

جواب رابع: جو لوگ روزہ رکھ کر روزے کی شرائط پر پورا اترتے ہیں تو ایسے لوگوں کے شیاطین باندھے جاتے ہیں اور اشرار و کفار کے شیاطین کھلے رہتے ہیں۔

وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ: جہنم کے ابواب بند کر دیئے جاتے ہیں یعنی روزہ دار ایسے امور سے بچ جاتا ہے جو دخول جہنم کا ذریعہ ہوتے ہیں یہ بات تو ظاہر ہے کہ روزے کی وجہ سے انسان کبیرہ گناہوں سے بچ گیا اور اگر صغیرہ صادر ہو جائیں تو روزے کی برکت سے معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ: رمضان میں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں کوئی دروازہ کھلا نہیں چھوڑا جاتا مطلب یہ ہے کہ رمضان میں کوئی امر جہنم کے دخول کا سبب نہیں بنتا۔

وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ: بندے کو ایسے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جو دخول جنت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ وَالْمُحَارِبِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ الَّذِي رَوَاهُ أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الرَّبِيعِ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُجَاهِدٍ قَوْلَهُ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا أَصَحُّ عِنْدِي مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھے اور رات میں ایمان کے ساتھ ثواب کے لئے قیام کیا اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور جو آدمی لیلۃ القدر میں ایمان اور طلب ثواب کی نیت سے کھڑا ہو کر عبادت کرے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ کی ابو بکر بن عیاش سے مروی روایت غریب ہے ہم اسے ابو بکر بن عیاش کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے ابو بکر بن عیاش اعمش سے وہ ابو صالح سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں البتہ ہم اس حدیث کو ابو بکر کی سند سے جانتے ہیں امام ترمذی کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا ہم سے حسن بن ربیع نے ان سے ابو الاحوص نے ان سے اعمش نے اور ان سے مجاہد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول روایت کیا ہے **إِذَا كَانَ الخ** یعنی یہی حدیث امام بخاری فرماتے ہیں یہ روایت میرے نزدیک ابو بکر بن عیاش کی روایت سے اصح ہے۔

تشریح: قام لیلۃ القدر سے اشارہ ہے کہ شب قدر میں پوری رات جاگنا اور عبادت کرنا ضروری نہیں کیونکہ قیام سونے سے پہلے نفلوں کو کہتے ہیں پس جو شخص لیلۃ القدر میں سویا بھی اور بقدر استطاعت عبادت بھی کی تو وہ مذکورہ ثواب کا مستحق ہوگا

اگر کوئی پوری رات عبادت کرے تو اس کے لئے لفظ قام استعمال نہیں ہوتا بلکہ لفظ احیی استعمال ہوتا ہے۔عیدین کی راتوں کے متعلق جو لفظ آیا ہے وہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے۔

قال ابو عیسٰی: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس کو ابوبکر بن عیاشؒ روایت کرتے ہیں وہ غریب ہے۔اور اس کو صرف ابوبکر ہی مرفوع کہتے ہیں اور میں نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حسن بن ربیع نے بیان فرمایا وہ ابوالاحوص سے وہ اعمش سے اور وہ مجاہد سے ان کے قول کے طور پر **اذا کان اول لیلة من شهر رمضان.** (الحدیث)۔امام بخاری اس سند کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ابوالاحوص کی حدیث اصح ہے ابوبکر بن عیاش کی حدیث سے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِصَوْمٍ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوا الشَّهْرَ بِيَوْمٍ وَلَا بِيَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا ثَلَاثِيْنَ ثُمَّ أَفْطِرُوا وَفِي الْبَابِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَنَا مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِنَحْوِ هٰذَا. قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا أَنْ يَتَعَجَّلَ الرَّجُلُ بِصِيَامٍ قَبْلَ دُخُولِ شَهْرِ رَمَضَانَ لِمَعْنٰى رَمَضَانَ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يَصُومُ صَوْمًا فَوَافَقَ صِيَامُهُ ذٰلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَهُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان سے ایک یا دو دن پہلے رمضان کے استقبال کی نیت سے روزے نہ رکھو البتہ کسی کے ایسے روزے جو وہ ہمیشہ سے رکھتا آ رہا ہے ان دنوں میں آجائیں تو ایسی صورت میں رکھ لے اور رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر بادل ہو جائیں تو تیس دن پورے کرو۔اس باب میں بعض صحابہ سے بھی روایت ہے منصور بن معتمر، ربعی بن حراش سے اور وہ بعض صحابہ سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے کہ رمضان سے ایک دو دن پہلے اس کی تعظیم اور استقبال کی نیت سے روزے رکھنا مکروہ ہے اور اگر کوئی ایسا دن آجائے کہ اس میں وہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمُبَارَكِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوا شَهْرَ رَمَضَانَ بِصِيَامٍ قَبْلَهُ بِيَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو لیکن اگر کوئی شخص پہلے سے روزے رکھتا ہو تو وہ رکھ سکتا ہے

رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمًا فَلْيَصُمْهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لا تقدموا الشهر بيوم ولا بيومين: رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت بیان کردی وجہ ممانعت کے سمجھنے سے پہلے روزوں میں افراط وتفریط سمجھ لیں۔ بنی اسرائیل پر تین روزے فرض کئے گئے۔ انہوں نے احتیاط کی بناء اضافہ کر کے اس کے بدلے میں چھ ماہ کے روزے رکھے پھر وہ بھی ختم کردیئے۔ موجودہ دور میں عیسائی بھی روزے رکھتے ہیں ہندو بھی روزے رکھتے ہیں مگر یہودی نہیں رکھتے۔ اس وجہ سے رمضان کے روزے پہلے سے شروع کرنے سے منع کردیا تاکہ ان کے ساتھ مشابہت لازم نہ آئے۔ اور رمضان کے ختم ہوتے ہی روزہ رکھنے کی ممانعت کردی کہ یکم شوال کو روزہ رکھنا حرام ہے۔ کیونکہ روزہ رکھتے رکھتے دل منور ہوجاتا ہے اور روزہ رکھنے میں اور مزہ آجانے لگتا ہے اس لئے رمضان کے بعد روزہ رکھنے کا احتمال زیادہ تھا اس لئے یکم شوال کا روزہ حرام کردیا اور ابتدائے رمضان میں یہ احتمال کم تھا اس لئے صرف زبانی ممانعت فرمادی۔

الا أن يصوموا: یہاں پر استثناء کیا ہے کہ کسی شخص کے لئے شعبان کے آخر میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے چنانچہ ایک وہ شخص ہے جس کا مثلاً جمعرات یا سوموار کا روزہ رکھنے کا معمول ہے اس کی جمعرات ۲۹ شعبان کو آگئی تو اس کے لئے روزہ رکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شخص اب نیا روزہ نہیں رکھ رہا بلکہ وہ اپنا معمول پورا کر رہا ہے۔

دوسرا وہ ہے جو شعبان کے آخر میں اس نیت سے روزہ رکھتا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ رمضان کا پہلا ہو یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رمضان کا روزہ نہ ہو شعبان کا روزہ ہو۔ یا اس نیت سے روزہ رکھتا ہے کہ کل اگر رمضان ہوا تو رمضان کا ہوجائے گا وگرنہ نفلی ہوجائے گا۔ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ رمضان کا روزہ چاند دیکھ کر رکھنے کا حکم ہے۔ اس کی مزید وضاحت اگلے باب میں آرہی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الشَّكِّ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ صِلَةَ بْنِ زُفَرَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ فَأُتِيَ بِشَاةٍ مَصْلِيَّةٍ فَقَالَ كُلُوا فَتَنَحّٰى بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ إِنِّي صَائِمٌ فَقَالَ عَمَّارٌ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِي شَكَّ فِيهِ فَقَدْ عَصٰى أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَمَّارٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ

حضرت صلہ بن زفر فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ ایک بھنی ہوئی بکری لائی گئی۔ حضرت عمارؓ نے کہا کھاؤ پس کچھ لوگ ایک طرف ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہم روزے سے ہیں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس نے شک کے دن روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور انس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث عمار رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے جن میں صحابہ تابعین وغیرہ شامل ہیں سفیان ثوری، مالک بن انس،

بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ كَرِهُوا أَنْ يَصُومَ الرَّجُلُ الْيَوْمَ الَّذِي يُشَكُّ فِيهِ وَرَاٰى أَكْثَرُهُمْ إِنْ صَامَهُ فَكَانَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ أَنْ يَقْضِيَ يَوْمًا مَكَانَهُ.

عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ شک کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اس دن روزہ رکھ لیا پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ دن واقعی رمضان کا دن تھا تو وہ روزے کی قضا کرے وہ روزہ اس کے لئے کافی نہیں۔

تشریح: یوم الشك سے مراد شعبان کی تیس تاریخ ہے جب کہ آسمان آبر آلود ہو جس کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو تو اگلا دن یعنی تیس شعبان شک کا ہوگا کہ معلوم نہیں آج یکم رمضان ہے یا تیس شعبان ہے۔ اس نیت سے روزہ رکھنا باتفاق ائمہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور اسی طرح اگر کسی شخص نے انتیس شعبان کی رات افطاری کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی لیکن وہ شخص فاسق تھا اس وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی گئی۔ مگر اس بات میں صدق کا احتمال ہے کہ ہوسکتا ہے حقیقت میں چاند نظر آ گیا ہو اس لئے آئندہ دن (تیس رمضان) یوم شک ہے۔ اگر مطلع اَبر آلود نہ ہو تو پھر وہ یوم شک نہیں ہوگا بلکہ وہ شعبان کی تیسویں رات ہوگی۔ مگر اس میں بھی روزہ رکھنا ممنوع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمادیا تھا۔

یوم الشک میں روزہ رکھنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس دن کے روزے میں دو احتمال ہیں اگر وہ رمضان کی پہلی تاریخ ہے تو روزہ فرض ہوگا اور اگر تیس شعبان ہے تو روزہ نفل ہے اب یہ روزہ دائر بین رمضان و شعبان ہے۔ فرض و نفل میں دائر ہے تو اس وجہ سے اس میں ایک جانب متعین نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں جیسا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اس نے نماز میں تعین نہیں کی کہ فرض ہے نفل ہے یا واجب ہے تو اس کی نماز کونسی ہوگی ظاہر ہے بغیر نیت یا ارادہ کے کونسی نماز ہوگی۔

یوم شک میں عادت کے بغیر کوئی شخص یوم شک میں نفل روزہ رکھنا چاہ رہا ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ مطلقاً ناجائز ہے۔

قول ثانی: حنفیہ کے نزدیک یہ عوام کے لئے ناجائز اور خواص کے لئے جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **لا تقدموا الشهر بيوم ولا بيومين الا أن يوافق ذلك صوما كان يصومه احد كم** وہ حضرات اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں نہی مطلق ہے اس میں عوام و خواص میں کوئی فرق نہیں۔

جواب: حنفیہ حضرات کہتے ہیں کہ اس نہی کی علت رمضان کا شک ہے یہی وجہ ہے کہ جو شخص پہلے سے کسی مخصوص دن میں روزہ رکھنے کا عادی ہو۔ اور وہ دن یوم شک میں آجائے تو حدیث الباب میں اسے روزہ رکھنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ اس کی مزید تفصیل ماقبل باب میں گزر چکی ہے۔

دلیل ثانی: **قال عمار رضی اللہ عنہ من صام اليوم الذى شك فيه فقد عصى ابا القاسم۔**

جواب: یہاں ممانعت رمضان کے روزے کی نیت سے رکھنے کی ہے کہ کوئی شخص اس نیت سے شعبان کے تیسویں دن روزہ رکھے کہ اگر رمضان کا ہوا تو رمضان ورنہ شعبان۔ یعنی رمضان کی نیت سے رکھنے کی ممانعت ہے۔

احناف کی دلیل: حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے ان رسول اللہ ﷺ **قال له هل صمت من سرر شعبان شيئًا قال لا قال اذا افطرت من رمضان فصم يومًا۔**

خلاصہ یہ کہ خواص کے لئے روزہ درست ہے کیونکہ وہ نیت میں تردد اور رمضان میں زیادتی کے اعتقاد سے محفوظ ہیں۔ اس لئے ان کے لئے اجازت کی گنجائش موجود ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِحْصَاءِ هِلَالِ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ

حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ حَجَّاجٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي مُعَاوِيَةَ وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقَدَّمُوا شَهْرَ رَمَضَانَ بِيَوْمٍ وَلَا يَوْمَيْنِ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَحْوَ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو اللَّيْثِيِّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کے لئے شعبان کے چاند کے دن گنتے رہو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابوہریرہ کی حدیث کو ہم ابومعاویہ کی اس سند کے علاوہ نہیں جانتے اور صحیح وہی ہے جو محمد بن عمر سے بواسطہ ابوسلمہ مروی ہے ابوسلمہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو یحییٰ بن ابی کثیر سے بھی اسی طرح مروی ہے یحییٰ بن ابی کثیر ابوسلمہ سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، محمد بن عمرو لیثی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: احصاء اصل میں کہا جاتا ہے کنکریوں کے ساتھ کسی چیز کو شمار کرنا مطلب اس کا یہ ہے کہ رمضان کی خاطر شعبان کے چاند کو خوب دیکھنے کا اور اس کے ایام گننے کا اہتمام کرو۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں اس کی مراد میں یہ احتمال ہے کہ رمضان کے چاند کو دیکھنے کا خوب اہتمام کرو اگر انتیس شعبان کو آسمان ابر آلود ہو تو پھر تیس کا چاند مکمل کرلو۔

امام ترمذیؒ نے یہاں یہ روایت مختصر ذکر کی ہے۔ دار قطنی میں یہ حدیث کچھ تفصیل سے ہے **ولا تخلطوا برمضان الا أن يوافق ذلك صيامًا كان يصومه أحدكم. وصوموا لرؤيته وافطروا. فان غم عليكم فانها ليست تغمى عليكم العدة۔** (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۳۴)

قال أبو عيسى حديث ابوهريرة: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی سند میں جو متن ذکر کیا گیا ہے وہ ابومعاویہ یعنی محمد بن خازم کا ہے۔ اور گزشتہ سے پیوستہ باب میں بھی اسی سند سے **عن محمد بن عمرو، عن ابی سلمة** رضی اللہ عنہ **عن ابی هريرة** رضی اللہ عنہ میں دوسرا متن آیا ہے وہ عبدہ بن سلیمان کی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ کے نزدیک وہی طریق اصح ہے کیونکہ ابوسلمہ کے دوسرے تلمیذ

یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت کا متن بھی وہی ہے۔ لیکن اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ روایات جدا جدا ہوں اور محمد بن عمرو نے دونوں حدیثیں ابوسلمہ سے روایت کی ہوں پھر ایک ابو معاویہ نے روایت کی ہو اور دوسری عبدہ اور یحییٰ نے روایت کی ہو۔

امام ترمذیؒ کے استاذ امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں یہی ایک حدیث روایت کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ہے اگر صحیح نہ ہوتی تو امام مسلم اس کو ذکر نہ کرتے۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الصَّوْمَ لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ وَالْإِفْطَارَ لَهُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُومُوا قَبْلَ رَمَضَانَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ حَالَتْ دُونَهُ غَيَايَةٌ فَأَكْمِلُوا ثَلَاثِينَ يَوْمًا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر اس کے درمیان بادل حائل ہو جائیں تو تیس دن پورے کرو۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابوبکرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے اور ان سے کئی سندوں سے مروی ہے۔

تشریح: رمضان المبارک کے اہتمام اور چاند دیکھنے کے اہتمام کے پیش نظر امام ترمذی ایک جیسی روایات لا رہے ہیں اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ رمضان کی ابتداء ہو یا انتہاء ہو اس کا حساب جنتری یا کلنڈر وغیرہ سے نہ کرو بلکہ روزے چاند دیکھ کر شروع کرو اور چاند دیکھ کر روزے بند کرو۔ یہ ایک حدیث کا حصہ ہے۔ اصل حدیث یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کی آمد سے ایک دو دن پہلے روزے شروع نہ کرو بلکہ جب چاند دیکھو تو روزے شروع کردو اور شوال کا چاند نظر آئے تو روزے ختم کرلو۔

یہاں پر ایک بات سمجھ لیں کہ ہمارے ہاں دو قسم کی تاریخیں چلتی ہیں ایک ہجری اور دوسری عیسوی۔ عیسوی تاریخوں کا مدار سورج پر ہے اور ہجری تاریخوں کا مدار چاند پر ہے۔ ان دونوں کلنڈروں کے علاوہ ایک کلنڈر ہندوؤں کا ہے۔ یہ اپنی تاریخوں میں دو کام کرتے ہیں آدھے مہینے کو قمری حساب سے لگاتے ہیں اور آدھے مہینہ کو شمسی سے اور دوسرا یہ کہ یہ تین سال میں ایک مہینہ بڑھا دیتے ہیں اس کو لوند کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس کو کبیسہ اور قرآن میں اس کو نسیء کہا گیا ہے اس لئے ان کے مہینے انگریزی مہینوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور اسلامی ہجری میں یا اسلامی تاریخوں میں لوند کا طریقہ نہیں، اس لئے ہمارے ہاں رمضان کبھی تو گرمی میں آتا ہے اور کبھی سردیوں میں آتا ہے اور کبھی برسات میں آتا ہے۔

اس کے بعد یہ سمجھیں کہ شریعت کے بعض احکامات کا تعلق سورج سے ہے اور بعض احکامات کا تعلق چاند سے ہے۔ مثال کے طور پر نمازوں کے اوقات کا تعلق سورج سے ہے روزہ کی افطاری وسحری کا تعلق بھی سورج کے ساتھ ہے۔ اور بعض احکامات کا تعلق چاند کے ساتھ ہے۔ مثلاً اسلامی مہینوں کے آغاز واختتام کا تعلق چاند سے ہے۔ ان دونوں صورتوں میں بندوں کی سہولت کو مدنظر رکھا

گیا ہے۔ جہاں سورج کی رعایت کرنے میں بندوں کے لئے سہولت تھی وہاں احکام کو سورج کے متعلق کر دیا گیا اور جہاں چاند کی رعایت میں سہولت تھی وہاں چاند کا اعتبار کیا گیا۔ ان دونوں وقتوں کے لئے کوئی حساب یا ڈائری نہیں مقرر کی گئی کہ فلاں جنتری میں فلاں وقت افطار کا ہے یا یکم رمضان کا ہے اس کا اعتبار کیا جائے لیکن اس پر مدار نہیں اسی لئے جو شخص سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہے اس کے لئے روزہ افطار کرنا جائز ہے چاہے تو جنتری میں وقت ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور اسی طرح اگر سورج سامنے موجود ہو اور جنتری میں افطار کا وقت ہو گیا ہو تو اس شخص کے لئے روزہ افطار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ روزہ کا افطار اور بند کرنا رؤیت پر ہے، حساب و کتاب پر نہیں ہے۔ اگر حساب کا اعتبار کیا جاتا تو سورج کا اعتبار کیا جاتا کیونکہ سورج کی چال چاند کی بنسبت زیادہ باقاعدہ ہے اور رؤیت پر احکام کا مدار رکھنے میں مصلحت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی امت بہت بڑی ہے ان میں اکثر ان پڑھ ہیں اگر حساب اور جنتری وغیرہ پر مدار رکھا جائے تو عمل میں دشواری ہوگی اس لئے رؤیت پر عمل کا مدار رکھا گیا تاکہ ہر کس و ناکس آسانی سے اس پر عمل پیرا ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رؤیۃ ھلال کے ثبوت کے لئے چند طریقے ہیں۔

① چاند کی رؤیت گواہی سے ثابت ہو جائے۔ ② **الشهادة على الشهادة** کسی کے دیکھنے کی گواہی دینا کہ فلاں نے چاند دیکھا اسے شہادت علی الشہادت کہتے ہیں۔ ③ **شهادت على القضاء** یعنی قاضی کے فیصلے کو دوسری جگہ بیان کردے۔ ④ **أو استفاضة الخبر من جهات شتى**. مختلف جہات سے اس کی خبر پھیل جائے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ گزرے ہوئے مہینے کے تیس دن پورے ہو جائیں اب شعبان کے مہینے کو جب شمار کریں گے اگر شعبان کا مہینہ گواہی سے ثابت ہوا ہو تو شعبان کے تیس دن پورے ہو جائیں تو اگلے دن کے لئے شہادت ملے یا نہ ملے رمضان کی پہلی تاریخ ہوگی۔

متون حنفیہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر مطلع ابر آلود ہو تو رمضان کا چاند ایک آدمی کی خبر، گواہی سے ثابت ہو جائے گا اور اگر مطلع صاف ہو تو پھر جماعت کی خبر ضروری ہے جس پر یقین مکمل حاصل ہو جائے۔

اور عید کے چاند دیکھنے میں اگر مطلع ابر آلود ہو تو دو آدمی کی شہادت کافی ہے اور مطلع صاف ہو تو پھر جماعت کثیرہ کی بات معتبر ہے۔

شروح میں لکھا ہے کہ اگر مطلع صاف ہو ایک بندہ اونچی جگہ پر موجود ہے یا وہ شہر کے باہر ہے تو پھر ایک کی گواہی بھی عید کے لئے کافی ہے۔ (کما فی الدر المختار)

اختلاف المطالع هل يعتبر ذلك ام لا.

مسئلہ اختلاف مطالع: اختلاف مطالع کا مطلب یہ ہے کہ ایک شہر والوں نے چاند دیکھا تو ان کی رؤیت دوسرے شہر والوں کے لئے معتبر ہوگی؟ تو کیا اس شہر والوں پر بھی روزہ رکھنا یا عید کرنا ضروری ہے یا نہیں تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ہماری عام کتب فقہ میں ہے کہ ایک شہر کی رؤیت سے دوسرے شہر والوں پر روزہ یا عید کرنا ضروری ہوگا اگرچہ دونوں شہروں کے درمیان بہت زیادہ دوری ہو "**لا عبرة لاختلاف المطالع**" احناف کا یہی قول ہے۔

قول ثانی: احناف میں سے امام زیلعی فرماتے ہیں کہ مطلع کے اختلاف کا اعتبار نہ کیا گیا تو مسائل پیچیدہ ہو جائیں گے لہٰذا بلاد قریبہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں لیکن اگر بلاد بعیدہ ہوں تو اس کا اعتبار ہوگا یعنی ان کا چاند الگ ہوگا ہمارا چاند الگ ہوگا۔

قول ثالث: شوافع حضرات کے نزدیک ہر ملک کا اپنا اپنا مطلع ہے لہٰذا ایک ملک کا چاند دیکھنا دوسرے ملک والوں کے لئے حجت نہیں ہوگا۔
شوافع حضرات کی دلیل: ترمذی شریف میں حضرت کریبؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ اس وقت شام میں روزہ تھا مدینہ میں نہیں تھا۔
احنافؒ کی دلیل: "صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته"

قرب شہر اور بعد شہر کی مقدار میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔
قول اوّل: بعض حضرات کے نزدیک مبتلی بہ کی رائے کا اعتبار ہوگا۔
قول ثانی: علامہ ابن عابدینؒ نے اپنے رسائل میں ایک مہینے کی مسافت کو بعید کہا اور اس سے کم کو قریب کہا سب سے صحیح بات یہ ہے کہ جہاں تاریخ تبدیل ہوتی ہے وہ بعید ہے اگر تاریخ تبدیل نہ ہوتی ہوتو وہ قریب ہے اس اعتبار سے پاکستان میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہوگا ایک دن روزہ اور عید کا ہوگا اور شوافع نے تین دن کی مسافت شمار کی۔ **قول ثالث:** عند البعض عرف کا اعتبار ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الشَّهْرَ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ أَخْبَرَنِي عِيسَى بْنُ دِينَارٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ بْنِ أَبِي ضِرَارٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ مَا صُمْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ أَكْثَرُ مِمَّا صُمْنَا ثَلَاثِينَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَجَابِرٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَبِي بَكْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّهْرُ يَكُونُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اکثر انتیس روزے ہی رکھے تیس کا اتفاق کم ہی ہوا اس باب میں حضرت عمرؓ ابو ہریرہؓ، عائشہ، سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابن عمرؓ، انس، جابر، ام سلمہ اور ابوبکرہ سے بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ قَالَ آلَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ شَهْرًا فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِينَ يَوْمًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایک ماہ تک نہ ملنے کی قسم کھائی اور انتیس دن تک ایک بالائی کمرے میں رہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی آپ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔

تشریح: اس باب سے مراد یہ ہے کہ مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ کا۔ یہاں باب میں صرف ۲۹ کا تذکرہ ہے اس سے مہینہ کا تیس دن کا نہ ہوسکنا مراد نہیں۔ رمضان کا مہینہ ان مہینوں میں سے ہے جو زیادہ تر انتیس کا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں ۹ رمضان کے روزے رکھے ہیں ان تمام رمضانوں میں صرف ایک یا دو رمضان تیس کے پورے ہوئے ہیں باقی سب انتیس کے ہوئے۔ اسلامی مہینے ۲۹ کے ہوتے ہیں یا ۳۰ کے ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں بہت ساری احادیث مستدل

ہیں جیسا کہ باب کی پہلی روایت حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ انتیس دن کے روزے رکھے اور وہ ان روزوں میں زیادہ ہیں جو ہم نے تیس کے رکھے ہیں یعنی اکثر رمضان انتیس کا ہوتا ہے۔

دوسری حدیث شریف میں بنو نضیر اور بنو قریظہ کے بارے میں ذکر کیا کہ جب یہ علاقے فتح ہوئے تو ان علاقوں کو مال فئی قرار دیا گیا وہ علاقے سرسبز تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان میں سے کچھ زمینیں اپنے لئے روک لی تھیں تا کہ ان کو جہاد وغیرہ میں استعمال کر سکیں اس طرح سے آپؐ کی آمدنی بڑھ گئی۔ اس موقع پر جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ کچھ فراوانی آ گئی تو ہم بھی اپنے مصارف آپؐ کے سامنے پیش کریں ہماری تنگی بھی دور ہو جائے گی اس بناء پر امہات المؤمنین نے آپؐ کے سامنے بات رکھی تو آپؐ کو اس بات کا رنج محسوس ہوا کیونکہ یہ آمدنی ذاتی گھر کے اخراجات کے لئے تو تھی نہیں۔ بلکہ اسلام جو تیزی سے پھیل رہا تھا ان کے مصارف میں خرچ کی جا رہی تھی۔ اسلام قبول کرنے والے جو باہر سے افراد آ رہے ہیں ان کے قیام وطعام کا انتظام ہو رہا تھا۔ جنگوں کے مصارف اسی آمدنی سے پورے ہو رہے تھے اس لئے آپؐ کو ازواج مطہرات کا مطالبہ ناگوار ہوا اور آپؐ نے قسم کھائی کہ آپ ایک مہینہ تک کسی بیوی سے نہیں ملیں گے آپؐ نے یہ مہینہ اپنے بالا خانہ میں گزارا اور اتفاق سے قسم کھانے کا واقعہ بھی مہینہ کے شروع میں واقع ہوا چنانچہ انتیس تاریخ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ آج مہینہ پورا ہو جائے گا آپ بیویوں کو اختیار دیں اگر وہ اللہ ورسول کی رضا چاہتی ہیں تو اپنے حالات پر صبر وشکر کریں اور اگر دنیاوی عیش وعشرت چاہتی ہیں تو طلاق لے لیں اور جہاں چاہیں چلی جائیں اس واقعہ پر سورۂ احزاب کے چوتھے رکوع کی سات آیات نازل ہوئیں۔ اسی دن مغرب کی نماز کے بعد آپ ﷺ سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے یاد دلایا کہ آج ۲۹ تاریخ ہے یعنی آپؐ نے ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی مہینہ ۲۹ کا ہوتا ہے اور کبھی تیس کا ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ بِالشَّهَادَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ أَبِي ثَوْرٍ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيهِ اخْتِلَافٌ وَرَوٰى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ سِمَاكٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا میں نے چاند دیکھا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اعرابی نے کہا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ کل روزہ رکھیں۔ ہم سے روایت کی ابو کریب نے ان سے حسین جعفی نے وہ روایت کرتے ہیں زائدہ سے وہ سماک بن حرب سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَأَكْثَرُ أَصْحَابِ سِمَاكٍ رَوَوْا عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا تُقْبَلُ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَاحِدٍ فِي الصِّيَامِ وَبِهِ يَقُولُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَ قَالَ إِسْحٰقُ لَا يُصَامُ إِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ وَلَمْ يَخْتَلِفْ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْإِفْطَارِ أَنَّهُ لَا يُقْبَلُ فِيهِ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ.

حدیث میں اختلاف ہے سفیان ثوری وغیرہ سماک بن حرب سے وہ عکرمہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور سماک کے اکثر ساتھی اسے عکرمہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ رمضان کے روزے کیلئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ کا یہی قول ہے جب کہ امام اسحاقؒ دو آدمیوں کی گواہی کو معتبر سمجھتے ہیں لیکن عید کے چاند کے متعلق علماء متفق ہیں کہ اس میں دو آدمیوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

تشریح: اس باب میں رمضان کے ثبوت کے لئے رؤیت ہلال کے متعلق گواہی کا ذکر کر رہے ہیں جس کی تفصیل ایک باب ماقبل چھوڑ کر پیوستہ باب میں بیان کردی گئی ہے کہ رمضان کے علاوہ باقی مہینوں کے لئے دو آدمیوں کی گواہی ثبوت ہلال کے لئے کافی ہے جب مطلع ابر آلود ہو اور رمضان کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔ شہادت کے لئے چند شرائط بیان کی جاتی ہیں۔

① گواہ کا مسلمان ہونا چنانچہ غیر مسلم کی شہادت رؤیت ہلال میں قبول نہیں ہوگی۔

② عاقل ہونا چنانچہ دیوانے کی شہادت کسی چیز میں بھی قابل قبول نہیں۔

③ بالغ ہونا چنانچہ نابالغ بچے کی شہادت بھی معتبر نہیں۔

④ بینا ہونا چنانچہ نابینا کی شہادت قابل قبول نہیں۔

⑤ شاہد کا عادل ہونا یہ شہادت کی سب سے اہم شرط ہے جو ہر قسم کی شہادت میں ضروری سمجھی جاتی ہے۔

⑥ شرائط شہادت میں لفظ "**شہادت**" بھی ہے کہ اس کے بغیر کوئی گواہی قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ لفظ شہادت میں حلف اور قسم کے معنی بھی ہیں اور واقعہ کے خود مشاہدہ کرنے کا اقرار بھی ہے۔ اسی لئے گواہ کے لئے ضروری ہے کہ اپنا بیان شروع کرنے سے پہلے یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں واقعہ اس طرح ہوا ہے۔

⑦ ایک شرط یہ ہے کہ جس واقعہ کی گواہی دے رہا ہے اس کو اس نے خود دیکھا ہو محض سنی ہوئی بات نہ ہو۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگوں نے جھوٹی گواہیاں دینے کا پیشہ بنا رکھا ہے۔ ان کو کسی واقعہ کا پتہ بھی نہیں ہوتا کہ کیا ہوا اور کیا نہیں ہوا؟ دو ہزار لئے اور گواہی دے دی دنیا میں کمائی کر لی اور آخرت برباد کردی۔

⑧ گواہی دینے والے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ از خود قاضی کے سامنے حاضر ہو کر گواہی دے پردے کے پیچھے ٹیلی فون کے ذریعے سے وہ گواہی نہ دے وہ شہادت نہیں ہوگی۔ یہ تمام شرائط شہادت ہلال کے لئے ضروری ہیں۔

قال ابو عیسٰی حدیث ابن عباس فیہ اختلاف: اس حدیث کے متصل اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ اختلاف سماک بن حرب کے شاگردوں کا ہے ولید بن ابی ثور اس حدیث کو متصل بیان کرتے ہیں جبکہ یہ راوی ضعیف ہے لیکن زائدہ ان کے

متابع ہیں اور سماک کے اکثر تلامذہ مثلاً سفیان ثوری وغیرہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اب کونسی روایت اصح ہے مرسل روایت اصح ہے یا متصل تو امام ترمذیؒ نے اس کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ امام نسائی نے مرسل کو اصح قرار دیا ہے۔

باب ما جاء شهرا عيد لا ينقصان

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَ ذُو الْحِجَّةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي بَكْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا قَالَ أَحْمَدُ مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ شَهْرَا عِيدٍ لَا يَنْقُصَانِ يَقُولُ لَا يَنْقُصَانِ مَعًا فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ شَهْرُ رَمَضَانَ وَذُو الْحِجَّةِ إِنْ نَقَصَ أَحَدُهُمَا تَمَّ الْآخَرُ وَ قَالَ إِسْحٰقُ مَعْنَاهُ لَا يَنْقُصَانِ يَقُولُ وَإِنْ كَانَ تِسْعًا وَعِشْرِينَ فَهُوَ تَمَامٌ غَيْرُ نُقْصَانٍ وَعَلٰى مَذْهَبِ إِسْحٰقَ يَكُونُ يَنْقُصُ الشَّهْرَانِ مَعًا فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ.

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا عید کے دونوں مہینے ایک ساتھ کم نہیں ہوتے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوبکر حسن ہے اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ سے بحوالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرسلاً روایت کی گئی ہے امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال میں رمضان اور ذوالحج دونوں انتیس انتیس دن کے نہیں ہوتے اگر ان میں سے ایک انتیس دن کا ہو تو دوسرا تیس کا ہوگا لیکن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ دونوں ماہ اگر انتیس دن کے بھی ہوں تب بھی ان میں اجر وثواب تیس دن کا ہی ہوتا ہے۔ اس میں کمی نہیں ہوتی چنانچہ اس قول کے مطابق دونوں ماہ انتیس دن کے بھی ہو سکتے ہیں۔

تشریح: شهرًا عيد لا ينقصان: **سوال:** رمضان کو عید کا مہینہ کیسے کہہ دیا حالانکہ عید تو شوال میں ہوتی ہے۔؟

جواب: رمضان چونکہ عید کا سبب ہے اس وجہ سے اس کو عید کا مہینہ کہا گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ شوال کا چاند زوال کے بعد آخر یوم رمضان کو طلوع ہوتا ہے اس لئے رمضان کو عید کا مہینہ کہا گیا۔ یا عید صوم رمضان کے قریب ہے اس لئے رمضان کی اضافت اس طرف کردی۔ اس جملہ کی شرح میں مختلف اقوال۔

الاول: انهما لا ينقصان معًا في سنة واحدةٍ قاله احمد كما قاله الترمذي اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک سال میں رمضان اور ذی الحجہ دونوں مہینے ۲۹ کے نہیں ہو سکتے۔ ان میں سے ایک اگر انتیس کا ہوگا تو دوسرا لامحالہ تیس کا ہوگا لیکن یہ قول مشاہدے کے خلاف ہے اور بداھۃً باطل ہے۔

الثاني: لا ينقصان في الاجر و ان نقصا في العدد عن الثلاثين کہ یہ دونوں مہینے اجر میں نقصان کا باعث نہیں ہوں گے اگرچہ عدد کے اعتبار سے انتیس کے ہوں یا تیس کے ہوں۔

الثالث: لا ينقصان في الاحكام اي ان الاحكام فيهما متكاملة وان كانا تسعة وعشرين وبه جزم الطحاوي ثم

البیہقی یعنی مہینہ اگر انتیس دن کا ہو۔احکام اس پر مکمل تیس دن کے جاری ہونگے۔امام طحاویؒ اور امام بیہقیؒ نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

الرابع: لا ینقصان معًا فی سنة علی الاکثر حکاہ الحافظ فی فتح الباری۔

الخامس: انہما لا ینقصان معًا فی الحقیقة و ان نقصا فی رؤیة العین لعذر۔ یہ دونوں مہینے اکٹھے کبھی انتیس کے نہیں ہوتے اگر کسی وجہ سے ظاہر نظر میں انتیس کے معلوم بھی ہوں تب بھی حقیقت میں دونوں انتیس کے نہیں ہوں گے۔

السادس: انما لا ینقصان فی الفضائل أی ان عشرة ذی الحجة کشہر رمضان فی الفضیلة کہ عشرۂ ذی الحجہ بھی فضیلت میں رمضان کے روزوں کے طرح ہے یہ قول ابن حبان نے عمدہ میں ذکر کیا ہے۔

السابع: انما لا ینقصان فی عام بعینہ یہ دونوں مہینے سال کے بقیہ مہینوں سے فضیلت میں کسی سے کم نہیں۔

الثامن: حملہ علی الظاهر وهو باطل بالمشاهدة علی خلافه بعض حضرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا ہے یعنی یہ مہینے کبھی انتیس کے نہیں ہوں گے لیکن یہ قول بھی مشاہدہ کے خلاف ہے اور بداہۃً باطل ہے۔

التاسع: أن النقص الحسی باعتبار العدد ینجبر بأن کلا منهما شهر عظیم۔ ان دونوں مہینوں میں ایام کے اعتبار سے اگر کچھ کمی واقع بھی ہو جائے تو اس کی تلافی ان دونوں مہینوں کی عظمت شان کی وجہ سے ہو جائے گی۔

بہر حال یہاں رمضان کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر رمضان انتیس کا ہو جائے تو ثواب پورے تیس دن کا ملے گا باقی ذی الحجہ کا تذکرہ طرداً للباب کیا گیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ عربی زبان میں جب دو چیزوں میں مناسبت ہوتی ہے تو دونوں کو ملا کر ایک چیز کا حکم بیان کرتے ہیں۔جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اقتلوا الاسودین فی الصلوٰة الحیة والعقرب'' اس حدیث میں تو صرف سانپ کو مارنے کا حکم بیان کرنا مقصود تھا بچھو کا ذکر تبعاً کر دیا گیا۔مگر چونکہ حدیث میں بچھو کا تذکرہ بھی آیا ہے اس لئے اس کو مار دینا چاہیے۔

اسی طرح دوسری مثال ہے اگر چہ یہ حدیث موضوع ہے لیکن مثال کے طور پر سمجھائی جاتی ہے۔ **اضافنی بالاسودین التمر والماء** یعنی اس نے میری ضیافت کی دو کالی چیزوں سے یعنی کھجور اور پانی سے اب دیکھیے کھجور تو کالی ہوتی ہے اور اس سے مہمانی بھی کی جاتی ہے مگر پانی نہ تو کالا ہوتا ہے اور نہ ہی پانی سے مہمانی کی جاتی ہے مگر چونکہ کھجور کے ساتھ پانی بھی پیا جاتا ہے اس مناسبت سے اس کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے اسی طرح اس باب میں کلام تو صرف رمضان کے متعلق جاری کیا گیا ہے۔ **سیق الکلام لاجلہ ای لاجل رمضان** مگر مناسبت کی وجہ سے عید کے دوسرے مہینہ ذی الحجہ کا بھی تذکرہ کر دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتُهُمْ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ بِنْتَ الْحَارِثِ بَعَثَتْهُ إِلَى مُعَاوِيَةَ بِالشَّامِ قَالَ فَقَدِمْتُ

کریب کہتے ہیں کہ اُم فضل بنت حارث نے مجھ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام بھیجا کریب کہتے ہیں میں شام گیا اور انکا کام پورا کیا اسی اثنا میں رمضان آ گیا پس ہم نے جمعہ کی شب

الشَّامَ فَقَضَيْتُ حَاجَتَهَا وَاسْتُهِلَّ عَلَيَّ هِلَالُ رَمَضَانَ وَأَنَا بِالشَّامِ فَرَأَيْنَا الْهِلَالَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فِي آخِرِ الشَّهْرِ فَسَأَلَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ ثُمَّ ذَكَرَ الْهِلَالَ فَقَالَ مَتَى رَأَيْتُمُ الْهِلَالَ فَقُلْتُ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَنْتَ رَأَيْتَهُ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ رَآهُ النَّاسُ وَصَامُوا وَصَامَ مُعَاوِيَةُ قَالَ لَكِنْ رَأَيْنَاهُ لَيْلَةَ السَّبْتِ فَلَا نَزَالُ نَصُومُ حَتَّى نُكْمِلَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا أَوْ نَرَاهُ فَقُلْتُ أَلَا تَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ مُعَاوِيَةَ وَصِيَامِهِ قَالَ لَا هٰكَذَا أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ لِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ رُؤْيَتَهُمْ۔

چاند دیکھا پھر میں رمضان کے آخر میں مدینہ واپس آیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھ سے چاند کا ذکر کیا اور پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا میں نے کہا جمعہ کی شب کو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا میں نے کہا لوگوں نے دیکھا اور روزہ رکھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ رکھا ابن عباس نے فرمایا ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا تھا لہٰذا ہم تیس روزے رکھیں گے یا یہ کہ عید الفطر کا چاند نظر آ جائے حضرت کریب کہتے ہیں میں نے کہا کیا آپ کیلئے امیر معاویہ کا چاند دیکھنا اور روزہ رکھنا کافی نہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح حکم دیا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح غریب ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ ہر شہر والوں کے لئے انہی کا چاند دیکھنا معتبر ہے۔

تشریح: اس کی تفصیل سابقہ باب میں گزر چکی ہے۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث الباب کو شہر بعید پر محمول کیا ہے اور اگر شہر قریب قریب ہوں تو پھر ایک ہی حکم ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

قول اوّل: علامہ بنوریؒ نے اس میں تین اقوال نقل کئے ہیں۔ ہر شہر والوں کے لئے علیحدہ رؤیت کا اعتبار کیا جائے گا یہی قول عکرمہ، قاسم، سالم، اسحاق اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اگر ایک شہر میں چاند نظر آ گیا تو دوسرے شہر والے اس چاند کی بناء پر عید کر سکتے ہیں بعد ثبوت شرعی یہی حنفیہ کا مذہب ہے اور مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے **کما فی الفتح**۔

بلاد متقاربہ میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے کافی ہے جیسا کہ بصرہ بغداد کا شہر ہے۔ لیکن اگر بلاد بعیدہ ہوں تو اس صورت میں ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کی رؤیت کے لئے کافی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ اندلس اور خراسان کا شہر ہے۔

بلاد قریبہ اور بلاد بعیدہ کا معیار کیا ہے اس کے بارے میں علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا کیونکہ اگر ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ اٹھائیس دن یا اکتیس دن کا ہو سکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

حدیث الباب چونکہ شوافع کا مستدل ہے اس لئے احناف نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔

جواب اوّل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فیصلہ اس بات پر مبنی تھا کہ انہوں نے شام کو مدینہ طیبہ کے مقابلے میں بلاد بعیدہ میں شمار کیا ہے اور بلاد کا قرب و بعد ایک اجتہادی چیز ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اگرچہ اختلاف مطالع معتبر نہیں تھا اور شام کی رؤیت مدینہ طیبہ کے لئے کافی ہو سکتی تھی لیکن چونکہ

خبر دینے والے حضرت کریب تھے اور ان کے لئے نصاب شہادت موجود نہیں تھا اس لئے حضرت ابن عباسؓ نے اسے قبول نہیں کیا۔

سوال: اس پر اشکال یہ ہے کہ مسئلہ تو رویت رمضان کا تھا اس میں شہادت شرط نہیں ہوتی لہٰذا اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہوتو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حضرت کریب کے بیان پر اعتبار کرتے ہوئے شام کی رویت کا اعتبار تو کرنا چاہیے تھا پھر اعتبار کیوں نہیں کیا۔

جواب: اگر چہ مسئلہ تو رمضان کا تھا لیکن اس کے بارے میں گفتگو جو ہو رہی تھی وہ مہینہ کے آخر میں ہو رہی تھی اسلئے اس سے عید کا مسئلہ متعلق ہو گیا اس میں ایک شخص کی خبر یا شہادت کافی نہیں تھی۔ جبکہ یہاں چاند کی خبر دینے والے حضرت کریب اکیلے تھے۔

اس مسئلہ کی تفصیل ماقبل ابواب کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ رمضان کے ثبوت کے لئے ایک شخص کی گواہی کافی ہے اور عید کے چاند کے لئے دو شخصوں کی گواہی کافی ہے جبکہ مطلع ابر آلود ہو۔

اب پاکستان میں چند مقامات پر لوگ مختلف دنوں میں پہلے عید مناتے ہیں اور روزہ بھی پہلے رکھتے ہیں اس کے لئے اصولی بات ابھی اوپر گزری ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو دو دن کا فرق پڑ جائے۔ جبکہ پاکستان میں ایسا نہیں کہ اختلاف مطالع سے کہیں بھی دو دن کا فرق پڑ جائے۔ ایسی صورت حال کہیں بھی نہیں۔ سب سے پہلے غروب آفتاب ہندوستان میں آتا ہے پھر اس کے بعد غروب پاکستان سعودی عرب میں پھر افریقہ میں پھر امریکہ میں **و علی ھذا القیاس**۔ اب اگر ہندوستان میں رمضان یا عید کا چاند نظر آ گیا تو پاکستان میں ضرور بضرور چاند نظر آ جائے گا کیونکہ ہندوستان والوں کے بعد پاکستان والوں کا نمبر آتا ہے۔ پھر اگر پاکستان میں چاند نظر آ گیا تو سعودیہ والوں کو بھی چاند نظر آئے گا اور اگر سعودیہ والوں کو چاند نظر آ جاتا ہے تو پھر افریقہ اور امریکہ والوں کو نظر آ جانا چاہیے لیکن افریقہ والوں کو دور تک چاند دکھائی ہی نہیں دیتا اور یہاں تک ساری گنگا الٹی بہہ رہی ہے کہ پہلے سعودی والے عید کرتے ہیں بعد میں پاکستان والے حالانکہ سب کو پتہ ہے کہ مغرب پہلے پاکستان میں ہوتی ہے اور پاکستان والے جب عشاء پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں تو ان کی مغرب ہو رہی ہوتی ہے شک ہے تو کسی تحقیق والے ادارے سے تحقیق کر لیں۔ اب پاکستان والوں کو چاند نظر آیا ہی نہیں، سعودیہ والوں کو نظر آ گیا۔ پھر سعودیہ والوں کے بعد افریقہ والوں کو تو نظر ہی نہیں آتا اور نہ ہی امریکہ والوں کو تو اس سے معلوم ہوا کہ سعودیہ کا نظام رویت ہلال نہیں بلکہ رویت جنتری ہے۔ اس اعتبار سے بعض وہ علاقے جو پاکستان میں پہلے عید مناتے ہیں ان کے لئے اختلاف مطالع کا مسئلہ ثابت ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ پورے ملک پاکستان میں کوئی ایسا مقام نہیں کہ اگر وہاں اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کریں تو دو دن کا فرق پڑ جائے گا۔ لہٰذا مسئلہ کو سمجھنے کے لئے تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمارے ہاں تحقیق ندارد۔ جب ہم امت مسلمہ ایک مسئلہ کو اتفاق رائے سے حل نہیں کر سکیں گے تو اور ہم سے کیا توقع کی جا سکتی ہے **اللّٰھم احفظ جمیع المسلمین والمسلمات**۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُسْتَحَبُّ عَلَيْهِ الْإِفْطَارُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کھجور پائے وہ اس

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدَ تَمْرًا فَلْيُفْطِرْ عَلَيْهِ وَمَنْ لَا فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَوَاهُ عَنْ شُعْبَةَ مِثْلَ هٰذَا غَيْرَ سَعِيدِ بْنِ عَامِرٍ وَهُوَ حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَلَا نَعْلَمُ لَهُ أَصْلًا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ وَقَدْ رَوَى أَصْحَابُ شُعْبَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ حَفْصَةَ ابْنَةِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ عَامِرٍ وَهٰكَذَا رَوَوْا عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ حَفْصَةَ ابْنَةِ سِيرِينَ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ وَلَمْ يُذْكَرْ فِيهِ شُعْبَةُ عَنِ الرَّبَابِ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنُ عَوْنٍ يَقُولُ عَنْ أُمِّ الرَّائِحِ بِنْتِ صُلَيْعٍ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ وَالرَّبَابُ هِيَ أُمُّ الرَّائِحِ۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ ح و حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ عَنِ الرَّبَابِ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى تَمْرٍ زَادَ ابْنُ عُيَيْنَةَ فَإِنَّهُ بَرَكَةٌ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى مَاءٍ فَإِنَّهُ طَهُورٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى رُطَبَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا

سے روزہ افطار کرے اور جب کھجور نہ ہوتو وہ پانی سے افطار کرے کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے۔ اس باب میں حضرت سلمان بن عامرؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت انسؓ کی حدیث کو سعید بن عامر کی کے علاوہ کسی اور کے شعبہ سے اس طرح روایت کرنے کا ہمیں علم نہیں اور یہ حدیث غیر محفوظ ہے ہم عبدالعزیز بن صہیب عن انس کی روایت سے اس کی کوئی اصل نہیں جانتے شعبہ کے ساتھی بھی یہ حدیث شعبہ سے وہ عاصم احول سے وہ حفصہ بنت سیرین سے وہ رباب سے وہ سلمان بن عامر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اور یہ روایت سعید بن عامر کی روایت سے اصح ہے اسی طرح یہ حضرات شعبہ سے وہ عاصم وہ حفصہ بنت سیرین اور وہ سلمان بن عامر سے بھی روایت کرتے ہیں اور رباب کا نام ذکر نہیں کرتے پس صحیح روایت سفیان ثوری کی ہی ہے سفیان ثوری، ابن عیینہ اور کئی حضرات عاصم احول سے وہ حفصہ بنت سیرین سے وہ رباب اور وہ سلمان بن عامر روایت کرتے ہیں ابن عون کہتے ہیں کہ ہم سے ام رائح بنت صلیع، سلمان بن عامر کے حوالے سے روایت کرتی ہیں رباب رائح کی والدہ ہیں۔

حضرت سلمان بن عامر ضبی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی افطار کرے تو کھجور سے کرے اگر کھجور نہ ہوتو پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ افطار کرتے اگر تازہ کھجور نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے روزہ کھولتے اور اگر یہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ سے افطار کرتے امام ابوعیسیٰ

حسوات من ماء، قال أبو عیسیٰ هذا حدیث حسن غریب　ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: ترجمۃ الباب کی غرض یہ ہے کہ روزہ کا افطار حلال پاکیزہ چیز سے کیا جائے خواہ وہ چیز کھجور ہو یا پانی ہو یا کوئی اور چیز البتہ کھجور سے افطار کرنا افضل ہے اور کھجور کے نہ ملنے کی وجہ سے پانی سے افطار کرنا مستحب ہے نمک کا تذکرہ یہاں کسی روایت میں نہیں ہے انہی دونوں باتوں کے اثبات کے لئے امام ترمذیؒ یہ باب لائے ہیں۔

ابن حزم ظاہری کے نزدیک کھجور سے افطار کرنا واجب ہے۔ وگرنہ پانی کے ساتھ افضل ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ گنہگار ہوگا لیکن اس کے اس طرح کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ (عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۲۹۱)

اہل ظواہر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں فلیفطر امر کا صیغہ آ گیا ہے جو کہ وجوب پر محمول ہے۔

کھجور اور میٹھی چیز سے افطار کرنے کی کیا حکمت ہے؟ اس میں نبی کریم ﷺ نے اپنی امت پر کمال شفقت کا اظہار فرمایا ہے کہ انہوں نے کھجور سے افطار کا حکم دیا وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت انسان کا معدہ خالی ہوتا ہے اور خالی معدہ میٹھی چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ دوسرا یہ کہ پورے دن کی کمزوری کا ازالہ اس سے ہو جاتا ہے۔ تیسرا یہ بصارت کو قوت بخشتا ہے۔ یہاں مطلق میٹھی چیز کا ذکر کرنا ہوتا تو کھجور کو ذکر نہ کرتے۔ کھجور کا تذکرہ اس لئے کیا کہ مدینہ میں کھجور اور پانی دونوں ایسی چیزیں تھیں جو عام میسر آ سکتی تھیں اس لئے آپ کا عام معمول بھی انہی چیزوں سے افطار کرنے کا حکم تھا اور آپ دوسروں کو بھی ان کی سہولت کے پیش نظر اسی کا مشورہ دیا کرتے تھے۔

دوسرا یہ کہ حدیث میں رطب کا تذکرہ تمر سے پہلے کیا گیا وہ بھی مدینہ کے حالات کے پیش نظر تھا اس لئے کہ رمضان کے مہینہ میں پختہ تازہ کھجوریں آسانی سے میسر آ جاتی ہیں اس لئے آپ ﷺ انہی سے افطار کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور اگر وہ نہ ملتیں تو تمر سے افطار فرما لیتے تھے جو عموماً پورا سال ملتی رہتی تھیں۔ اور نہ ملنے کی صورت میں آپؐ نے پانی کے ساتھ افطار کرنے کو پسند کیا ہے۔

باقی وہ روایات جن میں نمک کا تذکرہ آتا ہے وہ من گھڑت ہیں۔

قال ابو عیسیٰ: یہاں سے امام ترمذیؒ حدیث انس رضی اللہ عنہ کی مزید چند اسناد کو ذکر کر رہے ہیں۔

① یہی حدیث الباب والی ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ہم اس حدیث کو شعبہ سے سعید بن عامر کے علاوہ کسی روایت کرنے والے کو نہیں جانتے لیکن یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور ہم عبدالعزیز بن صہیب عن انس کی روایت کو بھی نہیں جانتے۔

② دوسری سند یہ ذکر کی ہے **و قد روی اصحاب شعبة هذا الحديث عن شعبة عن عاصم الاحول عن حفصة ابنة سيرين عن الرباب عن سلمان بن عامر عن النبي ﷺ و هذا اصح من حديث سعيد بن عامر** کہ شعبہ کے بعض ساتھیوں نے یہ حدیث مذکورہ سند سے سلمان بن عامر راوی کے حوالے سے نقل کی ہے اور یہ سند سعید بن عامر کی سند سے اصح ہے۔

③ اور اسی طرح یہ روایت شعبہ سے انہوں نے عاصم سے روایت کی **عن حفصة ابنة سيرين، عن سلمان بن عامر** لیکن اس سند میں شعبہ نے رباب کا تذکرہ نہیں کیا۔

آگے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح سند وہ ہے جو سفیان ثوری، ابن عیینہ اور ان کے علاوہ عاصم الاحول نے **عن حفصة بنت سيرين، عن الرباب، عن سلمان بن عامر** سے روایت نقل کی ہے۔

ابن عونؒ فرماتے ہیں کہ سند اس طرح ہے عن ام الرائح بنت صلیع عن سلمان بن عامر، اور رباب سے مراد ام الرائح ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ اَنَّ الْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ وَالْاَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْأَخْنَسِيِّ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّوْمُ يَوْمَ تَصُومُونَ وَالْفِطْرُ يَوْمَ تُفْطِرُونَ وَالْأَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّونَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَفَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ إِنَّمَا مَعْنٰى هٰذَا الصَّوْمَ وَالْفِطْرَ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَعُظْمِ النَّاسِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا روزہ اس دن ہے جب تم سب روزہ رکھو عید الفطر اس روز ہے جب تم سب افطار کرو اور عید الاضحیٰ اس دن ہے جس دن تم سب قربانی کرو۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب حسن ہے بعض علماء نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ رمضان اور عیدین میں اہل اسلام کی جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ ہے۔

تشریح: مصنفؒ نے ابواب کی جو ترتیب رکھی ہوئی ہے اس میں ابواب آپس میں مربوط نہیں ہیں۔ کیونکہ ابواب تو اختلاف مطالع کے چل رہے ہیں۔ اس باب کے متعلق بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ حدیث الباب کی غرض یہ ہے کہ اگر رؤیت ھلال یا کسی دینی کام میں مسلمانوں سے اجتماعی خطاء ہو جائے اور اس کی اصلاح ممکن نہ ہو تو وہ معاف ہے۔ مثال کے طور پر لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کے لئے اجتہاد و کوشش کی لیکن ان کو چاند نظر نہیں آیا یہاں تک کہ انہوں نے تیس روزے مکمل کر لئے پھر معلوم کرنے سے پتہ چلا کہ مہینہ ۲۹ کا تھا اور اسی طرح حج کے زمانے میں یوم عرفہ لوگوں سے بھول گیا تو لوگوں پر اس کا اعادہ نہیں ہے۔ اس لئے یہ غلطی معاف ہے۔ الحاصل یہ کہ اگر مسلمانوں سے اجتماعی غلطی ہو جائے اور اصلاح ممکن ہو تو پھر اس کی اصلاح کی جائے اور اگر اصلاح ممکن نہ ہو تو پھر ان کی یہ غلطی معاف ہے جیسا کہ سعودیہ میں چاند کے بارے میں مسئلہ ہے۔

قال ابو عیسٰی: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں **فقال انما معنی هٰذا الصوم والفطر مع الجماعة وعظم الناس** بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ رمضان اور عید الفطر جماعت اور سواد اعظم کے ساتھ ہے۔ عظم الناس یہ عطف تفسیری ہے۔ **ای اکثرهم وعامتهم**۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۵۷)

بَاب مَا جَاءَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ وَأَدْبَرَ النَّهَارُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حضرت عاصم بن عمر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب رات آ جائے دن چلا جائے اور سورج غروب ہو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ وَأَدْبَرَ النَّهَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرْتَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى وَأَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

جائے تو افطار کرو۔ اس باب میں ابن ابی اوفی اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عمر رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: اقبال کے معنی سامنے آنا، سامنے سے آنے کو کہتے ہیں اور پیٹھ پیچھے آنے کو ادبار کہتے ہیں مغربی افق سے سورج نیچے جاتا ہے اور مشرقی افق سے اتنی ہی تاریکی ابھرتی ہے یہ اقبال اللیل ہے اور سورج کا مغربی افق سے نیچے جانا ادبار النہار ہے۔

اب افطار کے لئے غروب شمس کا ہونا ضروری ہے جب سورج غروب ہو تو اس کی متعدد علامتیں ہیں اگر غروب ہوتا نظر آئے تو اتنا ہی کافی ہے۔ جب یقیناً غروب ہو جائے اس وقت افطار کریں گے۔ اور جہاں پر سورج غروب ہوتے ہوئے نظر نہ آئے بلکہ پہاڑوں کی اوٹ میں چلا جائے تو اس وقت غروب آفتاب کے لئے دوسری علامات کا ملانا ضروری ہے۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے صرف غابت الشمس نہیں فرمایا بلکہ جو تاریکی مغربی افق پر چھا جاتی ہے اس علامت کو غروب کے ساتھ ملایا ہے۔

دوسرا یہ کہ روزہ افطار کرنے میں بہت زیادہ تاخیر کرنا مناسب نہیں یہ بات شریعت کے منشا کے خلاف ہے شریعت کا منشا یہ ہے کہ روزہ کے وقت جانبین سے کوئی زیادتی نہ کی جائے چنانچہ صبح صادق کے قریب سحری کو ختم کرے اور غروب شمس کے فوراً بعد افطار کرلے یہ مسنون ہے۔ بقیہ شرح اگلے باب کے ذیل میں آرہی ہے کہ افطار میں جلدی کرنی چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْإِفْطَارِ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ ح قَالَ وَأَخْبَرَنَا أَبُو مُصْعَبٍ قِرَاءَةً عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ اسْتَحَبُّوا تَعْجِيلَ الْفِطْرِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے ہمیشہ بھلائی سے رہیں گے اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، عائشہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں سہل بن سعدؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے علماء صحابہ وغیرہ نے کہ جلدی روزہ افطار کرنا مستحب ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے نزدیک محبوب ترین بندہ وہ ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَنَا أَبُو عَاصِمٍ وَأَبُو الْمُغِيرَةِ عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

عبداللہ بن عبدالرحمن، ابوعاصم، ابومغیرہ، اوزاعی سے سابق حدیث کی مثل روایت کی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوقٌ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْفِطْرَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ قَالَتْ أَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ قُلْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ أَبُو مُوسٰى قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عَطِيَّةَ اسْمُهُ مَالِكُ بْنُ أَبِي عَامِرٍ الْهَمْدَانِيُّ وَيُقَالُ مَالِكُ ابْنُ عَامِرٍ الْهَمْدَانِيُّ أَصَحُّ

حضرت ابوعطیہ سے روایت ہے کہ میں اور مسروق حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ام المومنین کے دو صحابی ایسے ہیں کہ جن میں سے ایک افطار بھی جلدی کرتے اور نماز بھی جلدی پڑھتے ہیں جب کہ دوسرے افطار اور نماز دونوں میں تاخیر کرتے ہیں حضرت عائشہ نے فرمایا افطار اور نماز میں جلدی کون کرتا ہے؟ ہم نے عرض کیا عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے دوسرے جو صحابی تاخیر کرتے ہیں وہ ابوموسیٰ ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوعطیہ کا نام مالک بن ابوعامر ہمدانی ہے انہیں مالک بن عامر ہمدانی بھی کہا جاتا ہے اور یہی صحیح ہے۔

تشریح: حدیث شریف میں آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ لوگ برابر خیر میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے۔ یہ حدیث شریف اگرچہ ایک مسئلہ کے بارے میں ارشاد فرمائی ہے لیکن اس حدیث سے دراصل ایک قاعدہ کلیہ بیان کر رہے ہیں کہ شریعت میں لوگ جب تک کسی عمل میں افراط اور تفریط میں مبتلا نہیں ہوں گے بلکہ صحیح دین پر عمل کریں گے اس وقت تک دین پر چلتے رہیں گے احکام شرعیہ میں نہ تو چارگی کرنے کی اجازت ہے اور نہ صورۃً۔ مثال کے طور پر ظہر کی چار رکعت فرض ہیں ایک شخص جوش میں آ کر پانچ یا چھ رکعت فرض پڑھ لیتا ہے تو یہ افراط ہے اور ایک شخص چار کے بجائے تین یا دو پڑھتا ہے یہ تفریط ہے جو شخص افراط اور تفریط دونوں سے بچ کر چار رکعت فرض پڑھتا ہے تو وہ دین پر قائم رہے گا، وگرنہ نہیں۔

اس شرح سے معلوم ہوا کہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرنے کے استحباب پر امت کا اتفاق ہے۔ پھر تعجیل افطار کی ملت یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **عن النبی ﷺ قال: لا یزال الدین ظاهرًا ما عجل الناس الفطر لان الیهود والنصاری یؤخرون۔** لہٰذا تعجیل افطار سے سنت نبوی کی پیروی کی ترغیب دینا اور یہود و نصاریٰ کے طریقوں سے نفرت دلانا مقصود ہے تاکہ لوگ یہود و نصاریٰ کے طریقے پر نہ چل پڑیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ السُّحُورِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ

انس، زید بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول

حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قُمْنَا إِلَى الصَّلَاةِ قَالَ قُلْتُ كَمْ كَانَ قَدْرُ ذٰلِكَ قَالَ قَدْرُ خَمْسِينَ آيَةً حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ بِنَحْوِهِ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ قَدْرُ قِرَاءَةِ خَمْسِينَ آيَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ اسْتَحَبُّوا تَأْخِيرَ السُّحُورِ.

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سحری کی پھر نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ کھانے اور نماز میں کتنا وقفہ ہوگا تو حضرت زیدؓ نے فرمایا پچاس آیتیں پڑھنے کا۔ دوسری حدیث کا ترجمہ وکیع نے ہشام سے اسی طرح بیان کیا مگر انہوں نے کہا کہ پچاس آیات کے بقدر پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس باب میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث زید بن ثابت حسن صحیح ہے۔ یہی قول امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا ہے کہ انہوں نے تاخیر سحور کو مستحب قرار دیا ہے۔

تشریح: سحور سین کے ضمہ کے ساتھ ہوتو اس کا معنی ہے سحری کھانے کا وقت۔ سحور سین کے زبر کے ساتھ ہوتو اس کا معنی ہے سحری کا کھانا۔ سحری کا تاخیر سے کھانا اور افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ سحری سے فراغت کے بعد اور فجر کی نماز میں دخول کا وقت پچاس آیات کے بعد بقدر تلاوت کرنے کا فاصلہ ہو۔ (کمافی فتح الباری جلد ۲ ص ۴۵) تاخیر سحور میں حکمت یہ ہے کہ دن بھر انسان قوت میں رہے گا اور افطار میں تعجیل اس لئے ہے کہ دخول وقت کے بعد ناحق بھوک و پیاس میں مبتلا نہ رہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيَانِ الْفَجْرِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ النُّعْمَانِ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي طَلْقُ بْنُ عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا يَهِيدَنَّكُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَعْتَرِضَ لَكُمُ الْأَحْمَرُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ وَأَبِي ذَرٍّ وَسَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَا يَحْرُمُ عَلَى الصَّائِمِ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ حَتّٰى يَكُونَ الْفَجْرُ الْأَحْمَرُ الْمُعْتَرِضُ وَبِهِ يَقُولُ عَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کی شب میں کھاؤ پیو اور چڑھتی ہوئی روشنی تمہیں گھبراہٹ میں مبتلا نہ کرے پس اس پر کھانا پینا نہ چھوڑو یہاں تک کہ شفق احمر ظاہر ہو جائے۔ اس باب میں حضرت عدی بن حاتم، ابوذر اور سمرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث طلق بن علی اس سند سے حسن غریب ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ شفق احمر کے ظاہر ہونے تک روزہ دار کے لئے کھانا پینا جائز ہے اور یہ اکثر علماء کا قول ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَيُوسُفُ بْنُ عِيسٰى قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ أَبِي هِلَالٍ عَنْ سَوَادَةَ بْنِ حَنْظَلَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سحری کھانے سے بلال کی اذان اور لمبی فجر یعنی صبح کاذب کی وجہ سے باز نہ آؤ اور پھیلی ہوئی فجر یعنی صبح

مِنْ سُحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلُ وَلٰكِنِ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيرُ فِي الْأُفُقِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

صادق کے ظاہر ہونے پر کھانا پینا چھوڑ دو امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلندی کی طرف چڑھتی ہوئی روشنی تمہیں سحری کھانے سے گھبراہٹ میں نہ ڈالے کہ تم کھانے پینے سے باز آجاؤ یعنی رک جاؤ بلکہ شفق احمر کے ظاہر ہونے تک کھاتے پیتے رہو۔

حدیث میں **من الفجر** کا لفظ آیا ہے فجر سے صبح صادق مراد ہے صبح کاذب مراد نہیں۔ صبح صادق سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے مشرقی افق پر ایک روشنی نمودار ہوتی ہے مگر افق سیاہ ہوتا ہے اس روشنی کو **الساطع المصعد** کہتے ہیں ساطع کے معنی ہیں لمبی ہونے والی اور المصعد کے معنی ہیں چڑھنے والی یعنی وہ روشنی جو افق سے اوپر دراز ہوتی ہے اس کا نام صبح کاذب ہے اس میں دو دھاریاں نہیں ہوتیں پھر یہ روشنی آہستہ آہستہ ماند پڑ جاتی ہے اور بالکل ختم ہو جاتی ہے پھر اس کے کچھ دیر بعد دس پندرہ منٹ کے بعد مشرقی افق پر ایک لال دھاری چوڑائی میں نمودار ہوتی ہے جو بتدریج اوپر کی طرف بڑھتی ہے یہ لال دھاری سفید دھاگا ہے اور اس سے اوپر والی تاریکی کالا دھاگا اس کو صبح صادق کہتے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ہے **کلوا واشربوا حتیٰ یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر** ۔ یہ تفصیل ہے کالا دھاگہ اور سفید دھاگہ کی۔ اس شرح کی رو سے آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب صبح کا سفید دھاگا رات کے کالے دھاگے سے الگ محسوس ہونے لگے یعنی یقینی طور پر صبح ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دو۔

سحری کس وقت تک کھاتے رہنے کی گنجائش ہے اس بارے میں دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ صبح احمر کے ظاہر ہونے تک اکل وشرب جائز ہے حدیث باب سے اس قول کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ قول متروک ہے۔

دوسرا قول صبح صادق ابیض تک اکل وشرب کا جواز ہے۔ جمہور کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ فِي الْغِيبَةِ لِلصَّائِمِ

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ قَالَ وَحَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ بِأَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص جھوٹی باتیں اور ان پر عمل کرنا نہ چھوڑے اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ یہ حدیث لا کر صرف غیبت کے گناہ ہونے کے متعلق آگاہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس کے پیش نظر ایک اصول بیان کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس حدیث کے پیش نظر باب کا عنوان ہی غیبت والا باندھ دیا۔ حالانکہ اس کا تعلق صرف غیبت سے نہیں بلکہ یہ چغل خوری، جھوٹ، دھوکہ، فریب جیسے گناہوں کو بھی شامل ہے۔

مسئلہ: روزہ دار کا غیبت اور جھوٹ بولنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور ائمہ کے نزدیک یہ عدم فساد کو مستلزم ہے اور کہتے ہیں کہ اگر چہ یہ باتیں کمال صوم کے منافی ہیں لیکن مفسد نہیں۔

قول ثانی: امام اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ غیبت سے فساد صوم کے قائل ہیں۔

امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ کا استدلال: یہی حدیث الباب ہے **عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ قال: من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة بأن يدع طعامه و شرابه۔**

قیاس سے بھی ظاہراً ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ "اکل و شرب" اپنی ذات کے اعتبار سے مباح ہے اور روزے میں عارضی طور پر ممنوع ہو جاتے ہیں اور غیبت اپنی ذات کے اعتبار سے حرام ہے اور روزے میں اس کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے جیسا کہ حدیث باب میں فرمایا گیا کہ جو شخص بدگفتاری اور بدکرداری نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

جواب: یہ بات تو ٹھیک ہے کہ غیبت بُرا گناہ ہے لیکن روزے کی ماہیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اگر چہ اس سے روزے کے ثواب میں کمی ہوگی اور روزہ خراب کرنے کی صورت میں پوچھا جائے گا۔ اگر وہ شخص بالکل روزہ رکھے ہی نہ تو اس کے بارے میں علیحدہ پوچھ گچھ ہوگی اور اگر روزہ رکھ لیا پھر اس کو خراب کیا تو پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ روزہ کو کیوں خراب کیا۔ سو اس میں بڑا فرق ہے۔

جمہور حضرات کے نزدیک غیبت وغیرہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر چہ اس میں کمال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ حدیث الباب کا مطلب ان کے نزدیک یہی ہے۔

قوله فليس لله حاجة: اس عنوان کے تحت دو باتیں قابل غور ہیں۔

اوّل: روزہ کھانے پینے اور مباشرت سے رکنے کا نام ہے اور یہ تینوں اشیاء مباح ہیں پس جب روزہ دار اللہ کی خوشنودی کے لئے مباح چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کو ممنوع اشیاء سے بدرجہ اولیٰ احتراز کرنا چاہیے۔ جو ان امور پر عمل کرے گا ہی حقیقی روزہ دار ہے۔

ثانی: اس جملہ کا مطلب یہ نہیں کہ جس نے جھوٹ بولنا ہے یا غیبت کرنی ہے یا دھوکہ دینا ہے وہ روزہ نہ رکھے بلکہ یہ تو وعید ہے جیسا کہ کتاب الحج میں حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص استطاعت کے باوجود حج نہ کرے اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی ہو کر مرے اس حدیث کے بارے میں کوئی کہے کہ اس میں یہودی اور عیسائی بننے کی اجازت دے دی گئی ہے یہ غلط ہے بلکہ اس حدیث میں وعید شدید کا بیان ہے جب اسے احکامات شرعیہ کا پاس نہیں تو اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہے ایسے ہی یہ وعید ہے۔

اگر کسی نے غیبت کرنے کے بعد اس گمان سے روزہ میں کچھ کھا لیا کہ غیبت کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے کھا پی لوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر قضاء تو واجب ہے بالاتفاق لیکن کیا اس پر کفارہ بھی ہے یا نہیں؟ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس پر کفارہ بھی ہے اسی طرح کسی نے رمضان میں حجامہ لگایا اور اس نے یہ گمان کیا کہ حجامہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر اس نے کھا پی لیا تو کیا اس پر قضاء اور کفارہ دونوں ہوں گے یا ایک۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی ہے الا یہ کہ حجامہ لگوانے سے اس کو کمزوری لاحق ہوگئی اور مجبوری سے افطار کر لیا تو پھر اس صورت میں اس پر کفارہ نہیں، یہ تب ہے جب فقیہ اس کے بارے میں بتائے

کیونکہ فتوی اس شخص کے لئے دلیل شرعی اور حجت ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اوپر والے مسئلہ میں اور حجامہ والے مسئلہ میں دونوں میں کفارہ واجب نہیں۔ بعض نے کہا کہ غیبت والے مسئلہ میں تو کفارہ نہیں البتہ حجامہ والے مسئلہ میں قضاء کے ساتھ ساتھ کفارہ بھی ہے۔ پھر صاحب ہدایہ اور صاحب بدائع نے غیبت اور حجامہ والے دونوں مسئلوں میں قضاء اور کفارہ میں برابر لزوم قرار دیا ہے۔

شیخ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ان دونوں میں فرق ہو کہ غیبت کا وقوع کثرت سے ہوتا ہے۔ اور اس سے بچنا مشکل ہے لہٰذا اس مسئلہ میں کفارہ کو لازمی قرار دیا جائے تو حرج عظیم لازم آئے گا ہر شخص کفارہ دیتا رہے گا برخلاف حجامہ والے مسئلہ کے کہ وہ کبھی کبھار پیش آتا ہے اس لئے حجامہ والے مسئلہ میں قضاء و کفارہ دونوں کا حکم لگائیں گے۔

غیبت کی تعریف: أن تصف اخاك حال کونه غائبًا بوصف یکرہ اذا سمعه کہ اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے اس طرح ذکر کرنا کہ اگر وہ خود (مذکورہ کلام) سن لے تو اس کو برا لگے۔ غیبت کی کئی اقسام ہیں جن کا ذکر آگے جلد ثانی میں آجائے گا۔

حدیث اور ترجمۃ الباب کے درمیان عدم مطابقت کا سوال: عنوان میں تو غیبت کا ذکر ہے جبکہ حدیث میں قول الزور کا ذکر ہے لہٰذا انطباق درست نہیں ہے اس کے دو جوابات دیئے ہیں۔

جواب اوّل: قول الزور کا فرد کامل غیبت ہے۔ لہٰذا اس میں عدم مطابقت کا سوال نہیں ہوگا۔

جواب ثانی: مصنفؒ نے غیبت کو قول الزور پر قیاس کرلیا ہے۔

فائدہ: ابن عابدینؒ نے ابواللیث سمرقندیؒ سے حکایت کیا ہے کہ چار وجوہات غیبت کے جواز کی ہوسکتی ہیں۔ کفر، نفاق، معصیت، اباحۃ، گیارہ مقامات ایسے ہیں جہاں غیبت کرنا جائز ہے جن کو ان اشعار میں بند کیا ہے۔

بما یکرہ الانسان یحرم ذکرہ سوی عشرۃ حلت أتت تلو واحد
تظلم و شر واجرح و بین مجاھرًا بفسق و مجھولًا و غشًا لقاصدٍ
وعرف کذا استفت استعن عند زاجر کذاك اھتمم حذر فجور معاند

(معارف السنن ج۵ ص۳٦٦)

غیبت کے متعلق تفصیلی بحث ترمذی جلد ثانی کتاب الحظر والاباحۃ میں آئے گی۔

باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ السَّحُورِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَعَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سحری کھاؤ اس میں برکت ہے۔ اس باب میں ابوہریرہ، عبداللہ بن مسعود، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، عمرو بن عاص، عرباض بن ساریہ، عتبہ بن عبد اور ابودرداء رضی اللہ عنہم سے بھی روایت

وَالْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَعُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَ صِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ.

ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں صرف سحری کا فرق ہے۔

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُوسَى بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي قَيْسٍ مَوْلَى عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ قَالَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَهْلُ مِصْرَ يَقُولُونَ مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ وَأَهْلُ الْعِرَاقِ يَقُولُونَ مُوسَى بْنُ عُلَيِّ بْنِ رَبَاحٍ اللَّخْمِيُّ

حضرت عمرو بن عاص سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل مصر کہتے ہیں کہ موسیٰ بن علی راوی کا نام اور عراق والے کہتے ہیں کہ موسیٰ بن علی اور موسیٰ علی بن رباح لخمی کے بیٹے ہیں۔

تشریح: قولہ تسحروا: یہ امر کا صیغہ وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے کیونکہ سحری کھانا واجب یا فرض نہیں بعض روایات میں آتا ہے کہ سحری کھاؤ چاہے وہ ایک گھونٹ پانی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔

قولہ برکۃ: برکت ایک تو اس وجہ سے ہے کہ سنت پر عمل ہو جائے گا اور دوسری برکت اس میں اس طرح حاصل ہوگی کہ کھانا کھانے سے روزہ رکھنے کی طاقت آجاتی ہے اور سنت پر عمل کی وجہ سے ثواب عظیم ملتا ہے۔ بعض نے کہا کہ برکت سے مراد دوسرے دن کے روزے کے لئے حصول قوت ہے جیسا کہ روایت میں آتا ہے "استعينوا بمقابلة النهار على قيام الليل وباكل السحور على صيام النهار"۔

سابقہ امتوں میں رات کو سونے کے بعد کھانا حرام ہو جاتا تھا اور ابتداء اسلام میں بھی یہی قانون تھا لیکن اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مشکل پیش آئی تو یہ حکم بعد میں اٹھالیا گیا اس سے اہل کتاب کی مخالفت بھی ہوگئی نیز "اکلۃ السحر" فرمانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سحری کم کھانی چاہیے اتنی زیادہ سحری کھالینا کہ دوپہر تک ابھار اور ڈکاریں آتے رہیں بہتر نہیں کیونکہ روزے کا مقصود حاصل نہیں ہوگا۔

واھل مصر یقولون موسیٰ بن علی: یہاں سے امام ترمذیؒ ایک نام کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ان کے والد کا نام اہل مصر علی (مکبر) لیتے ہیں اور اہل عراق ان کا نام عُلَيّ (**تصغیر** کے ساتھ) ذکر کرتے ہیں۔ آگے موسیٰ کا قول نقل کر رہے ہیں کہ جو میرے والد کا نام بگاڑے گا یعنی مکبر کے بجائے مصغر نام لے گا میں اسے معاف نہیں کروں گا لیکن چونکہ ان کی پہچان تصغیر سے ہوگئی تھی اس لئے تصغیر استعمال کرنا ان کی مجبوری تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ صلی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ إِلَى مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهُ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَيْهِمُ الصِّيَامُ وَإِنَّ النَّاسَ يَنْظُرُونَ فِيمَا فَعَلْتَ فَدَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَشَرِبَ وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ فَأَفْطَرَ بَعْضُهُمْ وَصَامَ بَعْضُهُمْ فَبَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوا فَقَالَ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ وَفِي الْبَابِ عَنْ كَعْبِ بْنِ عَاصِمٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْفِطْرَ فِي السَّفَرِ أَفْضَلُ حَتّٰى رَأَى بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الْإِعَادَةَ إِذَا صَامَ فِي السَّفَرِ وَاخْتَارَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ الْفِطْرَ فِي السَّفَرِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ وَهُوَ أَفْضَلُ وَإِنْ أَفْطَرَ فَحَسَنٌ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وقَالَ الشَّافِعِيُّ وَإِنَّمَا مَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ وَقَوْلِهِ حِينَ بَلَغَهُ أَنَّ نَاسًا صَامُوا فَقَالَ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ فَوَجْهُ هٰذَا إِذَا لَمْ يَحْتَمِلْ قَلْبُهُ قَبُولَ رُخْصَةِ اللهِ تَعَالٰى فَأَمَّا مَنْ رَأَى الْفِطْرَ مُبَاحًا وَصَامَ وَقَوِيَ عَلٰى ذٰلِكَ فَهُوَ أَعْجَبُ إِلَيَّ.

اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا یہاں تک کہ کراع الغمیم کے مقام تک پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لوگوں نے بھی روزے رکھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ لوگوں پر روزہ بھاری ہوگیا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے منتظر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصر کے بعد پانی کا پیالہ منگوایا اور پی لیا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہے تھے پس بعض لوگوں نے روزہ افطار کرلیا اور بعض لوگوں نے مکمل کیا جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی کہ کچھ لوگوں نے پھر بھی روزہ نہیں توڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ لوگ نافرمان ہیں۔ اس باب میں کعب بن عاصم، ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر کی حدیث حسن صحیح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سفر میں روزہ نہ رکھنا کوئی نیکی نہیں اہل علم کا سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں اختلاف ہے بعض صحابہ وغیرہ کے نزدیک سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے یہاں تک کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اگر سفر میں روزہ نہ رکھ لیا تو دوبارہ رکھنا پڑے گا امام احمد اور اسحاق بھی سفر میں روزہ نہ رکھنے کو پسند کرتے ہیں بعض علماء صحابہ اس بات کے قائل ہیں کہ اگر قوت ہو تو روزہ رکھے اور یہی افضل ہے اور اگر نہ رکھے تب بھی بہتر ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور مالک بن انسؒ کا بھی یہی قول ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد کہ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نافرمان ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب اس کا دل اللہ کی طرف سے دی گئی رخصت پر راضی نہ ہو لیکن جو شخص افطار کو جائز سمجھتا ہو اور اسے طاقت بھی ہو تو اس کا روزہ مجھے پسند ہے۔

تشریح: اس بات پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے اختلاف اس بات میں ہے کہ افضل کونسی صورت ہے؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے اگر شدید مشقت ہو تو پھر افطار کرنا افضل ہے۔

قول ثانی: امام احمدؒ، اور امام اسحاقؒ کے نزدیک سفر میں مطلقاً افطار افضل ہے رخصت پر عمل کرتے ہوئے۔ امام اوزاعیؒ کا مسلک

بھی یہی ہے اور امام شافعیؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

قول ثالث: اہل ظواہر کے نزدیک سفر میں مطلقاً روزہ رکھنا جائز ہے۔

اہل ظواہر کا استدلال: **دلیل اوّل:** اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **فعدۃ من ایام اخر ای فالواجب عدۃ۔**

جواب: اس کی تقدیر یوں ہے **او علی سفر فافطر فعدۃ** تو وجوب قضاء کا حکم افطار سے وابستہ ہے۔ نیز اس آیت میں ہے **یرید اللہ بکم الیسر** ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم محض سہولت کیلئے ہے لازمی اور حتمی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں **انما اراد اللہ عزوجل بالفطر فی السفر التیسیر علیکم فمن یسر علیہ الصیام فلیصم و من یسر علیہ الفطر فلیفطر۔**

دلیل ثانی: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے **کان رسول اللہ ﷺ فی سفر فرأی زحامًا ورجلًا قد ظلل علیہ فقال ما ھذا فقالوا صائم فقال لیس من البر الصوم فی السفر.** (بخاری و مسلم)

جواب اوّل: سیاق حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت و کراہت اس شخص کے لئے ہے جو روزے کی مشقت برداشت نہ کر سکے یا جہاد جیسے اہم فریضہ میں خلل لازم آئے۔

جواب ثانی: یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو افطار کی رخصت قبول نہ کرے۔

جواب ثالث: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ بر کامل کی نفی مراد ہے۔

دلیل ثالث: حدیث الباب ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روزہ داروں کے بارے میں ارشاد فرمایا **اولئك العصاۃ اولئك العصاۃ۔**

جواب اوّل: آپ ﷺ نے جہاد والوں کے لئے افطار کو لازمی قرار دیا مسلم کی روایت میں ہے "**فقال رسول اللہ ﷺ انکم مصبحو اعدو کم فالفطر اقوی لکم فافطروا و کانت عظیمۃ**" ان حضرات نے اس کو رخصت سمجھا اور افطار نہ کیا ورنہ عمداً نبوی کی مخالفت ان سے متصور نہیں ہو سکتی تھی۔

جواب ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو افطار کی رخصت قبول نہ کرے۔

جواب ثالث: یہ حکم روزے کے دشوار ہونے کی صورت میں ہے جیسا کہ ایک روایت ہے **فقیل لہ ان الناس قد شق علیہم الصوم**

دلیل رابع: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے **الصائم فی السفر کالمفطر فی الحضر.** (ابن ماجہ)

جواب: اس کا جواب وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکا کہ یہ اس کے لئے ہے جو رخصت کو قبول نہ کرے اور مشقت میں مبتلا ہو جائے یا جہاد جیسے فرائض میں کوتاہی کرے یا افطار نہ کرنے کی وجہ سے قوی نقصان کا اندیشہ ہو۔

امام شافعیؒ کی دلیل: **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔**

جواب: اس آیت میں وجوب قضاء کا حکم افطار سے وابستہ ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم محض سہولت کیلئے ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: **قولہ تعالیٰ وأن تصوموا خیر لکم.** (البقرۃ:۱۸۴)

دلیل ثانی: صحیحین وغیرہ کی مرفوع احادیث کثیرہ جواز پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے حضرت حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید

خدری رضی اللہ عنہ کی احادیث باب بھی ہیں۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طحاوی شریف میں اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت صحیحین میں موجود ہے۔

دلیل ثالث: جمہور حضرات کا استدلال آئندہ باب کی روایت سے ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے بعض لوگ روزہ رکھتے تھے اور بعض نہیں رکھتے تھے اور روزہ رکھنے والے روزہ نہ رکھنے والوں پر اور روزہ نہ رکھنے والے روزہ رکھنے والوں پر عیب یا غصہ نہیں کرتے تھے۔ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھتے تھے کہ جس میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے اس کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے اور جس شخص میں طاقت نہیں اس کے لئے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

مسئلہ ثانیہ: اس بات میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ جب تک سفر شروع نہیں کیا اس وقت تک افطار کرنے کی رخصت حاصل نہیں۔ مثلاً کسی شخص کو بارہ بجے دن سفر شروع کرنا ہے تو وہ صبح سے روزہ نہ توڑے۔ اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ البتہ سفر شروع کر دیا اور روزے کی حالت میں ہے تو پھر اس کے توڑنے کے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ کے نزدیک روزہ توڑنا جائز ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی روزہ توڑ دے تو اس پر قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ سفر کے شروع کرنے کے بعد رخصت حاصل ہو جاتی ہے۔

مسئلہ ثالثہ: **رمضان کا جو روزہ دوران سفر رکھا گیا ہو اس کو توڑ سکتے ہیں یا نہیں؟** اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک دوران سفر رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک دوران سفر روزہ رکھا ہو تو اس کو توڑنا جائز نہیں۔ لیکن اس صورت میں اگر اس کو توڑ دیا تو اس پر قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں۔

دلیل شوافع: امام شافعیؒ کا استدلال حدیث الباب سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران سفر رکھا ہوا روزہ توڑ دیا تھا اس سے جواز کا اثبات ہو گیا۔

جواب اوّل: اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ تھا اس بات کی کوئی دلیل نہیں ممکن ہے آپؐ نے اس دن روزہ رکھا ہی نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی پی کر روزہ نہ ہونے کو ظاہر کرنا مقصود ہو۔

جواب ثانی: عوام اور فوج کے احکام جدا جدا ہیں۔ اگر اسلامی فوج حالت جنگ میں ہے تو اس کو اس وقت روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ (کما فی العالمگیری جلد ۱ ص ۲۰۸ الباب الخامس فی الاعذار)

جواب ثالث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریع کے لئے کبھی مکروہ تنزیہی کام بھی کر لیا کرتے تھے اور یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مکروہ نہیں ہوتا تھا۔ پس اس بات کا احتمال ہے کہ آپ کا روزہ توڑنا تشریع کے لئے ہو۔

اولئك العصاة: اس روایت میں اجمال ہے جبکہ دوسری روایت مفصل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب افطار کیا تو آپ کا افطار دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی افطار کر لیا آگے چل کر دیکھا کہ بعض نے افطار نہیں کیا تو آپؐ نے ان کو افطار کرنے کا حکم دیا لیکن پھر بھی انہوں نے افطار نہیں کیا تو پھر فرمایا **اولئك العصاة**۔

سوال: ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کیوں کی حکم کیوں نہیں مانا؟

جواب: شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ خیال کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ امر شفقۃ تھا۔

سوال: اگر یہ بات ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اولئك العصاة کیوں فرمایا؟

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میرے امر سے مطمئن نہیں۔ شاید اس لئے روزہ رکھے ہوئے ہیں اور اللہ کی جانب سے دی ہوئی رخصت کو یہ قبول نہیں کر رہے اس لئے یہ فرمادیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ وَكَانَ يَسْرُدُ الصَّوْمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَحَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ أَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

ہشام بن عروہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا اور وہ مسلسل روزے رکھا کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چاہو تو روزے رکھو اور چاہو نہ رکھو اس باب میں حضرت انس بن مالک، ابوسعید، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو، ابودردا اور حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی حمزہ بن عمرو اسلمی کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال والی حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ أَبِي مَسْلَمَةَ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ فَمَا يُعَابُ عَلَى الصَّائِمِ صَوْمُهُ وَلَا عَلَى الْمُفْطِرِ فِطْرُهُ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رمضان میں سفر کیا کرتے تھے پس کوئی بھی برا نہ کہتا تھا روزہ رکھنے والے کے روزے کو اور افطار کرنے والے کے افطار کو۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا الْجُرَيْرِيُّ ح وَحَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلٰى عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَلَا يَجِدُ الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تو ہم میں سے بعض کا روزہ ہوتا اور بعض بغیر روزے کے ہوتے پس نہ روزہ دار بغیر روزے دار پر اور نہ ہی بے روزہ روزہ دار پر غصے ہوتا بلکہ وہ جانتے تھے کہ جس میں طاقت ہو اور روزہ رکھے وہ

وَلَا الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مَنْ وَجَدَ قُوَّةً فَصَامَ فَحَسَنٌ وَمَنْ وَجَدَ ضَعْفًا فَأَفْطَرَ فَحَسَنٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

بہتر ہے اور جو ضعیف ہونے کی وجہ سے روزہ نہ رکھے اس نے بھی اچھا کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ صائم الدھر تھے ہوسکتا ہے انہوں نے نفل روزوں کے متعلق پوچھا ہو اس لئے یہ حدیث امام احمدؒ کے مقابلے میں پیش کی جاسکتی ہے۔

آگے آنے والی دونوں احادیث اہل ظاہر کے خلاف حجت ہیں اور آخری حدیث فیصلہ کن ہے کہ اگر سفر میں روزہ رکھنے میں غیر معمولی مشقت ہو تو روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے۔ بصورت دیگر روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلْمُحَارِبِ فِي الْإِفْطَارِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ أَبِي حُيَيَّةَ عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّهُ سَأَلَهُ عَنِ الصَّوْمِ فِي السَّفَرِ فَحَدَّثَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ غَزْوَتَيْنِ يَوْمَ بَدْرٍ وَالْفَتْحِ فَأَفْطَرْنَا فِيهِمَا وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُمَرَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَمَرَ بِالْفِطْرِ فِي غَزْوَةٍ غَزَاهَا وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ نَحْوُ هٰذَا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْإِفْطَارِ عِنْدَ لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَبِهِ يَقُولُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ.

معمر بن ابوحیبہ نے ابن مسیبؒ سے سفر میں روزہ رکھنے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رمضان میں دو جنگیں لڑیں غزوہ بدر اور غزوہ فتح مکہ ان دونوں جنگوں میں ہم نے روزہ نہیں رکھا۔ اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس سند کے علاوہ نہیں جانتے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک غزوہ میں افطار کا حکم بھی دیا تھا اور حضرت عمر بن خطابؓ سے بھی مروی ہے کہ وہ بھی دشمن سے مقابلے کے وقت افطار کی اجازت دیتے تھے بعض اہل علم کا یہی قول ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اسلامی فوج یا مجاہدین اسلام کے لئے حالت جہاد میں روزہ افطار کرنا زیادہ افضل ہے۔

یہاں باب میں پہلی حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان میں دو غزوے کئے ایک غزوہ بدر اور دوسرا فتح مکہ پس ہم نے ان میں روزے نہیں رکھے تھے۔

فتح مکہ کے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کراع الغمیم تک روزے رکھے تھے جبکہ حضرت عمرؓ کی مذکورہ حدیث میں روزہ نہ رکھنے کی بات ہو رہی ہے ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے۔

جواب اوّل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان آخری حالت کے اعتبار سے ہے جب جنگ کا وقت قریب آجائے تو اس وقت روزے

کھول دیئے گئے۔

جواب ثانی: ماقبل والی حدیث سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ جبکہ موجودہ حدیث اسکے برابر نہیں۔ اسلئے کہ اس میں ایک راوی معمر ہے جو کہ اچھا راوی نہیں صحاح ستہ میں اس کی ایک ہی روایت ہے۔ دوسرا یہ کہ اسکی روایت کی سند میں ابن لہیعہ ہے جو کہ ضعف میں مشہور ہے۔ لہٰذا تعارض نہ رہا ہم حدیث اصح الاسناد کو ترجیح دیتے ہیں اور وہ ماقبل کی حدیث ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۸۰)

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْإِفْطَارِ لِلْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَيُوسُفُ بْنُ عِيسٰى قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا أَبُو هِلَالٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ أَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ يَتَغَدّٰى فَقَالَ ادْنُ فَكُلْ فَقُلْتُ إِنِّي صَائِمٌ فَقَالَ ادْنُ أُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّوْمِ أَوِ الصِّيَامِ إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ (الصَّوْمَ) وَشَطْرَ الصَّلَاةِ وَعَنِ الْحَامِلِ أَوِ الْمُرْضِعِ الصَّوْمَ أَوِ الصِّيَامَ وَاللهِ لَقَدْ قَالَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِلَيْهِمَا أَوْ إِحْدَاهُمَا فَيَا لَهْفَ نَفْسِي أَنْ لَا أَكُونَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أُمَيَّةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَا نَعْرِفُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ الْوَاحِدِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ يُفْطِرَانِ وَيَقْضِيَانِ وَيُطْعِمَانِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ وَمَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ و قَالَ بَعْضُهُمْ يُفْطِرَانِ وَيُطْعِمَانِ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ شَاءَتَا قَضَتَا وَلَا إِطْعَامَ عَلَيْهِمَا وَبِهِ يَقُولُ إِسْحٰقُ.

بنی عبداللہ بن کعب میں سے ایک شخص حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر نے ہمارے قبیلہ پر حملہ کیا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھانا کھا رہے تھے فرمایا قریب ہو جاؤ اور کھاؤ میں نے کہا میں روزے سے ہوں فرمایا قریب آؤ میں تمہیں روزے کے بارے میں بتاؤں اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے آدھی نماز اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے روزہ معاف کر دیا ہے اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاملہ اور دودھ پلانے والی دونوں یا ایک کا ذکر کیا مجھے اپنے اوپر افسوس ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کھانا کیوں نہیں کھایا۔ اس باب میں حضرت ابوامیہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ انس بن مالک کعبی کی حدیث حسن ہے اور ہم انس بن مالک کعبی کی اس روایت کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتے بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ دونوں روزہ نہ رکھیں پھر قضا کریں اور اس کے ساتھ ہی صدقہ فطر کے برابر فقیروں کو ہر روزے کے بدلے میں کھانا بھی کھلائیں سفیان ثوری، مالک، شافعی اور احمد بھی یہی کہتے ہیں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ دونوں افطار کریں اور مسکینوں کو کھانا کھلائیں اور ان دونوں پر قضا نہیں ہے اور اگر چاہیں تو قضا کر لیں اور اس صورت میں مسکینوں کو کھانا کھلانا ضروری نہیں امام اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: انس بن مالک: یہ انس مشہور خزرجی انصاری صحابی نہیں جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ دس سال خدمت کرتے رہے بلکہ یہ دوسرے صحابی انس بن مالک قشیریؒ ہیں۔ جن کا تعلق بنوعبداللہ بن کعب سے ہے ان کی کنیت ابوامیہ ہے اور بعض حضرات نے ان کی کنیت اُبوامیمہ اور بعض نے ان کی کنیت ابوميَّہ بیان کی ہے۔ یہ بصرہ میں بھی تشریف لائے تھے ان کی حدیث الباب ترمذی کے علاوہ دوسرے اصحاب سنن نے بھی روایت کی ہے۔ ابن ماجہ میں روایت **أنس بن مالك رجل منا من عبد الاشهل** سے نقل کی ہے لیکن یہ غلط ہے جیسا کہ اصابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ انس بن مالک قشیریؒ سے ابوقلابہ اوعبداللہ بن سوادہ قشیری روایت کرتے ہیں۔ (معارف السنن: جلد ۵ ص ۳۸۱)

علينا: ای علی قومنا یعنی ان کی کافر قوم پر یلغار کی ان پر نہیں۔ کیونکہ یہ اس وقت اسلام لا چکے تھے۔

فيالهف نفسي أن لا اكون: سوال: جب یہ شخص مسافر تھا تو پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر کھانا کیوں نہ کھایا۔ حالانکہ مسافر کے لئے افطار کی اجازت ہے۔

جواب: اسکا گھر کہیں قریب ہی تھا حقیقت میں مسافر نہیں تھا حضور ﷺ اس کو مسافر سمجھے اور یہ ارشاد فرمایا اسلئے اس نے افطار نہیں کیا۔

سوال: پھر حسرت اور افسوس ان کو کس بات کا ہوا؟

جواب: یہ حسرت وافسوس اس بات پر ہوا کہ اگر میں روزہ سے نہ ہوتا تو نبی کریم ﷺ کا کھانا کھاتا ایسا کھانا تو مجھے کبھی کہیں بھی میسر نہ آتا۔

سورۂ بقرہ میں آیت ۱۸۵ میں دو شخصوں کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت آئی ہے۔ ایک تو مسافر ہے دوسرا مریض۔ اور وہ عورت جو حاملہ ہو یا مرضعہ ہو جس کا بچہ ماں کے دودھ پر اکتفاء کرتا ہو۔ ایسی عورت کے بارے میں کیا حکم ہے کہ وہ مریض کے ساتھ لاحق ہے کہ نہیں اس میں تفصیل ہے کہ اگر ان کو اپنے نفس پر کسی قسم کا خطرہ ہو تو ان کے لئے افطار کرنا جائز ہے اس صورت میں وہ دونوں بعد میں روزوں کی قضاء کریں گی ان پر فدیہ نہیں ہوگا جیسا کہ مریض کو اپنے نفس کا خوف ہو تو وہ روزہ افطار کرلے۔ اس کے لئے افطار کرنا جائز ہے اس مسئلہ میں تو اتفاق ہے۔

پھر اگر روزہ رکھنے سے حاملہ کو اپنے جنین اور مرضعہ کو اپنے رضیع کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی ان دونوں کے لئے افطار کرنا جائز ہے البتہ مآل کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ اور انکے اصحاب کے نزدیک اس صورت میں اُنکے ذمہ صرف قضاء لازم ہوگی **واليه ذهب الاوزاعي و الثوري و ابو عبيد و ابو ثور و هو مذهب عطاء و الحسن و الزهري و الربيعة و النخعي و الضحاك و سعيد بن جبير۔**

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایسی صورت میں وہ روزہ قضاء کریں گی اور فدیہ بھی دیں گی کیونکہ امام شافعیؒ نے ان کو مریض کے ساتھ لاحق کیا بھی ہے اور لاحق نہیں بھی کیا۔ مریض کے ساتھ لاحق کرنے کی صورت میں قضاء کو لازمی قرار دیا ہے اور مریض کے ساتھ لاحق نہ کرنے کی صورت میں فدیہ کا حکم دیا ہے۔ یہی قول ابن عمرؓ مجاہدؒ، امام مالکؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

قول ثالث: حضرت لیثؒ اور امام مالکؒ کی دوسری روایت یہ ہے کہ حاملہ روزہ قضاء تو کرے گی لیکن اس پر فدیہ نہیں ہے جبکہ مرضعہ روزوں کی قضاء بھی کرے گی اور فدیہ بھی دے گی۔

قول رابع: امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک حاملہ اور مرضعہ فدیہ طعام دیگی لیکن قضاء نہیں ہے۔ **وروی عن ابن عمر و ابن عباس وابن جبیر ھٰذا ملخص ما فی المغنی وشرح المھذب وقواعد ابن رشد وغیرھا.** (معارف السنن: جلد ۵ ص ۳۸۱)

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے جو حضرت انس بن مالک الکعبی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلوٰۃ وعن الحامل او المرضع الصوم۔** یہ روایت ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی ہے۔

دلیل ثانی: مسند احمد میں ان الفاظ سے یہ روایت مروی ہے **ان اللہ وضع عن المسافر شطر الصلوٰۃ وعن المسافر والحامل والمرضع الصوم۔**

دلیل ثالث: مرضعہ اور حاملہ مریض کے حکم میں ہیں کہ سب کے لئے روزہ مضر ہے اور مریض پر صرف قضاء لازم ہے جیسا کہ ارشاد ہے **فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر۔**

جو حضرات فدیہ کو بھی ان کے لئے لازمی قرار دیتے ہیں ان کی دلیل ملاحظہ ہو۔

وجوب فدیہ کے قائلین کی دلیلیں: وجوب فدیہ کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایات ہیں ان کے ہاں صرف فدیہ لازم ہے لیکن ان کے قول سے استدلال صحیح نہیں۔

ثم اعلم: لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ فدیہ والی آیت منسوخ ہے۔

شیخ بنوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر فدیہ والی آیت کو منسوخ مان لیں تو پھر فدیہ کے مقامات پر فدیہ دینے کو کہا جائے گا اگر منسوخ ہو گیا ہے تو پھر فدیہ کیوں دیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فدیہ منسوخ نہیں بلکہ سب کے نزدیک ثابت ہے۔ ہمارے نزدیک چھ مقامات پر فدیہ دینا جائز ہے۔ اس کی تفصیلی بحث **باب ما جاء علی الذین یطیقونہ** میں آئے گی۔

وہ چھ مقامات یہ ہیں ① شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ لازمی ہے اگر وہ روزہ رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ ② وہ شخص جس نے ہمیشہ کے لئے روزہ رکھنے کی نذر مان لی ہو پھر وہ روزے رکھنے سے عاجز آجائے تو وہ بھی فدیہ دے گا۔ ③ وہ شخص جس نے اپنی نمازوں اور روزوں کی وصیت کی ہو تو اس کے لئے فدیہ دیا جائے گا۔ ④ جس پر کفارہ یمین آگیا قسم اٹھائی پوری نہ کر سکا تو اس پر بھی فدیہ ہے۔ ⑤ کسی نے کسی کو قتل کر دیا اور لواحقین نے اس کی دیت مانگی تو اس نے وصیت کر لی کہ یہ دیت دے دینا تو جب وہ مرجائے تو اس کی طرف سے مقتول کے ورثاء کو فدیہ دیا جائے گا۔ ⑥ **او تبرع عنہ الولی فیھا۔** (معارف السنن ج ۵ ص ۳۸۱)

ادن احدثك عن الصوم او الصیام: آپ ﷺ نے فرمایا قریب آؤ اور کھاؤ میں نے کہا کہ میں روزے سے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب آؤ میں تمہیں روزہ کا مسئلہ سمجھاتا ہوں۔ راوی نے لفظ **صوم** بولا یا **صیام** بولا اس میں راوی کو شک ہے اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز اور روزے معاف کر دیئے ہیں۔ کتاب میں **الصوم** بین السطور لکھا ہوا ہے مگر اس کو حدیث میں ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ عَنِ الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ وَمُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءٍ وَمُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُخْتِي مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُخْتِكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِينَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَحَقُّ اللهِ أَحَقُّ وَفِي الْبَابِ عَنْ بُرَيْدَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ مِثْلَ رِوَايَةِ أَبِي خَالِدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى أَبُو مُعَاوِيَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ سَلَمَةَ بْنَ كُهَيْلٍ وَلَا عَنْ عَطَاءٍ وَلَا عَنْ مُجَاهِدٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میری بہن فوت ہوگئی ہے اور اس کے متواتر دو مہینے کے روزے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا بتاؤ اگر تمہاری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی اس نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا حق ادائیگی کا اس سے زیادہ مستحق ہے۔ اس باب میں حضرت بریدہ، ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوکریب، ابوخالد الاحمر، اعمش سے اسی سند سے اسی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابوخالد کی روایت کی مثل کئی دوسرے راویوں نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابومعاویہ اور کئی دوسرے راویوں نے یہ حدیث اعمش سے وہ مسلم بطین سے وہ سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں لیکن وہ حضرات اس میں سلمہ بن کہیل عطاء اور مجاہد کے واسطے کا ذکر نہیں کرتے۔

تشریح: میت کی طرف سے وارث نیابۃً روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق بحث ماقبل ابواب الزکوٰۃ میں گزر چکی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک وارث صرف نذر کے روزے رکھ سکتا ہے۔ باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وارث نہ تو اس کے نذر کے روزے رکھ سکتا ہے اور نہ غیر نذر کے کیونکہ عبادات بدنیہ میں نیابت جائز نہیں۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ میری بہن کا انتقال ہوگیا (ماقبل حدیث الباب میں ماں کے مرنے کی بات تھی وہ حدیث الگ تھی) اس پر لگا تار دو مہینے کے روزے واجب ہیں تو کیا میں نیابۃً روزے رکھ سکتی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا کیا خیال ہے اگر تیری بہن پر قرض ہوتا تو کیا تو اس کو ادا کرتی اس عورت نے کہا ہاں ضرور ادا کرتی۔ آپؐ نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ کا حق زیادہ ضروری ہے کہ ادا کیا جائے۔ یعنی آپؐ نے نیابۃً روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ امام احمدؒ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وارث نیابۃً کفارے کے روزے رکھ سکتا ہے۔

قال ابو عیسٰی وروی ابو معاویة: یہاں پر دو سندیں ہیں۔ اعمش کے طریق سے دو سندیں ہیں اعمش، خالد احمر اور ابو معاویہ روایت کرتے ہیں اور ابو خالد احمر اعمش کے اساتذہ میں سلمہ بن کہیل کا بھی تذکرہ کرتے ہیں اور مسلمہ و مسلم البطین کے بعد تین اساتذہ سعید بن جبیر، عطاء، مجاہد کا تذکرہ کرتے ہیں اور ابو معاویہ، سلمہ بن کہیل کا ذکر نہیں کرتے۔ وہ صرف سعید بن جبیرؒ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ عطاء اور مجاہد کا ذکر نہیں کرتے **قال محمد**، امام بخاریؒ فرماتے ہیں ابو خالد سلمہ کے علاوہ اور رواۃ بھی اعمش سے ابو خالد کی طرح روایت کرتے ہیں یعنی ان کے متابع ہیں پس یہ روایت اصح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْكَفَّارَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْثَرٌ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَالصَّحِيحُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفٌ قَوْلُهُ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ يُصَامُ عَنِ الْمَيِّتِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَالَا إِذَا كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ نَذْرُ صِيَامٍ يَصَامُ عَنْهُ وَإِذَا كَانَ عَلَيْهِ قَضَاءُ رَمَضَانَ أُطْعِمَ عَنْهُ و قَالَ مَالِكٌ وَسُفْيَانُ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَصُومُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَأَشْعَثُ هُوَ ابْنُ سَوَّارٍ وَمُحَمَّدٌ هُوَ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر کوئی فوت ہو جائے اور اس پر ایک مہینے کے روزے باقی ہوں تو اس کے بدلے ہر روزے کے مقابلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی حدیث کو ہم اس سند کے علاوہ مرفوع نہیں جانتے اور صحیح یہی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے اور انہی کا قول ہے۔ اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ میت کی طرف سے روزے رکھے جائیں امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر میت کے ذمہ نذر کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں اور اگر رمضان کے روزے ہوں تو مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے امام مالکؒ، شافعیؒ اور سفیانؒ کہتے ہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے روزے نہ رکھے اشعث سوار کے بیٹے ہیں اور محمد وہ میرے نزدیک محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہیں۔

تشریح: مسئلہ: کیا بدنی عبادت میں نیابت جاری ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ و امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک میت کی طرف سے قضاء روزہ رکھ سکتے ہیں۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے دو قولوں میں سے صحیح قول یہ ہے کہ میت کی طرف سے روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ فدیہ دینا چاہیے۔ امام مالکؒ کے نزدیک صوم میں نیابت درست نہیں اسی طرح نماز میں بھی نیابت درست نہیں۔

امام احمدؒ کی دلیل اوّل: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "**قالت یا رسول الله ﷺ انه کان علیها صوم شهر افاصوم عنها قال صومی عنها**"۔

جواب اوّل: دلائل مذکورہ کے قرینے سے یہاں صوم حکمی یعنی فدیہ مراد ہے۔

جواب ثانی: مذکورہ احادیث سے یہ حدیث منسوخ ہے۔
دلیل ثانی: بخاری ومسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ "مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ" اس حدیث کے متعلق امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ولی کھانا کھلا کر اسکا تدارک کر دے اور اسکا کھانا کھلانا گویا کہ روزہ رکھنا ہے۔
جواب اوّل: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کی صوم کی ذمہ داری اٹھا دے اور اس کی صورت دوسری احادیث شریفہ میں بیان کردی کہ مسکین کو کھانا کھلا دے۔
جواب ثانی: حدیث مذکورہ کے خلاف حضرت عائشہ ؓ کا فتوی ہے لہٰذا یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔
جواب ثالث: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صومی کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا جائے کہ ولی اپنے میت کی طرف سے روزہ رکھے اور وہ ایصال ثواب کی نیت سے ہو نہ کہ نیابت کے طریقے سے۔
دلیل ثالث: صحیحین میں روایت ہے "عن ابن عباس قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال ان امی ماتت وعليها صوم شهر افاقضيه عنها فقال لو كان على امك دين أكنت قاضيه عنها قال نعم قال فدين الله احق"۔ حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ماں وفات پا چکی ہیں اور ان پر ایک ماہ کے روزے ہیں کیا میں انکی طرف سے ایک ماہ کے روزے قضاء رکھ سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تیری والدہ پر کسی کا قرض ہوتا تو تم اسکو ادا کرتے اس شخص نے کہا کہ جی ہاں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دین زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسکو ادا کیا جائے۔ دیکھئے اس حدیث میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے روزے رکھنا جائز ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۵۱۱)
جواب اوّل: حدیث مذکورہ کو ظاہر پر محمول کیا جائے گا بالاتفاق اور کہا جائے گا کہ نماز اور روزہ دین (قرض) نہیں۔
جواب ثانی: ابن عباس ؓ ہی سے نسائی، السنن الکبریٰ میں روایت ہے۔ "انه قال لا يصلي أحد عن أحد ولا يصوم أحد عن أحد" کہ میت کی طرف سے نہ کوئی نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی روزہ رکھ سکتا ہے۔ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اسکی سابقہ روایت کو منسوخ سمجھا جاتا ہے۔ اگر روایت کو منسوخ نہ سمجھیں تو راوی کی عدالت پر فرق پڑے گا۔ اسلئے روایت کو منسوخ قرار دیا جائیگا۔ موطا میں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی صحابی یا تابعی سے یہ نہیں سنا کہ انہوں نے کسی کو کہا ہو کہ تم میں سے کوئی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے یا روزہ رکھے یہ روایت بھی حضرت ابن عباسؓ کی ماقبل والی روایت کا نسخ بتلاتی ہے۔ (کما فی التعلیق)
ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا۔
دلیل ثانی: موطا امام مالک میں روایت ہے: "عن مالك بلغه ان ابن عمر ؓ كان يسأل هل يصوم احد عن احد او يصلي احد عن احد فقال لا يصوم احد عن احد ولا يصلي احد عن احد"۔ یہی روایت نسائی شریف میں حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے۔
دلیل ثالث: حضرت عائشہ ؓ کی حدیث ہے کہ عمرہ نے ان سے پوچھا "ان امی توفيت وعليها صيام رمضان ايصلح

ان اقضی عنها قالت لا ولکن تصدقی عنها مکان کل یوم سکین خیر من صیامك." (طحاوی، سند صحیح)

دلیل رابع: بیہقی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "قالت لا تصوموا عن موتکم واطعموا عنهم"۔

دلیل خامس: قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کیونکہ روزہ بھی نماز کی طرح عبادت بدنیہ ہے جب نماز میت کی طرف سے ادا نہیں کی جاسکتی تو روزہ بھی ادا نہیں کیا جاسکتا اور قاعدہ ہے کہ بدنی عبادت میں نیابت نہیں ہے۔ اس کے صوم کو فدیہ کی طرف پھیرا جائے گا۔

اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ترمذیؒ اس کو موقوف قرار دیتے ہیں۔ اس کا موقوف ہونا حدیث کو ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ موقوف مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔ امام مالکؒ کا اثر ماقبل میں گزر چکا ہے کہ **لا یصوم احدٌ عن احد ولا یصلی أحد عن احد.** موصولاً عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ذکر کیا ہے۔ اس حدیث الباب میں محمد سے مراد ابن ابی لیلی ہیں محمد بن سیرین نہیں ہیں۔ اگر محمد سے مراد ابن سیرین لیا جائے جیسا کہ ابن ماجہ میں اس کی تصریح کی ہے تو پھر اس صورت میں یہ حدیث صحیح ہوگی۔ باقی اس کے متعلق بحث گزر چکی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَذْرَعُهُ الْقَيْءُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدٍ الْمُحَارِبِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالِاحْتِلَامُ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَقَدْ رَوٰى عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ السِّجْزِيَّ يَقُولُ سَأَلْتُ أَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ فَقَالَ أَخُوهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدٍ لَا بَأْسَ بِهِ قَالَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَذْكُرُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ثِقَةٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَا أَرْوِي عَنْهُ شَيْئًا.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا حجامت، قے اور احتلام۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث غیر محفوظ ہے عبداللہ بن زید بن اسلم، عبدالعزیز بن محمد اور کئی راویوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے مرسلاً روایت کی ہے اور حضرت ابوسعید کا ذکر نہیں کیا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوداؤد سجزیؒ سے سنا کہ انہوں نے حضرت احمد بن حنبلؒ سے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس کے بھائی عبداللہ بن زید میں کوئی حرج نہیں میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے سنا انہوں نے علی بن عبداللہ سے نقل کیا کہ عبداللہ بن زید بن اسلم ثقہ ہیں اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہیں امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ میں ان سے روایت نہیں کرتا۔

تشریح: اگر کسی شخص کو روزہ کی حالت میں قے آجائے تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر قے

اسباب افطار میں سے ہے کہ نہیں۔ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قے اگر خود بخود ہو جائے اور وہ قے واپس بھی نہ ہو تو وہ قے باعث افطار نہیں ہوگی۔ چاہے وہ قے منہ بھر ہو یا منہ بھر کر نہ ہو۔ اگر اس کو قے آئی اور اس نے اس کو واپس کر دیا تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اگر کسی نے قے جان بوجھ کر کی تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک قے سبب افطار نہیں البتہ جان بوجھ کر قے کی تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی تفصیل ہے۔ ابن نجیم نے البحر الرائق میں قے کی بارہ صورتیں ذکر کی ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

① قے خود آئی منہ بھر کر آئی۔

② قے خود آئی منہ بھر کر نہیں آئی۔

③ قے خود آئی منہ بھر کر آئی اور خارج ہوگئی یا خود واپس ہوگئی۔ امام یوسفؒ کے ہاں ناقض صوم ہے امام محمدؒ کے نزدیک نہیں۔

④ قے خود آئی منہ بھر کر نہیں آئی اور خارج ہوگئی یا خود واپس ہوگئی بالاتفاق ناقض نہیں۔

⑤ قے خود آئی منہ بھر کر آئی اور عمداً اس کو واپس کر لیا۔

⑥ قے خود آئی منہ بھر کر نہیں آئی اور عمداً اس کو واپس کر لیا۔ دونوں صورتوں میں امام محمدؒ کے ہاں ناقض ہے، امام یوسفؒ کے ہاں ناقض نہیں۔

⑦ قے قصداً لایا اور منہ بھر کر آئی بالاتفاق نقض ہے۔

⑧ قے قصداً لایا اور منہ بھر کر نہیں آئی۔ امام احمدؒ کے ہاں ناقض ہوگی امام یوسفؒ کے نزدیک نہیں ہوگی۔

⑨ قے قصداً لایا منہ بھر کر آئی اور خارج ہوگئی یا خود واپس ہوگئی۔

⑩ قے قصداً لایا منہ بھر کر نہیں آئی اور خارج ہوگئی یا خود واپس ہوگئی۔

⑩ قے قصداً آئی منہ بھر کر آئی اور عمداً اس کو واپس کر لیا ان صورتوں میں بالاتفاق ناقض ہے۔

⑪ قے قصداً آئی منہ بھر کر آئی۔

⑫ قے قصداً لایا منہ بھر کر نہیں آئی اور عمداً اس کو واپس کر لیا۔

پھر ان بارہ صورتوں کے ساتھ یہ دو صورتیں ملائیں کہ روزہ یاد ہوگا یا روزہ یاد نہیں ہوگا پھر یہ کل چوبیس صورتیں بن جائیں گی۔

ان چوبیس صورتوں میں سے دو صورتوں میں روزہ ٹوٹ جائے گا کہ قے منہ بھر کر واپس نگل لے اور اس کو روزہ یاد بھی ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ منہ بھر کر قصداً قے کرے روزہ یاد ہوتے ہوئے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

مزید اقوال ائمہ: پھر قے مفطر صوم نہیں البتہ استقاء مفطر صوم ہے یہی ائمہ اربعہ کا قول ہے ابن المنذرؒ نے اس کے بارے میں اجماع نقل کیا ہے کما فی عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۲۵۷، فتح الباری ج ۴ ص ۱۵۱۔

قول ثانی: ان کے علاوہ علامہ اوزاعیؒ، عطاء وابوثور کے نزدیک قضاء ہے جب قے آئے۔

قول ثالث: ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک قے مطلقاً مفسد صوم نہیں اور امام مالکؒ کی دو روایتوں میں سے ایک

روایت یہی ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۳۸۵۔۳۸۶)

قال ابو عیسیٰ حدیث ابی سعید الخدری غیر محفوظ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے۔ جو کہ حفظ میں کمزور ہے البتہ اس کا بھائی عبداللہ بن زید ثقہ راوی ہے۔ عبداللہ بن زید کا ایک اور بھائی ہے جس کا نام اسامہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ تینوں بھائی ضعیف ہیں۔ حدیث الخدری کی سند پر امام احمدؒ، محمد بن یحییٰ الذھلیؒ، ابن خزیمہؒ، الدارقطنی نے کلام کیا ہے۔ (کمافی نصب الرایہ جلد ۲ ص ۴۴۸)

عبداللہ بن زید اور عبدالعزیز بن محمد نے اس حدیث کو زید بن اسلم سے مرسل روایت کیا ہے اور وہ سند میں حضرت ابو سعید کا تذکرہ نہیں کرتے۔

اس حدیث کے بارے میں امام بخاریؒ سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ عبداللہ ثقہ ہیں اور عبدالرحمٰن بن زید ضعیف راوی ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ میں عبدالرحمٰن کی احادیث کو اپنی صحیح میں بیان نہیں کرتا۔

سمعت ابوداؤد السجزی: اس سے مراد ابوداؤد صاحب السنن ہیں۔ **سجزی سجستان کی طرف نسبت غیر قیاسیہ ہے۔** قاموس نے اس کا مادہ ''س ج ز'' ذکر کیا ہے۔ سجستان معرب ہے سبتان سے اس کو زابلستان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ایک بہادر جوان پیدا ہوا تھا جس کو رستم کہا جاتا ہے۔ ابن خلکان نے کہا کہ سجستان بصرہ کی ایک بستی کا نام ہے لیکن یہ غلط ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ بستان المحدثین میں فرماتے ہیں۔ (معارف السنن ج ۵ ص ۳۸۷)

بَاب مَا جَاءَ فِيمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَثَوْبَانَ وَفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ هِشَامٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا أُرَاهُ مَحْفُوظًا قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَصِحُّ إِسْنَادُهُ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جسے خود بخود قے آجائے اس پر قضا واجب نہیں اور جو جان بوجھ کر قے کرے اسے قضا روزہ رکھنا چاہئے۔ اس باب میں ابو درداء، ثوبان اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن غریب ہے ہم اسے ہشام کی ابن سیرین اور ان کی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کے متعلق عیسیٰ بن یونس کی حدیث کے علاوہ نہیں جانتے امام محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں یہ محفوظ نہیں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث کئی سندوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس کی سند صحیح نہیں

الدَّرْدَاءِ وَثَوْبَانَ وَفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَأَفْطَرَ وَإِنَّمَا مَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ صَائِمًا مُتَطَوِّعًا فَقَاءَ فَضَعُفَ فَأَفْطَرَ لِذٰلِكَ هٰكَذَا رُوِيَ فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ مُفَسَّرًا وَالْعَمَلُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الصَّائِمَ إِذَا ذَرَعَهُ الْقَيْءُ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَإِذَا اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ، سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

ابودرداء، ثوبان اور فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قے فرمائی اور روزہ توڑ دیا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفلی روزے سے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قے آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمزوری محسوس کرتے ہوئے روزہ کھول دیا بعض احادیث میں اس کی وضاحت اسی طرح ہے اہل علم کا حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر عمل ہے کہ خود بخود قے پر قضا نہیں البتہ اگر جان بوجھ کر قے کرے تو قضاء ہے امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کے متعلق بحث تو ماقبل میں گزر چکی ہے۔ یہاں اس حدیث کی سند پر بحث کی جاتی ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تخریج امام احمدؒ اور بقیہ اصحاب السنن اور ابن ماجہ نے کی ہے امام حاکم نے اس کو **صحیح علی شرطهما** فرمایا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس میں تنہا عیسیٰ بن یونس اس کے راوی ہیں۔ دارقطنی نے اس حدیث کی سند پر کہا ہے **رواته کلهم ثقات** مگر امام بخاریؒ اور امام احمدؒ نے اس کو غیر محفوظ کہا ہے اور اسحاق بن راہویہؒ کہتے ہیں کہ عیسیٰ بن یونس نے فرمایا اہل بصرہ کا گمان یہ ہے کہ ہشام بن حسان کو اس حدیث میں وہم ہوا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّائِمِ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ نَاسِيًا

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ حَجَّاجٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ أَوْ شَرِبَ نَاسِيًا فَلَا يُفْطِرْ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ رَزَقَهُ اللهُ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عَوْفٍ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ وَخِلَاسٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ أَوْ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأُمِّ إِسْحٰقَ الْغَنَوِيَّةِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ إِذَا أَكَلَ فِي رَمَضَانَ نَاسِيًا فَعَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے روزے میں بھول کر کھایا پیا وہ روزہ نہ توڑے اس نے جو کچھ کھایا پیا وہ تو اللہ کی طرف سے عطا کردہ رزق ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں اس باب میں حضرت ابوسعید اور ام اسحاق غنویہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اسی پر اکثر اہل علم کا عمل ہے سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ بھی یہی کہتے ہیں امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اگر بھول کر کچھ کھا پی لے تب بھی

الْقَضَاءُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ. قضاء کرنا ہوگی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: **مسئلہ:** روزہ دار بھول کر کھا پی لے تو اسکا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، سفیان ثوریؒ اور جمہور حضرات کا مسلک یہ ہے کہ روزہ دار بھول کر کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک نفل روزے کے متعلق تو جمہور والا قول ہے البتہ فرض روزوں کے متعلق امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ناسیا کھاپی لینے سے کفارہ تو نہیں آئے گا البتہ قضاء لازم آئے گی۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **قال قال رسول الله ﷺ من أكل او شرب ناسيًا فلا يفطر فانما هو رزق رزقه الله۔**

دلیل ثانی: حضرت علیؓ، زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ، ابن عمرؓ کا فتویٰ بھی یہی ہے اس میں کسی نے اختلاف بھی نہیں کیا۔

مالکیہ کی دلیل: ان کی دلیل کوئی مرفوع حدیث نہیں البتہ ان کا قیاس ہے کہ روزہ نام ہے تین اشیاء سے رکنے کا کھانا، پینا اور جماع جیسے رکعت فوت ہونے سے نماز نہیں ہوتی کیونکہ رکعت رکن صلوٰۃ ہے اسی طرح یہ تین اشیاء رکن صوم ہیں۔ جب یہ رکن فوت ہوگیا تو روزہ کہاں سے رہا۔

جواب: نص کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل کے بارے میں مالکیہ کہتے ہیں کہ وہ نفل روزہ پر محمول ہے یا اس سے عدم مؤاخذہ مراد ہے قضاء کا کوئی ذکر نہیں۔

جواب: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث مالکیہ کی ان توجیہات کی تردید کرتی ہے۔ روایت میں یہ الفاظ ہیں: **من افطر فی شهر رمضان ناسيًا فلا قضاء عليه ولا كفارة.** اس حدیث میں رمضان کا ذکر ہے اور قضاء کی نفی ہے دارقطنی نے کہا کہ اس کی بعض سندیں صحیح ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِفْطَارِ مُتَعَمِّدًا

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْمُطَوِّسِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ و سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ أَبُو الْمُطَوِّسِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ الْمُطَوِّسِ وَلَا أَعْرِفُ لَهُ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان میں بغیر عذر یا مرض کے روزہ افطار کیا وہ اگر ساری عمر بھی روزے رکھے تب بھی اس ایک روزے کے برابر ثواب حاصل نہیں کرسکتا امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ کو ہم اس سند کے علاوہ نہیں جانتے میں نے محمد بن اسماعیل بخاری سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں ابوالمطوس کا نام یزید بن مطوس ہے اور میں ان کی اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتا۔

تشریح: **مسئلہ: اگر کوئی شخص جان بوجھ کر روزہ افطار کر لے تو اسکا کیا حکم ہے؟** اس بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: اس حدیث کے ظاہر کے مطابق بعض حضرات کے نزدیک اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان کا روزہ چھوڑ دے تو اس کی قضاء نہیں کیونکہ صوم دہر بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ امام بخاریؒ کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں۔

قول ثانی: البتہ جمہور کے نزدیک صوم رمضان کی قضاء واجب ہے اور اس کے ذمہ فرض سے ساقط ہو جائے گا اگر چہ رمضان والا ثواب اور فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔

چنانچہ جمہور کے نزدیک بھی یہی ہے کہ ثواب اور فضیلت کے لحاظ سے صوم دہر بھی رمضان کے روزے کی برابری نہیں کر سکتا۔

سند پر بحث: یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب اس حدیث کو صحیح مانا جائے وگرنہ اس حدیث پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ کیونکہ اس کے راوی ابوالمطوس مجہول ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں کسی قدر اضطراب پایا جاتا ہے۔ ابوالمطوس کا نام یزید ہے یا عبداللہ اور یہ راوی مجہول ہے کہ بعض روایات میں ابوالمطوس سے روایت مروی ہے اور بعض روایات میں ابن المطوس سے روایت مروی ہے۔ (ابوداؤد ج۱ ص۳۲۶)

اور بعض روایات میں ابن ابی ثابت اور ابوالمطوس کے درمیان واسطہ کا ذکر ہے۔ اور بعض میں واسطہ ذکر نہیں۔ (ابن ماجہ ص۱۲۰) اسی طرح بعض روایات میں ابوالمطوس براہ راست حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں اور بعض روایات میں ابو المطوس عن ابیہ کا واسطہ مذکور ہے۔ اس کے برخلاف آگے **باب ما جاء فی کفارۃ الفطر فی رمضان** میں حدیث میں ایک اعرابی کا واقعہ ذکر کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے اس کے روزہ توڑنے کی وجہ سے دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ حدیث بھی جمہور کے مسلک کی تائید کرتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الْفِطْرِ فِي رَمَضَانَ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَأَبُو عَمَّارٍ الْمَعْنَى وَاحِدٌ وَاللَّفْظُ لَفْظُ أَبِي عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَا أَهْلَكَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي فِي رَمَضَانَ قَالَ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُعْتِقَ رَقَبَةً قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُطْعِمَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ فَجَلَسَ فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس آیا اور عرض کی یا رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا آپؐ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے ہلاک کیا اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے رمضان کے روزے کے دوران اپنی بیوی سے صحبت کر لی آپؐ نے فرمایا تم ایک غلام آزاد کر سکتے ہو اس نے عرض کیا نہیں آپؐ نے فرمایا کیا تم دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتے ہو اس نے کہا نہیں آپؐ نے فرمایا کیا تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو اس نے عرض کیا نہیں آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا پھر آپؐ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا لایا گیا آپؐ نے فرمایا اسے صدقہ کر دو اس شخص نے کہا مدینہ کے لوگوں میں

الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَحَدٌ أَفْقَرَ مِنَّا قَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهٗ قَالَ فَخُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي مَنْ أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ مُتَعَمِّدًا مِنْ جِمَاعٍ وَأَمَّا مَنْ أَفْطَرَ مُتَعَمِّدًا مِنْ أَكْلٍ أَوْ شُرْبٍ فَإِنَّ أَهْلَ الْعِلْمِ قَدِ اخْتَلَفُوا فِي ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَالْكَفَّارَةُ وَشَبَّهُوا الْأَكْلَ وَالشُّرْبَ بِالْجِمَاعِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهٗ إِنَّمَا ذُكِرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَفَّارَةُ فِي الْجِمَاعِ وَلَمْ تُذْكَرْ عَنْهُ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَقَالُوا لَا يُشْبِهُ الْأَكْلُ وَالشُّرْبُ الْجِمَاعَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلرَّجُلِ الَّذِي أَفْطَرَ فَتَصَدَّقَ عَلَيْهِ خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ يَحْتَمِلُ هٰذَا مَعَانِيَ يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الْكَفَّارَةُ عَلٰى مَنْ قَدَرَ عَلَيْهَا وَهٰذَا رَجُلٌ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْكَفَّارَةِ فَلَمَّا أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا وَمَلَكَهٗ قَالَ الرَّجُلُ مَا أَحَدٌ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنَّا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْهُ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ إِنَّمَا تَكُونُ بَعْدَ الْفَضْلِ عَنْ قُوتِهٖ وَاخْتَارَ الشَّافِعِيُّ لِمَنْ كَانَ عَلٰى مِثْلِ هٰذَا الْحَالِ أَنْ يَأْكُلَهٗ وَتَكُونَ الْكَفَّارَةُ عَلَيْهِ دَيْنًا فَمَتٰى مَا مَلَكَ يَوْمًا كَفَّرَ

مجھ سے زیادہ کوئی فقیر نہیں ہوگا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ آپ کے انیاب نظر آنے لگے پھر آپ نے فرمایا جاؤ یہ اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر عائشہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے اس شخص کیلئے جو جماع سے روزہ توڑ دے اور جو شخص کھانے پینے سے روزہ توڑ دے اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں اور جماع اور کھانے پینے میں کوئی فرق نہیں اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ اور ابن مبارکؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں اس لئے کہ صرف جماع پر ہی آپ سے کفارہ ادا کرنے کا حکم مروی ہے کھانے پینے میں نہیں ان علماء کے نزدیک کھانے پینے اور جماع میں کوئی مشابہت نہیں لہٰذا ان دونوں کا حکم بھی ایک نہیں ہو سکتا یہ امام شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں اس حدیث میں نبی کریم کا ارشاد اس شخص سے، جس نے روزہ توڑ دیا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو صدقہ دیا تھا کہ اسکو لے لے اور اس کو اپنے گھر والوں کو کھلا دے، اپنے اہل وعیال کو کھلانے میں کئی احتمال ہیں ایک یہ کہ کفارہ اسی پر واجب ہوتا ہے جس میں قدرت ہو اور اس شخص میں کفارہ ادا کرنے کی قدرت نہیں تھی پھر جب وہ ٹوکرا آپ نے اس کو دیا تو اس نے عرض کی کہ مجھ سے زیادہ محتاج کوئی نہیں پس آپ نے اسے حکم دیا کہ لے جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ یہ حکم اس لئے تھا کہ کفارہ کا وجوب اسی صورت میں ممکن ہے کہ اسکے پاس حاجت سے زیادہ مال ہو امام شافعیؒ اس مسئلے میں یہ مذہب اختیار کرتے ہیں کہ ایسے آدمی پر کفارہ قرض ہوگا جب اسے طاقت ہو کفارہ ادا کر دے۔

تشریح: **أتاه رجل:** رجل کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ اوس بن ثابت صاحب واقعة

الظھار فی رمضان ہیں یعنی رمضان میں جن کے ساتھ ظہار والا واقعہ پیش آیا تھا۔جس کا سورۃ مجادلۃ پارہ اٹھائیس آیت ۳،۴ میں ذکر کیا گیا ہے۔اس صورت میں حدیث الباب کا واقعہ اور ظہار والا واقعہ ایک ہی ہوگا۔

② بعض حضرات نے کہا کہ رجل سے مراد سلمہ بن صخر ہیں اس صورت میں حدیث الباب والا واقعہ اور ہوگا اور ظہار والا واقعہ کوئی اور ہوگا دونوں الگ الگ واقعے ہوں گے۔

ظہار والا قصہ اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بتلایا گیا ہے جیسا کہ امام احمدؒ، ابوداؤدؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔باقی امام ترمذیؒ نے حدیث الباب میں جس رجل کا ذکر کیا ہے وہ یا تو سلمان بن صخر ہیں یا سلمہ بن صخر البیاضی ہیں۔بہرحال یہ تعدد واقعات پر محمول ہے۔

حدیث الباب کے تحت چند مسائل کا بیان ہوگا ملاحظہ کیجئے۔

أَتَاهُ رَجُلٌ اس سے مراد سلمۃ بن صخر البیاضی انصاری صحابی ہیں بعض نے کہا ان کا نام سلیمان انصاری ہے۔اس حدیث کے تحت پانچ مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: کفارہ کا تعلق عمداً جماع کے ساتھ ہے یا کسی اور صورت کے ساتھ؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کفارہ صرف جماع سے لازم آتا ہے اکل وشرب اگرچہ جان بوجھ کر ہو اس سے صرف قضاء لازم آتی ہے کفارہ نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک رمضان کا روزہ عمداً فاسد کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے خواہ جان بوجھ کر کھائے یا پئے یا جماع کرے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف جماع کی وجہ سے کفارہ کو واجب کر دیا اور یہ حکم خلاف قیاس ہے کیونکہ وہ شخص تائب ہو کر آیا تھا "**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**" کے تحت اس کا کوئی گناہ ہی نہیں اس کے باوجود کفارہ کا حکم دینا خلاف قیاس ہے لہٰذا اس پر کسی اور صورت کو قیاس نہیں کیا جاتا۔

دلیل ثانی: نسائی السنن الکبری میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "**سأل الرجل فقال افطرت فی رمضان فامره بالتصدق بالعرق ولم یسأله بماذا افطر**" ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں نے رمضان کا روزہ افطار کرلیا (اب کیا کروں) آپ نے اس کو کھجوروں کا ایک صاع صدقہ کرنے کا حکم دیا اور روزہ افطار کرنے کی تفصیل نہیں پوچھی۔تفصیل نہ پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کفارہ میں عام ہے۔(التعلیق۔کمافی الجوہر النقی)

جواب اوّل: ایک کے ذکر کرنے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی یا یہ کہہ دیں کہ صرف جماع والی حدیث مجمل ہے اور دوسری احادیث مفصل ہیں لہٰذا مجمل کو مفصل پر محمول کریں گے۔

جواب ثانی: جماع میں کفارہ کے وجوب کا سبب وعلت جماع نہیں بلکہ افطار صوم ہے اور افطار اکل وشرب سے بھی ہوتا ہے۔

باقی خلاف قیاس کا حکم جو لگایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کفارے کا حکم قیاس سے نہیں بلکہ دوسری احادیث سے ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح مسلم میں ہے "**ان امر رجلا افطر فی رمضان**

ان یعتق رقبۃ او یصوم شہرین او یطعم ستین مسکینا" اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مطلق افطار کے پیش نظر ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مطلق افطار کرنے سے روزے کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے اس طرح کی بہت ساری احادیث جن میں مطلق افطار کا ذکر ہے، وہ کفارہ کے وجوب پر دلیل ہیں اس لئے علامہ ابن ہمامؒ نے یہ دلیل ذکر کی ہے کہ جماع، کھانے، پینے سے رکنا یہ صوم کے ارکان میں سے ہیں اس لئے ان سب کا حکم بھی یکساں ہے۔

مسئلہ ثانیہ: حدیث میں روزہ کا کفارہ جس ترتیب سے ذکر کیا ہے اس ترتیب سے دینا ضروری ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک صاحب کفارہ کو اختیار حاصل ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک کفارہ میں ترتیب ضروری ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: حدیث الباب کے بعض طرق میں او لفظ تخییر مذکور ہے "**او یصوم شہرین او یطعم**"۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "**فھل تستطیع**" کا ذکر ہے اور اس میں ترتیب کا ذکر ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی وجوہ ترجیح جنکی وجہ سے انکی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ ① ترتیب کے راوی تیس سے زائد ہیں اور تخییر کے راوی چار ہیں ② ترتیب کے راوی اس قصہ کو بعینہ اصل الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور تخییر کے راوی اختصار کیساتھ اور روایت بالمعنی کرتے ہیں ③ ترتیب پر عمل کرنے میں احتیاط ہے اس میں کفارہ بہر حال ادا ہو جائے گا خواہ ترتیب لازم ہو یا نہ ہو تخییر پر عمل کرنے میں یہ بات نہیں ہے۔

مسئلہ ثالثہ: اپنے گھر والوں کو کفارہ مالیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ حدیث الباب میں جواز معلوم ہو رہا ہے جبکہ اجماع ہے کہ کفارہ مالیہ گھر والوں کو دینا جائز نہیں ہے۔ حدیث الباب کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: بعض حضرات نے کہا کہ یہ حکم خاص اسی کے لئے ہے یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔

جواب ثانی: بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے۔

جواب ثالث: بعض نے کہا کہ یہاں اہل سے حقیقی اہل و عیال مراد نہیں ہیں جن کا نان و نفقہ واجب ہوتا ہے بلکہ اس سے قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔

جواب رابع: حافظ ابن دقیق العیدؒ نے کہا یہ شخص نہایت غریب تھا اہل و عیال کے خرچ سے عاجز تھا اس لئے یہ اطعام اس کے لئے بطور صدقہ تھا اور سقوط کفارہ کے لئے نہیں تھا البتہ مالدار ہونے کے بعد وہ اپنا کفارہ ادا کرے گا۔

مسئلہ رابعہ: تنگ دست سے کفارہ ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ کی ایک روایت نیز بعض علماء کے نزدیک کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک تنگ دست سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔

امام احمدؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔

جواب اوّل: حدیث مذکور میں صحابی رسول کفارہ کی تینوں صورتوں پر قادر نہیں تھے البتہ ان پر یہ کفارہ دین ہو گیا تھا اس سے

سقوط کفارہ کی نفی نہیں ہوتی۔

جواب ثانی: یہ حدیث ابتداء اسلام پر محمول ہے بعد میں یہ منسوخ ہوگئی۔

جواب ثالث: اس صحابی کی خصوصیت تھی اس لئے آپ ﷺ نے وہ خیرات انکے گھر والوں کیلئے مخصوص فرمادی تھی۔

جمہور حضرات کی دلیل: وہ نصوص ہیں جن میں تنگ دست اور مالدار کا کوئی فرق مذکور نہیں۔

مسئلہ خامسہ: کفارہ کی مقدار کتنی ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہر مسکین کے لئے ایک مُد یعنی ربع صاع تو ساٹھ مسکینوں کے لئے پندرہ صاع ہوگا۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک ہر مسکین کیلئے دو مد یعنی نصف صاع ہے خواہ گیہوں سے ہو یا کھجور سے تو اس ترتیب سے کفارہ تیس صاع ہوگا۔

امام مالکؒ کی دلیل: ابوداؤد شریف میں ہشام بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے **"عن ابی ھریرۃ وفیہ فاتی بعرق قدر خمسۃ عشر صاعا"**۔

جواب: یہ ممکن ہے کہ خمسۃ عشر کا حکم فی الحال دیا ہو۔

احنافؒ کی دلیل: دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے **"عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یطعم کل یوم مسکینا نصف صاع من بر"**۔

مسئلہ سادسہ: کفارہ کا تعلق کس کے ساتھ ہے؟

قول اوّل: حنفیہ کے نزدیک روزہ عمداً توڑا جائے خواہ کوئی بھی صورت ہو تو اس سے قضاء اور کفارہ دونوں آئیں گے خواہ **اکل و شرب** سے روزہ توڑا یا جماع کے ذریعے سے روزہ توڑا۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ کفارہ صرف اس شخص پر واجب ہے جس نے روزہ صرف جماع کے ذریعے توڑا ہو کھانا کھا کر توڑنے والا پانی پی کر توڑنے والے کے لئے نہیں۔

دلیل شوافع: شوافع حضرات کہتے ہیں کہ **اکل و شرب** کے ذریعے سے روزہ توڑنے والے کے لئے کفارہ کا ذکر نہیں، اس لئے کفارہ نہیں ہے۔ جب کفارہ حدیث سے ثابت نہیں تو قیاس سے بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

شوافع حضرات کہتے ہیں کہ کفارہ کا حکم خلاف القیاس ہے جو اپنے مورد پر بند رہے گا اور اس کا مورد جماع ہے۔

جواب: احناف فرماتے ہیں کہ **اکل و شرب** میں کفارہ کا حکم ہم قیاس سے ثابت نہیں کر رہے بلکہ حدیث الباب کے دلالۃ النص سے ثابت کر رہے ہیں کیونکہ حدیث الباب کو سننے والا ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ وجوب کفارہ کی علت روزہ کا توڑنا ہے اور یہ علت اکل و شرب میں بھی پائی جاتی ہے اور اس علت کے استخراج کیلئے چونکہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت نہیں بلکہ مجرد علم لغت اس کے لئے کافی ہے اس لئے یہ قیاس نہیں، بلکہ دلالۃ النص ہے۔ اس کی تائید دار قطنی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مروی ہے **جاء رجل الی النبی فقال افطرت یومًا من ظھر رمضان متعمدًا فقال رسول اللہ ﷺ اعتق رقبۃ**۔

اس روایت کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وجوب کفارہ کا اصل مدار افطار متعمداً پر ہے خواہ کسی بھی طریقہ پر ہو۔

مسئلہ سابعہ: شدت شہوت افطار کیلئے عذر ہے کہ نہیں؟ مذکورہ حدیث الباب میں نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کے حق میں شدت شہوت کو عذر مانا ہے اور اس کیلئے یہ حکم دیا ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اسکے برخلاف فقہاء کے نزدیک شدت شہوت عذر نہیں ہے۔

حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر وہ صحابی پندرہ صاع چھوہارے غریبوں کو دے دیتے تو کفارہ ادا ہو جاتا مگر تمام فقہاء کے نزدیک پندرہ صاع سے کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ ساٹھ صاع کھجوریں دینا ضروری ہیں۔

حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ صحابی کے خود کھا لینے سے کفارہ ادا ہو جائے گا حالانکہ چاروں فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ خود کھانے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا غرباء اور مسکینوں کو کھلانا ضروری ہے۔

احناف ان تینوں مسائل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ وقت شریعت اور اس کے متعلق مسائل سیکھنے کا وقت تھا اور سیکھتے وقت شرعی کاموں میں کچھ رخصت ہوتی ہے چونکہ رمضان کا روزہ جان بوجھ کر توڑنے سے کفارہ واجب ہو جاتا ہے یہ مسئلہ پہلی مرتبہ لوگوں کے سامنے یا اس لئے اس مسئلہ میں اتنی سختی سے پیش نہیں آئے ورنہ صحابی کو اگر مسئلہ معلوم ہوتا تو شاید وہ صحابی یہ حرکت نہ کرتے۔ لہٰذا مسائل کے سیکھنے کے وقت اتنی سہولت تو دی جاتی ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے ہر عذر کو تسلیم کیا ہے حتیٰ کہ صدقہ کی کھجوریں انہی کو کھانے کی اجازت دے دی گئی۔

تیسرے مسئلہ کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان صحابی کو کھجوریں کھانے کی اجازت اس لئے دی گئی کہ اس وقت ان کو ضرورت تھی اور ان کے پاس کوئی چیز کھانے کی نہیں تھی، لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ کفارہ ان پر فی الفور تو واجب نہیں بعد میں جب ان کو سہولت ہو جائے تو وہ ادا کر لیں۔ الغرض یہ کہ گھر میں ان کے کھانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا بلکہ کفارہ ان کے ذمہ دین رہے گا جب ان کے پاس گنجائش ہوگی تو ادا کریں گے۔

احناف کہتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابی کا گھر میں کھانے سے صدقہ ادا ہو جائے گا ان کے ذمہ دین نہیں رہے گا۔ امام شافعیؒ کے اس جواب کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے **واختار الشافعي لمن كان على مثل هٰذا الحال أن يأكله وتكون الكفارة عليه دينًا فمتى ما ملك يومًا كفّر۔**

بَابُ مَا جَاءَ فِي السِّوَاكِ لِلصَّائِمِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا أُحْصِي يَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى۔ حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متعدد بار روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عامر بن ربیعہ حسن ہے اور علماء کا اس پر عمل ہے کہ روزے میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں بعض اہل علم روزہ

لَا يَرَوْنَ بِالسِّوَاكِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا إِلَّا أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا السِّوَاكَ لِلصَّائِمِ بِالْعُودِ وَالرَّطْبِ وَكَرِهُوا لَهُ السِّوَاكَ آخِرَ النَّهَارِ وَلَمْ يَرَ الشَّافِعِيُّ بِالسِّوَاكِ بَأْسًا أَوَّلَ النَّهَارِ وَآخِرَهُ وَكَرِهَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ السِّوَاكَ آخِرَ النَّهَارِ

دار کے لئے ہر گیلی لکڑی کو مکروہ کہتے ہیں بعض علماء نے دن کے آخری حصے میں مسواک کرنے کو مکروہ کہا ہے امام اسحاقؒ اور احمدؒ کا بھی یہی قول ہے امام شافعیؒ کے نزدیک دن کے کسی بھی حصے میں مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: مسئلہ: روزہ کی حالت میں مسواک کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں چھ اقوال ذکر کئے جاتے ہیں۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک مسواک کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ زوال سے قبل ہو یا زوال کے بعد ہو خواہ صبح کے وقت ہو یا شام کے وقت ہو۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ کا ہے اور ایک روایت امام احمدؒ کی بھی یہی ہے **کما فی شرح المهذّب وهو المختار حديث الباب حجة لابي حنيفة۔**

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے لیکن ان کے پاس ایسی کوئی حدیث صحیح نہیں جو مسواک بعد الزوال کی کراہت پر دلالت کرے۔ البتہ ضعیف احادیث موجود ہیں جن کی تخریج علامہ زیلعیؒ اور علامہ عینیؒ نے ذکر کی ہیں۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک زوال کے بعد ہو یا زوال سے قبل کوئی فرق نہیں البتہ مسواک تر اور خشک میں فرق کرتے ہیں ان کے نزدیک تر مسواک کرنا مکروہ ہے البتہ خشک مسواک کرنا جائز ہے خواہ روزہ نفل ہو یا فرض۔

قول رابع: امام احمد بن حنبلؒ اور شوافع میں سے بعض کے نزدیک فرض اور نفل روزے میں فرق ہے فرض روزے میں مسواک کرنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور نفل روزے میں جواز کے قائل ہیں۔

قول خامس: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ عصر کے بعد مسواک کرنا مکروہ ہے۔

قول سادس: امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ زوال کے بعد تر مسواک کرنا مکروہ ہے۔

حنفیہ کے دلائل: ان کے دلائل میں دو قسم کی احادیث موجود ہیں ایک تو وہ احادیث جو عمومی طور پر مطلقاً مسواک کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور دوسری وہ احادیث جو خصوصی طور پر مسواک عند الصوم کے متعلق ہیں تفصیل یہ ہے۔

دلیل اوّل: **عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لولا أن اشق على امتى لامرتهم بالسواك عند كل صلوة۔** اور بعض طرق میں **عند كل وضوء** کے الفاظ ہیں۔ یہ عمومی نص سے استدلال تھا۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب عامر بن ربیعہ عن ابیہ **رأيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم مالا احصى يتسوك وهو صائم۔** اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہیں جمہور محدثین نے ان پر کلام کیا ہے لیکن امام ترمذیؒ نے ان کی حدیث کو حسن کہا ہے۔

دلیل ثالث: ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روزے دار کے لئے بہتر فلاں مسواک کرنا ہے۔

دلیل رابع: طبرانی میں عبد الرحمٰن بن غنم سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ سے روزہ کی حالت میں مسواک کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا روزے کی حالت میں مسواک کرسکتا ہوں فرمایا جی ہاں۔ پھر سائل نے پوچھا کہ کیا دن کو مسواک کرسکتا ہوں۔ حضرت معاذ بن

جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا دن کے جس وقت تم چاہو مسواک کر سکتے ہو صبح کے وقت ہو یا شام کے وقت ہو۔

دلیل خامس: عن اسحاق فی البیھقی قال سألت عاصم الاحول ایستاك الصائم بالسواك الرطب قال نعم اتراه اشد رطوبة من الماء قلت اوّل النهار و آخره قال نعم قلت عمن رحمك الله تعالیٰ قال عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلیل سادس: ابن ابی شیبہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ روزے دار کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ تر مسواک کرے یا خشک مسواک کرے۔

دلیل سابع: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے کہ وہ روزے کی حالت میں دن کے اوّل حصہ میں بھی مسواک کرتے تھے اور آخر حصہ میں بھی۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسك خلوف محمود ہے۔ لہٰذا اس کا ازالہ مکروہ ہوگا چونکہ مسواک سے اس کا ازالہ ہوتا ہے اس لئے یہ مکروہ ہے۔

جواب اوّل: محقق ابن الہمام نے اس کا جواب دیا ہے کہ خلوف معدہ کے خالی ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ مسواک سے وہ زائل نہیں ہوتی البتہ اس کے ذریعے سے دانتوں کی زردی وغیرہ زائل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مسواک کرنا روزہ کے منافی نہیں اور نہ ہی اس حدیث کے مخالف ہے۔

جواب ثانی: علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے روزہ دار کا اکرام مقصود ہے کہ لوگ اس کے منہ سے نکلنے والی بو سے نفرت نہ کریں جس طرح کلی کرنے سے منہ کی صفائی ہوتی ہے۔ مسواک سے بھی صفائی ہوتی ہے حدیث میں ہے السواك مطهرة للفم جب کلی کرنا مکروہ نہیں تو مسواک کرنا بھی مکروہ نہیں۔

دلیل ثانی: دارقطنی میں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا صمتم فاستاكوا بالغداة ولا تستاكوا بالعشی کہ جب تم روزے سے ہو تو صبح کے وقت مسواک کر سکتے ہو اور شام کے وقت مسواک نہیں کر سکتے (کیونکہ اس وقت روزے دار کے منہ کی بو اللہ کے ہاں محبوب ہوتی ہے)۔

جواب: اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ اس میں کیسان نامی ایک راوی ہے جس کی تضعیف امام احمدؒ، دارقطنیؒ، ابن معینؒ نے کی ہے۔

دلیل ثالث: دارقطنی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال لك السواك الی العصر فاذا صلیت العصر فالقه فانی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول خلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسك۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں عمر بن قیس متروک راوی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ (عمدة القاری جلد ۱۱ ص ۱۱ الکوکب الدری جلد ۱ ص ۲۵۴)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ وَاصِلٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَطِيَّةَ حَدَّثَنَا أَبُو عَاتِكَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اشْتَكَتْ عَيْنِي أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ وَأَبُو عَاتِكَةَ يُضَعَّفُ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ فَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْكُحْلِ لِلصَّائِمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

کرنے لگا کہ میری آنکھیں خراب ہوگئی ہیں کیا میں روزے کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت انس کی حدیث کی سند قوی نہیں۔ اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کوئی حدیث صحیح نہیں اور ابو عاتکہ ضعیف ہیں اہل علم کا روزے میں سرمہ لگانے میں اختلاف ہے بعض اسے مکروہ سمجھتے ہیں جن میں سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ شامل ہیں بعض اہل علم نے اس کی رخصت دی ہے اور یہ امام شافعیؒ کا قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کا کیا حکم ہے؟ روزہ دار کے لئے سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں اگر اس کے سرمہ کا اثر تھوک میں بھی ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے اگر کسی نے سرمہ لگایا اور اس نے سرمہ کا اثر حلق میں محسوس کیا تو پھر بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ حلق میں جو اثر پہنچا ہے وہ مسام کے ذریعے سے پہنچا ہے اور افطار تو منفذ اصلی کے ذریعے سے پہنچائے جانے سے ہوتا ہے۔ یعنی جس کے ذریعہ سے معدہ تک دوا پہنچائی جائے اس سے روزہ افطار ہوتا ہے جبکہ آنکھوں کے ذریعے سے معدہ تک دوا نہیں پہنچائی جاتی۔

فائدہ: واعلم سرمہ مردوں کے لئے زینت کے ارادہ سے استعمال کرنا مکروہ ہے **کما قال صاحب الهداية**۔ صاحب ہدایہ کے الفاظ یہ ہیں **ولا بأس بالاكتحال للرجال اذا قصد به التداوى دون التزين** اور اسی طرح انگوٹھی پہننا زینت کے لئے یہ بھی مکروہ ہے **كما فى الكفاية وغيرها**۔

اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ملاحظہ ہو۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے ہاں مکروہ ہے۔ **قول ثانی:** امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور اکثر علماء کے نزدیک روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ ڈالنا بلا کراہت درست ہے اگرچہ اس کا اثر حلق میں ظاہر ہو جائے۔

امام مالکؒ، امام احمدؒ کی دلیل: ابو داؤد شریف میں عبدالرحمٰن بن نعمان عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے **"عن النبی ﷺ انه امر بالاثمد المروح عند النوم وقال ليتقه الصائم"** کہ اثمد سرمہ لگانے سے روزہ دار احتیاط کرے۔

جواب اوّل: خود امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ **"قال لی یحی بن معین هو منكر"** کہ وہ منکر الحدیث ہیں اس لیے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب ثانی: اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے وجہ ضعف ابو عاتکہ ہے۔ اس کا نام طریف بن سلیمان ہے جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے تہذیب میں اس کا نام طریف بن سلمان ہے۔ بعض نے کہا کہ سلمان بن طریف ہے میزان میں ہے کہ اگرچہ اس

کے نام میں اختلاف ہے لیکن اس کے ضعف پر اجماع ہے۔امام بخاریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں منکر الحدیث۔سلیمانی نے ذکر کیا کہ یہ حدیث گھڑنے والوں میں شمار ہوتا ہے بالجملہ یہ معمر کا استاد ہے کوفی ہے یا بصری اس کی عمر ایک سو چونسٹھ برس سے زیادہ تھی آخر عمر میں اس کی عقل اور یادداشت مختلط ہوگئی تھی تو یہ حدیث بھی اسی دور کی ہے۔(معارف السنن جلد ۵ ص ۴۰۲)

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے **"قال جاء رجل الی النبی ﷺ قال اشتکت عینی افا کتحل وانا صائم قال نعم"**۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور اپنی آنکھ کے درد کی شکایت کی اور کہا کہ میں سرمہ لگا سکتا ہوں اس حال میں کہ میں روزے سے ہوں فرمایا جی ہاں۔یہی حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: بیہقی شریف میں ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے **"ان رسول اللہ ﷺ کان یکتحل وھو صائم"** آپ ﷺ روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے۔

دلیل ثالث: ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **"قالت اکتحل النبی ﷺ وھو صائم"**۔کہ آپ ﷺ روزہ کی حالت میں سرمہ لگایا کرتے تھے اس طرح بہت ساری روایات اس پر دال ہیں کہ سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَقُتَيْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ فِي شَهْرِ الصَّوْمِ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَحَفْصَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي الْقُبْلَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقُبْلَةِ لِلشَّيْخِ وَلَمْ يُرَخِّصُوا لِلشَّابِّ مَخَافَةَ أَنْ لَا يَسْلَمَ لَهُ صَوْمُهُ وَالْمُبَاشَرَةُ عِنْدَهُمْ أَشَدُّ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْقُبْلَةُ تُنْقِصُ الْأَجْرَ وَلَا تُفْطِرُ الصَّائِمَ وَرَأَوْا أَنَّ لِلصَّائِمِ إِذَا مَلَكَ نَفْسَهُ أَنْ يُقَبِّلَ وَإِذَا لَمْ يَأْمَنْ عَلَى نَفْسِهِ تَرَكَ الْقُبْلَةَ لِيَسْلَمَ لَهُ صَوْمُهُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں بوسہ لیا کرتے تھے۔اس باب میں حضرت عمر بن خطاب، حفصہ، ابوسعید، ام سلمہ، ابن عباس، انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عائشہؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا روزے میں بوسہ لینے کے متعلق اختلاف ہے بعض صحابہ نے اس کی صرف بوڑھے شخص کو اجازت دی ہے اور جوان کو اس کی اجازت نہیں دی کہ کہیں اس کا روزہ نہ ٹوٹ جائے اور مباشرت (ساتھ لیٹنا) ان حضرات کے نزدیک زیادہ سخت ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے روزے کے اجر میں کمی آجاتی ہے لیکن روزہ نہیں ٹوٹتا ان کے نزدیک اگر روزہ دار کو اپنے نفس پر قدرت ہو تو اس کے لئے بوسہ لینا جائز ہے ورنہ نہیں تاکہ اس کا روزہ محفوظ رہے سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: تقبیل فی حالۃ الصوم کا کیا حکم ہے؟** روزے کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا جب کہ روزہ دار کو اپنے نفس پر قابو ہو یہ حکم جواز بوڑھے شخص کیلئے ہے جوان شخص چونکہ اپنے اوپر قابو نہیں پا سکتا اسلئے اسے اجازت نہیں، تفصیل یہ ہے۔

روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کے متعلق فقہاء نے پانچ اقوال تک بیان کئے ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، سفیان ثوریؒ، اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک یہی مسلک ہے جو اوپر گزرا ہے کہ اگر اسے اپنے آپ پر قابو ہو تو بوسہ لے سکتا ہے اور اگر قابو نہ ہو تو پھر بوسہ نہیں لے سکتا۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے کسی قسم کا اندیشہ نہ بھی ہو۔ یہ ان کی مشہور روایت ہے۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ، اور داؤد ظاہریؒ کے نزدیک مطلقاً جائز ہے۔

قول رابع: بعض حضرات کے نزدیک نفل روزوں میں تو جائز ہے فرض روزوں میں جائز نہیں۔

قول خامس: روزہ میں یہ عمل مطلقاً ممنوع ہے بعض تابعین کا یہی قول ہے۔ (کمافی معارف السنن ج۵ ص ۴۰۲)

باقی رہا یہ کہ اعتکاف کی حالت میں بوسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ تو اعتکاف کی حالت میں مطلقاً بوسہ نہیں لے سکتا خواہ اس کو امن ہو یا نہ ہو۔ صوم اور اعتکاف کی حالت میں فرق ہے کہ اعتکاف میں دواعی جماع کے قصد سے بچنے کا حکم صریح ہے جبکہ صوم میں دواعی جماع سے بچنے کا حکم ضمنی ہے اعتکاف کے متعلق ارشاد باری ہے: **ولا تباشروھن وأنتم عاکفون فی المساجد**۔ اور روزے کے بارے میں ارشاد ہے **ثم اتموا الصیام الی اللیل**. تو یہاں پر امر صریح ہے نہ کہ ضمنی کیونکہ جماع اعتکاف کے محظورات میں سے ہے جیسا کہ حالت احرام میں بھی ان چیزوں سے بچا جاتا ہے۔

جبکہ روزے کی حالت میں جماع سے رکنا صوم کے ارکان میں سے ہے دواعی جماع کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ (معارف السنن ج۵ ص ۴۰۳)۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي مُبَاشَرَةِ الصَّائِمِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي مَيْسَرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَاشِرُنِي وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے میں مجھ سے بوس وکنار کرتے تھے اور وہ تم سب سے زیادہ اپنی شہوت پر قابو رکھنے والے تھے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے اور بیوی کے ساتھ لیٹتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو پانے والے تھے۔ امام

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو مَيْسَرَةَ اسْمُهُ عَمْرُو بْنُ شُرَحْبِيلَ وَمَعْنَى لِأَرَبِهِ لِنَفْسِهِ

ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابومیسرہ کا نام عمر بن شرحبیل ہے۔

تشریح: مباشرت باب مفاعلہ کا صیغہ ہے اردو میں اس کا معنی صحبت کرنا اور عربی میں اس کا معنی ہے بدن سے بدن کو ملانا یہاں حدیث میں روزہ کی حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹنا مراد ہے۔

و کان املککم لاربہ. ارب ہمزہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے بمعنی حاجت، ضرورت شدیدہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ آپ اپنی حاجات نفس کو سب سے زیادہ قابو میں رکھنے والے تھے اور ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ اور راء کے سکون کے ساتھ ''عضو'' کے معنی میں آتا ہے اس باب میں دونوں روایتیں ہیں لیکن پہلی راجح اور اوفق بالادب ہے۔

اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال ماقبل باب کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔ یہاں صرف دلائل ملاحظہ ہوں۔

امام احمد بن حنبل کی اوّل: ان کی دلیل یہی حدیث الباب ہے **عن عائشة ؓ ان النبی ﷺ کان یقبل فی شهر الصوم** مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے **یقبل فی رمضان وهو صائم۔**

دلیل ثانی: امام ترمذیؒ نے گزشتہ باب میں **و فی الباب** کہہ کر جن احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سب اباحت تقبیل پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ حضرت عمر ؓ کی حدیث ابوداؤد، حضرت حفصہؓ کی روایت نسائی میں ہے۔

مالکیہ حضرات کی دلیل اوّل: بخاری، مسلم میں اور اسی حدیث الباب میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے **قالت کان النبی ﷺ یقبل و یباشر و هو صائم و کان املککم لاربه۔** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تقبیل وغیرہ آپؐ کی خصوصیت ہے دوسروں کو اجازت نہیں۔

دلیل ثانی: **عن ابن عمر ؓ انه کان یکره القبلة والمباشرة۔**

جمہور حضرات کے دلائل: جمہور حضرات کے پاس دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں یہ دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اباحت کی احادیث حالت امن پر اور کراہت والی احادیث عدم امن پر محمول ہیں خود بعض احادیث میں یہی توجیہ بیان کی گئی ہے۔

دلیل اوّل: **عن ابی هریرة ؓ ان رجلا سأل النبی ﷺ عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه اخر فسأله فنهاه فاذا الذی رخص له شیخ و الذی نهاه شاب۔** (ابوداؤد جلد اوّل ص ۳۲۱ باب کراہیۃ للشاب)

دلیل ثانی: **عن عائشة ؓ انه ﷺ رخص فی القبلة للشیخ و هو صائم و نهی عنها الشاب.** اس مضمون کی مرفوع حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے مسند احمد اور طبرانی فی الکبیر میں موجود ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَعْزِمْ مِنَ اللَّيْلِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے اور وہ حضرت حفصہ

يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَفْصَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ حَفْصَةَ حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَوْلُهُ وَهُوَ أَصَحُّ وَإِنَّمَا مَعْنَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فِي رَمَضَانَ أَوْ فِي قَضَاءِ رَمَضَانَ أَوْ فِي صِيَامِ نَذْرٍ إِذَا لَمْ يَنْوِهِ مِنَ اللَّيْلِ لَمْ يُجْزِهِ وَأَمَّا صِيَامُ التَّطَوُّعِ فَمُبَاحٌ لَهُ أَنْ يَنْوِيَهُ بَعْدَ مَا أَصْبَحَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح صادق سے پہلے روزے کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوتا۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہم اس سند کے علاوہ مرفوع نہیں جانتے جبکہ نافع سے بواسطہ ابن عمر رضی اللہ عنہما انہی کا قول مروی ہے اور وہ اصح ہے اس حدیث کا بعض اہل علم کے نزدیک یہ معنی ہے کہ جو شخص رمضان قضاء رمضان یا نذر وغیرہ کے روزے کی نیت صبح صادق سے پہلے نہ کرے تو اس کا روزہ نہیں ہوتا لیکن نفلی روزوں میں صبح کے بعد بھی نیت کر سکتا ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: روزے کی دو اقسام ہیں۔ ایک وہ روزے جو اللہ کی طرف سے فرض کئے گئے ہیں یا بندے نے خود اپنے اوپر فرض کئے ہیں ان میں رات سے روزے کی نیت کرنا ضروری ہے کہ نہیں اس میں اختلاف ہے جو آگے بیان ہوگا۔

دوسری قسم روزوں کی وہ ہے جن کے لئے نہ وقت متعین ہے اور نہ ہی اللہ کی طرف سے بندے پر لازم ہیں ایسے تین قسم کے روزے ہیں۔ رمضان کی قضاء کا روزہ، کفارہ کا روزہ اور نذر معین کا روزہ۔ اس میں بالاجماع رات سے روزے کی نیت کرنا ضروری ہے۔ صبح صادق کے بعد ان کی نیت نہیں ہو سکتی۔ پہلے مسئلہ کے متعلق اختلاف ملاحظہ ہو۔

مسئلہ: رات سے روزے کی نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک ہر قسم کے روزے کیلئے رات سے نیت کرنا ضروری ہے خواہ فرض روزہ ہو یا نفل یا کفارہ کا ہو یا نذر کا۔

قول ثانی: امام احمدؒ و امام شافعیؒ کے نزدیک نفل کے علاوہ باقی روزوں کیلئے رات کو نیت ضروری ہے اور نفل میں بعد از زوال بھی گنجائش ہے۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نفل روزہ اور متعین روزہ جیسے رمضان اور صوم نذر معین، ان کی نیت زوال سے پہلے پہلے کر لینا کافی ہے رات سے نیت کرنا ضروری نہیں اگرچہ اولی و مستحب ہے اور بقیہ روزوں کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ جو شخص رات سے روزے کی نیت نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہے اس حدیث میں کسی روزے کی تخصیص نہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے لیکن امام شافعیؒ اس حدیث سے نفل کو خاص کر لیتے ہیں۔

ائمہ ثلاثہ اس حدیث کے عموم میں رمضان اور نذر معین کے روزوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔

حدیث الباب کا جواب: احناف اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

صرف یحییٰ بن ایوب اس حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں باقی سب رواۃ موقوف بیان کرتے ہیں یعنی اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ قرار دیتے ہیں۔ بہرحال اس حدیث کا موقوف ہونا ہی اصح ہے خود امام ترمذیؒ نے اسکو اصح کہا ہے اور دوسرے محدثین کی رائے بھی یہی ہے۔

دوسرا یہ کہ اس کا مصداق وہ تین روزے ہیں جو واجب ہیں مگر ان کا وقت معین نہیں جیسے رمضان کے روزے اور نذر معین کے روزے۔ ان دو وقتوں میں روزے متعین ہیں ان روزوں کے علاوہ کسی دوسرے روزے کا احتمال ہی نہیں۔ اسی طرح نفل روزوں کے لئے بھی گویا ہر دن متعین ہے۔

مزید تفصیل یہ ہے کہ روزے چھ قسم کے ہیں۔ رمضان کے روزے، نذر معین کے روزے، رمضان کے قضاء کے روزے، کفاروں کے روزے، نذر غیر معین کے روزے، نفل روزے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے "**کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر**" یہاں آیت مبارکہ میں صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت ہے جب صبح صادق ہو جائے تو نیت اس کے بعد ہوگی۔

دلیل ثانی: طحاوی شریف میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**انہ علیہ السلام امر رجلا من اسلم ...الا من اکل فلیمسك بقیۃ یومہ ومن لم یاکل فلیصم**" حدیث مذکورہ میں فرض روزہ کی نیت دن سے کرنے کا حکم دیا۔

دلیل ثالث: علامہ ابن جوزیؒ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک اعرابی نے دن میں رؤیت ہلال کی شہادت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **الا من کان اکل فلا یأکل بقیۃ یومہ ومن لم یاکل فلیصم**. حدیث مذکورہ میں بھی دن سے نیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دلیل رابع: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ "**قالت دخل علی رسول اللہ ﷺ ذات یوم فقال ھل عند کم شیء فقلنا لا فقال فانی اذا الصائم**" مذکورہ حدیث میں نفل روزہ کی نیت دن میں کی گئی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ پانچ قسم کے روزے کیا وہ اس حدیث کے تحت شامل ہیں یا نہیں؟ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک یہ پانچوں قسم کے روزے اس حدیث کے تحت شامل ہیں ان سب میں رات سے نیت کرنا ضروری ہے۔ جبکہ احناف کے نزدیک اس مسئلہ کے ثبوت کے لئے ماقبل میں جو دلائل گزرے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وہ قسمیں مستثنیٰ ہیں۔ اور بقیہ تین روزے حدیث الباب کے تحت ہوں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِفْطَارِ الصَّائِمِ الْمُتَطَوِّعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنِ ابْنِ أُمِّ هَانِئٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ كُنْتُ قَاعِدَةً عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَنِي فَشَرِبْتُ مِنْهُ فَقُلْتُ إِنِّي أَذْنَبْتُ فَاسْتَغْفِرْ لِي قَالَ وَمَا ذَاكِ قَالَتْ كُنْتُ صَائِمَةً فَأَفْطَرْتُ فَقَالَ أَمِنْ قَضَاءٍ كُنْتِ تَقْضِينَهُ قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ

حضرت ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریمؐ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ آپؐ کی خدمت میں کوئی پینے والی چیز پیش کی گئی آپؐ نے اس میں سے پیا پھر مجھے دیا میں نے بھی پیا پھر میں نے کہا مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا پس آپ میرے لئے استغفار کیجئے آپؐ نے فرمایا کیا گناہ ہوا میں نے کہا میں روزے سے تھی اور روزہ ٹوٹ گیا آپؐ نے فرمایا کیا تو نے قضا روزہ رکھا تھا

قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَعَائِشَةَ۔ حَدِيثُ أُمِّ هَانِئٍ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الصَّائِمَ الْمُتَطَوِّعَ إِذَا أَفْطَرَ فَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يُحِبَّ أَنْ يَقْضِيَهُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَالشَّافِعِيِّ

میں نے کہا نہیں پس آپؐ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں اس باب میں حضرت ابوسعید اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں کلام ہے بعض اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کوئی آدمی نفلی روزہ توڑ دے تو اس پر قضاء واجب نہیں البتہ اگر وہ چاہے تو قضاء کر لے سفیان ثوریؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ كُنْتُ أَسْمَعُ سِمَاكَ بْنَ حَرْبٍ يَقُولُ أَحَدُ بَنِي أُمِّ هَانِئٍ حَدَّثَنِي فَلَقِيتُ أَنَا أَفْضَلَهُمْ وَكَانَ اسْمُهُ جَعْدَةَ وَكَانَتْ أُمُّ هَانِئٍ جَدَّتَهُ فَحَدَّثَنِي عَنْ جَدَّتِهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَا بِشَرَابٍ فَشَرِبَ ثُمَّ نَاوَلَهَا فَشَرِبَتْ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَمَا إِنِّي كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِينُ نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ قَالَ شُعْبَةُ قُلْتُ لَهُ أَنْتَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَ لَا أَخْبَرَنِي أَبُو صَالِحٍ وَأَهْلُنَا عَنْ أُمِّ هَانِئٍ وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سِمَاكٍ فَقَالَ عَنْ هَارُونَ بْنِ بِنْتِ أُمِّ هَانِئٍ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ وَرِوَايَةُ شُعْبَةَ أَحْسَنُ هٰكَذَا حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ عَنْ أَبِي دَاوُدَ فَقَالَ أَمِينُ نَفْسِهِ وَحَدَّثَنَا غَيْرُ مَحْمُودٍ عَنْ أَبِي دَاوُدَ فَقَالَ أَمِيرُ نَفْسِهِ أَوْ أَمِينُ نَفْسِهِ عَلَى الشَّكِّ وَهٰكَذَا رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ شُعْبَةَ أَمِيرُ أَوْ أَمِينُ نَفْسِهِ عَلَى الشَّكِّ

سماک بن حرب نے ام ہانی کی اولاد میں سے کسی سے یہ حدیث سنی اور پھر ان میں سے افضل ترین شخص جعدہ سے ملاقات کی ام ہانی ان کی دادی ہیں پس وہ اپنی دادی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آئے اور کچھ پینے کے لئے طلب کیا اور پیا پھر ام ہانی کو دیا تو انہوں نے بھی پیا پھر انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں تو روزے سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا امین ہوتا ہے اگر چاہے تو روزہ رکھے اور چاہے تو افطار کر لے شعبہ نے کہا کیا تم نے خود یہ ام ہانی سے سنا تو جعدہ نے کہا نہیں مجھے یہ واقعہ میرے گھر والوں اور ابوصالح نے سنایا ہے حماد بن سلمہ یہ حدیث سماک سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ام ہانی کے نواسے ہارون اپنی نانی ام ہانی سے روایت کرتے ہیں اور شعبہ کی روایت حسن ہے محمود بن غیلان نے ابوداؤد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں محمود کے علاوہ دوسرے راویوں نے ابوداؤد سے شک کے ساتھ أَمِيرُ نَفْسِهِ یا أَمِينُ نَفْسِهِ کے الفاظ نقل کئے ہیں اسی کئی طرق سے شعبہ سے راوی کا یہی شک مروی ہے کہ امیر نفسہ یا أَمِينُ نَفْسِهِ ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَمَّتِهِ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا کہ کھانے کے لئے کوئی چیز ہے میں نے عرض کیا نہیں تو آپ

فَقَالَ هَلْ عِنْدَ كُمْ شَيْئٌ قَالَتْ قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنِّي صَائِمٌ.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں روزے سے ہوں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيَى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينِي فَيَقُولُ أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ فَأَقُولُ لَا فَيَقُولُ إِنِّي صَائِمٌ قَالَتْ فَأَتَانِي يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّهُ قَدْ أُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ وَمَا هِيَ قَالَتْ قُلْتُ حَيْسٌ قَالَ أَمَا إِنِّي قَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ أَكَلَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دن میں میرے ہاں آتے تو پوچھتے کہ کچھ کھانے کے لئے ہے اگر میں کہتی نہیں تو آپ ﷺ فرماتے میں روزے سے ہوں پس ایک مرتبہ آپ ﷺ آئے تو میں نے عرض کیا آج ہمارے ہاں کھانا ہدیئے کے طور پر آیا ہے پوچھا کیا ہے میں نے کہا حیس ہے فرمایا میں نے تو صبح سے روزے کی نیت کر لی تھی حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں پھر آپ ﷺ نے اسے کھایا امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں دو مسائل کا بیان ہے۔ ① نفل روزہ توڑنے کے جواز کے بیان میں۔ ② اگر نفلی روزہ توڑ دیا تو کیا اس کی قضاء آئے گی۔

مسئلہ: نفلی روزہ بلا عذر توڑنے کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نفلی روزہ بلا عذر کے توڑا جا سکتا ہے۔

قول ثانی: جبکہ احناف کے نزدیک نفلی روزہ بغیر عذر کے توڑنا جائز نہیں۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے **عن ام ھانیٔ قالت کنت قاعدۃ عند النبی ﷺ فأتی بشراب فشرب منه ثم ناولني فشربت منه فقلت...... الخ۔**

جواب: حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ ضیافت ایک عذر ہے جس کی بناء پر روزہ توڑنا جائز ہے بالخصوص جب کہ یہاں نبی کریم ﷺ کی دعوت تھی جو ایک اہم عذر ہے۔

احناف کی دلیل: مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت ہے **قال قال رسول اللہ ﷺ اذا دعی احدکم الی طعام وھو صائم فلیقل انّی صائمٌ.** اگر بغیر عذر کے نفل روزہ توڑنا جائز ہوتا تو آپؐ اس طرح ارشاد نہ فرماتے کہ تم روزے سے ہو تو کہہ دو کہ میں روزے سے ہوں۔

مسئلہ ثانیہ: نفلی روزہ توڑنے سے قضاء لازم آئے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نفلی روزہ شروع کرنے سے اس کا اتمام واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کسی نے نفلی روزہ توڑ دیا تو اس پر قضاء واجب ہو گی۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ، سفیان ثوریؒ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نفلی روزہ کسی نے توڑا تو اس کی قضاء واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث مذکور فی الباب ہے **قالت كنت قاعدة عند النبي ﷺ فأتي بشراب فشرب منه ثم ناولني فشربت منه فقلت اني اذنبت فاستغفرلي قال ماذاك قالت كنت صائمة فافطرت قال أمن قضاء كنت تقضينه قالت لا قال فلا يضرك۔**

اسی روایت کی دوسری سند میں یہ الفاظ ہیں **الصائم المتطوع امين نفسه ان شاء صام و ان شاء افطر۔**

جواب اوّل: یہ حدیث ضعیف ہے امام ترمذیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: **في اسناده مقال.** علامہ عینیؒ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: **فيه اضطراب متناً و سنداً** پھر اضطراب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

جواب ثانی: اگر ہم اس کے ضعف سے قطع نظر بھی کرلیں تو پھر ہم اس حدیث کے بارے میں کہیں گے کہ **فلا يضرك** سے گناہ کی نفی مراد ہے کیونکہ سوال میں گناہ کا ذکر ہے۔

المتطوع امين نفسه او امير نفسه: اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نفل روزے میں امانت کے آداب و شرائط کا لحاظ رکھنا چاہیے پھر وہ خود مختار ہے نفل روزہ رکھے یا نہ رکھے رکھنے کے بعد اتمام کرے یا عذر سے افطار کرے یا یوں کہا جائے گا کہ یہ حدیث قضاء سے خاموش ہے دوسری روایات ناطق ہیں۔ ناطق ساکت سے راجح ہے۔

دلیل ثانی: بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کی دعوت کی ایک شخص نے کہا **انا صائم فقال رسول الله ﷺ دعاك اخوك و تكلف لك فطر و صم يوماً مكاناً ان شئت۔**

جواب: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں یہ نفی قضاء پر نص نہیں اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ **ان شئت** کا تعلق **افطر** کے ساتھ ہو اور درمیان میں جملہ معترضہ ہو مطلب یہ ہے کہ افطار کا حکم وجوبی نہیں۔

احناف کے دلیل اوّل: وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **ولا تبطلوا اعمالكم** کہ تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں **ولا تكونوا كالتي نقضت غزلها الاية.** اور ایک اور آیت سے معلوم ہوا **و من يعظم حرمات الله فهو خير له** ان آیات کا تقاضا یہ ہے کہ کسی عبادت کو شروع کر کے ضائع نہ کرنا چاہیے بلکہ اسے صحیح طریقہ سے سرانجام دینا چاہیے۔

دلیل ثانی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب ہے کہ انہوں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے روزہ رکھا پھر بھوک کی وجہ سے کھانا کھالیا۔ آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اقضيا يوماً آخر مكانه۔** (ترمذی)

دلیل ثالث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں **دخل عليّ رسول الله ﷺ فقلت له يا رسول الله انا قد خبأنا لك خبيئاً فقال اما اني كنت اريد الصوم ولكن قربيه ساصوم يوماً مكان ذلك۔** (طحاوی، بیہقی فتح القدیر ۲/۸۶)

دلیل رابع: **عن ام سلمة رضي الله عنها انها صامت تطوعاً فافطرت فامرها رسول الله ﷺ ان تصوم يوماً مكانه۔** (دارقطنی)

دلیل خامس: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دعوت کی کھانا تیار ہوا تو ایک شخص نے کہا **اني صائم**، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **افطر واقض يوماً مكانه۔** (دارقطنی)

دلیل سادس: حضرت انس بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرفہ کا روزہ رکھا پھر سخت پیاس کی وجہ سے روزہ کھول دیا اور

صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت سے مسئلہ پوچھا فامروہ أن یقضی یومًا مکانہ۔ (ابن ابی شیبۃ)

دلیل سابع: حضرت ابن عباس ؓ کا اثر طحاوی شریف میں اور حضرت عمر ؓ کا اثر محلی ابن حزم میں بھی حنفیہ کی دلیل ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ الْقَضَاءِ عَلَيْهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا كَثِيرُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَدَرَتْنِي إِلَيْهِ حَفْصَةُ وَكَانَتِ ابْنَةَ أَبِيهَا فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامًا اشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى صَالِحُ بْنُ أَبِي الْأَخْضَرِ وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَ هٰذَا وَرَوَاهُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَمَعْمَرٌ وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَزِيَادُ بْنُ سَعْدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا أَصَحُّ لِأَنَّهُ رُوِيَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْتُ الزُّهْرِيَّ فَقُلْتُ أَحَدَّثَكَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ لَمْ أَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ فِي هٰذَا شَيْئًا وَلٰكِنِّي سَمِعْتُ فِي خِلَافَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ مِنْ نَاسٍ عَنْ بَعْضِ مَنْ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ حَدَّثَنَا بِهٰذَا عَلِيُّ بْنُ عِيسَى بْنِ يَزِيدَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ فَرَأَوْا عَلَيْهِ الْقَضَاءَ إِذَا أَفْطَرَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ.

حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں اور حفصہ روزے سے تھیں کہ ہمیں کھانا پیش کیا گیا ہمارا جی چاہا کہ ہم کھالیں پس ہم نے اس میں سے کچھ لیا پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو حفصہ ؓ آپ ﷺ سے پوچھنے میں مجھ سے سبقت لے گئیں کیونکہ وہ تو اپنے باپ کی بیٹی تھیں یا رسول اللہ ہم دونوں روزے سے تھیں کہ کھانا آ گیا اور اسے دیکھ کر ہمارا کھانے کو جی چاہا پس ہم نے اس میں سے کھالیا فرمایا اس روزے کے بدلے کسی دوسرے دن قضاء میں روزہ رکھو۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ صالح بن ابو اخضر اور محمد بن ابو حفصہ بھی یہ حدیث زہری سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ ؓ اس کی مثل روایت کرتے ہیں مالک بن انس، معمر، عبداللہ بن عمر، زیاد بن سعد اور کئی حفاظ حدیث زہری سے بحوالہ حضرت عائشہ ؓ مرسلاً روایت کرتے ہیں اور اپنی روایت میں عروہ کا ذکر نہیں کرتے یہ حدیث اصح ہے اس لئے کہ جریج نے زہری سے پوچھا کہ کیا آپ سے عروہ نے حضرت عائشہ ؓ کے حوالے سے کوئی حدیث روایت کی ہے تو انہوں نے کہا میں نے اسکے متعلق عروہ سے کوئی چیز نہیں سنی البتہ سلیمان بن عبدالملک کے دور حکومت میں لوگوں سے ان حضرات کا قول سنا جنہوں نے حضرت عائشہ ؓ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تھا۔ علی بن عیسیٰ بن یزید بغدادی نے، روح بن عبادہ، ابن جریج سے یہ حدیث بیان کی۔ علماء صحابہ وغیرہ کی ایک جماعت اسی حدیث پر عمل پیرا ہے ان کے نزدیک نفلی روزہ توڑنے والے پر قضا واجب ہے یہ مالک بن انسؒ کا قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث الباب حنفیہ و مالکیہ کی صریح دلیل ہے امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو مرسل کہا ہے حالانکہ اس کی سند جید ہے۔ اسی طرح ابن عبدالبرؒ نے زرقانیؒ سے حدیث روایت کی ہے **اذا دعی احدکم الی طعام فلیجب فان کان مفطرًا فلیأکل** اور دوسری روایت میں ہے **فان شاء اکل وان کان صائمًا فلیدع** ہے اور دوسری روایت ہے **فان کان صائمًا فلا یاکل** اگر روزہ افطار کرنا جائز ہوتا تو دعوت کی اجابت میں کھانے سے روکا نہ جاتا۔ اسی طرح ایک اور روایت آتی ہے **لا تصم امرءۃ وزوجھا شاھد یومًا من غیر شھر رمضان الا باذنہ**۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عورت روزہ افطار نہیں کرسکتی اور نہ ہی بلاعذر وہ روزہ افطار کرے اگر اس کے لئے روزہ افطار کرنا مباح ہوتا تو پھر تو شوہر سے اجازت لینے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

زرقانیؒ نے حدیث ام ہانیؓ و حدیث عائشہؓ کا جواب یہ دیا کہ ان کے ساتھ خاص ہے اس میں عموم نہیں ہے۔

① **وروی صالح بن ابی الاخضر ومحمد بن ابی حفصۃ ھذا الحدیث عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ مثل ھذا۔**

② **وروی مالك بن انس و معمر و عبید اللہ بن عمر و زیاد بن سعد وغیر واحد من الحفاظ عن الزھری عن عائشہ مرسلاً ولم یذکروا فیہ عن عروۃ ھذا اصح۔**

لانہ روی عن ابن جریج: یہاں سے دلیل بیان کررہے ہیں کہ ابن جریجؒ سے یہ بات مروی ہے کہ انہوں نے زہری سے پوچھا کیا آپ سے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے۔ زہریؒ نے کہا کہ میں نے اس بارے میں عروہ سے تو کچھ سنا ہی نہیں البتہ سلمان بن عبدالملک کی خلافت میں بعض ان لوگوں سے جنہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھی تھی سنا ہے پھر ابن جریج کے قول کی سند لکھی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي وِصَالِ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ كَانَ يَصُومُهُ إِلَّا قَلِيلًا بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان اور شعبان کے علاوہ دو مہینے متواتر روزے رکھتے نہیں دیکھا اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا حسن ہے یہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے مروی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہ کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے بلکہ پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔

حَدَّثَنَا بِذَالِكَ هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ وَرَوَى سَالِمٌ أَبُو النَّضْرِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ وَ هُوَ جَائِزٌ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ إِذَا صَامَ أَكْثَرَ الشَّهْرِ أَنْ يُقَالَ صَامَ الشَّهْرَ كُلَّهُ وَيُقَالُ قَامَ فُلَانٌ لَيْلَتَهُ أَجْمَعَ وَلَعَلَّهُ تَعَشّٰى وَاشْتَغَلَ بِبَعْضِ أَمْرِهِ كَأَنَّ ابْنَ الْمُبَارَكِ قَدْ رَاٰى كِلَا الْحَدِيثَيْنِ مُتَّفِقَيْنِ يَقُولُ إِنَّمَا مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّهُ كَانَ يَصُومُ أَكْثَرَ الشَّهْرِ۔

حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے سالم بن ابوالنضر اور کئی راوی بھی ابوسلمہ سے بحوالہ حضرت عائشہ محمد بن عمرو کی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں اس حدیث کے متعلق ابن مبارک سے مروی ہے کہ کلام عرب میں جائز ہے کہ جب اکثر مہینے کے روزے رکھے جائیں تو کہا جائے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص پوری رات کھڑا رہا حالانکہ ہوسکتا ہے اس نے رات کا کھانا کھایا ہو کسی اور کام میں مشغول ہوا ابن مبارک کے نزدیک ام سلمہ اور حضرت عائشہ دونوں کی حدیث ایک ہی ہیں اور اس سے مراد یہی ہے کہ آپ ﷺ مہینے کے اکثر دنوں کے روزے رکھتے تھے

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں دو احادیث ہیں۔ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ پورے شعبان اور پورے رمضان میں روزے رکھتے تھے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے مکمل شعبان کے روزے نہیں رکھتے تھے۔ ان دونوں احادیث میں دو اعتراضات ہیں۔

اعتراض الاوّل: کیا یہ دونوں احادیث ایک ہیں یا جدا جدا ہیں۔ اس میں اختلاف ہے بعض حضرات اس کو مسندات ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں شمار کرتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ مسندات عائشہ رضی اللہ عنہا میں سے ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ ابوالنضر یحییٰ بن کثیر عند مالک والشیخین، محمد بن ابراہیم التیمی وزید بن ابی غیاث عند النسائی، محمد بن عمرو عند الترمذی سب فرماتے ہیں کہ یہ اس حدیث کی سند عن ابی سلمہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔

لیکن یحییٰ بن سعید وسالم بن الجعد عند النسائی اور اسی طرح ترمذی کے ہاں یہ عن اُم سلمہ ہے پس وہ روایت جو" **عن ابی سلمة عن ام سلمة**" ہے حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے سالم بن ابی الجعد کے طریق کو لیا ہے اور کہا ہے **هٰذا اسناد صحیح**۔

یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں سے روایت کی ہو۔

بعض نے ان دونوں روایتوں کے اختلاف کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اوّل: بعض حضرات نے ان کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ ابن المبارکؒ نے کہا ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مجاز ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حقیقت پر محمول ہے کہ آپ ﷺ شعبان کے اکثر دنوں میں روزے رکھتے تھے اور "**للاکثر حکم الکل**" کے پیش نظر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے پورے شعبان کا ذکر کر دیا۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے جواب دیا جیسا کہ علامہ طیبیؒ کا قول ہے کہ بسا اوقات آپ ﷺ اکثر شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بسا اوقات کم روزے رکھتے تھے تو ان دونوں احادیث میں ان دونوں کا ذکر ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اکثر کا

ذکر ہے اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اقل کا ذکر ہے۔

جواب ثالث: بعض حضرات نے یہ تطبیق دی ہے کہ ان دونوں احادیث میں عموم ہے کہ آپ ﷺ روزے رکھتے تھے شعبان کے اوّل حصہ میں ہو یا اوسط حصہ میں یا آخر حصہ میں۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اوّل اور آخر کے اعتبار سے مکمل شعبان کا ذکر کر دیا جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جدا جدا ایام کے اعتبار سے اقل کہا ہے فلا تعارض۔

اعتراض ثانی: اس باب کی حدیث میں پورے شعبان اور پورے رمضان کے روزے رکھنے کا ذکر ہے جبکہ آنے والے باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "**قال قال رسول اللہ ﷺ اذا بقی نصف من شعبان فلا تصوموا**" کہ آپؐ نے شعبان کے نصف آخر میں روزے رکھنے سے منع کیا ہے اور ایک وہ روایت جو کتاب الصوم کے شروع میں گزری ہے کہ آپؐ نے رمضان کے روزے ایک دو دن پہلے سے شروع کرنے سے منع فرمایا تو ان روایات میں تعارض ہے۔

جواب: جن احادیث میں ایک دو دن مقدم کرنے کی ممانعت آئی ہے وہاں احتیاطاً رمضان کے روزے مقدم کرنے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ اس حدیث کا مصداق اور ہے اور دوسری وہ حدیث کہ شعبان کے نصف آخر میں روزے مت رکھو اس کا مصداق الگ ہے اس میں ان لوگوں کو روزہ رکھنے سے منع کر دیا گیا ہے جن کو روزہ رکھنے سے کمزوری آجاتی ہے ان کو کہا کہ تم لوگ پندرہ شعبان کے بعد روزے نہ رکھو بلکہ کھاؤ پیو اور طاقت حاصل کرو تا کہ رمضان کے روزے رکھنے میں آسانی ہو۔

شعبان میں روزے رکھنے کی کیا حکمتیں تھیں؟ ① امہات المؤمنین اس مہینے میں اپنے قضاء شدہ روزے رکھتی تھیں یہ ان سات وجوہ میں سے ایک وجہ ہے جو محب الطبری نے بیان کی ہیں۔

② ہر مہینہ کے ایام بیض کے روزے رکھتے تھے جس مہینہ میں روزے رہ گئے ہوں ان کو پورا کرتے تھے۔

③ شعبان میں رفع اعمال ہوتا ہے اس وجہ سے شعبان میں روزے رکھتے تھے۔

④ چونکہ اس ماہ میں عمریں لکھ دی جاتی ہیں اور آنے والے سال میں جتنے اعمال ہوتے ہیں وہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔

⑤ شعبان کے روزے تعظیم رمضان کی وجہ سے رکھتے تھے۔

⑥ چونکہ لوگ نیکی کے کاموں میں غفلت کرتے ہیں اس لئے رمضان سے پہلے روزے رکھے جائیں تا کہ لوگ رمضان کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي مِنْ شَعْبَانَ لِحَالِ رَمَضَانَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَقِيَ نِصْفٌ مِنْ شَعْبَانَ فَلَا تَصُومُوا قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ عَلٰى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب شعبان کا مہینہ آدھا رہ جائے تو روزہ نہ رکھا کرو امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابو ہریرہ حسن صحیح ہے اور ہم اس حدیث کو اس سند اور ان الفاظ ہی سے جانتے ہیں بعض اہل علم کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص روزے نہیں رکھ رہا تھا پھر

هٰذَا اللَّفْظِ وَمَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَكُونَ الرَّجُلُ مُفْطِرًا فَإِذَا بَقِيَ شَيْءٌ مِنْ شَعْبَانَ أَخَذَ فِي الصَّوْمِ لِحَالِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يُشْبِهُ قَوْلَهُ وَ هٰذَا حَدِيثُ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقَدَّمُوا شَهْرَ رَمَضَانَ بِصِيَامٍ إِلَّا أَنْ يُوَافِقَ ذٰلِكَ صَوْمًا كَانَ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ وَقَدْ دَلَّ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ إِنَّمَا الْكَرَاهِيَةُ عَلٰى مَنْ يَتَعَمَّدُ الصِّيَامَ لِحَالِ رَمَضَانَ.

جب شعبان کے کچھ دن باقی رہ گئے تو اس نے روزے رکھنا شروع کر دیئے (اس کے لئے ایسا کرنا ممنوع ہے) اس کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دوسری حدیث مروی ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان سے پہلے روزہ نہ رکھو البتہ اگر کوئی اس سے پہلے روزہ رکھنے کا عادی ہو اور یہ روزہ ان دنوں میں آ جائے پس یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کراہت اس صورت میں ہے کہ آدمی رمضان کی تعظیم استقبال کے لئے شعبان کے دوسرے پندرہ دنوں میں روزے رکھے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ کا اشارہ اس بات کی طرف سے ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزے رکھنا درست نہیں اس باب کی حدیث کا محل اس شخص کے لئے ہے جو نصف شعبان کے بعد روزے رکھے اور شعبان کے شروع میں روزے رکھنا اس کے منافی نہیں۔ (کمافی فتح الباری ۱۸۷/۴)

تطبیق: بعض حضرات نے ان دونوں احادیث کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ شعبان کے دنوں میں روزہ رکھنے کی نہی ان افراد کیلئے ہے جو بطور عادت دوسرے ایام میں روزہ نہ رکھے مثلاً نہ تو وہ ایام بیض کے روزے رکھتے ہوں اور نہ ہی سوموار اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہوں وہ لوگ اگر شعبان کی انتیس انتیس تاریخ کو روزہ رکھیں تو ان کے لئے ممانعت ہے۔ یا ممانعت اس شخص کیلئے ہے جو شعبان اور رمضان میں سے کسی ایک کے ہونے کی نیت سے روزہ رکھے۔ ہاں اگر وہ کسی روزے کی قضاء کر رہا ہے یا اس کو سوموار یا جمعرات روزہ رکھنے کی عادت ہے۔ اتفاق سے جمعرات کا دن ۲۹ شعبان یا تیس شعبان کا آ گیا تو اس شخص کیلئے ممانعت نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ فَإِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ فَقَالَ أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ڈر رہی تھی کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم نہ کریں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سمجھا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور بنوکلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتے

كَلْبٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الْحَجَّاجِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ يُضَعِّفُ هَذَا الْحَدِيثَ وَ قَالَ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَالْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ.

ہیں۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم حدیث عائشہؓ کو حجاج کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ یحییٰ بن کثیر نے عروہ سے اور حجاج نے یحییٰ بن کثیر سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

تشریح: شعبان کی نصف رات کو لیلۃ البراءۃ کہا جاتا ہے اس کی فضیلت میں بہت ساری روایات مروی ہیں جس کو امام سیوطیؒ نے درمنثور میں جمع کیا ہے۔ یہ تمام روایات سنداً ضعیف ہیں اور اسی طرح حدیث الباب بھی ضعیف ہے اسکے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے اور اس کا ضعف مشہور ہے۔ دوسرا اسلئے کہ اس میں دو انقطاع پائے جاتے ہیں ایک تو حجاج بن ارطاۃ کا سماع یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں ہے اور پھر یحییٰ بن ابی کثیر کا سماع بھی عروہ سے ثابت نہیں ہے گویا اس کی سند میں تین خرابیاں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ اس رات میں لوح محفوظ سے ان لوگوں کے نام نقل کر کے ملک الموت کو دے دیے جاتے ہیں جن کی اگلے سال وفات ہوئی ہے یہ بات صحیح نہیں اور ترمذی کی شرح عارضۃ الاحوذی کے حاشیہ میں یہ بات لکھی ہے کہ اس رات میں مسلمان جو چراغاں کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں وہ دیوالی کی نقل ہے۔

ان ضعیف روایات سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں کہ اس رات اپنے لئے اور اپنے وہ رشتہ دار جو وفات پاگئے ہیں ان کیلئے مغفرت کی دعا کی جائے۔

دوسرا شعبان کی پندرہ تاریخ کے دن روزہ رکھنے کو فقہاء نے مستحب کہا ہے اگرچہ اس کا ثبوت ضعیف روایت سے ہوتا ہے۔

تیسرا یہ کہ اس رات بغیر تعیین کے نوافل پڑھنا بھی ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ بعض لوگ اس رات خصوصی طور صلوٰۃ التسبیح ادا کرتے ہیں حالانکہ اس کے لئے کوئی وقت کی تعیین نہیں ہے اور بعض لوگ تو خوب جماعت کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ اس کے لئے جماعت کا ثبوت کہیں سے بھی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الْمُحَرَّمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ صِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان کے بعد افضل ترین روزے اللہ تعالیٰ کے مہینے محرم کے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ حسن ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ إِسْحَقَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ

حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ رمضان کے علاوہ کون سے مہینے کے روزے رکھنے کا حکم فرماتے ہیں

سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَيُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ لَهُ مَا سَمِعْتُ أَحَدًا يَسْأَلُ عَنْ هٰذَا إِلَّا رَجُلًا سَمِعْتُهُ يَسْأَلُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا قَاعِدٌ عِنْدَهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ شَهْرٍ تَأْمُرُنِي أَنْ أَصُومَ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ إِنْ كُنْتَ صَائِمًا بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ فَصُمِ الْمُحَرَّمَ فَإِنَّهُ شَهْرُ اللهِ فِيهِ يَوْمٌ تَابَ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ وَيَتُوبُ فِيهِ عَلَى قَوْمٍ آخَرِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے صرف ایک آدمی کے علاوہ کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے نہیں سنا میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے رمضان کے علاوہ کون سے مہینے میں روزے رکھنے کا حکم دیتے ہیں فرمایا اگر رمضان کے بعد روزہ رکھنا چاہے تو محرم کے روزے رکھا کرو کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اس میں ایک ایسا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی تھی اور اس دن دوسری قوم کی بھی توبہ قبول کرے گا امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: **شهر الله:** اللہ کا مہینہ یہ اضافت تشریف کے لئے ہے۔ اور ایام میں افضل دن عشرہ ذی الحجہ کے ہیں اور سال میں سب دن سے افضل یوم عرفہ کا ہے۔ اور ہفتہ میں سب سے افضل دن جمعہ کا ہے۔

ترجمۃ الباب میں امام ترمذیؒ کا مقصد مطلق صوم محرم کی فضیلت کو بیان کرنا ہے نہ کہ صوم عاشورہ کی فضیلت کو اس لئے کہ اس کی فضیلت کے لئے امام ترمذیؒ نے آگے مستقل باب قائم کیا۔

سوال: جب محرم کے روزوں کو رمضان کے بعد تمام مہینوں کے روزوں پر فضیلت حاصل ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محرم کے مہینے کے بجائے شعبان میں کثرت سے روزے کیوں رکھتے تھے۔

جواب: علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صیام محرم کی اس درجہ فضیلت کا علم اپنی حیات مبارکہ کے آخر میں ہوا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ محرم میں اعذار مثلاً اسفار اور امراض کی زیادتی کی بناء پر آپ بکثرت روزے نہ رکھ سکتے ہوں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى وَطَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدِ اسْتَحَبَّ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ صِيَامَ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَإِنَّمَا يُكْرَهُ أَنْ يَصُومَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لَا يَصُومُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مہینے کے ابتدائی تین دن روزہ رکھتے اور جمعہ کے دن بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے سے نہ ہوں اس باب میں ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث عبداللہ حسن غریب ہے اہل علم کی ایک جماعت نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو مستحب کہا ہے ان کے نزدیک جمعہ کا روزہ اس صورت میں رکھنا کہ اس میں اور بعد کوئی روزہ نہ رکھے تو یہ مکروہ

قَالَ وَرَوٰى شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ. ہے یہ حدیث شعبہ نے عاصم سے موقوف روایت کی ہے۔

تشریح: يصوم من غرّة: غرّة پیشانی کو کہتے ہیں اس سے مراد قمری مہینے کے شروع کے تین دن یا ایام بیض کے تین ایام تیرہ، چودہ، پندرہ کی تاریخیں ہیں۔تو پھر غرّة کا معنی واضح ہے کہ تیرہ، چودہ، پندرہ چاندنی روشن ہوتی ہیں۔کیونکہ ان دنوں میں چاند مکمل ہوتا ہے اور یہ راتیں مہینے کی بقیہ راتوں سے زیادہ روشن ہوتی ہیں۔ مہینے کی آخری تین راتوں میں تاریخیں نہیں ہوتی پھر جب چاند نمودار ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ روشنی ہوتی ہے اس لئے ابتدائی دن بھی غرہ ہیں۔ اور غرۃ کے اصل معنی ہیں گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی پس مہینے کے شروع کی تین راتیں مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

باقی رہا جمعہ کے روزہ تو اس بارے میں دو قسم کی روایات ہیں بعض روایات میں اس کی فضیلت وارد ہوتی ہے اور بعض روایات میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ جو جمعہ کی تخصیص کرتا ہو اس کیلئے جائز نہیں یعنی ممانعت ہے اور کوئی تخصیص نہ کرے کبھی کسی دن روزہ رکھے اور کبھی کسی دن اور ان دنوں میں کبھی جمعہ بھی آجائے تو یہ ممنوع نہیں کیونکہ شرعاً اعمال دو قسم کے ہیں۔ بعض کیلئے وقت مقرر ہے انکے وقت میں تصرف کرنا جائز نہیں اور بعض کیلئے شریعت نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا ان کیلئے اپنی طرف سے تخصیص کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اس بناء پر جمعہ کے روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کے بارے میں ائمہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک جمعہ کا تنہا روزہ رکھنا بلا کراہت جائز ہے اگر چہ اس سے پہلے اور بعد کوئی روزہ نہ رکھے۔

قول ثانی: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک جمعہ کا تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے تاوقتیکہ اس سے پہلے یا اس سے بعد کوئی روزہ نہ رکھا جائے۔

شوافع کی دلیل: آگے **باب ما جاء فی کراھیة صوم یوم الجمعة وحدہ** میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے

قال قال رسول الله ﷺ لا یصوم احد کم یوم الجمعة الا أن یصوم قبله او یصوم بعدهٗ۔

جواب: اس کے جواب میں حنفیہ نے کہا کہ یہ حکم ابتداء اسلام کا ہے اس وقت خطرہ یہ تھا کہ جمعہ کے دن کو اس کام کے لئے مخصوص نہ کرلیا جائے اور باقی ایام میں چھٹی کرلی جائے لیکن بعد میں جب یہ احکام راسخ ہو گئے تو یہ حکم ختم کر دیا گیا۔ اور جمعہ کے دن بھی روزے رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح شروع میں یوم السبت کا روزہ رکھنے سے منع کر دیا تھا۔

دلیل: حنفیہ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

اس مسئلہ میں علامہ عینیؒ نے اور اقوال بھی نقل کئے ہیں جو مختصراً بیان کئے جاتے ہیں۔

قول اوّل: مطلقاً مکروہ ہے یہ قول ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ، زہریؒ اور مجاہدؒ کا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔

قول ثانی: مطلقاً مباح ہے اور جواز بلا کراہت ہے۔

قول ثالث: صرف افراد کی صورت میں کراہت ہے اگر اس سے پہلے یا اس کے بعد روزہ رکھا تو مکروہ نہیں ہے یہ قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ محمد بن سیرینؒ، طاؤسؒ، امام ابو یوسفؒ اور مالکیہ میں ابن العربیؒ کا بھی ہے۔

قول رابع: یہ قول ابن حزم ظاہری کا ہے کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے مگر وہ شخص جمعہ سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد

روزہ رکھے تو اس کے لئے حرام نہیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۱۱، ص ۱۰۴۔۱۰۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَحْدَهُ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَصُومُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُومَ قَبْلَهُ أَوْ يَصُومَ بَعْدَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ وَجُنَادَةَ الْأَزْدِيِّ وَجُوَيْرِيَةَ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ لِلرَّجُلِ أَنْ يَخْتَصَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ لَا يَصُومُ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی صرف جمعہ کا روزہ نہ رکھے بلکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی روزہ رکھے اس باب میں حضرت علی جابر جنادۃ ازدی جویریہ انس اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ کوئی شخص جمعہ کا دن روزے کے لئے مخصوص کرے تو یہ مکروہ ہے کہ نہ تو اس سے پہلے روزہ رکھے اور نہ ہی بعد میں، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب کے بارے میں اختلافی مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حنفیہ کے قول اور حدیث الباب میں یہ تطبیق بیان کی ہے کہ اگر تخصیص کا وہم ہو یا فضیلت کا وہم ہو تو صرف جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے اگر اسی طرح کا کوئی وہم پیدا نہ ہو تو پھر جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ السَّبْتِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيْبٍ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ أُخْتِهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُومُوا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيمَا افْتَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ أَوْ عُودَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضُغْهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَمَعْنَى الْكَرَاهَتِهِ فِي هٰذَا أَنْ يَخْتَصَّ الرَّجُلُ يَوْمَ السَّبْتِ بِصِيَامٍ لِأَنَّ الْيَهُودَ يُعَظِّمُونَ يَوْمَ السَّبْتِ.

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ اپنی بہن سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہفتے کے دن فرض روزوں کے علاوہ کوئی روزہ نہ رکھا کرو پس اگر کسی کو اس دن انگور کی چھال یا کسی درخت کی لکڑی کے علاوہ کچھ نہ ملے تو اسے ہی چبا لے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اور اس دن میں کراہت کو مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص روزہ رکھنے کے لئے ہفتے کا دن مخصوص نہ کرے کیونکہ یہودی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں۔

تشریح: ہفتہ کے دن روزہ رکھنا فی نفسہ تو جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے اس دن کا روزہ رکھنا ثابت ہے۔ باقی حدیث

الباب میں ہفتہ کا روزہ رکھنے سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس میں یہود کی مشابہت لازم آتی ہے کیونکہ وہ ہفتہ کے دن روزہ رکھتے تھے جمہور کے نزدیک یہ نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے۔

الا فیما افترض علیکم: یہ استثناء عام ہے خواہ فرض ہو یا نذر کا روزہ ہو یا قضاء کا ہو یا کفارہ کا ہو یا وہ روزہ جو اس کے موافق آجائے جیسے یوم عرفہ کا دن ہفتہ کو آجائے یا عاشورہ کا روزہ ہفتہ کو آجائے تو پھر یہ روزہ رکھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔

فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ہفتہ کے دن روزہ رکھ لیا تو اسے چاہیے کہ اگر اسے کچھ نہ ملے تو انگور کے درخت کی چھال یا درخت کی لکڑی چبا کر افطار کرے۔

روایات میں تعارض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس سے یہودیوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔ جبکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ **"کان رسول الله ﷺ یصوم یوم السبت ویوم الاحد اکثر ما یصوم من الایام"** اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ہفتہ کے دن روزہ رکھتے تھے تو دونوں احادیث میں تعارض ہے اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے دن بھی روزہ رکھ سکتے تھے اور مذکورہ حدیث میں ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے ہے۔

جواب ثانی: ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت اس دن کی تعظیم کی وجہ سے ہے اور اجازت اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر رکھنے میں ہے کیونکہ اس سے بھی ظاہراً یہود و مشرکین کی مخالفت لازم آئے گی بایں طور کہ یہ دونوں گروہ مشرک تھے اور ان کے مقابلے میں ہم موحد ہیں۔ لہٰذا مخالفت واضح ہے۔

جواب ثالث: اکیلے ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی ممانعت ہے اگر اسکے ساتھ دوسرے دنوں کو شامل کرلیا جائے تو پھر ممانعت نہیں ہے۔

اس حدیث کے راوی عبداللہ بن بسر صحابی صغیر ہیں اور ان کی بہن کا نام صماء ہے وہ بھی صحابیہ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ يَوْمِ الاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ الْفَلَّاسُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ عَنْ ثَوْرِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى صَوْمَ الاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ وَفِي الْبَابِ عَنْ حَفْصَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر اور جمعرات کو خاص طور پر روزہ رکھتے تھے۔ اس باب میں حضرت حفصہ ابوقتادہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ اس سند سے حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مہینے ہفتہ، اتوار اور پیر کا

عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْأَحَدَ وَالِاثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْآخَرِ الثُّلَاثَاءَ وَالْأَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيسَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سُفْيَانَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

روزہ رکھتے اور دوسرے ماہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث مبارک حسن ہے عبدالرحمن بن مہدی نے یہ حدیث سفیان سے غیر مرفوع روایت کی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حضرت ابوہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں تو میں روزہ سے ہوں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ اس باب میں حسن غریب ہے۔

تشریح: پیر اور جمعرات کے روزہ رکھنے کے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ ان دو دنوں میں روزہ رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ ان دنوں میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور پیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اور آپ ﷺ اس دن مبعوث ہوئے۔ اسی دن آپ ﷺ ہجرت کر کے قباء پہنچے ان خصوصیات کی بناء پر پیر کے دن کو دوسرے ایام پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ سے سوموار کے دن کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **فیه ولدت و فیه انزل علی.** (مسلم شریف جلد ۱ ص ۳۶۸)

قوله تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس: رفع اعمال کے بارے میں مختلف احادیث مروی ہیں۔ بعض روایات میں مروی ہے کہ رات کے اعمال دن سے پہلے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ حدیث الباب کے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے۔

ان روایات میں اختلاف ہے بعض حضرات نے ان میں تطبیق کی کوشش کی ہے کہ روایات میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ کسی وقت اجمالی طور پر اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور کسی وقت تفصیلی طور پر۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روایات میں یہ اختلاف انواع اعمال کے اختلاف کی بناء پر ہو یعنی ایک قسم کے اعمال کسی خاص وقت میں پیش کئے جاتے ہوں اور دوسری قسم کے اعمال کسی دوسرے وقت میں پیش کئے جاتے ہوں۔

بعض حضرات نے کہا کہ بعض ایام میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور دوسرے بعض ایام میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اختلاف روایات اسی پر محمول ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۴۲۷۔۴۲۸)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الْأَرْبِعَاءِ وَالْخَمِيسِ

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْحَرِيرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَدُّوَيْهِ

حضرت عبیداللہ مسلم قریشی اپنے والدؓ سے روایت کرتے ہیں فرماتے

قَالَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ سَلْمَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ الْمُسْلِمِ الْقُرَشِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ إِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ثُمَّ قَالَ صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِي يَلِيهِ وَكُلَّ أَرْبَعَاءَ وَخَمِيسٍ فَإِذَا أَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ وَأَفْطَرْتَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ مُسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوٰى بَعْضٌ عَنْ هَارُونَ بْنِ سَلْمَانَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ.

ہیں کہ انہوں نے یا کسی اور نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا سال روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا فرمایا تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے پھر فرمایا رمضان کے روزے رکھو پھر شوال کے (یعنی چھ روزے) اور اس کے بعد ہر بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھ لیا کرو اگر تم نے ایسا کیا تو گویا کہ تم نے سارے سال کے روزے بھی رکھے اور افطار بھی کیا۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ مسلم قرشی کی حدیث غریب ہے۔ یہ حدیث بعض حضرات ہارون بن سلیمان سے بحوالہ مسلم بن عبیداللہ اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ماقبل باب میں سوموار اور جمعرات کے روزوں کی فضیلت کا بیان تھا اس باب میں بدھ اور جمعرات کے روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔

کسی خاص دن کے روزے کے مستحب ہونے کے بارے میں آسان اصول ہے کہ ہر وہ روزہ جس کے بارے میں کوئی حدیث مروی ہو اور اس میں کفار کے ساتھ مشابہت بھی نہ ہو تو وہ روزہ مستحب ہے۔

والذی یلیه: اس سے مراد شوال کے چھ روزے ہیں۔ اب **صمت الدهر** کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے روزے تو **من جاء بالحسنة فله عشر امثالها** کے قاعدہ سے دس مہینوں کے روزوں کے برابر ہیں اور عید کے بعد کے چھ روزے اسی قاعدہ سے دو ماہ کے روزوں کے برابر ہیں اس طرح یہ بارہ مہینوں کے روزوں کے برابر ہو گئے جو شخص اس مذکورہ عمل پر مواظبت کرتا رہے وہ شریعت کی نگاہ میں صائم الدھر کہلوائے گا۔

جب ان روزوں سے صوم الدھر پورے ہو جاتے ہیں تو پھر بدھ اور جمعرات کے روزے کی فضیلت کہاں جائے گی تو اس پر بعض نے کہا کہ ان صوم الدھر کے روزوں میں جو کمی ہو جاتی ہے وہ ان دو روزوں سے پوری کر دی جاتی ہے۔ وگرنہ صوم الدھر کے روزوں کی فضیلت حاصل کرنا ان دو روزوں پر موقوف نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں **من صام من کل شهر ثلاثة ایام فذالك صیام الدهر** اس روایت میں بھی اصل ہی کو ذکر کیا گیا ہے کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھنا صوم دھر کے روزوں کے مساوی ہیں اس اعتبار سے کہ ہر تین روزے مہینے کے برابر ہیں جب کوئی مہینہ تین روزوں سے خالی نہیں ہوگا تو صیام الدھر کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ یہاں پر جمعرات اور بدھ کا ذکر نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ قَالَا حَدَّثَنَا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم

حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْبَدٍ الزِّمَّانِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدِ اسْتَحَبَّ أَهْلُ الْعِلْمِ صِيَامَ يَوْمِ عَرَفَةَ إِلَّا بِعَرَفَةَ.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ معاف فرما دے۔ اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوقتادہؓ کی حدیث حسن ہے۔ علماء کے نزدیک یوم عرفہ کا روزہ مستحب ہے مگر میدان عرفات میں نہ ہو۔ (یعنی جب میدان عرفات میں ہو تو مستحب نہیں)

حضرت اس باب میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت کو بیان کر رہے ہیں۔ یوم عرفہ سے مراد نو ذی الحجہ کا روزہ ہے یہ روزہ بالاجماع مسنون ہے البتہ حجاج کے لئے بعض حضرات نے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ حجاج کے لئے یہ روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے حجاج کو حج کے ارکان کی ادائیگی میں خلل آئے گا روزہ رکھ کر کمزوری آئے گی اس وجہ سے حاجیوں کے لئے مکروہ کہا ہے۔ بہرحال اس روزہ کی فضیلت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ عرفہ کے دن حاجیوں کے لئے روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے، ان کے لئے روزہ رکھنا اولیٰ ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے جس کا ذکر آئندہ باب میں آرہا ہے۔

احتسب على الله أن يكفر السنة: اس جملہ میں دو باتیں متضاد معلوم ہوتی ہیں احتسب سے اس کی امید لگانا دوسرے علی اللہ کسی چیز کا اللہ کے ذمہ واجب ہونا یہ دونوں باتیں جدا جدا ہیں۔ اس کی وضاحت یوں سمجھیں ایک فعل وہ ہے جو شعور والا ہے وہ ہر انسان کو سمجھ میں آجاتا ہے اور ایک فعل وہ ہوتا ہے جو لاشعور ہوتا ہے۔ اس کے لئے قواعد کی رو سے اس کا صلہ لاتے ہیں۔ یہاں حدیث میں شعور احتسب ہے کیونکہ اللہ کے ذمہ کوئی چیز واجب نہیں ثواب کی امید باندھی جاسکتی ہے اگر اس کا صلہ لائیں گے تو **من** آئے گا عبارت یوں ہوگی **اى احتسب من الله** اور لاشعور میں فعل یجب آتا ہے اور اس کا صلہ علی آتا ہے "**اى يجب على الله**" اب اس فعل کو ذکر اسلئے نہیں کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں کہ ان پر کسی چیز کو واجب قرار دے دیں۔ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ اور **احتسب** اللہ کے شایان شان ہے بندے اس کے فضل و کرم کی امید باندھ سکتے ہیں اسلئے اس کو ذکر کیا۔ اس تفصیل کے پیش نظر ہم نے اللہ کے فضل سے جو امید باندھی ہے اللہ ہمیں اس سے مایوس نہیں کرینگے۔ اس حدیث میں علی لاشعور میں جو فعل ہے اسکا صلہ ہے اور یہ بتانے کیلئے لایا گیا ہے کہ عرفہ کے دن روزہ پر جس ثواب کا اللہ کی طرف سے وعدہ ہے وہ یقینی طور پر مل کر رہے گا۔

بَاب كَرَاهِيَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْطَرَ بِعَرَفَةَ وَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أُمُّ الْفَضْلِ بِلَبَنٍ فَشَرِبَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَأُمِّ الْفَضْلِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَجَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَصُمْهُ يَعْنِي يَوْمَ عَرَفَةَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ فَلَمْ يَصُمْهُ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَصُمْهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ الْإِفْطَارَ بِعَرَفَةَ لِيَتَقَوَّى بِهِ الرَّجُلُ عَلَى الدُّعَاءِ وَقَدْ صَامَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَوْمَ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ قَالَ حَجَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَصُمْهُ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ فَلَمْ يَصُمْهُ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَصُمْهُ وَمَعَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَصُمْهُ وَأَنَا لَا أَصُومُهُ وَلَا آمُرُ بِهِ وَلَا أَنْهَى عَنْهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو نَجِيحٍ اسْمُهُ يَسَارٌ وَقَدْ سَمِعَ مِنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

خدمت میں دودھ بھیجا تو آپ ﷺ نے پی لیا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابن عمر اور ام فضل رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ تو آپ ﷺ نے عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ نے بھی روزہ نہیں رکھا اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ عرفہ میں روزہ نہ رکھنا مستحب ہے تاکہ انسان کو ذکر و اذکار میں قوت حاصل رہے۔ بعض اہل علم نے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھا ہے۔

حضرت ابن ابی نجیح اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کیا آپ ﷺ نے روزہ نہیں رکھا (یعنی عرفہ کے دن) اور اسی طرح میں نے حج کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان میں سے کسی نے بھی اس دن کا روزہ نہیں رکھا پس میں اس دن روزہ نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی کو اس کا حکم دیتا یا اس سے منع کرتا ہوں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے ابونجیح کا نام یسار ہے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سنی ہے۔ ابن ابی نجیح نے اس حدیث کو ابونجیح اور ایک دوسرے راوی کے واسطہ سے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

تشریح: حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک اگر حاجیوں کو عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے عرفہ کے کاموں میں خلل پڑے تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے اگر کوئی خلل نہ آئے تو پھر روزہ رکھ سکتا ہے۔

جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت اسامہؓ عرفہ کے میدان میں روزہ رکھتے تھے اور حضور ﷺ، خلفاء راشدینؓ عرفہ کے دن اس لئے روزہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ امیر المومنین تھے ان کے ذمہ بہت کام ہوتے تھے۔ نیز وہ مقتدی بھی تھے ان کے فعل کی پیروی کی جاتی تھی اس لئے لوگوں کی سہولت کے لئے یہ حضرات عرفہ کے میدان میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے عرفہ کے دن روزہ نہیں رکھا ان کے روزہ نہ رکھنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سب لوگ روزہ رکھتے اور سب حاجیوں کیلئے میدان عرفات میں روزہ رکھنا ایک مشکل کام ہے۔

جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ مزدلفہ کی رات میں قصداً تہجد نہیں پڑھا کرتے تھے تا کہ لوگ اس نماز کو ضروری خیال نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد پڑھنے کا معمول تھا لیکن لوگوں کی مصلحت کی وجہ سے اس موقع پر نہ پڑھتے۔ اسی طرح کی مصلحت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان عرفہ میں روزہ نہیں رکھا تھا تا کہ بعد میں آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔

اس باب کی پہلی حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ام الفضلؓ نے تحقیق کے لئے آپ ﷺ کے پاس دودھ بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمالیا معلوم ہوا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ نہیں تھا۔ اگر یوں کہا جائے کہ اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ عدم فعل سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْبَدٍ الزِّمَّانِيِّ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ إِنِّي أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدِ بْنِ صَيْفِيٍّ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَهِنْدِ بْنِ أَسْمَاءَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ ابْنِ عَفْرَاءَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَلَمَةَ الْخُزَاعِيِّ عَنْ عَمِّهِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ ذَكَرُوا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ حَثَّ عَلَى صِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ قَالَ أَبُو عِيسَى لَا نَعْلَمُ فِي شَيْءٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ قَالَ صِيَامُ يَوْمِ عَاشُورَاءَ كَفَّارَةُ سَنَةٍ إِلَّا فِي حَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ وَبِحَدِيثِ أَبِي قَتَادَةَ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص یوم عاشوراء (یعنی محرم کی دس تاریخ) کا روزہ رکھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ سال کے تمام گناہ معاف فرمادے۔ اس باب میں حضرت علی، محمد بن صیفی، سلمہ بن اکوع، ہند بن اسماء، ابن عباس، ربیع بنت معوذ بن عفرا، عبدالرحمٰن بن سلمہ خزاعی عن عمہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ عبدالرحمٰن بن سلمہ خزاعی رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عاشوراء کے روزے کی ترغیب دی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں یہ الفاظ مذکور نہیں کہ عاشورے کا روزہ پورے سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام احمد اور اسحاق بھی حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے قائل ہیں۔

تشریح: اس باب میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے جو ماقبل میں بھی گزر چکی ہے اس میں یہ مضمون بھی ہے کہ عاشورہ کے روزے سے ایک سال کے گناہ معاف ہوں گے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کا ثواب یوم عاشور کے روزے سے دوگنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ یوم عاشور یہ منسوب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور یوم عرفہ کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف ہے، لہٰذا یوم عرفہ افضل ہوا۔ (فتح الباری جلد ۵ ص ۲۱۶)

عاشوراء: عشر سے ماخوذ ہے یہ مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے وزن فاعولاء کی طرح ابومنصور الجوالیقی فرماتے ہیں کہ میں نے اس

طرح وزن کا نام نہیں سنا۔ اس کے مناسب الفاظ، ضاروراء، ساروراء، دالولاء ہیں۔ ابن دحیہ نے ایک لفظ اور بھی استعمال کیا ہے خابوراء یہ جگہ کا نام ہے یہ قصر کے ساتھ بھی نقل کی جاتی ہے۔

اختلافی مسئلہ: صوم عاشور رمضان کی فرضیت سے قبل فرض تھا یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ اس بات پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ صوم یوم عاشور مستحب ہے اور اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ صیام رمضان کی فرضیت سے پہلے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عاشور کا روزہ رکھا کرتے تھے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت عاشور کا روزہ فرض تھا لیکن جب رمضان کا روزہ فرض ہوا تو عاشور کے روزے کی فرضیت ختم ہوگئی۔ اب اس کا صرف استحباب باقی رہ گیا۔ (کمافی العمدۃ جلد ۸ /۱۱۱)

قول ثانی: شوافع حضرات کے نزدیک عاشورہ کا روزہ پہلے سنت تھا اور صوم رمضان کی فرضیت کے بعد یہ صرف مستحب رہ گیا ان کا یہ قول مشہور ہے البتہ دوسرا قول حنفیہ کے مطابق ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: اگلے باب کی روایت اور یہی روایت صحیح مسلم، صحیح بخاری اور ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے قالت کان یوم عاشوراء تصومه قریش فی الجاهلیة و کان رسول الله ﷺ یصومه فی الجاهلیة فلما قدم المدینة صامه وامر بصیامه فلما فرض رمضان ترك یوم عاشوراء فمن شاء صامه و من شاء ترکه. صحیح بخاری (ج۱،ص۲۶۸) (ابوداؤد جلد اول ص۳۳۳)

باب صیام یوم عاشوراء مسلم شریف باب صوم عاشوراء جلد ۱ ص ۳۵۷۔۳۵۸) اسلام سے پہلے قریش بھی یہ روزے رکھتے تھے اور حضور بھی جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت آپ ﷺ روزہ رکھتے اور روزہ رکھنے کا حکم کرتے تھے لیکن جب رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم آیا تو صوم عاشور ترک کر دیا پس جو چاہے وہ یہ روزے رکھے اور جو چاہے روزے نہ رکھے۔

دلیل ثانی: آگے باب ''باب ما جاء فی الرخصة فی ترك صوم یوم عاشوراء'' میں بھی یہ الفاظ مروی ہیں فلما افترض رمضان کان رمضان هو الفریضة اس طرح موطا امام مالک، سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۳۳۱ باب فی صوم یوم عاشوراء میں یہ الفاظ ہیں فلما فرض رمضان کان هو الفریضة۔

دلیل ثالث: حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے مروی ہے قال امر النبی ﷺ رجلاً من اسلم أن أذن فی الناس أن من کان أکل فلیصم بقیة یومه ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء. (صحیح بخاری ج۱ص۲۶۸)

دلیل رابع: اسی طرح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے قال قدم النبی ﷺ المدینة فرأی الیهود تصوم یوم عاشوراء فقال: ما هذا؟ قالوا: هذا یوم صالح هذا یوم نجی الله بنی اسرائیل من عدوهم، فصامه موسیٰ، قال: فانا احق بموسیٰ منکم، و صامه وأمر بصیامه. (بخاری ج۱ص۲۶۸)

دلیل خامس: عن عبدالرحمٰن بن مسلمة عن عمه أن أسلم أتت النبی ﷺ فقال صمتم یومکم هذا؟ قالوا: لا قال فاتموا بقیة یومکم واقضوه قال ابوداؤد یعنی یوم عاشور سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۳۳۹ باب فی فضل صومه۔

دلیل سادس: حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال بعثنی رسول اللہ ﷺ یوم عاشوراء فقال: ائت قومك فمرهم أن يصوموا هذا اليوم: قال يا رسول الله! ما أراني آتيهم حتى يطعموا؟ قال من طعم منهم فليصم بقية يومه. (مجمع الزوائد ج۳، ص ۱۸۵)

شوافع کی دلیل: ان کا استدلال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے سمعت رسول الله ﷺ يقول هذا يوم عاشوراء ولم يكتب الله عليكم صيامه وأنا صائم فمن شاء فليصم فمن شاء فليفطر۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک یہ روایت صوم رمضان کی فرضیت کے بعد پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ صَوْمِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُورَاءُ يَوْمَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيضَةُ وَتَرَكَ عَاشُورَاءَ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَقَيْسِ بْنِ سَعْدٍ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَمُعَاوِيَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى حَدِيثِ عَائِشَةَ وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ لَا يَرَوْنَ صِيَامَ عَاشُورَاءَ وَاجِبًا إِلَّا مَنْ رَغِبَ فِي صِيَامِهِ لِمَا ذُكِرَ فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو صرف رمضان کے روزے فرض رہ گئے اور عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی۔ پھر جس نے چاہا رکھ لیا اور جس نے چاہا چھوڑ دیا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، قیس بن سعد، جابر بن سمرہ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اہل علم کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث پر ہی عمل ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اہل علم کے نزدیک یوم عاشوراء کا روزہ واجب نہیں البتہ جس کا جی چاہے وہ رکھ لے کیونکہ اس کی بہت فضیلت ہے۔

تشریح: جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو یہ عاشوراء کا روزہ منسوخ ہو گئے قاعدہ ہے کہ جو حکم تخفیف کے طور پر منسوخ کیا جاتا ہے نسخ کے بعد بھی اس کا استحباب باقی رہتا ہے عاشوراء کے روزے کی فرضیت بھی آسانی کے لئے ختم کی گئی کیونکہ ایک سال میں دومرتبہ روزوں کی فرضیت امت پر بھاری ہے۔ پس نفس استحباب باقی رہے گا اور اس پر اتفاق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَاشُورَاءَ أَيُّ يَوْمٍ هُوَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ

حکم بن اعرج سے روایت ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ

حَاجِبِ بْنِ عُمَرَ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ الْأَعْرَجِ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ رِدَاءَهُ فِي زَمْزَمَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ يَوْمِ عَاشُورَاءَ أَيُّ يَوْمٍ أَصُومُهُ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ فَاعْدُدْ ثُمَّ أَصْبِحْ مِنْ يَوْمِ التَّاسِعِ صَائِمًا قَالَ قُلْتُ أَهٰكَذَا كَانَ يَصُومُهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ.

عنہما کے پاس گیا وہ زمزم کے پاس اپنی چادر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے کہا کہ مجھے عاشوراء کے متعلق بتایئے کہ وہ کونسا دن ہے۔ انہوں نے فرمایا جب تم محرم کا چاند دیکھو تو دن گننا شروع کر دو اور نویں دن روزہ رکھو میں نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی دن روزہ رکھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا! ہاں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَوْمِ عَاشُورَاءَ يَوْمَ الْعَاشِرِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ يَوْمُ التَّاسِعِ و قَالَ بَعْضُهُمْ يَوْمُ الْعَاشِرِ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ صُومُوا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ وَخَالِفُوا الْيَهُودَ وَبِهٰذَا الْحَدِيثِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ دس محرم کو رکھنے کا حکم دیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا عاشورہ کے دن میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک نو محرم اور بعض دس محرم کو عاشورہ کا دن کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ امام شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

تشریح: یوم عاشور کون سا دن ہے آیا یہ دن دس تاریخ کو ہے یا نو تاریخ کو۔ یہاں باب میں دو احادیث نقل کی ہیں دونوں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہیں۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم عاشوراء نو تاریخ کو ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دس تاریخ کو یوم عاشور ہے۔ بہر حال عاشورہ دس تاریخ کو ہے۔ باقی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو منقول ہے کہ نو تاریخ کو عاشورہ ہے یہ دراصل راوی کی غلطی ہے۔

راوی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات سمجھنے میں غفلت کی ہے۔ حضرت ابن عباس کی اصل بات یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ یوم عاشور سے ایک دن پہلے روزہ رکھو یا ایک دن بعد روزہ رکھو تا کہ یہود کی مخالفت ہو۔ اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کا یہ مطلب تھا کہ دس تاریخ کے ساتھ نو تاریخ کو بھی رکھو اور راوی نے بات کا غلط مطلب سمجھا اور تعبیر دوسرے طریقہ سے کر دی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صوم عاشور کے بارے میں یہ ذکر کی گئی ہے "**صوموا وصوموا قبله يومًا أو بعده يومًا ولا تشبهوا باليهود**" ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی تائید مسلم شریف کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے۔ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لئن بقيت الى قابل لا صومن التاسع فمات قبل ذلك.** امام نوویؒ فرماتے ہیں یہ بات اس کے لئے صریح ہے کہ نو تاریخ کو روزہ نہیں رکھا۔ پس دسویں محرم روزے کیلئے متعین ہوگئی۔

سوال: عاشورہ کے دن یہودیوں کے روزہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس دن فرعون غرق ہوا تھا اور بنی اسرائیلیوں کو اس کے ظلم

وستم سے چھوٹ ملی تھی، اس دن کی یاد میں یہ لوگ عاشورہ کا دن مناتے ہیں اور وہ لوگ اپنی تاریخوں کا حساب شمسی مہینوں سے کرتے تھے۔ لہٰذا قیاس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے غرق فرعون کی تاریخ بھی شمسی حساب سے یاد رکھی ہوگی پھر دس محرم کو روزہ رکھنے اور یاد منانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے حالانکہ یہ دس محرم تو قمری ہے۔ جیسا کہ ابن حجرؒ فتح الباری میں نقل کرتے ہیں **إن جهلة اليهود يعتمدون فی صيامهم و اعيادهم حساب النجوم فالسنة عندهم شمسية لا هلالية** جلد ۴ ص ۲۱۵۔

جواب: یہودیوں کے ہاں شمسی تاریخ کا اعتبار ہوتا تھا لیکن جب یہ یہود عرب میں آباد ہوئے تو ان کے دو فرقے ہوگئے ایک تو بدستور شمسی تقویم پر عمل کرتا رہا اور دوسرے فرقہ نے اہل عرب کی اتباع میں قمری تاریخ کو اختیار کرلیا اس دوسرے فرقہ نے غالباً حساب لگا کر یہ معلوم کرلیا ہوگا کہ جس روز غرق فرعون کا واقعہ پیش آیا وہ قمری اعتبار سے کونسی تاریخ تھی ممکن ہے کہ اس حساب سے اس جماعت کو پتہ چلا ہو کہ وہ عاشوراء کا دن تھا چنانچہ اس جماعت نے اس دن عاشوراء کا روزہ رکھنا شروع کردیا۔ اس بات پر بھی ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔

سوال: سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ بات واضح طور پر لکھی ہوئی ہے کہ جس وقت آپ ﷺ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ گئے تو اس دن یہودیوں نے عاشوراء کا روزہ رکھا ہوا تھا حالانکہ روایات میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ہجرت مکہ سے مدینہ ربیع الاوّل کے مہینہ میں کی اور اسی ماہ میں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے۔

جواب اوّل: اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ میں جن لوگوں نے اس دن عاشوراء کا روزہ رکھا تھا یہ یہود کی وہ جماعت تھی جو اپنی تاریخ کا اعتبار شمسی تقویم کے اعتبار سے کرتے تھے اور یہ جماعت اس دن سورج کی تاریخ کے اعتبار سے غرق فرعون کی یاد منا رہی تھی۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۱۵ باب صیام یوم عاشوراء) **جواب ثانی:** حافظ ابن حجرؒ نے خود اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ **انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياماً يوم عاشوراء فقال لهم رسول الله ﷺ ما هذا اليوم الذی تصومونه**۔ اس حدیث اور اسکے علاوہ دوسری احادیث کے بارے میں جن میں یہ مذکور ہے کہ جس دن نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے اس دن یہود نے عاشوراء کا روزہ رکھا ہوا تھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عین اسی دن روزہ رکھا ہوا تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ربیع الاوّل میں مدینہ آنے کے بعد جب اگلے سال یوم عاشور (دس محرم) آیا اور یہود نے روزہ رکھا تو آپ کو دریافت کرنے پر علم ہوا کہ یہود بھی اس دن کی تعظیم کرتے ہیں الحاصل یہ کہ یہ علم آپؐ کو مدینہ آنے پر ہوا پہلے سے یہ علم نہیں تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِيَامِ الْعَشْرِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ وَرَوَى الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُهُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کئی راویوں نے اسی طرح اعمش سے روایت کیا ہے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ سفیان ثوریؒ وغیرہ بھی یہ حدیث منصور سے اور وہ ابراہیم سے

هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُرَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ وَرَوَى أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَائِشَةَ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ الْأَسْوَدِ وَقَدِ اخْتَلَفُوا عَلَى مَنْصُورٍ فِي الْحَدِيثِ وَرِوَايَةُ الْأَعْمَشِ أَصَحُّ وَأَوْصَلُ إِسْنَادًا قَالَ و سَمِعْتُ أَبَابَكْرٍ مُحَمَّدَ بْنَ أَبَانَ يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ الْأَعْمَشُ أَحْفَظُ لِإِسْنَادِ إِبْرَاهِيمَ مِنْ مَنْصُورٍ.

روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں روزے سے نہیں دیکھا گیا۔ ابوالاحوص، منصور سے وہ ابراہیم سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے اس میں اسود کا ذکر نہیں کیا۔ منصور کی روایت میں علماء کا اختلاف ہے جب کہ اعمش کی روایت اصح اور اس کی سند متصل ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے ابا بکر محمد بن ابان سے سنا وہ وکیع کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اعمش ابراہیم کی سند کے معاملے میں منصور سے زیادہ احفظ ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مَسْعُودُ بْنُ وَاصِلٍ عَنْ نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا صِيَامَ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مَسْعُودِ بْنِ وَاصِلٍ عَنِ النَّهَّاسِ قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ مِثْلَ هٰذَا و قَالَ قَدْ رُوِيَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا شَيْءٌ مِنْ هٰذَا وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ فِي نَهَّاسِ بْنِ قَهْمٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کی عبادت تمام دنوں کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ان ایام میں سے (یعنی ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں) ایک دن کا روزہ پورے سال کے روزوں اور رات کا قیام شب قدر کے قیام کے برابر ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو مسعود بن واصل کی اس روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہیں بھی اس سند کے علاوہ کسی اور طریق کا علم نہیں تھا ان کا کہنا ہے کہ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن مسیب سے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

تشریح: صیام العشر سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں ان دنوں میں سے نو دنوں کے روزے رکھنا افضل و مستحب ہے۔ دسویں ذی الحجہ کے دن روزہ رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ عید کا دن ہے اور عید کے دن روزہ حرام ہے۔ یہاں جو صیام العشر کہا ہے وہ تغلیبا کہا ہے۔ ان ایام میں آپ ﷺ سے خود روزے رکھنا ثابت ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باب میں تاویل ضروری ہے اور یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری میں یہ عشرہ واقع نہ ہوا ہو اور اگر واقع بھی ہوا ہو تو اس دفعہ نبی کریم ﷺ نے اس عشرہ میں روزے نہ رکھے ہوں اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کر دیا **مارأیت النبی ﷺ صائما فی العشر قط۔**

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَمَلِ فِي أَيَّامِ الْعَشْرِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

مُسْلِمٍ وَهُوَ ابْنُ أَبِي عِمْرَانَ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ.

فرمایا کہ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کئے گئے اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام ایام میں کئے گئے نیک اعمال سے زیادہ محبوب ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ان دس دنوں کے علاوہ اللہ کی راہ میں جہاد کرے تب بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں تب بھی انہی ایام کا عمل زیادہ محبوب ہے البتہ اگر کوئی شخص اپنی جان و مال دونوں چیزیں لے کر جہاد میں نکلا اور ان میں سے کسی چیز کے ساتھ واپس نہ ہوا (یعنی شہید ہو گیا) تو یہ افضل ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن غریب صحیح ہے۔

تشریح: عشرہ ذی الحجہ میں جو اعمال کئے جاتے ہیں ان کی فضیلت کے متعلق بہت ساری احادیث نقل کی گئی ہیں۔
حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ان ایام میں اعمال صالحہ خواہ وہ عمل روزوں کی قبیل سے ہوں یا تکبیرات کی قبیل سے ہوں وہ ان ایام میں افضل ہیں بقیہ ایام میں جہاد کرنا افضل ہے بنسبت دوسرے ایام میں جہاد کرنے سے۔
اس باب کی آخری حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بھی دن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا عشرہ ذی الحجہ میں عبادت کرنا محبوب ہے۔ اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ یہ مضمون صرف اسی حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث کی مسعود بن واصل سے اوپر یہی ایک سند ہے اور مسعود لین الحدیث ہے یعنی مضبوط راوی نہیں اور اس کا استاد نہاس بن قہم ضعیف راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِيَامِ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ بِسِتٍّ مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَثَوْبَانَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدِ اسْتَحَبَّ قَوْمٌ صِيَامَ سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ لِهٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ هُوَ حَسَنٌ مِثْلُ صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَيُرْوٰى فِي بَعْضِ الْحَدِيثِ

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں بھی چھ روزے رکھے تو یہ عمر بھر کے روزوں کی طرح ہے۔ اس باب میں حضرت جابر، ابوہریرہ اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابوایوب رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔ اہل علم اس حدیث کی وجہ سے شوال کے چھ روزوں کو مستحب کہتے ہیں۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ یہ روزے رکھنا ہر ماہ کے تین روزے رکھنے کی طرح بہتر ہے۔ مزید کہتے ہیں کہ بعض روایات میں مروی ہے کہ ان

وَيُلْحِقُ هٰذَا الصِّيَامُ بِرَمَضَانَ وَاخْتَارَ ابْنُ الْمُبَارَكِ أَنْ تَكُونَ سِتَّةَ أَيَّامٍ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ إِنْ صَامَ سِتَّةَ أَيَّامٍ مِنْ شَوَّالٍ مُتَفَرِّقًا فَهُوَ جَائِزٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَقَدْ رَوٰى عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَسَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُمَرَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا وَرَوٰى شُعْبَةُ عَنْ وَرْقَاءَ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ وَسَعْدُ بْنُ سَعِيدٍ هُوَ أَخُو يَحْيٰى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي سَعْدِ بْنِ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

روزوں کو رمضان کے روزوں کے ساتھ ملا کر رکھے۔ ابن مبارکؒ کے نزدیک مہینے کے شروع سے چھ روزے رکھنا مختار ہے البتہ ان کے نزدیک شوال میں متفرق ایام میں چھ روزے رکھنا بھی جائز ہے۔ یعنی ان میں تسلسل ضروری نہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالعزیز بن محمد، صفوان بن سلیم سے اور وہ سعد بن سعید سے یہ حدیث عمر بن ثابت کے حوالے سے روایت کرتے ہیں وہ ابوایوب رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ شعبہ بھی یہ حدیث ورقاء بن عمر سے اور وہ سعد سے روایت کرتے ہیں۔ سعد بن سعید، یحییٰ بن سعید انصاری کے بھائی ہیں۔ بعض محدثین نے سعد بن سعید کے حفظ میں کلام کیا ہے۔

تشریح: کسی نے رمضان کے روزے رکھے پھر شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ روزے اس کے لئے صیام الدھر کی طرح ہو گئے۔ یہ صوم الدھر کی حقیقی شکل نہیں بلکہ حقیقی صوم الدھر مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پورا سال روزے رکھے حتیٰ کہ ایام منہی عنھا کے پانچ روزے بھی رکھے اگر پانچ دنوں کے علاوہ پورے سال کے روزے رکھے تو اس میں ممانعت نہیں ہے۔ پھر بھی شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ ایسا روزہ رکھنے والا دو حال سے خالی نہیں یا تو روزہ دار کمزور ہوگا یا پھر اس کی کھانے پینے کی عادت ہو جائے گی صبح صادق سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد۔ اس لئے روزہ بے فائدہ ہوگا اور اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے صوم الدھر کو پسند نہیں فرمایا۔

صوم الدھر کی ایک صورت صوم داؤدی ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور ایک دن روزہ نہ رکھا جائے اسی طرح سال بھر روزے رکھ لے۔ حضور ﷺ نے اسی کو پسند کیا کیونکہ اس صورت میں نہ بھوکا رہنے کی عادت پڑے گی اور نہ روزہ سے کمزوری آئے گی۔

حدیث الباب میں صوم الدھر کی صورت یہ بنے گی کہ رمضان کے روزے تیس شمار کریں کیونکہ اگر ۲۹ بھی ہوئے تو تیس کا ثواب مل جائیگا اب تیس روزوں کا ثواب **الحسنة بعشر امثالها** کے پیش نظر تین سو دنوں کا ثواب حاصل ہوا۔ یعنی دس ماہ کا ثواب اور چھ شوال کے روزے بھی دو ماہ کے برابر ہوئے۔ تو یہ پورا سال بارہ ماہ کے روزے ہوئے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۴۴۴)

مسئلہ: شوال کے چھ روزوں کا حکم؟ اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، داؤد ظاہریؒ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مستحب ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنا مکروہ ہے امام ابویوسفؒ کے نزدیک بھی کراہت کا قول ہے۔

لیکن الحافظ قاسم بن قطلو بغا نے اپنے رسالہ میں ''تحریر الاقوال فی صوم ست من شوال'' میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا مسلک بھی شوافع اور امام احمد کے مطابق ان روزوں کے استحباب کا ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۲۵)

ان روزوں کے بارے میں یہ بھی اختلاف ہے کہ آیا ان روزوں کو لگاتار رکھا جائے گا یا تفریق کے ساتھ۔ امام ابویوسفؒ جدا

جدار کھنے کے قائل ہیں جبکہ بعض احناف کے نزدیک پے در پے رکھنا افضل ہے۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۴۴۳۔۴۴۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةً أَنْ لَا أَنَامَ إِلَّا عَلَى وِتْرٍ وَصَوْمَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَأَنْ أُصَلِّيَ الضُّحَى.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے تین چیزوں کا وعدہ لیا۔ ایک یہ کہ وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں دوسرا یہ کہ ہر مہینے کے تین روزے رکھوں اور تیسرا یہ کہ چاشت کی نماز پڑھا کروں۔

تشریح: حدیث الباب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کا عہد لیا ایک یہ کہ اس بات کا عہد لیا کہ میں وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں اور ہر ماہ میں تین روزے رکھوں اور چاشت کی نماز پڑھوں۔ ہر ماہ تین روزے رکھنا مستحب ہے یہ بھی صوم الدھر کی ایک شکل ہے کہ **الحسنة بعشرة امثالها** کی رو سے تین دن کے روزے تیس دن کے برابر ہوئے۔ لہٰذا ہر ماہ تین دن کے روزے رکھنا اس سے پورے ماہ کے روزے رکھنے کے برابر ثواب ملتا ہے۔

ثلاثة ایام من کل شهر: ایام بیض کسے کہتے ہیں اور ان کی وجہ تسمیہ: ایام بیض سے مراد چاندنی راتیں ہیں اور وہ تیرہ، چودہ اور پندرہ کی راتیں ہیں۔ ان راتوں کو بیض کیوں کہتے ہیں اس کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

الاوّل: اس لئے کہ ان راتوں میں چاندنی اول رات سے آخر رات تک رہتی ہے۔

الثانی: یا ایام بیض اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دلوں سے گناہوں کی تاریکی کو دور کرتے ہیں اور دل کو روشن کرتے ہیں۔

الثالث: اس وجہ سے ایام بیض کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو ان کا تمام بدن سیاہ ہو گیا تھا جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہیں حکم دیا گیا کہ ان دنوں میں تین روزے رکھو چنانچہ انہوں نے تیرہویں کو روزہ رکھا تو ان کا تہائی بدن سفید ہو گیا چودہویں کو روزہ رکھا تو دو تہائی بدن سفید و روشن ہو گیا اور جب پندرہویں کا روزہ رکھا تو تمام بدن سفید و روشن ہو گیا۔

ایام بیض کا مصداق: اس میں علماء کرام کے دس قول ہیں جن کو ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح میں اس طرح قلم بند کیا ہے۔

① اسکی کوئی تعیین نہیں اور تعین کرنا ناپسندیدہ ہے۔ ② مہینہ کے پہلے تین دن ایام بیض کہلاتے ہیں۔ ③ بارہویں تاریخ سے چودہویں تاریخ تک۔ ④ تیرہویں تاریخ سے پندرہویں تاریخ تک ⑤ مہینے کے پہلے ہفتہ کا پہلا دن پھر اس سے اگلے مہینے کا پہلا منگل یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ⑥ پہلے مہینے کی پہلی جمعرات پھر بعد والے مہینے کا پہلا سوموار ⑦ مہینہ کا پہلا سوموار اور جمعرات کا دن ⑧ مہینے کا پہلا دن اور دسویں اور بیسویں تاریخ ⑨ عشرے کا پہلا دن یہ ابن شعبان مالکیؒ سے منقول ہے ⑩ امام عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک قول باقی رہ گیا اور وہ ہے مہینے کے آخری تین دن "**فتلك عشرة كاملة**"۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۳۰۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّوْمِ

حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى الْقَزَّازُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ يَقُولُ كُلُّ حَسَنَةٍ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَالصَّوْمُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَإِنْ جَهِلَ عَلَى أَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ وَسَلَامَةَ بْنِ قَيْصَرٍ وَبَشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَةِ وَاسْمُ بَشِيرٍ زَحْمُ بْنُ مَعْبَدٍ وَالْخَصَاصِيَةُ هِيَ أُمُّهُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تمہارا رب فرماتا ہے کہ ایک نیکی (کا ثواب) دس گنا سے سات سو گنا تک ہے اور روزہ صرف میرے لئے ہے اس کا بدلہ میں ہی دونگا۔ روزہ آگ سے ڈھال ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ بہتر ہے اور اگر تم میں کوئی جاہل کسی روزے دار سے جھگڑنے لگے تو وہ اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اس باب میں حضرت معاذ بن جبل، سہل بن سعد، کعب بن عجرہ، سلامہ بن قیصر اور بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کا نام زحم بن معبد ہے، خصاصیہ ان کی والدہ ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْجَنَّةِ بَابٌ يُدْعَى الرَّيَّانَ يُدْعَى لَهُ الصَّائِمُونَ فَمَنْ كَانَ مِنَ الصَّائِمِينَ دَخَلَهُ وَمَنْ دَخَلَهُ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ریان ہے اس میں سے روزہ داروں کو بلایا جائے گا پس جو روزہ دار ہوگا وہ اس میں سے داخل ہوگا اور جو اس میں سے داخل ہو گیا وہ کبھی پیاسا نہ رہے گا۔ امام ابوعیسیٰؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ حِينَ يُفْطِرُ وَفَرْحَةٌ حِينَ يَلْقَى رَبَّهُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت دوسری اس وقت جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں اعمال کے ثواب کا ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر نیک عمل کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے۔ لیکن اس سے دو عمل مستثنیٰ ہیں۔ ① انفاق فی سبیل اللہ، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا ثواب سات سو گنا سے شروع ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ثواب کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سے سمجھائی ہے کہ گندم کا ایک دانہ

زمین میں بویا اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔ پس ایک دانے کے سات سو دانے ہوئے اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بھی ایسا ہی ہے جو کچھ خرچ کیا جائے اس کا سات سو گنا ثواب ملے گا اور اللہ جس کے لئے چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں یعنی اخلاص کی برکت سے اور موقع کے لحاظ سے یہ ثواب بڑھتا ہے اور اس میں زیادتی کی کوئی حد نہیں۔

دوسرا عمل جس کا کم از کم ثواب دس گنا ملتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ثواب کی کوئی حد نہیں۔ حدیث الباب میں ارشاد باری ہے ''الصوم لی و انا اجزی به'' کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دینے والا ہوں۔

سوال: صوم کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے کہ روزہ میرے لئے ہے حالانکہ ساری عبادات اللہ کیلئے ہوتی ہیں تو روزے کو کیوں خاص کیا اور اسی طرح وأنا اجزی به بھی کہا حالانکہ ہر عمل کی جزا تو اللہ تعالیٰ ہی دیتے ہیں پھر روزے کی جزا کو کیوں خاص کیا۔

جواب اوّل: ان الصوم لا یقع فیه الریاء کما یقع فی غیره روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں ریا کا دخل نہیں جبکہ اسکے مقابلے میں دوسری تمام عبادات ظاہر یہ میں ریا کا خطرہ ہے اسلئے روزے کی نسبت خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی۔

جواب ثانی: أنفرد بعلم مقدار ثوابه و تضعیف حسناته فجزاءہ موکول الیّ کہ اسکے ثواب کی مقدار اور اسکی وجہ سے ہونے والی تضعیف حسنات کو میں ہی جاننے والا ہوں جبکہ دوسری عبادات ایسی ہیں جن کی جزا کا باری تعالیٰ کے علاوہ بعض بندوں کو بھی علم ہے گویا روزے کی جزا بھی باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور روزے کے ثواب کی مقدار کا علم بھی باری تعالیٰ کو ہے۔

جواب ثالث: أن الاستغناء عن الطعام والشراب و غیرهما من الشهوات من صفات الرب جَلَّ جَلَالُه کھانا پینا وغیرہ اور شہوات سے استغناء صفات باری تعالیٰ میں سے ہے جب بندہ روزہ رکھتا ہے اور مفطرات ثلاثہ سے بچتا ہے تو ان صفات کی وجہ سے بندہ کو باری تعالیٰ سے خصوصی قرب حاصل ہوجاتا ہے۔

جواب رابع: ان الصیام لم یعبد به غیر الله بخلاف الصلوٰة و الصدقة والطواف۔ روزہ صرف اللہ کی عبادت کے لئے رکھا جاتا ہے، برخلاف دوسری عبادات کے کہ وہ غیر اللہ کے لئے بھی کی جاتی ہیں۔

جواب خامس: ان جمیع العبادات توفی منها مظالم العباد الا الصیام ظالم کے پاس روزہ کے علاوہ جتنی بھی عبادات ہیں یہ قیامت کے دن واجب الاداء حقوق کا کفارہ بنیں گی اور انکے ذریعے بندوں کے واجب الاداء حقوق چکائے جائینگے (جیسا کہ ترمذی جلد ثانی باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص میں ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے) یہاں تک کہ یہ تمام عبادات ختم ہوجائینگی اور صرف روزہ باقی رہ جائیگا تو روزے کو بقیہ حقوق کا کفارہ نہیں بنایا جائیگا بلکہ باری تعالیٰ اصحاب حقوق کو اپنی جانب سے بدلہ عطا فرمائیں گے اور ایسے روزہ کے بدلہ میں جنت میں داخل کردیا جائیگا اسی لئے فرمایا گیا الصوم لی و أنا اجزی به۔ (معارف السنن ج ۵ ص ۴۴۸)

جواب سادس: اکل و شرب سے استغناء اور بے نیازی صفات ملائکہ میں سے ہے جو خدا کی مقرب مخلوق ہے مؤمن جب روزہ رکھتا ہے تو وہ ملائکہ کے مشابہ ہونے کی بناء پر باری تعالیٰ کا مقرب ہوجاتا ہے۔

جواب سابع: روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو باری تعالیٰ کے لئے خاص ہے اور اس میں بندے کے لئے کسی قسم کا کوئی حصہ نہیں۔

جواب ثامن: الصوم لی کا مطلب ہے الصوم أحب العبادات الیّ والمقدم عندی۔

جواب تاسع: الصوم لی میں نسبت تعظیم کے لئے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے بیت اللہ اگرچہ تمام گھر باری تعالیٰ ہی کے ہیں۔

جواب عاشر: روزہ چونکہ ایک ایسی مخفی عبادت ہے جس پر سوائے باری تعالیٰ کے کوئی مطلع نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ روزہ فرشتوں سے بھی مخفی رہتا ہے اور کراماً کاتبین کے لکھنے میں بھی نہیں آتا۔

وَأَنَا أَجْزِي بِهِ: اس کو معروف ومجہول دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں ① معروف ہونے کی صورت میں اس کا معنی یہ بنے گا کہ دوسرے اعمال کا اجر فرشتے کے واسطے سے دیا جائے گا لیکن روزہ کا ثواب خود اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے دے گا۔ ② بعض حضرات نے "أجزی" کو مجہول پڑھا ہے اور معنی یہ کیا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور اسکی جزا میں خود ہوں، یہ توجیہ بہت عمدہ ہے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ تمام اعمال کے ثواب کی ایک حد مقرر کی گئی ہے اور وہ سات سو گنا تک ہے مگر صوم کے ثواب کی کوئی مقدار نہیں اللہ تعالیٰ بغیر حساب کے ثواب اور انعامات کی بارش برسا دے گا ③ ہر عمل کی مشقت ومحنت کا اندازہ فرشتوں کو ہو جاتا ہے مگر روزے دار کی پیاس وبھوک کا اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے اس لئے ثواب بھی اللہ ہی دے گا۔

وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ: روزہ میں بھوک لگنے کی وجہ سے انسان کے منہ سے جو بُو نکلتی ہے یہ بُو اللہ کے ہاں کستوری سے بھی زیادہ محبوب ہے جبکہ مسواک نہ کرنے کی وجہ سے جو رائحہ ہو اس کو اطیب نہیں کہا جاتا بلکہ وہ بخر کہلاتی ہے۔ اس جملہ کے مطلب میں چند اقوال ہیں۔

قول اوّل: مشک تمہارے نزدیک جتنی مقرب ہے خلوف الصائم اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ مقرب ہے۔ گویا یہ بات بطور استعارہ کے ذکر کی گئی ہے۔

قول ثانی: حق تعالیٰ آخرت میں روزہ کی جزا دے گا یہاں تک کہ روزے دار کے منہ کی بو اطیب من ریح المسک ہوگی۔

قول ثالث: بعض حضرات کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ صاحب صوم کو مشک سے افضل ثواب دیا جائے گا۔

قول رابع: اطیب سے رضاء خداوندی، قبولیت اور قرب الٰہی مراد ہے اس حالت میں بندہ اللہ کا محبوب ترین بن جاتا ہے۔

وَإِنْ جَهِلَ عَلَى أَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ: روزہ کی حالت میں بعض لوگوں کو غصہ بہت جلد آتا ہے ان کو ترکی بہ ترکی جواب نہیں دینا چاہیے بسا اوقات جواب میں حد سے تجاوز بھی ہو سکتا ہے اس لئے اگر کوئی غصہ کرے بھی تو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ بھائی میں روزے سے ہوں تمہارے ساتھ دماغ خوری نہیں کر سکتا۔

اس حدیث کے تحت مزید تین سوالات وجوابات ملاحظہ ہوں۔

يُدْعَى الرَّيَّانَ يُدْعَى لَهُ الصَّائِمُونَ: سوال: رمضان کے روزے تو سب مسلمان رکھتے ہیں پھر باب الریان سے روزہ داروں کو پکارنے کا کیا مطلب ہے۔

جواب: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزوں کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھتے ہوئے بکثرت نفل روزے رکھتے ہیں انہی کو باب الریان سے پکارا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ فرض نماز سب پڑھتے ہیں مگر بعض لوگ فرائض کے ساتھ نوافل بھی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور بعض لوگ صرف مشکل سے فرائض پڑھتے ہیں اور بعض لوگوں کو صدقات اور خیرات سے دلچسپی ہوتی ہے، کسی کو روزوں سے، کسی کو تلاوت سے کسی کو ذکر سے تو یہاں پر ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو روزوں کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھنے والے ہیں۔

ومن دخله لم يظمأ أبدًا: سوال: باب الریان سے جنت میں داخل ہونے والے کو پیاس نہیں لگے گی حالانکہ جنت میں نہ تو پیاس ہوگی اور نہ ہی بھوک یہ انعام سب جنتیوں کے لئے ہے تو پھر روزے دار کے لئے کیا خصوصیت ہے؟

جواب: باب الریان سے داخل ہونے والے اور دوسرے دروازوں کے داخل ہونے والوں کی نوعیت مختلف ہے۔ اس کو مثال سے سمجھیں کہ ایک شاگرد نے کلاس میں کوئی ایسا کام کیا جس کی وجہ سے استاد اس سے خفا ہو گئے پھر اس شاگرد نے استاد سے معافی مانگ لی اور استاد نے معاف بھی کر دیا مگر اس شاگرد کا مقام استاد کے نزدیک وہ نہیں رہا جو پہلے تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد سہ

ماہی امتحان میں اس طالب علم نے متعلقہ استاد کی کتاب سے سو کے سونمبر حاصل کیے جو پوری کلاس نہ لے سکی تو اب اس استاد کے سامنے اس طالب علم کا مرتبہ مزید بڑھ گیا یہ معافی کے درجات ہیں بعض تو صرف زبان سے معافی دے دیتے ہیں۔ دل میں وہی رنجش باقی رہتی ہے اور بعض لوگ دل سے معاف کر دیتے ہیں اور یہی دل سے معاف کرنا اللہ کو محبوب ہے۔ بہر حال یہ معافی کے اعلیٰ درجات ہیں۔ اسی طرح پیاس نہ لگنے کے درجات ہیں جو باب الریان سے جنت میں داخل ہوگا اس کو اعلیٰ درجہ کی نعمت حاصل ہو گی۔ اور جو لوگ دوسرے دروازوں سے داخل ہونگے ان کو دوسرے درجہ میں یہ نعمت حاصل ہوگی۔ الحاصل یہ کہ نوعیت مختلف ہیں۔

سوال: کھانے پینے کی لذت تب آتی ہے جب بھوک اور پیاس شدت سے لگی ہو جبکہ جنت میں نہ تو بھوک ہوگی اور نہ پیاس تو پھر کھانے پینے کی لذت کا کیسے معلوم ہوگا؟ **جواب:** کھانے پینے کا مزہ جس طرح بھوک پیاس کے بعد آتا ہے اسی طرح کسی چیز کے اشتہاء سے بھی مزہ آتا ہے جیسے کسی کو بھوک تو نہیں لگ رہی ہوتی لیکن کسی چیز کے کھانے کا دل کر رہا ہے اسی طرح کسی کو پانی کی پیاس تو نہیں لگ رہی ہوتی لیکن جوس پینے کا دل کر رہا ہوتا ہے تو اسی طرح جنت میں اگر چہ بھوک پیاس نہیں ہوگی لیکن اشتہاء ہوگی تو جس طرح بھوک پیاس کے بعد کھانے پینے کا مزہ آتا ہے اسی طرح اشتہاء کے بعد بھی آتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ الدَّهْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ بِمَنْ صَامَ الدَّهْرَ قَالَ لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ أَوْ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَأَبِي مُوسَى قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ صِيَامَ الدَّهْرِ وَأَجَازَهُ آخَرُونَ وَقَالُوا إِنَّمَا يَكُونُ صِيَامُ الدَّهْرِ إِذَا لَمْ يُفْطِرْ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ الْأَضْحَى وَأَيَّامَ التَّشْرِيقِ فَمَنْ أَفْطَرَ فِي هٰذِهِ الْأَيَّامِ فَقَدْ خَرَجَ مِنْ حَدِّ الْكَرَاهِيَةِ وَلَا يَكُونُ قَدْ صَامَ الدَّهْرَ كُلَّهُ هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ و قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ نَحْوًا مِنْ هٰذَا وَقَالَا لَا يَجِبُ أَنْ يُفْطِرَ أَيَّامًا غَيْرَ هٰذِهِ الْخَمْسَةِ الْأَيَّامِ الَّتِي نَهَى رَسُولُ اللهِ

قتیبہ، احمد بن عبد، حماد بن زید، غیلان بن جریر، عبداللہ بن معبد، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ہمیشہ روزہ رکھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا راوی کو شک ہے کہ (**لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ**) یا (**لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ**) فرمایا (دونوں کے معنی ایک ہی ہیں) اس باب میں عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن شخیر عمران بن حصین اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوقتادہ حسن ہے اہل علم کی ایک جماعت نے ہمیشہ روزہ رکھنے کو مکروہ کہا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق میں بھی روزے رکھے پس جو شخص ان دنوں میں روزے نہ رکھے وہ کراہت کے حکم سے خارج ہے۔ مالک بن انس سے اسی طرح مروی ہے اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے امام احمد اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ ان پانچ دنوں کے علاوہ روزہ چھوڑنا واجب

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا يَوْمِ الْفِطْرِ وَيَوْمِ الْأَضْحٰى وَأَيَّامِ التَّشْرِيقِ

نہیں جن میں روزے رکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ایام تشریق۔

تشریح: صوم الدھر کے چند معانی ہیں۔

① آدمی پورے سال کے تمام دنوں میں روزہ رکھے کہ ایام منہی عنہ اور ایام مکروہہ میں بھی روزہ رکھے یعنی عیدین اور یوم التشریق کے دنوں کے روزے رکھے تو یہ بالاتفاق صوم الدھر مکروہ ہے۔

② صوم الدھر کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایام ممنوعہ میں روزہ نہ رکھے بلکہ اس کے علاوہ پورے سال کے روزے رکھے۔ جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ ایام ممنوعہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

③ صوم داؤد علیہ السلام یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا یہ بالاتفاق افضل اور مستحب ہے۔

④ صوم الدھر معنوی بھی ہے کہ ہر ماہ ایام بیض کے تین روزے رکھے تو ہر روزہ پر دس گنا ثواب ملے تو تین روزے ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہوئے۔ اس طرح پورے سال کے روزے ہوئے۔

⑤ صوم الدھر کی معنوی صورت یہ بھی ہے کہ رمضان کے روزوں کے ساتھ چھ روزے شوال کے بھی رکھے تو یہ بھی پورے سال کے روزے بنتے ہیں۔

لاصام ولا افطر اولم یصم ولم یفطر: اس عبارت میں لاصام کا کیا مطلب ہے؟

ایک مطلب یہ ہے کہ حدیث اپنی حقیقت پر محمول ہے یعنی شریعت کی جانب سے صائم الدھر پر عدم صیام کا حکم جب لگے گا جب وہ ایام منہی عنہا میں بھی روزے رکھے لیکن اگر کوئی شخص ان ایام خمسہ میں افطار کرے تو اس کے حق میں یہ کراہت نہیں ہوگی۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے روزہ کا مقصود ریاضت، کسر نفسی حاصل نہیں ہوگا وجہ اس کی یہ ہے کہ جب کسی کام کی عادت ہو جاتی ہے تو اس میں تنگی اور مشقت باقی نہیں رہتی۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ ہمیشہ لاصام کا حکم اس شخص کے لئے ہے جس کو مسلسل روزے رکھنے سے کمزوری اور ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو یا اس کے روزے رکھنے سے کسی کے حق میں کمی آتی ہو۔

صوم وصال اور صوم دھر میں فرق: بعض حضرات کے نزدیک صوم دھر اور صوم وصال دونوں ایک ہی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں کی حقیقتیں مختلف ہیں۔ اگر ایک دو دن لگاتار روزے رکھے کہ درمیان میں رات کو افطار کرے تو یہ صوم وصال ہے صوم الدھر نہیں اور اگر کوئی شخص پوری عمر روزہ رکھے اور تمام راتوں میں افطار کرے اسے صوم الدھر کہا جاتا ہے۔

بَابُ مَاجَاءَ فِي سَرْدِ الصَّوْمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَصُومُ حَتّٰى نَقُولَ قَدْ صَامَ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب، عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے روزوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جب آپ روزے رکھنا شروع کرتے تو ہم سوچتے کہ اب آپ مستقل روزے رکھیں گے۔ پھر جب افطار کرتے تو ہم

وَمَا صَامَ رَسُولُ اللهِ شَهْرًا كَامِلًا إِلَّا رَمَضَانَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

سوچتے کہ اب آپ روزے نہیں رکھیں گے۔ اور نبی کریم ﷺ نے رمضان کے علاوہ پورا مہینہ کبھی روزے نہیں رکھے۔ اس باب میں حضرت انس اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى يُرٰى أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ وَيُفْطِرُ حَتَّى يُرٰى أَنَّهُ لَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ شَيْئًا وَكُنْتَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ مُصَلِّيًا وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ نَائِمًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے نبی کریم ﷺ کے روزوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا آپ ﷺ کسی مہینے میں روزے رکھنا شروع کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ پورا مہینہ روزے رکھیں گے اور جب کسی مہینے میں افطار کرتے (یعنی روزہ نہ رکھتے) تو ایسا معلوم ہوتا کہ اس مہینے میں روزے نہیں رکھیں گے پھر اگر تو چاہتا کہ آپ ﷺ کو رات میں نماز پڑھتا دیکھے تو تو ایسا ہی پاتا اور اگر آپ کو سوتے دیکھنا چاہتا تو سور ہے ہوتے۔

تشریح: سرد الصوم کا مطلب یہ ہے کہ لگاتار روزہ رکھنا۔ آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ نفل روزے شروع کرتے تھے تو مسلسل روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ اب آپ ہمیشہ روزے رکھیں گے اور جب آپ ﷺ روزے رکھنا چھوڑ دیتے تو لوگ یہ خیال کرتے کہ آپ ﷺ اب نفل روزے نہیں رکھیں گے۔ البتہ یہ ترتیب روزے رکھنے کی ایک ماہ سے کم ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے مکمل روزے نہیں رکھے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّوْمِ يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامَيْنِ صِيَامُ يَوْمِ الْأَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَعَمْرُو بْنُ يَحْيٰى هُوَ ابْنُ عُمَارَةَ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ الْمَازِنِيُّ الْمَدِينِيُّ وَهُوَ ثِقَةٌ رَوٰى عَنْهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَشُعْبَةُ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ۔

قتیبہ، عبدالعزیز بن محمد، عمرو بن یحییٰ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دن روزے رکھنے سے منع فرمایا ایک عیدالفطر اور دوسرا عیدالاضحیٰ کے دن اس باب میں حضرت عمر، علی، عائشہ، ابوہریرہ، عقبہ بن عامر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابی سعید حسن صحیح ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ امام عیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں۔ عمرو بن یحییٰ، ابن عمارہ بن ابوحسن مازنی مدنی ہیں اور یہ ثقہ ہیں ان سے سفیان ثوری شعبہ اور مالک بن انس روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ

محمد بن عبدالملک، ابی شوارب، یزید بن زریع، معمر، زہری، ابی عبید، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ شَهِدْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي يَوْمِ النَّحْرِ بَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْ صَوْمِ هٰذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ أَمَّا يَوْمُ الْفِطْرِ فَفِطْرُكُمْ مِنْ صَوْمِكُمْ وَعِيدٌ لِلْمُسْلِمِينَ وَأَمَّا يَوْمُ الْأَضْحٰى فَكُلُوا مِنْ لَحْمِ نُسُكِكُمْ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَأَبُو عُبَيْدٍ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اسْمُهُ سَعْدٌ وَيُقَالُ لَهُ مَوْلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَزْهَرَ أَيْضًا وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَزْهَرَ هُوَ ابْنُ عَمِّ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ.

مولیٰ ابوعبید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر دیکھا کہ انہوں نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی اور پھر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ان دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے سنا۔ عیدالفطر کو روزہ سے اس لئے منع کرتے تھے کہ وہ روزہ کھولنے اور مسلمانوں کی عید کا دن ہے اور عیدالاضحیٰ میں اس لئے کہ تم اپنی قربانی کا گوشت کھا سکو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوعبید کا نام سعد ہے انہیں مولی عبدالرحمٰن بن ازہر بھی کہا جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ازہر، عبدالرحمٰن بن عوف کے چچازاد بھائی ہیں۔

تشریح: حدیث الباب میں یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ میں روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے۔ جس طرح پانچ اوقات میں نوافل سے ممانعت آئی ہے ان پانچ اوقات کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم اوقات ثلاثہ طلوع شمس، غروب شمس، استواء شمس اور دوسری قسم بعد الفجر اور بعد العصر نوافل پڑھنے سے ممانعت ہے۔ اسی طرح پانچ دنوں میں روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے۔ ان پانچ دنوں کو دو اقسام میں منقسم کیا گیا ہے۔ ایک قسم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ان دونوں کا تذکرہ علیحدہ علیحدہ احادیث میں آیا ہے اور دوسری قسم ایام تشریق جو گیارہ، بارہ، تیرہ تاریخ ہیں ان کا تذکرہ الگ روایت میں آتا ہے۔ اوقات ثلاثہ میں ہر نماز مکروہ ہے خواہ وہ فرض ہو یا نفل قضاء کی ہو یا نذر کی ہو اور دو اوقات میں صرف نوافل مکروہ ہیں۔ اسی طرح ان پانچ ایام میں روزے رکھنا مکروہ ہے، عیدالفطر وعیدالاضحیٰ میں تو روزے رکھنے کی ممانعت ہے اور ایام تشریق میں اس سے کم ممانعت ہے۔ چنانچہ ایام تشریق میں بعض صحابہؓ وفقہاء متمتع اور قارن کو قربانی کا جانور نہ ہونے کی صورت میں روزے رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ فِي أَيَّامِ التَّشْرِيقِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُوسٰى بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَسَعْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ وَنُبَيْشَةَ وَبِشْرِ بْنِ سُحَيْمٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ حُذَافَةَ وَأَنَسٍ وَحَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَعَائِشَةَ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عرفہ کا دن اور عیدالاضحیٰ کا دن اور ایام تشریق (یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ) ہم مسلمانوں کے عید اور کھانے پینے کے دن ہیں۔ اس باب میں حضرت علی سعد، ابوہریرہ، جابر نبیشہ، بشر بن سحیم، عبداللہ بن حذافہ، انس حمزہ بن عمرو اسلمی، کعب بن مالک، عائشہ، عمرو بن

وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى وَحَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ صِيَامَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ إِلَّا أَنَّ قَوْمًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ رَخَّصُوا لِلْمُتَمَتِّعِ إِذَا لَمْ يَجِدْ هَدْيًا وَلَمْ يَصُمْ فِي الْعَشْرِ أَنْ يَصُومَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَأَهْلُ الْعِرَاقِ يَقُولُونَ مُوسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ وَأَهْلُ مِصْرَ يَقُولُونَ مُوسَى بْنُ عُلَيٍّ و قَالَ سَمِعْتُ قُتَيْبَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ اللَّيْثَ بْنَ سَعْدٍ يَقُولُ قَالَ مُوسَى بْنُ عَلِيٍّ لَا أَجْعَلُ أَحَدًا فِي حِلٍّ صَغَّرَ اسْمَ أَبِي.

عاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ ایام تشریق میں روزے رکھنا مکروہ ہے لیکن صحابہؓ اور بعض اہلِ علم متمتع کیلئے اگر اس کے پاس قربانی کے لئے جانور نہ ہو تو روزہ رکھنے کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ اس نے پہلے دس دنوں میں روزے نہ رکھے ہوں۔ امام شافعی، مالکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اہل عراق موسیٰ بن علی بن رباح اور اہل مصر موسی بن عُلی کہتے ہیں۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ کو لیث بن سعد کے حوالے سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ موسیٰ بن علی کہا کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے نام کی تصغیر کرنے والے کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔

تشریح: ایام تشریق سے مراد گیارہ، بارہ، تیرہ ذی الحجہ کے دن ہیں۔ ماقبل میں یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کے روزے نہ رکھنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اب یہاں سے انہی کی مناسبت سے روزے کے لئے ایام مکروہات کا ذکر کرتے ہیں۔

ایام تشریق کے روزوں کے متعلق ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ایام تشریق میں روزے رکھنا مطلقاً ممنوع ہے یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے امام شافعیؒ کا قول جدید بھی یہی ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے یہی حسن بصریؒ، عطاءؒ، لیث بن سعدؒ قول ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے۔

قول ثانی: بعض حضرات کے نزدیک ایام تشریق میں روزے رکھنا مطلقاً جائز ہے۔ شافعیہ میں سے ابواسحاق المروزی کا یہی قول ہے ابن المنذر نے حضرت زبیر بن العوامؓ اور ابی طلحہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

قول ثالث: ایام تشریق میں روزے رکھنا اس متمتع کے لئے جائز ہے جس کو قربانی کے لئے ھدی میسر نہ ہو اور ایام تشریق سے پہلے اس نے عشرہ ذی الحجہ میں تین روزے بھی نہ رکھے ہوں جو دم تمتع کا بدل ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

قول ثانی کی دلیل اوّل: حضرت عائشہؓ کا عمل ہے عن هشام ...... عائشة تصوم ايام منى و كان ابوه يصومها

دلیل ثانی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے قالا لم يرخص فى ايام تشريق أن يصوم الا لمن لم يجد الهدى. (بخاری جلد اول ص ۲۶۸)

حنفیہ کی دلیل اوّل: آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر یہ ارشاد فرمایا أن لا تصوموا فى هذا الايام فانها أيام اكل و شرب وذكر الله۔

دلیل ثانی: حضرت عبداللہ بن حذیفہؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں بعثنی رسول الله ﷺ ایام منی أنادی: ایھا الناس: انھا ایام أکل و شرب و بعال. اسی طرح وہ روایات جن میں ان ایام کے اندر روزہ رکھنے کی ممانعت آئی ہے اور ایام تشریق میں بھی روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے پس یہ نہی منیٰ میں بھی اور وہ حاجی جو وہاں مقیم ہیں اور متمتع اور قارن سب اسی نہی کے تحت شامل ہیں اس نہی سے کوئی قارن یا متمتع مستثنیٰ نہیں ہے۔

باقی رہی وہ احادیث جس میں متمتع کو اجازت دی گئی ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ وہ احادیث مرفوع اور قولی ومحرم احادیث کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتی بالخصوص جب کہ وہ مجمل ہوں اور سبب بھی معلوم نہ ہو۔

قوله یوم عرفة: حدیث الباب میں یوم عرفہ کو ایام تشریق میں شامل کیا گیا ہے۔

علامہ ابوالفتح عراقی فرماتے ہیں کہ عرفہ کا دن اکل وشرب کا دن کیسے ہوسکتا ہے اس میں تو روزہ مستحب ہے۔

جواب اوّل: یہ ہے کہ اس سے صرف ایام تشریق پر فضیلت مقصود تھی اس لئے عرفہ کے دن کو ایام تشریق میں ذکر کیا ہے۔

جواب ثانی: اس کا تعلق حجاج کرام سے ہے کیونکہ حاجیوں کیلئے عرفہ کے دن روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ حاجیوں کو اس دن بہت ساری عبادات کرنی ہوتی ہیں اگر حجاج کرام روزہ رکھیں گے تو کمزوری آجانے کی وجہ سے بہت ساری عبادات کما حقہ ادا نہیں ہوسکیں گی۔

قال ابو عیسٰی و اھل العراق یقولون: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عراق موسیٰ بن علی (مصغر) کہتے ہیں اور اہل مصر موسیٰ بن علی (مکبر) کہتے ہیں۔ پھر آگے امام ترمذیؒ نے لیث بن سعد کے حوالے سے بیان کیا کہ موسیٰ کہتے ہیں کہ میں کسی کو جواز کی اجازت نہیں دوں گا جو میرے ابا کے نام کی تصغیر بنائے گا جو میرے ابا کے نام کو بگاڑے گا اور علی (مصغر) کہے گا میں اس کو معاف نہیں کروں گا مگر جب ان کی شہرت علی (مصغر) سے ہوگئی تو اس طرح نام لینا ضروری ہے ورنہ ان کو کون پہچانے گا۔ واللہ اعلم

باب ما جاء فی کراھیة الحجامة للصائم

حَدَّثَنَا وَمُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ النَّيْسَابُورِيُّ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَيَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَارِظٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ عَلِيٍّ وَشَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَثَوْبَانَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَعَائِشَةَ وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ وَيُقَالُ وَمَعْقِلِ بْنِ سِنَانٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي مُوسَى وَبِلَالٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَذُكِرَ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ أَنَّهُ

محمد بن رافع نیسابوری، محمود بن غیلان، یحییٰ بن موسیٰ، عبدالرزاق، معمر، یحییٰ بن ابی کثیر، ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ، سائب بن یزید، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچھنے لگانے اور لگوانے والا دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس باب میں حضرت سعد، شداد بن اوس، ثوبان، اسامہ بن زید، عائشہ، معقل بن یسار (انہیں معقل بن سنان بھی کہا جاتا ہے) ابوہریرہ، ابن عباس، ابوموسی اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ رافع بن خدیجؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں

قَالَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثُ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَذُكِرَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ قَالَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ حَدِيثُ ثَوْبَانَ وَشَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ لِأَنَّ يَحْيَى بْنَ أَبِي كَثِيرٍ رَوَى عَنْ أَبِي قِلَابَةَ الْحَدِيثَيْنِ جَمِيعًا حَدِيثَ ثَوْبَانَ وَحَدِيثَ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ حَتّٰى أَنَّ بَعْضَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ بِاللَّيْلِ مِنْهُمْ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ وَابْنُ عُمَرَ وَبِهٰذَا يَقُولُ ابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَ سَمِعْتُ إِسْحٰقَ بْنَ مَنْصُورٍ يَقُولُ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ مَنِ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ فَعَلَيْهِ الْقَضَاءُ قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَهٰكَذَا قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَأَخْبَرَنِي الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ قَالَ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِنْ هٰذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ ثَابِتًا وَلَوْ تَوَقّٰى رَجُلٌ الْحِجَامَةَ وَهُوَ صَائِمٌ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ وَإِنِ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ لَمْ أَرَ ذٰلِكَ أَنْ يُفْطِرَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰكَذَا كَانَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ بِبَغْدَادَ وَأَمَّا بِمِصْرَ فَمَالَ إِلَى الرُّخْصَةِ وَلَمْ يَرَ بِالْحِجَامَةِ بَأْسًا وَاحْتَجَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ.

کہ اس باب میں زیادہ صحیح رافع بن خدیج کی حدیث ہے۔ علی بن عبداللہؒ کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا ثوبانؓ اور شداد بن اوسؓ کی حدیث اس باب میں اصح ہے۔ اسلئے کہ یحییٰ بن ابی کثیر ابوقلابہ سے دونوں حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ثوبان کی بھی اور شداد بن اوس کی بھی۔ علماء صحابہ کی ایک جماعت اور انکے علاوہ بھی کئی حضرات روزے دار کیلئے پچھنے لگوانے کو مکروہ سمجھتے ہیں یہاں تک کہ بعض صحابہ جیسا کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ، ابن عمرؓ رات کو پچھنے لگوایا کرتے تھے۔ ابن مبارکؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ پچھنا لگوانے والے روزہ دار کے متعلق قضا کا حکم دیتے ہیں۔ اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن ابراہیم بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں حسن بن محمد زعفرانی نے مجھے بتایا کہ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے روزے کی حالت میں پچھنے لگوانا مروی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ ان دونوں میں سے کسی حدیث کا ثابت ہونا میرے علم میں نہیں۔ لہٰذا اگر روزہ دار اس سے اجتناب کرے تو میرے نزدیک بہتر ہے اور اگر پچھنے لگوائے تو میرے خیال میں اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا یہ قول بغداد کا ہے اور مصر آنے کے بعد وہ پچھنے لگوانے کی اجازت کی طرف مائل ہوگئے تھے اور انکے نزدیک پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں۔ انکی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر روزے اور احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے۔

تشریح: الحجامة: اس کے معنی ہیں سینگی لگوانا، انسان کے جسم سے فاسد خون نکلوانا یہ طریقہ دنیا میں آج بھی رائج ہے۔ لوگ مختلف طریقوں سے بدن سے فاسد خون نکلواتے ہیں۔

مسئلہ: روزے کی حالت میں حجامہ لگوانے کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک حجامہ لگوانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے ایسے شخص پر قضاء تو واجب ہے لیکن کفارہ واجب نہیں۔

قول ثانی: امام اوزاعیؒ، حسن بصریؒ، محمد بن سیرینؒ اور مسروق کے نزدیک حجامہ مفسد صوم نہیں البتہ مکروہ ہے و کان مسروق والحسن و ابن سیرین لا یرون للصائم ان یحتجم و کان الاوزاعی یکرہ ذلك۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور جمہور کے نزدیک حجامہ سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے اور نہ یہ عمل مکروہ ہے۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا افطر الحاجم والمحجوم یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے بعض سندیں قوی ہیں اور بعض سندیں ضعیف ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ''و فی الباب'' کہہ کر ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے جامع کبیر میں ان سب کو نقل کیا ہے۔

جواب اوّل: ''افطر'' کاد أن یفطر کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عمل صائم کو افطار کے قریب کر دیتا ہے حاجم کو اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ خون چوستے ہوئے اس کے حلق میں خون چلا جائے اور محجوم کو اس لئے کہ اس کو حجامہ کی وجہ سے بہت زیادہ ضعف طاری ہو جاتا ہے۔

جواب ثانی: امام شافعیؒ نے دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے جس کی دلیل حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے جو خود امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کی ہے قال کنت مع النبی ﷺ زمن الفتح فرأی رجلاً یحتجم لثمان عشرة، خلف من شھر رمضان فقال و ھو أخذ بیدی افطر الحاجم والمحجوم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر فرمایا تھا دوسری طرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں'' احتجم رسول اللہ ﷺ و ھو محرم صائم '' اور یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر ساتھ رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کا واقعہ حدیث باب سے دو سال بعد کا ہے۔ لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے ناسخ ہوگی۔

جواب ثالث: امام طحاویؒ نے دیا ہے کہ یہ عام قانون کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ایک خاص واقعہ کے ساتھ متعلق ہے کہ آپ ﷺ وہاں سے گزر رہے تھے اور یہ دونوں روزے کی حالت میں حجامہ کے دوران کسی کی غیبت کر رہے تھے اس وقت آپ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کا روزہ افطار ہو گیا۔ حقیقت افطار مراد نہیں ہے بلکہ سقوط اجر مراد ہے۔

جواب رابع: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں حقیقت افطار مراد نہیں بلکہ باطنی افطار مراد ہے کہ اس سے روزے کی برکات ختم ہو جاتی ہیں۔

جواب خامس: علامہ خطابیؒ نے دیا ہے کہ یہ دونوں مغرب سے پہلے سینگی لگوا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کے افطار کا وقت ہو گیا تو افطر کے معنی ''دخل وقت الافطار'' کے ہوئے۔

احناف کی دلیل اوّل: آنے والے باب الرخصة فی ذلك میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے قال احتجم رسول اللہ ﷺ وھو محرم صائم۔

دلیل ثانی: ابوداؤد شریف میں روایت ہے'' ان رسول اللہ ﷺ نھی عن الحجامة والمواصلة ولم یحرمھما

ابقاء علی اصحابه فقيل له يا رسول الله انك تواصل الی السحر فقال انی اواصل الی السحر و ربی يطعمنی و يسقينی"۔ (ابوداؤد کتاب الصوم باب الصائم يحتجم فی الرخصة جلد ۱ ص ۳۲۰)

دلیل ثالث: ترمذی شریف کی روایت ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا يفطر الصائم الحجامة والقئ والاحتلام" کہ ان تینوں چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

دلیل رابع: نسائی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے " انه عليه السلام رخص للحجامة للصائم" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار سینگی لگوانے کی رخصت دی ہے۔

دلیل خامس: مشکوۃ شریف میں روایت عن البخاری ہے اس میں ہے "كان ابن عمر رضی اللہ عنہ يحتجم وهو صائم"۔

بَاب مَا جَاءَ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ احْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ هٰكَذَا رَوٰى وُهَيْبٌ نَحْوَ رِوَايَةِ عَبْدِ الْوَارِثِ وَرَوٰى إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

بشر بن ہلال بصری، عبدالوارث بن سعید، ایوب، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے اور احرام کی حالت میں کچھنے لگوائے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ وہیب نے اسی طرح عبدالوارث کی مثل بیان کیا ہے۔ اسماعیل بن ابراہیم نے بواسطہ ایوب عکرمہ سے مرسل روایت نقل کی ہے۔ اس روایت میں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

ابوموسیٰ، محمد بن عبداللہ انصاری، حبیب بن شہید، میمون بن مہران، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزے کی حالت میں کچھنے لگوائے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فِيمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ

احمد بن منیع، عبداللہ بن ادریس، یزید بن ابی زیاد، مقسم، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان احرام اور روزے کی حالت میں کچھنے لگائے۔ اس باب میں ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هٰذَا الْحَدِيْثِ وَلَمْ يَرَوْا بِالْحِجَامَةِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین کا اسی حدیث پر عمل ہے اور وہ روزہ دار کے لئے پچھنے لگانے میں کچھ حرج نہیں سمجھتے۔ سفیان ثوری مالک بن انس اور امام شافعی کا یہی قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ اور جمہور کا مستدل ہے۔ جمہور حضرات کے نزدیک روزہ دار کے حجامہ لگوانے سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا اور اسی طرح عُبداللہ بن زید بن اسلم سے مرسلاً روایت ہے اور ہمارے لئے حجت ہے یہ روایت امام ترمذیؒ نے ''باب الصائم یذرعه القیٔ'' میں ذکر کی ہے۔

وھو محرم صائم: حنابلہؒ نے حدیث الباب کا دو طرح سے جواب دیا ہے۔

الاوّل: حنابلہ حضرات کہتے ہیں کہ رمضان میں آپ ﷺ کا احرام باندھنا ثابت نہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں چار عمرے کئے۔ پہلے عمرے کا احرام ۶ ہجری میں یکم ذی قعدہ کو باندھا اور دوسرے عمرے کا احرام ۷ ہجری میں وہ بھی ذی قعدہ کا مہینہ تھا اور تیسرے عمرے کا احرام ۸ ہجری میں ۱۸ ذی قعدہ کو باندھا تھا۔ اور چوتھے عمرے کا احرام ۲۵ ذی قعدہ کو دس ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر باندھا تھا۔ اگر آپ نے احرام کی حالت میں روزہ رکھا بھی ہے تو وہ روزہ نفلی ہوگا اور اس کا افطار کرنا جائز ہے اور ان کے نزدیک اس کی قضاء بھی نہیں ہے جیسا کہ ان کی کتابوں میں منقول ہے۔

الثانی: حنابلہ کہتے ہیں کہ حدیث میں چار طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ جیسا کہ ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ نے کہا ہے۔ ① احتجم وھو صائم ② احتجم وھو محرم ③ احتجم وھو محرم واحتجم وھو صائم ④ احتجم وھو محرم صائم

ان چار طرح کی روایات میں دوسری روایت صحیح ہے اس کی صحت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ باقی رہی روزے کی حالت میں حجامہ لگوانا اس کے متعلق تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

قال ابو عیسیٰ هٰذا حدیث صحیح: امام ترمذیؒ نے یہ حدیث تین سندوں سے نقل کی ہے۔

پہلی سند: حدثنا بشر بن هلال البصری حدثنا عبدالوارث بن سعید، حدثنا ایوب عن عکرمة عن ابن عباس

دوسری سند: وهٰکذا روی وهیب نحو روایة عبد الوارث.

تیسری سند: وروی اسماعیل بن ابراہیم، عن ایوب، عن عکرمة مرسلًا، ولم یذکر فیه عن ابن عباس

اسماعیل بن ابراہیم حدیث کو مرفوع بیان نہیں کرتے یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرتے۔ عکرمہ پر اپنی سند کو روک دیتے ہیں اور مرفوع روایت اصح ہے اور وہ بخاری میں ہے حدیث نمبر (۱۹۳۸-۱۹۳۹) اور دوسری سند حبیب بن الشہید کی ہے ان سے اوپر ایک ہی سند ہے یعنی یہ حدیث غریب ہے اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

البتہ اس میں ایک راوی محمد بن عبداللہ انصاری میں کلام ہے اور تیسری حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْوِصَالِ فِي الصِّيَامِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ وَخَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ

نصر بن علی جہضمی، بشر بن مفضل، خالد بن حارث، سعید بن ابی عروبہ، قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ پر روزہ اس طرح نہ رکھو کہ بیچ میں کچھ نہ کھاؤ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُوَاصِلُوا قَالُوا فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ إِنِّي لَسْتُ كَأَحَدِكُمْ إِنَّ رَبِّي يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِي وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَبَشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا الْوِصَالَ فِي الصِّيَامِ وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ كَانَ يُوَاصِلُ الْأَيَّامَ وَلَا يُفْطِرُ.

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو وصال کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں ہوں میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ اس باب میں حضرت علی، ابو ہریرہ، عائشہ، ابن عمر، جابر، ابو سعید اور بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے کہ روزے میں وصال مکروہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ وصال کرتے تھے یعنی درمیان میں افطار نہیں کرتے تھے۔

تشریح: صوم وصال اور صوم الدھر کے درمیان فرق ماقبل میں بیان ہو چکا ہے۔ البتہ اس کے حکم میں فقہاء کے تین اقوال ہیں۔ ① کراھیۃ کا۔ ② تحریم کا۔ ③ اباحت کا کہ جو شخص صوم وصال کی طاقت رکھتا ہو اس کے لئے جائز ہے اور جو صوم وصال کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

قول اوّل: کراھیۃ کا قول امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ اور جمہور کا مسلک ہے۔ امام شافعیؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مسلک ہے۔

قول ثانی: صوم وصال حرام اور ممنوع ہے یہ قول امام شافعیؒ کا کتاب الام میں ذکر کیا گیا ہے۔ مالکیہ میں سے ابن العربی اور اصحاب ظواہر بھی اسی کے قائل ہیں۔

قول ثالث: جو شخص صوم وصال رکھنے کی قدرت رکھتا ہو اس کے لئے صوم وصال جائز ہے اور جو شخص صوم وصال کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کے لئے صوم وصال جائز نہیں یہ قول اسحاق بن راہویہؒ اور بعض مالکیہ کا ہے۔ (هٰذا اقوال ملخص فی العمدة القاری، والفتح الباری والمغنی، معارف السنن جلد ۵ ص ۲۹۷)

صوم وصال سے نہی کی احادیث: یہی حدیث الباب عن انس قال: قال رسول الله ﷺ: لا تواصلوا قالوا: فانك تواصل يا رسول الله قال انی لست كأحدكم إن ربی یطعمنی ویسقینی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ اس حدیث کے چند مطالب بیان کئے گئے ہیں مثلاً یہ کہ حق تعالیٰ آپ ﷺ کو قوت عطا فرما دیتے ہیں اور طعام و شراب سے مستغنی کر دیتے ہیں اسلئے آپ کیلئے وصال جائز تھا گویا یطعمنی ویسقینی کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی کیفیت صاحب شریعت ہی جانتے ہیں اس کے مطلب میں غور و خوض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جملہ کے ظاہری اور حقیقی معنی مراد ہیں یعنی باری تعالیٰ کی جانب سے اعزاز و اکرام کے طور پر آپ ﷺ کو کھلایا بھی جاتا ہے اور پلایا بھی جاتا ہے۔

صوم وصال کے جواز کی دلیل اوّل: بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے صوم وصال رکھے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ صوم وصال رکھتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر بھی صوم وصال رکھتے تھے۔

دلیل ثانی: عقلی دلیل یہ ہے کہ جب دو یا دو سے زیادہ روزے الگ الگ رکھنے جائز ہیں تو ان کو ملا کر رکھنا بھی جائز ہے دو دو رکعتیں علیحدہ کر کے پڑھنا بھی جائز ہے اور ملا کر چار چار رکعتیں پڑھنا بھی جائز ہے اس میں تو ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

غرض ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ صوم وصال اگر چہ فی نفسہ جائز ہے مگر عموماً امت کے لئے مکروہ ہے اور یہ حضرات حدیث الباب میں ممانعت والی حدیث کو نہی ارشادی پر محمول کرتے ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے امت کو بطور شفقۃ صوم وصال سے روکا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے مروی ہے کہ نھی رسول اللہ ﷺ عن الوصال رحمۃً لھم۔ پس اگر کوئی شخص طاقت رکھتا ہو تو اس کیلئے صوم وصال جائز ہے مگر عام لوگوں کے لئے دشواری ہے اس لئے ان کو صوم وصال نہیں رکھنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُنُبِ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ يُرِيدُ الصَّوْمَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ وَأُمُّ سَلَمَةَ زَوْجَا النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ أَهْلِهِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فَيَصُومُ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ قَالَ قَوْمٌ مِنَ التَّابِعِينَ إِذَا أَصْبَحَ جُنُبًا يَقْضِي ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، ابی بکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام، حضرت عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (ازواج مطہرات) فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالت جنابت میں صبح ہو جایا کرتی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غسل کرتے اور روزہ رکھتے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے۔ سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض تابعین کہتے ہیں کہ اگر حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو روزہ قضا کرے لیکن پہلا قول صحیح ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص صبح کے وقت جنبی ہو جائے تو اس کے روزے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

آیا اس کا روزہ صحیح بھی ہوگا یا نہیں اس کی جنابت کا اثر روزے پر پڑے گا یا نہیں؟

الاوّل: حدیث الباب کے عموم کی بناء پر ائمہ اربعہ اور جمہور حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ جنابت روزے کے منافی نہیں خواہ روزہ فرض ہو یا نفل ہو طلوع فجر کے فوراً بعد غسل کر لے یا تاخیر کر کے خواہ وہ تاخیر عمداً ہو یا نسیاناً ہو یا نیند کی وجہ سے ہو۔ اس تاخیر سے روزے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ علامہ عینیؒ نے اس مسئلہ میں سات اقوال اور بھی نقل کئے ہیں جو مختصراً عرض کئے جاتے ہیں۔

الثانی: جس نے جنبی ہونے کی حالت میں صبح کی اس کا روزہ صحیح نہیں یہ قول فضل بن عباسؓ، اسامہ بن زیدؓ و ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

الثالث: بعض حضرات نے اس میں فرق کیا ہے کہ دیکھا جائے گا کہ اس نے غسل کو جان بوجھ کر موخر کیا یا بھول کر اگر جان بوجھ کر اس نے غسل کو موخر کیا تو اسکا روزہ صحیح نہیں اور اگر بھول کر اس نے غسل چھوڑ دیا تو پھر اسکا روزہ صحیح ہے۔ یہ قول طاؤس بن زبیرؓ، ابراہیم نخعیؒ کا ہے۔

الرابع: بعض حضرات نے فرض اور نفل روزے کا فرق کیا ہے کہ اگر فرض روزہ میں غسل کو چھوڑ دیا تو روزہ نہیں ہوگا لیکن اگر نفل روزے میں غسل کو چھوڑ دیا یا مؤخر کر دیا تو نفل روزہ ہو جائے گا یہ قول ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ کا ہے۔

الخامس: اس دن کا روزہ پورا کرے لیکن بعد میں قضاء کرلے یہ قول سالم بن عبداللہؒ، حسن بصریؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ کا ہے۔

السادس: بعض حضرات کا قول ہے کہ فرض روزے کی قضاء مستحب ہے اور نفل کی قضاء نہیں استذکار میں حسن بن صالحؒ سے یہ قول نقل کیا ہے۔

السابع: بعض نے کہا کہ اسکا روزہ باطل نہیں ہوگا اگر اس نے طلوع شمس سے پہلے پہلے غسل کر کے نماز بھی ادا کر لی لیکن اگر اس پر سورج طلوع ہو گیا اور اس نے ابھی تک غسل نہیں کیا اور نہ ہی نماز ادا کی تو پھر اس صورت میں روزہ باطل ہو جائیگا۔ (کمافی عمدۃ القاری للعینی جلد ۱۱ ص ۶)

احناف کے نزدیک جس طرح صحت صلوٰۃ اور صحت حج کے لئے شرط ہے اسی طرح صوم کے لئے طہارت شرط نہیں اس لئے کئی دفعہ آپ ﷺ روزے کا ارادہ کرتے صبح صادق ہوتی تو آپؐ جنبی ہوتے اس کے باوجود روزہ رکھتے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الصَّائِمِ الدَّعْوَةَ

حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ يَعْنِي الدُّعَاءَ

ازہر بن مروان، محمد بن سواء، سعید بن ابی عروبہ، ایوب، محمد بن سیرین، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ اسے قبول کرے پھر اگر وہ روزے سے ہو تو دعا کرے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ قَالَ أَبُو عِيسَى وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ فِي هَذَا الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں دونوں حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں حسن صحیح ہیں۔

تشریح: حدیث الباب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی روزہ دار کو دعوت دے تو روزہ دار کو دعوت قبول کرنی چاہیے اس طرح کہ میزبان سے معذرت کرلے کہ میں روزے سے ہوں لیکن اگر میزبان اس عذر کو قبول نہ کرے تو روزہ توڑ دے جب اسکا روزہ نفلی ہو اگر فرض روزہ ہو تو پھر توڑنے کا حکم نہیں۔ اور اگر میزبان اسکے روزہ ہونے کا عذر قبول کرلے تو روزہ دار اس دعوت دینے والے کو دعائیں دے کر واپس آجائے۔ یہ طریقہ عربوں میں چلتا تھا اور انہی کے طریقوں کی نسبت سے اس کو سمجھنا آسان ہے۔ وگرنہ ہمارے دیار میں لوگ ہفتہ پہلے دعوت دے دیتے ہیں اگر کسی نے قبول کرنی ہے تو اس وقت ہاں کہہ دے وگرنہ انکار کردے لیکن جب دعوت قبول کرلی تو پھر جس دن دعوت ہے اس دن وہ نفلی روزہ نہ رکھے۔ عربوں کے ہاں جب دعوت دینی ہوتی تو وہ بروقت دعوت دیتے ایک دن یا دو دن پہلے دعوت نہیں دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب ؓ کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی تھی اور یہ آپ ﷺ کا سب سے بڑا ولیمہ تھا اس وقت آپ ﷺ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ فلاں جگہ کھڑے ہو جاؤ اور وہاں سے جو بھی گزرنے والا ہو اسے کھانے کی دعوت دو۔ عربوں کا یہی مزاج اور طریقہ تھا۔ لہٰذا اس حدیث کا مصداق عربوں کی دعوت کے

طریقے پر ہوگا۔ موجودہ عربوں کا رواج بھی عجمیوں کی طرح ہوگیا ہے۔ لہٰذا موجودہ عربوں کی دعوت کا اعتبار اس حدیث کے مطابق نہیں۔

عربوں میں پہلے یہ بھی رواج تھا کہ کسی کے گھر میں کوئی مہمان آتا اور وہ اکیلے مہمان کو کھانا کھلانا مناسب نہ سمجھتے تو آس پاس سے یا رشتہ داروں میں سے پانچ دس آدمیوں کو بلا لیتے وہ مہمان کے ساتھ کھانا پینا کرتے۔ ایسے ماحول کیلئے ارشاد گرامی ہے کہ اگر پڑوسی کھانے پر بلائے تو ضرور جاؤ اور اگر روزہ ہو تو میزبان سے عذر کرو عذر قبول ہوجائے تو ٹھیک ہے ورنہ دعوت کھاؤ۔ الحاصل بعض روایات اس ماحول کے مطابق ہوتی ہیں اور ان کا سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ بدلے ہوئے حالات میں ان کا سمجھنا دشوار ہوجاتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ صَوْمِ الْمَرْأَةِ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَصُومُ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ يَوْمًا مِنْ غَيْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

قتیبہ، نصر بن علی، سفیان بن عیینہ، ابی زناد، اعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی عورت اپنے شوہر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر رمضان کے علاوہ کوئی دوسرا (یعنی نفلی) روزہ نہ رکھے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسعد سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اس حدیث کو ابوزناد نے روایت کیا ہے۔ موسیٰ بن ابوعثمان سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھنا مکروہ ہے اسی طرح رمضان کے قضاء روزوں کا بھی حکم ہے کیونکہ رمضان کی قضاء کا وقت بھی متعین نہیں ہے۔ لہٰذا ان روزوں کے لئے عورت یا تو شوہر سے صراحۃً اجازت لے یا دلالۃً۔ دلالۃً اجازت یہ ہے کہ عورت سحری کے لئے اٹھی شوہر نے دیکھا مگر منع نہیں کیا یا عورت نے آئندہ ایام روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا لیکن خاوند نے خاموشی اختیار کرلی تو یہ بھی دلالۃً اجازت ہوئی۔

اجازت کے بغیر عورت کیلئے نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ بیوی سے انتفاع کا حق شوہر کو ہر وقت حاصل ہے۔ اگر عورت روزہ رکھ لے تو اس سے شوہر کی حق تلفی ہوگی۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ بعض عورتوں کو نفل روزہ رکھنے میں بڑی دلچسپی ہوتی ہے۔ اسلئے وہ لگاتار روزے رکھنا شروع کردیتی ہیں اس سے شوہر کا عورت کی طرف سے میلان ہٹتا جائے گا جوں جوں میلان ہٹتا جائے گا شوہر بیوی سے دور ہوتا جائیگا اس سے عورت کو ہی نقصان ہوگا نہ کہ مرد کو۔ اس لئے عورت کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ شوہر سے نفلی وقضاء روزوں کی اجازت ضرور لے۔

اس تفصیل کے بعد خلاصہ یہ نکلا کہ جمہور کے نزدیک حدیث الباب میں ممانعت کراہت تحریمی کے طور پر ہے جبکہ شوافع کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی ہے۔ مالکیہ حضرات میں سے مہلب نے بھی اس نہی کو حسن معاشرت سے متعلق قرار دے کر کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے۔ پھر اگر عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھ لیا تو شوہر اسے روزہ توڑنے پر مجبور کرسکتا ہے۔ اگرچہ ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے۔ لیکن اگر عورت نے فرض روزہ رکھا ہوا ہے تو شوہر اسے توڑنے کا نہیں کہہ سکتا اگر روزہ ٹوٹ گیا تو شوہر گنہگار ہوگا۔ (کمافی عمدۃ القاری جلد ۹ ص ۲۸۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَأْخِيرِ قَضَاءِ رَمَضَانَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ السُّدِّيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ الْبَهِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كُنْتُ أَقْضِي مَا يَكُونُ عَلَيَّ مِنْ رَمَضَانَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيٰى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ هٰذَا.

قتیبہ، ابوعوانہ، اسماعیل سدی، عبداللہ بہی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے رمضان کے قضاء روزے شعبان میں رکھتی تھی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ اس حدیث کو یحییٰ بن سعید انصاری، ابوسلمہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: رمضان کے روزوں کی قضاء کا حکم بیان کیا جارہا ہے کہ اگر رمضان کے روزے خواہ سفر کی وجہ سے قضاء ہوئے یا بیماری کی وجہ سے یا حیض ونفاس کی وجہ سے تو ان کی قضاء فی الفور واجب ہے یا تاخیر کی جاسکتی ہے؟

داؤد ظاہری کے نزدیک رمضان کے قضاء روزوں میں تعجیل ضروری ہے۔ یہاں تک کہ عید کے اگلے ہی دن سے ان روزوں کی قضاء ضروری ہوجائے گی۔ لیکن حدیث الباب اس مسئلہ کے خلاف حجت ہے۔

جمہور حضرات کے نزدیک قضاء روزوں میں تعجیل واجب نہیں اگرچہ تعجیل کرنا افضل اور مستحب ہے۔ البتہ اگلے رمضان سے پہلے قضاء کرلینی چاہیے اگر کسی شخص نے قضاء روزوں کو بغیر کسی عذر کے اگلے رمضان سے بھی مؤخر کردیا تو جمہور حضرات امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ (ایک روایت میں) کے نزدیک قضاء کے ساتھ فدیہ دینا بھی واجب ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کی دوسری روایت سے اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک صرف قضاء ہی واجب ہے فدیہ واجب نہیں۔ (المغنی لابن قدامۃ جلد ۳ ص ۱۴۵۔۱۴۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّائِمِ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ حَبِيبِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ لَيْلٰى عَنْ مَوْلَاتِهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّائِمُ إِذَا أَكَلَ عِنْدَهُ الْمَفَاطِيرُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَرَوٰى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ حَبِيبِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ جَدَّتِهِ أُمِّ عُمَارَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

لیلیٰ اپنی مولاۃ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی روزہ دار کے سامنے کھایا پیا جائے تو فرشتے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ شعبہ یہ حدیث حبیب بن زید سے وہ اپنی دادی ام عمارہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے مثل روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ مَوْلَاةً لَنَا يُقَالُ لَهَا لَيْلٰى تُحَدِّثُ عَنْ أُمِّ عُمَارَةَ ابْنَةِ كَعْبٍ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ

محمود بن غیلان، ابوداود، شعبہ، حبیب بن زید، حضرت ام عمارہ بنت کعب انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَقَدَّمَتْ إِلَيْهِ طَعَامًا فَقَالَ كُلِي فَقَالَتْ إِنِّي صَائِمَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّائِمَ تُصَلِّي عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ حَتَّى يَفْرُغُوا وَرُبَّمَا قَالَ حَتَّى يَشْبَعُوا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ شَرِيكٍ

فرمایا تم بھی آجاؤ۔ انہوں نے عرض کیا میرا روزہ ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر کسی روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جائے تو ان کے کھانے سے فارغ ہونے تک یا فرمایا ان کے سیر ہو جانے تک فرشتے روزہ دار کے لئے مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح اور شریک کی روایت سے اصح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لَهُمْ يُقَالُ لَهَا لَيْلَى عَنْ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ حَتَّى يَفْرُغُوا أَوْ يَشْبَعُوا قَالَ أَبُو عِيسَى وَأُمُّ عُمَارَةَ هِيَ جَدَّةُ حَبِيبِ بْنِ زَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ

حبیب بن زید سے وہ اپنی مولاۃ (لیلیٰ) سے، وہ ام عمارہ بن کعب سے اسی کی مثل روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس کی مثل لیکن اس میں (حَتَّى يَفْرُغُوا أَوْ يَشْبَعُوا) کے الفاظ کا ذکر نہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ام عمارہ، حبیب بن زید انصاری کی دادی ہیں۔

تشریح: بہتر یہی ہے کہ اگر روزہ دار قریب موجود ہو تو اس کے پاس کھانا پینا نہیں چاہیے اور اگر روزہ دار کے سامنے کھایا جائے تو روزہ دار کا جی بھی کھانے کو چاہے گا، اس لئے اس پر بھی اس کو ثواب ملتا ہے کہ کھانے کو دیکھ کر اس نے صبر وشکر کیا ہے۔

یہ حدیث شریک سے وہ حبیب بن زید سے اور وہ لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں لیلیٰ حبیب بن زید کے خاندان کی آزاد کردہ ہیں اور وہ ام عمارہ سے روایت کرتی ہیں یہ حبیب کی نانی ہیں۔ لیلیٰ کو انہوں نے آزاد کیا تھا اس حدیث کو حبیب بن زید سے شریک کے علاوہ شعبہ نے بھی روایت کیا ہے اور دونوں کی سندیں متحد ہیں البتہ شعبہ کی حدیث میں مضمون زائد ہے۔

اگلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُمّ عمارہ کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کی دعوت دی سنت طریقہ یہی ہے کہ کھانا اکٹھے کھایا جائے جب کہ ہمارے دیار میں لوگ ایک برتن میں کھانا تو درکنار اکٹھے کھانا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ پہلے مسلمان کی تربیت سنتِ رسولؐ کے مطابق ہوتی تھی اور اب عموماً مسلمانوں کی تربیت امریکن اور لندن کے پروفیسر کرتے ہیں اور خاص کر سب کا استاد گھر میں موجود ٹی وی ہے جو دین تو کیا دین کے قرب کا ذریعہ بھی نہیں بنتا۔ اسی وجہ سے جب ماں باپ بیمار ہوتے ہیں تو بیٹا قریب نہیں آتا کہ جراثیم ہم پر چڑھ جائیں گے "اللّٰھم احفظنا من جمیع الشرور"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَضَاءِ الْحَائِضِ الصِّيَامَ دُونَ الصَّلَاةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَحِيضُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَطْهُرُ فَيَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصِّيَامِ وَلَا يَأْمُرُنَا بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ

علی بن حجر، علی بن مسہر، عبیدہ، ابراہیم، اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایام حیض سے پاک ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں روزوں کی قضاء کا حکم دیا کرتے تھے جب کہ نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی

رُوِيَ عَنْ مُعَاذَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَيْضًا وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ اخْتِلَافًا فِي إِنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الصِّيَامَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَعُبَيْدَةُ هُوَ ابْنُ مُعَتِّبٍ الضَّبِّيُّ الْكُوفِيُّ وَيُكْنٰى أَبَا عَبْدِ الْكَرِيمِ.

فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اور معاویہ سے بھی بواسطہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے۔ اہل علم کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ حائضہ صرف روزوں کی قضاء کرے اور نماز کی قضاء نہ کرے۔ امام ترمذی کہتے ہیں عبیدہ دراصل عبیدہ بن معتب ضبی کوفی ہیں ان کی کنیت ابوعبدالکریم ہے۔

تشریح: اس باب میں جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ آسان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کی قضاء کا حکم بیان کیا ہے نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ نمازیں تکرار کی وجہ سے کثرت میں داخل ہو جاتی ہیں ان کا قضاء کرنا تکلیف مالایطاق ہے۔ اس باب کی شرح ماقبل میں کتاب الطہارت کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں صرف خوارج کے نزدیک نمازوں کی بھی قضاء لازم آئے گی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مُبَالَغَةِ الْاِسْتِنْشَاقِ لِلصَّائِمِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الْوَرَّاقُ وَأَبُو عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ حَدَّثَنِي إِسْمٰعِيلُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ قَالَ أَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ أَهْلُ الْعِلْمِ السُّعُوطَ لِلصَّائِمِ وَرَأَوْا أَنَّ ذٰلِكَ يُفْطِرُهُ وَفِي الْحَدِيثِ مَا يُقَوِّي قَوْلَهُمْ.

عبدالوہاب وراق، ابوعمار، یحییٰ بن سلیم، اسماعیل بن کثیر، عاصم بن لقیط بن صبرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو کا طریقہ بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھی طرح وضو کرو انگلیوں کا خلال کرو اور اگر روزے سے نہ ہو تو ناک میں بھی اچھی طرح پانی ڈالو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ علماء نے روزے کی حالت میں ناک میں دوا ڈالنے کو مکروہ کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یہ حدیث ان کے اس قول کی تائید کرتی ہے۔

تشریح: مبالغہ فی الاستنشاق روزے کی حالت میں مکروہ ہے کیونکہ اس سے پانی دماغ تک پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے تو وہ مفسد صوم ہے۔ فقہاء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی چیز جوف دماغ یا جوف بطن تک پہنچ جائے تو وہ مفسد صوم ہوتی ہے۔ اس اصول کے مطابق دو مسائل زیر بحث ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: دھواں اگر خود بخود دماغ تک پہنچ جائے مثلاً کہیں آگ لگی ہوئی تھی اور وہاں قریب سے گزر رہا تھا جس سے دھواں اسکے منہ میں چلا گیا تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ دھواں بے اختیار چڑھ جاتا ہے۔ البتہ دھواں پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جیسے بیڑی، سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر اگر رمضان کا روزہ ہے تو قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہونگے اور رمضان کے علاوہ روزہ میں صرف قضاء واجب ہوگی۔ اسی طرح پسی ہوئی تمباکو یا نسوار جس کو ناک میں کھینچتے ہیں اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور رمضان کے روزے میں ایسا کرے تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں آئیں گے۔ اور غیر رمضان میں یعنی نفل روزے میں صرف قضاء ہوگی کفارہ نہیں آئے گا۔

مسئلہ ثانیہ: حدیث الباب کی رو سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ اگر کوئی چیز کھا پی لی یا کسی اور ذریعے سے وہ پیٹ تک پہنچ گئی یا

دماغ تک تو پھر وہ مفسد صوم ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے روزے کی حالت میں ناک میں دوائی ڈالی تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ ناک سے آگے منہ کی طرف سوراخ ہے اور دماغ کی طرف بھی سوراخ ہے جبکہ آنکھ سے نہ تو اس کا کوئی سوراخ منہ کی طرف جاتا ہے اور نہ ہی دماغ کی طرف اس لئے آنکھ میں دوائی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

رہا یہ مسئلہ کہ کیا کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے کہ نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کان سے منہ کی طرف یا دماغ کی طرف سوراخ ہے کہ نہیں؟ اس میں منہ کی جانب تو بالاجماع سوراخ نہیں ہے۔ البتہ دماغ کی طرف سوراخ میں اختلاف ہے جن حضرات کے نزدیک دماغ کی طرف سوراخ ہے ان کے نزدیک کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور جن حضرات کے نزدیک دماغ کی طرف کوئی سوراخ نہیں تو ان کے نزدیک اگر کسی نے روزے کی حالت میں کان میں دوائی ڈال دی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ خلاصہ یہ کہ روزے کی حالت میں حتی الامکان کان میں دوا نہ ڈالی جائے اگر ڈال دی جائے عذر کی بناء پر یا کسی اور بناء پر تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

انجکشن کا مسئلہ: اس میں پہلا اصول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو جوف بدن یا جوف دماغ تک پہنچے تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ ایک ہے منفذ اصلی اور دوسرا غیر منفذ اصلی۔ منفذ اصلیہ جن کے ذریعے سے پیٹ تک خوراک پہنچائی جاتی ہے مثلاً منہ ناک وغیرہ۔ اور غیر منفذ جن کے ذریعے سے عموماً پیٹ تک خوراک نہ پہنچائی جاتی ہو۔ اگر منفذ اصلیہ سے خوراک دی جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے اگر غیر منفذ سے خوراک دی جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

بعض ٹیکے ایسے ہوتے ہیں جن سے دوائی جوف دماغ یا جوف معدہ تک پہنچ جاتی ہے اور بعض سے نہیں پہنچتی۔ جن ٹیکوں کے ذریعے سے جوف دماغ یا جوف معدہ تک دوائی پہنچ جاتی ہے وہ بھی مفسد صوم نہیں کیونکہ روزے کے فساد کیلئے ضروری ہے کہ جوف معدہ تک پہنچنے والی چیز منفذ اصلی کے ذریعے سے ہو اور غیر منفذ اصلیہ سے کسی چیز کا پہنچنا یہ مفسد صوم نہیں۔ اب حاصل یہ ہوا کہ پیٹ تک پہنچنے کیلئے منفذ اصلی ہو تو پھر روزہ فاسد ہو جائیگا۔ لہٰذا ٹیکے کے ذریعہ روزہ فاسد نہیں ہوگا خواہ وہ رگ میں لگایا جائے یا پٹھے میں لگایا جائے دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔

سوال: انجکشن سے تو بسا اوقات جسم میں قوت بھی آجاتی ہے تو اس سے روزہ ٹوٹ جانا چاہیے۔؟

جواب: مطلق قوت ونشاط کا پیدا ہونا روزہ کے منافی نہیں بلکہ وہ قوت ونشاط منافی صوم ہے جو منفذ اصلی کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہو۔ اس کے علاوہ کسی اور عمل سے اگر قوت آجائے یا نشاط پیدا ہو جائے یا پیاس مٹ جائے تو یہ مفسد صوم نہیں۔

دیکھئے روزے کی حالت میں غسل کی اجازت ہے۔ غسل کے ذریعے سے مساموں کے اندر پانی پہنچتا ہے اور اسکے ذریعے سے پیاس میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے لیکن چونکہ یہ پانی منفذ اصلی سے نہیں پہنچتا اسلئے وہ مفسد صوم نہیں اسی طرح روزے کی حالت میں کسی ٹھنڈے ملک میں چلے جاؤ یا اے سی والے کمرے میں بیٹھ جاؤ تو اس سے بھی پیاس ختم ہو جاتی ہے یہی معاملہ ٹیکے کا بھی ہے۔ اس مسئلہ میں علماء ہند و پاک میں اختلاف آیا ہے۔ اسلئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ بغیر عذر کے ٹیکہ نہیں لگوانا چاہیے عذر کی بناء پر لگوا سکتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَلَا يَصُومُ إِلَّا بِإِذْنِهِمْ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُعَاذٍ الْعَقَدِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ وَاقِدٍ الْكُوفِيُّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ

بشر بن معاذ عقدی بصری، ایوب بن واقد کوفی، ھشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَزَلَ عَلَى قَوْمٍ فَلَا يَصُومُ مَنْ تَطَوُّعًا إِلَّا بِإِذْنِهِمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا مِنَ الثِّقَاتِ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَقَدْ رَوَى مُوسَى بْنُ دَاوُدَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْمَدَنِيِّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِنْ هٰذَا قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ أَيْضًا وَأَبُو بَكْرٍ ضَعِيفٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَأَبُو بَكْرٍ الْمَدَنِيُّ الَّذِي رَوَى عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اسْمُهُ الْفَضْلُ بْنُ مُبَشِّرٍ وَهُوَ أَوْثَقُ مِنْ هٰذَا وَأَقْدَمُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے تو وہ ان کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے، ہم اسے کسی ثقہ راوی کی ہشام بن عروہ سے روایت کے متعلق نہیں جانتے۔ موسیٰ بن داؤد، ابوبکر مدنی سے وہ ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث بھی ضعیف ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک ابوبکر ضعیف ہیں۔ ابوبکر مدنی جو جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں ان کا نام فضل بن مبشر ہے اور وہ ان سے زیادہ ثقہ اور پرانے ہیں۔

تشریح: اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہے تو وہاں روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ حدیث الباب کا حاصل یہ ہے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر مہمان روزہ نہ رکھے کیونکہ مہمان کا روزہ رکھنا یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو مہمان سحری کے بغیر روزہ رکھے گا تو اس صورت میں میزبان کو شرمندگی ہوگی کہ میرے مہمان نے میرے پاس بغیر کھائے روزہ رکھ لیا۔ اور اگر میزبان کے گھر والے اس کو سحری تیار کر کے دیں تو یہ گھر والوں کے لئے مشکل کا باعث ہے اور یہ بات ذرا مروت کے خلاف ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مہمان کے احترام میں میزبان نے دو چار آدمیوں کو کھانے پر بلا رکھا ہو تو اگر وہ چپکے سے روزہ رکھے گا تو میزبان کے لئے پریشانی کا باعث ہوگا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

قال ابو عیسٰی هٰذا حدیث منکر: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ منکر کی تعریف مقدمہ میں گزر چکی ہے یہاں منکر دو طرح کا ہوتا ہے ایک فن حدیث کا منکر اور دوسرا امام ترمذیؒ کا منکر۔

فن حدیث میں منکر کے معنی یہ ہیں غیر ثقہ کا ثقہ کیخلاف روایت کرنا۔ پس غیر ثقہ کی روایت منکر ہے اور ثقہ کی روایت معروف ہے۔

اور سنن ترمذی میں منکر وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے والا صرف ضعیف راوی ہو اور وہ نہایت ضعیف ہو۔ گویا امام ترمذیؒ کے نزدیک منکر ضعیف جدًا کے معنی میں آتا ہے۔

یہ حدیث منکر اسلئے ہے کہ اس کو صرف ایوب بن واقد الکوفی روایت کرتا ہے اور یہ نہایت ضعیف راوی ہے اور ابوبکر المدنی اس کا متابع ہے مگر وہ بھی ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔ یہ ابوبکر المدنی محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں اور دوسرے بھی ابوبکر المدنی ہیں جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انکا نام فضل بن مبشر ہے وہ اس راوی سے اوثق اور مقدم ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاعْتِكَافِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ

محمود بن غیلان، عبدالرزاق، معمر، زہری، سعید بن مسیب، ابوہریرہ، عروہ، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی

الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَأَبِي لَيْلَى وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وفات تک رمضان کے آخری دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت ابی بن کعب، ابولیلیٰ، ابوسعید، انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِي مُعْتَكَفِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلٌ رَوَاهُ مَالِكٌ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ مُرْسَلًا وَرَوَاهُ الْأَوْزَاعِيُّ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَقُولُونَ إِذَا أَرَادَ الرَّجُلُ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِي مُعْتَكَفِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ فَلْتَغِبْ لَهُ الشَّمْسُ مِنَ اللَّيْلَةِ الَّتِي يُرِيدُ أَنْ يَعْتَكِفَ فِيهَا مِنَ الْغَدِ وَقَدْ قَعَدَ فِي مُعْتَكَفِهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ.

ھناد، ابومعاویہ، یحییٰ بن سعید، عمرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز کے بعد ہی اپنی اعتکاف گاہ میں داخل ہو جایا کرتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے وہ عمرہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ مالک اور کئی راوی بھی اس حدیث کو یحییٰ بن سعید سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ اوزاعی اور سفیان ثوری بھی یحییٰ بن سعید سے وہ عمرہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ جب کوئی اعتکاف کا ارادہ کرے تو نمازِ فجر کے بعد اعتکاف گاہ میں داخل ہو جائے، امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن ابراہیم کا بھی یہی قول ہے، بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جس روز اعتکاف کرنا ہو اس رات کو سورج غروب ہونے سے پہلے اسے اپنی اعتکاف گاہ میں بیٹھنا چاہیے۔ سفیان ثوری اور مالک بن انس کا یہی قول ہے۔

تشریح: الاعتكاف فى اللغة: الاقامة على الشيء ولزومه، وحبس النفس عليه.

الاعتكاف فى الشرع: هو الاقامة فى المسجد واللبث فيه مع الصوم والنية (تبيين الحقائق).

اعتکاف کی اقسام: اعتکاف کی تین اقسام ہیں۔

اعتکاف واجب: یعنی نذر کا اعتکاف کہ کسی نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں اتنے دن اعتکاف کروں گا۔ یہ اعتکاف اس پر واجب ہو گیا یا اس نے کسی مسنون اعتکاف کو فاسد کر دیا تو اس کی قضاء واجب ہے۔ نذر کے لئے زبان سے لفظ کا کہنا ضروری ہے محض ارادہ اور نیت سے وہ اعتکاف نذر کا نہیں ہوگا۔

اعتکاف سنت: جو صرف رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اکیسویں شب سے عید کا چاند دیکھنے تک کیا جاتا ہے چونکہ نبی کریم ﷺ ہر سال ان دنوں اعتکاف کیا کرتے تھے اس لئے اس کو اعتکاف مسنون کہتے ہیں۔ یہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے یعنی ایک بستی یا محلے میں کوئی ایک شخص بھی کر لے۔ تو تمام اہل محلہ کی طرف سے اعتکاد کی سنت ادا ہو جائے گی لیکن اگر پورے محلہ میں سے کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو تمام محلے والوں پر ترک سنت کا گناہ ہوگا۔

اعتکاف نفل و مستحب: وہ اعتکاف جو کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے اگر کوئی مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے داخل ہو تو وہ اعتکاف کی نیت کر لے تو یہ مستحب و نفل اعتکاف ہوگا۔ اسکے علاوہ کوئی شخص ایک دن کا نفل اعتکاف کرتا ہے تو اسکو نفل روزہ بھی رکھنا ہوگا، لا اعتکاف بصوم کے پیش نظر اعتکاف کے لئے ضروری ہے کہ معتکف مسلمان ہو عاقل ہو اس اعتبار سے کافر اور مجنون کا اعتکاف درست نہیں البتہ نابالغ بچہ جس طرح نماز روزہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اعتکاف بھی کر سکتا ہے۔ عورت کے لئے مسنون اعتکاف اس طرح ہے کہ گھر میں کوئی جگہ خاص کر لے اور وہاں اعتکاف کرے اس کے لئے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حیض و نفاس سے پاک ہو اعتکاف واجب اور اعتکاف مسنون میں یہ بھی شرط ہے کہ انسان روزہ دار ہو البتہ مستحب و نفلی اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔ نیز اس اعتکاف کے لئے وقت کی بھی تحدید نہیں۔

مسئلہ اولیٰ: رمضان کا اعتکاف کب سے شروع ہوتا ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام اوزاعیؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک اکیس تاریخ کی فجر تک مسجد میں داخل ہو سکتا ہے۔

قول ثانی: جمہور ائمہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بیسویں رمضان کی مغرب سے پہلے مسجد میں داخل ہونا ضروری ہے۔

سفیان ثوریؒ و اوزاعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے "انه علیه السلام اذا اراد ان یعتکف صلی الفجر"۔

جواب اوّل: نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں تو اکیسویں شب سے پہلے ہی داخل ہو جاتے تھے لیکن آرام کرنے کے بجائے پوری رات نماز میں کھڑے کھڑے گزار دیتے تھے اس لئے اعتکاف گاہ میں تشریف لے جانا اکیسویں تاریخ کو فجر کے بعد ہوتا تھا۔

جواب ثانی: حدیث میں فجر سے مراد بیسویں تاریخ کی فجر ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ صبح ہی سے اعتکاف کے انتظام کے سلسلہ میں مسجد چلے جاتے تھے۔

جمہور ائمہ کی دلیل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے "انه علیه السلام کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان"۔ دس راتیں تب ہوں گی جب بیسویں تاریخ کی مغرب کے بعد اعتکاف کیا جائے۔

مسئلہ ثانیہ: اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک واجب اعتکاف کے لئے صوم شرط ہے۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کا قول جدید اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ واجب اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں۔

امام شافعیؒ و احمدؒ کی دلیل: عن عمر رضی اللہ عنہ قال یا رسول اللہ انّی نذرت ان اعتکف فی المسجد الحرام لیلۃ فقال له اوف بنذرك. رات کو تو روزہ نہیں ہوتا اس سے تو معلوم ہوا کہ واجب اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے۔

جواب اوّل: علامہ نوویؒ نے دیا ہے کہ نذر زمانہ جاہلیت کی تھی جو سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس سے استدلال کرنا

درست نہیں۔ کیونکہ اسلام تو زمانہ جاہلیت کے تمام غلط رواج کو ختم کر دیتا ہے۔ اور یہاں پر نذر واجب کی صورت میں نہیں تھی محض ایفاء عہد کے لئے استحبابی حکم تھا۔

جواب ثانی: صحیحین کی ایک روایت میں ''أن یعتکف یومًا'' کے الفاظ ہیں تو نذر رات اور دن دونوں کے اعتکاف کی تھی لہٰذا لیلۃ کے لفظ سے استدلال کرنا درست نہیں۔

سوال: صحیحین کی روایت میں روزہ کا ذکر تو نہیں ہے۔

جواب: ابوداؤد اور نسائی شریف میں روزہ کا ذکر موجود ہے الفاظ حدیث یہ ہیں ''اعتکف و صم'' اور دارقطنی کی ایک روایت میں ہے ''فامرہ أن یعتکف و یصوم''۔

سوال: اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن بدیل ضعیف راوی ہے اور متفرد ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔

جواب: ابن معینؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ملی صالح، ابن شاہین نے کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ملی صالح، ابن حبان نے بھی اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا یہ ثقہ ہیں و زیادۃ الثقۃ حجۃٌ۔

احناف کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: قالت السنۃ علی المعتکف ان لا یعود مریضًا ...... ولا اعتکاف الا بصوم۔ اس حدیث شریف میں السنۃ کا لفظ ہے اور یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اس سے مراد اصطلاحی سنت نہیں بلکہ ضروری احکام ہیں۔

دلیل ثانی: دارقطنی اور بیہقی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف العشر الاواخر۔۔۔۔ والسنۃ فیمن یعتکف او یصوم۔

دلیل ثالث: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن عمر رضی اللہ عنہما انھما قالا المعتکف أن یصوم. معتکف کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعتکاف کے ساتھ ساتھ روزہ بھی رکھے۔

دلیل رابع: مسند عبد الرزاق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے قال من اعتکف فعلیہ الصوم۔

دلیل خامس: موطا امام مالکؒ میں ہے عن قاسم بن محمد و نافع قالا لا اعتکاف الا بصیام۔

مسئلہ ثالثہ: اعتکاف کون سی مسجد میں کرنا چاہئے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام زہریؒ کے نزدیک جامع مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے جہاں پر جمعہ بھی ہوتا ہو ورنہ اعتکاف نہیں ہوگا۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک ہر اس مسجد میں اعتکاف جائز ہے جہاں پانچ وقت با جماعت نماز ادا کی جاتی ہو جمعہ کی مسجد ضروری نہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل: انکے پاس نصوص سے کوئی دلیل نہیں صرف قیاس ہے کہ جمعہ کی نماز فرض ہے اس کیلئے نکلنے کی ضرورت ہوگی لہٰذا ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا چاہیے جس میں جمعہ بھی ہوتا ہو۔

جمہور حضرات کی دلیل: قرآن پاک کی آیت ہے ''ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد'' یہاں مسجد عام کا ذکر ہے مسجد جمعہ کی قید نہیں ہے لہٰذا نص کو قیاس کی وجہ سے مقید کرنا جائز نہیں ہے۔

لا اعتکاف الا بصوم: مسنون اعتکاف بغیر روزے کے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

امام شمنیؒ کے نزدیک اعتکاف روزے کے بغیر ہو سکتا ہے یہ دلیل دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف بغیر صوم کے کیا۔

جواب: وہ اعتکاف نفل پر محمول ہے جیسے کہ کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے ارادے سے داخل ہوتا ہے تو وہ اعتکاف

کی نیت کرے تو اس کو ثواب حاصل ہوگا یہ ایسے اعتکاف پر محمول ہے اور یہ روزہ کے بغیر ہوگا۔
اس کے علاوہ باقی تمام جمہور حضرات کے نزدیک مسنون اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہوتا۔ ان کے مختلف دلائل ہیں۔
دلیل اوّل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت دارقطنی اور بیہقی میں ہے ''عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا اعتكاف الا بصوم''۔
دلیل ثانی: بیہقی میں یوں ہے ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن عمر رضی اللہ عنہما أنهما قالا المعتكف يصوم''۔
دلیل ثالث: اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ثم اتموا الصيام الى الليل ولا تباشروهن وانتم عاكفون فى المساجد''۔ اس آیت میں اعتکاف کیساتھ روزے کا ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۵۳۷)
یہ حدیث اعتکاف نذر کے مسئلے میں احناف کی دلیل ہے کہ اعتکاف کیلئے روزہ لازمی ہے
مرقاۃ میں ہے کہ سب سے افضل اعتکاف مسجد حرام کا ہے پھر مسجد نبوی کا ہے پھر جمعہ والی مسجد کا پھر جماعت والی مسجد کا اور اس میں بھی وہ مسجد جس میں نمازی زیادہ ہوں۔
قال و فی الباب: اوّل حدیث الباب کی سند میں ابن شہاب زہری سے تحویل ذکر کی ہے ایک سند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر پہنچتی ہے اور دوسری سند حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر پہنچتی ہے۔ اور جہاں مصنف کتاب کی جانب سے تحویل ہوتی ہے وہاں تحویل کی علامت ح لکھتے ہیں اور اگر اوپر سے کسی راوی سے تحویل ہوتی ہے تو ح نہیں لکھتے چنانچہ یہاں پر بھی ''ح'' نہیں لکھا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجَاوِرُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَيَقُولُ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَابْنِ عُمَرَ وَالْفَلَتَانِ بْنِ عَاصِمٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أُنَيْسٍ وَأَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَبِلَالٍ وَعُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَوْلُهَا يُجَاوِرُ يَعْنِي يَعْتَكِفُ وَأَكْثَرُ الرِّوَايَاتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ

ھارون بن اسحاق ھمدانی، عبدہ بن سلیمان، ھشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری دس دن اعتکاف بیٹھتے اور فرماتے شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ اس باب میں حضرت عمر، ابی بن کعب، جابر بن سمرہ، جابر بن عبداللہ، ابن عمر، فلتان بن عاصم، انس، ابوسعید، عبداللہ بن انیس، ابوبکرہ، ابن عباس، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور یجاور، کے معنی اعتکاف کرنے کے ہیں۔ اکثر روایتوں میں یہی ہے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرے کی ہر طاق رات میں تلاش کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

الْأَوَاخِرِ فِي كُلِّ وِتْرٍ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَنَّهَا لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ وَلَيْلَةُ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ وَخَمْسٍ وَعِشْرِينَ وَسَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَتِسْعٍ وَعِشْرِينَ وَآخِرُ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ الشَّافِعِيُّ كَأَنَّ هٰذَا عِنْدِي وَاللهُ أَعْلَمُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُجِيبُ عَلَى نَحْوِ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ يُقَالُ لَهُ نَلْتَمِسُهَا فِي لَيْلَةِ كَذَا فَيَقُولُ الْتَمِسُوهَا فِي لَيْلَةِ كَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَقْوَى الرِّوَايَاتِ عِنْدِي فِيهَا لَيْلَةُ إِحْدَى وَعِشْرِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ كَانَ يَحْلِفُ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَيَقُولُ أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَلَامَتِهَا فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا وَرُوِيَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ قَالَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ تَنْتَقِلُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ أَخْبَرَنَا بِذٰلِكَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ بِهٰذَا.

وآلہ وسلم سے شب قدر کے متعلق یہ بھی مروی ہے کہ وہ اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں یا رمضان کی آخری رات ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک واللہ اعلم اس کی حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جس طرح کا سوال کیا جاتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح کا جواب دیا کرتے تھے۔ اگر کہا جاتا کہ ہم اسے اس رات میں تلاش کریں تو آپ فرماتے اس رات میں تلاش کرو لیکن میرے نزدیک قوی روایت اکیسویں رات والی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ ستائیسویں رات ہی ہے اور فرماتے کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے اس کی علامات بتائی تھیں ہم نے اسے گن کر یاد کرلیا۔ ابوقلابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا شب قدر آخری عشرے میں بدلتی رہتی ہے۔ ہمیں اس کی خبر عبد بن حمید نے عبدالرزاق کے حوالے سے دی۔ وہ معمر سے وہ ایوب سے اور وہ ابوقلابہ سے روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ قُلْتُ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ أَنَّى عَلِمْتَ أَبَا الْمُنْذِرِ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ قَالَ بَلَى أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا لَيْلَةٌ صَبِيحَتَهَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ فَعَدَدْنَا وَحَفِظْنَا وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ ابْنُ مَسْعُودٍ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ وَلٰكِنْ كَرِهَ أَنْ يُخْبِرَكُمْ فَتَتَّكِلُوا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

واصل بن عبدالاعلیٰ کوفی، ابوبکر بن عیاش، عاصم، حضرت زر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ابومنذر کو کس طرح کہا کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ فرمایا بے شک ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ وہ ایسی رات ہے کہ اسکے بعد جب صبح سورج نکلتا ہے تو اس میں شعاعیں نہیں ہوتیں ہم نے گنا اور حفظ کرلیا قسم ہے اللہ کی کہ ابن مسعود بھی جانتے تھے کہ یہ رات رمضان کی ستائیسویں رات ہی ہے لیکن تم لوگوں کو بتانا بہتر نہیں سمجھا تاکہ تم صرف اس رات پر بھروسہ نہ کرنے لگو اور دوسری راتوں میں عبادت کرنا کم نہ کردو، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا عُيَيْنَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي

عیینہ بن عبدالرحمن اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکرہ کے سامنے شب قدر کا تذکرہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں نے اس وقت سے

قَالَ ذُكِرَتْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ عِنْدَ أَبِي بَكْرَةَ فَقَالَ مَا أَنَا بِمُلْتَمِسِهَا لِشَيْءٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَإِنِّي سَمِعْتُهُ يَقُولُ الْتَمِسُوهَا فِي تِسْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ سَبْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ خَمْسٍ يَبْقَيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ قَالَ وَكَانَ أَبُو بَكْرَةَ يُصَلِّي فِي الْعِشْرِينَ مِنْ رَمَضَانَ كَصَلَاتِهِ فِي سَائِرِ السَّنَةِ فَإِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اجْتَهَدَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اسے تلاش کرنا چھوڑ دیا ہے جب سے رسول اللہ ﷺ نے اسکے متعلق فرمایا کہ اسے رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب رمضان کے ختم ہونے میں نو راتیں باقی رہ جائیں اور اسے (یعنی لیلۃ القدر کو) تلاش کرو یا جب سات راتیں رہ جائیں یا جب پانچ راتیں رہ جائیں یا پھر رمضان کی آخری رات۔ راوی کہتے ہیں کہ ابوبکرہ رمضان کے پہلے بیس دن پورے سال کی مانند پڑھتے پھر جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو (زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کی) کوشش کرتے، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ: ① اس بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے اس رات میں اس سال کی تقدیر نقل کرتے ہیں اور رزق، اجل وغیرہ لکھے جاتے ہیں ''کمافی قولہ تعالی فیھا یفرق کل امر حکیم، تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام'' ② بعض حضرات نے کہا کہ قدر کے معنی عزت وعظمت کے ہیں اور چونکہ اس کی عزت وعظمت زمین وآسمان میں ہوتی ہے ③ بعض نے کہا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ قدر ومنزلت کی رات ہے کیونکہ اس میں قرآن نازل ہوا تھا یا اس رات ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہیں اس وجہ سے اس کو قدر کہتے ہیں یا اس رات رحمت، برکت اور مغفرت نازل ہوتی ہے یا اس رات کو زندہ کیا جاتا ہے یعنی جاگا جاتا ہے اس وجہ سے یہ قدر والی رات ہے۔

بعض نے کہا یہاں قدر سے تضیق مراد ہے یعنی قدر کی تعیین لوگوں سے پوشیدہ رکھی یا اس رات زمین پر ملائکہ کی کثرت کی وجہ سے زمین تنگ پڑ جاتی ہے اس تضیق کی وجہ سے قدر کہا جاتا ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۵۲۶)

شب قدر کی تعیین: اس میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ چالیس سے زائد اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں۔ ① ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں پورے سال ہونا ممکن ہے ② ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ شب قدر رمضان کے ساتھ خاص ہے رمضان کی تمام راتوں میں پایا جانا ممکن ہے ③ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شب قدر رمضان کی سترہ تاریخ کی رات کو ہوتی ہے ④ بعض شوافع کے ہاں آخری عشرہ میں ہوتی ہے ⑤ شب قدر تئیس تاریخ کو ہوتی ہے ⑥ بعض حضرات نے کہا کہ چوبیس کی رات کو ہوتی ہے ⑦ جمہور حضرات کے نزدیک عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے ⑧ بعض حضرات نے کہا رمضان کی ستائیسویں شب میں ہوتی ہے ⑨ بعض نے کہا کہ رمضان کی پہلی رات یا نصف رات کو ہوتی ہے ⑩ بعض حضرات نے کہا پندرہ شعبان کو لیلۃ القدر ہوتی ہے

عدم تعیین کی حکمت اور وجوہات: **اوّل:** آپ ﷺ کو اس کی تعیین کا علم دیا گیا تھا لیکن جب لوگوں کو بتلانے کے لئے آپ باہر نکلے تو دو آدمیوں کے تنازع کی نحوست کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعیین اٹھالی اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری بھلائی اس میں ہے کہ اس کی تلاش میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرو۔

ثانی: اگر اسکی تاریخ معلوم ہوتی تو اتنی قدر وقیمت نہ ہوتی دوسرا یہ کہ اسکے طالبین پورا رمضان شوق سے عبادت کریں۔

ثالث: بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گناہ کئے بغیر نہیں رہتے شب قدر کی تعیین کی صورت میں اگر باوجود علم ہونے کے اس رات میں کوئی گناہ کی جرأت کرتا تو سخت اندیشہ تھا۔

شب قدر پہچاننے کی علامات: ① جس رات کو لیلۃ القدر ہوتی ہے اس رات کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو بغیر شعاع کے

ہوتا ہے جس طرح چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے ② اس رات میں نہ زیادہ ٹھنڈ ہوتی ہے اور نہ زیادہ گرمی ہوتی ہے ③ وہ رات کھلی ہوئی ہوتی ہے ④ اس رات میں آسمان سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر ادھر نہیں جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر) ⑤ بعض علماء کا تجربہ ہے کہ اس رات میں سمندروں، کنوؤں کا کھاری پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ (العرف الشذی) ⑥ امام ابن جریر طبریؒ نے بعض بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اس رات میں ہر چیز زمین پر جھک کر سجدہ کرتی ہے اور پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتی ہے۔ (عینی) ⑦ بعض حضرات نے کہا اس روز پانی دودھ کی شکل اختیار کر لیتا ہے ⑧ ہر چیز سفید روشن نظر آتی ہے ⑨ بعض حضرات نے کہا کہ اس رات آہستہ آہستہ موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔

لیلۃ القدر کے نزول کے اسباب: ابن ابی حاتمؒ کی روایت ہے کہ ایک دن نبی کریمؐ نے بنی اسرائیل کے چار اشخاص کا ذکر کیا کہ انہوں نے اسی برس تک اللہ رب العزت کی عبادت کی اور ان کا ایک لمحہ بھی اللہ کی نافرمانی میں نہیں گزرا اور وہ چار اشخاص یہ ہیں۔ ① حضرت ایوب علیہ السلام ② حضرت زکریا علیہ السلام ③ حضرت حزقیل علیہ السلام ④ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام۔ یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعجب کرنے لگے اور خواہش کرنے لگے کہ ہماری بھی اتنی عمر ہوتی کہ ہم بھی اتنی طویل مدت تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اے محمد آپ کی امت ان لوگوں کی اسی اسی برس کی عبادت پر متعجب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ اور آپ کی امت کے لئے یہ انعام بھیجا ہے۔ پھر سورۃ قدر نازل ہوئی۔

سوال: ایک سوال جو عوام الناس کے ذہنوں میں رہتا ہے کہ لیلۃ القدر کی رات تو ایک ہے جب ایک دفعہ کسی جگہ پر آگئی پھر چلی گئی تو دوسری جگہ میں کیسے آئے گی اور اگر آبھی گئی تو پھر طاق راتوں میں کیسے آئے گی؟

جواب: لیلۃ القدر کے آنے جانے کا تعلق اختلاف مطالع اور زمانے کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ ہے مثلاً یہ کہ پہلے افغانستان میں آئی وہاں سے آتے آتے پاکستان پہنچی پھر پاکستان سے گزرتے ہوئے ہندوستان پہنچتی ہے اب وہی لیلۃ القدر ہے اب اگر افغانستان میں ۲۷ کو آئی تو جب پاکستان پہنچے گی تو یہاں طاق عدد ہی ہوگا۔ "وعلی هذا القياس"۔

بَاب مِنْهُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ هُبَيْرَةَ بْنِ يَرِيمَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوقِظُ أَهْلَهُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

محمود بن غیلان، وکیع، سفیان، ابی اسحاق، ھبیرہ بن یریم، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اپنے گھر والوں کو جگایا کرتے تھے امام عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زِيَادٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِي غَيْرِهَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، عبدالرحمن بن زیاد، حسن بن عبیداللہ، ابراہیم، اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس قدر کوشش فرماتے اتنی دوسرے دنوں میں نہ کرتے تھے، امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب حسن صحیح ہے۔

تشریح: تہجد کے لئے جب آپ ﷺ اٹھتے تھے تو گھر والوں کو نہیں اٹھاتے تھے اگر وہ خود اٹھ جاتیں تو ان کی مرضی، لیکن جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو آپ ﷺ خود بھی عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی عبادت کرتے تھے کہ دوسرے دنوں میں اتنی محنت نہیں کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں گھر والوں کو بھی بیدار کرتے تھے تاکہ وہ شب قدر سے غافل نہ رہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّوْمِ فِي الشِّتَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ نُمَيْرِ بْنِ عُرَيْبٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ مُرْسَلٌ وَعَامِرُ بْنُ مَسْعُودٍ لَمْ يُدْرِكِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَالِدُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَامِرٍ الْقُرَشِيِّ الَّذِي رَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ.

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، سفیان، ابی اسحاق، نمیر بن عریب، حضرت عامر بن مسعود سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈی نعمت (یعنی نعمت کا ثواب) سردیوں میں روزہ رکھنا ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مرسل ہے عامر بن مسعود نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا اور یہ ابراہیم بن عامر قرشی کے والد ہیں ان سے شعبہ اور سفیان ثوری نے روایت کی ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں نبی کریم ﷺ نے سردیوں کے روزوں کو ٹھنڈی غنیمت سے تشبیہ دی ہے کہ سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے جس کی وجہ سے نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس لگتی ہے اور ثواب بھی پورا ملتا ہے۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ سردیوں کے دنوں میں نفلی روزے زیادہ رکھے جائیں تاکہ ثواب حاصل ہو۔ یا سردیوں کے دنوں میں قضاء روزے رکھ لئے جائیں تاکہ آسانی سے ادا ہوسکیں۔

قال ابو عیسیٰ هٰذا حدیث مرسل: عامر بن مسعود کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ یہ صحابی رسول ہیں اس صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی جبکہ امام ترمذیؒ کا رجحان یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں اس صورت میں یہ حدیث مرسل ہوگی اور وہ ابراہیم بن عامر القرشی کے والد ہیں جو شعبہ اور سفیان ثوری کے استاد ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ بُكَيْرٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ) كَانَ مَنْ أَرَادَ مِنَّا أَنْ يُفْطِرَ وَيَفْتَدِيَ حَتَّى نَزَلَتِ الْآيَةُ الَّتِي بَعْدَهَا فَنَسَخَتْهَا قَالَ أَبُو عِيسَى

قتیبہ، بکر بن مضر، عمرو بن حارث، بکیر، یزید، حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، "وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ" (البقرۃ) تو ہم میں سے جو چاہتا کہ روزہ نہ رکھے تو وہ فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی اور اس نے اس حکم کو منسوخ کر دیا، امام ترمذیؒ

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَيَزِيدُ هُوَ ابْنُ أَبِي عُبَيْدٍ مَوْلَى سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ

فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور یزید ابوعبید کے بیٹے اور سلمہ بن اکوع کے مولیٰ ہیں۔

تشریح: یہ سورۂ بقرہ کی ۱۸۴ نمبر آیت ہے اس آیت کا تعلق صوم فرض کے ساتھ ہے یا کسی اور صوم سے اس بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں۔دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا محکم ہے۔

جہاں تک پہلی بحث کا تعلق ہے اس کے بارے میں عام مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا تعلق صوم فرض کے ساتھ ہے اس کے متعلق بعد میں نسخ کا حکم گیا۔علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق صوم فرض سے نہیں ···· لیکن معارف السنن میں ہے کہ عام روایات سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کا تعلق صوم فرض سے ہے کسی اور سے نہیں۔

دوسرا مسئلہ: اسکا حکم باقی ہے یا منسوخ ہو گیا؟ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ جب ابتداءً روزے کے بارے میں حکم نازل ہوا تو اس میں کچھ آسانی تھی اسلئے طاقتور آدمی بھی فدیہ دے کر روزہ نہیں رکھتے تو انکو اجازت تھی لیکن جب یہ آیت اتری ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' تو اس سے وعلى الذين يطيقونه والے عمل کو منسوخ کر دیا گیا البتہ اسکی تلاوت اب بھی باقی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق صوم کی کسی قسم سے نہیں بلکہ اس کا تعلق صدقہ فطر سے ہے مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ نے طاقت دی ہے ان پر صوم کے ساتھ طعام مسکین یعنی صدقہ فطر بھی ہے۔

وعلى الذين يطيقونه میں تین قراءتیں ہیں۔ایک تو یہی ہے دوسری قراءت يُطِيقُوْنَهٗ اور تیسری قراءت يُطَيَّقُوْنَهٗ ہے اس میں اول جمہور کی قراءت ہے اور آخری دونوں قراءتیں ابن عباسؓ کی ہیں۔جمہوریت والی قراءت کا مطلب اوپر گزر چکا ہے کہ یہ منسوخ ہے۔

ابن عباسؓ کے ہاں ایک قراءت جمہور کے مطابق ہے کہ يطيقونه باب افعال سے ہے اور باب افعال کی ایک خاصیت سلب مأخذ ہے۔اب اسکا مطلب یہ ہے کہ جن سے روزے کی طاقت سلب ہو گئی ہے ان پر فدیہ ہے ان دونوں صورتوں میں یہ آیت منسوخ ہوگی۔

چوتھی توجیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے ان کے ہاں یہ آیت اس طرح ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوَّقُوْنَهٗ باب تفعیل سے جمع غائب مجہول کا صیغہ ہے اس صورت میں معنی ہوں گے اور ان لوگوں پر جو روزہ کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہو جائیں ان پر فدیہ ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے آیت میں ایسے بوڑھے مرد اور ایسی بوڑھی عورتیں مراد ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ فدیہ ادا کریں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَنْ أَكَلَ ثُمَّ خَرَجَ يُرِيدُ سَفَرًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ أَنَّهُ قَالَ أَتَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي رَمَضَانَ وَهُوَ يُرِيدُ سَفَرًا وَقَدْ رُحِلَتْ لَهُ رَاحِلَتُهُ وَلَبِسَ ثِيَابَ السَّفَرِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلَ

قتیبہ، عبداللہ بن جعفر، زید بن اسلم، محمد بن منکدر، محمد بن کعب سے روایت ہے کہ میں رمضان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ کہیں جانے کا ارادہ کر رہے تھے اور ان کی سواری تیار تھی انہوں نے سفر کا لباس پہن لیا تھا پھر

فَقُلْتُ لَهُ سُنَّةٌ قَالَ سُنَّةٌ ثُمَّ رَكِبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ أَتَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِي رَمَضَانَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ هُوَ مَدِينِيٌّ ثِقَةٌ وَهُوَ أَخُو إِسْمٰعِيلَ بْنِ جَعْفَرٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ هُوَ ابْنُ نَجِيحٍ وَالِدُ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ وَكَانَ يَحْيَى بْنُ مُعِينٍ يُضَعِّفُهُ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالُوا لِلْمُسَافِرِ أَنْ يُفْطِرَ فِي بَيْتِهِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْصُرَ الصَّلَاةَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ جِدَارِ الْمَدِينَةِ وَالْقَرْيَةِ وَهُوَ قَوْلُ إِسْحٰقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ

انہوں نے کھانا منگوایا اور کھایا میں نے کہا کیا یہ سنت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں سنت ہے اور پھر سوار ہو گئے۔ محمد بن اسماعیل، سعید بن ابومریم سے وہ محمد بن جعفر سے وہ زید بن اسلم سے وہ محمد بن منکدر سے اور وہ محمد بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ میں انس بن مالک کے پاس آیا اور پھر اسی کی مثل روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے محمد بن جعفر یہ ابن ابی کثیر مدنی ہیں یہ ثقہ ہیں اور اسماعیل بن جعفر کے بھائی ہیں اور عبداللہ بن جعفر، نجیح کے بیٹے اور علی بن مدینی کے والد ہیں۔ یحییٰ بن معین انہیں ضعیف کہتے ہیں۔ بعض اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ مسافر کو سفر کیلئے نکلنے سے پہلے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن قصر نماز اس وقت تک نہ شروع کرے جب تک گاؤں یا شہر کی حدود سے باہر نہ نکل جائے یہ اسحاق بن ابراہیمؒ کا قول ہے۔

تشریح: سفر کے متعلق ماقبل میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ جو شخص سفر پر جا رہا ہو تو اس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ اس دن صبح سے ہی روزہ چھوڑ دے۔ یہ جمہور حضرات اور احناف کا مذہب ہے۔

امام احمدؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک اس دن صبح سے روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ اور اگر روزہ رکھ لیا تو سفر شروع کرنے سے پہلے اس کو توڑنا جائز نہیں۔ ورنہ قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ اگر سفر شروع کر دیا تو کیا وہ رمضان کا روزہ توڑ سکتا ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سفر شروع کے بعد روزہ توڑ سکتا ہے باقی فقہاء کے نزدیک سفر شروع کرنے کے بعد بھی رکھا ہوا روزہ توڑنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے وہ روزہ توڑ دیا تو صرف قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں ہوگا۔ یہی قول امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کا ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ کے لئے رمضان میں چلے تو آپ نے افطار نہیں کیا بلکہ روزہ رکھا جبکہ بعد کے ایام میں آپ نے افطار بھی کیا۔

باقی رہی حدیث الباب کا ذکر سو اس بارے میں صراحت نہیں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے وطن میں کھانا کھایا تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ راستہ کی کسی منزل کا واقعہ ہو۔

قال ابو عیسیٰ هٰذا حدیث حسن و محمد بن جعفر: یہ حدیث عبداللہ بن جعفر کی وجہ سے ضعیف ہے مگر چونکہ محمد بن جعفر ان کے متابع ہیں اور وہ ثقہ ہیں اس لئے عبداللہ کے ضعف سے حدیث پر اثر نہیں پڑے گا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اگر اس دن روزہ نہیں رکھا تھا تو بھی اعتراض وارد ہوگا اور اگر روزہ رکھا تھا اور سفر شروع کرنے سے پہلے توڑ دیا تو بھی اعتراض وارد ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث کی دلالت محکم نہیں۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ انہوں نے گھر سے سفر شروع نہ کیا ہو بلکہ راستے میں

کہیں قیام طعام کیا پھر وہیں سے آگے سفر شروع کیا تو اس وقت انہوں نے روزہ نہ رکھا ہو اس لئے کھانا کھا کر سفر شروع کیا ہو۔

باقی حدیث میں سنۃ کا لفظ آیا ہے تو حدیث میں سنت کے معروف معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے ایسا کیا اور سنت بمعنی جائز بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ محاورات میں سنت بمعنی جائز بھی استعمال ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مجتہدات میں سنت کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک بار نماز جنازہ پڑھائی اور اس میں سورۂ فاتحہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میں نے یہ عمل اس لئے کیا ہے تا کہ تم جانو کہ یہ سنت ہے۔ یہ حضرت ابن عباسؓ کی اپنی رائے تھی انہوں نے اس کو سنت سے تعبیر کر دیا حالانکہ نبی کریم ﷺ سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ثابت ہی نہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ یہ حدیث محکم الدلالت نہیں اور اس پر امت کا اجماع بھی ہے کہ سفر کے دوران جو نمازوں کی قصر کا تعلق ہے وہ سفر کے شروع کرنے سے پہلے ہی لاگو نہیں ہوگا بلکہ سفر شروع کرنے کے بعد وہ مسافر شمار ہوگا اور اس کو قصر نماز پڑھنی ہوگی۔ لہٰذا افطار کی سہولت جو حاصل ہوتی ہے وہ بھی سفر شروع کرنے کے بعد حاصل ہوگی۔ جب تک سفر شروع نہیں کرے گا اس وقت تک روزہ افطار کرنے کی سہولت اسے نہیں ملے گی۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن جعفر کے دادا کا نام ابو کثیر ہے یہ مدنی اور ثقہ ہیں اور اسماعیل بن جعفر کے بھائی ہیں اور عبداللہ جعفر کے دادا کا نام نجیح ہے اور وہ علی بن المدینی کے والد ہیں یحییٰ بن معین نے ان کی تضعیف کی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تُحْفَةِ الصَّائِمِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ طَرِيفٍ عَنْ عُمَيْرِ بْنِ مَأْمُونٍ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الصَّائِمِ الدُّهْنُ وَالْمِجْمَرُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سَعْدِ بْنِ طَرِيفٍ وَسَعْدٌ يُضَعَّفُ وَيُقَالُ عُمَيْرُ بْنُ مَأْمُومٍ أَيْضًا۔

احمد بن منیع، ابو معاویہ، سعد بن طریف، عمیر بن مامون، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روزہ دار کو تیل یا خوشبو وغیرہ تحفہ میں دینی چاہیے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو سعد بن طریف کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے اور سعد ضعیف ہیں۔ انہیں عمیر بن ماموم بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: اگر مہمان گھر آئے تو اس کیلئے کچھ کھانے پینے کو پیش کیا جاتا ہے لیکن اگر مہمان روزے کی حالت میں ہو تو پھر اس کے بارے میں اس حدیث الباب کے اندر فرمایا کہ اس کا تحفہ عطر اور دھونی ہے یعنی مہمان کو ہدیہ کے طور پر یا لگانے کیلئے عطر پیش کیا جاتا ہے یا دھونی کی انگیٹھی لائی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں دھونی کا رواج تو نہیں اور نہ ہی روزہ دار کو عطر پیش کرنے کا رواج ہے۔

بہرحال حدیث الباب انتہائی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی سعد بن طریف الحنظلی الکوفی ہے۔ ابن معینؒ نے ان کے بارے میں کہا کہ کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اس سے روایت کرے۔ امام احمد اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہیں۔ دار قطنی نے کہا کہ یہ متروک راوی ہیں۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۵۳۶۔ ۵۳۷)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى مَتَى يَكُونُ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْيَمَانِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفِطْرُ يَوْمَ يُفْطِرُ النَّاسُ وَالْأَضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ قَالَ أَبُو عِيسَى سَأَلْتُ مُحَمَّدًا قُلْتُ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ سَمِعَ مِنْ عَائِشَةَ قَالَ نَعَمْ يَقُولُ فِي حَدِيثِهِ سَمِعْتُ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عید الفطر اس دن ہے جب سب لوگ افطار کریں (یعنی روزہ نہ رکھیں) اور عید الاضحیٰ اس دن ہے جس دن سب لوگ قربانی کریں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے سوال کیا کہ محمد بن منکدرؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث سنی ہیں انہوں نے فرمایا ہاں وہ اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے ان سے سنا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب صحیح ہے۔

تشریح: ابواب الاعتکاف کے درمیان یہ چند ابواب غیر متعلقہ آ گئے آگے پھر کتاب الاعتکاف آئے گا۔
اسی طرح ماقبل کتاب الصلوٰۃ میں باب السجود کے تحت بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کے متعلق جوابات تو وہیں گزر چکے ہیں۔ اس حدیث الباب کی شرح ابواب الصوم کے شروع میں گزر چکی ہے۔

قال ابو عیسی سألت محمدًا قلت له محمد بن المنكدر.... یہاں سے بیان کر رہے ہیں کہ محمد بن المنکدر کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ نہیں؟ امام ترمذیؒ سماع کو ثابت کر رہے ہیں۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ وہ ایک حدیث میں سمعت عائشہ کہتے ہیں یہ بات امام بخاریؒ نے بیان کی ہے اور جب ایک جگہ سماع کی صراحت آ گئی تو ہر جگہ سماع ثابت ہو گیا۔ صاحب التہذیب نے عدم سماع ذکر کیا ہے۔ ابن معینؒ اور ابوبکر البزارؒ نے کہا کہ انکا سماع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔ ابوذرعہ فرماتے ہیں کہ ان سے ملاقات ثابت نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پہلے وفات پا چکی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں اسی طرح کی روایت عن عائشة، ابی ہریرة، ابی ایوب، ابی قتادة اور سفینہ جیسی ان سے تمام روایات مرسل ہیں۔ (تہذیب التہذیب ۹/ ۴۷۴)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْاِعْتِكَافِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ أَنْبَأَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ فِي الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ مِنْ حَدِيثِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ

محمد بن بشار، ابن ابی عدی، حمید، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے ایک مرتبہ اعتکاف نہ کر سکے تو آئندہ سال بیس دن کا اعتکاف کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حسن غریب صحیح ہے علماء کا اس معتکف (اعتکاف

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمُعْتَكِفِ إِذَا قَطَعَ اعْتِكَافَهُ قَبْلَ أَنْ يُتِمَّهُ عَلَى مَا نَوَى فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا نَقَضَ اعْتِكَافَهُ وَجَبَ عَلَيْهِ الْقَضَاءُ وَاحْتَجُّوا بِالْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنِ اعْتِكَافِهِ فَاعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نَذْرُ اعْتِكَافٍ أَوْ شَيْءٌ أَوْجَبَهُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ مُتَطَوِّعًا فَخَرَجَ فَلَيْسَ عَلَيْهِ شَيْءٌ أَنْ يَقْضِيَ إِلَّا أَنْ يُحِبَّ ذٰلِكَ اخْتِيَارًا مِنْهُ وَلَا يَجِبُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ الشَّافِعِيُّ فَكُلُّ عَمَلٍ لَكَ أَنْ لَا تَدْخُلَ فِيهِ فَإِذَا دَخَلْتَ فِيهِ فَخَرَجْتَ مِنْهُ فَلَيْسَ عَلَيْكَ أَنْ تَقْضِيَ إِلَّا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

کرنیوالا) کے بارے میں اختلاف ہے جو اسے پورا ہونے سے پہلے توڑ دے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر اعتکاف توڑ دے تو اس کی قضا واجب ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اعتکاف توڑ دیا تو شوال میں دس دن کا اعتکاف کیا یہ امام مالکؒ کا قول ہے امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر یہ اعتکاف نذر یا خود اپنے اوپر واجب کیا ہوا اعتکاف نہیں تھا تو اس کی قضاء واجب نہیں اور فقط نفل کی نیت سے اعتکاف میں تھا اور پھر نکل آیا تو اس پر قضاء واجب نہیں البتہ اگر اس کی چاہت ہو تو قضاء کرنے میں کوئی حرج نہیں امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر کوئی عمل واجب نہ ہو اور تم اسے ادا کرنے لگو لیکن مکمل نہ کر سکو تو اس کی قضاء واجب نہیں ہاں اگر عمرہ یا حج میں ایسا ہو تو قضاء واجب ہے اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔

تشریح: آپ ﷺ نے دوبار رمضان المبارک میں اعتکاف چھوڑا تھا کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے اس لئے اعتکاف نہیں کیا تھا پھر آپ ﷺ نے اگلے سال دن کا اعتکاف کیا۔ ایک موقع پر آنے والے سال اس کی قضاء کی تھی جس کا تذکرہ حدیث الباب میں موجود ہے۔ اور اسی طرح ایک اور مرتبہ آپ نے اعتکاف چھوڑ دیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے اعتکاف کو دیکھ کر ازواج مطہرات نے بھی مسجد نبوی میں اپنے اعتکاف کے لئے خیمے لگوا لئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا ''البِرَّتُرِدْنَ'' کیا تم نیکی کرنا چاہتی ہو تو مسجد میں اعتکاف کرنا تمہارے لئے اچھا نہیں بلکہ تم اپنے گھروں میں اعتکاف کرو۔ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ نے اجازت دی تھی اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کا حجرہ مسجد کے ساتھ متصل تھا اور ان کے اپنے حجرے کے دروازے کے باہر خیمہ لگانے سے انہیں مسجد میں سے آنا جانا نہیں پڑتا تھا لیکن جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کی طرح دوسری ازواج مطہرات نے ان کی دیکھا دیکھی مسجد میں خیمے لگا لئے جب کہ ان کے گھر مسجد سے دور تھے اور ان کو اپنے گھروں میں آنے جانے کے لئے مسجد سے گزرنا پڑتا ہے تو آپ ﷺ نے یہ سب خیمے اٹھوا دیئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ بھی اٹھوا دیا تاکہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو، پھر خود بھی آپ ﷺ نے اپنا اعتکاف ترک کر دیا تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل شکنی نہ ہو۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے شوال کے دس دنوں میں ان کی قضاء فرمائی جس کا ذکر امام ترمذیؒ نے اسی باب کی روایت میں کیا ہے کہ ان النبی ﷺ خرج من اعتکافہ فاعتکف عشرًا من شوال۔

مسئلہ: کسی شخص نے سنت اعتکاف شروع کر کے توڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اس پر قضاء واجب ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک قضاء واجب نہیں۔

اس اختلاف کی بنیاد دراصل دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نفل نماز شروع کرنے کے بعد نفل ہی رہتی ہے اگر اس

کوتوڑ دیا جائے تو اس کی قضاء نہیں۔ البتہ یہ حضرات حج اور عمرہ کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ اور احناف کے نزدیک نفل عبادت شروع کرنے نہ کرنے کا تو بندے کو اختیار ہے البتہ شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا ضروری ہے اگر اس کو توڑ دیا تو اس پر قضاء آئے گی۔

احناف نے قرآن پاک کی اس آیت سے استدلال کیا ہے **ولا تبطلوا اعمالكم.** (محمد:۳۳)

قضاء کی مدت اور دنوں کی تعداد کا حکم کیا ہے؟: اگر کسی نے اعتکاف مسنون توڑ دیا تو اس پر قضاء تو واجب ہوگی لیکن کتنے دنوں کی قضاء کرے گا تو حکم یہ ہے کہ صرف اسی دن کی قضاء واجب ہوگی جس دن اس نے اعتکاف کو توڑا ہے۔ پورے عشرہ کی قضاء نہیں ہوگی۔

وقال بعضهم إن لم يكن عليه نذر اعتكاف: امام ترمذیؒ نذر اعتکاف کو بیان کر رہے ہیں کہ اعتکاف کی نذر کرنے سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ آگے کتاب ابواب النذور میں ایک روایت آئے گی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں مسجد حرام کے اندر ایک دن کے اعتکاف کیلئے نظر مانی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

سوال: نذر صرف اس عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے جس کی جنس سے کوئی واجب موجود ہو اور اعتکاف کی جنس کا کوئی فرد واجب نہیں۔ لہٰذا اس قاعدے سے اعتکاف کی نذر درست معلوم نہیں ہوتی؟

جواب: علامہ برجندیؒ نے دیا ہے کہ اعتکاف کا مقصود اصلی با جماعت نماز ہے اور روزہ اس کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا اعتکاف کی نذر درحقیقت نماز و روزہ کی نذر کی فرع ہے اور اس کی جنس کے واجبات موجود ہیں اس لئے اعتکاف کی نذر ماننا درست ہے۔

قال الشافعي و كل عمل لك أن تدخل: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ عمل جس کو شروع کرنے اور نہ کرنے کا تجھے اختیار ہے پس جب تو اسے شروع کرے پھر اس سے نکل جائے تو تیرے ذمہ قضاء نہیں سوائے حج اور عمرہ کے ان دونوں کو شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو اس کی قضاء تم پر واجب ہوگی۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے **واتموا الحج والعمرة لله.** (البقرة:۱۹۶)

بَابُ الْمُعْتَكِفِ يَخْرُجُ لِحَاجَتِهِ أَمْ لَا

حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ الْمَدِينِيُّ قِرَاءَةً عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ أَدْنَى إِلَيَّ رَأْسَهُ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ هٰكَذَا رَوَى اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ عَنِ اللَّيْثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

ابومصعب مدینی، مالک بن انس، ابن شہاب، عروہ، عمرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف میں ہوتے تو میری طرف اپنا سر مبارک جھکا دیتے اور میں اس میں کنگھی کر دیتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت انسانی کے علاوہ گھر میں تشریف نہ لاتے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی طرح کئی راوی مالک بن انس سے وہ ابن شہاب سے وہ عروہ سے اور وہ عمرہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ ابن شہاب عروہ اور عمرہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں لیث بن سعد بھی ابن شہاب سے وہ عروہ سے انہوں نے عمرہ سے اور وہ حضرت

إِذَا اعْتَكَفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَخْرُجَ مِنْ اعْتِكَافِهِ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ وَأَجْمَعُوا عَلَى هٰذَا أَنَّهُ يَخْرُجُ لِقَضَاءِ حَاجَتِهِ لِلْغَائِطِ وَالْبَوْلِ ثُمَّ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيضِ وَشُهُودِ الْجُمُعَةِ وَالْجَنَازَةِ لِلْمُعْتَكِفِ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَعُودَ الْمَرِيضَ وَيُشَيِّعَ الْجَنَازَةَ وَيَشْهَدَ الْجُمُعَةَ إِذَا اشْتَرَطَ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَفْعَلَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا وَرَأَوْا لِلْمُعْتَكِفِ إِذَا كَانَ فِي مِصْرٍ يُجَمَّعُ فِيهِ أَنْ لَا يَعْتَكِفَ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ لِأَنَّهُمْ كَرِهُوا لَهُ الْخُرُوجَ لَهُ مِنْ مُعْتَكَفِهِ إِلَى الْجُمُعَةِ وَلَمْ يَرَوْا لَهُ أَنْ يَتْرُكَ الْجُمُعَةَ فَقَالُوا لَا يَعْتَكِفُ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ حَتّٰى لَا يَحْتَاجَ إِلَى أَنْ يَخْرُجَ مِنْ مُعْتَكَفِهِ لِغَيْرِ قَضَاءِ حَاجَةِ الْإِنْسَانِ لِأَنَّ خُرُوجَهُ لِغَيْرِ قَضَاءِ حَاجَةِ الْإِنْسَانِ قَطْعٌ عِنْدَهُمْ لِلِاعْتِكَافِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ أَحْمَدُ لَا يَعُودُ الْمَرِيضَ وَلَا يَتْبَعُ الْجَنَازَةَ عَلَى حَدِيثِ عَائِشَةَ وَقَالَ إِسْحٰقُ إِنِ اشْتَرَطَ ذٰلِكَ فَلَهُ أَنْ يَتْبَعَ الْجَنَازَةَ وَيَعُودَ الْمَرِيضَ

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث قتیبہ نے لیث سے روایت کی اور اسی پر علماء کا عمل ہے کہ اعتکاف کرنے والا انسانی حاجت (یعنی پاخانہ یا پیشاب) کے علاوہ اعتکاف سے نہ نکلے علماء کا اسی پر اجماع ہے کہ اعتکاف کرنیوالا صرف قضائے حاجت کیلئے ہی نکل سکتا ہے اہل علم کا مریض کی عیادت جمعہ کی نماز اور جنازہ میں شرکت کیلئے معتکف کے نکلنے میں اختلاف ہے بعض صحابہ وغیرہ نے کہا کہ مریض کی عیادت بھی کرے اور جمعہ و جنازے میں بھی شریک ہو لیکن اس شرط پر کہ اعتکاف شروع کرتے وقت اس نے ان چیزوں کی نیت کی ہو سفیان ثوریؒ اور ابن مبارکؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ان میں سے کوئی عمل بھی جائز نہیں پس اگر اعتکاف کرنے والا ایسے شہر میں ہو کہ اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو تو اسے اسی مسجد میں اعتکاف بیٹھنا چاہیے اسلئے ان حضرات کے نزدیک معتکف کو جمعہ کیلئے جانا مکروہ ہے اور انکے نزدیک معتکف کیلئے جمعہ چھوڑ دینا بھی جائز نہیں اسلئے اسے ایسی جگہ اعتکاف کرنا چاہیے تاکہ اسے قضائے حاجت کے علاوہ کسی دوسری ضرورت کیلئے نکلنا نہ پڑے کیونکہ ان علماء کے نزدیک حاجت بشری کے علاوہ نکلنا اعتکاف کو توڑ دیتا ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے امام احمدؒ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی وجہ سے اعتکاف کرنے والے کا جنازے یا مریض کی عیادت کیلئے نکلنا جائز نہیں سمجھتے اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اگر اعتکاف کے شروع میں اسکی نیت کی ہو تو پھر عیادت مریض اور جنازے کے ساتھ جانا جائز ہے۔

تشریح: معتکف اپنے اعتکاف سے نہ نکلے مگر حاجت شرعیہ یا حاجت طبعیہ کے۔ اگر بغیر حاجت شرعیہ یا طبعیہ کے وہ اپنے اعتکاف سے نکلا تو اس کا اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

حاجت طبعیہ سے مراد بول و براز اور غسل فرض ہے۔ اگر کسی کو احتلام ہو جائے تو اس پر فوراً غسل ہے۔ فقہاء حنفیہ نے حاجت طبعیہ کی تفسیر ''الطہارۃ و مقدماتھا'' سے کی ہے اور یہ تفسیر زیادہ جامع ہے۔ البتہ غسل تبرید، غسل جمعہ اس میں داخل نہیں۔

شیخ محدث دہلویؒ نے اشعۃ اللمعات میں غسل جمعہ کو بھی حاجات میں شمار کر کے اس کے لئے نکلنے کو جائز قرار دیا ہے۔

حدیث الباب میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے سر کے بال بڑے ہو گئے تھے اور آپ ﷺ حالت اعتکاف میں تھے ان کو دھونے کی ضرورت پڑتی تو نبی کریم ﷺ مسجد سے سر مبارک باہر نکال دیتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کا حجرہ مسجد کے متصل تھا

کوئی بڑا برتن رکھ کر اس میں سر مبارک دھو دیتی تھیں اور تیل لگا کر کنگھا کر دیا کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ معتکف مسجد سے غسل فرض کے علاوہ کے لئے باہر نہیں نکل سکتا۔

ثم اختلف اهل العلم في عيادة المريض: عیادت مریض اور شہود جنازہ کے لئے معتکف کا نکلنا جائز نہیں ہے البتہ قضاء حاجت کے لئے جاتے ہوئے یا آتے ہوئے ضمناً عیادت مریض کر لینا جائز ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر حالت اعتکاف میں ہوتے تو چلتے چلتے عیادت فرما لیا کرتے تھے اور اس غرض کیلئے رکتے نہیں تھے۔ جبکہ شہود جنازہ بغیر ٹھہرے ہوئے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس میں ٹھہرنے کی گنجائش ہے لیکن نماز جنازہ ختم ہوتے ہی فوراً لوٹنا واجب ہے۔ لیکن جمہور حضرات کے نزدیک جنازہ کے لئے معتکف نہیں نکل سکتا۔

فرأى بعض اهل العلم من اصحاب النبي ﷺ وغيرهم أن يعود المريض: سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک اگر معتکف اعتکاف کی نیت کے وقت اس بات کا ارادہ کر لے کہ اعتکاف کے دوران مریض کی عیادت اور شہود جنازہ کے لئے چلا جایا کروں گا تو پھر اس کے لئے اس غرض سے نکلنا جائز ہو جائے گا شامیہ اور عالمگیری میں بھی اس قسم کی تصریحات ملتی ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اجازت اعتکاف منذور یا اعتکاف نفل کے لئے ہے۔ اعتکاف مسنون کے لئے نہیں اگر اعتکاف مسنون میں ایسی نیت کرے گا تو وہ اعتکاف مسنون نہیں رہے گا بلکہ وہ نفل بن جائے گا۔ لہٰذا قضاء تو واجب نہیں ہوگی لیکن اعتکاف مسنون کی فضیلت بھی حاصل نہیں ہوگی۔

معتکف کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں جمعہ ہوتا ہو اگر وہ شہر میں رہائش پذیر ہے تو۔ لیکن اگر وہ گاؤں ہے جہاں صرف پانچ وقت نماز ہوتی ہے جمعہ فی القریٰ نہیں ہوتا تو اس کے لئے اس مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے۔ اگر شہر میں ایسی مسجد میں اعتکاف کیا جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو معتکف کے لئے اس مسجد سے دوسری مسجد کی طرف جمعہ کے لئے نکلنا شوافع اور مالکیہ کے ہاں جائز نہیں ہے البتہ احناف کے نزدیک اس کا نکلنا جائز ہے البتہ معتکف جمعہ کے لئے جاتا بھی ہے تو سنتیں پڑھ کر جائے اور وہاں فرض پڑھ کر بقیہ نماز اپنی مسجد میں آ کر پڑھے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُرَشِيِّ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِي السَّادِسَةِ وَقَامَ بِنَا فِي الْخَامِسَةِ حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هٰذِهِ فَقَالَ إِنَّهُ مَنْ قَامَ مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ ثُمَّ لَمْ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھے آپ ﷺ نے تئیسویں رات تک ہمارے ساتھ رات کی نماز نہیں پڑھی (یعنی تراویح) پھر تئیسویں رات کو ہمیں لے کر کھڑے ہوئے یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر چوبیسویں رات کو نماز نہ پڑھائی لیکن پچیسویں رات کو آدھی رات تک نماز (تراویح) پڑھائی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری آرزو تھی کہ آپ بقیہ رات بھی ہمارے ساتھ نوافل پڑھتے آپ نے فرمایا جو شخص امام کے ساتھ اس کے فارغ ہونے تک نماز میں شریک رہا اس کیلئے پوری رات کا قیام لکھ دیا گیا پھر نبی کریم

يُصَلِّ بِنَا حَتَّى بَقِيَ ثَلَاثٌ مِنَ الشَّهْرِ وَصَلَّى بِنَا فِي الثَّالِثَةِ وَدَعَى أَهْلَهُ وَنِسَاءَهُ فَقَامَ بِنَا حَتَّى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ قُلْتُ لَهُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السُّحُورُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ فَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنْ يُصَلِّيَ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً مَعَ الْوِتْرِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَهُمْ بِالْمَدِينَةِ وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَ عُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ و قَالَ الشَّافِعِيُّ وَهٰكَذَا أَدْرَكْتُ بِبَلَدِنَا بِمَكَّةَ يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً و قَالَ أَحْمَدُ رُوِيَ فِي هٰذَا أَلْوَانٌ وَلَمْ يُقْضَ فِيهِ بِشَيْءٍ و قَالَ إِسْحٰقُ بَلْ نَخْتَارُ إِحْدَى وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً عَلَى مَا رُوِيَ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَاخْتَارَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ الصَّلَاةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ وَاخْتَارَ الشَّافِعِيُّ أَنْ يُصَلِّيَ الرَّجُلُ وَحْدَهُ إِذَا كَانَ قَارِئًا

ﷺ نے ستائیسویں رات تک نماز نہ پڑھائی۔ ستائیسویں رات کو پھر کھڑے ہوئے اور ہمارے ساتھ اپنے گھر والوں اور عورتوں کو بھی بلا یا یہاں تک کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ فلاح کا وقت نہ نکل جائے راوی کہتے ہیں میں نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا فلاح کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا سحری۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا رمضان میں رات کی نماز (یعنی تراویح) کے بارے میں اختلاف ہے بعض اہل علم کے نزدیک وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھنی چاہئیں یہ اہل مدینہ کا قول ہے اور اسی پر ان کا عمل ہے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے جو حضرت عمر، علی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ بیس رکعات پڑھے سفیان ثوریؒ ابن مبارکؒ، شافعیؒ کا یہی قول ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح اپنے شہر مکہ مکرمہ والوں کو بیس رکعت پڑھتے ہوئے پایا ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں لہٰذا انہوں نے اس مسئلے میں کچھ نہیں کہا اسحاقؒ اکتالیس رکعات کا مذہب اختیار کرتے ہیں جیسے حضرت ابی بن کعبؓ سے مروی ہے ابن مبارکؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ رمضان میں امام کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی جائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر خود قاری ہو تو اکیلے نماز پڑھے۔

تشریح: اس باب میں چند مسائل ہیں جن کو بالترتیب بیان کیا جا رہا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: قیام اللیل اور قیام رمضان ایک ہی ہیں یا علیحدہ علیحدہ؟ اس بارے میں تفصیل ہے۔ احادیث مبارکہ میں لفظ قیام لیل اور قیام رمضان دونوں کا ذکر آتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ دونوں مختلف نمازیں ہیں۔

قیام اللیل سے مطلق صلوٰۃ تہجد مراد ہے خواہ رمضان میں ہو یا غیر رمضان میں اور قیام رمضان سے تراویح مراد ہیں۔ اور بعض کے نزدیک قیام اللیل اور قیام رمضان ایک ہی نماز ہے۔ اور غیر رمضان میں اس کا نام قیام اللیل ہے۔ پہلا قول جمہور کا ہے جو کہ مختار ہے۔ اور یہ زیادہ اصح ہے اس پر چند قرینے ہیں۔

اول: محدثین کرام نے قیام اللیل اور قیام رمضان دونوں کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ ہیں۔ **ثانی:** نبی کریم ﷺ نے قیام رمضان کی الگ ترغیب دی ہے اور اس کے بارے میں خصوصی ترغیب دی ہے اور تاکید بھی فرمائی ہے۔ **ثالث:** سورۂ مزمل سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ تہجد پہلے فرض تھی قم اللیل الا قلیلا اس میں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور اس کے بعد اس کی فرضیت ختم ہوگئی۔ مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے تفسیر ابن جریر، صحیح مسلم اور نسائی شریف میں اس کی فرضیت کی منسوخیت ثابت ہوتی ہے۔ جب ایک چیز کی فرضیت ایک مرتبہ منسوخ ہو جائے تو دوبارہ اس کے فرض ہونے کا خوف بھی نہیں رہتا۔ لیکن تراویح کے بارے میں حضور ﷺ نے لیلۃ ثالثہ میں فرمایا خشیت

ان یفرض علیکم اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان مغایر ہے عام قیام اللیل سے۔
بعض حضرات نے تراویح اور تہجد میں مزید اور فرق بھی بیان کئے ہیں۔

① تہجد کی مشروعیت قرآن کریم سے ثابت ہے ''و من اللیل فتھجد بہ نافلۃ لک'' جبکہ تراویح سنت سے ثابت ہے۔
② تہجد مکہ مکرمہ میں مشروع ہوئی جبکہ تراویح مدینہ منورہ میں۔ ③ تہجد ہجرت سے پہلے شروع ہوئی جبکہ تراویح ہجرت کے بعد۔
④ تہجد سنت غیر مؤکدہ ہے جبکہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔
⑤ تراویح جماعت کے ساتھ مسنون ہے جبکہ تہجد کے لئے جماعت ضروری نہیں۔
⑥ تراویح بیس رکعات ہے جبکہ تہجد کی نماز چار رکعات سے لے کر بارہ تک مختلف روایات آتی ہیں۔
⑦ تراویح عشاء کی نماز کے بعد ادا کی جاتی ہے جبکہ تہجد رات کے آخری حصہ میں ادا کی جاتی ہے۔
⑧ تہجد اور وتروں کے درمیان رسول کریم ﷺ کا سونا ثابت ہے جبکہ تراویح اور وتروں کے درمیان سونا ثابت نہیں۔
⑨ تراویح میں ایک بار قرآن ختم کرنا مسنون ہے جبکہ تہجد میں ایسا نہیں ہے۔
⑩ تہجد میں آپ ﷺ نے جو سورتیں پڑھی ہیں ان کا ذکر احادیث میں ہے اور تراویح میں جو سورتیں پڑھیں ان کا ذکر نہیں۔
⑪ تراویح صرف رمضان میں ادا کی جاتی ہے اور تہجد پورا سال پڑھی جاتی ہے۔
⑫ تراویح مسجد میں پڑھی جاتی ہے جبکہ آپ ﷺ نے تہجد کی نماز گھر میں پڑھی ہے۔
⑬ نماز تراویح اول اللیل پڑھی جاتی ہے جبکہ تہجد آخر اللیل پڑھی جاتی ہے۔
⑭ تراویح والی حدیث من قام رمضان ایمانًا و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ کو کسی محدث نے تہجد کے باب میں ذکر نہیں کیا اگر تراویح و تہجد ایک ہوتی تو محدثین اس کو ایک جگہ ذکر فرماتے۔

مسئلہ ثانیہ: صلوٰۃ تراویح سنت ہے یا مستحب؟ جمہور کے نزدیک تراویح سنت ہے بعض حضرات مستحب کہتے ہیں۔
بعض حضرات نے لفظ سنت کے ساتھ مؤکدہ کا ذکر کیا ہے۔

امام سرخسیؒ مبسوط جلد ۲ ص ۱۴۴ میں فرماتے ہیں قال ابو حنیفۃ یصلی عشرین رکعۃ کما ھو السنۃ۔

امام حاکم مستدرک جلد ۱ ص ۴۴۰ میں ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں و فیہ الدلیل الواضح ان صلوۃ التراویح فی مساجد المسلمین سنۃ مسنونۃ و قد کان علی بن ابی طالب یحث عمر رضی اللہ عنہ علی اقامۃ ھذہ السنۃ الی ان اقامھا۔ مستدرک حاکم کے عام نسخوں میں لفظ یحث کے بجائے بحث لکھا ہوا ہے۔

علامہ روحانی بازیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس لفظ پر شک ہوا کہ یہ طباعت کی غلطی ہے کیونکہ عربی میں بحث کا لفظ استعمال نہیں ہوتا لیکن دوسری کتب میں لفظ یحث لکھا ہوا ہے۔ علامہ نووی نے کتاب الاذکار ص ۸۳ طبع مصر میں لکھتے ہیں اعلم ان صلوۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء و ھی عشرون رکعۃ۔

امام غزالی احیاء العلوم جلد ۱ ص ۱۶۸ میں لکھتے ہیں التراویح و ھی عشرون رکعۃ و کیفیتھا مشھودۃ و ھی سنۃ مؤکدۃ و ان کانت دون العیدین۔

علامہ ابن قدامہ مغنی جلد ۱ ص ۸۰۲ میں لکھتے ہیں و قیام شھر رمضان عشرون رکعۃ یعنی صلوۃ التراویح و ھی سنۃ مؤکدۃ و اول من سنہ رسول اللہ ﷺ الی ان قال و نسبت الی عمر لانہ جمع الناس علی ابی بن کعب

علامہ عبدالرحمن الدمشقی العثمانی الشافعیؒ جلد ا ص ۵۶ المیزان الکبریٰ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: فصل: و من السنن صلوۃ التراویح فی شهر رمضان عند ابي حنيفة و الشافعي و احمد و هي عشرون ركعة بعشر تسليمات و فعلها في الجماعة افضل و قال ابو يوسف من قدر على ان يصلي في بيته كما يصلي مع الامام فالاحب ان يصلي في بيته وقال مالك قيام رمضان في البيت لمن قوي عليه احب الي وحكي عنده التراويح ست و ثلاثون ركعة

مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے مجموعہ فتاویٰ عبدالحئی جلد ا ص ۱۷۹ تا ۱۸۶ میں نماز تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے پر باحوالہ مبسوط بحث کی ہے۔ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے۔

قول اوّل: ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعات ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک تراویح چھتیس رکعات ہیں اور ایک روایت کے مطابق اکتالیس رکعات ہیں۔ان کی تیسری روایت جمہور ہی کے مطابق ہے۔اکتالیس روایت میں پھر یہی ہے کہ تین وتر اس میں شامل کر لئے جائیں اور وتروں کے بعد نوافل بھی شامل کر لئے جائیں تو پھر چھتیس اکتالیس رکعات بن جاتی ہیں۔

ان چھتیس رکعات کی اصل یہ ہے کہ اہل مکہ کا معمول بیس رکعات تراویح پڑھنے کا تھا لیکن وہ ہر تراویح کے درمیان ایک طواف کیا کرتے تھے اہل مدینہ چونکہ طواف نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی نماز میں ایک طواف کی جگہ چار رکعتیں بڑھا دیں۔اس طرح ان کی تراویح میں اہل مکہ کے مقابلے میں سولہ رکعتیں زیادہ ہوگئیں۔اس کی یہ توجیہ بھی کر سکتے ہیں کہ جو حضرات چھتیس رکعات کے قائل ہیں وہ عشاء کی تمام رکعات اور تراویح دونوں کو شامل کر کے کہتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اصلاً ان کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس ہیں۔الحاصل تراویح کی بیس رکعات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

قول ثالث: اس کے برخلاف ابن تیمیہؒ اور ان کے متبعین خاص کر دور حاضر کے غیر مقلدین کے نزدیک تراویح کی تعداد رکعات آٹھ ہے۔

جمہور فقہاء اور جمہور محدثین کے بیس رکعات تراویح پر دلائل: فقہاء کی عبارات سے دلائل۔

دلیل اوّل: امام شافعیؒ کتاب الام جلد ا ص ۱۲۵ میں لکھتے ہیں فاما قيام شهر رمضان فصلوة المنفرد احب الي ورأيتهم بالمدينة يقومون بتسع وثلاثين واحب الي عشرون۔ لانه روى عن عمر۔

دلیل ثانی: مقنع جلد اوّل ص ۱۸۳ میں ہے ثم التراويح و هي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة وفي الاقناع جلد اول ص ۱۴۷ هو كتاب في الفقه على مذهب الحنابله التراويح عشرون ركعة في رمضان يجهر فيها بالقراءة و فعلها في جماعة افضل ولا ينقصها ولا بأس بالزيادة۔

دلیل ثالث: امام نوویؒ شرح المہذب جلد ۲ ص ۳۲ میں لکھتے ہیں مذهبنا انها عشرون ركعة بعشر تسليمات غير الوتر وذلك خمس ترويحات والترويحة اربع ركعات بتسليمتين هذا مذهبنا۔ آگے احادیث سے دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل رابع: عن ابن عباسؓ ان النبی ﷺ كان يصلي في رمضان بعشرين ركعة بغير جماعة والوتر۔ یہ روایت ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن عہد فاروقی میں بیس رکعات پر اجماع سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے پاس بیس رکعات کی اصل بنیاد ضرور تھی۔

دلیل خامس: عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب ؓ في شهر رمضان بعشرين ركعة۔(رواه البیہقی) سنن کبریٰ میں آگے یہ الفاظ ہیں قال و كانوا يقرءون بالمئين وكانوا يتوكاون

علی عصیهم فی عهد عثمان من شدة القیام۔
دلیل سادس: موطا امام مالک میں یزید بن رومان سے روایت ہے انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث و عشرین رکعة اس روایت میں وتر کی تین رکعت کو بھی شامل کیا گیا اسلئے تیئس رکعات ہی ہیں
دلیل سابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں یحییٰ بن سعید کی روایت ہے ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلاً یصلی بهم عشرین رکعة۔
دلیل ثامن: عن ابی الخصیب قال کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة امام بیہقیؒ نے اس کو سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔
دلیل تاسع: عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن ابی شیبہ)
دلیل عاشر: عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ان عمر رضی اللہ عنہ امره ان یصلی باللیل فی رمضان۔ فصلی بهم عشرین رکعة۔ (کنز العمال)
دلیل حادی عشر: عن سعید بن عبید قال ان علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات و یوتر بثلاث مصنف ابن ابی شیبة میں اس کو سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔
دلیل ثانی عشر: عن محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان عشرین رکعة . (قیام اللیل)

ان روایات کے علاوہ اور بہت ساری روایات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا عمل بیس رکعات کا تھا اس لئے بعض علماء نے اس پر اجماع کا اطلاق کیا ہے۔
حافظ ابن حجر مکی شافعی فرماتے ہیں اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة .(مرقاۃ ج۳ ص۱۹۴)

احناف کے دلائل پر چند اعتراضات اوران کے جوابات:

دلیل خامس پر اعتراض اوّل: بعض حضرات اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو اس پر جمع کیا اور خود بھی شمولیت اختیار کی۔
جواب: یہ اعتراض بے جا ہے کیونکہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے اور سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل کرتے ہوں اور حضرت عمرؓ کو اس سے غافل ہوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ المدونة الکبری میں موجود ہے ان عمر و عثمان کان یقومان فی رمضان مع الناس جلد اول ص ۱۹۳ اور اسی طرح فتح الباری جلد ۲ ص ۱۸۰، عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۳۵۷ میں ہے ان عمر بن الخطاب جمع الناس فی زمان رمضان علی ابی بن کعب اس سے معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوئی تھی۔
اعتراض ثانی: دوسرا اعتراض یہ کیا گیا کہ موطا امام مالک ص ۴۰ میں روایت ہے امر عمر بن الخطاب تمیم الداری ان یقوم للناس باحدی عشرة رکعةً تو اس روایت میں تو گیارہ رکعات کا ذکر ہے۔
جواب: امام بیہقی السنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۹۶ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں ایک وہ روایت جس میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے اور دوسری روایت وہ ہے جس میں بیس رکعت کا ذکر ہے۔ ان دونوں روایات میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پہلے گیارہ رکعت پر عمل ہوتا تھا پھر بیس پر عمل جاری ہوا۔ چنانچہ امام بیہقیؒ کے الفاظ یوں ہیں و یمکن الجمع بین الروایتین بانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین و یوترون بثلاث۔
دلیل سادس پر اعتراض: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یزید بن رومان کا حضرت عمرؓ سے لقاء اور سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔

جواب: موطا امام مالک کی تمام مرسل اور منقطع روایات چار ہیں جبکہ یہ روایت ان میں سے نہیں جبکہ یہ روایت بھی دوسرے طرق سے مسند اور صحیح ہے۔

دلیل سابع پر اعتراض: یحیٰ بن سعید کی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے۔

جواب: امام نوویؒ مقدمہ شرح مسلم ص ۱۷ میں لکھتے ہیں کہ مرسل روایت کا جب اعتضاد ہو جائے تو وہ ان حضرات کے نزدیک بھی حجت ہے جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔

آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کی دلیل اوّل: بخاری شریف جلد اوّل ص ۱۵۴ اور مسلم شریف جلد اوّل ۲۵۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشر رکعۃ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور بغیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔

جواب اوّل: اگر اس روایت کی بناء پر گیارہ رکعت کو ثابت کرتے ہیں تو اسی طرح ثلاث عشر کے الفاظ بھی ہیں تو جو جواب تم ثلاث عشر والی روایت کا دو گے وہی جواب ہم گیارہ رکعت والی کا دیں گے۔ دیکھئے بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۱۵۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے قال کان صلوۃ النبی ﷺ ثلاث عشر رکعۃ یعنی باللیل۔

بخاری شریف جلد اوّل صفحہ ۱۵۶ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے و عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی باللیل ثلاث عشر رکعۃ ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین۔ اب اس روایت میں بھی تیرہ رکعات کا ذکر ہے۔

مبارک پوریؒ فرماتے ہیں انہ ثبت ان رسول اللہ ﷺ کان قد یصلی ثلاث عشرۃ رکعۃ سوی رکعتی الفجر۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۷۳)

جواب ثانی: اس روایت میں صلوٰۃ تراویح کا ذکر نہیں بلکہ صلوٰۃ اللیل (تہجد) کا ذکر ہے کیونکہ غیر رمضان کا لفظ اس بات میں صریح ہے کہ غیر رمضان میں کوئی بھی تراویح نہیں پڑھتا اور نہ ہی کوئی غیر مقلد پڑھتا ہے اگر اس روایت سے کوئی رمضان کی تراویح پر استدلال کرتا ہے تو پھر پوری روایت پر عمل کرے کہ اس میں غیر رمضان کا ذکر بھی ہے۔ لہٰذا غیر رمضان میں بھی پڑھے یہ کیا ''میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو'' یا پھر اس حدیث سے دلیل دینا ہی چھوڑ دو۔

بذل المجہود جلد ۲ ص ۲۹۰ میں ہے لا تعلق لہ بالتراویح لا نفیًا ولا اثباتًا فکانّھا صلوۃ اخری والاستدلال بھذا الحدیث علی أن التراویح ثمان رکعات لغو کہ اس حدیث کا تراویح سے کوئی تعلق نہیں نہ تو نفیاً اور نہ ہی اثباتاً لہٰذا یہ کوئی اور نماز ہے اس حدیث سے آٹھ رکعات تراویح پر استدلال کرنا لغویات ہے۔

جواب ثالث: اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں جیسا کہ بخاری شریف جلد اوّل ص ۱۰۱ اور جلد ۲ ص ۱۰۸۳ میں ہے فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو فرض نماز کے علاوہ نمازیں اپنے گھر میں پڑھو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے۔

نسائی شریف جلد اوّل ص ۱۸۱ میں روایت ہے حتیٰ خشیت ان یکتب علیکم ولو کتب ماقمتم بہ فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل صلوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ و فی روایۃ علیکم بھذہ الصلوۃ فی البیوت۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے گھروں میں یہ نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جبکہ غیر مقلدین اس روایت کی خلاف ورزی

کرتے ہوئے مسجدوں میں پڑھتے ہیں۔
جواب رابع: بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں کان یصلی اربعًا فلا تسئل عن حسنھن وطولھن کہ آپ ﷺ چار چار رکعت کرکے نماز پڑھتے تھے تو ان چار رکعات کے حسن وطول کے بارے میں نہ پوچھو تو غیر مقلد دو دو کیوں پڑھتے ہیں چار چار اکٹھی پڑھا کریں
جواب خامس: بخاری شریف کی اسی روایت میں ہے ثم یصلی ثلاثًا آپ تین وتر پڑھتے تھے تو غیر مقلدین اس روایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وتر کو ایک رکعت کیوں قرار دیتے ہیں۔
جواب سادس: آپ ﷺ تو یہ نماز سحری کو پڑھتے تھے غیر مقلدین عشاء کے متصل کیوں پڑھتے ہیں۔
جواب سابع: آپ ﷺ نے جماعت سے تین راتیں نماز پڑھائی ہیں۔پہلی رات ثلث لیل تک دوسری رات نصف لیل تک اور تیسری رات ساری رات قیام کیا حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سحری کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو گیا اور جبکہ غیر مقلدین عشاء کے بعد ایک دو گھنٹے تک ختم کرکے بستروں میں پڑے ہوتے ہیں۔ **جواب ثامن:** اس باب کی بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کچھ رکعات کے بعد سو جاتے پھر اٹھ کر پڑھتے غیر مقلدین کیوں نہیں کرتے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے **مالکم وصلوته کان یصلی ثم ینام قدر ما صلی ثم یصلی قدر ما نام ثم ینام قدر ما صلی حتی یصبح۔** **جواب تاسع:** اگر بخاریؒ کی روایت سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو غیر مقلدین کے بڑے بڑے علماء اس کی کھل کر مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ چند حوالہ جات دیکھئے۔
① مولانا وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں فلا یتعین لصلوٰة لیالی رمضان یعنی التراویح عدد معین۔ (نزل الابرار جلد ۱ ص ۱۲۶)
② نواب صدیق حسن صاحب لکھتے ہیں پس آن (یعنی خوانندہ بست رکعت) بزیادت عامل بسنت ہم باشد (ہدایة السائل فی ادلة المسائل ص ۱۲۸) تراویح کی رکعات بیس ہیں ہم اس سنت سے زیادہ نہیں کرتے۔ یعنی بیس تراویح پڑھنے والا سنت پر عمل کرنے والا ہے بدعتی نہیں ہے۔ ③ مشہور غیر مقلد عالم مولانا حافظ محمد لکھوی لکھتے ہیں۔
بعضے آٹھ رکعاتاں پڑھدے بعضے ویہہ ۲۰ رکعاتاں جتنی ودھ عبادت رب دی اتنیاں ہی ودھ براتاں (محاد الاسلام ص ۱۰)
ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ بیس رکعات تراویح پڑھنے والے سنت پر عمل کرنے والے ہیں وہ بدعتی نہیں۔ اور زیادہ عبادت کرکے زیادہ اجر وثواب کے مستحق ہیں۔
دلیل ثانی: طبرانی صغیر صفحہ ۱۰۸ قیام اللیل لابی نصر مروزی ص ۱۱۴ نیل الاوطار جلد ۳ ص ۵۷ میں ابن حبان کے حوالے سے روایت نقل کی ہے اور یہ روایت موارد الظمآن میں بھی ہے عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ فی شهر رمضان ثمانی رکعات فلما کانت اللیلة القابلة اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج فیصلی بنا فاقمنا فیه حتی اجتمعنا فقلنا یا رسول اللہ رجونا ان تخرج فتصلی بنا فقال انی کرهت او قال خشیت ان یکتب علیکم الوتر قال الطبرانی لا یروی عن جابر الا بهذا الاسناد۔
جواب اوّل: اس حدیث کی سند میں عیسی بن جاریہ کی روایت ہے بقول امام طبرانی یہ روایت اسکی سند سے مروی ہے اور اس پر کتب اسماء الرجال میں بڑی جرح ہے۔ مثلاً تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۲۰۸ میں یہ ذکر ہے عن ابن معین لیس بذلك لا اعلم احدًا روی عنه غیر یعقوب۔ قال الدوری عن ابن معین عنده مناکیر وقال ابو زرعة لا بأس به و عن ابی داؤد منکر الحدیث وقال فی موضع آخر ما عرفه روی مناکیر و ذکره ابن حبان فی الثقات۔ وقال ابن عدی احادیثه غیر محفوظة۔..... ماقبل میں ایک جواب گزرا ہے کہ آپ ﷺ نے تین روز تراویح پڑھی۔ تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں رات۔

اگر ہم گیارہ یا بارہ کے عدد کے بدعتی ہیں تو تم پھر ۲۶ کے عدد کے بدعتی ہو کیونکہ تم بھی صرف ان تین راتوں میں سنت کے مطابق تراویح پڑھتے ہو اور بقیہ راتیں سنت کے خلاف کرتے ہو۔ وگرنہ تم بھی پورے رمضان میں ان ہی دنوں میں تراویح پڑھتے، رمضان کے دنوں میں تراویح نہ پڑھتے۔

دلیل ثالث: موارد الظمآن ص ۲۳۰ اور مسند احمد جلد ص ۱۱۵ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال جاء ابی بن کعب الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ کان منی اللیلۃ شئ فی رمضان قال وما ذاك یا ابی قال نسوۃ فی داری قلن انا لا نقرأ القرآن فنصلی بصلوتك قال صلیت بھن ثمانی رکعات ثم اوترت۔

جواب اوّل: اس کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کا ذکر پچھلی روایت کے جواب میں گزر چکا ہے اور اس میں ایک اور راوی یعقوب قمی ہے جس پر محدثین نے جرح کی ہے۔ **جواب ثانی:** حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے امام بن کر بیس رکعتیں پڑھائیں اگر ان کے نزدیک آٹھ رکعات مسنون ہوتیں اور زائد نہ ہوتیں تو وہ کبھی بھی ان زائد رکعتوں پر مدت العمر عمل نہ کرتے رہتے۔

غیر مقلدین کی طرف سے مزید کئے جانے والے اعتراضات اور ان کے جوابات:

اعتراض اوّل: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن تراویح پڑھی اس سے تراویح کا استحباب تو معلوم ہو رہا ہے لیکن اس کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت نہیں ہوتا پھر اس کو سنت مؤکدہ کیوں کہا جاتا ہے۔

جواب: تراویح کی سنیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ثابت ہے ان اللہ تبارك و تعالی فرض صیام رمضان علیکم و سننت لکم قیامہ نیز حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں تراویح کی جماعت پر مداومت نہیں کی گئی لیکن اس سے انفرادی طور پر تراویح پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی بلکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ انفرادی طور پر عام دنوں کے مقابلے میں ان ایام میں نمازوں کی کثرت فرماتے تھے جس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ وہ نماز تراویح تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منفرداً ادا فرماتے تھے۔ اسکے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو اس پر مداومت اختیار کی ہے وہ بھی تراویح کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہے۔ خلفاء راشدین کا عمل بھی سنت میں شامل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ تم میرے طریقے کو اور خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔

اعتراض ثانی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعات تراویح ثابت نہیں۔ **جواب:** ماقبل ابحاث میں یزید بن رومان کی حدیث گزری ہے اور اسی طرح سائب بن یزید کی روایت گزری ہے ان تمام روایات سے جو احناف کا مستدلات ہیں، بیس رکعت تراویح ثابت ہیں۔

قال ابوعیسیٰ: ھذا حدیث حسن صحیح و اختلف اھل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضھم أن یصلی إحدی واربعین رکعۃ مع الوتر۔ اس کے بارے میں حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں نہ ہی قوی حدیث ہے اور نہ ہی ضعیف حدیث ہے جس سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تراویح کی اکتالیس رکعتیں پڑھانا مروی ہو اور نہ میں حفاظ حدیث میں سے کسی کو جانتا ہوں۔

مسجد میں تراویح جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ اگر حفاظ زیادہ ہوں اور وہ اپنا قرآن سنانا چاہتے ہیں تو پھر وہ مسجد سے ایک سامع کو پکڑ کر لے جا سکتا ہے کیونکہ اگر وہ تین چار کو لے جائے گا تو ہر حافظ اس طرح کرنے لگ گیا تو مسجد خالی ہو جائے گی اس لئے ہر حافظ صرف ایک سامع کو ساتھ لے جائے تاکہ مسجد میں جماعت متاثر نہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا روزہ دار کو اور روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا۔ عربوں کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ روزہ دار کو خوب کھلانا تاکہ اس کا پیٹ بھر جائے یہ ترجمہ عربوں کے رواج کے مطابق ہے کیونکہ ان کا رواج یہ تھا کہ جب روزہ افطار کرتے تو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھاتے پھر نماز مغرب ادا کرتے اس کے بعد کچھ نہ کھاتے۔ جبکہ عجمیوں کا رواج یہ ہے کہ روزہ افطار کر کے تھوڑا سا کھاتے ہیں پھر مغرب کی نماز ادا کرتے ہیں پھر نماز کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس باب میں حدیث کی شرح آسان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ جس شخص کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانے کی طاقت نہ ہو تو بقدر استطاعت افطار کرانے پر بھی اللہ تعالیٰ اس کو یہ ثواب عطا کر دیں گے، اس کے ثواب میں کمی کئے بغیر۔ یعنی روزے دار کے ثواب سے کٹوتی نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو علیحدہ سے فضل ربی دیا جائے گا۔

بَاب التَّرْغِيبِ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ وَمَا جَاءَ فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ بِعَزِيمَةٍ وَيَقُولُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ كَذٰلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَلَى ذٰلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام رمضان (تراویح) کی طرف رغبت دلاتے لیکن وجوب کا حکم نہ فرماتے آپ ﷺ فرماتے جس شخصنے رمضان (کی راتوں) میں ایمان اور اخلاص کے ساتھ قیام کیا (یعنی نماز پڑھی) اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات پا جانے تک اسی پر عمل رہا اسی طرح خلافت ابوبکر صدیق اور پھر خلافت عمر کے ابتدائی دور میں بھی اسی پر عمل رہا۔ اس باب میں حضرت عائشہؓ سے بھی روایت ہے یہ حدیث صحیح ہے اور زہری نے یہ حدیث بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

تشریح: آپ ﷺ کے زمانے میں فرائض کے بعد باقاعدہ تراویح نہیں پڑھی جاتی تھی البتہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ بغیر تاکید کے اس نماز کی ترغیب اور ثواب بیان فرمایا کرتے تھے اس پر صحابہ کرامؓ فرداً فرداً یہ نماز پڑھتے تھے تراویح کی باقاعدگی سے باجماعت ترتیب حضرت عمرؓ کے زمانے میں بنی تھی اس وقت سے آج تک شرقاً غرباً جماعت کے ساتھ بیس رکعت تراویح پڑھنے کا معمول چلا آ رہا ہے۔

ایماناً و احتساباً غفرله ماتقدم: ایمان کے معنی تو معلوم ہیں احتساب کے معنی ثواب کے ہیں۔ جو کام کسی وجہ سے دشوار ہو احادیث میں جب اس کا حکم دیا جاتا ہے تو ایمان واحتساب کی قید بھی لگائی جاتی ہے تاکہ عمل کرنے والے شوق سے کریں اور وہ مشکل کام ان کے لئے آسان ہو جائے۔ **ماتقدم من ذنبه** اس کے بارے میں علامہ نوویؒ نے فرمایا کہ مکفرات صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور کبائر کو ہلکا کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کے نامہ اعمال میں گناہ نہ ہوں تو اس کے درجات کو بلند کیا جاتا ہے۔

حضرات اکابر علمائے کرام کی تقاریظ کے اقتباسات

شیخ الحدیث
استاذ العلماء سندی و استاذی

حضرت مولانا محمد یٰسین صابر مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان

عزیزم مولوی مفتی عبدالرشید صاحب نے ترمذی شریف کی تسہیل و تبیین پر کام کیا ہے ماشاء اللہ اچھا کام ہے۔ میں نے دیکھا ہے تدریس اور دوسری مصروفیات کے باوجود تصنیف تالیف کا ذوق بڑی مبارک بات ہے۔ میرے نزدیک تو علم کی خدمت کسی درجہ میں ہو قابل رشک ہے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ عزیز موصوف کی اس محنت اور کاوش کو قبول فرماویں اور حدیث کے طلبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ اس کو نفع مند بناویں اور عزیز موصوف کے لئے دین و دنیا کی کامیابیوں کا ذریعہ بناویں۔ آمین ثم آمین

استاذ العلماء

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

نگرانِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

ہمارے سامنے فاضلِ اجل جامعہ خیر المدارس ملتان کے مایہ ناز فیض یافتہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے الخیر الشذی کے نام سے اردو زبان میں ایک منفرد انداز میں شرح تالیف فرمائی ہے۔ یقیناً یہ اہل علم کے لئے باعث فخر ہے۔ موصوف محترم نے اس سے قبل خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تالیف فرما کر اکابر علماء کرام سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے طلباء و طالبات کے لئے انتہائی مفید ہے حضرت مفتی صاحب اور ادارہ اشاعت الخیر کے ملتان کے ذمہ داران کو اس عظیم خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک ہم سب کو دین کی عالی محنت میں مصروف رکھے اور حضور اکرم کی محبت اور شفاعت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

مذہبی سکالر حضرت اقدس

مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی

مسجد قاسم علی خان پشاور

دورِ حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ اکابرین کے علمی اور تحقیقی اثاثہ کو سلیس اور عام فہم انداز میں تشنگان علوم نبویہ تک پہنچایا جائے اَلْخَيْرُ الشَّذِيُّ عبارت پر اعراب، عام فہم ترجمہ، بیان و توضیح مسالک، ترجیح مذہب حنفی، دیگر مسالک کے دلائل سے جوابات، مشکل صیغ کا صرفی و نحوی حل، ابواب کا باہم ربط و تعلق اور اکابرین کے علوم سے استفادہ کی خوبیاں اس تقاضا کی پوری رعایت کو جلو میں لئے ہوئی ہے۔ چند صفحات کے مطالعہ سے ناچیز کے ذہن میں استاد مکرم حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ (فاضل دیوبند) صدر مدرس جامعہ علوم اسلامیہ سرحدیہ پشاور کا درس ترمذی تازہ ہو گیا۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب سے ایک گزارش ہے کہ اپنی تمام تر تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں کو مؤخر کے اپنے زرین اوقات صرف "اَلْخَيْرُ الشَّذِيُّ" کے لئے مختص فرمادیں، یہ شمع رسالت کے پروانوں پر احسان عظیم ہو گا۔ اللہ کریم سے عاجزانہ دعا ہے کہ موصوف مکرم کی اس نادر علمی کاوش کو اپنی رضا کے لئے قبولیت سے نواز کر بعافیت جلد پایہ تکمیل تک پہنچادے اور سببِ افادہ عام و تام بنائے۔ آمین

استاذ العلماء، شیخ الحدیث

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

مہتمم جامعہ خیر المدارس و ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم جید الاستعداد اور فصیح البیان مؤلف ہیں۔ تدریسی و اشاعتی مشاغل کے باوجود مطالعہ و تصنیف کے لیے وقت نکال کر علمی و تحقیقی تالیفات اہلِ علم کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح "خیر التوضیح" میں وہ اپنی علمی و تحقیقی قابلیت ولیاقت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید زید مجدہم کی تالیف "الخیر الشذی" شروح کے اس گلدستہ میں نئے پھول کا اضافہ ہے۔ ع ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است...... بندہ کو اس کے چیدہ چیدہ مقامات کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، اندازہ ہوا کہ مؤلف موصوف نے محنت و عرق ریزی کے ساتھ شرح احادیث کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی محنت و اخلاص کو قبول فرمائیں اور اس شرح کو اساتذہ و طلبہ میں مقبولیت عطا فرمائیں (آمین)

استاذ العلماء

حضرت اقدس مولانا منیر احمد منور صاحب

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

الخیر الشذی شرح جامع الترمذی مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب کے فرستادہ چند صفحات کا مطالعہ کیا۔ شرح مذکور الحمدللہ جامع، مدلل، منقح اور حسن ترتیب کی خوبیوں سے مزین ہے اور علماء طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔

عالم اسلام کے ممتاز
مذہبی سکالر زود نویس مؤلف کتب کثیرہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است... کے مصداق مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ کا یہ علمی اور تحقیقی کارنامہ علمی اور حدیثی دنیا میں سراہا جائے گا کہ انہوں نے اکابر کی تحقیقات اور ان کے تدریسی مناہج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے منفرد عالمانہ اور محققانہ انداز میں مشاغل و موانع کثیرہ کے باوجود انتہائی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مستند و معتبر کتب کا عطر کشید کر کے "الخیر الشذی" کے نام سے جمع کر دیئے ہیں۔ اس مبارک سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہے جس میں ہزاروں صفحات کا عطر کشید کیا گیا ہے۔ اساتذہ و طلبہ کے لیے یکساں مفید ہے۔ یہ شرح ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ گراں قدر شرح حدیث کی خدمت کے سلسلہ میں ایک نادر اضافہ ثابت ہو گا اور شائقین علوم نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس سے بہت زیادہ مستفید ہوں گے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس انتھک محنت کو شرفِ قبولیت سے نواز کر ابدی سعادتوں کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

حضرت اقدس شیخ الحدیث

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب

دار العلوم مدنیہ بہاولپور

الحمدللہ! آج دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں حاضری کے موقع پر مولانا عبدالرشید صاحب زید مجدد کی شرح الخیر الشذی کو چند مقامات سے پڑھا اور الحمدللہ مولانا موصوف کی محنت طلباء کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے آمین

استاذ العلماء

حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جلد اول جامعہ خیر المدارس ملتان

اما بعد! برادر عزیز فاضل جلیل مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم ماشاء اللہ علماً و عملاً، درساً و تدریساً و تصنیفاً و تالیفاً شرحاً و تحقیقاً جامع الصفاتِ الحمیدہ ہیں۔ فاضل موصوف زید مجدہ کی مؤلفہ خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح سے اساتذہ و طلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی امام ترمذی کی شہرہ آفاق کتاب سنن ترمذی شریف کے درس سے متعلق یہ عملی گلدستہ بھی ہے ابتدائی چند مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس میں جامع ترمذی شریف کے درس سے متعلقہ جملہ مباحث کی کماینبغی رعایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شرح اساتذہ و طلبہ دورہ حدیث شریف کے لئے بہترین علمی تحفہ و ہدیہ ہے۔ اللہ جل جلالہ و عم نوالہ مقبولیت عامہ سے نوازے اور فاضل مؤلف اور ان کے جملہ متعلقین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

رئیس دار الافتاء و حضرت اقدس

مفتی محمد عبداللہ صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جامعہ خیر المدارس ملتان

جامع ترمذی پر بہت سے حضرات نے کام کیا ہے لیکن محترم و مکرم عزیزم مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم نے "الخیر الشذی" کے نام سے جو خدمت سرانجام دی، وہ اپنی مثال آپ ہے، انہوں نے اس گلدستہ میں ہر ہر نوع کے پھول سجائے ہیں، صحیح اعراب، حدیث کا ترجمہ، لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق، بیانِ مذاہب، دلائل، ترجیح الراجح اور حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث کو اس انداز میں جمع کیا ہے کہ دیگر بہت سی شروحات سے ان شاء اللہ بے نیاز کر دے گی۔... عزیز موصوف کو اللہ پاک نے بہت سی خوبیوں کا جامع بنایا ہے، موصوف ایک ہمہ وقت بہترین مصنف، بہترین کالم نگار، بہترین صحافی، بہترین مہتمم، بہترین ناظم، بہترین خطیب، بہترین تاجر ہیں، گویا اللہ پاک نے انہیں ہر فن مولا بنایا ہے۔ اللہ پاک نظر بد اور حاسدین کے حسد اور شریر کے شر سے محفوظ فرمائیں اور ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ عالی میں شرف قبولیت بخش کر علماء، طلبہ کے حق میں نافع بنائیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں قرب کا ذریعہ بنائیں اور ہم سب کیلئے ذریعہ نجات بنائیں۔ (آمین

شیخ الحدیث و صاحب تدریس جامع ترمذی

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ

مدیر دار العلوم کبیر والا

سنن ترمذی اپنے مخصوص فقہی طرز کی بناء پر درس نظامی میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے درس و تدریس میں خاصی محنت و جدوجہد کار فرما ہوتی ہے۔ ترمذی شریف کی کئی محققین نے شروحات لکھ کر خدمت کی جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں۔ اسی سلسلہ خدمت حدیث کی ایک کڑی "الخیر الشذی" بھی ہے۔ جو ہمارے برادرم محترم مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ نے محققانہ اور تدریسانہ انداز میں مرتب کی ہے۔ اس میں اکابر کے ذوق و تحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے، طالب علم کی اہم ضروریات یعنی اعراب، بامحاورہ ترجمہ، رواۃ حدیث کا تعارف، مذاہب ائمہ و مستدلات کو جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، ان خصوصیات کی بناء پر یہ شرح اساتذہ و طلباء اور دیگر محققین کی اہم بنیادی علمی ضروریات پوری کر دے گی۔ ان شاء اللہ